قدوری، ہدایہ اور تخصص فی الفقہ کے طلبہ کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ

القولُ الصّواب فی مسائلِ الکِتاب

یعنی

مُختصر القُدوری

میں مُفتیٰ بہا اقوال کی تعیین

مع مستدلات وتخریجات





بتائید ودعا

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

رئیس وفاق المدارس کراچی

زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب

نائب مفتی و استاذ جامعہ دار العلوم کراچی

تالیف

محمد عبدالقادر جیلانی

تخصص فی الافتاء: جامعہ دار العلوم عیدگاہ کبیروالا خانیوال

تمرینِ افتاء: دارالافتاء جامعہ دار العلوم کورنگی کراچی

تخصص فی الحدیث: جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قدوری [illegible] کے طلبہ کے لئے نعمت غیر مترقبہ

القول الصواب فی مسائل "الکتاب"

یعنی

مختصر القدوری

میں مفتی بہا اقوال کی تعیین

تالیف

محمد عبد القادر جیلانی

تخصص فی الفقہ والافتاء: ـــــ جامعہ دار العلوم عیدگاہ کبیر والا (خانیوال)

تمرینِ افتاء: ـــــ دار الافتاء جامعہ دار العلوم کورنگی کراچی

تخصص فی علوم الحدیث الشریف: جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن کراچی

بتائید و دعا

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

دامت برکاتہم العالیۃ

(رئیس وفاق المدارس العربیہ پاکستان و مدیر و شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی)

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی محمد عبد المنان صاحب

دامت برکاتہم العالیۃ

(نائب مفتی و استاذ جامعہ دار العلوم کورنگی کراچی)

مکتبہ عمر فاروق

4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی

Tel: 021-34594144 Cell: 0334-3432345




نام کتاب .... مختصر القدوری

تالیف .... محمد عبدالقادر جیلانی

اشاعت اوّل .... اگست 2012ء

تعداد 1100

طابع .... القادر پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر .... مکتبہ عمر فاروق 4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی

021-34594144 Cell: 0334-3432345

ای میل .... M farooq.12317@yaho.com



دارالاشاعت، اردو بازار کراچی

اسلامی کتب خانہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی

ادارۃ الأنور، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ

کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی

مکتبہ العارفی، جامعہ امدادیہ ستیانہ روڈ فیصل آباد

مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور

مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور

مکتبہ علمیہ، جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

وحیدی کتب خانہ، محلہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور

﴿انتساب﴾

اس حنّان ومنّان، رحیم وکریم

اللہ

(مالک الملوک والسلاطین والیِ الضعفاء والمساکین)

کے نام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جس نے، عوارض متتابعہ وموانع مختلفہ کے باعث جنم لینے والے

فتراتِ طویلہ کی بدولت، تألیف ہذا کے

تعطُّلات کا شکار رہنے کے باوجود، اس نااہل وکمزور بندے کو

محض اپنے انتہائی فضل وکرم سے اسے پایۂ تکمیل تک

پہنچانے کی توفیق عطا فرمائی۔

فله الحمد کل الحمد وله الشکر غاية الشکر.

تقاریظِ اکابر

شیخ الحدیث حضرتِ اقدس مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیۃ

(رئیس وفاق المدارس العربیۃ پاکستان ومدیروشیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی)

باسمہ الکریم!

الحمد للہ الذی کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

محترم مولانا عبدالقادر جیلانی نے "مختصر القدوری" پر جو کام کیا ہے۔ حضرت مولانا نورالبشر صاحب دامت برکاتہم العالیۃ نے تفصیل سے اسکا جائزہ لیا ہے اور مختلف وجوہ سے اسکی افادیت اور انفرادیت پر روشنی ڈالی ہے۔

احقر حضرت مولانا نورالبشر صاحب کی مکمل تائید کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ بزرگ وبرتر مولانا عبدالقادر کی مبارک مساعی کو حسنِ قبول عطا فرمائے اور مزید تحقیقی کاموں کی توفیق سے سرفراز فرمائے اور تمام شرور وفتن سے ان کو محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

سلیم اللہ خان

جامعہ فاروقیہ کراچی

۲۷ ؍ رجب ۱۴۳۳ھ

۱۸ ؍ جون ۲۰۱۲ء

حضرت اقدس مفتی محمد عبد المنان صاحب دامت برکاتہم العالیۃ

(نائب مفتی واستاذ جامعہ دار العلوم کراچی)

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله النبي الكريم وعلى آله وأصحابه وعلى من تبعهم أجمعين.

امابعد!

یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علمِ فقہ کو قرآن وحدیث کے بعد جو اعلیٰ مقام اور مرتبہ عطاء فرمایا ہے وہ علمِ دین سے ممارست رکھنے والے علماء اور طلباء پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور اس کی فضیلت اس بات سے واضح ہے کہ وہ بخت آور شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علمِ فقہ کا کوئی حصہ عطا کیا ہو اس کے بارے میں زبانِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ بشارت آئی ہے کہ من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين (صحیح البخاری جلد ۱، صفحہ ۱۳۳) یعنی جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اس کو تفقہ فی الدین عطا فرماتے ہیں۔

''المختصر للقدوری'' فقہ حنفی کی ان عظیم کتب میں سے ہے جن کو فقہ حنفی کا صحیح مذہب نقل کرنے میں متون کا درجہ حاصل ہے، اس لئے یہ کتاب علمِ فقہ میں بنیادی اہمیت کی حامل اور کسی تعارف کی محتاج نہیں، لیکن چونکہ متون میں اختصار مقصود ہوتا ہے اس لیے امام قدوریؒ نے اختلافی مسائل میں حنفیہ کے ائمۂ مذہب کے اقوال نقل کرنے کے بعد مفتی بہ قول کا خاص اہتمام نہیں کیا اور جب ایک مسئلہ میں ائمہ کے مختلف اقوال، علمِ فقہ کے طالبین کے سامنے آتے ہیں تو ان کیلئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کونسی روایت راجح اور کونسا قول مفتیٰ بہ ہے کہ اس پر عمل کیا جا سکے حالانکہ مفتیٰ بہ قول سے واقفیت علمِ فقہ کے طالبین خصوصاً پڑھانے والے اساتذہ کے لئے انتہائی ناگزیر ہے۔

جیسا کہ علامہ خیر الدین رملی نے ''فتاویٰ خیریہ'' میں ایک مسئلہ کے ضمن میں لکھا ہے کہ ''مختلف فیہ مسائل میں راجح و مرجوح کو پہچاننا اور قوی وضعیف کو جاننا علمِ فقہ کی تحصیل میں پایۂ تکمیل چڑھانے والوں کی آخری آرزو اور تمنا ہے'' لیکن عام طور پر طلبہ مفتی بہ قول سے ناواقف اور ناآشنا رہتے ہیں کیونکہ فقہی کتب میں مفتی بہ قول کی تلاش اور تعیین انتہائی مشکل اور عزمِ مصمم رکھنے والے شخص کا کام ہے اور بسا اوقات مفتی بہ قول کی تلاش کے لئے فقہ کی بیسیوں کتابیں دیکھنی پڑتی ہیں لیکن تلاش بسیار کے باوجود بھی مفتی بہ قول کی تعیین پر کامیابی حاصل نہیں ہو پاتی، اس لئے ''المختصر للقدوری'' پر ایسی خدمت کی ضرورت تھی جس میں مفتیٰ بہ قول کی تعیین کی گئی ہوتا کہ وہ تشنگانِ علمِ فقہ کی اس پریشانی کو دور کرے اور ان کی علمی پیاس کو بجھانے میں معاون اور

ممد ثابت ہو۔

زیرِ نظر کتاب دراصل اپنی ایک دیرینہ خواہش اور تمنا کی تکمیل ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا مفتی عبدالقادر جیلانی متخصص دارالعلوم کبیروالا کے ہاتھوں سے پایۂ تکمیل تک پہنچائی ہے۔ موصوف درسِ نظامی اور تخصص فی الافتاء سے فراغت کے بعد شعبان اور رمضان تعطیلات کے زمانہ میں تربیتِ افتاء کے لئے ہمارے پاس دارالافتاء دارالعلوم کراچی تشریف لائے تھے۔ یہاں انہوں نے چھٹیوں کے اس مختصر عرصہ کو جس طرح تول تول کر استعمال کیا اور دارالافتاء کے حضرات مفتیانِ کرام سے استفادہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آج تک ان کی محنت کے نقوش ہمارے دل و دماغ میں ان کی یاد تازہ کیے ہوئے ہیں۔

چنانچہ ان کے اندر خوابیدہ اور چھپی ہوئی صلاحیتوں کو دیکھ کر بندہ نے ان کو مشورہ دیا کہ فقہ حنفی کی مخدوم کتاب ''فتاویٰ عالمگیری'' پر اگر تحقیقی کام ہو جائے اور اس کی جزئیات کو قرآن وسنت کے نصوص سے آراستہ کر دیا جائے اور احادیث کی تحقیق وتخریج بھی ہو جائے نیز فقہ کے مسائل، اصولِ فقہ کے جن قواعد پر مبنی ہیں ان کی نشاندہی ہو جائے تو فقہاءِ متاخرینِ احناف کے سر سے ایک بہت بڑا قرضہ اتر جائے گا چنانچہ انہوں نے میری اس خواہش کی تائید وتوثیق کی اور خوشی کا اظہار کیا اور یہ کہا کہ انشاء اللہ، اللہ کے موفق بندے کبھی نہ کبھی یہ کام کر لیں گے۔

موصوف اپنی تربیتِ افتاء کا مختصر دورانیہ مکمل کر کے واپس چلے گئے لیکن اس وقت سے ماشاء اللہ ان کے ساتھ ایک قلبی تعلق قائم ہے اور الحمد للہ وقت گزرنے کے ساتھ یہ قلبی تعلق ان کیلئے علمی کاموں کا زینہ بن گیا ہے۔

موصوف کی یہ کتاب اسی مشورہ کی ایک کڑی ہے اس میں انہوں نے ان تمام چیزوں کا احاطہ کیا جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، اس کتاب کو دیکھ کر بہت خوشی اور مسرت ہوئی اور اس کے کچھ مقامات کے مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ مفتی بہ قول کی تعیین کے لئے مؤلف حفظہ اللہ تعالیٰ نے انتہائی عرق ریزی سے کام کیا ہے اور حنفیہ کی معتبر کتب سے اس کو حوالوں سے مزین بھی کیا ہے۔ مزید یہ کہ اس میں قرآن وحدیث کے متدلات بھی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ مؤلف حفظہ اللہ کی یہ کوشش بلاشبہ ''المختصر للقدوری'' کی گرانقدر خدمت ہے جو ''المختصر'' پڑھنے اور پڑھانے والوں کیلئے بہت مفید اور ایک عظیم علمی سرمایہ ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو امت کے لئے نفع مند بنائے اور علماء اور طلباء کو اس کتاب سے خوب استفادہ کی توفیق دے اور اللہ تعالیٰ مؤلف حفظہ اللہ تعالیٰ کی اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر ان کے لئے ذریعۂ نجات اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

واللہ المستعان

محمد عبدالمنان عفی عنہ

نائب مفتی واستاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

۲۰؍رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

حضرت اقدس مولانا نورالبشر صاحب دامت برکاتہم العالیۃ

(استاذ الحدیث وعلومہ بالجامعۃ الفاروقیہ کراتشی، مدیر معہد عثمان بن عفانؓ)

الحمد لله رب العالمين، والعاقبة للمتقين، والصلاة والسلام على سيدنا محمد النبي الامّيّ الامين وعلى آله واصحابه وتابعيهم ومن تبعهم باحسان إلى يوم الدين.

امابعد! فقہ حنفی میں امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی کتاب ''الکتاب'' یا ''مختصر القدوری'' کا مقام اہلِ علم پر مخفی نہیں، صدیوں سے اس کتاب سے استفادہ ہو رہا ہے، خاص طور پر درسِ نظامی کا کوئی طالب علم اس کتاب کو استاذ سے پڑھے بغیر عالم نہیں بنتا۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں اس کتاب کو قبولیتِ عامہ عطا فرمائی وہاں علماءِ اُمت نے اس کی مختلف جہات سے خدمت بھی کی ہے۔ شروح وحواشی اور حلِ کتاب کے حوالہ سے اس پر لکھی گئی کتابیں سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ انہی جہات میں سے ایک جہت اس کے مفتیٰ بہ مسائل کی تعیین بھی ہے جس پر نہایت معتمد ومعتبر کام علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جو ''الترجيح والتصحيح'' یا ''تصحيح القدوری'' کے نام سے معروف اور مطبوع ومتداول ہے۔

فاضل عزیز گرامی مولانا عبدالقادر جیلانی دامت برکاتہم کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے اردو کی کسی مزید شرح کے اضافہ کے بجائے ایک بامعنی اور پُر مغز موضوع کا انتخاب فرمایا جس کی طلبہ کو عموماً اور علماء و محققین اور اصحابِ فتاویٰ کو خصوصاً ضرورت تھی۔ پھر نہ صرف یہ کہ انہوں نے مسائل مفتیٰ بہا کو متعین اور واضح فرمایا۔ اس سلسلہ میں ان کی محنت کتنی زیادہ ہے اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ان کے لئے آسان صورت یہ تھی کہ جہاں جہاں امام قدوریؒ نے ائمہ کے اختلافات نقل کئے ہیں ان میں سے مفتیٰ بہ قول کا انتخاب فرما کر متعین کر دیتے اور بس! لیکن انہوں نے

اولاً: اختلافی مسائل اور غیر اختلافی مسائل کی تقسیم کی۔

ثانیاً: اختلافی مسائل میں بعض مقامات وہ ہیں جن میں امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے تینوں ائمہ کے اختلافات نقل کئے اور بعض میں تینوں کے اقوال نقل کرنے کے بجائے ایک یا دو قول پر اکتفا فرمالیا۔ عزیز گرامی نے دونوں قسم کے مسائل پر بھرپور مراجعت وتحقیق کے بعد اقوالِ مختلفہ نقل کئے۔

ثالثاً: مختصر القدوری میں بیشتر وہ مسائل ہیں جن میں مؤلف نے کوئی اختلاف نقل نہیں کیا۔ جس کا حاصل یہ نکلتا ہے

کہ اس متن متین میں جو مسئلہ اس طرح مندرج ہو گیا وہی مفتی بہ ہے جبکہ بعد میں آنے والے فقہاء نے مختلف وجوہات کی بناء پر اس کے خلاف فتویٰ دیا۔ عزیز موصوف نے ایسے مسائل کی بھی جانفشانی کے ساتھ نشاندہی کی۔

یہاں تک تو مسائل مختصر القدوری کے مفتیٰ بہ اور غیر مفتیٰ بہ اقوال کی تعیین سے متعلق محنت تھی۔ اس کے بعد موصوف نے ''قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل'' کے عنوان سے قرآن کریم، احادیث مرفوعہ، آثارِ صحابہؓ، نیز اصولِ فقہ کی روشنی میں دلائل عقلیہ کا معتد بہ اور معتبر ذخیرہ جمع فرمادیا۔ پھر صرف ان احادیث و آثار کے جمع کر دینے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ایک ایک حدیث و اثر کی تصحیح و تحسین کر کے اس کا قابلِ احتجاج و صالح للاستدلال ہونا ثابت کیا۔

اس سلسلہ میں انہوں نے اکثر اور غالب مقامات میں کبار محدثین کے کلام اور ان کے احکام کو نقل کرنے کا اہتمام کیا، تاہم جہاں ان کا کلام نہیں مل سکا وہاں اصولِ حدیث اور حدیثی قواعد کی روشنی میں اپنی طرف سے حکم لگانے کا التزام کیا، ایسے تمام مقامات کو ''قلت'' یا ''یقول العبد الضعیف'' کہہ کر ممتاز کر دیا۔ اس کے علاوہ ایک نہایت اہم کام موصوف نے یہ انجام دیا کہ قولِ مفتیٰ بہ کی فقہ حنفی کی بیسیوں کتب سے تخریج بھی کی اور ان سے اُس قول کے صراحۃً مفتی بہ ہونے کو نقل کیا اور صراحۃً نقل نہ ملنے کی صورت میں اصولِ افتاء کی معتبر کتابوں کی روشنی میں قولِ راجح کو متعین فرمایا۔

کہنے کو موصوف نے تین کاموں (۱) قولِ مفتی بہ کی تعیین (۲) اس کے دلائل (۳) اور قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج و تصحیح کا التزام کیا، لیکن ان تینوں کاموں کے لئے ان کو کیا جتن کرنے پڑے! کتنے ہزاروں صفحات کھنگالنے پڑے!! کتنی دماغ سوزی کرنی پڑی!!! کتنی راتیں آنکھوں پہ کاٹنی پڑیں!!! اس کا ایک معمولی سا اندازہ ان کے دیئے ہوئے ''مراجع و مصادر'' کی اُس فہرست سے ہو سکتا ہے، جس میں مندرج کتابوں کی تعداد چار سو سے متجاوز ہے۔

عزیز موصوف تلمیذ کے مولانا طارق جمیل صاحب مدظلہم کے مدرسہ کے ایک مقبول اور محنتی مدرس ہیں، چند سال قبل یہ اپنے تعلیمی مراحل کی تکمیل کے سلسلہ میں کراچی تشریف لائے اس وقت سے احقر کے ساتھ ان کا تعلق جو قائم ہوا وہ زمینی مسافت کی دوری کے باوجود بھرپور طریقے سے قائم ہے، کسی بھی علمی مسئلہ میں اپنے حُسنِ ظن کی بنیاد پر احقر سے مشورہ کرنے کو لازم سمجھتے ہیں اور ہمیشہ مشورہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس کام کے سلسلہ میں بھی عزیز گرامی نے مشورے کا مسلسل اہتمام رکھا۔

دل کی گہرائی سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کو علماء عاملین و کاملین میں سے بنائے، رسوخ فی العلم عطا فرمائے، خاص طور پر ان کی اس تصنیف لطیف اور محنت شاقہ کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول سے نوازے نیز ان کے واسطے، ان کے اساتذہ کے واسطے، والدین کے واسطے اور جمیع متعلقین و محبین کے واسطے ذخیرۂ آخرت بنا کر قبول فرمائے۔

؎ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

وکتبہ نور البشر محمد نور الحق

خادم حدیث و علومِ حدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

۱۴ر رجب ۱۴۳۳ھ / ۵ر جون ۲۰۱۲ء

حضرت اقدس مفتی محمد عبدالمجید دین پوری صاحب دامت برکاتہم العالیۃ ☆

(رئیس دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم.
نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین، اما بعد

علمائے سلف نے علومِ دینیہ، قرآن وحدیث وفقہ کی مختلف نوعیت سے خدمات سرانجام دی ہیں، انہی کی اقتدا میں بعد میں آنے والے علماء نے بھی اس سنتِ حسنہ کو جاری رکھا، اسی سنتِ مستمرہ پر عمل کرتے ہوئے نوجوان فاضل مولانا عبدالقادر جیلانی زید علمہٗ نے ''مختصر القدوری'' سے مفتی بہ مسائل کی نشاندہی کر کے اُن کے حوالہ جات کی تخریج کرتے ہوئے مسائل کو مستدلات سے مبرہن کر کے اصحابِ علم کے لئے بہترین تحفہ ترتیب دیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس کوشش کو قبول فرما کر اصحابِ علم کے قلوب میں اس کی قدر پیدا فرمادیں۔

فقط

کتبہ

محمد عبدالمجید دین پوری عفی عنہ
جامعہ علومِ اسلامیہ بنوریؒ ٹاؤن کراچی
یوم الجمعہ ۸ر شعبان ۱۴۳۳ھ

☆ **اعتذار:** لقد تأخر العبد الضعیف فی تحصیل ھذا التقریظ من فضیلۃ الشیخ الموقر حفظہ اللہ تعالی، فلذا لم یُکتَب -فی اُخر ھذا الکتاب- مع سائر التقاریظ. وھذا یُقدّمہ العبد الضعیف اعتذارًا مما فرط فیہ.

حضرت اقدس مفتی محمد انعام الحق صاحب قاسمی دامت برکاتہم العالیۃ

(نائب مفتی جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفی و الصلاۃ و السلام علی عبادہ الذین اصطفی ،أما بعد :

ہمارے اس دین کی شان بھی بڑی نرالی ہے جب سے اللہ رب العزت نے إنا نحن نزّلنا الذّکر و إنّا لہ لحافظون فرما کرتا قیام قیامت اس دین کے زندہ وتابندہ رہنے اور اس کی حفاظت کرنے کا وعدہ فرمایا ہے تب ہی سے اپنے منتخب بندوں کو سب کے درجہ میں اس کی خدمت کی طرف متوجہ فرمادیا۔

چنانچہ علماء امت نے بھی اس اس بھاری ذمہ داری کو نہایت خوش اسلوبی سے انتہائی سخت مشقتیں برداشت کر کے اس طرح نبھایا کہ فقط اس کی حفاظت اور صیانت کے لئے تقریباً سو علوم ایجاد کردیے ،صرف ایجاد ہی نہیں بلکہ ہر ایک کے متعلق سینکڑوں کتابیں تصنیف کر کے "فلیبلغ الشاھد الغائب" کا بجاطور پر حق ادا کردیا۔

انہیں علوم میں سے صرف ''علم الفقہ'' ہی کو لے لیا جائے کہ کتاب وسنت سے حاصل شدہ اصول وقوانین سے مسائل کا استنباط کر کے ایک مکمل قانون زندگی اور جامع اسلامی طرز حیات کو ترتیب دینے کے لئے تاریخ کی ذہین ترین باکردار و باعمل ہستیوں (فقہاء کرام) نے جو قربانیاں دیں اور تکلیفیں جھیلیں وہ واقعۃً اسلامی تاریخ کا سنہری باب ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے لے کر امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تک اور امام شافعی واحمد سے لے کر ابن الہمام اور ابوحنیفہ ثانی ابن نجیم تک اور خاتمۃ المحققین محمد امین ابن عابدین شامیؒ سے لے کر آج تک کی بے شمار علمی ہستیوں نے اس علم سے اپنا رشتہ استوار رکھا اور مختلف ادوار میں اس علم سے متعلق اس قدر کتابیں لکھیں کہ جن کا شمار مشکل نہیں ناممکن ہے۔ پھر اگر ایک طرف فقہی مسائل کی ترتیب وتدوین کا کام عمل میں آیا تو دوسری طرف ان کے دلائل کو ذکر کرنے کی طرف توجہ دی گئے ''متون'' ان کی شروح پھر شرح الشروح ،فتاوی ،مختلف موضوعات پر مستقل رسائل ،تحقیقی مقالات : غرض فقہ اسلامی کی تفہیم وتشریح کا وہ کون سا باب ہے جو تشنہ رہا ہو اور اس امت مرحومہ کے ان نفوس طیبہ اور اکابرین وقت نے اس پر خامہ فرسائی نہ کی ہو۔

فقہی مسائل کے انہی ذخیروں میں سے ایک ابوالحسین احمد بن محمد قدوری بغدادی حنفی المتوفی ۴۲۸ھ کی ''المختصر ''یا ''الکتاب'' بھی کا علم کم وبیش بارہ ہزار مسائل پر مشتمل تقریباً ایک ہزار سال قبل کا یہ وہ مستند متن متین ہے جو عہد تصنیف سے آج تک پڑھایا جارہا ہے۔ حاجی خلیفہ مصطفیٰ بن عبداللہ کاتب چلپی نے ''کشف الظنون'' میں نہایت جامع انداز میں اس کا تعارف کرایا ہے۔ فرماتے ہیں:

مختصر القدوری.......... وهو الذی يطلق عليه لفظ الكتاب فی المذهب وهو متن متين معتبر متداول بين الائمة الاعيان و شهرته تغنی عن البيان قال صاحب مصباح أنوار الادعية ان الحنفية يتبركون بقراءته فی أيام الوباء وهو كتاب مبارك ، من حفظه يكون أمينا من الفقر حتى قيل ان من قرأه على استاذ صالح ودعا له عند ختم الكتاب بالبركة فانه يكون مالكا لدراهم على عدد مسائله وفی بعض شروح المجمع لانه مشتمل على إثنی عشر ألف مسئلة . انتهى۔

''یعنی مختصر القدوری جسے ''الکتاب'' بھی کہا جاتا ہے ایسا معتبر متن ہے جسے بڑے بڑے ائمہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے اور آب تک تو یہ اتنا مشہور ہو چکا ہے کہ مزید محتاج بیان نہیں ہے۔ مصباح انوار الادعیۃ کے مصنف فرماتے ہیں کہ حنفیہ وباء کے زمانے میں اسے پڑھ کر برکت حاصل کرتے ہیں۔ اس مبارک کتاب کو پڑھنے والا فقر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ جو شخص اس کو کسی صالح استاذ سے پڑھے اور وہ ختم کے وقت برکت کی دعا کرے تو ان شاء اللہ وہ شاگرد اس کے مسائل کے شمار کے مطابق دراہم کا مالک ہوگا۔ الخ'' (کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون ۲/۱۶۳۱، مختصر القدوری، ط مکتبۃ المثنی بغداد)

مختصر القدوری کی اسی مقبولیت وافادیت کے پیش نظر ہر دور کے فقہاء نے اپنے اپنے انداز پر اس کی شروح لکھی ہیں احمد بن محمد ابونصیر الاقطع المتوفی ۴۷۴ھ کی دو جلدوں میں کی گئی شرح سب سے قدیم ہے۔ علاوہ ازیں ابوبکر بن علی حدادی المتوفی ۸۰۰ھ کی شرح ''السراج الوہاج'' اور پھر اسی کا اختصار ''الجوہرۃ النیرۃ''، محمد بن ابراہیم رازی المتوفی ۶۱۵ھ کی ''النوری''، محمد دین احمد قونوی المتوفی ۷۷۰ھ کی ''التقرید''، شیخ عبدالغنی بن طالب الغنیمی المیدانی المتوفی ۱۲۹۸ھ کی ''اللباب فی شرح الکتاب'' وغیرہا۔ بے شمار شروحات مختلف ادوار کی ضرورت کے مطابق اردو وعربی میں لکھی گئیں۔ کسی نے اس کے مسائل کی تنقیح وتلخیص کی، کسی نے اس کے حل مشکلات اور تشریح مسائل کو پیش نظر رکھا، کہیں اس کی احادیث کی تخریج کی گئی۔ ابوالمظفر ابن الحکیم المتوفی ۵۶۷ھ وغیرہ نے اس کے مسائل کو منظوم کیا اور نہ جانے کس کس انداز سے اس کی خدمت کی گئی جسے دیکھ کر بے ساختہ یہ دعا لب پہ آتی ہے:

شمع سبیل علم سدا ضوفشاں رہے

یا اللہ آنکہ حیات ابن کے یہ چشمہ رواں رہے

لیکن غالباً کسی شارح نے قدوری کے مفتی بہ وغیر مفتی بہ مسائل کو محل بحث نہیں بنایا۔

اللہ رب العزت جزائے خیر دے عزیز محترم متخصص فی الافتاء جامعہ دارالعلوم عید گاہ کبیر والا و متخصص فی الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن واستاذ مدرسہ عربیہ دارالعلوم عید گاہ تلمبہ ''مولانا محمد عبد القادر جیلانی'' کو کہ انہوں نے نہایت عرق ریزی، جانفشانی اور سلیقہ مندی سے اس عظیم کتاب کی یہ عظیم خدمت کی کہ مختصر القدوری میں مذکور اختلافی و غیر اختلافی مسائل میں سے ہر ایک میں جو مفتی بہ قول تھا (خواہ وہ مفتی بہ قول خود قدوری کا ہو یا قدوری والے مسئلہ کے بجائے دوسرا قول ہو) اس کی تعیین کردی ہے۔ نہ صرف تعیین بلکہ اس مفتی بہ قول کی عقلی و نقلی دلیل اور پھر متعدد کتب فقہ و فتاوی سے اس قول کے مفتی بہ یا مصحح ہونے کی تخریج بھی کردی ہے۔

بلا شبہ یہ اس کتاب کی نئے اسلوب پر خدمت ہے۔ موصوف کے لئے لائق فخر کارنامہ ہے اور علماء، طلباء، خصوصاً متخصصین فی الافتاء و مدرسین قدوری کے لئے نعمت غیر مترقبہ و غنیمت باردہ ہے۔

دعا ہے کہ حق تعالی شانہ عزیز موصوف کی اس کاوش کو قبول فرمائیں اور انہیں بیش از بیش علمی خدمات کے مواقع فراہم فرمائیں۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

کتبہ

محمد انعام الحق

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

۱۵/۷/۱۴۳۳ھ

حضرتِ اقدس مفتی حامد حسن صاحب دامت برکاتہم العالیۃ

(رئیس دارالافتاء دارالعلوم عیدگاہ کبیر والا خانیوال)

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده ونصلي ونسلم على رسوله الكريم

أما بعد:

عزیزم مولوی محمد عبد القادر جیلانی زیدمجدہ استاذ جامعہ قادریہ تلمیہ ومتخصص دارالعلوم کبیر والا کی تالیف "القول الصواب فی مسائل الکتاب" چیدہ چیدہ مقامات سے دیکھی۔ ماشاءاللہ موصوف نے بڑی عرق ریزی سے مسائلِ "قدوری" میں مفتی بہا اقوال کی تعیین مدلل انداز میں کی ہے۔ مزید برآں فقہ حنفی کے مسئلہ کی دلیل قرآن وسنت اور اقوالِ صحابہ سے بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ہر ایک حدیث شریف کی سند پر بھی بحث کی ہے۔

بندہ کے خیال کے مطابق فی زمانناً یہ کاوش اپنی مثال آپ ہے۔

حق تعالیٰ شانہ اس سعی کو مشکور بنائے۔ مؤلف کے ساتھ ساتھ قارئین اور معاونین کے لیے فلاح دارین کا ذریعہ بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین وعلیٰ صاحبہ ألف تسلیم۔

طالبِ خیر

حامد حسن

استاذ دارالعلوم عیدگاہ کبیر والا

۱۶/۷/۱۴۳۳ھ

حضرتِ اقدس مفتی عبدالحکیم صاحب دامت برکاتہم العالیہ

(نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

متونِ فقہ میں امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب القدوری کو نہایت وقیع مقام حاصل ہے زمانہ تألیف سے تاحال یہ عظیم الشان کتاب علماء وفقہاء میں مقبول ومتداول اور زیرِ درس رہی ہے مسائل میں پختگی اور استحضار کیلئے جن متون کو بکثرت یاد کیا جاتا تھا ان میں کتاب القدوری بھی شامل ہے۔ کتاب القدوری میں زیادہ تر مسائل وہ ہیں جو معمول بہا اور مفتیٰ بہا ہیں۔ بہت کم مسائل وہ ہیں جنہیں متأخرین نے امام قدوری کی رائے کے برعکس عرف کی تبدیلی یا تغیرِ زمانہ کی وجہ سے راجح اور مفتیٰ بہا قرار دیا ہے۔ بعض مسائل ایسے ہیں جن میں خود امام قدوری رحمہ اللہ نے ائمۂ احناف کا اختلاف نقل کیا ہے اور کسی راجح قول کی تعیین نہیں فرمائی، اس طرح کے مسائل میں راجح اور مفتیٰ بہ قول سے واقفیت کیلئے دیگر کتبِ فقہ وفتاویٰ کی طرف مراجعت ضروری ہے۔

برادرِ عزیز مولانا محمد عبدالقادر جیلانی سلمہٗ تعالیٰ ذی استعداد فاضل اور جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن کے متخصص فی الحدیث ہیں۔ دار الافتاء دار العلوم کراچی میں تمرین اور دار العلوم عیدگاہ کبیر والہ میں تخصص فی الافتاء کر چکے ہیں۔ موصوف نے ''القول الصواب فی مسائل الکتاب'' کے عنوان سے ''مختصر القدوری'' کے اختلافی مسائل میں مفتیٰ بہا اقوال کی تعیین فرمائی ہے۔

بالفاظِ دیگر اہلِ علم کو مفتیٰ بہ قول کی تعیین کیلئے بیسیوں کتابوں کی ورق گردانی کی جس مشقت کا سامنا ہوسکتا ہے فاضل مؤلف نے یہ سب مشقت خود برداشت کرتے ہوئے اقوالِ مفتیٰ بہا کو (ان کے مستدلات اور تخریجات سمیت) منقح کر کے اہلِ علم کیلئے راحت وسہولت میسّر کردی ہے اور طلبہ کو سہولتِ مذکورہ کی فراہمی کے ساتھ ساتھ تحقیق کی راہ سجھادی ہے۔ کتاب کے مطالعہ اور مصادر ومراجع کی طویل فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے اس مقالہ کی تألیف میں غیر معمولی محنت وتکلیف اٹھائی ہے۔

میری ناچیز رائے میں ''مختصر القدوری'' کے اساتذہ وطلبہ کے علاوہ اربابِ افتاء کیلئے بھی مؤلف کی یہ کاوش قابلِ قدر واستفادہ قرار پائے جانے کے لائق ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ قبول فرمائیں اور قبولیتِ عامّہ اور مقبولیتِ خاصّہ نصیب فرمائیں۔

بندہ عبدالحکیم عفی عنہ

۲۵/۷/۱۴۳۳ھ

حضرت اقدس مولانا محمد یاسین صابر صاحب دامت برکاتہم العالیہ

(استاذ الحدیث جامعہ عمر بن الخطابؓ، ٹی چوک ملتان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مختصر قدوری فقہ حنفی کے متون میں ایک عجیب وغریب متن ہے، ہر زمانے میں علماء اس پر اعتماد کرتے رہے اور اس کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے رہے۔ دونوں طرح کے فقہاء کے اقوال اس میں ذکر ہیں، مفتیٰ بہا بھی اور غیر مفتیٰ بہا بھی۔ ویسے تو اس کی بہت ساری شروح لکھی گئیں اور اس کی خدمت ہر دور میں فقہاء کرتے رہے ہیں مگر مفتی بہا اقوال اور غیر مفتی بہا اقوال کی تمیز اور نشاندہی کی جہت سے اس کی کوئی خدمت ہوئی ہو، میرے علم میں نہیں ہے۔

حاضر زمانے میں مدرسہ عیدگاہ تلمبہ کے نوجوان فاضل استاد محمد عبد القادر جیلانی صاحب نے اس جہت سے اس کی خدمت کی ہے، مجھے اس کے بارے میں بتایا، دِکھایا۔ کسی جہت سے بھی علمی کام ہو، مشکل ضرور ہوتا ہے مگر اس جہت سے یہ کام مشکل ترین تھا، مگر مثل مشہور ہے:

مشکلے نیست کہ آسان نہ شود
مرد باید کہ حراساں نہ شود

اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے برادرِ موصوف کیلئے اس کام کو آسان بنا دیا اور اس سے متعلقہ مواد اور مراجع کو جمع کرنے اور دیکھنے میں ان کی طبیعت لگی رہی، جس سے ان کا یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچ گیا جواب طباعت کے مراحل میں ہے۔ حاضر زمانہ کے علماء اور اہلِ تحقیق سے دست بستہ گزارش کرتا ہوں کہ ایسے ہونہار مصنفین اور اپنے کام کو تحقیقی بنانے والے علماء کی حوصلہ افزائی کریں بالخصوص برادرِ موصوف کے اس تحقیقی کام کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں اور فائدہ اٹھائیں اور علمی کام سرسری کرنے کی بجائے تحقیق کرنے کی فضا بنائیں۔ فاعتبروا یا أولی الأبصار.

ادھر بارگاہِ رب العالمین میں دست بدعا ہوں کہ اس عزیز موصوف کے کام میں قبولیت کی شان پیدا فرمادیں۔ دنیا، آخرت کی سرخروئیوں کا ذریعہ بنادیں۔ وما ذلك علی الله بعزیز۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

العبد الضعیف

محمد یاسین صابر

استاذ الحدیث جامعہ عمر بن الخطاب، ٹی چوک ملتان

۳۰ رجب ۱۴۳۳ھ بروز جمعرات

مُقَدِّمَة

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين الذی لا يبلغ وصف صفاته الواصفون ولا يدرک کنه عظمته المتفكرون ويقربا لعجز عن مبلغ قدرته المعتبرون الذی أحصى كل شئی عددا وعلما ولا يحيط خلقه بشئی من علمه الا بما شاء خضعت له الرقاب وتضعضعت له الصعاب أمره فی كل ما أراد ماض وهو بكل ما شاء حاكم قاض اذا قضى امرا فانما يقول له كن فيكون .

يقضی بالحق وهو خير الفاصلين ذو الرحمة والطول وذو القوة والحول الواحد الفرد له الملک وله الحمد ليس له ند ولا ضد ولا له شريک ولا شبيه جلّ عن التمثيل والتشبيه لا اله الا هو اليه المصير .أحمده كثيرا عدد خلقه وكلماته وملء أرضه وسماواته .

وصل الله تعالى على النبی المختار، محمد سيد الأبرار، المبعوث من أطهر بيت فی مضر بن نزار ،وعلى اله الأطهار ،وصحابته المصطفين الأخيار ،صلاة تجوز حد الاكثار، دائمة بدوام الليل والنهار. (١)

سببِ تالیف:۔

فقہ میں متون کو جو مقام و مرتبہ، اہمیت و منزلت حاصل ہے وہ کسی اہل علم پر مخفی نہیں ۔امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کی ''المختصر'' بھی انہی متون میں سے ہے۔ بلکہ متقدمین حنفیہ کے نزدیک فقہ حنفی کے متون اربعہ معتبرہ میں اس کا شمار کیا گیا ہے۔ نیز علماء وطلباء کی شروع سے ہی اسکی طرف کثرتِ اکتراث وغایتِ اعتناء ظاہر ہے کہ شرح، نظم، تلخیص، اختصار، حل المشکلات الغرض ہر جہت سے اسکی خدمت کی گئی ہے حتی کہ محض اس کی عربی شروح کی تعداد بیس (۲۰) سے متجاوز ہے نیز دور حاضر تک

١ ـ اقتبست الحمد من خطبة "الاستذكار" لابن عبد البر القرطبی ، وأما الصلاة فهی مستفادة من خطبه "الكافی فی فقه الامام أحمد" لابن قدامة المقدسی ، تيمنا بهما۔

تقریباً تمام مدارس دینیہ میں داخل درنصاب ہے۔

چنانچہ اگر بنیادی طور پر اس کو مکمل سمجھا کر پڑھا دیا جائے تو فقہ کی اساسی سطح کی اجمالا معتد بہ دسترس حاصل ہو جاتی ہے مگر اسکے ساتھ ہی لمحہ فکریہ یہ درپیش تھا کہ یہ بعض ایسے مسائل کو محیط ہے جن پر اب فقہ حنفی میں عمل اور فتوی نہیں ہے نیز اس کے اختلافی مسائل کے وقت بھی طالب علم اس اضطراب کا اسیر ہو جاتا ہے کہ اس مسئلہ خلافیہ میں کون سا قول معمول بہ اور مفتی بہ ہے تا کہ بوقت عمل اس پر اعتماد کیا جا سکے اگر یہ امر حل ہو جائے تو پھر اس کتاب (مختصر القدوری) کے تمام مسائل معتمد علیہا اور مفتی بہا ہو جائیں گے جن کو پڑھ کر طالب علم عمل کر سکتا ہے اور اہل علم اسکی روشنی میں مسئلہ بتا سکتے ہیں۔

اس غرض کی انجام دہی کے لئے بفضلہ تعالی یہ کام کیا گیا ہے۔ جو آپ کے سامنے ہے یہ کتاب ہذا (القول الصواب) کو سامنے رکھ کر قدوری کا درس و مطالعہ ہو جائے تو مذکورہ اضطراب ان شاء اللہ تعالی رفع ہو سکتا ہے۔

نیز اس عبد ناتواں نے جب اختلافی و غیر مفتی بہا مسائل میں مفتی بہا اقوال کی تعیین و تخریج کے کام کا آغاز کیا تو میرے مشفق و محسن حضرت اقدس فقیہ العصر حضرت مفتی محمد عبد المنان صاحب دامت برکاتہم العالیہ واستمرت فیوضہم السائلہ (نائب مفتی جامعہ دار العلوم کورنگی کراچی) نے ارشاد فرمایا کہ قول مفتی بہ کی تعیین و تخریج کے ساتھ ساتھ قرآن مجید، احادیث نبویہ، اور آثار صحابہ وغیرہ سے اس قول کا مستدل بھی تحریر کرنے کا اضافہ کر دو تا کہ مذہب احناف کے مؤید بالا حادیث ہونے کی حقیقت آشکارا ہو جائے اور طلبہ شروع سے ہی مسائل مہمہ کے بنیادی دلائل سے آگاہ ہو سکیں۔

بہر حال بندہ نے اپنی بے بضاعتی کے باوجود ان کے حسن ظن کو عملی جامہ پہنانے کی غرض کے پیش نظر اسکی سعی بھی شروع کر دی۔ جس پر وہ گاہے بگاہے نظر فرماتے رہے بالآخر یہ مسودہ ان کی توجہات و ارشادات اور سرپرستی و رہنمائی کی بدولت بفضلہ تعالی اتمام یکو پہنچا **فللّٰه الحمد والشكر**۔

الحاصل بایں ہمہ یہ سب کام اس عبد ضعیف کے ہاتھوں انجام کو پہنچا ہے **فان وقع موقع الصواب فموهبة من الله الوهاب وان وقع في الزلّة فمني ومن الشيطان ذي المذلّة.**

استطراد:۔

از راہ استطراد یہ معروض ہے جب بندہ مختصر القدوری کا طالبعلم تھا تو استاد محترم سے عموما اثناء درس یہ دریافت کیا کرتا تھا کہ اس اختلافی مسئلہ میں فتوی کس کے قول پر ہے؟ دراصل اسی روز سے یہ تخم میری کشت ویراں میں بیخ گرفتہ ہو گیا تھا کہ اس پر کوئی مستقل کتاب ہونی چاہیے جس سے ہمیں قدوری کے اندر مفتی بہ قول کی پہچان ہو سکے۔

خدائے پاک کی طرف سے کوئی نظام مقرر ہو چکا تھا جس کے تحت پھر اس رب ذو الجلال نے اس ناکارہ کو ہی اسی تخم کی آبیاری کی محض اپنے فضل سے توفیق بخشی اور یہ خواب جاگتی آنکھوں اس کے سامنے شرمندۂ تعبیر ہوا۔ اللہ تعالی اپنے کرم و احسان سے اس خدمت ضعیفہ کو اس عبد اضعف کے لئے متاع نجات بنائے۔ (آمین)

القول الصواب في مسائل "الكتاب" : توضیح وتعارف:

احقر نے اس کتاب کا نام "القول الصواب في مسائل الكتاب" تجویز کیا ہے کہ کتاب مختصر القدوری میں مندرجہ مسائل کے اندر درست اور راجح قول کی یہاں وضاحت کی گئی ہے کہ فقہ حنفی میں جب مطلق "الکتاب" بولا جائے تو اس سے امام قدوری کی یہی "مختصر" مراد ہوتی ہے۔[1]

---

١ ـ الی شواهده ومواضعه:

(١) شرَحَ الشيخُ عبد الغني الميداني (ت ١٢٩٨ھ) مختصر القدوري وسماه "اللباب في شرح الكتاب" وقال في مقدمته (١: ٢٩) وسميته "اللباب في شرح الكتاب" لانه المعنيُّ عند اطلاق الاصحاب

(٢) أطلق المرغيناني لفظة "الكتاب" في مصنفه الجليل "الهداية" في مواضع عديدة وأراد به مختصر القدوري هذا، كما وضحه شراحه، على ما يليك:

(أ) قال المرغيناني في الهداية (٢: ٥٢٥، ٥٢٤ ـ كتاب السرقة):

"واسم الدراهم يطلق على المضروبة عرفا فهذا يبين لك اشتراط المضروب كما قال في الكتاب"

وقال البابرتي في العناية بشرح الهداية (٥: ٣٤٢):

وقوله: (واسم الدراهم ينطلق على المضروبة الخ)......والمراد بـ"الكتاب" القدوري

(ب) قال في الهداية (٢: ٥٢٣):

"ثم قدر الادنى (أي أدنى التعزير) في الكتاب بثلاث جلدات"

قال الشارح النحرير ابن الهمام في شرحه الشهير "فتح القدير" (٥: ٣٣٥):

قوله (ثم قدر الادنى في الكتاب) يعني القدوري

(ج) قال في الهداية (٤: ٦٠٩ ـ باب جنايه المملوك)

"واطلاق الجواب في الكتاب ينتظم النفس وما دونها"

قال العيني في البناية شرح الهداية (١٦: ١٤٢) في شرحه: وأراد بالكتاب القدوري

(٣) قال حاجي خليفه في "كشف الظنون" (٢: ١٦٣١):

"مختصر القدوري في فروع الحنفية ...... وهو الذي يطلق عليه لفظ "الكتاب" في المذهب"

(٤) قال البركتي في "قواعد الفقه" (ص: ٣٩٢ الرسالة الرابعة منه: التعريفات الفقهية):

الكتاب: ما يكتب فيه ـ وعندنا اذا اطلق فهو القرآن الكريم كلام الله الملك العلام وفقهائنا اطلقوه على مختصر القدوري وعند النحاة الكتاب لسيبويه ـ

خُطّـة البحث

(موضوع ومنہج برائے کتابِ ہذا)

اول بطور تمہید کے یہ واضح رہے کہ مختصر القدوری کے مسائل دو اقسام پر منقسم ہیں:

(۱) اختلافی مسائل :۔ یعنی وہ مسائل جن میں امام قدوری نے کسی مسئلہ کے اندر کوئی ایک قول اختیار کرنے کی بجائے اس میں ائمہ کا اختلاف ذکر کیا ہے۔

(۲) غیر اختلافی مسائل:۔ یعنی وہ مسائل جن میں مختصر القدوری میں کوئی اختلاف مذکور نہیں ہے بلکہ مطلقا مسئلہ ذکر کیا ہوا ہے (خواہ ان میں درحقیقت اختلاف تھا یا نہیں تھا)۔

زیر نظر کتاب ''القول الصواب فی مسائل الکتاب ''یعنی'' مختصر القدوری میں مفتی بہا اقوال کی تعیین'' کے موضوع کا خلاصہ وماحصل یہ ہے کہ اس کا ہر مسئلہ درج ذیل تین عناوین پر مشتمل ہے:

۱۔ مفتی به قول :

بندہ نے ان دونوں قسموں میں جو قول مفتی بہ تھا اسکی تعیین کی ہے جس کا اسلوب ومنہج ذیل میں مذکور ہے۔

قسم اول: اختلافی مسائل: ان مسائل کی بھی دو قسمیں ہیں:

(الف) وہ مسائل جن میں امام قدوری نے اس مسئلہ کے اندر ہمارے ائمہ ثلاثہ میں سے سب کے اقوال نقل کیے ہیں۔

(ب) وہ مسائل جن میں صرف ایک یا دو ائمہ کے اقوال پر امام قدوری نے اکتفاء کیا ہے اور سب کے اقوال نقل نہیں کیے۔

قسم اول تو واضح تھی البتہ قسم دوم کے اعتبار سے اول بندہ نے اس میں معتبرات ومطولات کی طرف مراجعت کر کے باحوالہ اس میں تینوں ائمہ کرام کے اقوال نقل کیے ہیں پھر ''اختلافی مسئلہ'' کا عنوان دے کر اس کے نیچے اقوال ائمہ کے بیان کے ساتھ مکمل اختلافی مسئلہ ذکر کیا ہے ،اور قسم دوم کی صورت میں حاشیہ میں بیانِ مراجع کا بھی التزام کیا ہے۔اس کے بعد ذیل میں ''مفتی بہ قول'' کا عنوان دے کر اس میں قول مفتی بہ کی تعیین بالصراحت کی ہے،مثلاً: ''اس میں فتوی امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے''وغیرہ۔

قسم دوم: غیر اختلافی مسائل :-

ظاہر ہے کہ امام قدوری کی کتاب ہذا میں قسم دوم کے مسائل ہی زیادہ ہیں ان کی بنسبت اختلافی مسائل بہت کم ہیں مگر ان میں سے بعض مسائل میں اصحاب کتب فتاوی نے **مختصر القدوری** میں مذکورہ قول کی بجائے دوسرے قول کو مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر صراحۃً مفتی بہ اور صحیح کہا ہے:

(۱) عرف تبدیل ہوگیا ہے۔

(۲) حوادث وتغیراتِ زمانہ کے پیش نظر متاخرین نے دوسرے قول کو برائے فتوی اختیار کرلیا۔

(۳) اس مسئلہ میں قولِ مذکور امام قدوری کی رائے کے موافق راجح تھا اگرچہ وہ خود بھی اَجلّہ مشائخ میں سے ہیں مگر دیگر تمام مشائخ یا اکثر مشائخ کے نزدیک اس کے بالمقابل دوسرا قول راجح ومختار تھا وغیرہ وغیرہ۔

تو بندہ نے ایسے تمام مسائل (جن میں مختصر قدوری والے مسئلہ کی بجائے کتب فتاوی میں دوسرے قول کی تصحیح اور اس پر فتوی مذکور تھا) کو اپنی اس کتاب میں ''مسئلہ'' کا عنوان دے کر اول نیچے **مختصر القدوری** کے اس مسئلہ کی عبارت ذکر کی ہے۔ پھر ذیل میں ''مفتی بہ قول'' کا عنوان دیکر اس بارے میں جو مفتی بہ قول تھا اس کو درج کیا ہے، مثلاً: ''اس مسئلہ میں فتوی اس پر ہے کہ............'' وغیرہ

دونوں مذکورہ قسموں (اختلافی مسائل وغیر اختلافی مسائل) میں ''مفتی بہ قول'' ذکر کرنے کے بعد اس کے دلائل اور تخریج کو منضبط کیا ہے جیسا کہ ذیل میں اس کا تذکرہ آرہا ہے۔

۲: قول مفتی به کا مستدل :-

اس عنوان کے ذیل میں بندہ نے آیات، احادیث، آثار، اصول فقہ اور دلائلِ عقلیہ سے مذکورہ بالا مفتی بہ قول کے دلائل درج ذیل ترتیب کے ساتھ ذکر کیے ہیں۔

(۱) اگر اس سلسلہ میں کوئی قرآنی آیت مجھے ملی ہے تو اسکو ذکر کیا ہے پھر اگر وہ استدلال میں صریح تھی فبہا ورنہ اردو زبان میں وجہ استدلال باحوالہ ذکر کی ہے۔

(۲) دوسرے نمبر پر اس قول مفتی بہ کی دلیل میں احادیث درج کی ہیں جس کتاب سے حدیث لی ہے اس کا صفحہ، جلد اور حدیث نمبر بھی ساتھ ہی درج کیا ہے اور احادیث کے بعد پھر آثار صحابہ باحوالہ نقل کیے ہیں۔ ان دونوں (یعنی احادیث وآثار) میں حاشیہ کے اندر ان کی اسنادی حیثیت پر بھی گفتگو کی ہے چنانچہ فقہ حنفی کے مسئلہ مذکورہ کا مستدل بننے والی حدیث میں اگر کسی راوی پر جرح کی گئی ہے یا اسکی سند ومتن پر ضعف یا کسی نوع کی کوئی جرح منقول ہے تو اس جرح کو اس طرح رفع کیا ہے کہ وہ حدیث واثر صالح للاحتجاج ہوجائے۔ یہ سب کام بندہ نے إعلاء السنن، نصب الرایہ، فتح القدیر (لابن الہمام)، التجرید (للقدوری)، بذل المجہود، عمدۃ القاری، فتح الملہم، مجمع الزوائد، التلخیص الحبیر، البدر المنیر وغیرہ اس فن کی متعدد معتبر

کتب سے استفادہ کرکے ان کے حوالہ کے ساتھ درج کیا ہے۔

اسی طرح مستدرکِ حاکم کے ساتھ ذہبی کی تلخیص ،بیہقی کی سننِ کبریٰ کے ساتھ الجوہر النقی ،سننِ ابن ماجہ کے ساتھ مصباح الزجاجۃ ،طبرانی کی معاجمِ ثلاثہ کے ساتھ ہیثمی کی مجمع الزوائد ،مصنف ابن ابی شیبہ کے ساتھ شیخ عوامہ کی تعلیق ، مسانید عشرہ کے زوائد کیلئے اتحاف الخیرۃ المہرۃ وغیرہ کتب بھی پیشِ نظر رہی ہیں۔

الغرض اسنادی گفتگو کیلئے اَجلّہ مشائخ کی معتبرات سے استفادہ کرکے لکھا ہے اور بعض مقامات پر اصول حدیث کی روشنی میں بندہ نے خود بھی مختصراً کلام کیا ہے مگر ایسے مقامات پر شروع میں ''قلتُ'' یا ''یقول العبد الضعیف عفا اللہ عنہ'' تحریر کر دیا ہے تاکہ قاری پر امر مشتبہ نہ رہے۔

(۳) آخری درجہ میں اصول فقہ اور دلائل عقلیہ سے کام لیتے ہوئے مستند کتب جیسے المبسوط للسرخسی ، البدائع ،البحر ،التبیین ،مجمع الانہر ،الہدایۃ وغیرہ کے حوالہ سے بزبان اردو اس مسئلہ کو مُبرہن کیا ہے۔

﴿۳﴾ : قول مفتی بہ کی تخریج :

ہر مسئلہ کی تحقیق و تخریج کا یہ آخری عنوان ہے جس کے ذیل میں بندہ نے مذکورہ بالا مفتی بہ قول کی فتاویٰ شامیہ ،ہندیہ ،خانیہ ،بزازیہ ،خلاصۃ الفتاویٰ ،تاتارخانیہ ،فتح القدیر ،مجمع الانہر ،البحر ،النہر ،التبیین ،البدائع ،المبسوط وغیرہ الغرض متعدد معتبر کتبِ فقہ و فتاویٰ سے تخریج کی ہے کہ ان کتب سے اس مسئلہ سے متعلقہ وہ مکمل عبارات نقل کی ہیں جن میں وضاحت کے ساتھ قول مذکور کی تصحیح اور اس پر فتویٰ مذکور ہے البتہ بعض وہ مقامات جن میں مطولات و معتبرات کی کتبِ کثیرہ میں بھی اس قول کی صراحۃ تصحیح ، یا افتاء منقول نہیں تھا تو ایسے مواضع پر بندہ نے عموماً خاتمۃ المحققین علامہ شامیؒ کے اصول افتاء پر تحریر کردہ رسالہ ''شرح عقود رسم المفتی'' اور ''مقدمہ رد المحتار'' میں مذکورہ اصول کی روشنی میں قول راجح کی تعیین کی ہے۔

عنوان مذکور کے تحت بندہ نے پانچ سے سات کتب تک کی عبارات درج کی ہیں اور اگر اس قول کی تصحیح مزید کتب میں بھی مذکور تھی تو آخر میں ''و کذا فی الکتب الأُخَر'' لکھ کر اس کے حاشیہ میں ان تمام کتب کے اَسامی مع بیانِ صفحہ و جلد درج کردیے ہیں۔

الحاصل :

اس کتاب میں مسائلِ مختصر القدوری کی دونوں قسموں (اختلافی وغیر اختلافی مسائل) میں مفتی بہ قول ذکر کردینے سے ان شاء اللہ پوری ''مختصر القدوری'' مفتی بہ ہوگئی ہے کہ مختصر القدوری کا اگر کوئی مسئلہ اختلافی یا غیر مفتی بہ ہوگا تو وہ قول مفتی بہ کی تعیین کے ساتھ کتاب ہذا ''القول الصواب فی مسائل الکتاب'' میں مذکور ہوگا ورنہ اس کے علاوہ مختصر القدوری کے باقی تمام مسائل معمول بہا و مفتی بہا ہوں گے۔ یہ اس عبدِ ضعیف کی اپنی بساط کے بقدر ایک ادنیٰ سعی ہے جو عرصہ تین برس میں بفضلہ تکمیل کو پہنچی ہے فان کان صوابا فمن اللّٰہ الرَّحمٰن و ان کان خطأً فمِنّی و مِنَ الشیطان.

قول مفتی بہ کی تعیین سے متعلقہ امور

(۱) قدوری کے بعض مسائل اپنے اطلاق کی بدولت مفتی بہ اور غیر مفتی بہ ہر دو حیثیت کے حامل نظر آتے ہیں ہر چند کہ ان کے بے غبار مفتی بہ ہونے کے لئے ان میں چند قیود کے اضافہ کی ضرورت ہوتی ہے مگر بایں ہمہ ان کو بوقت اطلاق غیر مفتی بہ کہنا بھی مشکل ہے۔ چنانچہ میں نے اس نوع کے تمام مسائل کو بحالہا چھوڑ دیا ہے کہ ان میں ذکر قیود کے درپے ہوا ہوں اور نہ ہی ان کو غیر مفتی بہ شمار کر کے اس کتاب میں ذکر کیا ہے۔ الغرض زیر نظر کتاب میں اختلافی مسائل کے علاوہ صرف وہ مسائل مذکور ہیں جن میں فتوی بالکل ان کے بالمقابل دوسرے قول پر تھا۔

البتہ بعض وہ مسائل جو عند البعض اگرچہ صحیح تھے مگر کتب معتبرہ میں اکثر مشائخ کے ہاں اس سلسلہ میں قول اصح اس کے مقابل دوسرا قول تھا تو ان مسائل کو بھی میں نے اختیار للأ صح اس کتاب کا جزو بنایا ہے اور اسکی تصریح بھی کر دی ہے۔

(۲) مسائل خلافیہ کے علاوہ دیگر مسائل میں سے غیر مفتی بہ مسئلہ کا انتخاب مجھ جیسے قصیر الباع اور قلیل البضاعۃ متعلم کیلئے ایک بارگراں کی مثل ہوتا تھا۔ (اگرچہ ابن قطلوبغا کی ''الترجیح'' میرے لئے نہایت ممد و معاون ثابت ہوئی بلکہ اس عمل میں اساسی ماخذ کی حامل تھی)۔

بسا اوقات اس میں وقت کثیر صرف ہو جاتا کہ آیا یہ مفتی بہ قول ہی ہے یا اسے غیر مفتی بہ قرار دیکر کتاب ہذا میں شامل کر دوں۔ یہ عارضہ بالخصوص اس وقت دامن گیر ہوتا تھا جب بادی النظر میں قدوری کے حواشی وغیرہ میں وہ مسئلہ غیر مفتی بہ دکھائی دیتا مگر جب میں کتب میں سے مطولات وامہات الفتاوی کی طرف مراجعت کرتا تو پھر جا کر کہیں معاملہ منکشف ہوتا اور مسئلے کی حقیقت حال واضح ہوتی' چنانچہ اگر امام قدوری کا اس ''مختصر'' میں اختیار کردہ قول مختار مشائخ اور صحیح ہوتا تو پھر اس کو بحالہ چھوڑ کر آگے چل دیتا۔

مثلاً باب حد القذف میں'' وان قال :یا حمار او یا خنزیر لم یعزر '' میں اس کی سزا کے اندر تعزیر، عدم تعزیر اور الفرق بین الاشراف وغیرہم جیسے اقوال دیکھ کر خاصی اضطراب کی کیفیت سے دوچار رہا۔ بالآخر جب المبسوط للسرخسی (۹:۱۲۰) الفتاوی الہندیہ (۲:۱۶۸) البحر الرائق (۵:۷۷) اور الفتاوی الخانیہ (۳:۴۸۰،۴۸۱) وغیرہ میں اقوال مذکورہ بیان کرنے کے بعد ان حضرات ومشائخ کی جانب سے عدم تعزیر کی تصحیح صریح ملی تو میں مختصر القدوری کے اس مسئلہ کو بحالہا چھوڑ کر (یعنی اسے کتاب ہذا میں مسائل غیر مفتی بہا کے ذیل میں لائے بغیر) آگے چل دیا۔

لہذا اگر کسی صاحب علم کو مختصر مذکور میں اس طرح کا کوئی مسئلہ نظر آئے جو چند ایک کتب کے دیکھنے سے غیر مفتی بہ معلوم ہوا اور اس (القول الصواب) میں مذکور نہ ہو تو اول اس کو مطولات ومعتبرات میں اس کی تحقیق وتدقیق کرے پھر بھی اگر

وہ غیر مفتی بہ ہوتو اسے ان کتب کی تخریجات کے ساتھ (مع ذکر المصادر بضبط المجلد والصفحۃ) لکھ کر عبد ضعیف کو ارسال کردے کہ یہ پہلے ہی اپنے تہی دامن ہونے کا معترف ہے تاکہ اسکو آئندہ طباعت میں شامل کیا جاسکے اور مرسل کے لئے موجب اجر بنے۔

قول مفتی بہ کے مستدل سے متعلقہ امور

(۱) احقر نے ہر مسئلہ میں قول مفتیٰ بہ کے مستدل کو اسکی تخریج پر مقدم کیا ہے۔ تاکہ فقہ حنفی میں مفتی بہ قول کو ذکر کرنے کے بعد اولاً اس کے حق میں قرآن وحدیث سے تائیدات ذکر کی جائیں پھر اسکی ترجیح وتصحیح میں فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات فقہیہ ''تخریج'' کے عنوان کے ذیل میں درج کی جائیں تاکہ قرآن وحدیث کے ارشادات رتبۃً مقدم ہونے کی بناپر لفظاً بھی مقدم ہوں اگرچہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ عموماً اختلاف مسئلہ کے وقت پہلے قول راجح کی وضاحت کرتے ہیں اور اس کی تصحیح وافتاء کی عبارات ذکر کرتے ہیں پھر اس کے دلائل نقل کرتے ہیں۔

چنانچہ احقر جب اس مسودہ کو دوران تالیف نظر اصلاح واسترشاد کی غرض سے پاکستان کے مختلف مشائخ مفتیان عظام دامت برکاتہم ومدت ظلالہم کی خدمات میں حاضر ہوا تو اس دوران حضرت مفتی حمید اللہ جان صاحب دامت برکاتہ (سابق رئیس دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور) نے فرمایا تھا کہ تخریج کے عنوان کو 'مستدل' کے عنوان پر مقدم کرنا بہتر ہے مگر اس وقت چونکہ اس کتاب کا معتد بہ حصہ لکھا جاچکا تھا بلکہ اس کا شروع والا حصہ کمپوزر کے پاس بھی چلا گیا تھا اور اب تبدیلی قدرے مشکل تھی اس لئے اسی ترتیب سابق کو برقرار رکھا گیا تھا نیز بایں ہمہ اس سے نفس مقصود میں چونکہ کوئی کمی واقع نہیں ہورہی تھی اور ساتھ ہی غرض مذکور کے موافق تقدیم رتبی بھی پیش نظر تھی اس لئے بھی اس کا تحمل کرلیا گیا۔

(۲) بعض مقامات پر ہدایہ، بدائع، بحر وغیرہ کتب میں آپ دیکھیں گے کہ زیر بحث مسئلہ کی دلیل میں کوئی حدیث شریف مذکور ہے لیکن پھر بھی بندہ نے اسکو یہاں ''قول مفتی بہ کا مستدل'' کے ذیل میں ذکر نہیں کیا اسکی عموماً وجہ تو یہی ہے کہ ہمارے محدثین حنفیہ نے اسے استدلالاً قبول نہیں کیا کہ امام زیلعی نے نصب الرایہ، علامہ عثمانی نے اعلاء السنن، محقق ابن الہمام نے فتح القدیر، علامہ عینی نے عمدۃ القاری یا اسی طرح دیگر ہمارے مشائخ حنفیہ میں سے کسی نے اس پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہوتا تھا اس لئے احقر نے اس کو درج نہیں کیا یا مجھ کوتاہ نظر کے نزدیک وہ ضعیف تھی اور اس کا ضعف احقر سے اسکی کوشش کے باوجود منجبر نہیں ہوسکا یا پھر وہ سعی کے مقدور حاصل ہونے والے جمیع مظان ومواضع میں غیر مسند ہی ملی اسلئے اس کو ذکر کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ فإن ضير لأحد غير هذا فليعلمني محتسباً لأن العبد من الضعاف۔

(۳) مستدل کے حواشی میں بعض مقامات پر حوالہ جات کے اندران کتب کے اسامی بھی مندرج ہیں جو اہل تحقیق واتقان کے ہاں مستند ومعتبر ماخذ کی حامل نہیں ہیں جیسے دیلمی (متوفی: ۵۰۹ھ) کی الفردوس، حکیم ترمذی (متوفی: نحو

۳۲۰ھ) کی نوادر الاصول، ثعلبی (متوفی :۴۲۷ھ) کی تفسیر قرآن، قضاعی (متوفی :۴۵۴ھ) کی مسند الشہاب، متقی (متوفی :۹۷۵ھ) کی کنز العمال وغیرہ۔

مگر بایں ہمہ میں نے کہیں بھی ان کو اساسی مصدر ومرجع کی حیثیت نہیں دی بلکہ مضمون مذکور اصالۃ کسی اور مستند کتاب سے اخذ کیا ہے پھر اگر وہی مضمون ان کتب میں بھی موجود تھا (جو عند الانفراد معتبر ماخذ نہیں ہیں اور عند المحققین محض انہی کے حوالہ پر اکتفاء درست نہیں سمجھا جاتا) تو اساسی ماخذ کے تحریر کرنے کے بعد ان کو بھی ضمنا درج کر دیا ورنہ اصل مضمون مستند مصدر سے ہی ماخوذ ہے۔ الا یہ کہ وہ مضمون اسی کتاب میں ملا ہو تو پھر اسکی اسناد کے صالح للاحتجاج ہونے کی شرط کے ساتھ اس کتاب کے حوالہ کو عند الانفراد درج کرنے کا تحمل کیا ہے مگر ساتھ ہی اسکی اسناد مذکور کے صالح اور غیر مجروح ہونے کا حال بھی ائمہ مشائخ کے کلام سے باحوالہ ذکر کر دیا ہے۔ نیز واضح رہے کہ اس استثنائی صورت کا وقوع شاذ ونادر ہوا ہے۔ عموما بلکہ دائما مذکور الصدر صورت ہی زیر استعمال رہی ہے۔

یہ تو ان کتب کا بیان تھا جو من وجہ ماخذ بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں تاہم اس سلسلہ میں اگر کوئی ایسی کتاب تھی جو محققین اہل علم کے ہاں حوالہ اخذ کرنے کے لائق ہی نہیں تھی تو مضمون مذکور اگر چہ اس کتاب میں بھی موجود تھا لیکن اس کے باوجود اس کتاب سے میں نے ضمنا بھی حوالہ نقل نہیں کیا جیسے ''تنویر المقباس فی تفسیر ابن عباس'' کہ یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہے مگر درحقیقت جس سند سے یہ کتاب مروی ہے (یعنی عن محمد بن مروان السدی عن محمد بن السائب الکلبی الخ) محدثین کے نزدیک یہ سند ''سلسلۃ الکذب'' میں شمار ہوتی ہے لہذا جب تفسیر مذکور کی حضرت ابن عباس کی طرف نسبت ہی ثابت نہ ہوئی تو اسکو غیر معتمد علیہ ماخذ میں سے شمار کیا جائیگا اور اسکا حوالہ بھی معتبر تسلیم نہیں کیا جائیگا۔ فلذلك اجتنبته فی باب الاحالة۔

الحکم علی الحدیث سے متعلقہ امور

(۱) جو حدیث متفق علیہ یا صحیحین میں سے کسی ایک میں تھی اور اسی طرح وہی حدیث دیگر اسانید کے ساتھ دوسری کتب میں موجود تھی تو میں نے حوالہ کے اندر ان دیگر کتب کو بھی درج کیا ہے۔ مگر ان کی اسنادی حیثیت کی تعیین سے تعرض نہیں کیا کیونکہ صحیحین میں وارد ہونے کے بعد اسکی حاجت باقی نہیں رہتی۔

(۲) ایک ہی مضمون سے متعلقہ عموما متعدد روایات ذکر کی ہیں اور ان کی اسنادی حیثیت (من حیث صلاحہا للاحتجاج) پر بھی گفتگو کی ہے مگر بعض مقامات پر ''مستدل'' کے تحت مذکورہ تمام احادیث وآثار کے اسنادی حکم کو بیان کرنے کے متعرض نہیں ہوا۔ یہ عام طور پر وہاں ہوا ہے جہاں شروع مستدل میں ہی اس مضمون کو چند مستند ومعتبر احادیث وآثار سے ثابت کر دیا تھا۔

کیونکہ جب ایک دفعہ وہ مضمون چند احادیث جن کی اسنادی حیثیت کا حکم بھی من حیث صلاحہ للاحتجاج بیان کر دیا تو

دیگر روایات کا اسنادی حکم بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔

(۳) کسی حدیث واثر کی اسنادی حیثیت پر ائمہ محدثین کا کلام نقل کرنے کے ساتھ آخر میں اگر احقر نے ازخود کوئی بات ذکر کی ہے یا اسی طرح کسی مقام پر کسی راوی واسنادِ حدیث یا ضبطِ کلمہ وشرح غریب الحدیث وغیرہ کے سلسلہ میں احقر نے اپنی طرف سے کوئی بات تحریر کی ہے تو ایسے تمام مواضع پر ''قلت'' یا ''یقول العبد الضعیف عفا الله عنه'' لکھ دیا ہے کما سبق ذکرہ۔

(۴) اس ''حکم علی الحدیث'' والے کام کے سلسلہ میں اگر کسی مجالِ مبہم پر مجھے کوئی الجھن پیش آئی ہے تو ازخود کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے اپنے اکابر (مثلاً محدث ناقد حضرت مولانا نور البشر صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ وغیرہ) سے مشاورت واسترشاد کے بعد کچھ تحریر کیا ہے کہ احقر اپنے اوپر اعتماد کو خطرے سے خالی نہیں سمجھتا۔

(۵) بعض مقامات پر ''مستدل'' میں احادیث مذکورہ کا حکم بیان کرنے میں احقر نے اُن مشائخ محدثین کی طرف سے حکم ذکر کیا ہے جنہوں نے اس حدیث کی مذکورہ سند کے علاوہ کسی دوسری سند سے مروی اسی حدیث کا حکم بیان کیا ہے۔ اس سے اگرچہ ''مستدل'' کے ذیل میں مذکورہ اسناد کی تصحیح تو ثابت نہیں ہوگی البتہ اسکے متن کی تصحیح حاصل ہو جائیگی وھو المقصود من ایراد ذلك الحدیث فی المستدل

(۶) مستدلاتِ حنفیہ پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کا رد اور جرح وقدح عند الانفراد معتبر نہیں ہے کہ ان کا احناف کے بارے میں تعصب معروف ہے۔ [1]

چنانچہ اسی تناظر میں ''مستدل'' کے تحت مذکورہ مستدلات کو دیکھا جائے کیونکہ احقر نے اُسی حدیث کی تصحیح یا تحسین درج کی ہے جو اجلہ وکبار مشائخ محدثین کے ہاں صحیح یا حسن تھی پھر خواہ ابن حجر کی طرف سے اس پر کوئی جرح بھی منقول تھی تو بھی اسکی تصحیح وغیرہ کو برقرار رکھا ہے۔

(۷) تعیینِ رُواۃ بلاشبہ ایک امر خطیر ہے جو سبر رجال میں ممارست، شیوخ وتلامیذ کی معرفت، کنی اور القاب وانساب کی دانست، جمع طرق کی صلاحیت، نظر وفکر کی دقت اور مطالعہ کی وسعت جیسے امور کا مقتضی ہے۔

اور پھر ان رواۃ کا ترجمہ وبیان حال ایک مستقل موضوع ہے جس میں جرح وتعدیل کے قواعد وضوابط، جارحین ومعدلین کی شرائط، ان کی بعض مصطلحاتِ مخصوصہ، ناقدین کی انواع واقسام، عند التعارض ایک قول کی ترجیح، الفاظ جرح وتعدیل کے مراتب اور پھر ان کا حکم وغیرہ وغیرہ، الغرض اس میں بھی متعدد جہات کو پیش نظر رکھنا ہوتا ہے جس میں بندہ اپنی

---

[1] لقد رأيت ـ لمّا كنت دارسا في قسم التخصص في علوم الحديث بجامعة العلوم الاسلامية بنوری تاؤن بكراتشي ـ في كلام المحقق الناقد رائد الحنفية في علوم الحديث سماحة الشيخ عبد الفتاح أبو غدة رحمه الله تعالى أنه لم ينفع قلم الحافظ ابن حجر العسقلاني رحمةُ الله عليه المذهبَ الحنفيَّ 'لا عمدا ولا عن سهو' ولكني ـ يا للأسف ـ لا أتذكر الآن مصدره غير أني متيقن بما نقلتُ عنه

بے بضاعتی وتہی دامنی کا معترف ہے اس لئے میں نے یہ کام صرف ان مواضع میں کیا ہے جہاں میں باآسانی مقصود تک پہنچ گیا ہوں اسی سبب سے محض چند مقامات پر میں نے اسے موضوع بحث بنایا ہے چنانچہ جہاں خود مجھے اس گھاٹی کی دشواری محسوس ہوئی وہاں میں نے اپنے ناتواں کندھوں پر بارگراں لادنے کی بجائے انزواء وسکوت کا پہلو اختیار کیا ہے۔

بہرحال بشریت میں خطاء سے عصمت خاصۂ نبوت ہے لہذا اس سلسلہ میں اگر کوئی صاحب علم کسی خطاء پر مطلع ہوں تو بحوالہ آگاہ کردیں بندہ کو حق قبول کرنے سے کوئی عار نہیں ہے۔

اس امرمہم کے بعد اگلے مرحلے یعنی اسناد اور متن پر صحت کا حکم لگانے کے لئے علل وشذوذ سے سلامتی کی تحقیق کا تو ہم جیسوں کیلئے تصور بھی محال ہے اس لئے کہیں بھی میں اس پہلو کے متعرض نہیں ہوا۔

(۸) احقر نے اس پوری کتاب میں کسی مسئلے کو بھی اصالۃً ضعیف حدیث سے ثابت نہیں کیا۔

(۹) ہم حنفیہ کے نزدیک مدلس چونکہ مرسل کے حکم میں ہے اور تدلیس ہمارے ہاں مدلس کے حق میں جرح نہیں ہے اس لئے اگر کسی راوی میں ثقہ ہونے کے ساتھ ساتھ تدلیس بھی مذکور تھی تو اس راوی کو بھی میں نے "رجالہ ثقات" کے اندر شامل رہنے دیا ہے کہ اس سے مقصود اسکی روایت کا صالح للاحتجاج ہونا ہے (اور امر مذکور اس میں حائل نہیں ہے کما ہو ظاہر)۔

(۱۰) اسی طرح جس اسناد کے متعلق میں نے "رجالہ ثقات" لکھا ہے تو اس میں بعض مرتبہ ایسے بھی ہوا ہے کہ کوئی ایک راوی معتبر نقاد کے نزدیک ثقہ تھا اور بعض دیگر کے نزدیک وہ صدوق تھا اگرچہ الفاظ تعدیل میں ان دونوں کے مراتب جدا جدا ہیں مگر اشتراک حکم (کہ ان میں سے ہر ایک "محتج بہ" ہے) کی بدولت "صدوق" کو بھی میں نے طرداً للباب "رجالہ ثقات" کے اندر ضم کردیا ہے۔

قول مفتی بہ کی تخریج سے متعلقہ امور

(۱) جہاں میں نے لکھا ہے کہ متون اربعہ معتبرہ فلاں (مثلاً امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے قول پر ہیں تو اس سے مراد متاخرین حنفیہ کے ہاں فقہ حنفی کے متون اربعہ معتبرہ ہیں جو درج ذیل ہیں۔

محبوبی (۶۷۳ھ) کا "الوقایہ"، ابوالفضل موصلی (۶۸۳ھ) کا "المختار للفتوی"، ابن الساعاتی (۶۹۴ھ) کا "مجمع البحرین وملتقی النیرین [1]" اور ابوالبرکات نسفی (۷۱۰ھ) کا متن شہیر "کنز الدقائق"

---

(۱) هذا هو الصحيح من اسم الكتاب بلفظة "النيّرين - بالياء المشددة بعدالنون الأولى - "في آخره، كما يقول المصنف نفسه في مقدمة هذا الكتاب: "أما بعد فهذا كتاب يصغر للحافظ حجمه ......يحوى مختصر الشيخ أبي الحسين القدوري ومنظومة الشيخ أبي حفص النسفي رحمهما الله فانهما بحران زاخران وهذا مجمع البحرين، وهما النيّران المشرقان، وهذا ملتقى النيّرين" (ص: ٥٧، ٥٨) وقد وقع التسامح من "حاجي خليفه "في "كشف الظنون" (٢: ١٥٩٩) حيث ذكره "مجمع البحرين وملتقى النهرين - بالهاء بعد النون -" وكذا تسامح بعضُ من أتى بعده

دراصل متقدمین احناف کے ہاں فقہ حنفی کے متون اربعہ یہ تھے: مختصر القدوری، الوقایہ، المختار، کنز الدقائق۔

پھر جب ابن الساعاتی نے امام قدوری (۴۲۸ھ) کی ''مختصر مذکور'' اور ابو حفص نسفی (۵۳۷ھ) کی ''منظومۃ الخلافیات'' کے مسائل کو جمع کر کے ''مجمع البحرین'' لکھی تو چونکہ اس میں مختصر القدوری کے تمام مسائل آ گئے اس لئے متاخرین فقہائے احناف کے ہاں متون اربعہ معتبرہ مشہورہ میں ''مختصر القدوری'' کی بجائے ''مجمع البحرین'' کو شامل کر دیا گیا نیز چونکہ منظومۃ الخلافیات [جو دو ہزار چھ سو انہتر (۲۶۶۹) اشعار پر مشتمل ایک وسیع وقیم ذخیرہ تھا] کے مسائل بھی اس میں یکجا کر دیے گئے اس لئے یہ امر بھی اس کو ''متون اربعہ'' میں داخل کرنے کا مقتضی ہوا۔

(۲) متون اربعہ مذکورہ کے علاوہ فقہ حنفی میں متعدد متون ہیں البتہ میں نے جہاں ''جمیع المتون'' کے احالہ سے کوئی بات ذکر کی ہے تو اس سے میری مراد درج ذیل معروف ومتداول متون ہیں:

متون اربعہ مذکورہ، مرغینانی (۵۹۳ھ) کا ''بدایۃ المبتدی'' صدر الشریعۃ (۷۴۷ھ) کا ''نقایہ'' ملا خسرو کا ''غرر الاحکام'' اور تمرتاشی (۱۰۰۴ھ) کا ''تنویر الابصار''

نیز یہ واضح رہے کہ حلبی (۹۵۶ھ) کا متن ''ملتقی الابحر'' بھی اگرچہ معروف ومتداول متون میں سے ہے مگر چونکہ دیگر متون کی نسبت یہ اپنے ایک منفرد اسلوب پر مشتمل ہونے سے ایک مستقل حیثیت کا حامل ہے کہ مسائل خلافیہ کے اندر فتاوی قاضی خان کی طرح اس کا بھی قول مقدم راجح ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے قول راجح کی تعیین کیلئے اسکے مذکورہ خاص اسلوب کے پیش نظر اسکو باقی متون سے الگ ایک مستقل حیثیت سے شمار کیا ہے۔ اور شرنبلالی (۱۰۶۹ھ) کا ''نور الایضاح'' چونکہ محض عبادات پر مشتمل تھا اس لئے اسکو بھی دیگر مکمل متون کے ساتھ شامل نہیں کیا وغیرہ وغیرہ۔ ولا یخفی أنہ لا مناقشۃ فی الاصطلاح

(۳) ''قول مفتی بہ کی تخریج'' کے تحت آخر میں جہاں "المتون علی قول الامام (مثلا)" یا اس جیسی کوئی اور عبارت (مثلا اختیار أصحاب المتون قول الطرفین رحمهما الله تعالى وغیرہ) درج ہے تو اس پر حاشیہ نمبر لگا کر حاشیہ میں ''جمیع المتون'' کا حوالہ ذکر کیا ہے البتہ بعض مقامات پر ''جمیع'' کی بجائے چند کتب متون کا حوالہ دیا ہے اور بعض دیگر کتب کو ذکر نہیں کیا اسکی عموما دو وجہیں ہیں:

(الف) جس کتاب کو ترک کیا ہے اس کے مصنف نے سرے سے اس مسئلہ سے تعرض ہی نہیں کیا لہذا اس کا حوالہ کیونکر دیا جا سکتا ہے۔

(ب) کتاب مذکور کے مصنف نے اس مسئلہ خلافیہ میں کسی ایک قول کو اختیار کرنے کی بجائے جمیع اقوال ہی نقل کر دیے ہیں اور اس ماتن نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں ایسے مواضع کے اندر قول راجح کی تعیین کیلئے کوئی خاص اسلوب وضابطہ بھی ذکر نہیں کیا جس کی مدد سے ان اقوال سے کسی ایک قول کی ترجیح معلوم ہو سکے یہ اضطراب ابن الساعاتی کے متن ''مجمع البحرین'' میں متعدد و بیشتر مواضع میں پیش آیا ہے اس لیے ایسے مقامات پر حوالہ میں عموما ''مجمع البحرین'' کا نام ہی غیر مذکور ہے۔

ان دو وجہوں کے علاوہ بعض دفعہ مگر بہت ہی قلیل ایسا بھی ہوا ہے کہ اس ماتن نے دیگر اصحاب متون سے متفرد ہو کر دوسرے قول کو اختیار کیا ہے اس لئے حوالہ میں کتب متون کے ساتھ اس کا نام درج نہیں کیا گیا مگر جیسا کہ پہلے گزرا کہ ایسا وقوع کم ہوا ہے اسلیے عموماً مندرجہ بالا دو وجہیں ہی اسکے عدم ذکر کا سبب بنی ہیں۔

(۴) متن ''الوقایہ'' میرے پاس موجود کتب میں سے دو کتابوں میں مطبوع تھا ایک تو عبد اللہ بن مسعود کی ''شرح الوقایہ'' کے ساتھ جو متن وشرح کے ساتھ ایک مستقل کتاب ہے اور مکتبہ امدادیہ ملتان سے طبع ہوئی ہے (جیسا کہ فہرس المصادر میں بھی اسی عنوان سے درج ہے) دوسرا یہی متن مع شرحہ المذکور، کشف الحقائق شرح کنز الدقائق، (ط:ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی) کے حاشیہ پر بھی مطبوع تھا تاہم متن مذکور کے لئے تمام مقامات پر اول الذکر کتاب سے ہی استفادہ کیا گیا ہے اور اسی کا حوالہ دیا گیا ہے۔ البتہ بعض مقامات پر متن ''الوقایہ'' کی عبارت کا حوالہ اس جلد اور صفحہ نمبر کے اعتبار سے دیا ہے جو ثانی الذکر کتاب میں مرقوم ہے مگر ایسے تمام مواضع پر تقریباً اس حوالہ کی تصریح بھی کر دی ہے۔

اس عدول کا سبب یہ ہے کہ بعض دفعہ متن کی عبارت اول الذکر کتاب میں ساقط اور ثانی الذکر میں ثابت ہوتی تھی کہ وہ مضمون ''الوقایہ'' کے اختصار ''النقایہ'' میں موجود ہوتا تھا جو کہ ایک معروف ومعتمد متن ہے۔

مثلاً اول الذکر میں ''کتاب الجہاد'' کے ''باب المغنم وقسمتہ'' (۲:۳۵۰) میں "ویعتبر وقت المجاوزة" سے قبل "وللفارس سهمان وللراجل سهم" کی عبارتِ متن ساقط ہے جبکہ شارح نے متن کی خط کشیدہ باقی عبارت کے ختم ہونے پر اس ساقط شدہ عبارتِ متن کی شرح بھی ان الفاظ میں کی ہے۔ "أي يعتبر لا ستحقاق سهم الفارس والراجل وقت مجاوزة الدرب" نیز صدر الشریعۃ الاصغر نے ''النقایہ'' (جو کہ ''الوقایہ'' کا اختصار ہے کما تقدم) میں اسی مقام پر متن کی عبارت مذکورہ ساقط عبارت کو درج کیا ہے۔ انظر "النقايه مع شرحه لملا علي القاري "(۲:۴۳۴)

(۵) قول راجح کی تعیین میں استعمال ہونے والے اصولِ افتاء کو یہاں عموماً متکرر ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً ''خانیہ'' اور ''ملتقی الابحر'' کی عبارات کے بعد "القول المقدم فيه راجح---"

اور بعض مقامات پر "الاقتصار على هذا القول وعدم التعرض لذكر الاختلاف ---" وغیرہ وغیرہ جیسے دیگر بعض اصول کا جا بجا اعادہ کیا گیا ہے جبکہ محض ''مقدمہ'' میں بھی ان کی توضیح کفایت کر سکتی تھی مگر احقر نے طلباء کرام و مراجعین محترمین کی سہولت کے لئے اس اعادہ وتکرار کی مشقت کا تحمل کیا ہے تاکہ جو شخص محض کسی ایک مسئلہ کی تحقیق کے لئے اس کتاب کی طرف مراجعت کرے تو وہ اول اس کتاب کا مقدمہ پڑھنے کا پابند نہ ہو نیز تکرار طلبہ کیلئے ذریعہ رسوخ ہے'' کما قال أبو منصور الثعالبي (۴۲۹ھ) في "سحر البلاغة وسر البراعة" (۱:۱۸۸) ونفسه في "يتيمة الدهر" (۳:۲۸۱) واللفظ له: "اذا تكرر الكلام على السمع تقرر في القلب" وكذا قيل "ما تكرر تقرر وما لم يتكرر تغرّر"۔

(۶) تخریج میں بسا اوقات میں نے ان کتب کی عبارات یا حوالے بھی ذکر کیے ہیں جن کو مذہب حنفی میں افتا۔

کیلئے کتبِ غیر معتبرہ میں شمار کیا گیا ہے مگر بایں ہمہ میں نے ان اسباب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان سے استفادہ کیا ہے جنکی بدولت ان کو کتب غیر معتبرہ میں معدود کیا گیا ہے۔

مثلاً ''الدر المختار'' اس وقت غیر معتبر ہے جب رد المختار (وغیرہ معتبر حواشی) میں اس کے متعلقہ مقام پر کلام کو نہ دیکھا جائے جبکہ میں نے جہاں صرف الدر المختار کا مضمون نقل کیا ہے یا رد المختار کے بغیر محض اس کا حوالہ درج کیا ہے تو علامہ شامیؒ کا اس مقام وموضوع سے متعلقہ کلام وحاشیہ کا مطالعہ کرنے کے بعد ایسا کیا ہے۔

اسی طرح شروح کنز میں سے ابن نجیم کی ''النہر الفائق'' اور علامہ عینی کی ''رمز الحقائق'' کو غیر معتبر کہنے کی علت یہ ہے کہ ان دونوں کا اختصار مخل ہے۔ جبکہ احقر نے مطولات ومعتبرات کا اس مقام پر مطالعہ کرنے کے بعد بلکہ ان سے استفادہ اور ان کی عبارات نقل کرنے کے بعد مذکورہ کتابوں کی طرف مراجعت کرتے ہوئے ان سے مضمون اخذ کیا ہے۔

اسی طرح ''جامع الرموز'' کا حال ہے جو ''نقایہ'' پر امام قہستانی کی شرح ہے کہ اس پر عدم اعتماد کی وجہ مصنف کا کسی قدر غیر معروف الحال ہونا اور بالخصوص اس میں ہمہ قسمی مسائل (معتمد علیہا وغیر معتبر علیہا) الغرض رطب ویابس کو جمع کرنا ہے چنانچہ اس میں مذکورہ مسائل ومرقومہ عبارات میں سے کسی عبارت کو نقل کر کے محض اسی پر اعتماد کرتے ہوئے اسکو معتبر سمجھ لینے میں اس کا احتمال ہے کہ وہ غیر منقح اور غیر مستند قول ہو اس لئے ان تمام امور کو مدنظر رکھتے ہوئے مطلق اس کتاب پر میں نے اعتماد نہیں کیا البتہ جہاں انھوں نے صراحۃً کوئی تصحیح نقل کی ہے جیسا کہ عموماً اس میں مرقوم ہوتا ہے "وهو الصحيح كما في المضمرات" اور "ويفتى بقوله (مثلا) كما في التتمة" وغیرہ تو صرف ان عبارات منقحہ (جس سے رطب ویابس کی علت مفقود ہو جاتی ہے اور تصحیح کا رخ بھی جامع الرموز کے مصنف ''قہستانی'' سے منصرف ہو کر دوسرے فقہاء کرام کی طرف ہو جاتا ہے) سے بندہ نے استفادہ کیا ہے جیسا کہ خود خاتمۃ المحققین علامہ شامیؒ نے بھی ''رد المختار'' میں متعدد مقامات پر قہستانی کی تصحیحات وترجیحات نقل کر کے ان پر اعتماد کیا ہے۔ كما هو ظاهر لكل من طالعه بكل إلمام و جدّ تام۔

یہاں تک کہ کتاب الصلوۃ میں تحری کے عدم تثبت والے مسئلہ میں مختلف مشائخ سے مختلف اقوال کی ترجیح نقل کرنے کے بعد علامہ شامیؒ نے یہ لکھا ہے:

''وظاهر كلام القهستاني ترجيح (القول) الأخير وهو الذي يظهرلي "(انظر رد المختار ٢:٤٥١)

مذکورہ بالا تمام تر توضیح کے بعد اب یہ امر واضح ہو کہ کتاب ہذا میں کہیں بھی محض ان مذکورہ بالا کتب میں سے کسی کتاب کی بنیاد پر مفتی بہ قول کی تعیین نہیں کی گئی بلکہ ہر مقام پر متعدد کتب معتبرہ کی روشنی میں قول مفتی بہ کی تعیین کی ہے۔ پھر اس ضمن میں دیگر کتب کے ساتھ کتب بالا میں سے کسی کتاب میں بھی اگر اسکی تائید میں کوئی عبارت ملی ہے تو اسکو بھی ذکر کر دیا ہے جیسا کہ ''قول مفتی بہ کی تخریج'' کے مطالعہ سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے۔

اسی ضمن میں ''المحیط البرہانی'' کا تذکرہ بھی ناگزیر ہے کہ بعض نے اس کو افتاء کے قابل قرار نہیں دیا اور اسے جامع الرطب والیابس کی جہت سے معلل کر کے غیر معتبر قرار دیا ہے مگر حقیقت حال چونکہ اس کے برعکس تھی اس لئے احقر نے اس پر

اعتماد کیا ہے''کما تری فی کلام العلامة اللکنوی (١٣٠٤ هج)فی حاشیة "النافع الکبیر "ما نصه:

وقد وفقنی الله بعد کتابة هذه الرسالة بمطالعة "المحیط البرهانی "فرأیته لیس جامعا للرطب والیابس بل فیه مسائل منقحة وتفاریع مرصصة ثم تأملت فی عبارة فتح القدیر وعبارة ابن نجیم فعلمت ان المنع من الافتاء منه لیس لکونه جامعا للغث والسمین بل لکونه مفقودا نادر الوجود فی ذلك العصر وهذا الامر یختلف باختلاف الزمان(نقلتُ نصه هذا من أصول الافتاء للعثمانی ،ص:١٩)

(٦) طبعِ انسان یہ ہے کہ عموماً وہ کسی کام کو شروع میں نہایت ذوق وشوق اور چاہت ورغبت کے ساتھ سرانجام دیتا ہے جبکہ آخر میں قدرے تکاسل کا شکار ہو جاتا ہے مگر عبد ضعیف نے اللہ تعالی کی توفیق خاص سے اپنے تئیں اس کی مکمل سعی کی ہے کہ جس اہتمام واسلوب پر کتاب کا ابتدائی حصہ تالیف کیا ہے اسی رغبت ومنہج کے ساتھ اس کو پایہ تکمیل تک بھی پہنچایا ہے چنانچہ آغاز تالیف سے ہی جن کتب ومصادر سے استفادہ کیلئے مراجعت اوران کے حوالہ جات درج کرنے کا اہتمام شروع کیا تھا بحمدہ تعالی ومنہ آخر تک ان مراجع کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا رہا البتہ کتاب ہذا کے بالکل آخری حصہ ''کتاب الفرائض'' کے اندر قاری کو سابق کی طرح بسط وتفصیل اور متعدد کتب کے حوالہ جات نظر نہ آئیں گے۔

اسکی وجہ یہ ہے کہ بہت ساری متداول ومعتبر کتب کے مصنفین رحمہم اللہ تعالی نے ''کتاب الفرائض'' کے مضمون کا عنوان ہی قائم نہیں کیا اول تو خود ''متون'' میں سے ہی وقایہ، نقایہ، بدایۃ المبتدی، اور غرر الاحکام میں یہ عنوان نہیں باندھا گیا تو ظاہر ہے کہ ان کی شروح بھی اس سے خالی ہونگی۔ جیسے فتح القدیر، کفایہ، عنایہ، بنایہ، شرح الوقایہ لعبید اللہ بن مسعود، شرح النقایۃ لملاعلی القاری، جامع الرموز اور درر الحکام وغیرہ۔ الغرض بیشتر کتب معتبرہ اس باب سے خالی ہیں جن میں سے اختصاراً ہدایہ، بدائع، فتاوی النوازل اور فتاوی قاضی خان وغیرہ کے نام لئے جاسکتے ہیں۔

تاہم علم الفرائض پر مستقل مصنفات بھی اگرچہ موجود ہیں جن سے استفادہ بھی کیا گیا ہے مگر بایں ہمہ ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ بہرحال یہ وہ سبب رئیسی ہے جسکی بدولت ''کتاب الفرائض'' کے متدل وتخریج کے ذیل میں ماقبل کی طرح بسط سے کلام نہیں ہو سکا اور حوالہ جات بھی محدود رہے۔

چند اصطلاحاتِ خاصہ وتوضیحاتِ ضروریہ کا بیان

(١) جہاں میں نے مطلق ''ابن قطلو بغا'' لکھا ہے ان سے میری مراد مشہور حنفی فقیہ علامہ زین الدین قاسم بن قطلو بغا بن عبد اللہ المصری (ت:٨٧٩ھ) ہیں نہ کہ علامہ سیف الدین محمد بن محمد بن عمر بن قطلو بغا البکتمری (ت:٨٨١ھ علی ما قال السیوطی، انظر ''بغیۃ الوعاۃ'' ١:٢٣١، وعلیہ عامۃ المشایخ، وقیل :٨٧٠ھ کما فی ''ایضاح المکنون'' ١:١٣٩) یہ بھی اگرچہ مسلکاً حنفی عالم ہیں بلکہ علامہ قاسم بن قطلو بغا کی طرح ابن الہمام کے شاگرد ہیں اور فقہ میں بھی اچھی دسترس کے حامل ہیں مگر کتاب ہذا میں ''ابن قطلو بغا'' سے میری مراد اول الذکر ہی ہیں۔

(۲) جہاں مطلق ''ابن نجیم'' لکھا ہے وہاں زین الدین بن ابراہیم بن محمد (ت ۹۷۰ھ) صاحب ''البحر الرائق'' مراد ہوتے ہیں اور جہاں ابن نجیم سے ان کے بھائی سراج الدین عمر بن ابراہیم بن محمد (ت ۱۰۰۵ھ) صاحب ''النھر الفائق'' مراد ہوں وہاں میں نے ''سراج الدین ابن نجیم'' لکھا ہے تاکہ دونوں میں فرق با آسانی معلوم ہوسکے۔

(۳) جہاں احقر نے ''قال شیخنا'' یا ''قال شیخنا العثمانی'' تحریر کیا ہے ان سے مراد صاحب ''اعلاء السنن'' علامہ ظفر احمد عثمانی تھانوی (۱۳۹۴ھ) ہیں۔

(۴) فقہ حنفی میں ''مبسوط'' نامی متعدد کتب ہیں جیسے:

(۱) المبسوط :لمحمد بن الحسن الشيباني(ت ۱۸۹)

(۲) المبسوط: لأبي الليث نصر بن محمد السمرقندی (ت ۳۷۵)

(۳) المبسوط : لشمس الأئمة عبد العزيز بن احمد الحلوانی (ت ٤٤٨)

(٤) المبسوط :لفخر الاسلام علی بن محمد البزدوی (ت ٤٨٢)

(٥) المبسوط :لشمس الأئمة محمد بن احمد السرخسی (ت ٤٨٣)

(٦) المبسوط :لشيخ الاسلام خواهر زاده محمد بن الحسين البخاری (ت ٤٨٣)

(٧) المبسوط :لصدر الاسلام محمد بن محمد البزدوی (ت ٤٩٣)

(٨) المبسوط :للسيد أبي شجاع محمد بن احمد السمرقندی (ت قبل ٥٠٠)

اہل علم کے ہاں ان میں سے پہلی ''الاصل'' دوسری ''مبسوط السمرقندی''، تیسری ''مبسوط الحلوانی''، چوتھی ''مبسوط البزدوی''، پانچویں ''مبسوط السرخسی''، چھٹی ''مبسوط خواہر زادہ'' ساتویں ''مبسوط صدر الاسلام'' اور آخری ''مبسوط السید'' کے نام سے معروف ہے۔

فقہ حنفی کی کتب میں جہاں مطلق ''المبسوط'' مذکور ہوتا ہے تو اس سے اول الذکر یعنی امام محمد کی مبسوط (الاصل) مراد ہوتی ہے۔ مگر کتاب ہذا میں جہاں میں نے ''المبسوط'' کو مطلق ذکر کیا ہے اس سے امام سرخسی کی مبسوط مراد ہے۔ جیسا کہ شارحین ہدایہ کا بھی یہی طرز ہے کہ ان کے ہاں عندالاطلاق ''مبسوط'' سے مبسوط السرخسی مراد ہوتی ہے۔ و لا مناقشة فی الاصطلاح

(۵) اصول فقہ کے ''مادہ'' میں مذاہب اربعہ میں سے مختلف مصنفین نے ''الاشباہ والنظائر'' کے عنوان سے کتب تصنیف کی ہیں جیسے تاج الدین سبکی (ت:۷۷۱ھ) جلال الدین سیوطی (ت:۹۱۱ھ) اور ابن نجیم مصری (ت:۹۷۰ھ) کی الاشباہ والنظائر۔ بہر حال میں نے جہاں مطلق ''الاشباہ والنظائر'' لکھا ہے وہاں ابن نجیم مصری حنفی کی کتاب مذکور مراد ہے۔

(۶) فقہ حنفی کے معروف متنِ متین ''نقایہ'' کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں جیسے جامع الرموز للقہستانی (۹۶۲ھ) شرح النقایہ لفخر الدین (بعد ۸۵۱ھ) اور شرح النقایہ لملا علی القاری (۱۰۱۴ھ)۔ کتاب ہذا میں جہاں مطلق شرح النقایہ مکتوب

ہواس سے آخر الذکر یعنی ملاعلی قاری کی شرح مراد ہوگی۔

(۷) حواشی میں جہاں کسی بات کے حوالہ میں ایک سے زائد کتب کے اسامی مذکور ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا مضمون ان محولہ تمام کتب میں موجود ہے اگر چہ کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ مضمون ان میں سے بعض کتب میں قدرے اختصار کے ساتھ ہے مگر نفس مضمون، کتاب مذکور میں موجود ضرور ہے تاہم واضح رہے کہ ایسا تقریبا کم ہوا ہے عموما ان محولہ جمیع کتب میں مکمل طور پر موجود ہے اور اگر ان کتب محولہ سے مجموعی طور پر میں نے مذکورہ مضمون اخذ کیا ہے تو ان کتب کا حوالہ تحریر کرنے سے قبل عموما "انظر له " یا "انظر له مجموعة ما يلي " یا "مستفاد مما يلي " جیسے الفاظ ذکر کر دیے ہیں اگر چہ اس آخری تعبیر (یعنی مستفاد مما يلي /یلیك) کو بعض ان مقامات پر بھی استعمال کیا ہے جہاں کتب محولہ سے ان کی عبارات واسلوب کا پابند ہوئے بغیر، ان کے فقط ماحصل کو ذکر کیا ہے۔

اور اگر کہیں اس مضمون میں، محولہ کتب کے مضمون وعبارات سے زائد کوئی بات توضیحا، تسہیلا، یا ضرورۃ، بندہ نے اپنی طرف سے ذکر کی ہے تو اسکی طرف اشارہ کرنے کیلئے الفاظ مذکورہ کے آگے قوسین یا خطین کے مابین "بتسهيل " یا "باضافة يسيرة " جیسے الفاظ کا اضافہ کر دیا ہے۔

اور ''ماخوذ مما يلي '' جہاں مرقوم ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کتب ذیل سے مرکزی خیال لے کر اسے (طلبہ کیلئے ''اقرب الی الفہم'' کرنے کی غرض سے) عرفی محاورات وعمومی بیان کے پیرائے میں ڈھالا گیا ہے۔

(۸) میں نے تمرتاشی کے متن ''تنویر الابصار'' ، حصکفی کی اس پر شرح ''الدر المختار'' اور ابن عابدین شامی کا اس پر حاشیہ ''رد المحتار'' ان تینوں سے استفادہ کیلئے وہ نسخہ استعمال کیا ہے جو ہمارے ہاں پاکستان کے دیار الافتاء میں ''فتاوی شامیہ'' کے عنوان سے معروف ومتداول ہے جس میں یہ تینوں مصنفات بایں طور ایک ساتھ مطبوعہ ہیں کہ اوپر والے حصہ میں ہلالین کے اندر متن کی عبارت مرقوم ہے پھر اس کے مابین شرح کی عبارت تحریر کی گئی ہے۔ اس کے بعد نیچے خط فاصل کھینچ کر ذیل میں حاشیہ (رد المحتار) مکتوب ہے (وقد ذكرت اسم مطبعه في فهرس المصادر فليراجع هناك)۔

یہاں قابل ذکر امر یہ ہے کہ میں نے جہاں متن ''تنویر الابصار'' کا حوالہ درج کیا ہے اس سے اسی نسخہ مذکورہ میں مکتوب متن کا صفحہ وجلد مراد ہے۔ اس کیلئے الگ سے کسی مستقل متن ''تنویر الابصار'' کی کتاب سے نہیں دیکھا اسی طرح جو بات صرف ''الدر المختار'' سے نقل کی ہے تو اسکے حوالہ میں بھی مجرد ''الدر المختار'' لکھا ہے۔ یعنی ان کے حوالہ جات میں ''تنویر الابصار مع رد المحتار'' یا ''الدر المختار مع رد المحتار'' نہیں لکھا اگر چہ یہ دونوں اصل تو ''رد المحتار'' کے ساتھ ہی مطبوعہ ہیں اور حوالہ دینے میں اہل فن کے ہاں اصول اور طریقہ کار بھی یہی ہے کہ اس موقع پر ان کتب کے ساتھ حوالہ میں مع رد المحتار کے لفظ کا بھی اضافہ کیا جائے كما لا يخفى على أهل التصنيف .

بایں ہمہ بندہ نے مذکورہ بالا منفرد اسلوب صرف اس لئے اختیار کیا ہے تا کہ قاری کو معلوم ہو جائے کہ مضمون مذکور جس کا میں نے حوالہ دیا ہے۔ صرف ''تنویر الابصار'' یا صرف ''الدر المختار'' کی عبارت ہے البتہ بعض مواضع پر ان دونوں کی

عبارات کو اکٹھا لینے کے بعد آخر میں حوالہ کے دوران صرف ''الدر المختار'' پر بھی اکتفا کیا ہے اسی طرح جہاں صرف حاشیہ سے کلام اخذ کیا ہے وہاں محض ''ردالمحتار'' ہی درج کیا ہے۔ تاہم جہاں ''الدر المختار'' کے ساتھ ''ردالمحتار'' کی عبارت لی ہے وہاں دونوں کے امتزاج سے حوالہ نقل کیا ہے یعنی ''الدر المختار مع ردالمحتار''۔

الغرض جب حوالہ جات کے اندر کہیں ''الدر المختار مع ردالمحتار'' مسطور ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بوقت مراجعت الدر المختار اور اسکے ساتھ اس متعلقہ مقام پر ردالمحتار میں علامہ شامی کا کلام بھی ملاحظہ فرمائیں ان دونوں کا مجموعہ میرے مدعا پر شاہد ہے۔

اسی طرح ان تمام متون کا حال ہے جو اپنی شروح کے ساتھ مطبوعہ ہیں کہ بندہ نے اصطلاح بالا کے تحت ان متون کا حوالہ بھی ان کی شروح وحواشی سے مجرد کر کے تحریر کیا ہے تاکہ تا آخر غرض مذکورہ کی پاسداری برقرار رہے چنانچہ قبیل ھذا کی محولہ کتب کی طرف مراجعت کیلئے مذکورہ اسلوب واصطلاح خاص کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تاکہ استفادہ اسہل اور مقصود تک پہنچنا ایسر ہو۔ و أقول عن هذا كله :لا يخفى أنه لا مناقشة في الاصطلاح .

''قلتُ'' اور ''یقو ل العبد الضعیف عفا الله عنه '' والی مباحث ومواضع

جہاں کہیں کسی بات کی توضیح یا کوئی مقال ومبحث احقر نے اپنی فہم وتحقیق سے لکھی ہے وہاں اس سے قبل ''قلت'' یا ''یقول العبد الضعیف عفا الله عنه'' لاکر اس کی نشاندہی کردی ہے۔ کی لا یشتبه الأمر علی القاری ومع ذلک هذا العبد مجمع الأخطاء ومنبع الخطایا وصفر الید فی العلم مع العمل فأنّی له التحقیق .

تاہم جب اس عبد ضعیف نے کسی تنقیح وتوضیح وغیرہ کو درج کرنا مناسب حال وموافق مقال سمجھا تو اس کو سپرد قلم کر دیا مگر چونکہ یہ کمزور بندہ اپنے اوپر اعتماد کو خطرے اور ہلاکت سے کمتر نہیں گردانتا تھا اسلئے ان میں سے مقامات مبہمہ کو کتاب کا جزو بنانے سے قبل متقن ومتفنن حضرات ومشائخ کو دکھلایا پھر ان کی تصویب وترمیم کے بعد انھیں باقی رکھا۔ اس دوران ایسا بھی ہوا کہ کوئی بحث محنت شاقہ کے ساتھ بسیار کتب کے مطالعہ سے استخراج کر کے لکھی مگر ان حضرات کی رائے اس کے موافق نہ ہوئی اس لئے اسے ختم کر دیا۔

اگرچہ مشقت جھیل کر کچھ لکھے جانے کے بعد اس کو محو کرنا طبیعت پر گراں گزرتا ہے مگر درحقیقت اکابر کی رائے اور توجہات ہی ہماری ترقی کا زینہ ہیں چنانچہ بلا حیل وحجت اس مبحث ومقال کو حذف کر دیا۔ فجعلنا الله تعالی ممن اتبع سبیل المومنین

دورانِ تالیف حضرات اکابر کی سرپرستی اور ان سے مشاورت ورہنمائی

یہ کام دراصل حضرتِ اقدس، فقیہ نابغ، ولی کامل، مفتی جلیل، حضرت مفتی عبد المنان صاحب دامت برکاتہم وعمت

فیوضہم (نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی) کی زیر سرپرستی شروع ہوا اور انہی کی رہنمائی میں چلتا رہا بالخصوص قول مفتی بہ کا مستدل ذکر کرنا محض انہی کے امر وایماء پر شروع کیا گیا۔ کما تقدم ذکرہ فی أول المقدمۃ۔

اس دوران میں انکے مشفقانہ رویہ اور حسن خلق کی بدولت بہت مستفید ہوا کہ اس سلسلے میں انہوں نے میرے ساتھ خصوصی وانتہائی شفقت والا معاملہ فرمایا حتی کہ ایک موقع پر اپنے گھر میں مجھے اپنے ساتھ بٹھا کر مہمان نوازی کی اور پھر مسودہ کو بنظر غور دیکھا۔ اس کے علاوہ بذریعہ فون اور خط وکتابت آخرِ کتاب تک انکی مسلسل رہنمائی جاری رہی۔ فجزاهم الله عزوجل بما يليق بشانه سبحانه وتعالى عني وعن جميع المسلمين۔

تاہم اس دوران میں نے یہ مناسب سمجھا کہ پاکستان کے دیگر اکابر وفقہاء کرام دامت برکاتہم وزید مجدہم وعمت فیوضہم کو بھی یہ کام دکھلا دوں تا کہ ان حضرات کے علم وفقاہت کی خیر وبرکات اسمیں جمع کی جاسکیں کہ ہمارے اکابر میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر علم کا بحرِ زخار ہے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے کتاب ہذا کی تالیف کے دوران مختلف اوقات میں پاکستان کے بعض معروف دیار الافتاء کے مفتیانِ عظام دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے بعض مسودہ کو ان کی خدمت میں استرشاد وراہنمائی کی غرض سے پیش کیا ان حضرات نے مشاغل کثیرہ کے باوجود اس ناکارہ پر انتہائی شفقت فرماتے ہوئے مختلف مقامات کو بنظر اصلاح دیکھا۔ اور بفضلہ تعالی اس ادنی طالبعلم کی حوصلہ افزائی فرمائی اور بعض مقامات پر اصلاح وترمیمات بھی فرمائیں جن پر عمل درآمد کر دیا گیا۔ ان حضرات کی اسطرح تائیدات سے مجھے کافی تسلی ملی اور مزید کام اسی جہد مسلسل کے ساتھ جاری رکھنے کی ہمت افزائی ہوئی۔ اللہ تعالی ان حضرات کو اپنے خزائن غیر متناہیہ سے اجر عظیم سے سرفراز فرمائے۔ امر مذکور کیلئے بندہ جن حضرات اکابر کی خدمت میں حاضر ہو سکا ان کا تذکرہ درج ذیل ہے:

حضرت مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب دامت برکاتہم العالیہ (رئیس دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی)

حضرت مفتی انعام الحق قاسمی صاحب دامت برکاتہم العالیہ (نائب دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی)

حضرت مفتی حامد حسن صاحب دامت برکاتہم العالیہ (رئیس دارالافتاء جامعہ دارالعلوم عیدگاہ کبیر والا خانیوال)

حضرت مفتی عبدالحکیم صاحب دامت برکاتہم العالیہ (نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان)

حضرت مفتی ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ (استاذ ونائب مشرف تخصص فی الدعوۃ والارشاد جامعہ دارالعلوم کراچی)

حضرت مفتی حمید اللہ جان صاحب دامت برکاتہم العالیہ (سابق رئیس دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور)

نیز اس کام میں علوم حدیث سے متعلقہ مضامین ومباحث (یعنی احادیث وآثار کے مظان ومراجع تک رسائی اور پھر ان کے رجال واسانید کی تحقیق وغیرہ) کیلئے بندہ شروع سے آخر تک محقق نابغ، ناقد بارع، علّامہ بحّاثہ (حضرت اقدس مولانا نور البشر صاحب دامت برکاتہم العالیۃ واستمرت فیوضہم السائلۃ وأطال ظلہ علینا (استاذ الحدیث وعلومہ جامعہ فاروقیہ کراچی) کی راہنمائی اور سرپرستی میں کام کرتا رہا اس دوران انھوں نے میرے ساتھ غیر معمولی شفقت وہمدردی والا معاملہ فرمایا۔ ایک مرتبہ میں اسی کام کے سلسلہ میں ان کے پاس حاضر خدمت ہوا وہ سخت علیل تھے اس کے باوجود رات گئے تک

میرے اس کام کی خاطر بیٹھے رہے اللہ تعالی ان کو اپنی شایان شان بہت بہت جزائے لامتناہی عطا فرمائے کہ اس کام کے ضمن میں علوم حدیث کی مباحث میں اپنے ظرف کے موافق میں ان سے بہت مستفید ہوا کہ حاضری کے علاوہ بذریعہ فون بھی وہ از راہ شفقت میری راہنمائی فرماتے رہے۔ اللہ تعالی ان کے فیض کو جاری وساری رکھے اور انہیں دارین میں عافیت وفلاح کے درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ (آمین)

اس کے ساتھ گاہے بگاہے میں نے اس علوم حدیث والے کام میں عالم محقق حضرت مولانا محمد سلمان حسن صاحب دامت برکاتہم العالیہ (تلمیذ رشید محدث ومحقق وناقد فضیلۃ الشیخ نورالدین عتر شامی حفظہ اللہ تعالی واستاذ الحدیث والتفسیر جامعہ ابن عباس کراچی) کے ساتھ بھی مشاورت ورہنمائی کا سلسلہ قائم کیے رکھا اور ان کی آراء وتجاویز کو جامۂ عمل پہنا تا رہا۔ فجزاہ الله تعالى عنى أحسن الجزاء۔

سفر تالیف اور اسکی دشواریاں

بندہ کیلئے تالیف ہذا کا سفر ایک پرخار وادی کو عبور اور دشوار گزار گھاٹی کو سر کرنے کے مترادف تھا کہ اول تو خود یہ عنوان جس کا انتخاب کیا تھا ایک علمی وتحقیقی کام ہونے کی بدولت مشکلات کا سرچشمہ تھا پھر علمی میدان میں میری تہی دامنی اور بے مائیگی نے ان مشکلات کو دوچند کر دیا۔ اس سلسلہ میں میرا کریم اللہ ہی جانتا ہے کہ مجھے کس قدر دماغ سوزی، عرق ریزی، جاں گدازی، اور شب بیداری کا سامنا ہوا۔

بسا اوقات جب کبھی قول مفتی بہ کی تعیین وتخریج اور مستزاد یہ کہ قرآن وحدیث وغیرہ سے دلائل کی جستجو وتلاش میں انتہائی طویل ممارست وشدید مشقت اور بیسیوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد بھی کوئی منقح مضمون حاصل نہ ہوتا تو بہت پریشانی اور کلفت کا سامنا ہوتا پھر مزید کتب کی طرف مراجعت کرتا اور انتہائی یکسوئی کے ساتھ بند کمرے میں ان کتب میں مضامین مذکورہ کو کھنگالنے میں گم رہتا تب جا کر کہیں بفضلہ تعالی اضطراب رفع ہوتا اور بکھرے مسائل ومباحث میں سے نکھرا مواد ہاتھ آتا اور مقصود تک رسائی حاصل ہوتی کبھی کبھار اس نوع کی الجھنیں اور مشقتیں استمرار پکڑ جاتیں چنانچہ چند ایک بار تو ان دشواریوں کے باعث اسے ترک کر دینے کا وسوسہ بھی دل میں اٹھا کہ بس جتنا کام ہوگیا ہے اسکو طبع کرا دیتا ہوں مگر اس دوران جب رب کریم نے محض اپنے فضل واحسان سے سفر حرمین شریفین کی توفیق بخشی اور وہاں پہنچ کر بیت اللہ شریف کے دروازے کے بالکل قریب بیٹھ کر اسی سے متعلقہ کچھ تحریر لکھی اور اسکی تکمیل کی دعا کی بس اس دن سے اللہ جل شانہ نے ہمت بندھوادی اور اس مبارک جگہ کی دعا کا اثر ظاہر ہونا شروع ہوگیا۔

واپسی آکر میں جہاں کہیں کسی مسئلہ میں اٹکتا تو اندر سے ایک غیر محسوس آواز آتی کہ اللہ تعالی اسکو ضرور پورا کرائے گا وہ قدر دان ہے جو اس کے گھر آجائے وہ اسکو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔ ہاں! پھر میں نے اپنی آنکھوں سے اس کے پاک گھر کی برکات دیکھیں کہ پھر کسی دشوار ترین گھاٹی میں بھی اتنا وقت صرف نہیں ہوا اور قلم نہیں رکا جتنا پہلے اس سے کم دشوار جگہ پر اس

سے زیادہ دیر کیلئے رک جاتا تھا۔

پھر وہ دن بھی آیا جس دن رب کریم جل وعلا نے اپنے احسان کا اتمام فرمایا اور یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچی جواب آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ محض اس رب کا احسان اور اس پاک گھر کی برکات کا مظہر ہے۔ اللہ تعالی سے اپنے فضل وکرم سے مقبولیت عامہ وتامہ عطا فرما کر اس عبد ضعیف کیلئے وحشتِ قبر کا انیس اور اپنی ذات عالی کی رضا کا موجب بنائے۔ (آمین)

(۲) سفر ہذا کا راہی تین برس کی مسافت قطع کر کے منزل پر پہنچا ہے اسکی ایک وجہ تو وہی ہے جو ماقبل میں گزری کہ ایک تو کام علمی سطح کا تھا جو وقت طلب تھا اور اوپر سے میری بے مائیگی اور کم علمی بھی عارض آتی رہی۔

نیز عموماً ایک ایک مسئلہ پر کئی ایام صرف ہو جاتے اور بعض مقامات کی تنقیح وتحقیق میں تو بیش تر روز خرچ ہوئے بلکہ ایسا بھی ہوا کہ بسا اوقات ایک ایک سطر کیلئے بھی کثیر وقت صرف ہوا اور صرف ایک سطر کی خاطر کتب خانوں کی راہ لینی پڑی کیونکہ احقر کوئی بات بغیر تحقیق وبلا مستند حوالہ کے نہیں لکھنا چاہتا تھا۔

اس کے علاوہ بندہ چونکہ ایک مدرس ہے اور مدرس کے بنیادی فرائض میں سے امور مدرسہ (اسباق کا مطالعہ وتدریس اور دیگر ذمہ داریاں وغیرہ) کی ترجیح ہوتی ہے اس لئے یہ امر بھی کچھ تاجیل وتاخیر کا باعث ہوا کہ امور مدرسہ سے باقی بچ جانے والے اوقات کو محفوظ کر کے اسکی تالیف میں صرف کرتا تھا۔ بہرحال اللہ تعالی کے فضل وکرم سے بالآخر منزل کا مژدہ بھی ہاتھ آیا۔ فلله الحمد كما هو يليق به۔

(۳) کتاب ہذا کی تالیف کے دوران پیش آمدہ الجھنوں کی جہاتِ عدیدہ میں سے ایک جہت یہ بھی تھی کہ مختصر القدوری میں مذکور مسئلہ مجھے دیگر کتب کی اسی کتاب، باب، یا فصل وغیرہ کو کھنگال لینے کے باوجود نہ ملتا اور بسیار تلاش کے بعد معلوم ہوتا کہ ان مصنفین نے اس مسئلہ کو کسی دوسرے باب میں ذکر کیا ہوا ہے۔

مثلاً "الصلوة في السفينة" والا مسئلہ امام قدوری علیہ الرحمۃ نے "باب صلاة المسافر" کے آخر میں ذکر کیا ہے جبکہ اس کو دیگر کتب میں مختلف ابواب میں درج کیا ہے مثلاً "صلوة المريض" "استقبال القبلة" "القيام (أي في الصلوة)" "المبحث في الصلوة على الدابة" وغیرہ عناوین کے تحت مختلف کتب میں مجھے یہ مسئلہ ملا۔

اسی طرح امام قدوری نے "اختلاف الزوجين في قدر المهر" والا مسئلہ "کتاب الدعوی" کے آخر میں ذکر کیا ہے۔ جبکہ بعض دیگر مصنفین نے اس کو "کتاب النکاح" میں درج کیا ہے۔ كما ترى في المبسوط للسرخسي (٤٨٣هج) وبدائع الصنائع للكاساني (٥٨٧هج) وشرح الوقايه لعبيد الله بن مسعود (٧٤٧هج)

(۴) کبھی یہ صورت بھی پیش آتی تھی کہ مسئلہ کی تلاش کے لئے کتب بینی کے دوران میں نے ایک معتبر کتاب لیکر اس میں تلاش کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس کتاب کا وہ متعلقہ باب ختم ہو گیا جو صفحات عدیدہ پر مشتمل تھا مگر وجدان مسئلہ میں کامیابی نہ ہو سکی اور بعض دفعہ اس خیال سے دو دو بار اس باب کا مکمل مطالعہ کر ڈالا کہ کتاب ہذا کے

معتبر ومتداول ہونے کے سبب مذکورہ مسئلہ اس میں ضرور موجود ہوگا مگر میری نظر میں نہ آ سکا ہوگا جبکہ بار بار بالغور وبالاستیعاب مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے دراصل زیر بحث مسئلہ اپنی کتاب ھذا میں درج ہی نہیں کیا۔

اس طرح تھکان کے ساتھ ساتھ وقت کا ایک معتد بہ حصہ بھی صرف ہو جاتا اور مسئلہ بھی نہ ملتا البتہ ضمن میں بعض دیگر فوائد ہاتھ آ جاتے مثلاً اس طرح بالاستیعاب و بالغور مطالعہ سے اس کتاب کا منہج واسلوب سمجھ میں آ جاتا، غیر مظان میں مذکور مسئلہ سامنے آ جاتا جسے میں بعض دفعہ اپنی بیاض میں نقل کر لیتا اس کے علاوہ چلتے چلتے کچھ اہم مسائل پر بھی نظر پڑ جاتی جو فی نفس الوقت تو کار آمد محسوس نہ ہوتے مگر بعد میں اپنے موقع پر بہت مفید ثابت ہوتے وغیرہ وغیرہ۔

طلبہ کرام کے لئے کتابِ ہذا سے جہاتِ استفادہ

''مختصر القدوری''، ''الہدایہ'' اور ''تخصص فی الفقہ'' کے طلبہ کتاب ہذا سے مختلف جہات وانواع سے استفادہ کر سکتے ہیں:

(۱) طلبہ قدوری کے لئے جہات استفادہ

(۱) مفتی بہ قول سے آگاہی:۔ اس جہت سے استفادہ تو بالکل ظاہر ہے کہ کتاب کا اصل مقصود اور موضوع وعنوان ہی یہی ہے

(۲) فہم کتاب:۔ یہ کتاب مسائل مذکورہ میں من وجہ قدوری کی شرح بھی ہے کیونکہ جو مسائل اس میں مذکور ہیں ان تمام مسائل میں چونکہ ہر مسئلہ کی دلیل بھی مذکور ہے اس لئے اس کی روشنی میں قدوری کے مسائل کو سمجھنا آسان ہو جائیگا اور بعض مقامات پر مسئلہ کی تفہیم ہی علت ودلیل کے بیان پر منحصر ہوتی ہے ایسے مواضع پر چونکہ دلیل یہاں سے بآسانی مل جائیگی اسلئے مسئلہ علی وجہ الاتم راسخ الفہم ہو جائیگا۔ بالخصوص بیوع ومعاملات کے وہ مسائل جن میں دلیل، کوئی فقہ کا اصول یا از روئے عقل ہوتی ہے۔ ان میں یہ جہت بہت مفید و کارگر ثابت ہوگی کیونکہ ایسے مواضع پر میں نے اس اصول ودلیل کو آسان سے آسان الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اللہ کرے یہ کوشش طلبہ کے حق میں نافع وباعث رسوخ ثابت ہو۔

(۳) توضیح المبہمات:۔ مسائل مذکورہ میں سے بعض مسائل میں نفس مسئلہ کی عبارت مبہم ہے اور قابل توضیح ہے چنانچہ جہاں خود اصل مسئلہ ہی قدرے دقیق اور دشوار تھا تو اول وہاں میں نے ''توضیح المسئلہ'' یا ''توضیح المقام'' کا عنوان دے کر اسکی توضیح اور تسہیل کی ہے۔ قول راجح کی تعیین اور اس کے مستدل وتخریج کا کام اسکے بعد کیا ہے۔

(۲) طلبہ ہدایہ کیلئے جہات استفادہ

چونکہ جامع صغیر کی طرح مختصر القدوری بھی ہدایہ کے متن کا حصہ ہے بلکہ معظم حصہ ہے اس لئے ہدایہ کے طلبہ بھی کتاب ہذا سے متعدد جہات سے استفادہ کر سکتے ہیں جیسا کہ ذیل میں اس کا کچھ تذکرہ آ رہا ہے:

(۱) مفتی بہ قول کی پہچان: ۔قدوری کے یہی بیشتر مسائل ھدایہ میں بھی موجود ہیں لھذا ھدایہ پڑھنے کے دوران کتاب ھذا کے ذریعے مفتی بہا اقوال معلوم کیے جاسکتے ہیں۔ وھذہ فائدۃ جلیلۃ مھمۃ لھم

(۲) دلیل مسئلہ کی فہم مع اضافۃ القیود والاصول: ۔کئی مقامات پر ''قول مفتی بہ کا مستدل'' ہدایہ سے بھی لیا گیا ہے اور چونکہ مستدل یہاں اردو میں مذکور ہوتا ہے اس لئے ھدایہ کے طلبہ کو ھدایہ میں اس مذکورہ دلیل کے سمجھنے میں سہولت ہوگی۔ کیونکہ میں نے حتی الوسع اس (دلیل ھدایہ) کو سہل کر کے سلیس انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے حتی کہ اگر اس دوران کسی ضروری قید یا بنیادی اصول کی ضرورت پڑی ہے جس پر دلیل منحصر تھی یا وہ اس دلیل کو سمجھانے میں ممد ومعاون ثابت ہوسکتی تھی تو اس کو بھی ذکر کردیا ہے تاکہ طلبہ بسہولت دلیل سمجھ سکیں۔

(۳) تنوع دلیل: ۔مسئلہ کی عقلی دلیل بیان کرنے کے دوران اگر کسی مصنف نے صاحب ھدایہ کی دلیل کے علاوہ کوئی اور آسان دلیل ذکر کی ہے تو اس کو بھی یہاں ذکر کردیا ہے۔اس سے نفس مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آجائیگا یا اس مصنف نے اسی دلیل ھدایہ کو دوسرے آسان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ تو ایسے مواضع پر میں نے آسان الفاظ میں بیان کردہ اس دلیل کو (باحوالہ کتاب) درج کردیا ہے۔اس سے ھدایہ کے طلبہ کو یہ فائدہ ہوگا کہ ھدایہ میں مذکور مسئلہ و دلیل اسکی مدد سے بآسانی سمجھ میں آجائیں گے۔

(۴) ''توضیح المبہمات وتسہیل المقامات''۔ ماقبل میں جس طرح گزرا کہ قدوری کے بعض مسائل کی عبارات مبہم تھیں یا اسی طرح کسی مقام پر کوئی مسئلہ پیچیدہ ودشوار طرز پر مرقوم تھا تو ان میں ''توضیح المسئلہ'' یا ''توضیح المقام'' کے عنوان سے مبہمات و مغلقات کو رفع کر کے نفس مسئلہ کو واضح ،منقح اور سہل کردیا ہے۔

چنانچہ اس جہت کی مکمل افادیت قدوری کے طلبہ کی طرح طلبۂ ھدایہ کے حق میں بھی برقرار ہے کیونکہ مختصر القدوری کا جب ایسا کوئی مبہم وغیر منقح مسئلہ ہدایہ میں بھی مذکور ہوگا تو یہ توضیحات وتسہیلات ان طلبہ کیلئے بھی یکساں مفید ہوکر مسئلہ کی گہرائی تک پہنچنے اور اس کو جمیع پہلوؤں سے سمجھنے میں معاون ثابت ہونگی۔

(۳) طلبۂ تخصص فی الفقہ کیلئے جہات استفادہ

(۱) تخریج فتوی میں سہولت: ۔کتاب ہذا میں مسائلِ واردہ میں سے اگر کوئی مسئلہ متخصص کے پاس بصورت استفتاء آجائے تو اس مسئلہ میں لائق فتوی قول کی تصریح وتخریج ذکر کرنے میں سہولت ہوجائیگی۔

(۲) کتبِ فتاوی کے مصادر کی معرفت:

چونکہ زیر نظر کتاب میں کثیر تعداد میں فتاوی کی کتب سے استخراج واستفادہ کیا گیا ہے، ہر مسئلہ کے ساتھ موقع کی مناسبت سے جابجا حواشی میں مذکور ہیں تو اس کے بالتعمق مطالعہ سے ان مصادر ومراجع سے بھی آگاہی ہوجائیگی۔

(۳) اصول افتاء کا اجراء: ۔جن مسائل میں احقر کو فتوی کی تصحیحِ صریح نہیں ملی وہاں مذہب حنفی میں افتاء کیلئے وضع شدہ معتبر و

مستند اصولوں کی روشنی میں فتوی والا قول درج کیا ہے اور ساتھ ساتھ قوسین کے اندر ان اصولوں کی (مع اجراء) صراحۃ نشاندہی بھی کردی ہے جس سے متخصص میں ان اصولوں کو منطبق کرنے اور ان کے ذریعے فتوی تلاش کرنے کی صلاحیت وملکہ راسخ ہوگا۔

(۴) فوائدِ شتّی: عُجب وخود بینی سے اللہ تعالیٰ احقر کی بالخصوص اور تمام مسلمین کی بالعموم حفاظت فرمائے۔ احقر تحدیث بالنعمۃ کے طور پر اپنے زعم کے موافق عرض کرتا ہے کہ اگر تخصص فی الفقہ کا کوئی طالبعلم کتابِ ہذا کا بالاستیعاب وبالغور مطالعہ کرے، بالخصوص حواشی میں مذکورہ تمام مباحث کو بنظرِ غائر دیکھے تو انشاء اللہ تعالیٰ فقہ وإفتاء کے فن میں اسے متعدد فوائد حاصل ہوں گے۔ جیسے:

مسائل کی تنقیح کا طریقہ، مباحث کی تحقیق کا طرز، کتبِ فقہ وفتاوی کے اسلوب ومنہج سے آگاہی، تصحیحین یا متعدد اقوالِ مصححہ میں سے لائقِ فتوی قول کی ترجیح کے اصول، مسئلہ کی تہہ تک رسائی کے زاویوں کی معرفت، مآخذ اصلیہ وقدیمہ کی طرف مراجعت کے اسلوب کی شناسائی، تعیینِ تسامحات کا ادراک، ادلۂ خصم کے جوابات اور مذہبِ حنفی کی تقویت کے زوایا کی شناخت، بعض فقہاء مصنفین کی بعض عاداتِ مخصوصہ سے واقفیت وغیرہ وغیرہ۔

اللهم إن استفاد طالب كما زعمتُ فهو من فضلك وكرمك وإلا فارحمني واعف عني. وأعوذ بك من شر نفسي ومن سيئات أعمالي. فاغفرلي وأنا عبدك الضعيف الظلوم الجهول وأنت ربنا التواب الرحيم.

امورِ متفرقہ کا بیان

(۱) مختصر القدوری کے جس باب یا کتاب میں کوئی مسئلہ اختلافی یا غیر مفتی بہا نہیں تھا اس باب کو بندہ نے ذکر بھی نہیں کیا۔ مثلاً ''کتاب العتاق'' کے ''باب التدبیر'' اور ''باب الاستیلاد'' میں کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے لہذا ان ابواب کا عنوان ہی نہیں باندھا۔

(۲) بعض مواضع پر کتاب ہذا کے متن میں کسی بات کو تحریر کرنے کے بعد اسکے مآخذ کے حوالہ میں وہیں محض اشارہ کو کافی سمجھا ہے مثلاً "كما صرح به جماعة جلّة من فقهائنا" جیسی عبارت پر اکتفا کیا ہے۔ البتہ اس عبارت پر حاشیہ نمبر لگا کر نیچے حاشیہ میں ان فقہاء عظام کے اسامی مع کتبھم کی وضاحت کردی ہے۔ جیسے: ''نحو أبي الليث السمرقندي في فتاوى النوازل'' (ص: ۲۳۸) والحصكفي في الدر المنتقى (۲:۲۶۹) والسرخسي في المبسوط (۷:۲٤) وغیرہ وغیرہ۔

اس میں قابل ذکر ولائق توضیح امر یہ ہے کہ میں نے ایسے تمام مواقع پر فقہاء کے نام ذکر کرنے میں تقدیم عصری کی ترتیب ملحوظ رکھنے کے بجائے اس کا نام مع الکتاب مقدم کیا ہے جس کی عبارت میرے مذکورہ مدعا پر زیادہ واضح اور آس کا بنیادی ماخذ تھی اسکے بعد دیگر اسامی کو اسی ترتیب پر نقل کیا ہے کہ اقرب الی المدعیٰ کے اعتبار سے تقدیم حاصل رہی۔

اسی طرح تخریج مسئلہ کے اندر عبارات کتب نقل کرنے کا حال ہے نیز حواشی میں ایک ہی مضمون کے حوالہ کے لئے متعدد کتب کے اسماء ذکر کرتے وقت بھی یہی صورت حال مختار رہی ہے۔ کہ ان کتب میں الاہم فالاہم یا الاعلیٰ فالاعلیٰ منزلۃ کی بجائے مندرجہ بالا نکتہ وغرض کے سبب ترتیب مذکور کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے تا کہ بوقت مراجعت مذکورہ مضمون تک بسہولت رسائی ہو جائے۔

(۳) تالیف ہذا کے مواد کو محقق ومبرہن کرنے کیلئے احقر نے اس سے متعلقہ کتابوں کو جمع کرنے کی اپنی بساط کے بقدر سعی تمام کی۔ اندرون وبیرون ملک نیز مکتبات اور انٹرنیٹ الغرض تمام ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے کتب اکٹھی کیں جن پر ایک خطیر رقم صرف ہوئی ان میں سے بعض انتہائی بجتن کے بعد حاصل ہوئیں نیز اگر کوئی کتاب اس وقت بازار میں نایاب ہو چکی تھی مگر کسی مدرسہ کے کتب خانہ میں موجود تھی تو اسکو فوٹو اسٹیٹ کروایا اور کچھ کتب محض زمانہ تالیف تک کیلئے بعض احباب سے مستعار لیں۔

اور چند کتب انتہائی تگ ودو کے باوجود بھی اب تک نہیں مل سکیں جیسے اسبیجابی کی "زاد الفقہاء" خصاف کی "الأوقاف" برہان الدین کی "تتمۃ الفتاوی" اور بالخصوص صاحب ہدایہ کی کتاب الحج سے آگے "کتاب التجنیس و المزید" جس کی میں شدت سے ضرورت محسوس کرتا رہا (کیونکہ کتاب الطہارۃ سے کتاب الحج تک پاکستان میں ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی سے دو جلدوں میں اعلیٰ کاغذ کے اندر ڈاکٹر محمد امین مکی حفظہ اللہ تعالی کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ طبع ہو چکی ہے)۔ اسی طرح ابن ملک کی شرح "مجمع البحرین" کی مکمل کتاب (کیونکہ متن کے اہم مقامات سے متعلقہ اس کے بعض اقتباسات تو خود متن "مجمع البحرین" "مطبوعہ از مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ بتحقیق الیاس قبلان" کے حاشیہ پر درج ہیں جن سے احقر نے استفادہ بھی کیا ہے اور "علی هامش مجمع البحرین" کی وضاحت کے ساتھ اس کا حوالہ بھی دیا ہے۔ وغیرہ

چنانچہ اگر کوئی صاحب، کتب بالا میں سے کسی کتاب کی تحصیل پر مطلع ہو تو احقر کو بھی ازراہ کرم اطلاع کر دے۔ جزاہ اللہ تعالی خیر الجزاء۔

اس کے علاوہ خود بھی جا کر لائبریریوں کی کتب سے استفادہ کیا جن میں سے تکثیر افادہ کے اعتبار سے مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفا کی مسجد نبوی کی وسیع وعریض اور جامعہ دار العلوم کراچی کی فراخ لائبریریاں سرفہرست ہیں۔ ان سب سے مقصود یہ تھا کہ اس کام کو جادۂ تحقیق سے مستند زاویوں پر استوار کر کے پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے تا کہ اس کی افادیت زندۂ جاوید رہے

اللهم ربنا! لا مانع لما اعطيت فتقبله بمجرد فضلك والعبد عبد ضعيف.

(۴) حواشی میں بعض ان مصنفین کی کتب سے بھی حوالہ درج ہے جو ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالی میں سے کسی کے مقلد نہیں بلکہ بعض شاید تقلید شخصی کے ہی قائل نہ ہوں تو واضح رہے کہ وہاں مضمون مذکورہ اصالۃً کسی اور کتاب سے ماخوذ ہے جس کا حوالہ بھی وہیں درج ہے اور یہ کتاب تبعاً وضمناً مذکور ہے۔ تاہم اگر کہیں محض اسی کتاب پر ہی اکتفا کیا گیا ہو تو پھر اس سے وہ مضمون اخذ کیا گیا ہے جو ہمارا مؤید اور ہمارے حق میں مفید ہے۔ جیسا کہ علامہ عثمانی رحمہ اللہ تعالی نے ''اعلاء'' میں اپنے مدعا کو ثابت کرنے کیلئے متعدد و بیشتر مواضع پر فقط ابن حزم کی ''محلّی'' اور شوکانی کی ''نیل الاوطار'' وغیرہ سے مضمون لے کر اس کے حوالہ پر اکتفا کیا ہے۔ کما هو ظاهر ولا يحتاج الى ذكر صفحة له ،لشيوعه في عدة مواضع ۔

حرفِ سپاس

(۱) بنیادی طور پر تو میں اپنے والدین کریمین مرحومین کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے تاحیات میرے لئے لقمہ حلال کا انتظام کیا اللہ تعالی انھیں جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اس کے ساتھ ساتھ اپنے بڑے بھائی محترم جناب محمد رفیق صدیقی صاحب (اللہ تعالی تادیران کا سایہ عاطفت ہم پر قائم رکھے اور انھیں دارین میں سرخرو فرمائے) کا ممنون ہوں جنہوں نے فکر معاش سے مجھے آزاد کر کے تحصیل علم کیلئے وقف کیے رکھا بلکہ تا روز حاضران کی شفقتیں قائم ہیں ۔ فجزاہ اللہ تعالی خیر الجزاء۔

اس کے علاوہ اپنے سلسلہ طالبعلمی کی پہلی کتاب (تیسیر المبتدی) سے لیکر آخری کتاب (الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل للکنوی ۱۳۰۴ھ) تک کے اپنے تمام مبتدی ومنتہی اساتذہ کرام زید مجدہم ودام علاہم کا ممنون وشاکر ہوں کہ جو کچھ حرف شناسی کی دولت حاصل ہے یہ سب انہی کی محنتوں وشفقتوں کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالی ان حضرات کو دارین کی فلاح سے سرفراز فرمائے اور اپنے خزانوں سے اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ آمین۔

(۲) میں سویداء القلب سے پاکستان کے کبار مشائخ میں شمار ہونے والے اپنے ان تمام محسنین ومشفقین کا انتہائی شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات اور ہجوم مشاغل کے باوجود اس نا اہل کی ادنی کتاب پر نظر فرمائی اور تقاریظ لکھ کر اس پر احسان فرمایا۔

سچ ہے کہ اکابر، اکابر ہوتے ہیں جو اپنے علمی مشاغل اور دیگر انہماکات دینیہ کے باوجود ہم صغار کو بھی اس میں سے وقت نکال کر دیتے ہیں۔ یہ وہ چیز ہے جو اصاغر کیلئے تشجیع کا کام دیتی ہے اور ساتھ ہی ان حضرات مشائخ کی شفقت اور تواضع کی آئینہ داری کرتی ہے۔

(۳) کتاب ہذا کی کمپوزنگ وطباعت سے متعلقہ جمیع امور میں حضرت مولانا سلمان حسن صاحب زید مجدہم کی شخصیت نے اپنی علمی واداری مصروفیات اور دیگر عوارض کے باوجود جس قدر میر التعاون کیا ہے حق بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں بندہ رسمی الفاظ میں ان کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہے کہ انہوں نے اخوت اور رب اخ لم تلده امك کی عظیم اور نصح وہمدردی کی عجیب مثال قائم کردی اللہ تعالی اپنی شان کے موافق ان کو اس کا بھرپور بدلہ عطاء فرمائے اور اسی طرح بندہ تہہ دل سے محترم مفتی محمد راشد ڈسکوی صاحب نفع الله به العباد و البلاد (استاذ ورکن شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ فاروقیہ کراچی) کا ممنون وشاکر ہے کہ موصوف نے بھی امور طباعت وغیرہ میں مخلصانہ طور پر انتہائی عمدہ ومعنی خیز کاوشوں کے ساتھ احقر کا تعاون کیا فجزاه الله تعالى عني خير الجزاء في الدنيا و الاخرة ۔

(۴) مجھ سے رہا نہیں جائے گا اگر میں محدث ناقد، عینی دہر علامہ ظفر احمد عثمانی رحمه الله رحمة واسعة و برد الله مضجعه ورفع درجاته في اعلى عليين وجزاه الله عني وعن جميع الطلبة الحنفية خاصة وسائر المسلمين عامة خير الجزا واحسنه من خزائنه التي لا تنفد کی عبقری شخصیت کا ذکر نہ کروں کہ اس دوران جس قدر میں ان کی کتاب مستطاب اعلاء السنن سے متاثر اور مستفید ہوا نہیں رسمی الفاظِ مدح کے پیرائے میں ڈھالنے سے میں اپنے ان جذبات کی توہین سمجھتا ہوں جو میرے دل میں اس وقت موجزن ہیں۔

بندہ نے اس دوران اس فن ومادہ سے متعلقہ متعدد کتب کا مطالعہ کیا مگر اعلاء السنن کو اپنی فن میں بلند پایہ وگراں مایہ اور جوہر بے نظیر وگوہر طریر پایا۔

کیا! ان کی جودتِ استدلال، دقتِ استنباط، وقوفِ استیناس وذاق فقاہت، ملکۂ تحقیق وصلاحیتِ تدقیق، معرفتِ رواۃ وتمییزِ ضعاف، واستخراجِ احادیث وآثار (از مظان وغیر مظان)، ادراکِ معانی احادیث، ادلہ خصم کی توجیہ واجابۃ، سلاستِ کلام وتوضیحِ مرام، کشفِ تسامحات ودفعِ ایرادات، بالخصوص احناف کے مسائل ومستدلات پر ابن حزم کی ''المحلی'' میں کی جانے والی جرح شدید وقدح صلید پر ایسا علمی رد اور مفحم جوابات ثبت فرماتے ہیں جو ان کے علمِ حدیث میں عمق، اصول حدیث میں رسوخ، تراجم رواۃ کے استحضار، ناسخ ومنسوخ کی معرفت اور ترجیح وتطبیق کے فن پر دسترسِ تام کا پتہ دیتے ہیں اور مجھ جیسے ناشئین کے لئے مشعلِ راہ اور سنگِ میل کا کام دیتے ہیں۔

(۵) میں ڈاکٹر محمد آصف علیم صاحب سہارن اور ڈاکٹر محمد آصف صاحب گورمانی کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ کتاب الصوم کے اِقطار فی الاحلیل والے مسئلہ میں موجودہ طبِ جدید کے حوالہ سے اول الذکر نے اس فن کے مصادر ومراجع متداولہ اور مظان مطلوبہ تک رسائی کرائی اور تحقیق مقال کی راہ سجھائی اور ثانی نے اس کی روشنی میں درج کردہ تحریر کی بعد از نظر غائر تصویب وتثبیت کی۔ نیز بعض میڈیکل سٹوڈنٹس بالخصوص برادرم محمد عمر صابر صاحب نے بھی مختلف کتب مہیا کرنے میں میری معاونت کی۔ اللہ تعالی ان سب احباب کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔

(۶) انجام کار احقر ہر اس صاحب کا شکریہ ادا کیے بغیر چارہ نہیں پاتا جنہوں نے کسی بھی جہت سے کتاب ہذا میں اس کی معاونت کی چنانچہ یہ ان سب کے لئے بارگاہ الہی میں دعا گو ہے کہ اللہ تعالی انہیں اس کا فناء وبقاء ہر دو عالم میں بہترین بدلہ عطاء فرمائے آمین یا ارحم الراحمین۔

آخری گذارش:

کمال کے لائق اللہ تعالی کی ذات ہے اور خطا سے عصمت خاصہ نبوت ہے (کما قیل الکمال للہ تعالی والعصمۃ للانبیاء) اور انسان خلق الانسان ضعیفا کے تحت مستلزم خطا ہے چنانچہ اگر کوئی صاحب علم کتاب ہذا میں کسی غلطی پر مطلع ہوں جس کا اس عبد ضعیف سے وقوع عین ممکن ہے تو اس نا اہل کو بذریعہ فون یا ایس ایم ایس (0300-7487621) یا بواسطہ ای میل (abuzakwan786@gmail.com abuzakwan786@yahoo.com)

بحوالہ ضرور اطلاع فرمائیں تاکہ عبداز تحقیق آئندہ طباعت میں اسے درست کیا جا سکے کیونکہ حق بات سامنے آجانے کے بعد اس سے صرف نظر کرنا علامت کبر ہے اللہ تعالی میری اور سب مسلمانوں کی اس سے حفاظت فرمائے۔ اس سلسلہ میں احقر آپ کا ممنون و شاکر ہوگا۔

کتبہ

محمد عبد القادر جیلانی عفا اللہ عنہ

یوم الجمعۃ المبارکۃ

۸ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

۲۹ جون ۲۰۱۲ء

بسم الله الرحمن الرحيم.

والصلاة والسلام على رسوله الكريم.

كتاب الطهارة

[١] اختلافی مسئلہ

المرفقان والكعبان تدخلان في فرض الغسل عند علمائنا الثلاثة (أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله تعالى) خلافا لزفر رحمه الله تعالى.

مفتی بہ قول:

فتویٰ ہمارے علماءِ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(١) عن نعيم بن عبدالله المُجْمِر قال: رأيت أبا هريرة يتوضأ فغسل وجهه فأسبغ الوضوء ثم غسل يده اليمنى حتى أشرع في العضد ثم يده اليسرى حتى أشرع في العضد ثم مسح برأسه ثم غسل رجله اليمنى حتى أشرع في الساق ثم غسل رجله اليسرى حتى أشرع في الساق ثم قال: هكذا رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ (١)

مذکورہ بالا حدیث میں حضرت أبو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والے وضو کی تعلیم کے دوران اعضاء کو (کہنی سے اوپر) عضد (٢) اور (ٹخنے سے اوپر) پنڈلی تک دھویا ہے جس سے یہ امر ظاہر ہے کہ کہنیاں اور ٹخنے بھی حکم غسل میں داخل ہیں۔

(٢) عن جابر بن عبدالله قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا توضأ أدار الماء على

١ـ صحيح مسلم (١/١٢٦) رقم (٦٠٢). وكذا انظر له: السنن الكبرى للبيهقي (١/٧٧) رقم (٣٦٧)، السنن الصغرى للبيهقي (١/٣٤) رقم (٨٧)

٢ـ سيأتي تعريفه موشّحا بالوضوح قريبًا.

مرفقيه. (١)

(٣) عن حمران مولى عثمان بن عفان أنه حدثه أنه سمع عثمان بن عفان قال: هلموا أتوضأ لكم وضوء رسول الله صلى الله عليه وسلم فغسل وجهه ويديه إلى المرفقين حتى مس أطراف العضدين ثم مسح برأسه ثم أمرّ يديه على أذنيه ولحيته ثم غسل رجليه. (٢)

''عضد'' لغت میں ''کندھے اور کہنی کے درمیانی حصے'' کو کہتے ہیں (٣)

لہٰذا حدیث بالا میں مذکور'' مس أطراف العضدين '' سے معلوم ہوا کہ کہنی کو مکمل طور پر دھویا تھا۔

(٤) ...... عن عبدالرحمٰن بن أبي ليلى قال: رأيت عليا رضي الله عنه توضأ فغسل وجهه ثلاثا وغسل ذراعيه ثلاثا ومسح برأسه واحدة ثم قال هكذا توضأ رسول الله صلى الله عليه وسلم. (٤)

١ـ سنن الدار قطني (١/٨٣)، رقم (١٥) كذا انظر له: السنن الكبرىٰ للبيهقي (١/٥٦)، رقم (٢٥٩)

قال ابن حجر في "فتح الباري" له (١/٢٩٦):

إسناده ضعيف – وأتى بعد ذلك بمزيد من أحاديث في هذا المعنى وقال في آخرها –فهذه الأحاديث يقوي بعضها بعضا.

قال المناوي في فيض القدير (٥/١١٥) رقم (٦٦٢٣):

(هذا) الحديث وإن كان ضعيفا لكن يقويه ما في الدارقطني بإسناد حسن من حديث عثمان في صفة الوضوء فغسل يديه إلى المرفقين حتى مس أطراف العضدين.

٢ـ سنن الدارقطني (١/٨٣)، رقم (١٧)،

إسناده حسن.

راجع له: "فتح الباري" لابن حجر (١/٢٩٦)، "فيض القدير" للمناوي (٥/١١٥).

٣ـ في لسان العرب (٣/٢٩٢)، العضد: هو ما بين المرفق إلى الكتف، كذا في تاج العروس (٨/٣٨٣) والمصباح المنير (١/٢١٥) والصحاح للجوهري (٣/٧١) ومختار الصحاح (١/٤٦٧)

٤ـ سنن أبي داود (١/٧٦) رقم (١١٥)، كذا انظر له: السنن الكبرى للبيهقي (١/٥٠) رقم (٢٣٦)، سنن النسائي (١/٧٠) رقم (٩٦)، مسند أحمد بن حنبل (١/١٥٧) رقم (١٣٤٩) مسند الطيالسي (١/١٢٥) رقم (١٤٢)

قال ابن حجر في "التلخيص الحبير" (١/٢٦٣): رواه أبوداود بسند صحيح.

قال شمس الدين الحنبلي في "المحرر في الحديث" (١/٩٩): رواه أبوداود عن زياد بن أيوب عن عبيدالله موسى عن فطر؛ ورواته صادقون مخرج لهم في "الصحيح".

وكذا في البدر المنير (٢/١١٨)، والأحاديث المختارة للضياء المقدسي (١/٣٤٤) رقم (٦٣٢) و (١/١٨٩) رقم (٣٢٨)، والإلمام بأحاديث الأحكام (١/١٠).

اس روایت سے معلوم ہوا کہ کہنی بھی حکم غسل میں داخل ہے کیونکہ ''ذراع'' کا اطلاق کہنی کے بغیر نہیں ہوتا۔ [1]

۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زندگی میں ایک مرتبہ بھی وضو میں کہنیوں (اوراسی طرح ٹخنوں) کا ترکِ غسل منقول و ثابت نہیں اگران کا دھونا محض فضیلت کے لئے ہوتا اور عدمِ غسل بھی جائز ہوتا تو آپ علیہ السلام کم از کم ایک مرتبہ تعلیما للجواز ضرور ایسا فرماتے ولکنہ لم یفعل۔ [2]

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

وغسل اليدين والرجلين مرة مع المرفقين والكعبين على المذهب ...... قال في البحر: لاطائل تحته بعد انعقاد الإجماع على ذلک.

قال ابن عابدين:

قوله (بعد انعقاد الإجماع على ذلک) أى على افتراض غسل كل واحدة من اليدين والرجلين وعلى دخول المرفقين والكعبين وغسل الرجلين لا مسحهما. [3]

❷ قال علاؤالدين السمرقندي:

والثاني: غسل اليدين مع المرفقين مرة واحدة عندنا لقوله تعالىٰ: "وأيدكم إلى المرافق" وقال زفر: لايجب غسل المرفقين. والصحيح قولنا...... ثم يجب غسل الكعبين مع الرجلين عندنا خلافا لزفر كما في المرفقين. [4]

❸ قال ابن نجيم:

قوله (ويديه بمرفقيه) أى مع مرفقيه فالباء للمصاحبة بمعنى "مع" نحو" اهبط بسلام "أى معه – وقال بعد بسط الكلام في المرام– فالأولى الاستدلال بالإجماع على فرضيتهما (أى فرضية المرفقين في حكم الغسل في الوضوء)

١ـ في تاج العروس (٥/٢١) الذراع بالكسر: من طرف المرفق إلى طرف الإصبع الوسطى . في لسان العرب (٨/٩٣) الذراع: مابين طرف المرفق إلى طرف الإصبع الوسطى. كذافى المصباح المنير (١/٢٠٧) والفائق (٢/٨) والمعجم الوسيط (١/٣١١)

٢ـ المبسوط للسرخسي (١/٤) مجمع الأنهر (١/٢١) الكفاية الملحقة بفتح القدير (١/٦)

٣ـ الدر المختار مع ردالمحتار (١/٢٢١،٢٢٢)

٤ـ تحفة الفقهاء (١/٩)

قال الإمام الشافعي في "الأم" لا نعلم مخالفا في إيجاب دخول المرفقين في الوضوء وهذا منه حكاية للاجماع. قال في "فتح الباري" بعد نقله عنه فعلى هذا فز فر محجوج بالإجماع قبله..... وحكم الكعبين كالمرفقين. (١)

❹ قال الشرنبلالي:

والركن الثاني غسل يديه مع مرفقيه والركن الثالث غسل رجليه مع كعبيه لدخول الغاية في المغيا. (٢)

❺ قال ابن الهمام (بعد بسط الكلام في المسألة):

ولا مخلص إلا بنقل دخولها في المسمى لغة وهو أوجه القولين بشهادة غلبة الاستعمال به، وكونه إذا كان كذلك فتكون الغاية داخلة لغة. (٣)

❻ قال الخُوارَزْمي - بعد أن أتى بمبحث مفيد فيه-:

فصار ذكر المرافق بحرف الغاية لإخراج ما وراء المرفق من أن يكون داخلا تحت حكم الإسقاط فبقي حكم الغسل ثابتا في المرافق بصدر الكلام. (٤)

❼ قال العلامة الحلبي:

والمرفقان والكعبان يدخلان في الغسل. (٥)

❽ كذافي الكتب الأخر. (٦)

❾ إنما المتون الأربعة المعتبرة (وهي صنفت لبيان ما هو المعتمد عليه في المذهب) على قول علماء نا الثلاثة. (٧)

١ـ البحر الرائق (١/٢٧،٢٩)

٢ـ مراقي الفلاح (٥٨،٥٩)

٣ـ فتح القدير (١/١٣)

٤ـ الكفاية الملحقة بالفتح (١/٦)

٥ـ ملتقى الأبحر (١/٢٠)

٦ـ درر الحكام شرح غرر الأحكام (١/١٥)، النهر الفائق (١/٢٧،٢٨)، الفتاوى التاتارخانية (١/٦٧،٧٠)، المحيط البرهاني (١/٥)، الدرالمنتقى (١/٢١)، الفتاوى الهندية (١/٤،٥)، تحفة الملوك (١/٢٦)، الفقه الحنفي وأدلته(١/٣٥)، الفقه الحنفي في ثوبه الجديد (١/٧٠)، الفقه الإسلامي وأدلته (٣٧٠،٣٧٥)، الفقه على المذاهب الأربعة (١/٥٨) تبصرة الصبيان(٨) فقه العبادات الحنفي (١/٣٩)،أوجز المسالك (١/١٩٢)

٧ـ المختار للفتوى (١/٩)، مجمع البحرين وملتقى النيرين (٦٥)، كنز الدقائق (٤)، الوقاية (١/٥٥)

[۲] اختلافی مسئلہ

إن كان البير معينا لا ينزح ووجب نزح ما فيها أخرجوا مقدار ما فيها من الماء وعن محمد بن الحسن رحمه الله تعالىٰ أنه قال: ينزح منها مائتا دلو إلى ثلاث مائة.

توضیح الاختلاف:

مذکورہ بالا اختلاف میں قولِ مقدم امام أبو یوسفؒ کا قول ہے اور امام أبو حنیفہؒ سے اس بارے میں تین روایتیں منقول ہیں:

۱۔ قولِ أبي یوسفؒ کے موافق

۲۔ دوسوڈول

۳۔ سوڈول (۱)

مفتی بہ قول:

اس مسئلہ میں اگرچہ دونوں اقوال (قولِ ابي یوسفؒ وقولِ محمدؒ) کی تصحیح منقول ہے مگر قولِ أبي یوسفؒ أصح وارجح ہے البتہ اس میں موجود کل پانی کی مقدار کا اندازہ ایسے دو آدمیوں کے قول سے لگایا جائے گا جو عادل ہوں اور انہیں اس طرح کے پانی کی مقدار معلوم کرنے کی فہم اور بصیرت حاصل ہو۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

(۱) عن ابن عباسؓ ان زنجيا وقع في زمزم فمات ، قال: فأنزل إليه رجلا فأخرجه ثم قال: انزفوا ما فيها من ماء (۲)

۱۔ انظرله: تحفة الفقهاء (۱/۷۳)، مجمع الأنهر (۱/۵٤) المحيط البرهانى (۱/۱۱۳) التاتارخانية (۱/۱٤۷)

۲۔ مصنف ابن أبي شيبة (۱/۱۵۰)، رقم (۱۷۲۲)

قلت: هذا الأثر وإن كان منقطعا ولكنه يتقوى بما يأتي بعده بإسناد صحيح، وقد قال البيهقي في "معرفة السنن والآثار" (۲/۹۳) رقم (۵۰۲) إنه مرسل والمرسل كمثله مقبول عندنا، كما لا يخفى۔

تنبيه: يقول العبد الضعيف عفا الله عنه: مسئلة مذكورة في الكتاب (مختصر القدورى) "الغدير العظيم الذى لا يتحرك أحد طرفيه بتحريك الطرف الاخر" - قبل هذه المسألة الخلافية بصفحة۔ ==

(٢) عن عطاء: أن حبشيا وقع في زمزم فمات فأمر ابن الزبير فنزح ماؤها فجعل الماء لا ينقطع فنظر فإذا عين تجرى من قبل الحجر الأسود فقال ابن الزبير: "حسبكم" (١)

(٣) قوله تعالىٰ ﴿فاسئلوا اهل الذكران كنتم لا تعلمون﴾ (٢)

(٤) قوله تعالىٰ ﴿يحكم به ذوا عدل منكم﴾ (٣)

قول مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

إذا وجب نزح جميع الماء ولم يمكن فراغها لكونها معينا ينزح مائتا دلو ...... والأصح أن يوخذ بقول رجلين لهما بصارة في أمر الماء فأىّ مقدار قالا انه في البئر ينزح ذلك القدر هوأشبه بالفقه. (٤)

❷ قال داماد أفندى:

وإن لم يمكن نزحها بأن كانت معينا نزح قدر ماكان فيها أى في البر بقول رجلين لهما معرفة بأمر الماء عند الإمام في رواية وهو الأصح والأشبه بالفقه. (٥)

❸ قال التمرتاشي والحصكفي:

وإن تعذر نزح كلها لكونها معينا فبقدر ما فيها وقت ابتداء النزح قاله الحلبي. يوخذ ذلك بقول رجلين عدلين لهما بصارة بالماء، به يفتي وقيل: يفتي بمائتين إلى ثلاثمائة وهذا أيسر و ذاك أحوط.

== ليست من مسائله التي هي غير المفتى بها فلا يصح أن تعدّ منها نظرًا إلى "عشرقفى عشرة" و "اكبررأى البتلىٰ به" وغير ذلك من أقوال أخرى فيه، كما هو مصرح في المبسوطات فإن شئت التوضيح والتفصيل فارجع إلى ما يليك:

الدرالمختار مع ردالمحتار (١/٣٧٦-٣٧٨)، شرح الوقاية (١/٨٧)، بدائع الصنائع (١/٢١٨،٢١٩)، التاتارخانية (١/١٢٧،١٢٨)

١ـ شرح معاني الآثار (١/١٧) ، رقم (٢٩)، مصنف ابن أبي شيبة (١/١٥٠)رقم (١٧٢١).

إسناده صحيح.

راجع له: "فتح القدير" للكمال ابن الهمام (١/١٠٧)، مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح (٢/٤٠٤)، الجوهر النقي (١/٢٦٧)، تحفة الأحوذي (١/١٧٨).

٢ـ الانبياء (٧)

٣ـ المائدة (٩٥)

٤ـ الفتاوى الهندية (١/١٩)

٥ـ مجمع الأنهر (١/٥٤)

وقال الشامي تحت قوله " وقيل يفتى الخ" :

فقد اختلف التصحيح والفتوى وضعّف هذا القول (أى قول محمدؒ) في "الخلية" وتبعه في "البحر" بأنه إذا كان الحكم الشرعى نزح الجميع فالاقتصار على عدد مخصوص يتوقف على دليل سمعي يفيده وأين ذلك؟

بل المأثور عن ابن عباس وابن الزبير خلافه حين أفتيا بنزح الماء كله حين مات زنجي في بئر زمزم وأسانيد ذلك الأثر مع دفع ما أورد عليهما مبسوطة في البحر وغيره. [١]

❹ قال الشرنبلالي:

(ومائتا دلو لولم يمكن نزحها) وأفتى به (محمدؒ) لما شاهد آبار بغداد كثيرة المياه لمجاورة دجلة والأشبه أن يقدر ما فيها بشهادة رجلين لهما خبرة بأمر الماء و هوالأصح. [٢]

❺ قال ابن نجيم:

عن أبي نصر محمد بن سلام أنه يوتى برجلين لهما بصارة بأمر الماء فإذا قدّراه بشئ وجب نزح ذلك القدر وهوالأصح والأشبه بالفقه وفي معراج الدراية: إنه المختار. [٣]

❻ قال السرخسي:

والأصح انه ينظر إليها رجلان لهما بصر في الماء فبأى مقدار قالا في البئر ينزح ذلك القدر وهذا اشبه بالفقه [٤]

❼ كذافي الكتب الأخر. [٥]

١ـ الدر المختار مع رد المحتار (١/٤١٢، ٤١٣)

٢ـ مراقي الفلاح (٣٧)

٣ـ البحرالرائق (١/٢١٦)

٤ـ المبسوط (١/١٦٩)

٥ـ بدائع الصنائع (١/٢٤٦)، الفتاوى التاتارخانية (١/١٤٨)، الدرالمنتقى (١/٥٥)، الحلبى الكبيرى (١٤٣)، تبيين الحقائق(١/٣٠)، العناية على هامش الفتح (١/١١٠)، البناية (١/٢٩٧)، تحفة الفقهاء (١/٧٣)، الجوهرة النيرة (١/٥٩)، المعتصر على المختصر (٥١)، شرح الوقاية (١/٩١)، دررالحكام شرح غرر الأحكام (١/١٠١)، الموسوعة الفقهية (١/٨٧)

[۳] اختلافی مسئلہ

إذا وجد في البير فارة ميتة أو غيرها ولا يدرون متى وقعت...... إن انتفخت أو تفسخت أعادوا صلاة ثلاثة أيام ولياليها في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ وقال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالىٰ: ليس عليهم إعادة شيء حتى يتحققوا متى وقعت.

مفتیٰ بہ قول:

مسئلہ مذکورہ میں دونوں اقوال (قول امامؒ اور قول صاحبینؒ) کی تصحیح منقول ہے اذ قول الإمامؒ أحوط وقولهما أيسر تاہم تيسيراً للناس صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول مفتیٰ بہ ہے۔

قول مفتیٰ بہ کا مستدل:

(۱) فقہ کا اصول ہے:

"اليقين لا يزول بالشک" (۱)

لما كانت طهارة الماء متيقنة وكونه نجسا (منذ ثلاثة ايام) في حيز الشک عُمِل بما هو المتيقن وطُرِح الشک.

(۲) قوله تعالىٰ:

﴿يريد الله بكم اليسر ولا يريدبكم العسر﴾ (۲)

(۳) عن انس بن مالک عن النبی صلی الله عليه وسلم قال:

۱۔ أصول البزدوی (۱/۳٦٧)، أصول السرخسی (۲/۱۱٦)، كشف الأسرار (۲/۳۳۸)، الأشباه والنظائر (۱/٥٦) عمدة الناظر (۱/۱)، قواعد الفقه (۱/۲۹)، القواعد والضوابط الفقهية (۲/٦٥٤)، التبصرة فی أصول الفقه (۱/٥۲۸)، البحر المحيط في أصول الفقه (٤/۳۲۸)، تيسير الوصول إلى قواعد الأصول (۱/۲۸۲)، شرح القواعد الفقهية (۱/۳۰)، شرح الكوكب المنير (٤/٤۳۹)، علم أصول الفقه (۱/۹۲) الكافی شرح البزدوی (۲/٦٤٤)، المحلة (۱/۱٦)

۲۔ سورة البقرة (۱۸٥)

"يَسِّرُوا ولا تعسروا" (۱)

(۴) فقہ کا اصول ہے:

"المشقة تجلب التيسير" (۲)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمر تاشي والحصكفي:

ويحكم بنجاستها مغلظة من وقت الوقوع إن علم وإلا فمذ يوم وليلة ان لم ينتفخ ولم يتفسخ...... ومذ ثلاثة أيام بليا ليهاان انتفخ أو تفسخ استحسانا وقالا: من وقت العلم فلا يلز مهم شئ قبله قيل وبه يفتىٰ.

قال الشامي:

قوله (قيل به يفتىٰ) قائله صاحب الجوهرة. وقال العلامة قاسم في "تصحيح القدورى" قال في "فتاوى العتابى" قولهما هو المختار. (۳)

❷ قال ابن نجيم:

قوله (ونجسها منذ ثلاث فأرة منتفخة جهل وقت وقوعها وإلامذيوم وليلة)

١ـ صحيح البخارى (١/١٦)رقم (٦٩)، وكذا انظر له: صحيح مسلم (٢/٨٢)رقم (٤٦٢٦)، مسند أحمد (١٩/٣٤١) رقم (١٢٣٣٣)، سنن النسائى الكبرى (٣/٤٤٩)رقم (٥٨٩٠)، المعجم الكبير للطبرانى (٩/٢٤٦)رقم (١٠٧٨٩)، الأدب المفرد (١/١٦٧)رقم (٤٧٣)، شعب الايمان (٦/٣٠٩)رقم (٨٢٨٦)، مسند أبي يعلى (٧/١٨٧)رقم (٤١٧٢)، مسند ابن الجعد (١/٢١٢)رقم (١٤٠٤)، مسند البزار (٢/٣٥٢)رقم (٧٣٧٦)، مسند الرويانى (١/٣٢٩)رقم (٤٩٩)، مسند الشهاب (١/٣٦٥)رقم (٦٢٤)، مسند الطيالسى (١/٢٨٠)رقم (٢٠٨٦)، مصنف ابن أبي شيبة (٥/٢١٦)رقم (٢٥٣٧٩)، حلية الأولياء (٣/٨٤)، أخبار أصبهان (٩/٤٤٥)رقم (١٩٢٤)، أخلاق حملة القرآن (١/٥٥)رقم (٥١)، الجامع الصغير للسيوطىّ (١/١٠٥)رقم (١٤٣)، جامع الأحاديث (٢٤/١٢٩)، رقم (٢٦٧٩٢)، جامع الأصول في احاديثِ الرسول (١/٣٠٩)رقم(٩١)، كتاب الأدب لابن أبي شيبة (١/٢٢٨)رقم (١٩٩)، مستخرج أبي عوانة (٧/٣٦١)رقم (٥٢٦٦)، مشيخة ابن البخارى (٣/١٨٣٦)،معجم ابن عساكر (١/١١٣)رقم (٢٠٩)

٢ـ الأشباه والنظائر (١/٧٥) علم أصول الفقه (١/٢٠٩) شرح الكوكب المنير (٤/٤٤٥)، المنثور في القواعد (١/١٢٣)، القواعد والضوابط الفقهية (١/٤٢٥)، المقاصد عند الإمام الشاطبى(١/٢٨٩)، منهج التشريع الإسلامى وحكمته (١/٣٦)

٣ـ الدرالمختار مع رد المحتار (١/٤٢٠)

قال في آخر شرح هذا القول قبيل "فروع" نقلاً عن غاية البيان: وما قاله أبو حنيفة احتياط في أمر العبادة وما قالاه عمل باليقين ورفق بالناس وفي تصحيح الشيخ قاسمٌ وفي فتاوى العتابي: المختار قولهما [1]

٣ قال دامادأفندى:

(ومن ثلاثة أيام ولياليها ان انتفخ اوتفسخ وقالا: من وقت الوجدان) لأن الماء طاهر بيقين ووقع الشک في نجاسته فيما مضىٰ واليقين لا يزول بالشک ......وهو الصحيح [2]

٤ ...... قال ملا خسرو:

قوله (وقالا بتنجسها منذ وجد الخ) يعني حتى يتحققوا متى وقع وعليه الفتوىٰ [3]

٥. قال الشيخ أحسن النانوتوى نقلا عن "فتح الله المعين على شرح ملا مسكين"

والمفتىٰ به قولهما أى يتنجس مذوجد إلا أن يعلم وقتها. [4]

٥ ...... كذافى الكتب الأخر. [5]

١ ـ البحر الرائق (١/ ٢٢٠)
٢ ـ مجمع الأنهر (١/ ٥٤)
٣ ـ دررالحكام شرح غرر الأحكام (١/ ١٠٥)
٤ ـ حاشية النانوتوى على الكنز (٩)
٥ ـ النهرالفائق (١/ ٩٠) عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية (١/ ٩٢)

باب التيمُّم

[۴] اختلافی مسئلہ

يجوز التيمم عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ بكل ما كان من جنس الأرض كالتراب والرمل والحجر والجص والنورة والكحل والزرنيخ وقال أبويوسفؒ: لا يجوز إلا بالتراب والرمل خاصة.

مفتی بہ قول:

فتویٰ طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) قوله تعالى: ﴿فتيمموا صعيدا طيبا﴾ (۱)

''صعید'' لغتِ عرب میں زمین کے اوپر والے حصے کو کہتے ہیں۔ (۲)

لہٰذا یہ ریت، مٹی، گچ، ہڑتال، چونا، پتھر وغیرہ زمین کے تمام اجزاء وانواع کو عام ہے اس لئے اس کو بعض انواع (ریت اور مٹی) کے ساتھ خاص کرنا، کتاب اللہ کے مطلق حکم کو مقید کرنا ہے جو کہ خبر واحد سے بھی جائز نہیں ہے چہ جائیکہ قول

۱۔ المائدة (٦)

٢۔ في المصباح المنير (١/٣٣٩) الصعيد: وجه الأرض ترابا كان اوغيره۔ قال الزجاج: "ولا أعلم اختلافا بين أهل اللغة في ذلك" وكذا في "كتاب العين" للفراهيدى (١/٢٩٠) وهواول لغة صنفت في اللغة العربية فكأن سائر اللغات العربية مستفادة منها وما أعظم مكانتها.

ونقل المعنى المذكور في اللغات الآتية ايضاً:

المحيط في اللغة (١/٣٢٢) المخصص لابن سيده (٣/٤٤) تاج العروس (٨/٢٨٣) لسان العرب (٣/٢٥١) مختار الصحاح (١/٣٧٥) جمهرة اللغة (١/٣٤٨) القاموس المحيط (١/٢٩٣) المعجم الوسيط (١/٥١٤) تهذيب اللغة (٢/٨) معجم مقاييس اللغة (٣/٢٨٧) الصحاح للجوهرى (٣/٦٠)

صحابی[1] ہو[2]۔

نیز ''صعید'' کے اسی معنیٰ عام کے اعتبار سے بعض کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے قول (صعیدا زلقا)[3] میں ''صعید'' سے مراد پتھر ہے۔[4]

لفظ ''صعید'' کے بعض انواعِ ارض کے ساتھ خاص نہ ہونے کی دلیل وہ احادیث ہیں جو ذیل میں اپنی (وجوہِ استدلال کے ساتھ) مرقوم ہیں:

عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (في حديث طويل): "جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا"[5]

عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "جعلت لي كل ارض طيبة مسجدا وطهورا"[6]

ان روایات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ ''ارض'' مطلق بغیر کسی تفصیل کے ارشاد فرمایا ہے جو اپنے اطلاق کی

١ـ إذ احتج أبو يوسفؒ بقول ابن عباسؓ انه فسر الصعيد بالتراب الخالص كما في التفسير لابن كثير (١/٥٠٤) وسنن البيهقي (١/٢١٤)

٢ـ بدائع الصنائع (١/١٨١) اللباب في الجمع بين السنة والكتاب (١/١٦٦) حاشية الطحطاوي على المراقي (١١٩)

٣ـ الكهف (٤٠)

٤ـ مراقي الفلاح (١١٩) تبيين الحقائق (١/٣٩)

٥ـ صحيح البخاري (١/٦٢) رقم (٤٣٨) وكذا انظر له: سنن الترمذي (٢/١٣١) رقم (٣١٧)، سنن النسائي (٢/٥٦) رقم (٧٣٦)، المستدرك للحاكم (٢/٤٦٠) رقم (٣٥٨٧)، سنن ابن ماجه (١/١٨٨) رقم (٥٦٧)، السنن الكبرى (١/٢١٢) رقم (٩٦٠)، السنن الماثورة (١/١٨٩) رقم (١٧٣)، المسند المستخرج للاصفهاني (٢/١٢٥) رقم (١١٥١)، المنتقى لابن الجارود (١/٤١) رقم (١٢٣)، شرح مشكل الآثار (٣/٦١)، مسند أحمد (١٢/٢٠٧) رقم (٧٢٦٦)، مسند البزار (٧/٢٥٧) رقم (٢٨٣٦)، مسند السراج (١/١٧٥) رقم (٤٩٣)، مسند الطيالسي (١/٦٤) رقم (٤٧٢)، مصنف ابن أبي شيبة (٢/١٦٩) رقم (٧٧٥٢)، مصنف عبدالرزاق (١/٣٢) رقم (٩٨)، معرفة السنن والآثار (٤/١٢٢) رقم (١٣٧٣)

٦ـ الاحاديث المختارة (٢/٢٧٨) رقم (١٦٥٣)، المنتقى لابن الجارود (١/٤١) رقم (١٢٤)

إسناده صحيح...... راجع له: فتح الباري لابن حجر (٢/٢٤)، عون المعبود (٢/١٠٩)

بناء پر ارض کے تمام اجزاء وانواع کو شامل ہے۔[1] پوری ارض جب ''مسجد'' ہوئی تو ''طہور'' بھی ہوئی۔[2]

عن عائشة رضي الله عنها قالت:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا واقع بعض أهله فكسل أن يقوم ضرب يده على الحائط فتيمم.[3]

قال أبو الجهيم: أقبل النبي صلى الله عليه وسلم من نحو بئر جمل فلقيه رجل فسلم عليه فلم يرد عليه النبي صلى الله عليه وسلم حتى أقبل على الجدار فمسح بوجهه ويديه ثم رد السلام.[4]

مذکورہ بالا روایات سے استدلال دو جہات سے ہے:

أ۔ مدینہ منورہ کی دیواریں کالے پتھروں سے بنی ہوئی تھیں **"فثبت به التيمم على الحجر"**[5]

ب:۔ یہ بات واضح ہے کہ دیوار پر عموماً و بیشتر مٹی اور غبار نہیں ہوتا لہٰذا معلوم ہوا کہ تیمّم کرنے کے لئے مٹی (یا ریت وغبار) کا ہونا ضروری نہیں **وهو مانحن فيه**[6]

(۲) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال (في حديث طويل):

١۔ إعلاء السنن (١/٣١٧) بدائع الصنائع (١/١٨١) تبيين الحقائق (١/٣٩) الموسوعة الفقهية (١٤/٢٦٠)

٢۔ أحكام القرآن للجصاص (٣/٣٠)

٣۔ المعجم الأوسط للطبراني (١/٢٠٢)، رقم (٦٤٥)،

قال الهيثمي في مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (١/٣٢٨) رقم (١٤٢٧): رواه الطبراني في الأوسط وفيه بقية بن الوليد وهو مدلس.

قلت: لا يضرنا تدليسه إذ هو من رواة الصحيحين؛ ومع ذلك إنه من ثقات القرون الثلاثة فحكم روايته حكم المرسل عندنا فهو مقبول حسب أصولنا في الحديث.

٤۔ صحيح البخاري (١/٤٨) رقم (٣٣٧)، وكذا انظر له: صحيح مسلم (١/١٩٤) رقم (٨٤٨)، صحيح ابن حبان (٣/٨٥) رقم (٨٠٥)، صحيح ابن خزيمه (١/١٣٩) رقم (٢٧٤)، مستخرج أبي عوانة (١/٤١٤) رقم (٦٨٣)، اللؤلؤ والمرجان (١/٧٦) رقم (٢٠٩)، مسند أحمد (٢٩/٨٤) رقم (١٧٥٤١)، شرح معاني الآثار (١/٨٥) رقم (٥١٤)، سنن الدارقطني (٢/٢٤٤) رقم (٦٨٣)، موارد الظمان (١/٧٤)

٥۔ فتح الملهم (١/٤٩٧)

٦۔ الفقه الحنفي في ثوبه الجديد (١/١٦١)

"جعلت لی الأرض مسجدًا وطهورا أينما أدركتني الصلاة تمسحت (أی تیمّمت) وصلّيتُ" [1]

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین کے جس حصے میں بھی مجھے نماز کا وقت ہو جائے میں وہیں تیمم کر کے نماز پڑھ لیتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ جیسے نماز کا وقت تراب ورمل والی جگہ پر ہو سکتا ہے ایسے ہی زمین کی دوسری جگہوں پر بھی ہو جاتا ہے اس لئے زمین کے ہر (پاک) حصے پر تیمم ونماز درست ہے خواہ وہاں تراب ورمل ہو یا پتھر، گچ وہڑتال وغیرہ کماهو المفهوم من ظاهر الحديث. [2]

(۳) عن حماد قال: تيمم بالصعيد والجص والجبل والرمل. [3]

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

يتيمم بطاهر من جنس الأرض ...... فيجوز التيمم بالتراب والرمل والسبخة المنعقدة من الأرض دون الماء والجص والنورة والكحل والزرنيخ -إلى أن قال- وبالحجر عليه غبار أولم يكن بأن كان مغسولا. [4]

❷ قال علاؤ الدين السمرقندی:

قال أبوحنيفه و محمد رضی الله عنهما: يجوز بكل ماهومن جنس الأرض وقال أبو يوسف: لا يجوز إلا بالتراب والرمل خاصة وروى المعلى عن أبي يوسف رحمه الله أنه لا يجوز إلا التراب وهوقوله الأخير وبه أخذ الشافعي.

والصحيح قول أبي حنيفه ومحمد رحمهما الله تعالىٰ [5]

١۔ مسند أحمد (١١/٦٣٩)، رقم (٧٠٦٨)، وكذا انظر له: السنن الكبرىٰ للبيهقي (١/٢٢٢) رقم (١٠٩٩)،شرح مشكل الآثار (١١/٩٣)، رقم (٤٤٨٩)، غاية المقصد في زوائد المسند (٢/٣٢٢٤)، جامع الاحاديث (١٧/٤٠٥) رقم (١٨٤٧٠)

قال البوصيري في اتحاف الخيرة المهرة (١/١٠٨) رقم (٧٢٢): قلت: رواه أحمد بن حنبل بتمامه بإسناد صحيح، وكذا قال المنذري في الترغيب (٤/٢٣٣) رقم (٥٤٩٨)، وقال الهيثمي في مجمع الزوائد (١١/٣٠٥): رواه أحمد ورجاله ثقات.

٢۔ المحيط البرهاني (١/١٦٧) البدائع للكاساني (١/١٨١)

٣۔ مصنف ابن أبي شيبة (١/١٤٨)، رقم (١٧٠٤)

٤۔ الفتاوى الهندية (١/٢٦،٢٧)

٥۔ تحفة الفقهاء (١/٤١)

❸ قال ابن نجيم:

قوله (من جنس الأرض) يعنى يتيمم بما كان من جنس الأرض. قال المصنف في المستصفى: كل ما يحترق بالنار فيصير رما دا كالشجر أو ينطبع ويلين كالحديد فليس من جنس الأرض وما عدا ذلك فهومن جنس الأرض. (١)

❹ قال التمرتاشي والحصكفي:

يتيمم...... بمطهر من جنس الأرض وإن لم يكن عليه نقع أى غبار وبه مطلقا عجز عن التراب اولا؛ لانه تراب رقيق.

قال الشامي:

قوله (من جنس الأرض): الفارق بين جنس الأرض وغيره أن كل ما يحترق بالنار.

فيصير رمادا كالشجر والحشيش أو ينطبع ويلين كالحديد والصفر والذهب والزجاج ونحوها فليس من جنس الأرض.

قوله (وبه مطلقا) أى ويتيمم بالنقع مطلقا خلافا لأبي يوسفؒ؛ فعنده لا يتيمم به إلا عند العجز ولا يجوز عنده الا التراب والرمل وما فى "الحاوى القدسى" من أنه هو المختار غريب مخالف لما اعتمده أصحاب المتون. (٢)

❺ قال قاضي خان:

يجوز التيمم بكل ما كان من أجزاء الأرض كالتراب والرمل والجص والنورة والمغرة والسبخة والزرنيخ ...... والحجر الذى عليه غبار أولم يكن. (٣)

❻ كذافي الكتب الأخر. (٤)

❼ . إنما المتون المعتبرة على قول الطرفين ولم يرجح في شروحها قول غير هما (فهو ترجيح

---

١ ـ البحر الرائق (١/٢٥٧)

٢ـ الدر المختار مع رد المحتار (١/٤٥١،٤٥٢)

٣ـ الفتاوى الخانية على هامش الهندية (١/٦١)

٤ ـ الفتاوى البزازية على هامش الهندية (٤/١٧)، تبيين الحقائق (١/٣٩) النتف في الفتاوى/فتاوى السغدى (١/٣٩)، الفقه الإسلامى وأدلته (٥٩٨)، الفقه الحنفى في ثوبه الجديد (١/١٦٠)، الفقه على المذاهب الأربعة (١/١٤٩)، الموسوعة الفقهية (١٤/٢٦١)،فقه السنة (١/٧٩)، خزانة الفقه (٤٥)، ملتقى الأبحر (١/٥٨)، حيث قدم قولهما.

قولهما أيضا) على ما عرف في "شرح العقود". [1]

١ –قال الموصلي:

يتيمم بما كان من أجزاء الأرض كالتراب والرمل والجص والكحل. [٢]

٢ – قال النسفي: يتيمم بطاهر من جنس الأرض وان لم يكن عليه نقع. [٣]

٣– قال المحبوبي: ضربة ...... على كل طاهر من جنس الأرض كالتراب والرمل والحجر. [٤]

قال ابن الساعاتي: ويجوز من صعيد طاهر غير منطبع ولا مترمد ولم نعين التراب. [٥]

---

[٥] اختلافی مسئلہ

والمسافر إذا نسي الماء في رحله فتيمم وصلى ثم ذكر الماء في الوقت لم يُعِد صلاته عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ وقال أبو يوسف رحمه الله تعالى: يُعيد.

توضیح الاختلاف:

واضح رہے کہ مذکورہ بالا اختلاف اس صورت میں ہے جب مسافر نے پانی خود رکھا ہو یا کسی اور نے اس کے حکم سے رکھا ہو۔ یا اگر چہ اس کے امر کے بغیر رکھا ہو مگر اس کے علم میں ہو۔ چنانچہ اگر کسی دوسرے شخص نے اس مسافر کے حکم کے بغیر خود ہی پانی رکھ دیا ہو اور اس مسافر کو اس کا علم بھی نہ ہو تو بالاتفاق تیمم جائز ہوگا اور اعادۂ صلاۃ نہیں ہوگا۔[٦] **فاحفظه فانه مما يلزم ذكره.**

---

١ ـ شرح عقود رسم المفتي (٢٧)

٢ ـ المختار للفتوى (١/٢٣)

٣ ـ كنز الدقائق (١٠)

٤ ـ الوقاية (١/٩٨)

٥ ـ مجمع البحرين وملتقى النيرين (٨٤)

٦ ـ انظرله: العناية على هامش الفتح (١/١٤٣) الكفاية الملحقة بالفتح (١/٤٨) اللباب في شرح الكتاب (١/٥٥) الهندية(١/٣١) الموسوعة الفقهية (١٤/٢٥٧) الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر (١/٦٦) شرح النقاية (١/٧٠)

مفتی بہ قول:

فتوی طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

(۱) (أ) قوله تعالیٰ: ﴿لا تكلف نفس الا وسعها﴾ (۱)

(ب) قوله تعالیٰ: ﴿لا يكلف الله نفسا الا وسعها﴾ (۲)

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ مسافر کو اس کے علم کا ہی مکلف بنایا ہے اور مندرجہ بالا آیات کی رو سے تکلیف بقدرِ وسعت ہوتی ہے چنانچہ اسے پانی کا علم ہونے سے قبل (یعنی حالتِ نسیان میں) استعمالِ ماء اس کی وسعت میں نہیں تھا۔

الغرض جب وہ اپنے علم کی حد تک ہی مکلف تھا اور حالت یہ ہے کہ اس کو علم نہیں تھا تو وہ استعمالِ ماء کا مخاطَب بھی نہیں تھا جس کا واضح نتیجہ یہ ہے کہ پانی موجود ہونے کے باوجود اس کے حق میں بمنزلۂ عدم تھا اور ظاہر ہے کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں طہارت کا وظیفہ تیمم ہی ہے لہٰذا اس کا تیمم کرنا جائز ہے اور اعادۂ صلاۃ کی ضرورت نہیں ہے۔ (۳)

(۲) قوله تعالیٰ:

﴿فلم تجدوا ماء فتيمموا﴾ (۴)

مسئلہ مذکورہ میں رحل میں وجودِ ماء کے باوجود وہ مسافر فاقد الماء متصور ہوگا کیوں کہ آیتِ مذکورہ میں وجدانِ ماء سے مراد "قدرة على الماء" (۵) ظاہر ہے کہ علم نہ ہونے کی صورت میں وہ قادر بھی نہ ہوگا اور جب قدرت نہ ہوئی تو گویا کہ پانی ہی موجود نہ ہو تو ایسے شخص کے لئے بلاشبہ تیمم درست ہے۔ فلا یعید صلوتہ۔ (۶)

۱۔ البقرة (۲۳۳)

۲۔ البقرة (۲۸۶)

۳۔ المبسوط للسرخسي (۱/۱۲۰) المبسوط للشيباني (۱/۱۲۳) إلا أنه ذكره موجزا

٤۔ النساء (٤٣) المائدة (٦)

٥۔ مفردات الفاظ القرآن للراغب الاصفهاني (۲/٤۹۱) تفسير النسفي (۱/۲۲٤) تفسير روح المعاني (٥/٤۲) تفسير حقي (۲/۱٦۸)، كذافي تفسير الخازن (۱/٥۳۹)

٦۔ العناية على هامش الفتح (۱/۱٤۳) المحيط البرهاني (۱/۱٦٥) البناية (۱/۳۸۸) مجمع الأنهر (۱/٦٦) التجريد (۱/۲٥۱)

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

صلى من ليس في العمران بالتيمم ونسي الماء في رحله وهو مما ينسىٰ عادة لا اعادة عليه.

قال العلامة الشامي:

قوله (لا اعادة عليه) أي إذا تذكره بعد ما فرغ من صلاته فلوتذكر فيها يقطع ويعيد إجماعا.[1]

❷ قال الحلبي:

ولونسيه المسافر في رحله وصلى بالتيمم لا يعيد -عند الطرفين[2]-.

وقال أبو يوسف: يعيد[3] (تقديم قول الطرفين فيه ترجيح له كما هو المعروف من دأبه في المختار وهو مما لا يخفى).

❸ قال قاضي خان:

مسافر نسي الماء في رحله أو في رحله ماء ولم يعلم به فتيمم فصلى جازت الصلاة في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ.[4]

(ترجيح قولهما فيه على نمط ما سبق من داب الحلبي إذ دأبهما في المختار سواء على ما عرف في شرح العقود[5])

❹ قال الإمام محمد الرازي:

ولونسي الماء في رحله أو كان بقربه ماء لا يعلم فتيمم وصلى أجزأه.[6]

❺ قال الكاساني:

المسافر يتيمم وفي رحله ماء لم يعلم به حتى صلى ثم علم به أجزأه في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ ولا يلزمه الإعادة وقال أبويوسف: لم يجزئه و يلزمه الإعادة[7] ثم ذكر أدلة الفريقين

١ـ الدر المختارمع رد المحتار (١/٤٦٧، ٤٦٨)

٢ـ مجمع الأنهر شرح الملتقى (١/٦٦)

٣ـ ملتقى الأبحر (١/٦٥)

٤ـ الفتاوى الخانية على هامش الهندية (١/٦٣)

٥ـ شرح عقود رسم المفتي (٣٠)

٦ـ تحفة الملوك (١/٣٨)

٧ـ بدائع الصنائع (١/١٧٣)

وأخّر دليلهما فيه ومع ذلك رد ما استدل به أبو يوسفؒ ردا بليغا فهذا كله ترجيح لقولهما وتاخير دليلهما على الخصوص كما هو ظاهر لمن مارس أصول الإفتاء.

❻ كذافي الكتب الأخر، حيث أخر دليلهما فيها. [1]

❼ قولهما قول المتون على مايليک بعضها:

١ –قال الموصلي:

ولو صلى المسافر بالتيمم ونسي الماء في رحله لم يعد. [2]

٢ – قال النسفي:

ولم يعد إن صلى به (أي بالتيمم) ونسي الماء في رحله . [3]

٣– قال صدر الشريعة الأصغر:

وإذا ذكره في رحله (أي بعد ما صلى متيمما) لا يعيد الصلاة. [4]

١ ـ البحر الرائق (١/٢٧٨)تبيين الحقائق (١/٤٣) غنية المستملى (٥٩)

٢ ـ المختار للفتوى (١/٢٥)

٣ ـ كنز الدقائق (١٠)

٤ ـ النقاية (١/٧٠)

باب المسح على الخفين

[٦] اختلافی مسئلہ

لا يجوز المسح على الجوربين إلا أن يكونا مجلدين أو منعلين (عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى[١]) وقالا (أي أبويوسف ومحمد رحمهما الله تعالى): يجوز إذا كانا ثخينين لا يشفان.

مفتی بہ قول:

فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتیٰ بہ کا مستدل

(١) عن المغيرة بن شعبة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم توضأ ومسح على الجوربين والنعلين.[٢]

١ـ الجوهرة النيرة (١/٨١)

٢ـ صحيح ابن حبان (٤/١٦٧) رقم (١٣٣٨)، وكذا انظر له: صحيح ابن خزيمه (١/٩٩) رقم (١٩٨)،سنن أبي داوٗد (١/٨٩) رقم (١٥٩)، مسند أحمد (٣٠/١٤٤) رقم (١٨٢٠٦)، جامع الترمذی (١/١٢٢) رقم (٩٩)، سنن إبن ماجه (١/١٨٥) رقم (٥٥٩)، سنن النسائی الكبری (١/٩٢) رقم (١٣٠)، السنن الكبریٰ للبيهقی (١/٢٨٤) رقم (١٢٦٣)، مصنف ابن أبي شيبة (١/١٧١)، رقم(١٩٧٣)، المعجم الكبير للطبرانی (٢٠/١٩٥) رقم (١٦٤٠)، المعجم الأوسط للطبرانی (٢/٢٤) رقم (١١٠٨)، معرفة السنن والآثار (٢/١٢٨) رقم (٥٣٢)، أمالی الباغندی (١/٢٣) رقم (١٠)، الأوسط لابن المنذر (٢/١٢٩) رقم (٤٦٧)، جامع الأحاديث (٣٨/١١٥) رقم (٤١١٧٣)، جامع الأصول (٧/٢٤٠) رقم (٥٢٧٩)، جمهرة الأجزاء الحديثية (١/١٨٠)، إلا أنه لم يذكر "النعلين" . معجم أسامی شيوخ أبي بكر الإسماعيلی (٢/٤) رقم (٣٣٦)، موارد الظمآن (١/٧١).

هذا حديث صحيح وكذا إسناده هذا.

== راجع له : صحيح ابن خزيمة مع الأحاديث المذيلة بأحكام شيخنا الأعظمي الهندي (١/٩٩) رقم (١٩٨) حيث حَكم بصحة إسناده، وقال الترمذي في "سننه" (١/١٦٧) رقم (٩٩): هذا حديث حسن صحيح.

الانتباه:

وردَّ البعضُ تصحيح هذا الحديث، فقام مشايخنا الحنفية وغيرهم للجواب عنه بما يلي:

(أ)- قال الملا على القاري الحنفي في "مرقاة المفاتيح" (٢/٤٥٨):

رواه أحمد والترمذي وقال حسن صحيح ورُدّ بأن المعروف من رواية المغيرة المسح على الخفين وأجيب بأنه لا مانع من أن يروي المغيرة اللفظين وقد عضده فعل الصحابة.

(ب) -قال العيني في "البناية شرح الهداية" (١/٤٢٦-٤٢٧):

وأما حديث المغيرة بن شعبة فروي من طريق أبي قبيس عن هذيل بن شرحبيل، عن المغيرة بن شعبة، "أن النبى -صلى الله عليه وسلم- توضأ ومسح على الجوربين والنعلين".

وقال الترمذي: حديث حسن صحيح، وقال النسائي في "سننه الكبرى": لا نعلم أحدا تابع أبا قبيس على هذه الرواية، والصحيح عن المغيرة "أن النبى -صلى الله عليه وسلم- مسح على الخفين".

وذكر البيهقي حديث المغيرة هذا وقال: إنه حديث منكر، ضعفه سفيان الثوري، وعبدالرحمن بن مهدي، وأحمد بن حنبل، ويحيى بن معين، وعلي بن المديني، ومسلم بن الحجاج، والمعروف عن المغيرة حديث المسح على الخفين.

وقال النووي: كل واحد من هؤلاء لو أنفرد قدم على الترمذي، مع أن الجرح مقدم على التعديل، قال: واتفق الحفاظ على تضعيفه، ولا يقبل قول الترمذي: إنه حسن صحيح.

وذكر البيهقي في "سننه" أن أبا محمد يحيى بن منصور -رضى الله عنه- قال: رأيت مسلم بن الحجاج وضعف هذا الحديث . وقال: أبوقيس الأودي، وهذيل بن شرحبيل لا يحتملان، وخصوصا مع مخالفتهما الأجلة الذين رووا هذا الحديث عن المغيرة فقالوا: مسح على الخفين.

قلت:

قال في "الإمام" أبو قيس: اسمه عبدالرحمن بن مروان، احتج به البخاري في "صحيحه" ووثقه ابن معين، وقال الجعفي: ثقة ثبت، وهذيل وثقه العجلي، وأخرج لهما البخاري في "صحيحه"، ثم إنهما لم يخالفا الناس مخالفة معارضة، بل رويا أمرا زائدا على ما رواه بطريق مستقل غير معارض، فيحمل على أنهما حديثان، ولهذا لما أخرجه أبوداود وسكت عنه وصححه ابن حبان والترمذي، فإذا كان كذلك كيف يقبل قول النووي في حق الترمذي: ولا يقبل قول الترمذي في أنه حسن صحيح، فإذا طعن في الترمذي في تصحيحه هذا الحديث فكيف يؤخذ بتصحيحه في غيره.

وأما البيهقى فإنه نقل ما قاله واعتمد عليه من غير رواية؛ لأنه ادعى في هذا الحديث المخالفة للأئمة الحملة، وقد قلنا: إنه ليس فيه مخالفة، بل أمر زائد مستقل، فلا يكابر في هذه الأسانيد إلا متعصب. ==

(۲) مندرجہ ذیل صحابہ کرام وتابعین عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے قولاً أوفعلاً مسح علی الجوربین کا جواز ثابت ہے:

۱۔ حضرت علی بن أبی طالب (۱)

۲۔ حضرت انس بن مالک (۲)

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود (۳)

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمر (۴)

۵۔ حضرت سعد بن أبی وقاص (۵)

۶۔ حضرت براء بن عازب (۶)

== (ج)۔ قال محقق "الإعلام بسنته عليه السلام"- شرح ابن ماجه لمغلطاي- (۱/ ٦٦٠):

قلت: وهو في صحيح ابن حبان (۲/ ۳۱٤) من حديث المغيرة بن شعبة. هكذا صحح الترمذي هذا الحديث، وقد صححه غيره ايضا، وهو الحق. وقد أعله بعضهم بما لا يدفع في صحته - إلى أن قال بعد كلامٍ شافٍ- والصواب صحيح الترمذى في تصحيح هذا الحديث.

فائدة: يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

غاية ما يقال فيه أنه قد اختلف في تصحيحه وتضعيفه - كما ذهب إليه مغلطاي في شرحه على سنن إبن ماجه (۱/ ٦٦٠) مثلاً - فهذا لا يضرنا لما عُرف في الأصول من أن الحديث المُضَعّف يصلح للاحتجاج به.

۱۔ السنن الكبرى للبيهقى (۱/ ۲۸٥) رقم (۱۲٦٤)، كذا انظر له: الأوسط لابن المنذر (۲/ ۱۲۰) رقم (٤٥٨)، مصنف ابن أبي شيبه (۱/ ۱۷۲) رقم (۱۹۸۰)، المرجع السابق (۷/ ۳۰۹) رقم (۳٦۳٥٨)، الطبقات الكبرى لابن سعد (٦/ ۲٤۱)

۲۔ المعجم الكبير للطبرانى (۱/ ۲٤٤) رقم (٦٨٦)، وكذا انظر له: مصنف ابن أبي شيبة (۱/ ۱۷۲) رقم (۱۹۷۸)، مصنف عبدالرزاق (۱/ ۲۰۰) رقم (۷۷۹)، الأوسط لابن المنذر (۲/ ۱۲۲) رقم (٤٦۰)،

۳۔ المعجم الكبير للطبرانى (۹/ ۲٥۱) رقم (۹۲۳۹)

٤۔ مصنف عبدالرزاق (۱/ ۲۰۱) رقم (۷۸۲)، مسند ابن الجعد (۱/ ٤۳٨) رقم (۲۹۹۱)، الأوسط لابن المنذر (۲/ ۱۲۳) رقم (٤٦۱)

٥۔ مصنف ابن أبي شيبة (۱/ ۱۷۲) رقم (۱۹٨۳)

٦۔ السنن الكبرى (۱/ ۲٨٥) رقم (۱۲٦٦)، مصنف ابن أبي شيبة (۱/ ۱۷۲) رقم (۱۹٨۳، ۱۹٨٤)، شرح مشكل الآثار (۱۰/ ٥۳)

۷۔حضرت أبو مسعود انصاری (۱)

۸۔حضرت أبو امامہ (۲)

۹۔حضرت عقبہ بن عمرو (۳)

۱۰۔حضرت عمار (۴)

۱۱۔حضرت سہل بن سعد (۵)

۱۲۔حضرت حسن بصری (۶)

۱۳۔حضرت سعید بن جبیر (۷)

۱۴۔حضرت سعید بن مسیب (۸)

۱۵۔حضرت عطاء بن أبی رباح (۹)

۱۶۔حضرت إبراہیم نخعی (۱۰)

۱۷۔حضرت ضحاک (۱۱) اور

۱۸۔حضرت نافع (۱۲) ۔رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

(۳) **قال ابن قدامة:**

١ـالسنن الكبرى (١/٢٨٥) رقم (١٢٦٥)، كذا انظر له: مصنف ابن أبي شيبة (١/١٧١) رقم (١٩٧١)، المرجع السابق (١/١٧٢) رقم (١٩٨٨)،مصنف عبدالرزاق (١/٢٠٠) رقم (٧٧٧)، الأوسط لابن المنذر(٢/١٢١) رقم (٤٥٩)

٢ـ مصنف ابن أبي شيبة (١/١٧٢) رقم (١٩٧٩)، الأوسط لابن المنذر(٢/٧٤) رقم (٤٣٠)

٣ـ مصنف ابن أبي شيبة (١/١٧٢) رقم (١٩٨٧)

٤ـ الأوسط لابن المنذر(٢/١٢٧) رقم (٤٦٥)

٥ـ مصنف ابن أبي شيبة (١/١٧٣) رقم (١٩٩٠)، الأوسط لابن المنذر (٢/١٢٨) رقم (٤٦٦)

٦ـمصنف ابن أبي شيبة (١/١٧١) رقم (١٩٧٦)

٧ـ مصنف ابن أبي شيبة (١/١٧٣) رقم (١٩٨٩)

٨ـ مصنف ابن أبي شيبة (١/١٧١) رقم (١٩٧٦)، المرجع السابق (١/١٧٢) رقم (١٩٨٣)

٩ـ مصنف ابن أبي شيبة (١/١٧٣) رقم (١٩٩١)

١٠ـ المرجع السابق (١/١٧٢) رقم (١٩٧٧)

١١ـ مصنف ابن أبي شيبة (١/١٧٢) رقم (١٩٨١)

١٢ـ مصنف ابن أبي شيبة (١/١٧٣) رقم (١٩٩٢)

ان الصحابة مسحوا على الجوارب ولم يظهر لهم مخالف في عصرهم فكان إجماعًا. (1)

ثخانت کی قید

مندرجہ بالا روایات سے مطلقاً ''جوربین'' پر مسح کا جواز معلوم ہوا پھر درج ذیل اُدلہ ووجوہ کی بدولت ان پر ثخانت کی قید کا اضافہ کر دیا گیا:

(۱) ثخانت کی شرط کبار تابعین کے اقوال میں موجود ہے۔ چنانچہ سید التابعین ''سعید بن میتبؒ'' اور علامۃ التابعین ''حسن بصریؒ'' فرماتے ہیں:

"یمسح علی الجوربین إذا کانا صفیقین (أی ثخینین)" (۲)

اور تاریخ واسماء الرجال کے علم سے آشنا کسی فرد پر یہ امر مخفی نہیں کہ ان تابعین مذکورین کے عہد میں صحابۂ کرام کی ایک بڑی جماعت موجود تھی مگر کسی سے اس پر نکیر منقول نہیں اور نہ ہی اس مبارک دور ''خیر القرون'' کے کسی محدث نے اس کی تغلیط کی۔

بلکہ محدثِ جلیل امام ترمذیؒ نے تو اپنی ''جامع'' میں مذکورہ بالا روایتِ مغیرہؓ نقل کرنے کے بعد اجل فقہاء کرام کے اقوال سے ان مطلق جرابوں کو ثخانت کے ساتھ مقید کیا ہے۔ (۳)

الغرض یہ شرط ایسی نہیں ہے جس کی کوئی اصل موجود نہ ہو **کماھو الظاھر مما سبق.**

(۲) قرآن مجید میں وضو کے اندر اصلی حکم ''غسلِ رجلین'' کا ہے جو کہ قطعی دلیل ہے اور ''مسح علی الخفین'' کا جواز احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے اور یہ بھی قطعی دلیل کے مرتبہ میں ہے۔

قاعدہ ہے کہ دلیلِ قطعی، دلیلِ قطعی کے لئے مخصص اور مقید ہو سکتی ہے جبکہ ''جواز المسح علی الجوربین المطلقین'' کا ثبوت، صحیح خبرِ واحد (۴) سے ہے جو کہ دلیل ظنی ہے اس لئے یہ دلیل قطعی کیلئے تخصیص وتقیید کا فائدہ نہیں دے سکتی لہٰذا اس میں مندرجہ ذیل ''تین شرائط کی حامل ثخانت'' کی قید کا اضافہ کر دیا گیا تا کہ اس میں موزے کی مشابہت متحقق ہو جائے:

۱۔ اتنی موٹی ہوں کہ ان سے پانی نہ چھنے

۲۔ بن باندھے پنڈلی پر خود ٹھہر جائیں

۳۔ ایک فرسخ (تین میل) کی مسافت تک تابع مشی ممکن ہو

۱۔ المغنی (۱/۳۳۱)، الموسوعة الفقهية (۲۷۱/۳۷)

۲۔ مصنف ابن أبي شيبة (۱۷۱/۱) رقم (۱۹۷٦)، الأوسط لابن المنذر (۱۲۸/۲) رقم (٤٦٦)

۳۔ انظر جامع الترمذی (۱۲۲/۱)، رقم (۹۹)

٤۔ وقال البعض: ثبوته إنما هو بالحديث الضعيف (مع كونه خبرالواحد) وضعفوه لابی القيس الأودی وهزيل بن شرحبيل فيه، وغير ذلك. أما صحته فبما علمت آنفا مما ذُكر في حاشيته.

چنانچہ اب جبکہ یہ خفین سے مشابہت کی بناء پر خف کے حکم میں ہو چکی ہیں تو مسح علی الخفین کے تابع ہو کر ان پر بھی مسح جائز ہے۔

الغرض ثخانت مذکورہ کی قید نہ لگانے سے قرآن مجید کے حکم قطعی کو دلیل ظنی سے مقید کرنا لازم آتا جس کا ناجائز ہونا اظہر من الشمس ہے اور ثخانت مذکورہ کی قید سے اس کو حکم خف کے تحت کر دیا گیا جس پر مسح دلیل قطعی سے ثابت ہے لہٰذا روایت مغیرہؓ سے قرآن کا حکم قطعی بھی متاثر نہیں ہوا اور خبر واحد سے ثابت شدہ حدیث کا محمل بھی متعین ہو گیا۔ فلله الحمد والمنة (1)

مفتی بہ قول کی تخریج:

❶ في الهندية:

ويمسح على الجورب المجلد .... والمنعل .... والثخين الذى ليس مجلدا و لا منعلا بشرط ان يستمسك على الساق بلا ربط ولا يرى ماتحته وعليه الفتوى. (٢)

❷ قال ابن نجيم:

ثم المسح على الجورب إذا كان منعلا جائز اتفاقا.... وان كان ثخينا فهو غير جائز عند أبي حنيفة وقالا: يجوز - إلى أن قال - وعنه أنه رجع إلى قولهما وعليه الفتوى. (٣)

❸ قال ابن العلاء الهندى:

وإن كان ثخينا مستمسكا أى يستمسك على الساق من غير أن يربط بشيء ويستر الكعب سترا لا يبدو للناظر كما هو جوارب أهل مرو فعلى قول أبي حنيفة لا يجوز المسح عليه الا إذا كان منعلا أو مبطنا وعلى قولهما يجوز.... وفي الذخيرة: قال الصدر الشهيد: وعليه الفتوى. (٤)

❹ قال التمرتاشي والحصكفي:

أو جوربيه ولو من غزل أو شعر الثخينين بحيث يمشي فرسخا ويثبت على الساق بنفسه ولا يرى ما تحته ولا يشف. (٥)

---

١ ـ مستفاد مما يليك -بتسهيل وإضافة يسيرة- :

إعلاء السنن (١/٣٤٩) ، مقدمة التاترخانية (١/١٨، ١٩)

٢ ـ الفتاوى الهندية (١/٣٢)

٣ ـ البحرالرائق (١/٣١٧، ٣١٨)

٤ ـ الفتاوى التاتارخانية (١/٢٠٣)

٥ ـ الدرالمختار (١/٤٩٩، ٥٠٠)

⑤ قال داماد أفندى:

وكذا (أى يجوز المسح) على الثخين الذى يستمسك على الساق من غير ربط في الأصح عن الإمام وهو قولهما وفي رواية أخرى عنه لا يجوز إلا إذا كانا منعلين لكن رجع إلى قولهما في آخر عمره قبل موته بتسعة أيام وقيل بثلاثة أيام وعليه الفتوى. (١)

⑥ قال ابن الهمام:

– قال بعد تحقيق المسألة وتفصيل الكلام –: والدلالة على مقتضاة بغير سبب فلذا رجع الإمام إلى قولهما وعليه الفتوي. (٢)

⑦ قال الحلبى:

أما المسح على الجوارب فلا يجوز عند أبي حنيفةؒ إلا أن يكونا مجلدين أو منعلين وقالا: يجوز إذا كانا ثخينين لا يشفان وعليه أى على قول أبي يوسف ومحمد رحمهما اللّٰه تعالىٰ الفتوي. (٣)

⑧ كذا في الكتب الأخر. (٤)

فائدہ جلیلہ

علیٰ سبیلِ الافادۃ یہ واضح رہے کہ امام صاحبؒ نے آخر عمر میں قولِ صاحبینؒ کی طرف رجوع فرمالیا تھا۔ (٥)

١ـ مجمع الأنهر (١/٧٥)

٢ـ فتح القدير (١/١٦٠)

٣ـ الحلبى الكبيرى (١/١٠٥) و منية المصلى (٥٤)

٤ـ مراقى الفلاح (١٢٩)، تبيين الحقائق (١/٥٢)، النهر الفائق (١/١٢٤)، العناية على هامش الفتح (١/١٦١)، الجوهرة النيرة (١/٨٢)، الدر المنتقى (١/٧٤)، الاختيار لتعليل المختار (١/٢٨)، الهداية (١/٦٠) درر الحكام شرح غرر الأحكام(١/١٤٧)، ملتقى الأبحر(١/٧٥)، شرح النُقاية (١/٧٣)، شرح الوِقاية (١/١١١)، المعتصر على المختصر(٦٥)، الفتاوى الخانية(١/٥٢)، المبسوط للسرخسى(١/٩٧)، اللباب في شرح الكتاب(١/٥٩)، اللباب في الجمع بين السنة والكتاب(١/١٦١)، إعلاء السنن (١/٣٤٩)، الفقه الحنفى وأدلته(١/٨٩)، الفقه الحنفى في ثوبه الجديد (١/٩٨)، الفقه الإسلامى وأدلته (٤٩٨)

٥ـ المبسوط للسرخسى (١/٩٧)، بدائع الصنائع (١/٨٣)، مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر (١/٧٥)، حاشية الطحطاوى على المراقى(١٢٩)، غنية المستملى (١/١٠٥)، تحفة الفقهاء (١/٨٦)، التاتارخانية(١/٢٠٣)، فقه السنة(١/٦١)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (١/١٤٧)، اللباب في شرح الكتاب (١/٥٩) المعتصر على المختصر(٦٥)، النهر الفائق(١/١٢٤)، فتاوىٰ قاضى خان(١/٥٢) الفقه الإسلامى وأدلته (٤٩٨)، الهداية شرح البداية (١/٦٠)، الفقه الحنفى وأدلته (١/٨٩)، تبيين الحقائق (١/٥٢)، العناية على هامش الفتح (١/١٦١)، الكفاية الملحقة بالفتح (١/٥٤)، الجوهرة النيرة (١/٨٢)، شرح الوقاية(١/١١١)، إعلاء السنن (١/٣٤٩)، بذل المجهود(١/٩٧)، معارف السنن (١/٣٤٦)، فتح الملهم (١/٤٣١)، أمانى الأحبار (٢/٧٣)

بابُ الحيض

[۷] اختلافی مسئلہ

ومن ولدت ولدين في بطن واحد فنفاسها ما خرج من الدم عقيب الولد الاوّل عند أبي حنيفة وأبي يوسف -رحمهما اللّٰه تعالىٰ- وقال محمد وزفر-رحمهما اللّٰه تعالىٰ- من الولد الثاني.

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

''نفاس'' کی فقہی تعریف یہ ہے:

"هو الدم الذى يخرج عقيب الولادة". (۱)

یعنی بچہ پیدا ہونے کے بعد جو خون نکلے وہ ''نفاس'' کہلاتا ہے اور مسئلہ مذکورہ میں ولادتِ ولد چونکہ پہلے بچے پر ہی متحقق ہو جاتی ہے لہٰذا اس کے بعد نکلنے والا خون نفاس شمار ہوگا۔

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال ابن العلاء الهندى:

قد اختلف العلماء رحمهم الله تعالىٰ فيه (أى في أول وقت النفاس)، قال أبو حنيفة وأبو يوسف:

۱۔ الفتاوى التاتارخانية (۱/۲۸۸)، القاموس الفقهي (۱/۳۵۷)، تحفة الفقهاء (۱/۳۳)، الموسوعة الفقهية(۳/۱۹۸)، المختار للفتوى (۱/۳۴)، تبيين الحقائق (۱/۶۸)، غرر الأحكام(۱/۱۷۷)، الفقه الإسلامى للزحيلى(۶۲۱)، التعريفات للجرجانى (۱/۳۱۱)، معجم مقاليد العلوم في الحدود والرسوم (۱/۵۰)، الوقاية(۱/۱۳۶)،خزانة الفقه (۵۱)، كشاف اصطلاحات الفنون(۴/۲۲۵)، الهندية (۱/۳۷)، الفقه النافع (۱/۱۴۴)

هو من وقف ولادة الولد الاوّل، وفي "الزاد": هو الصحيح، وقال محمد وزفر رحمهما الله تعالىٰ: هو من الولد الثاني. (١)

❷ في الهندية:

ونفاس التوأمين من الاوّل، كذا في الكافي. (٢)

❸ قال العلامة قاسم بن قطلوبغا:

من ولدت ولدين في بطن واحد فنفاسها ما خرج من الدم عقيب الولد الاوّل عند أبي حنيفة وأبي يوسف وقال محمد وزفر: من الثاني، قال الاسبيجابي: الصحيح هو القول الاوّل واعتمده الائمة المصححون. (٣)

❹ قال الحلبي:

ونفاس التوأمين من الاوّل خلافا لمحمد(٤) (ومن المعلوم أن القول المقدم فيه راجح كما لا يخفى)

❺ قال طهماز:

فلو ولد ولدين أو أكثر فالنفاس يكون من الأول بشرط ان لا يكون بين الأول والثاني ستة اشهر فإن كانت فالثاني حمل جديد. (٥)

❻ كذا في الكتب الأخر التي أخر مصنفوها دليل الشيخين رحمهما اللّٰه تعالى فيها وهي أمارة ترجيح لقولهما على ما عرف في "شرح العقود" وغير ذلك من الكتب. (٦)

١ـ الفتاوى التاتارخانية (١/٢٩٠)

٢ـ الهندية (١/٣٧)

٣ـ التصحيح والترجيح (٥٨، ٥٩)

٤ـ ملتقى الأبحر (١/٨٢)

٥ـ الفقه الحنفي في ثوبه الجديد (١/١٤٥، ١٤٦)

٦ـ تبيين الحقائق (١/٦٨) البحر الرائق (١/٣٨١)، بدائع الصنائع (١/١٦١)، المحيط البرهاني (١/٣٧١)، المبسوط للسرخسي(٢/١٩)، اللباب في شرح الكتاب(١/٦٦)، الفقه الحنفي وأدلته (١/١٠٦)

كتاب الصّلاة

[٨] اختلافی مسئلہ

واخر وقتها (أى الظهر) عند أبي حنيفة-رحمه الله تعالىٰ- إذا صار ظل كل شيء مثليه سوى فيء الزوال وقال أبويوسف و محمد-رحمهما اللّٰه تعالىٰ- إذا صار ظل كل شيء مثلَيه.

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

(۱) عن أبي هريرة رضى الله عنه وعبدالله بن عمر رضى الله عنه عَن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: "اذا اشتد الحر فأبردوا عن الصلاة فإن شدّة الحرّ من فيح جهنم". (۱)

(۲) عن أبي سعيدؓ قال قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم:

"أبردوا بالظهر فانّ شدّة الحرّ من فيح جهنم". (۲)

۱۔ صحيح البخارى (۱/۷٦) رقم (۵۳٤)، وكذا انظر له: صحيح مسلم (۲/۱۰۸) رقم (۱٤۳۳)، صحيح ابن حبان (٤/۳۷٤) رقم (۱۵۰۷)، صحيح ابن خزيمة (۱/۱۷۰) رقم (۳۲۹)، سنن الترمذى (۱/۲۹۵) رقم (۱۵۷)، سنن أبي داؤد (۱/۱۵۷) رقم (٤۰۲)، سنن النسائى (۱/۲٤۸) رقم (۵۰۰)، سنن إبن ماجه (۱/۲۲۲) رقم (٦۷۷)، مسند أحمد بن حنبل (۲/۲٦٦) رقم (۷٦۰۲)، مسند السراج (۱/۳۱۹) رقم (۹۸٦)، الموطا . رواية محمد بن الحسن (۱/۲۸۰) رقم (۱۸٤)، مصنف عبدالرزاق (۱/۵٤۲) رقم (۲۰٤۹)، السنن الماثورة للشافعى (۱/۱۲۸) رقم (۱۱۸)، السنن الكبرى للبيهقى (۱/٤۳۷) رقم (۱۹۰۰)

۲۔ صحيح البخارى (۱/۵٤۹) رقم (۵۳۸)، وكذا انظر له: مسند أحمد (۳/۵۲) رقم (۱۱۵۰۸)، مسند أبي يعلى (۲/٤۸۰) رقم (۱۳۰۹)، سنن إبن ماجه (۱/۲۲۳) رقم (٦۷۹)، السنن الكبرى (۱/٤۳۷) رقم (۱۹۰۱)، الاحاديث المختارة (۳/۲۰۲)، كتاب الآثار برواية محمد بن الحسن (۳۱) رقم (٦٦)، سنن النسائى (۱/۲٤۹) رقم (۵۰۱)، شرح معانى الآثار (۱/۱۸۷) رقم (۱۰۳۱)، مسند السراج (۱/۳۲۹) رقم (۱۰۲٤)، مصنف ابن أبي شيبة (۱/۲۸۷) رقم (۳۲۸۸)-موقوفا على عمرؓ

روایاتِ بالا سے معلوم ہوا کہ ایک مثل کے بعد بھی ظہر کا وقت باقی رہتا ہے کیونکہ دیارِ عرب میں ایک مثل تک گرمی کی شدت باقی رہتی ہے۔ (۱)

(۳) عن أبي ذرّ رضی الله عنه قال:

كنا مع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم في سفر فأراد المؤذن أن يؤذن فقال له: "أبرد" ثم أراد أن يؤذن فقال له: "أبرد" ثم أراد أن يؤذن فقال له: "أبرد"، حتى ساوى الظلّ التلولَ فقال النبی صلی الله علیه وسلم: "إن شدة الحرّ من فيح جهنم". (۲)

یہ حدیث مثلِ اول کے بعد ظہر کا وقت باقی رہنے پر نص ہے۔ کیونکہ یہ بات عادۃً امر بدیہی میں سے ہے کہ پڑے ہوئے ہموار جسم (جیسے ریت کے ٹیلے) کا سایہ جب اس کے برابر ہو یعنی ایک مثل ہو تو کھڑے ہوئے جسم (جیسے گاڑی ہوئی لکڑی وغیرہ) کا سایہ یقیناً ایک مثل سے زیادہ ہوتا ہے کما هو الظاهر جدًّا۔ (۳)

(۴) **عن عبدالله بن رافع مولی ام سلمة زوج النبی صلی الله علیه وسلم أنه سأل اباهريرة رضی الله عنه عن وقت الصلاة، فقال أبوهريرةؓ أنا أخبرك:**

"صل الظهر إذا كان ظلك مثلك والعصر إذا كان ظلك مثلَيك اھ" (۴)

روایتِ مذکورہ امام صاحبؒ کے مذہب کے بارے میں صریح ہے کما لا يخفى (۵)

(۵) عن جابر رضی الله تعالٰی عنه قال:

صلی بنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم العصر حين صار ظلّ كل شيءٍ مثلَيه. اھ (۶)

۱۔ عمدة القاری (۵/۳۰)، إعلاء السنن (۲/۳)، بذل المجهود (۱/۲۳۶)، فتح الملهم (۲/۱۹۱)، أماني الاحبار (۲/۲۷۴)، حاشية السهارنفوری علی الترمذی (۱/۱۳۴)، الفقه الإسلامی وأدلته (۶۶۶)، البحرالرائق (۱/۴۲۵)، الحلبی الكبيری (۱۹۹)، تبيين الحقائق (۱/۷۹)، الاختيار للموصلی (۱/۴۳)، كشف الحقائق (۱/۳۴)

۲۔ صحيح البخاری (۲/۴۲) رقم (۶۳۰)، صحيح ابن خزيمة (۱/۲۰۵) رقم (۳۹۴).

۳۔ إعلاء السنن (۲/۴)، معارف السنن (۲/۲۱،۲۲)، فيض الباری (۲/۱۰۹)، فتح الملهم (۲/۱۹۱)، بذل المجهود (۱/۲۳۶)، أماني الاحبار (۲/۲۷۴).

۴۔ المؤطا- رواية محمد بن الحسن (۱/۳) رقم(۱)، المؤطا-رواية يحيى الليثی (۱/۸) رقم (۹)، مصنف عبدالرزاق (۱/۵۴۰) رقم (۲۰۴۱)، مؤطا الإمام مالك (۲/۱۱) رقم (۱۲).

إسناده صحيح۔ راجع له: آثار السنن (۱/۴۸)

۵۔ اوجز المسالك (۱/۱۵۹)

۶۔ بذل المجهود (۱/۲۳۸) و فتح الملهم (۲/۱۹۱) عزوًا إلی ابن أبي شيبة وقال صاحب البذل: "بسند لا بأس به".

(٦) عن علي بن شيبانؓ قال:

قدمنا على رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة فكان يؤخر العصر ما دامت الشمس بيضاء نقية. (١)

حدیث بالا اس امر پہ دال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز اس وقت ادا فرماتے تھے جب ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہو جاتا تھا۔ (٢)

(٧) عن سليمان بن بريدة عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم ان رجلا سألهُ عن وقت الصلاة فقال له: ’صل معنا هذين“ يعني اليومَين فلمّا زالت الشمس أمر بِلالًا فأذّن ثم امرهُ فاقام الظهر ثم امرهُ فأقام العصر والشمس مرتفعة بيضاء نقية ثم امرهُ فاقام المغرب حين غابت الشمس. اهـ (٣)

”فأقام العصر والشمس مرتفعة بيضاء نقية“ کا جملہ ایک مثل پر نماز پڑھنے کے وقت نہیں کہا جا سکتا لہٰذا معلوم ہوا کہ نمازِ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد باقی رہتا ہے۔ (٤)

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي:

ووقت الظهر من زوالهِ إلى بلوغ الظل مثلَيهِ.

قال ابن عابدين:

قوله (إلى بلوغ الظّل مثلَيه) هذا ظاهر الرواية عن الإمام ”نهاية“، وهو الصحيح ”بدائع ومحيط وينابيع“ وهو المختار ”غياثية“ واختاره الإمام المحبوبي وعوّل عليه النسفي وصدر الشريعة ”تصحيح قاسم“ واختاره أصحاب المتون وارتضاه الشارحون. (٥)

❷ في الهنديه:

وقت الظهر من الزوال إلى بلوغ الظل مثلَيه سوى الفيء، كذا في الكافي، وهو

١ـ أبو داوٗد (١/١٥٨) رقم (٤٠٨)، الاحاديث المختارة -في معناه- (٣/١٠) رقم (٢٢٨٤)

قال ابن التركماني في ”الجوهر النقي“ (١/٤٤١): أخرجه أبو داود وسكت عنه.

٢ـ بذل المجهود (١/٢٣٨)، فتح الملهم (٢/١٩١)

٣ـ صحيح مسلم (٢/١٠٥) رقم (١٤٢٢)، كذا انظر له: شرح معاني الآثار (١/١٤٨) رقم (٨٢٥)، مصنف ابن أبي شيبة (١/٢٨٢) رقم (٣٢٣٠) -في معناه إلا أنه موقوف على عمرؓ.

٤ـ انظر له: أماني الأحبار (٢/٢٧٥)، التجريد (١/٣٨٢)

٥ـ رد المحتار (٢/١٩)

الصحيح.(1)

● قال الشرنبلالي:

وقت صلاة الظهر من زوال الشمس إلى أن يصير ظل كل شيء مثلَيه سوى فيئ الزوال لتعارض الأثار وهو الصحيح وعليه جل المشايخ والمتون. (2)

● قال ابن نجيم:

قوله (والظهر من الزوال إلى بلوغ الظل مثلَيه سوى الفيء) ...... وفي المحيط: والصحيح قول أبي حنيفه...... وفي تصحيح القدورى للعلامة قاسم: إن برهان الشريعة المحبوبى اختاره وعوّل عليه النسفي ووافقه صدر الشريعة ورجح دليله، وفي الغياثية: وهو المختار، وفي شرح المجمع للمصنف: إنه مذهب أبي حنيفة واختاره أصحاب المتون وارتضاه الشارحون. (3)

● قال ابن العلاء الهندى:

واوّل وقت العصر إذا صار ظل كل شيء مثلَيه وهو المختار. (4)

● كذا في الكتب الأخر. (5)

ملاحظہ:

بعض فقہاءِ حنفیہ نے قولِ صاحبینؒ کو راجح ومفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔ (6) لہٰذا مسافر ومعذور حضرات اس پر عمل کرنا چاہیں تو اس کی بھی گنجائش ہے وبه قال شيخنا العلامة الكشميرى (7)

١ـ الهندية (١/٥١)

٢ـ مراقى الفلاح (١٧٥)

٣ـ البحر الرائق (١/٤٢٥)

٤ـ التاتارخانية (١/٢٩٧)

٥ـ النهر الفائق (١/١٥٩)، اللباب في شرح الكتاب (١/٧١)، تحفة الملوك (١/٥٦)، ملتقى الأبحر (١/١٠٤)، المعتصر على المختصر (٨٢)

٦ـ الدر المنتقى (١/١٠٥)، طحطاوى على المراقى (١٧٦)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (١/٢٢٦)، الفقه الحنفى وأدلته (١/١٢٣)، الفقه الحنفى في ثوبه الجديد (١/١٨٤)، الفقه الإسلامى وأدلته (٦٦٥)، شرح معانى الآثار (١/١١٨) في آخر كتاب المواقيت، أوجز المسالك (١/١٥٩)

٧ـ فيض البارى (٢/٩٥)، معارف السنن (٢/١٢)، العرف الشذى (١/١٣٥)

[۹] اختلافی مسئلہ

اخر وقتها (أى المغرب) ما لم تغب الشفق وهو البياض الذى يرى في الأفق بعد الحمرة عند أبي حنيفةؒ وقال أبو يوسف و محمد- رحمهما الله تعالىٰ-: هو الحمرة.

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

(۱) عن ابن عمر رضى الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الشفق الحمرة فإذا غاب الشفق وجبت الصلاة" (۱)

(۲) عن عبدالله بن عمرو-رضى الله عنه- قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "وقت المغرب إلى أن تذهب حمرة الشفق" (۲)

(۳) عن عبدالله بن عمرو عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "وقت المغرب ما لم يسقط ثور الشفق" (۳)

۱۔ سنن الدارقطني (۱/۲٦۹) رقم (۳)، السنن الكبرى (۱/۳۷۳) رقم (۱٦۲۱)

قال البيهقي في السنن الكبرى (۱/۳۷۳): والصحيح موقوف أى على ابن عمر. فنقل صحة وقفه عن البيهقي كثير من المحققين وأقروه، كابن حجر في "التلخيص" (۱/٤٥۱)، وابن الملَقِّن في "البدر" (۳/۱۸۸)، والشوكاني في "النيل" (۱/۳۸۷)، وابن عبدالهادي في "تنقيح التحقيق" (۲/۷)، ومع ذلك قال آخرهم ذكرًا: رواه الدارقطني أيضًا موقوفًا من قول ابن عمر، وهو أشبه.

۲۔ صحيح ابن خزيمة (۱/۱۸۲) رقم (۳٥٤)

قال شيخ شيوخنا في "إعلاء السنن" (۲/۱۳):

قلت: رواية ابن خزيمة رجالها كلهم ثقات. ومحمد بن يزيد هو الواسطي، وثقه غير واحد، كما في "التهذيب" وتفرد الثقة بزيادة مقبول ما لم ينافِ رواية الثقات، وههنا كذلك.

۳۔ صحيح مسلم (۱/٤۲٦) رقم (٦۱۲)، وكذا انظر له:

السنن الكبرى (۱/۳٦۷) رقم (۱٥۹٤)، سنن النسائي (۱/۲٦۰) رقم (٥۲۲)، صحيح ابن خزيمة (۱/۱۸۲) رقم (۳٥٤)، مسند البزار (۱/۳۷٥) رقم (۲٤۲۸)، إلا أنه رواه موقوفًا.

"ثور الشفق" المراد به حمرة الشفق. (١) وفي رواية أبي داوٗد "فور الشفق" مكان "ثور الشفق" (٢) ومعناهما متحد (٣)

(٤) عن النعمان بن بشير قال:

أنا أعلم الناس بوقت هذه الصلاة –يعني العشاء– كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصليها لسقوط القمر لثالثة. (٤)

(٥) عن ابن عباس رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أمَّني جبريل عليه السلام عند البيت مرتين فصلى بي الظهر حين زالت الشمس وكانت قدر الشراك وصلى بي العصر حين كان ظله مثله وصلى بي المغرب حين أفطر الصائم وصلى بي العشاء حين غاب الشفق الأحمر اھ.(٥)

روایت بالا سے یہ مضمون واضح ہے کہ انتہائے وقتِ مغرب اور ابتدائے وقتِ عشاء کے درمیان حدفاصل غیبوبة الشفق الاحمر ہے۔

١ـ فتح الملهم (٢/١٩٥)، بذل المجهود (١/٢٣٢)، شرح أبي داوٗد للعينى (٢/٢٥٥)، نيل الأوطار (١/٣٨٧)، حاشية السندى على النسائى (١/٢٦٠)

٢ـ سنن أبي داوٗد (١/١٥٤) رقم (٣٩٦)

٣ـ بذل المجهود (أيضاً)، شرح أبي داوٗد للعينى (ايضاً)، عون المعبود (٢/٤٩)، تفسير سنن أبي داوٗد /معالم السنن (١/١١٠)، البدر المنير (٣/١٨٠)

٤ـ صحيح ابن حبان (٤/٣٩٢) رقم (١٥٢٦)، وكذا انظر له: المستدرك للحاكم (١/٣٠٨) رقم (٧٠٠)، سنن أبى داود (١/١٦٧) رقم (٤١٩)، سنن الترمذى (١/٣٠٦) رقم (١٦٥)، سنن النسائى (١/٢٦٤) رقم (٥٢٩)، مسند أحمد (٤/٢٧٤) رقم (١٨٤٣٩)، السنن الكبرى (١/٤٤٨) رقم (٢١٩٩)، سنن الدارمى (١/٢٩٨) رقم (١٢١١). إسناده صحيح.

راجع له: خلاصة الأحكام للنووي (١/٢٦٠)، المفهم للقرطبي (٣/١٠٠). وقال المباركفوري في مرعاة المفاتيح (٢/٦٤٧): رواه أبو داود وسكت عليه هو والمنذري.

٥ـ أخرجه ابن الملقن في "تحفة المحتاج" (١/٢٤٤)، وقال: "رواه أبو داود والترمذي وقال حسن وصححه ابن خزيمة وابن السكن وقال الحاكم صحيح الإسناد"

يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

ومع ذلك انه صحيح أو حسن لما اشترط المصنف على نفسه في المقدمة أن لا يذكر فيه إلا حديثا صحيحا أو حسنا. وأخرجه الطبراني –بمعناه– في "الكبير" (١٧/٢٦٠)، برقم (١٤٤٠٦) بإسناد رجاله ثقات إلا أيوب بن عتبة اليمامي وهو ضعيف كما في "التقريب" وغيره فلا أقل من أن يكون عاضدا لما سبق مما صح إسناده.

(٦) مندرجہ ذیل صحابۂ کرام-رضوان اللہ علیہم اجمعین-کا مذہب بھی یہی تھا کہ "الشفق" سے مراد "الحمرۃ" ہے:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر [1]

۲۔۳ حضرت عبادۃ بن صامت اور حضرت شداد بن اوس [2]

۴۔ حضرت ابن عباس [3]

۵۔۷ حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابو ہریرہ [4]-رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین-

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

ووقت المغرب منه (أي من الغروب) إلى غيبوبة الشفق وهو الحمرة عندهما وبه يفتى [5]

❷ قال الشرنبلالي:

وأول وقت المغرب منه أي غروب الشمس إلى قبيل غروب الشفق الأحمر على المفتى به وهو رواية عن الإمام وعليها الفتوى وبها قالا (أي الصاحبانِ) [6]

❸ قال التمرتاشي والحصكفي:

ووقت المغرب منه إلى غروب الشفق وهو الحمرة عندهما وبه قالت الثلاثة واليه رجع الإمام كما في "شروح المجمع" وغيرها، فكان هو المذهب. [7]

❹ قال سراج الدين ابن نجيم:

وهو أي الشفق، البياض الذي بعد الحمرة في قول الإمام وزفر اقتداء بالصديق وغيره وعنه أنه الحمرة وبه قالا وهو قول ابن عمرو ابن عباس وإليه رجع الإمام وعليه الفتوى. [8]

١ـ السنن الكبرى للبيهقي (١/٣٧٣) رقم (١٦١٩)، وكذا انظر له: مصنف ابن أبي شيبة (١/٢٩٣) رقم (٣٣٦٢)، مصنف عبدالرزاق (١/٥٥٩) رقم (٢١٢٢)، معرفة السنن والآثار (٢/٢٢٤) رقم (٦٠٨)، المرجع السابق (٢/٢٢٤) رقم (٦٠٩)

٢ـ السنن الكبرى (١/٣٧٣) رقم (١٦٢٣)، مصنف ابن أبي شيبة (١/٢٩٣) رقم (٣٣٦٣)، مصنف عبدالرزاق (١/٥٥٦) رقم (٢١١١)

٣ـ السنن الكبرى للبيهقي (١/٣٧٣) رقم (١٦٢٢)

٤ـ نفس المرجع السابق ، معرفة السنن والآثار (٢/٢٢٥) رقم (٦٠٩)

٥ـ الهنديه (١/٥١)

٦ـ مراقي الفلاح (١٧٧)

٧ـ الدر المختار (٢/٢٢)

٨ـ النهر الفائق (١/١٦٠)

❺ قال الزحيلي:

والشفق عند الصاحبَين والحنابلة والشافعية: هو الشفق الأحمر، لقول ابن عمر: "الشفق: الحمرة" والفتوى عند الحنفية على قول الصاحبَين، وقد رجع الإمام اليه وهو المذهب.(١)

❻ قال المحبوبي:

والمغرب منه إلى مغيب الشفق وهو الحمرة عندهما وبه يفتى. (٢)

❼ كذا في الكتب الأخر. (٣)

١ـ الفقه الإسلامي وأدلته (٦٦٨)

٢ـ الوقاية (١/١٤٧)

٣ـ الفتاوى التاتارخانية (١/٢٩٨)، الدر المنتقى (١/١٠٥)، حاشية الشلبي على التبيين (١/٧٠)، اللباب في شرح الكتاب (١/٧٢)، فتاوى السغدى (١/٥٣)، الفقه الحنفي وأدلته (١/١٢٦)، الفقه الحنفي في ثوبه الجديد (١/١٨٣)، المعتصر على المختصر (٨٤)

باب الأذان

[١٠] اختلافی مسئلہ

لا يؤذن لصلاة قبل دخول وقتها اِلّا في الفجر عند أبي يوسفؒ (أى خلافًا لأبي حنيفة ومحمد[١] رحمهما الله تعالىٰ)

مفتی بہ قول:

فتوی طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

(١) عن شداد مولى عياض بن عامر عن بلال أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له: "لا تؤذن حتى يستبين لک الفجر هكذا". ومدّ يديه عرضا.[٢]

(٢) عن حميد بن هلال: أن بلالا أذن ليلة بسواد فأمره رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يرجع

١- التجريد للقدورى (١/٤٠٤)

٢- سنن أبى داود (١/٢٠٢) رقم (٥٣٤)، معرفة السنن والآثار للبيهقى (٢/٢٣٣) رقم (٦١٥).

قال شيخنا العثمانیؒ في "الإعلاء" (٢/١٣٢):

"فإن قيل في هذا الحديث أن البيهقى أعله بالانقطاع وقال في "المعرفة": وشداد مولى عياض لم يدرك بلالا انتهى. وقال ابن القطان: وشداد أيضا مجهول لا يعرف بغير رواية جعفر بن برقان عنه، كما في الزيلعي، قلنا في جوابه: إن الأصل في الاحتجاج حديث البيهقى وهذا مؤيد له ومقوّ. والحافظ ذكر في تهذيب التهذيب في ترجمة شداد أنه روى عن بلال المؤذن ولم يدركه، قاله أبوداود، وعن أبى هريرة ووابصة بن معبد وسالم بن وابصة روى عنه جعفر بن برقان، ذكره ابن حبان في الثقات اهـ وفي التقريب: "مبقول يرسل".

قلت: فأما الجهالة فقد انتفت؛ فإن المجهول لا يوصف بالقبول والثقة ومن وصفه بذلك إنما وصفه بعد الاطلاع على ما يزيل الجهالة وأما الانقطاع فهو وإن لم يكن يضر عندنا لكن عند التعارض بينه وبين الوصل يقدم الوصل فلا يرجح هذا الحديث على الحديث الصحيح ولكن حديث البيهقى سالم عن الجرح (وسيأتى ههنا بعد قليل) كما في الإمام فهو يقدّم ويرجح لأنه ناه ثابت، وحديث أبى داود مقوّ له كما قدمناه.

إلى مقامه فينادي إن العبد نام فرجع. (١)

(٣) عن عائشة قالت:

"ما كانوا يؤذنون حتى ينفجر الفجر". (٢)

(٤) عن ابن عمر رضى الله عنهما:

إن بلالًا اذن بليل فقال له النبى صلى الله عليه وسلم: "ما حملك على ذالك؟" قال: استيقظت وانا وسنان فظننت أن الفجر قد طلع فاذّنت فأمره النبى صلى الله عليه وسلم أن ينادى في المدينة ثلاثًا " إن العبد رقد" ثم أقعده إلى جنبه حتى طلع الفجر ثم قال: "قم الآن" ثم ركع رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتى الفجر. (٣)

(٥) عن حفصة رضى الله عنها:

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا أذن المؤذن بالفجر قام فصلى ركعتى الفجر ثم خرج إلى المسجد ويحرم الطعام وكان لا يؤذن حتى يصبح. (٤)

(٦) عن يحيى بن عباد عن جده شيبان:

أنه غدا إلى المسجد، فجلس إلى بعض حُجر النبى صلى الله عليه وسلم فسمع صوته فقال: "أبا يحيى!" قال: نعم، قال: "ادخل" فدخل فإذا النبى صلى الله عليه وسلم يتغدى، فقال: "هلم إلى الغداء" فقال: يارسول الله! إنى اريد الصيام قال: "وانا أريد الصيام، ان مؤذننا في بصره سوء، أذّن قبل الفجر". (٥)

١ ـ سنن الدارقطنى (١/٢٤٤)

قال البيهقي في مختصر الخلافيات (١/٤٦٧): هو مرسل بكل حال. وقال تقي الدين في "الإمام": لكنه مرسل جيد ليس في رجاله مطعون فيه، كذا في نصب الراية (١/٢٣٣) وآثار السنن (٦٣).

٢ ـ مصنف ابن أبي شيبة (١/١٩٤) رقم (٢٢٢٣)، قال النيموى في "آثار السنن" (٦٤): إسناده صحيح

٣ ـ السنن الكبرى للبيهقى (١/٣٨٣) رقم (١٦٧٤)

إسناده حسن كما في "آثار السنن" (٦٣)

٤ ـ المعجم الكبير للطبرانى (٢٣/١٩٢) رقم (١٩٢٧٥)، وكذا انظر له: شرح معانى الآثار (١/١٤٠) رقم (٧٨٩)، مسند أبي يعلى (١٢/٤٦٦) رقم (٧٠٣٦)

قال النيموى: رواه الطحاوى والبيهقى وإسناده جيد، انظر "آثار السنن" (٦٣)

٥ ـ المعجم الكبير (٧/٣١١) رقم (٧٢٤٤)، وكذا انظر له: السنن الكبرى (٤/٢١٨) رقم (٧٨١٣)، الاحاديث المرفوعة من التاريخ الكبير للبخارى (٢/٢٣١) رقم (٧٢٩)

قال ابن حجر في "الدراية" (١/١٢٠): إسناده صحيح

(۷) عن أنس رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

"لا يغرنكم أذان بلال فإن في بصره شيئا". (١)

وفى رواية: "لايمنعنكم أذان بلال من السحور فإن في بصره شيئًا" (٢).

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ طلوعِ فجر سمجھ کر اذان دیتے تھے مگر ان کی ضعفِ بصارت کی بدولت اس میں خطاء واقع ہو جاتی تھی جس سے اذان قبل از فجر ہو جاتی تھی، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ان کی اذان کے موافق عمل کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ (۳)

(٨) عن نافع عن مؤذن لعمر رضى الله عنه يقال له مسروح، أذّن قبل الصبح فأمره عمرؓ نحوه (أى نحو ما ذكر في الحديث السابق وهو "أن يرجع فينادى") (۴)

(٩) عن امرأة من بنى النجار قالت:

كان بيتى من أطول بيت حول المسجد وكان بلال يؤذن عليه الفجر فيأتى بسحر فيجلس على البيت ينظر إلى الفجر فإذا راه تمطّى.... ثم يؤذن. (٥)

(١٠) عن عطاء أن أبا محذورة كان لا يؤذن لرسول الله صلى الله عليه وسلم إلا في الفجر وكان لا

١- شرح معانى الآثار (١/١٤٠) رقم (٧٩٠)، الاحاديث المختارة (٣/٦١) رقم (٢٤٢٨)- وزاد فيه "من سحوركم" بعد "اذان بلال"

قال ابن الملقن في "البدر المنير" (٣/١٩٩): رواه الطحاوى بسند جيد وكذا قال ابن التركمانى انظر له "الجوهر النقى" (١/٣٨٥)، وقال محقق "الاحاديث المختارة للمقدسى" (٣/٦١): إسناده صحيح

٢- أخرجه الضياء المقدسى عن انسؓ في الأحاديث المختارة (٣/٦٢) وقال محققه: إسناده صحيح، وكذا انظر له: مصنف ابن أبي شيبة (٢/٢٧٥) رقم (٨٩٢٦)، مسند أبي يعلى (٥/٢٩٧) رقم (٢٩١٧)، مسند أحمد بن حنبل (٣/١٤٠) رقم (١٢٤٥١)، غاية المقصد في زوائد المسند (١/١٩٠٩)، حديث أبي الفضل الزهرى (٢/٥٢) رقم (٥٥١)

٣- الطحاوى (١/١٤٠)، كذا في التجريد (١/٤٠٩)

٤- سنن الدار قطنى (١/٢٤٤) رقم (٤٩)، وكذا انظر له: معرفة السنن والآثار (٢/٢٣٣) رقم (٥٦٥)، السنن الكبرى (١/٣٨٣) رقم (١٦٧٤)، سنن أبي داوٗد (١/٢١٠) رقم (٥٣٣).

إسناده حسن، انظر: آثار السنن (٦٤)

٥- سنن أبي داوٗد (١/٢٠٤) رقم (٥١٩)، وكذا انظر له: السنن الكبرى (١/٤٢٥) رقم (١٨٤٦)، كنز العمال (٨/٥٧٥) رقم (٢٣٢١٣).

قال الحافظ العسقلانى في "الدراية" (١/١٢٠): إسناده حسن

يؤذن حتى يطلع الفجر. (١)

(١١) عن معمر عن جعفر بن برقان عن شداد مولى عباس عن ثوبان قال: أذنت مرّة فدخلت على النبي صلى الله عليه وسلم فقلت: قد أذنت يارسول الله! قال: لا تؤذن حتى تصبح ثم جئته أيضا فقلت قد أذنت، فقال: لا تؤذن حتى تراه هكذا وجمع يديه ثم فرقهما. (٢)

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

تقديم الأذان على الوقت في غير الصبح لا يجوز اتفاقا وكذا في الصبح عند أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالىٰ وإن قدم يعاد في الوقت ...... وعليه الفتوى. (٣)

❷ قال ابن العلاء الهندى:

ولا يؤذن لصلاة قبل الوقت وقال أبويوسف والشافعي رحمهما الله تعالىٰ: يؤذن لصلاة الفجر في النصف الأخير من الليل وفي "الحجة" : ثم إذا طلع الفجر يعيد الاذان عند أبي حنيفةؒ وعندهما لا يعيد والفتوى على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. (٤)

❸ قال علاؤ الدين السمرقندى:

إذا أذن قبل أوقاتها (أى أوقات الصلوات المكتوبات) لا يجوز وهذا جواب ظاهر الرواية وروى عن أبي يوسفؒ أنه قال في صلاة الفجر: إذا أذن في النصف الأخير من الليل يجوز وبه أخذ الشافعیؒ والصحيح قولنا. (٥)

١ـ كتاب الحجة على أهل المدينة (١/٧٦)، وكذا انظر له: مصنف ابن أبي شيبة (١/١٩٤) رقم (٢٢٢٢)، كنز العمال (٨/٥٦٩) رقم (٢٣١٩٥)

قال شيخنا في بلاد العرب -محمد عوّامة حفظه الله تعالى-:

حجاج -وهو ابن أرطاة- (من رواته) ضعيف الحديث، لكن تابعه عند عبدالرزاق: أبو جعفر الفراء، وهو ثقة، فيصح الخبر. (راجع: تعليقه على المصنّف لابن أبي شيبة (رقم:٢١٥٨))

٢ـ مصنف عبدالرزاق (١/٤٩١) رقم (١٨٨٧)

قلت: رجاله ثقات إلا شداد مولى عياض الجزرى فتكلّم فيه من جهالته والكلام -حول انتفاء جهالته- قد تقدم آنفا من تحقيق صاحب "الإعلاء".

٣ـ الفتاوى الهندية (١/٥٣)

٤ـ الفتاوى التاتارخانية (١/٣٨١،٣٨٢)

٥ـ تحفة الفقهاء (١/١١٦)

٤ قال ابن الهمام:

لا يؤذن لصلاة قبل دخول وقتها ويكره ذلك ويعاد. [١]

٥ قال الحلبي:

ولا يؤذن لصلاة قبل وقتها ويعاد فيه لو فعل خلافا لأبي يوسفؒ في الفجر [٢] (فتقديم قول الطرفين فيه ترجيح له كما هو مقرر عند اهل الإفتاء في أصوله)

٦ كذا في الكتب الأخر [٣]

٧ وكذا المتون المعتبرة عند الحنفية على قول الطرفين كما يليك في السطور التالية:

١ – قال الموصلي:

ولا يؤذن لصلاة قبل دخول وقتها [٤]

٢ – قال النسفي:

ولا يؤذن قبل وقت ويعاد فيه [٥]

٣ – قال المحبوبي:

فيعاد لو أذّن قبله. [٦]

١ ـ فتح القدير (١/٢٥٩)

٢ ـ ملتقى الأبحر (١/١١٣)

٣ ـ النهر الفائق (١/١٧٨)، الفتاوى الخانية (١/٧٧)، الفقه الحنفي في ثوبه الجديد (١/١٩٣)، الفقه على المذاهب الأربعة (١/٢٨٠)، تحفة الملوك (١/٥٠)

٤ ـ المختار للفتوىٰ (١/٤٨)

٥ ـ كنز الدقائق (١٩)

٦ ـ الوقاية (١/١٥٢)

باب شروط الصّلاة التى تتقدّمها

[١١] مسئلہ

بدن المرأة الحرة كله عورة إلا وجهها وكفيها.

مفتی بہ قول:

قولِ اصح ومفتی بہ کے موافق آزاد عورت کے قدمین بھی ستر سے خارج ہیں۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

(١) – قوله تعالىٰ ﴿ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها﴾ (١)

"ما ظهر منها" میں وجہ وکفین کے ساتھ قدمین بھی شامل ہیں علی ما يأتي:

(أ) مشہور حنفی مفسر علامہ نسفی فرماتے ہیں:

﴿إلا ما ظهر منها﴾ أي إلا ما جرت العادة والجبلة على ظهوره وهو الوجه والكفان والقدمان. (٢)

(ب) تفسیر "التحریر والتنویر" میں ہے:

فمعنى ﴿ما ظهر منها﴾: ما كان موضعه مما لاتستره المرأة وهو الوجه والكفان والقدمان. (٣)

(ج) "ایسر التفاسیر" میں ہے:

﴿ظهر منها﴾ الوجه والكفان والقدمان (٤)...... وفي غير ذلک من كتب التفاسير (٥)

(د) روى عن سيدتنا عائشة رضي الله تعالىٰ عنها في قوله تعالىٰ ﴿إلا ما ظهر منها﴾: القُلب

١ـ سورة النور (٣١)

٢ـ تفسير مدارك التنزيل وحقائق التأويل (١٤٣/٣)

٣ـ التحرير والتنوير (٤٦/١٠)

٤ـ أيسر التفاسير (٢٧٠٤/١)

٥ـ (ا) الكشف والبيان (٨٧/٧) (ب) نظم الدرر (٢٥٨/٥)

والفتخة. (۱)

"فتخہ" سے مراد وہ چھلا ہے جو پاؤں کی انگلی میں پہنا جاتا ہے۔ (۲)

لہٰذا روایت بالا سے معلوم ہوا کہ قدم بھی "ما ظھر منھا" کا مصداق ہو کر ستر سے خارج ہے۔ (۳)

(ر) اللہ تعالیٰ نے آیتِ مذکورہ میں عورتوں کو ابداء زینۃ سے منع فرمایا ہے اور "ما ظھر منھا" کو حکم مذکور سے مستثنیٰ قرار دیا ہے درآنحالیکہ قدم بھی اعضائے ظاہرہ میں سے شمار ہوتے ہیں کیونکہ عموماً (یعنی ننگے پاؤں یا بلا خف کھلا جوتا پہن کر) چلنے میں یہ دونوں ظاہر ہوتے ہیں لہٰذا ان کا ابداء جائز اور یہ خارج از ستر معدود ہوں گے۔ (۴)

(۲) چہرہ جو منبع محاسن ہے اور کثرتِ اشتہاء کا محل ہے جب وہ ستر میں داخل نہیں تو قدم بدرجۂ اولیٰ خارج از ستر ہوگا۔ (۵)

(۳) قدم کا اظہار (کھلا رکھنا) ضرورت کے زمرہ میں داخل ہے اور اس کا چھپانا حرج ہے لہٰذا **دفعاً للحرج ورعایۃ للضرورۃ**، وجہ وکفین کی طرح اس کو بھی باب استثناء کا فرد گردانا گیا ہے، ویؤیدہ ما في قولہ تعالی ﴿وما جعل علیکم في الدین من حرج (۶)﴾ (۷)

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

● **قال التمرتاشي والحصکفي:**

وللحرة جمیع بدنها خلا الوجه والکفین والقدمین علی المعتمد.

۱۔ مصنف ابن أبي شیبة (۳/۵٤٦) رقم (۱۷۰۰۸)، تفسیر الطبری (۱۹/۱۵۷)، الدر المنثور (٦/۱۸۰)، أحکام القرآن للجصاص (۵/۱۷۲)، معاني القرآن للنحاس (٤/۵۲۲)

۲۔ في "غریب الحدیث لابن الجوزی" (۲/۱۷٤):

الفتخات جمع فتخة...... وقال ابن الأعرابي: حلی النساء توضع في أصابع الرجل.

و في تاج العروس (۷/۳۰۸): "وحقیقة الفتخة أن تکون في أصابع الرجلین".

وکذا نقله اهل اللغات الاٰتیة أیضًا:

(ا) النهایة في غریب الأثر (۳/۷۷۲)، (ب) تصحیفات المحدثین (۱/۲۳۵)، (ج) لسان العرب (۳/٤۰)

۳۔ مستفاد من بدائع الصنائع (٤/۲۹٤)

٤۔ نفس المرجع السابق، العنایة (۱/۲٦٦)، الکفایة (۱/۸٤)

۵۔ العنایة علی هامش الفتح (۱/۲٦٦)، الکفایة الملحقة بالفتح (۱/۸٤)،

٦۔ سورة الحج: (۷۸)

۷۔ مستفاد مما یلیك (بتسهیل وإضافة یسیرة): "فتح القدیر" (۱/۲٦٦)، تبیین الحقائق (۱/۹٦)، البحر المدید (۵/۱۰٦)، التحریر والتنویر (۱۰/٤۵)

قال ابن عابدين:

قوله (على المعتمد) أي من أقوال ثلاثة مصححة، ثانيها: عورة مطلقا، ثالثها: عورة خارج الصلاة لا فيها. (١)

❷ قال الزيلعي:

قال رحمه الله (وبدن الحرة عورة إلا وجهها وكفيها وقدميها)...... وفي القدم روايتان: والأصح انها ليست بعورة للابتلاء بإبدائها، (٢)

❸ قال شيخ الإسلام المرغيناني:

وبدن الحرة كلها عورة إلا وجهها وكفيها...... وهذا تنصيص على أن القدم عورة ويروى انها ليست بعورة وهو الأصح. (٣)

❹ في الهندية:

بدن الحرة عورة إلا وجهها وكفيها وقدميها. (٤)

❺ قال داماد أفندى:

وجميع بدن الحرة عورة إلا وجهها وكفيها، وقدميها في رواية أي في رواية الحسن عن الإمام وهي الأصح. (٥)

❻ قال الإمام برهان الدين:

وأما المرأة يلزمها أن تستر نفسها من فرقها الى قدميها ولا يلزمها ستر الوجه والكفين بلاخلاف وفي القدمين اختلاف المشايخ واختلاف الروايات عن أصحابنا رحمهم الله...... والأصح أنه ليس بعورة. (٦)

❼ كذا في الكتب الأخر. (٧)

١ـ الدر المختار مع رد المحتار (٢/٩٥،٩٦)

٢ـ تبيين الحقائق (١/٩٦)

٣ـ الهداية (١/٩٢)

٤ـ الفتاوى الهندية (١/٥٨)

٥ـ مجمع الأنهر (١/١٢٢)

٦ـ المحيط البرهانى (١/٣٩١)

٣ـ الفتاوى التاتارخانية (١/٣٠٦)، الدر المنتقى (١/١٢١)، حاشية الطحطاوى على المراقى (٢٤١)،الفتاوى البزازيه (١/٣٤)، الفقه الإسلامى وأدلته (٧٤٤) ، الفقه الحنفى في ثوبه الجديد (١/١٧٩)، غنية المستملى (١٨٤)، روح المعانى (١٨/١٤٠)، دررالحكام شرح غررالأحكام (١/٢٦٦)، الجوهرة النيرة (١/١٢٩)، العناية على هامش الفتح(١/٢٦٦)، الفتاوى السراجية (٩)

بابُ صفَة الصَّلوة

[۱۲]مسئلہ

إذا دخل الرجل في صلوته كبّر ورفع يديه مع التكبير.

مفتیٰ بہ قول:

متن مذکور کے موافق دخول فی الصلوٰۃ کیلئے "رفع یدین" اور "تکبیر" دونوں کو اکٹھے ادا کرے گا جبکہ راجح قول کے مطابق "رفع یدین" کو مقدم کرے گا (یعنی ہاتھ پہلے اٹھائے گا اور تکبیر بعد میں کہے گا)۔

قول مفتیٰ بہ کا مستدل:

(۱) قال ابن عمر: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قام للصلاة رفع يديه حتى تكونا حذو منكبيه ثم كبّر. [۱]

(۲) عن عبدالجبار بن وائل عن أبيه أنه أبصر النبى صلى الله عليه وسلم حين قام إلى الصلاة رفع يديه حتى كانتا بحيال منكبيه وحاذى بابهاميه اذنيه ثم كبّر. [۲]

(۳) عن عبدالله بن عمرؓ قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قام في الصلاة رفع يديه حتى تكونا حذو منكبيه ثم يكبر. [۳]

۱۔ صحيح مسلم (۲۹۲/۱) رقم (۳۹۰)، وكذا انظر له: مستخرج أبي عوانة (۱۷۱/۲) رقم (۱۲۵۳)، سنن أبي داود (۲۶۳/۱) رقم(۷۲۲)، السنن الكبرى (۲۶/۲) رقم (۲۱٤۷)

۲۔ سنن أبي داوٗد (۱۱٤/۱) رقم (۷۲٤)

قال شيخنا في "الإعلاء" (۱۸۲/۲):

قلت: إسناده منقطع لأن عبدالجبار لم يسمع من أبيه كما مر في باب استحباب الوضوء للأذن (وكذا في "البذل" ۱۲:۲؛ حيث قال: وهذا السند مرسل)؛ ولكنه غير مضر عندنا۔

۳۔ سنن البيهقى الكبرى (۶۹/۲) رقم (۲۳۳٤)، وكذا انظر له: سنن النسائى (۱۲۱/۲) رقم (۸۷۷)، سنن أبي داود(۲٤۹/۱) رقم (۷۲۲)، سنن الدار قطنى (۲۸۷/۱)، مصنف عبدالرزاق (۶۷/۲) رقم (۲۵۱۸)، رفع اليدين للبخارى (٤۵/۱) رقم(٤٤)، قال ابن الملقن عن رواية أبي داود: إسناده حسن ۔ انظر البدر المنير (٤۶۰/۳)۔

مذکورہ بالا احادیث بابِ ہذا میں نصوصِ صریحہ ہیں، تاہم بعض روایات میں رفع الیدین مع التکبیر وبعدہٗ کا مضمون بھی وارد ہوا ہے۔ محدث ناقد علامہ عثمانیؒ نے اس کو ذکر کر کے، پھر روایۃً ودرایۃً ہر لحاظ سے "رفع الیدین قبل التکبیر" والی حدیث کو راجح ثابت کیا ہے۔ نصہ:

"فثبت من فعل النبی –علیه افضل الصلاة والسلام– تراخی التکبیر من الرفع، وعکسه، وکون التکبیر مع الرفع، والأول أصح روايةً ودرايةً، فأما رواية فلأنه رواه مسلم وأما دراية فلما ذكره صاحب الهداية ونصه: والأصح أنه يرفع يديه أولا ثم يكبر لأن فعله نفى الكبرياء عن غير الله والنفى مقدم على الإثبات". (۱)

(۴) قاعدہ ہے کہ "النفي مقدم على الإثبات"۔ (۲)

چونکہ "رفع یدین" میں غیر اللہ سے عظمت وکبریائی کی نفی ہے اور "تکبیر" میں اللہ تعالیٰ کیلئے اس کا اثبات ہے اس لئے حسبِ قاعدۂ مذکورہ، رفع یدین کو تکبیر پر مقدم کیا جائے گا۔ (۳)

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ في الهندية: – والرفع قبل التكبير هو الأصح. (۴)

❷ قال ابن العلاء الهندی:

وكذلك اختلفوا في وقت رفع اليدين، قال بعضهم: يرفع ثم يكبر وفي "الأنفع": وهو الأصح. (۵)

❸ قال شيخ الإسلام المرغيناني: والأصح أنه يرفع يديه أولاً ثم يكبر.

قال ابن الهمام: قوله (والأصح) عليه عامة المشايخ. (۶)

❹ قال الزيلعي:

قال رحمه الله (وإذا أراد الدخول في الصلاة كبر ورفع يديه حذاء أذنيه) لما روينا وهذا اللفظ

۱ـ إعلاء السنن (۲/۱۸۳)

۲ـ الإحكام في اصول الأحكام (۳/۵۷)، التمهيد (فی اصول الفقه) (۱/۲۱۹)

۳ـ الحلبی الكبيری (۲۶۰)، الهداية (۱/۹۸)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (۱/۲۹۰)، تبيين الحقائق (۱/۱۰۹)، حاشية الطحطاوی علی المراقی (۲۷۸)

٤ـ الهنديه (۱/۷۳)

٥ـ التاتارخانية (۱/۳۲۲)

٦ـ "فتح القدير" على الهداية (۱/۲۸۵)

لا يقتضي المقارنة ولا المفارقة لأن الواو لمطلق الجمع ...... والأصح أنه يرفع أولا ثم يكبر. (١)

❺ قال ملا خسرو: التحريمة وهي التكبير بالحذف بعد رفع يديه هو الأصح (٢)

❻ قال داماد أفندي: وإذا أراد الدخول فيها كبر حاذفا بعد رفع يديه وهو الأصح. (٣)

❼ قال الحداد الزبيدي: قوله (ورفع يديه مع التكبيرة)...... وقوله "مع التكبيرة" إشارة إلى اشتراط المقارنة والأصح أنه يرفع أولًا فإذا استقرتا في موضع المحاذاة كبر. (٤)

❽ قال التمرتاشي والحصكفي:

ورفع يديه قبل التكبير وقيل معه.

قال ابنْ عابدين: قوله (قبل التكبير وقيل معه) الأول نسبه في المجمع إلى أبي حنيفة و محمد وفي غاية البيان إلى عامة علماء نا وفي المبسوط إلى أكثر مشايخنا وصححه في الهداية. والثاني اختاره في الخانية والخلاصة – إلى أن قال – وما في الهداية أولى كما مر في البحر والنهر ولذا اعتمده الشارح. فافهم. (٥)

---

[١٣] اختلافی مسئلہ

إن قال بدلا من التكبير "الله أجل" أو "أعظم"، أو "الرحمن أكبر" أجزأه عند أبي حنيفة ومحمد –رحمهما الله تعالىٰ– وقال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ: لا يجوز إلا أن يقول: "الله أكبر" أو "الله الأكبر" أو "الله الكبير"

مفتی بہ قول:

• فتویٰ طرفین کے قول پر ہے کہ نفسِ نماز تو اس سے درست ہو جائے گی مگر ترکِ واجب کی وجہ سے مکروہِ تحریمی ہو گی کیونکہ لفظِ "اللہ اکبر" سے شروع کرنا واجب ہے۔

١ـ تبيين الحقائق (١/١٠٩)

٢ـ درر الحكام (١/٢٩٠)

٣ـ مجمع الأنهر (١/٢٧١)

٤ـ الجوهرة النيرة (١/١٣٥)

٥ـ رد المحتار (٢/٢٢١)

(۱) قوله تعالیٰ:. ﴿وذكر اسم ربّه فصلى﴾ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ نماز شروع کرنے سے قبل رب کا نام لینا افتتاحِ صلاۃ کیلئے کافی ہے کیونکہ کلمہ ''فاء'' تعقیب مع الوصل کیلئے آتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے دخول فی الصلاۃ کیلئے لفظِ ''اللہ اکبر'' وغیرہ کی تخصیص وتقیید کی بجائے مطلق ذکر کو مشروع فرمایا ہے خواہ وہ کلمۂ تکبیر ہو یا تعظیم کا کوئی کلمہ۔ [2]

نیز آیتِ مذکورہ میں افتتاحِ صلاۃ کیلئے ''مطلق ذکر'' وارد ہوا ہے، کلمۂ تکبیر کے ساتھ اس کو خاص کرنے میں کتاب اللہ کو ''خبر واحد [3]'' کے ذریعے مقید کرنا لازم آئے گا، وهو لايجوز۔ [4]

(۲) عن علي بن أبي طالب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، أنه كان إذا قام إلى الصلاة المكتوبة كبّر اھ [5]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو ''تکبیر'' کہتے۔ اب یہاں ''تکبیر'' سے صرف ''اللہ اکبر'' یا ''اللہ الاکبر'' وغیرہ کہنا مراد نہیں بلکہ ''تکبیر'' یہاں ''بڑائی وعظمت بیان کرنے'' کے معنی میں ہے، کیونکہ ''تکبیر'' بمعنی ''تعظیم'' بھی آتا ہے جس پر مندرجہ ذیل شواہد دال ہیں:

(أ) قوله تعالى ﴿وكبرهُ تكبيرًا﴾ [6] أى عظمه تعظيما.

(ب) قوله تعالى ﴿وربک فكبر﴾ [7] أى فعظّم.

۱۔ سورة الأعلى (۱۵)

۲۔ إعلاء السنن (۲/۱۸٤)، معارف السنن (۱/٥٤)، اللباب في الجمع بين السنة والكتاب (۱/۲٤۲)

۳۔ قوله "خبر واحد": وهو عن أبي سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "مفتاح الصلاة الطهور وتحريمها التكبير" رواه أصحاب السنن الأربعة إلا النسائى واللفظ للترمذى (۳/۲) رقم (۲۳۸) وقال: هذا حديث حسن.

٤۔ الاختيار لتعليل المختار (۱/٥۳)

٥۔ صحيح ابن خزيمة (۱/۲۳٦) رقم (٤٦٤)، وكذا انظر له: سنن أبي داوٗد (۱/۲۷۱) رقم (۷٤٤)، سنن إبن ماجه (۱/۲۸۰) رقم (۸٦٤)، السنن الكبرىٰ (۲/۳۳) رقم (۲٤۳۹)، مسند أحمد (۱/۹۳) رقم (۷۱۷)

هذا حديث صحيح.

راجع له: البدر المنير (۳/٤٦٦)، حيث قال صاحبه فيه: رواه أبو داود بهذا اللفظ والبخاري في "تاريخه" والترمذي وابن ماجه، قال الترمذي: حديث حسن صحيح...... قال الشيخ تقي الدين في "الإمام": ورأيت في "علل الخلال" أن أحمد سئل عن حديث علي ابن أبي طالب في الرفع فقال: صحيح۔ وكذا انظر: نصب الراية (۱/۲۹٥)، الدراية (۱/۱٥۳)، آثار السنن (۷۰)، مجموع الفتاوى (۲۲/٤٥۳).

٦۔ الإسراء (۱۱۱)

۷۔ المدثر (۳)

(ج) قوله تعالى ﴿فلما رأينه اكبرنه﴾ (١) أى عظمنه. (٢)

لہٰذا اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی پر دلالت کرنے والے کلمات میں سے جن سے بھی نماز شروع کرے گا نماز درست ہوجائے گی۔ (٣) اسی وجہ سے سبحان الله، لا اله إلا الله، وغیرہ الفاظ سے بھی تحریمہ ادا ہوجاتی ہے جیسا کہ ذیل میں ''تخریج'' کے تحت اس کا بیان آرہا ہے۔

(٣) عن الشعبی قال:

بأی اسماء الله افتتحت الصلاة أجزاک. (٤)

(٤) عن إبراهيم النخعي قال:

إذا سبّح أو كبّر أو هلّل أجزأه في الافتتاح ويسجد سجدتي السهو. (٥)

بعض فقہاء حنفیہ نے -من جہۃ النظر والفقہ- مندرجہ ذیل حدیث سے بھی استدلال واستیناس کیا ہے:

عن انس بن مالک قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أمرت أن اقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله". (٦)

ظاہر ہے کہ جس شخص نے اس کلمۂ مذکورہ سے ملتا جلتا کوئی اور کلمہ بھی کہہ دیا مثلاً ''لا إلٰہ إلا الرحمٰن'' وغیرہ تو وہ بھی مسلمان شمار ہوگا، لہٰذا جب ایمان -جو دین کی اساس ہے- میں حدیث مذکور میں وارد کلمہ کی تخصیص وتقیید نہیں تو اس (یعنی ایمان) کی فروع میں بدرجۂ اولیٰ یہ اَمر جائز ہوگا۔ (٧)

لہٰذا جن احادیث میں تکبیرِ تحریمہ کیلئے ''تکبیر'' یا ''اللہ اکبر'' وغیرہ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں ان سے مراد بھی ان کلمات کی تخصیص وغیرہ نہیں ہے بلکہ ان کے مشابہ ہم معنی دیگر الفاظ کہنا بھی درست ہے۔

١۔ یوسف (٣١)

٢۔ بدائع الصنائع (١/٣٣٥)، المبسوط للسرخسي (١/٣٥)

٣۔ عمدة القاری (٨/٤٩٤)

٤۔ مصنف ابن أبي شيبة (١/٢١٥) رقم (٢٤٦٤)

٥۔ المرجع السابق (١/٢١٥) رقم (٢٤٦١)

٦۔ صحیح البخاری (١/٤٠٣) رقم (٣٩٢)، وکذا انظر له: صحیح مسلم (١/٥٢) رقم (٢١)، صحیح ابن حبان (١/٤٥٣) رقم (٢٢٠)، مسنداحمد (٢/٤٧٥) رقم (١٠١٦١)، الطحاوی (٣/٢١٣) رقم (٤٧٣١)، سنن الترمذی (٥/٣) رقم (٢٦٠٦)، سنن أبي داوٗد (٢/٣٤٧) رقم (٢٦٤٢)، سنن سعید بن منصور (٢/٣٢٢) رقم (٢٩٠١)، المستدرك (٢/٥٦٨) رقم (٣٩٢٦)، مسند المؤطا (١/١٦٥) رقم (٥٤٩)

٧۔ عمدة القاری (٨/٤٩٥)، معارف السنن (١/٥٤)

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

(وصح شروعه) أيضا مع كراهة التحريم (بتسبيح و تهليل) وتحميد (وسائر كلم التعظيم) الخالصة له تعالى، ولو مشتركة كرحيم وكريم في الأصح، وخصه الثاني –رحمه الله تعالى– بأكبر وكبير منكّرا ومعرّفا.

(الف) قال الشامي تحت قوله "أيضا...... الخ":

أى كما صح شروعه بالتكبير السابق صح أيضا بالتسبيح ونحوه، لكن مع كراهة التحريم، لأن الشروع بالتكبير واجب وقدمنا أن الواجب لفظ "الله اكبر" من بين الفاظ التكبير الآتية:

وقال في الخزائن هنا: وهل يكره الشروع بغير "الله اكبر"؟ تصحيحان والراجح أنه مكروه تحريما.

(ب) وقال الشامي تحت قوله "وسائر كلم التعظيم":

كالله أجل أو أعظم، أو الرحمٰن أكبر، أو لا إله إلا الله، أو تبارك الله، لأن التكبير الوارد في الأدلة مثل ﴿وربّك فكبر﴾ معناه التعظيم ولا إجمال فيه.

(ج) قال الشامي تحت قوله "وخصه الثاني":

فلا يصح الشروع عنده إلا بهذه الألفاظ المشتقة من التكبير، والصحيح قولهما كما في النهر والحلية عن التحفة والزاد. (١)

❷ قال ابن نجيم:

قوله (ولو شرع بالتسبيح أو بالتهليل أو بالفارسية صح):

...... هذا ما ذكره في التحفة والذخيرة والنهاية من أن الأصح أنه يكره الافتتاح بغير "الله اكبر" عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى فالمراد كراهة التحريم لأنها في رتبة الواجب من جهة الترك.

...... وأراد المصنف بالتسبيح والتهليل ما ذكرنا من اللفظ الدال على التعظيم لا خصوص سبحان الله والحمد لله، فأفاد بإطلاقه أنه لا فرق بين الأسماء الخاصة أو المشتركة حتى يصير شارعا بالرحيم أكبر أو أجل كما نص عليه في المحيط، والبدائع، والخلاصة، وصرح في المجتبى بأنه الأصح وافتى به المرغيناني. (٢)

١ ـ الدر المختار مع رد المحتار (٢/٢٢٢)

٢ ـ البحر الرائق (١/٥٣٤)

❸ قال ابن العلاء الهندى:

ولو افتتح الصلاة بالتهليل بأن قال: "لا اله الا الله" أو بالتحميد بأن قال: "الحمد لله"، أو بالتسبيح بأن قال: "سبحان الله" أو قال: "الله اجل"، "الله اعظم" أو قال: "لا اله غيره" أو قال: "تبارك الله" يصير شارعا في الصلاة، و كذلك إذا قال: "الرحمن أكبر"، "الرحيم أكبر" يصير شارعا وهذا قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى وهو قول النخعى والحكم بن عتيبة، وفي "الزاد": والصحيح قولهما. (١)

❹ قال الخُوارَزْمى:

قال أبو حنيفة رحمه الله تعالى: باسم من اسمائه كلفظة الله أو الرحمن وهو الصحيح لقوله تعالى ﴿وذكر اسم ربّه فصلى﴾ علق الفلاح بذكر اسمه معقبا بالصلاة وقد حصل ثم اختلفت الروايات والمشايخ ان الشروع عنده بالأسماء الخاصة أو بها وبالمشتركة كالرحيم والكريم، والأظهر والأصح انه بكل اسم من اسمائه كذا ذكره الكرخيّ وأفتى به المرغينانيّ. (٢)

❺ قال سراج الدين ابن نجيم:

(ولو شرع في صلاته بالتسبيح أو بالتهليل) أراد غير التكبير مما يدل على التعظيم ...... وخصه الثاني (أى أبويوسفؒ) بالمعرّف والمنكّر، زاد في الخلاصة: "والله الكبار" مخففا ومثقلا كطوال وطوّال والصحيح قولهما. (٣)

❻ كذا في الكتب الأخر. (٤)

١ـ الفتاوى التاتارخانية (١/٣٢٢)

٢ـ الكفاية الملحقة بالفتح (١/٩١)

٣ـ النهر الفائق (١/٢٠٥)

٤ـ مراقي الفلاح (٢٧٩)، الهندية (١/٦٨)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (١/٢٩٠) تحفة الملوك (١/٦٧)، اللباب في شرح الكتاب (١/٨١)، الفقه الحنفى في ثوبه الجديد (١/٢٠٢)، النقاية (١/١٥٩)، الترجيح والتصحيح (٧٠)

[۱۴] اختلافی مسئلہ

سجد على أنفه وجبهته فإن اقتصر على أحدهما جاز عند أبي حنيفةؒ وقالا: لا يجوز الاقتصار على الأنف إلا من عذر.

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

(۱) عن ابن عباس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من لم يلزق أنفه مع جبهته بالأرض إذا سجد لم يجز صلوته [۱] وفي رواية: لم تقبل صلوته [۲] وفي رواية: فلا سجود له [۳]

(۲) عن أبي حميد الساعدى: أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا سجد امكن أنفه وجبهته من الأرض. [۴]

(۳) عن وائل بن حجر قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يسجد على أنفه مع جبهته. [۵]

(۴) عن عبدالجبار بن وائل عن أبيه أنه أتى النبي صلى الله عليه وسلم فرآه يضع أنفه مع جبهته في

۱۔ المعجم الكبير (۱۱/۳۳۳) رقم (۱۱۹٤۸)،قال الهيثمي في "مجمع الزوائد و منبع الفوائد" (۲/۱٤۹) رقم (۲۷٦۲): رجاله موثقون وان كان في بعضهم اختلاف من أجل التشيع۔

۲۔ المعجم الأوسط للطبرانی (٤/۲٥۰) رقم (٤۱۱۱)

۳۔ معجم شيوخ أبي بكر الإسماعيلی (۲/٦۷۷) رقم (۳۰۳)

٤۔ سنن الترمذی (۲/٥۹) رقم (۲۷۰)،وكذا انظر له: الطحاوی (۱/۲٥۷) رقم (۱٤۲۲)، صحيح ابن حبان (٥/۱۸۸) رقم (۱۸۷۱)

قال الترمذی: حديث حسن صحيح، ونقل كلامه هذا، الزيلعی في نصب الرأية (۱:۲۸۲) والنيموی في آثار السنن (۱۲۳) وابن الجوزی في التحقيق (۱:۳۹۱)، والذهبی في تنقيح التحقيق (۱:۱٦۹) وكذا ابن عبدالهادی في التنقيح (۲:۲٥٦) وأقروه.

٥۔ مسند أحمد بن حنبل (٤/۳۱٥) رقم (۱۸۸٦۰)،قال المحقق شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره

السجود. (١)

(٥) عن ابن عباس أنه قال: إذا سجدت فضع أنفک على الأرض مع جبهتک. (٢)

(٦) عن ابن عمر أنه كان إذا سجد وضع أنفه مع جبهته. (٣)

(٧) عن ابن عباس: أمر النبي صلى الله عليه وسلم أن يسجد على سبعة أعضاء، ولا يكفّ شعرا ولا ثوبا، الجبهة واليدين والركبتين والرجلين. (٤)

اس حدیث میں جبہہ پر سجدہ کرنے کا امر وارد ہوا ہے جبکہ اقتصار علی الأنف کی صورت میں جبہۃ کا ترک لازم آتا ہے جوکہ حدیث بالا کے منافی ہے لہٰذا اقتصار مذکور کی حالت میں مامور بہ کے خلاف کرنا پڑے گا و الظاهر انه لایجوز.

(٨) عن أبي حنيفة عن أبي سفيان عن أبي نضرة عن أبي سعيد رضى الله تعالى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

الإنسان يسجد على سبعة أعظم: جبهته ويديه وركبتيه ومقدم قدميه. (٥)

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

وسجد بأنفه وجبهته وكره اقتصاره في السجود على أحدهما ومنعا (أى صاحباهؒ) الاكتفاء بالأنف بلا عذر واليه صح رجوعه وعليه الفتوى. (٦)

❷ في الهنديه:

كمال السنة في السجود وضع الجبهة والأنف جميعا ولو وضع أحدهما فقط إن كان

١ـ المعجم الكبير للطبراني (٢٢/٣٠) رقم (١٧٩١٧)

٢ـ السنن الكبرى للبيهقي (٢/١٠٤) رقم (٢٤٨٧)

٣ـ مصنف ابن أبي شيبة (١/٢٣٥) رقم (٢٦٩٦)

٤ـ صحيح البخاري (٢/٢٢٠) رقم (٨٠٩)، وكذا انظر له: صحيح مسلم (١/٣٥٤) رقم (٤٩٠)، اللؤلؤ والمرجان (١/٩٩) رقم (٢٧٦)، معرفة السنن والآثار (٣/٥٣) رقم (٨٨٤)، الأوسط لابن المنذر (٧/٢٩٦) رقم (٢٣٥١)، جمع الجوامع (١/٥٦٩٦)، مسند الطيالسي (٤/٣٣٢) رقم (٢٧٢٦)، مسند عبد بن حميد (١/٢١٠) رقم (٦١٧)، مصنف ابن أبي شيبة (١/٢٣٤) رقم (٢٦٨٤)-موقوفا على ابن عباسؓ- مصنف عبدالرزاق (٢/١٨٠) رقم (٢٩٧٢)، الجمع بين الصحيحين (٢/١٦) رقم (٩٩٩)، آثار السنن(١٢٣)

٥ـ عقود الجواهر المنيفة في أدلة مذهب الإمام أبي حنيفةؒ (١٣٧)، مسند الإمام الأعظم أبي حنيفةؒ (٧١)

٦ـ الدر المختار (٢/٢٤٩)

من عذر لا يكره وإن كان من غير عذر فإن وضع جبهته دون أنفه جاز إجماعًا ويكره وإن كان بالعكس فكذلك عند أبي حنيفةؒ وقالا: لايجوز وعليه الفتوى. [1]

❸ قال سراج الدين ابن نجيم:

وكره السجود بأحدهما فقط أما كراهة الاقتصار على الأنف أى على ما صلب منه فقول الإمام وروى عنه أنه لا يجوز وبه قالا وعليه الفتوى [2]

❹ قال ابن عابدين الشامي:

قوله (فعنده يجوز مطلقا الخ) قال في الشرنبلالية: هذا قول أبي حنيفةؒ اولاً والأصح رجوعه إلى قولهما بعدم جواز الاقتصار في السجود على الأنف بلاعذر في الجبهة كما في البرهان...... وفي المجمع وروى عنه قولهما وعليه الفتوى وفي الحقائق: وروى عنه مثل قولهما، قال في العيون: وعليه الفتوى وفي درر البحار: والفتوى رجوعه إلى قولهما لأنه المتعارف والمتبادر إلى الفهم. اهـ [3]

❺...... قال داماد أفندى: (وقالا لايجوز الاقتصار على الأنف من غير عذر) وهو مذهب الائمة الثلاثة ورواية عن الإمام وعليه الفتوى [4]

❻...... قال صدر الشريعة الأصغر: يجوز عند أبي حنيفة الاكتفاء بالأنف عند عدم العذر خلافا لهما والفتوى على قولهما [5]

❼...... كذا في الكتب الأخر [6]

١ـ الفتاوى الهندية (١/ ٧٠)

٢ـ النهر الفائق (١/٢١٥)

٣ـ منحة الخالق (١/٥٥٤)

٤ـ مجمع الأنهر (١/١٤٧)

٥ـ شرح الوقاية (١/١٦٠)

٦ـ مراقي الفلاح (٢٣١)، الدر المنتقى (١/١٤٨)، عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية (١/١٦٠)، الجوهرة النيرة (١/١٤٣)، المعتصر على المختصر (١٠١)، اللباب في شرح الكتاب (١/٨٢)، الفقه الحنفي في ثوبه الجديد (١/٢٠٧)، الفقه الإسلامي وأدلته (٨٤٦)

[١٥] اختلافی مسئلہ

وأدنى ما يجزئ من القراءة في الصلاة ما يتناوله اسم القرآن عند أبي حنيفةؒ و قال أبويوسف و محمد رحمهما الله تعالىٰ لا يجوز أقل من ثلاث آيات قصار أو اٰية طويلة.

توضیح المقام:

یہ اختلاف نفسِ قرأت میں ہے جو فرض ہے کہ کتنی مقدار قرأت کرنے سے نماز میں فرضیتِ قرأت ادا ہو جائے گی اس میں امام ابوحنیفہؒ سے ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ وہ مقدار ایک آیت ہے۔[۱] (اور ایک روایت اگر چہ یہ بھی ہے جو مختصر القدوری میں مذکور ہے) اور صاحبینؒ کا مذہب یہی ہے جو متن میں مذکور ہے۔

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے کہ تین چھوٹی آیات (یا ایک چھوٹی سورت) یا ان (دونوں میں سے کسی) کے برابر ایک بڑی آیت کی مقدار سے کم قرأت کرنا کافی نہیں ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

(ا) –ا– **قوله تعالى ﴿فاقرءوا ما تيسر من القرآن﴾** [۲]

–ب– قوله صلى الله عليه وسلم في حديث الأعرابى المسيء صلوته: "ثم اقرأ بما تيسر معك من القرآن" [۳]

مذکورہ بالا آیت وحدیث کی بنیاد عرف پر ہے کیونکہ کلامِ مطلق عرف پر محمول ہوتا ہے اور قرآن مجید کی کم سے کم وہ

۱۔ رد المحتار (۲/۲۱۲)، البدائع للكاساني (۱/۲۹۷)

۲۔ المزمل (۲۰)

۳۔ صحيح البخارى (۵/۲۳۰۷) رقم (۵۸۹۷)، و كذا انظر له: صحيح ابن خزيمة (۱/۲۹۸) رقم (۵۹۰)، سنن الترمذى (۲/۱۰۳) رقم (۳۰۳)، السنن الكبرى (۲/۱۵) رقم (۲۰۹۱)، السنن الصغرى (۱/۱۱۳) رقم (۳۲۶)، مصنف ابن أبي شيبة (۱/۲۵۷) رقم (۲۹۵۹)، الجمع بين الصحيحين (۳/۸۶) رقم (۲۳۲۱)، كنز العمال (۷/۷۰۷) رقم (۱۹۶۲۵)، جامع الأصول (۵/۴۲۳) رقم (۳۵۷۸)

مقدار جس کے پڑھنے والے کو عرف میں ''قرآن کا پڑھنے والا'' کہہ سکیں وہ ایک چھوٹی سورت یا تین چھوٹی آیات یا پھر ایک لمبی آیت ہے۔ (۱)

(۲) **قوله تعالى ﴿فأتوا بسورة من مثله﴾** (۲)

''قرآن'' کلامِ معجز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے منکرین کو اس کے مقابلے میں اس کی کسی ایک سورت جیسی سورت بنانے کا مطالبہ و چیلنج کیا ہے خواہ وہ اس کی سب سے چھوٹی سورت کے مقابلہ میں ہی کیوں نہ ہو اور اس کی سب سے چھوٹی سورة ''کوثر'' ہے جو تین آیاتِ قصار پر مشتمل ہے، اور اسی کے حکم میں ایک لمبی آیت ہے جو ان تین آیات کے برابر ہو۔ (۳)

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید، دیگر کلاموں سے جس مقدار پر ممتاز و جدا ہوتا ہے وہ یہ مقدارِ مذکور ہے (یعنی ایک سورة یا چھوٹی تین آیات یا ایک طویل آیت) لہٰذا اتنی ہی مقدار کو ''قرأت قرآن'' کا مصداق کہا جائے گا۔

اس کے بعد یہ امر ذہن نشین رہے کہ نماز میں نفسِ ''قرأتِ قرآن'' فرض ہے اور قرأتِ قرآن کا اطلاق مذکورہ بالا مقدار پر ہوتا ہے لہٰذا فرض قرأت بھی یہی مقدار ہوگی فنبت ما نحن فيه، (۴)

(۳) **عن سعيد بن جبيرؒ: تجزئ قرأة ثلاث آيات.** (۵)

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ **قال ابن نجيم:**

وفي فرض القراءة ثلاث روايات..... وفي رواية ثلاث آيات قصار أو آية طويلة وهو قولهما ورجحه في الأسرار (۶)

❷ **قال الحصكفي:**

وقالا: فرض القراءة ثلاث آيات قصار أو آية طويلة مقدار ثلاث آيات قصار وهو الأحوط. (۷)

١ـ بدائع الصنائع (١/٢٩٧)، تبيين الحقائق (١/١٢٨)، المحيط البرهاني (١/٤٢٤)، تفسير الخازن، المسمّى "لُباب التأويل في معاني التنزيل" (١/٢٥)

٢ـ البقره (٢٣)

٣ـ مناهل العرفان في علوم القرآن (١/٢٣٨)

٤ـ مستفاد مما يليك (بتسهيل):

الفقه الحنفي في ثوبه الجديد (١/٢٠٦)، المبسوط للسرخسي (١/٢١٨)، غنية المستملي (٢٤٣)

٥ـ تفسير الفاتحة لابن رجب (١/٢٤)

٦ـ البحر الرائق (١/٥٩١)

٧ـ الدر المنتقى (١/١٥٨)

❸ قال الشرنبلالی:

وقال أبويوسف و محمد –رحمهما الله تعالىٰ–: الفرض قراءِ ة آية طويلة أو ثلاث آيات قصار.

وقال الطحطاوی:

قوله (وقال أبويوسف و محمد رحمهما الله تعالى الخ) رجحه في الأسرار والاحتياط قولهما وهو مطلوب لاسيما في العبادات [1]

❹ قال الحداد الزبيدی:

قوله (وقال أبويوسف و محمد: لا يجزئ أقل من ثلاث آيات قصار أو آية طويلة) كآية الكرسی وآية الدين وقولهما في القراء ة احتياط والاحتياطُ في العبادات أمر حسن. [2]

❺ قال سراج الدين ابن نجيم:

وفرض القراء ة في الصلاة آية...... وعنه (أی عن الإمامؒ) أنه ثلاث آيات قصار أو آية طويلة وبه قالا وهو أحوط [3]

❻...... كذا في الكتب الأخر [4]

---

١ ـ حاشية الطحطاوی على المراقی (٢٢٦)

٢ ـ الجوهرة النيرة (١/١٥٦)

٣ ـ النهر الفائق (١/٢٣٠)

٤ ـ الحلبی الكبيری (٢٤٣)، حاشية الشلبی على التبيين (١/١٢٩)، كتاب الفقه على المذاهب الأربعة (١/٢٠٨)، الفقه الحنفی في ثوبه الجديد (١/٢٠٦)، المعتصر على المختصر (١١٣)

بَابُ الْجَمَاعَة

[١٦] اختلافی مسئلہ

لا بأس بأن تخرج العجوز في الفجر والمغرب والعشاء عند أبي حنيفةؒ وقال أبويوسف و محمد رحمهما الله تعالٰى: يجوز خروج العجوز في سائر الصلوات.

مفتیٰ بہ قول:

متأخرین فقہاء حنفیہ نے ہمارے زمانہ میں غلبہ فساد کی وجہ سے فتویٰ اس قول پر دیا ہے کہ عورتوں کیلئے مطلقا مسجد کی جماعت میں شرکت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

قول مفتیٰ بہ کا مستدل:

(١) قوله تعالٰى ﴿وقرن في بيوتكن﴾ (١)

(٢) عن عمرة بنت عبدالرحمٰن أنها سمعت عائشة زوج النبی صلی الله علیه وسلم تقول: لو أن رسول الله رأى ما أحدث النساء لمنعهن المساجد كما منعت نساء بنی اسرائیل. (٢)

(٣) عن عبدالله بن مسعودؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال:

١ـ الأحزاب (٣٣)

٢ـ صحيح مسلم (١/٣٢٩) رقم (٤٤٥)، و كذا انظر له: صحيح البخاری (٢/٢٨٠) رقم (٨٦٩)، صحيح ابن خزيمة (٣/٩٨) رقم (١٦٩٨)، مؤطا مالك (٢/٢٧٧) رقم (٦٧٧)، مسند أحمد (٦/٢٣٥) رقم (٢٦٠٢٤)، مسند اسحق بن راهويه (٣/١٠٠٨)، رقم (١٧٥١)، مسند السراج (١/٢٦٦) رقم (٨١٧)، مسند الشاميين (١/٢٩٢) رقم (٥١٠)، مسند المؤطا (١/٢٣٦) رقم (٧٩١)، سنن أبي داوٗد (١/٢٢٣) رقم (٥٦٩)، سنن الترمذی (٢/٤٢٠) رقم (٥٤٠)، شرح مشكل الآثار (١٢/٢٩)، المؤطا ـ رواية يحيى الليثی (١/١٩٨) رقم (٤٦٨)، مصنف عبدالرزاق (٣/١٤٩) رقم (٥١١٣)، معرفة السنن والآثار (٤/٤٤٣) رقم (١٦٢٤)، السنن الكبرى (٣/١٣٣) رقم (٥١٥٥)، المعجم الأوسط (٧/٤٨) رقم (٦٨١٣)، حلية الأولياء (٧/٣٣٣)

"صلوة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها، وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها" (١)

(۴) عن أبي عمرو الشيباني أنه رأى ابن مسعودؓ يخرج النساء من المسجد ويقول: اخرجن الٰى بيوتكن خير لكن. (٢)

قول مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

ويكره حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعيد و وعظ مطلقا ولو عجوزا ليلا على المذهب المفتى به لفساد الزمان. (٣)

❷ قال ابن نجيم:

قوله (ولا يحضرن الجماعات) : لقوله تعالٰى ﴿وقرن في بيوتكن﴾ ...... ولأنه لا يومن الفتنة من خروجهن. أطلقه فشمل الشابة والعجوز والصلاة النهارية والليلة. قال المصنف في الكافي: والفتوى اليوم على الكراهة في الصلوة كلها لظهور الفساد. (۴)

❸ في الهندية:

وكره لهن حضور الجماعة إلا للعجوز في الفجر والمغرب والعشاء والفتوى اليوم

١ـ المستدرك للحاكم (١/٣٢٨) رقم (٧٥٧)، وكذا انظر له: سنن أبي داوٗد (١/٢٢٣) رقم (٥٧٠)، صحيح ابن خزيمة (٣/٩٥) رقم (١٦٩٠)، السنن الكبرى (٣/١٣١) رقم (٥١٤٤)، المعجم الكبير (٩/٢٩٥) رقم (٩٥٠٢)، مسند البزار (٥/٤٢٧) رقم (٢٠٦٠)، معرفة السنن والآثار (٤/٤٤٣) رقم (١٦٢٤)، الأوسط لابن المنذر (٦/٣٥٥) رقم (٢٠٥٢)، مجمع الزوائد (٢/٤٥) رقم (٢١٠٩)، الترغيب للمنذرى (١/١٤١) رقم (٥١٥)، جامع الأحاديث (١٣/٤٩٧) رقم (١٣٦٢٦)

قال الحاكم في المستدرك (١/٣٢٨): هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه وقد احتجا جميعا بالمورق بن مشمرخ العجلي. وأقره عليه الذهبي.

قال النووي في خلاصة الأحكام (٢/٦٧٨): رواه أبوداود بإسناد صحيح على شرط مسلم.

٢ـ مصنف عبدالرزاق (٣/١٧٣) رقم (٥٢٠١)، المعجم الكبير (٩/٢٩٤) رقم (٩٤٩٦)، قال الهيثمي في "مجمع الزوائد" (٢/٤٧) رواه الطبراني في الكبير ورجاله موثقون۔

٣ـ الدر المختار (٢/٣٦٧)

٤ـ البحرالرائق (٢/٦٢٧)

على الكراهة في كل الصلوات لظهور الفساد. (1)

❹ قال الزحيلي:

والمذهب المفتي به لدى المتأخرين: أنه يكره للنساء حضور الجماعة ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقا ولو عجوزا ليلًا لفساد الزمان وظهور الفسق. (2)

❺ قال سراج الدين ابن نجيم:

ولا يحضرن الجماعات– وقال بعد تفصيل المسألة:– وأطبق المتأخرون على أن الفتوى على منع الكل في الكل. (3)

❻ كذا في الكتب الأخر. (4)

---

[۱۷] اختلافی مسئلہ

(المسائل الاثنا عشرية)

١. إن رآه (أى المتيممُ الماءَ) بعد ما قعد قدر التشهد

٢. أو كان ماسحا فانقضت مدة مسحه

٣. أو خلع خفيه بعمل قليل

۴. أو كان أميا فتعلم سورة

٥. أو عريانا فوجد ثوبا

٦. أو موميا فقدر على الركوع والسجود

۷. أو تذكر أن عليه صلاة قبل هذه.

١ـ الهندية (١/٨٩)

٢ـ الفقه الإسلامي وأدلته (١١٧٢)

٣ـ النهر الفائق (١/٢٥٠)

٤ـ مجمع الأنهر (١/١٦٥)، التاترخانية (١/٤٥٧)، الاختيار (١/٦٥)، مراقي الفلاح (٣٠٤)، فتح القدير (١/٣٧٦)، العناية (١/٣٧٧)، الكفاية (١/١١٢)، تبيين الحقائق (١/١٣٩)، الجوهرة النيرة (١/١٦٤)، المحيط البرهاني (٢/٢٠٩)، خلاصة الفتاوى (١/١٥٥)، الدر المنتقى (١/١٦٥)، المعتصر على المختصر (١١٩)، اللباب في شرح الكتاب (١/٩٢)

٨. أو احدث الإمامُ القارئُ فلستخلف أميًا

٩. أو طلعت الشمس في صلاة الفجر

١٠. أو دخل وقت العصر في الجمعة

١١. أو كان ماسحا على الجبيرة فسقطت عن برءٍ

١٢. أو كانت مستحاضة فبرأت

بطلت صلوتهم في قول أبي حنيفةؒ وقال أبويوسفؒ و محمدؒ : تمت صلوتهم في هذه المسائل.

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

(١) عن علی عن النبی صلی الله علیه وسلم قال:

"مفتاح الصلوة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم" (١)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ نماز کیلئے خلاف صلاۃ چیزوں کو حلال کرنے والی شئی وہ تسلیم (سلام پھیرنا) ہی ہے اور واضح ہے کہ ان مذکورہ اشیاء میں سے کوئی شئے بھی "تسلیم" نہیں ہے لہٰذا غیر محلل کی وجہ سے نماز بھی باطل ہوگئی۔

(٢) شیخ زحیلی اور علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں کہ یہ مذکورات مغیر فرض ہیں، لہٰذا ان کا نماز کے شروع میں یا آخر میں پیش آنا یکساں ہے۔ (٢)

١۔ سنن الترمذی (١/٨)رقم (٣)، و كذا انظر له: سنن أبي داوٗد (١/٢٣٨) رقم (٦١٨)، سنن إبن ماجه (١/١٠١) رقم (٢٧٥)، سنن الدارقطنی (١/٣٦٠)، سنن الدارمی (١/١٨٦) رقم (٦٨٧)، مسند أحمد (١/١٢٣) رقم (١٠٠٦)، مسند البزار (١/١٢٥) رقم (٦٣٣)، مسند الرویانی (٢/١٨٢) رقم (١٠١١)، مصنف ابن أبي شيبة (١/٢٠٨) رقم (٢٣٧٨)، السنن الصغرى (١/١١٤) رقم (٣٣٧)، المعجم الأوسط (٩/١٠٨) رقم (٩٢٦٧)

قال الترمذي في "سننه" (٢/٣): هذا الحديث أصح شيء في هذا الباب وأحسن.

قال ابن الملقن في "خلاصة البدر المنير" (١/١١١): رواه الشافعي وأحمد والبزار وأبوداود والترمذي وابن ماجه والحاكم والبيهقي من رواية علي كرم الله وجهه قال الترمذي هذا الحديث أصح شيء في الباب وأحسن وقال الحاكم حديث مشهور وقال البغوي حديث حسن وقال الرافعي في شرح المسند حديث ثابت.

قال النووي في "خلاصة الأحكام" (١/٣٤٨): حديث حسن، رواه أبوداود، والترمذي، وآخرون.

٢۔ الفقه الإسلامی وأدلته (١٠٤١)، البحر الرائق (١/٦٥٩)

كنية الاقامة للمسافر واقتداء المسافر المقيم. [1]

(۳) نماز کے باب میں اصول یہ ہے کہ "دورانِ نماز اگر مصلی کو نائب کی بجائے اصل پر قدرت حاصل ہو جائے تو (نائب کے کالعدم ہو جانے کی بناء پر) نماز ختم ہو جاتی ہے۔"

اب واضح ہو کہ یہاں بھی اُکثر مسائل میں ایسے ہی ہوا اور باقی کو طرد اللباب ان کے تابع کر دیا گیا کیونکہ نماز سلام سے ختم ہوتی ہے اور یہ امور قبل از سلام دورانِ نماز ہی پیش آئے ہیں۔ فبطلت الصلاة.

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

بطلت الصلاة في مسائل – ثم عدّ هذه المسائل الاثنى عشرة وقال بعده – فهذه اثنتا عشرة مسئلة في الروايات المشهورة...... فهذه المسائل كلها إذا عرض له واحد منها بعد ما قعد قدر التشهد أو في سجود السهو بطلت صلوته وصلاة من كان خلفه لو كان إماما. [2]

❷ قال الحصكفي:

وفي الشرنبلالية: والأظهر قولهما بالصحة في الاثنى عشرية.

قال ابن عابدين تحت قول الحصكفي المذكور:

أقول: عزا ذلک الشرنبلالي في رسالته إلى البرهان ثم رده بأنه لا وجه لظهوره فضلا عن كونه اظهر، لانه استدل علی ذلک بما ليس فيه دلالة عليه. ثم قال الشرنبلالي بعد ما أطال في رده: ومن المقرر طلب الاحتياط في صحة العبادة لتبرأ ذمة المكلف بها وليس الاحتياط إلا بقول الإمام الأعظم: انها تبطل اهـ. قلت: وعليه المتون (أی علی بطلانها) [3]

❸ قال ابن عابدين (فی آخر البحث المذكور):

ان الاحتياط في صحة العبادات أصل أصيل وليس ذلک إلا بقول الإمام الأعظم انها تبطل فالأخذ بقوله اولٰى لتبرأ ذمة المكلف بيقين. [4]

١ـ التبيين للزيلعی (١/١٥١)

٢ـ الفتاوی الهندية (١/٩٧)

٣ـ الدر المختار مع رد المحتار (٢/٤٣٤)

٤ـ منحة الخالق علی هامش البحر الرائق (١/٦٥٩)

④ كذا في الكتب الأخر (حيث أخر دليله فيها) (١)

⑤ اختار أصحاب المتون قول الإمام وهي أمارة ترجيح له عندهم. (٢)

١ ـ البحر الرائق (١/٦٦٠ـ٦٥٨) وردّ فيه أيضًا على من رجح قولهما مع تأخير دليل الإمام- النهر الفائق(١/٢٦٣)، تبيين الحقائق (١/١٥١)

٢ ـ كنز الدقائق (٣٠)، الوقاية (١/١٨٦)، ملتقى الأبحر (١/١٧٤)، مجمع البحرين (١٢٨)

بابُ النوافِل

[١٨] اختلافی مسئلہ

أما نوافل الليل فقال أبوحنيفةؒ إن صلى ثمانى ركعات بتسليمة واحدة جاز ويكره الزيادة على ذلک وقال أبويوسف ومحمد -رحمهما الله تعالى-: لا يزيد بالليل على ركعتين بتسليمة واحدة.

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

(١) عن هشام عن أبيه عن عائشة (رضى الله عنها) قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى من الليل ثلاث عشرة ركعة يوتر من ذلک بخمس لا يجلس في شئ إلا في اخرها.(١)

(٢) عن سعيد بن جبير عن ابن عباسؓ قال قام (رسول الله صلى الله عليه وسلم) فصلى ركعتين ركعتين حتى صلى ثمانى ركعات ثم أوتر بخمس ولم يجلس بينهن(٢) (أى لم يقعد بينهن للتسليم(٣))

(٣) عن سعد بن هشام قال انطلقت إلى عائشة (رضى الله عنها) فقلت يا أم المومنين! أنبئينى عن وتر رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: كنانعد له سواكه وطهوره فيبعثه الله ما شاء ان يبعثه من الليل فيتسوک ويتوضأ ويصلى تسع ركعات لا يجلس فيها الا في الثامنة فيذكر الله ويحمده ويدعوه ثم ينهض

١۔ صحيح مسلم (١/٥٠٨) رقم (٧٣٧)

٢۔ سنن أبي داوٗد (١/٤٣٢) رقم (١٣٥٨)

سكت عنه أبوداود وقلت: رجاله ثقات إلا عبدالعزيز بن محمد بن عبيد الدراوردى فقد اختلف في توثيقه فلا أقل من أنه لا ينحط مرتبته من "صدوق" كما ترى بعد الفحص التام عنه في كتب الرجال فلذلک حديثه حديث حسن. والله أعلم بالصواب

٣۔ التعليق الحسن على آثار السنن (١٦٢)

ولا يسلم ثم يقوم فيصلي التاسعة ثم يقعد فيذكر الله ويحمده ويدعوه ثم يسلم تسليما يسمعنا اھ (١) ☆

ان روایات سے یہ مضمون واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات میں ایک ہی سلام کے ساتھ آٹھ رکعات پڑھی ہیں۔

آٹھ رکعات پر زیادتی مکروہ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذکورہ زیادتی منقول نہیں ہے۔ (٢)

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ **قال الكاساني:**

أما في النهار فتكره الزيادة على الأربع بتسليمة واحدة وفي الليل لا تكره وله أن يصلى ستا وثمانيا–وقال بعد أسطر– واختلف المشايخ في الزيادة على الثمان بتسليمة واحدة:

قال بعضهم: يكره، لأن الزيادة على هذا لم ترو عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

وقال بعضهم: لا يكره...... والصحيح أنه يكره لما ذكرنا وعليه عامة المشايخ. (٣)

❷ **قال الشرنبلالي:**

وكره الزيادة على أربع بتسليمة في نفل النهار والزيادة على ثمان ليلا بتسليمة واحدة لأنه صلى الله عليه وسلم لم يزد عليه وهذا اختيار أكثر المشايخ (٤)

❸ **قال التمرتاشي والحصكفي:**

وتكره الزيادة على أربع في نفل النهار وعلى ثمان ليلا بتسليمة لأنه لم يرد.

وقال الشامي:

قوله (لأنه لم يرد) أى لم يرد عنه صلى الله عليه وسلم أنه زاد على ذلك والأصل فيه التوقيف كما في فتح القدير أى فما لم يوقف على دليل المشروعية لا يحل فعله بل يكره أى اتفاقا كما في منية المصلى أى من ائمتنا الثلاثة.

١ـ صحيح مسلم (١/٢٥٦)

☆ تنبيه:. فليُلاحظ الإجابة عن الاشكالات الواردة فى الرواياتِ المذكورة من عدد ركعات الوتر وترك القعود على رأس الركعتين وغيرهما بمبحث شاف واف فيما يلى من الكتب القيمة:

فتح الملهم (٢/٢٩٠ـ٢٩٣)، أمانى الأحبار (٤/٢٠٩، ٢١٠، ٢٧٠) بذل المجهود (٢/٣٢٤)

٢ـ الفقه الحنفى في ثوبه الجديد (١/٢٩٨)، فتح القدير (١/٤٦٤)، الكفاية (١/١٣٨)، بدائع (٢/١٤)

٣ـ بدائع الصنائع (٢/١٣،١٤)

٤ـ مراقى الفلاح (٣٩٢)

نعم وقع الاختلاف بين المشايخ المتأخرين في الزيادة على الثمانية ليلا فقال بعضهم: لا يكره وإليه ذهب شمس الائمة السرخسى وصححه في الخلاصة وصحح في البدائع الكراهة قال: وعليه عامة المشايخ. (١)

وقال الرافعي:

قوله (لا يحل فعله بل يكره الخ) بما قاله في المنية من الاتفاق على الكراهة بين ائمتنا الثلاثة يعلم ضعف تصحيح السرخسى. (٢)

❹ في الهندية:

كره الزيادة على أربع في نوافل النهار وعلى ثمان ليلا بتسليمة واحدة. (٣)

❺ قال ابن نجيم:

قوله (وكره الزيادة على أربع في نفل النهار وعلى ثمان ليلا) أى بتسليمة...... واختلف المشايخ في الزيادة على الثماني بتسليمة واحدة-إلى أن قال- والصحيح أنه يكره لانه لم يرو عن النبى صلى الله عليه وسلم (٤)

❻ قال ابن العلاء الهندى:

أما الكراهة فالزيادة على ثمان في صلاة الليل بتسليمة والزيادة على أربع في صلاة النهار بتسليمة مكروهة لأن السنة في صلاة الليل وردت إلى ثمان وفي صلاة النهار إلى أربع. (٥)

❼ كذا في الكتب الأخر (٦)

١ـ الدر المختار مع ردالمحتار (٢/٥٥٠، ٥٥١)

٢ـ تقريرات الرافعى -في أسفل الصفحة من الرد- (٢/٥٥١)

٣ـ الفتاوى الهندية (١/١١٣)

٤ـ البحر الرائق (٢/٩٣)

٥ـ التاتارخانية (١/٤٦٥)

٦ـ مجمع الأنهر (١/١٩٥، ١٩٦)، النهر الفائق (١/٢٩٧)، المحيط البرهانى (٢/١٥٧)، غنية المستملى (٣٣٩)، ملتقى الأبحر (١/١٩٥)، اللباب في شرح الكتاب (١/١٠٠)، الجامع الصغير للكنوى (١/٧٦)، تحفة الملوك (١/٧٨)، الفقه الحنفى في ثوبه الجديد (١/٢٩٨) ، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/١٨)

[١٩] اختلافی مسئلہ

إن صلى أربع ركعات وقعد في الأوليين ثم أفسد الأخريين قضى ركعتين (عند أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالى (١)) وقال أبو يوسف: يقضي اربعًا.

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتیٰ بہ کا مستدل:

عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال النبی صلی الله علیه وسلم: "صلاة الليل والنهار مثنی مثنی" (٢)

١ـ مجمع الأنهر (١/١٩٨)

٢ـ صحيح ابن حبان (٦/٢٤١) رقم (٢٤٩٤)،وكذا انظر له: صحيح ابن خزيمة (٢/٢١٤) رقم (١٢١٠)، مسند أحمد بن حنبل (٢/٢٦) رقم (٤٧٩١)، مسند الطيالسي (١/٢٦١) رقم (١٩٣٢)، سنن أبي داوٗد (١/٤٩٨) رقم (١٢٩٧)، سنن النسائي (٣/٢٢٧) رقم(١٦٦٦)، سنن الترمذی (٢/٤٩١) رقم (٥٩٧)، سنن إبن ماجه (١/٤١٩) رقم (١٣٢٢)، سنن الدار قطنی (٤/٢٣١) رقم(١٥٦٦)، سنن الدارمی (١/٤٠٤)رقم (١٤٥٨)، شرح معانی الآثار (١/٣٣٤) رقم (١٨١٣)، السنن الصغری (١/٢٥٨) رقم (٨١٤)، السنن الکبری (٢/٤٨٧) رقم (٤٧٥٥)، المعجم الصغير (١/٥١) رقم (٤٧)، المعجم الأوسط (١/٣١) رقم (٧٩)، المعجم الكبير (١١/١٤٦)، المنتقى لابن الجارود (١/٧٩) رقم (٢٧٨)، معرفة السنن والآثار (٤/١٩٢) رقم (١٤٣١)، موارد الظمآن (١/١٦٦)، الأوسط لابن المنذر (٨/٣٠١) رقم (٢٧٠٥)

هذا حديث صحيح متنا وسندا (وإعلاله من البعض لا يقدح، كما ترى فيما يلي):

قال النووي في "خلاصة الأحكام" (١/٥٥٣):

وفي رواية أبی داود: "صلاة الليل والنهار مثنی مثنی" وإسنادها صحيح -وقال بعده بعدّة صفحات في (١/٦٠٣):- سبق فيه حديث ابن عمر: "صلاة الليل والنهار مثنی مثنی" وهو صحيح.

قال ابن الملقن في "تحفة المحتاج إلى أدلة المنهاج" (١/٤٢٦) ==

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ نفل نماز (دن کی ہو خواہ رات کی) کا ہر شفع (یعنی دو رکعت) اپنی الگ حیثیت سے ایک مستقل نماز ہے۔ اور یہاں تیسری رکعت کی طرف قیام نئی تحریمہ کے قائم مقام ہے لہٰذا متنفل کو یہ شفع شروع کرنے کی بدولت لازم ہو جائے گا اور اس شفع ثانی کا فساد شفع اول کے فساد کا موجب نہیں ہے کیونکہ شفعِ اول، قعود سے تام ہو چکا ہے لہٰذا اس کو (شفع ثانی میں صحتِ شروع کے متحقق ہونے کی بناء پر) صرف اسی شفعِ ثانی کی قضا لازم ہوگی۔ (۱)

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي و الحصكفي:

وقضى ركعتين لو نوى أربعا ونقض في خلال الشفع الأول أو الثاني أى وتشهد للاوّل وإلا لفسد الكل اتفاقا.

وقال ابن عابدين:

قوله (وقضى ركعتين) هو ظاهر الرواية وصحح في الخلاصة رجوع أبي يوسف عن قوله.

أولًا: بقضاء الأربع، إلى قولهما فهو باتفاقهم لأن الوجوب بسبب الشروع لم يثبت وضعا بل لصيانة المؤدى وهو حاصل بتمام الركعتين فلا تلزم الزيادة بلا ضرورة. (۲)

== رواه الأربعة وصححه البخاري والخطابي وابن خزيمة وابن حبان والبيهقي والحاكم وقال رواته كلهم ثقات ولا أعرف له علة وخالف النسائي فأعله.

بيان المرام مع دفع الأوهام:

قال المناوي في "فيض القدير" (٤/٢٢١):

قال الهيثمي: حديث صحيح رواته كلهم ثقات وقول الدار قطني "ذكر النهار مزيد على الروايات فهو وهم من البارقي" ممنوع؛ لأنه ثقة احتج به مسلم وزيادة الثقة مقبولة.

قال العسقلاني في "التلخيص الحبير" (٢/٥٦):

صححه ابن خزيمة وابن حبان والحاكم في المستدرك وقال رواته ثقات وقال الدارقطني في العلل ذكر النهار فيه وهم. وقال الخطابي -أى في معالم السنن (١:٢٤٣) -روى هذا الحديث طاوس ونافع وغيرهما عن ابن عمر فلم يذكر أحد فيه النهار وإنما هو "صلاة الليل مثنى مثنى" إلا أن سبيل الزيادة من الثقة أن تقبل.

وقال البيهقي: هذا حديث صحيح، وعليٌّ -قلت: هو على بن عبدالله- البارقيّ احتج به مسلم والزيادة من الثقة مقبولة. وكذا في "بذل المجهود" (٢:٢٧٤).

۱۔ تبيين الحقائق (١/١٧٤)، الجوهرة النيرة (١/١٩٢)، الهداية مع العناية (١/٤٧٣)، اللباب في شرح الكتاب (١/١٠١)

۲۔ رد المحتار (٢/٥٧٧)

❷ قال ابن نجيم:

قوله (وقضى ركعتين لونوى أربعا وأفسده بعد العقود الأول أو قبله) يعنى فيلزمه الشفع الثانى إن أفسده بعد القعود الأول والشروع في الثاني ، والشفع الأول فقط إن أفسده قبل القعود بناء على أنه لا يلزمه بتحريمة النفل أكثر من الركعتين وإن نوى أكثر منهما وهو ظاهر الرواية عن أصحابنا إلا بعارض الاقتداء. (١)

❸ في الهندية:

قضى ركعتين لو نوى أربعا وأفسده بعد القعود الأول أو قبله (٢)

❹ قال الحصكفي:

ولو نوى أربعا وأفسد بعد القعود الأول يعنى بعد ما قام إلى الثالثة أو قبله قضى ركعتين لما مر وقال أبويوسفؒ : يقضى أربعا لو أفسد قبله اعتبارًا للشروع بالنذر، والأصح رجوعه إلى قولهما كما في الخلاصة وغيرها، (٣)

❺ قال برهان الدين:

وكل ركعتين أفسدهما فعليه قضاؤهما دونما قبلهما لما مر أن كل شفع صلاة على حدة فلا يفسد الشفع الأول لفساد الشفع الثاني. (٤)

❻ كذافي الكتب الأخر. (٥)

---

١ ـ البحر الرائق (٢/١٠٤)

٢ ـ الهندية: (١/١١٤)

٣ ـ الدر المنتقى (١/١٩٨)

٤ ـ المحيط البرهانى (٢/١٤٦)

٥ ـ االنهر الفائق (١/٣٠١)، الفقه الإسلامى للزحيلى (١٠٦٨)، ملتقى الأبحر (١/١٩٨)

[٢٠] اختلافی مسئلہ

إن افتتحها (أی النافلة) قائما ثم قعد جاز عند أبي حنيفة –رحمه الله تعالى– وقالا –رحمهما الله–: لا يجوز إلا من عذر.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

(١) **عن ابن عمر قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي على حمار وهو موجه إلى خيبر.** [١]

وفي رواية جابر: "يصلي (صلى الله عليه وسلم) وهو على راحلته النوافل في كل جهة ولكن يخفض السجدتين من الركعة يومي إيماء. [٢]

روایاتِ بالا سے معلوم ہوا کہ نفل نماز میں "قیام" رکن نہیں ہے کما هو مسلّم عند الفقهاء ومصرح في كتبهم [٣]، لہٰذا نفل نماز میں قیام نہ کرے یا قیام کرکے ترک کردے، دونوں طرح جائز ہے۔

(٢) متنفل کو ابتداءِ صلاۃ میں قیام وقعود ہر دو کا اختیار ہوتا ہے اور یہ اختیار انتہاءِ صلاۃ تک باقی رہتا ہے کیونکہ انتہاء کا حکم، ابتداء کے حکم سے اسہل ہوتا ہے جیسا کہ حدث کے باب میں یہ مسئلہ معروف ہے کہ حدث، نماز شروع کرنے کے لئے مانع ہے مگر بقاءِ صلاۃ کیلئے مانع نہیں ہے۔

چنانچہ جب نفل کی ابتداء بالقعود جائز ہے تو بقاء بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگی فافہم۔ [٤]

١ـ صحيح مسلم (١/٤٨٦) رقم (٧٠٠)، وكذا انظر له: صحيح ابن حبان (٦/٢٦١) رقم (٢٥١٥)، صحيح ابن خزيمة (٢/٢٥٢) رقم (١٢٦٨)، سنن أبي داوٗد (١/٤٧٣) رقم (١٢٢٨)، سنن النسائي (٢/٦٠) رقم (٧٤٠)، مسند أحمد بن حنبل (٢/٤٩) رقم (٥٠٩٩)، مسند الطيالسي (٣/٣٩٧) رقم (١٩٨٥)، مسند المؤطا (١/١٨٠) رقم (٦٠١)، مسند أبي يعلى (١٠/٣٥) رقم (٥٦٦٤)، المعجم الكبير (١٢/٣٣٥) رقم (١٣٢٧٧)، مصنف ابن أبي شيبة (٢/١٣٦) رقم (٨٥٠٦)، السنن الكبرى (٢/٤) رقم (٢٠٣٨)، السنن الماثورة (١/٨٥) رقم (٧٥)، معرفة السنن والآثار (٢/٣٧٢) رقم (٧٢٩)

٢ـ المنتقى لابن الجارود (١/٦٧) رقم (٢٢٨)

٣ـ التبيين للزيلعي (١/١٧٦)، اللباب في شرح الكتاب (١/١٠١) وغير ذالك من الكتب

٤ـ المحيط البرهاني (٢/١٤٧ و ٢٧٤)

(۳) عن عائشة اُم المومنين رضى الله عنها:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي جالسا فيقرأ وهو جالس فإذا بقي من قراء ته نحو من ثلاثين أو اربعين آية قام فقرأها وهو قائم ثم يركع ثم سجد يفعل في الركعة الثانية مثل ذلک.[1]

بعض فقہاء نے اس حدیث سے بھی بطریقِ ذیل استیناس کیا ہے:

''حدیث مذکورہ میں ہے کہ نفل کے دوران ایک ہی نماز کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نماز کھڑے ہو کر پڑھی اور کچھ بیٹھ کر، لہٰذا نفل نماز کے اندر دونوں طرح (قعود بعد القیام اور قیام بعد القعود) کرسکتا ہے۔''

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال الشرنبلالی:

وجاز إتمامه قاعدا بعد اختتامه قائما بلا كراهة على الأصح لأن البقاء أسهل من الابتداء وابتداء ه جالسا لا يكره فالبقاء أولى وكان صلى الله عليه وسلم يفتتح التطوع ثم ينتقل من القيام إلى القعود ومن القعود إلى القيام.[2]

❷ قال التمرتاشي والحصكفي:

ويتنفل مع قدرته على القيام قاعدا لا مضطجعا إلا بعذر ابتداءً وكذا بناءً بعد الشروع بلا كراهة في الأصح كعكسه.

قال الشامي:

قال في الخزائن: ومعنى البناء أن يشرع قائما ثم يقعد في الأولى أو الثانية بلاعذر استحسانا خلافا لهما[3] (وكون القول من الاستحسان أمارة ترجيحه كما هو مقرر لدى المفتين إلا في احدى عشرة مسألة وهي ليست منها.)

۱۔ صحيح البخارى (۱/۳۷۶) رقم (۱۰۶۸)، وكذا انظر له: صحيح مسلم (۱/۵۰۵) رقم (۷۳۱)، سنن أبي داوٗد (۱/۳۶۰) رقم (۹۵۵)، مؤطا مالك (۲/۱۹۰) رقم (٤٥٦)، السنن الكبرى (۲/٤۹۰) رقم (٤۳٦۷)، سنن الترمذى (۲/۲۱۳) رقم (۳۷٤)، معرفة السنن والآثار (٤/۲۰۰) رقم (۱٤۳۷)، مسند أحمد (٦/۱۷۸) رقم (۲٥٤۸۸)، مسند الموطا (۱/۱٤٤) رقم (٤٦۰)، المسند المستخرج على صحيح الإمام مسلم (۲/۳۲۷) رقم (۱٦٥۷)، الموطا- رواية يحيٰى الليثى (۱/۱۳۸) رقم (۳۱۱)، السنن الماثورة (۱/۲۸) رقم (۲٥)

۲۔ مراقى الفلاح (٤۰٤)

۲۔ الدر المختار مع رد المحتار (۲/٥۸٤، ٥۸٥)

❸ قال الزحيلي:

ويجوز للقادر على القيام إتمام نفله قاعدا بعد افتتاحه قائما بلا كراهة على الأصح. [1]

❹ في الهندية:

وإذا افتتح التطوع ثم أراد أن يقعد من غير عذر فله ذلك عند أبي حنيفةؒ استحسانا كذا في المحيط. [2]

❺ (٥) قال ابن نجيم:

قوله (ويتنفل قاعدا مع قدرته على القيام ابتداء وبناء)

وأما قوله "وبناء" بأن شرع فيه قائما ثم قعد من غير عذر فهو قول أبي حنيفةؒ وهذا استحسان وعندهما لا يجزئه وهو قياس [3] (وقد مر أن الاستحسان مقدم على القياس الا في مسائل معدودة وهي ليست منها)

❻...... كذا في الكتب الأخر. [4]

١ـ الفقه الإسلامي وأدلته (١٠٦٩)

٢ـ الفتاوى الهندية (١/١١٤)

٣ـ البحرالرائق (٢/١١٠، ١١١)

٤ـ خلاصة الفتاوى (١/١٩١)، الفتاوى التاترخانية (١/٤٦١)، مجمع الأنهر (١/٢٠١)، النهر الفائق (١/٣٠٤)، المحيط البرهانى (٢/١٤٦)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٣٢، ٨٧، ٨٨)، ملتقى الأبحر (١/٢٠١)، اللباب في شرح الكتاب (١/١٠١)، الجوهرة النيرة (١/١٩٥)

بابُ صلاةِ المسافِر

[۲۱]مسئلہ

إذا نوى المسافر أن يقيم بمكة ومنى خمسة عشر يوما لم يتم الصلوة.

ملاحظہ:

پہلے دور میں مذکورہ بالا مسئلہ ہی مختار ومعمول بہا تھا اور عصرِ حاضر میں اس مسئلہ کے اندر ہمارے مشائخ واکابر دو طرف گئے ہیں، جس کا اجمال یہ ہے:

مذہبِ اول:

بعض مشائخ کے نزدیک زمانۂ قدیم کی طرح اب بھی مکہ مکرمہ اور منیٰ دو مستقل مقام ہیں لہٰذا مسئلہ اپنی سابقہ صورت پر برقرار رہے گا یعنی صورتِ بالا میں قصر کا حکم ہوگا۔

مذہبِ ثانی:

بعض دیگر مشائخ کے نزدیک دورِ حاضر میں دونوں مقامات اتصالِ آبادی کے سبب موضعِ واحد کی شکل اختیار کر چکے ہیں اور منیٰ، مکہ مکرمہ ہی کا ایک محلّہ وحصہ بن گیا ہے لہٰذا ان دونوں میں پندرہ روز اقامت کا حکم، موضعِ واحد میں اقامت کا حکم شمار ہوگا چنانچہ فی زماننا صورتِ بالا میں اِتمام کا حکم ہوگا۔(۱)

۱۔ يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

مازالت المسألة المذكورة بحثا مهما إلى مدة مديدة عند أصحاب الإفتاء من مشايخنا الحنفية في ديارنا ديار الباكستان فبها سافروا إلى الأرض المقدسة والبقعة المباركة- مكة المكرمة زادها الله شرفا وعزا- وشاهدوا بأعينهم من جهة النفقة، كلا المقامين (منى ومكة المكرمة) ولهٰذا الموضوع عقد المؤتمر الفقهى مرتين في "كراتشي" (مدينة بباكستان) في عام ۱٤۲۸هج /الموافق ۲۰۰۷م ودُعِيَ فيه المشايخ الكبار من المفتين من أنحاء البلد ولكن ما وقع الاتحاد منهم على رأى واحد ومذهب متفق عليه حتى بعد أنفضاض المؤتمر كل مرة، فذهب بعضهم إلى القول بالقصر كما كان الأمر في الأزمنة السالفة والبعض منهم إلى القول بالإتمام في هذه الصورة لتغير الزمان، ولذى كل منهما دلائل مبسوطة لما ذهب إليه، وطالعها العبد الضعيف مستوعبا فللّٰه الحمد ومنه التوفيق.

[۲۲] اختلافی مسئلہ

وتجوز الصلاة في سفينة قاعدا على كل حال عند أبي حنيفة وعندهما، لا تجوز إلا بعذر.

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

(۱) عن عمران بن حُصين –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال (لمّا سأله عن الصلاة): "صل قائما فإن لم تستطع فقاعدا" [۱]

یہ حدیث صلاۃ کے باب میں قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتی ہے لہٰذا کشتی کے مسافر کو جب کوئی عذر نہیں ہے اور وہ قیام کی استطاعت بھی رکھتا ہے تو اس حدیث کی رُو سے اس کیلئے بیٹھ کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ [۲]

(۲) عن ابن عمر قال: سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الصلاة في السفينة؟ فقال: كيف اصلي في السفينة؟، قال: "صل فيها قائما إلا أن تخاف الغرق" [۳]

۱۔ صحيح البخاري (۲/۵٦۱) رقم (۱۱۱۷)، وكذا انظر له: سنن أبي داوٗد (۱/۳٦۰)، رقم (۹۵۳)، سنن الترمذي (۲/۲۰۸)، رقم(۳۷۲)، مسند أحمد (٤/٤۲٦) رقم (۱۹۸۳۲)، سنن إبن ماجه (۱/۳۸٦) رقم (۱۲۲۳)، سنن الدارقطني (۱/۳۸۰) رقم (۱٤٤۰)، السنن الصغرى (۱/۱۹۸) رقم (۵۸٦)، السنن الكبرى (۲/۳۰٤) رقم (۳٤۷۳)، مسند الروياني (۱/۱۳۸) رقم (۱٤۵)، المنتقى لابن الجارود (۱/٦۷) رقم (۲۳۱)

۲۔ مستفاد من البدائع للكاساني (۱/۲۹۲)

۳۔ المستدرك على الصحيحين للحاكم (۱/٤۰۹) رقم (۱۰۱۹)، وكذا انظر له: السنن الكبرى للبيهقي (۳/۱۵۵) رقم (۵٦۹۸)، معرفة السنن والآثار للبيهقي (٤/٤۹۵) رقم (۱٦٦۷)، سنن الدارقطني (۱/۳۹۵) رقم (۱٤۹۰)، مسند البزار (۱/۲۳۱) رقم (۱۳۲۷)

هو حديث حسن، كما في خلاصة الأحكام للنووي (۱/۳٤۲)، وقال الشوكاني في "نيل الأوطار" (۳/۲٤٤): رواه الدار قطني وأبو عبدالله الحاكم على شرط الصحيحين. وقال البيهقي في "مختصر الخلافيات" (۲/۲۰۰): رواته ثقات۔ وفي "سننه الكبرى" (۳/۱۵۵): حديث أبي نعيم الفضل بن دكين –أي هذا الحديث حسن–

(٣) عن إبراهيم (النخعى) قال:

تصلى في السفينة قائما فإن لم تستطع فقاعدا تتبع القبلة حيثما مالت. [١]

(٤) عن ابن عباس قال:

كان جعفرؓ بن أبي طالب وأصحابه حين خرجوا إلى الحبشة يصلون في السفينة قياما. [٢]

(٥) عن عطاء قال:

يصلون في السفينة قياما إلا أن يخافوا أن يغرقوا فيصلون جلوسا يتبعون القبلة حيثما زالت. [٣]

(٦) عن الشعبى قال يصلى في السفينة قائما. [٤]

(٧) عن سعيد بن المسيب أنه قال:

"يصلى في السفينة قائما فإن لم يستطع فقاعدا" [٥]

(٨) عن إبراهيم (النخعى) قال: صل في السفينة قائما. [٦]

(٩) عن الشعبي قال: صل فيها قائما. [٧]

(١٠) سئل أنس بن مالكؓ عن الصلاة في السفينة فقال عبدالله بن أبي عتبة مولى أنس وهو معنا في المجلس سافرت مع أبي الدرداء وأبى سعيد الخدرى وجابر بن عبدالله يصلى بنا إماما قائما في السفينة ونصلى خلفه قياما ولو شئنا لخرجنا [٨]

(١١) قیام رکن ہے جسے بلاعذر ترک نہیں کیا جاسکتا۔ [٩]

١ـ مصنف عبدالرزاق (٢/٥٨١) رقم (٤٥٥٢)، مصنف ابن أبي شيبة (٢/٦٩) رقم (٦٥٧١)

٢ـ السنن الكبرى (٣/١٥٥) رقم (٥٢٧٩)، سكت عنه ابن التركمانى

٣ـ مصنف عبدالرزاق (٢/٥٨١) رقم (٤٥٤٩)

٤ـ المرجع السابق (٢/٥٨٢) رقم (٤٥٥٨)

٥ـ مصنف ابن أبي شيبة (٢/٦٩) رقم (٦٥٦٨)

٦ـ مصنف ابن أبي شيبة (٢/٦٩) رقم (٦٥٧٠)

٧ـ المرجع السابق (٢/٦٩) رقم (٦٥٦٩)

٨ـ السنن الكبرى (٣/١٥٥) رقم (٥٢٨٠)

٩ـ بدائع الصنائع (١/٢٩٢)، تحفة الفقهاء (١/١٥٦)، النافع الكبير على الجامع الصغير (١/١٠٧)

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

صلى الفرض في فلك جار قاعدا بلا عذر صح لغلبة العجز وأساء وقالا: لا يصح إلا بعذر وهو الأظهر.

وقال ابن عابدين:

قوله (وهو الأظهر) وفي الحلية بعد سوق الأدلة: والأظهر أن قولهما أشبه فلا جرم أن في الحاوى القدسي. وبه ناخذ. [1]

❷ قال الشرنبلالي: وقالا: لا تصح جالسا إلا من عذر وهو الأظهر. [2]

❸ قال الحصكفي: ولو صلى في فلك جار قاعدا بلا عذر صح خلافا لهما فلا يجوز عندهما إلا بعذر قال في البرهان: وهو الأظهر [3]

❹ قال الزحيلي: تجوز صلاة الفريضة في السفينة والطائرة والسيارة قاعدا ولو بلاعذر عند أبي حنيفةؒ ولكن يشترط الركوع والسجود وقال الصاحبان: لا تصح إلا لعذور وهو الأظهر. [4]

❺ قال ملا على القارى: صلى قاعدا في فلك جار بلاعذر صح عند أبي حنيفةؒ وقالا: لا يصح إلا من عذر كغير الجارى وهو الأظهر [5]

١ـ فتاوى الشامى (٢/ ٦٩٠)

٢ـ مراقى الفلاح (٤٠٩)

٣ـ الدر المنتقى (١/ ٢٣٠)

٤ـ الفقه الإسلامى وأدلته (١٠٧٠)

٥ـ شرح النقاية (١/ ٢٧٧)

بابُ صلاة الجُمُعَة

[۲۳] اختلافی مسئلہ

إن اقتصر على ذكر الله تعالىٰ (فى الخطبة) جاز عند أبى حنيفةؒ وقالا: لا بد من ذكر طويل يسمّى خطبة.

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

توضیح الفتویٰ:

واضح رہے کہ یہ فتویٰ نفسِ جواز کے اعتبار سے ہے ورنہ مسنون یہی ہے کہ خطبہ کسی قدر طویل ہو، کیونکہ امام صاحب کے قول کے موافق اس قدر مختصر خطبہ جائز تو ہے مگر ترکِ سنت کی بدولت مکروہ تنزیہی ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

(۱) قوله تعالى ﴿فاسعوا الى ذكر الله﴾ (۱)

اللہ تعالیٰ کا یہ قول مطلق ہے۔ اس میں ''ذکر'' (جس سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک خطبہ ہے (۲)) کی کوئی تفصیل نہیں بیان کی گئی اس لئے محض ذکرِ قلیل (ایک مرتبہ تسبیح یا تہلیل وغیرہ) پر اکتفاء بھی کافی ہے۔ (۳)

۱۔ الجمعة (۹)

۲۔ في التفسير الكبير للرازى (۹/۳۰) وقوله "الى ذكر الله": الذكر هو الخطبة عند الأكثر من أهل التفسير وقيل هو الصلاة.

وفى تفسير النسفى "مدارك التنزيل" (۲٤٦/٤): إلى ذكر الله أى إلى الخطبة عند الجمهور.

وكذا في التفاسير التالية ان المراد به الخطبة:

تفسير الطبرى (۳۸٤/۲۳)، تفسير البيضاوى (۳۳۹/۵)، البحر المحيط (۲٦٥/۸)، أضواء البيان (۱٦۸/۸)، تفسير الثعالبى (۳۰۰/٤)، المحرر الوجيز (۲۸۳/۵)، بحر العلوم (٤۲٦/۳)

۳۔ فتح الرحمن في اثبات مذهب النعمان (۱۱۷/۳)، الموسوعة الفقهية (۱۷۷/۱۹)، الفقه الحنفى وأدلته (۲۵۹/۱)، الفقه الإسلامى وأدلته (۱۳۰٤)، الدين الخالص (۱۹۰/۱)، كشف الحقائق (۸۱/۱)

(۲) عن الحكم بن حزن الكلفي رضي الله عنه أنه قال (في حديث طويل):

فقام (رسول الله صلى الله عليه وسلم) متوكئًا على عصا أو قوس فحمد الله وأثنى عليه كلمات خفيفات طيبات مباركات. (۱)

(۳) عن عدى بن حاتم أن رجلا خطب عند النبي صلى الله عليه وسلم فقال: "من يطع الله ورسوله فقد رشد ومن يعصهما فقد غوى"

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "بئس الخطيب أنت" (۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو محض اس قدر قلیل کلام پر "خطیب" کہا ہے فدل على أنه يكفي قدر قليل من الكلام في الخطبة۔ (۳)

(۴) عن البراء بن عازب رضى الله عنه قال:

جاء أعرابي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! علّمني شيئا يدخلني الجنة فقال: "لئن أقصرت الخطبة لقد أعرضت المسألة ا ه" (۴)

١ـ سنن أبي داوٗد (١/٤٢٨) رقم (١٠٩٨)، وكذا انظر له: مسند أحمد بن حنبل (٤/٢١٢) رقم (١٧٨٨٩)، المعجم الكبير للطبراني (٣/٢١٣) رقم (٣١٦٦)، معرفة السنن والآثار للبيهقي (٥/١١١) رقم (١٧٦١)، السنن الصغرى (١/٢١١) رقم (٦٢٥)، السنن الكبرى (٣/٢٠٦) رقم (٥٥٤١)، الطبقات الكبرى لابن سعد (٥/٥١٦)

قال النيموي في "آثار السنن" (٢٥٠): رواه أحمد وأبوداود وإسناده حسن.

قال ابن الملقن في "البدر المنير" (٤/٦٣٣): رواه أبوداود في "سننه" ولم يضعفه فهو حسن عنده.

قال النووي في "خلاصة الأحكام" (٢/٧٩٧): رواه أبوداود وغيره، بأسانيد حسنة.

قال الأمير الصنعاني في "سبل السلام" (١/٤١٨): وإسناده حسن وصححه ابن السكن.

٢ـ صحيح مسلم (٢/٥٩٤) رقم (٨٧٠)، وكذا انظر له: مسند أحمد (٤/٢٥٦) رقم (١٨٢٧٣)، سنن أبي داود (١/٤٢٩) رقم (١١٠١)، سنن النسائي (٦/٩٠) رقم (٣٢٧٩)، شهرح مشكل الآثار (٨/١١٣)، السنن الكبرى (٣/٢١٦) رقم (٥٦٠٠)، معرفة السنن والآثار (٥/١٢٩) رقم (١٧٧٥)، مصنف ابن أبي شيبة (٦/٧٤) رقم (٢٩٥٧٤)، شعب الإيمان (٤/٣١٣) رقم (٥٢٢٣)

٣ـ "فتح القدير" (٢/٥٨) الفقه النافع (١/٢٧٦)

٤ـ المستدرك على الصحيحين للحاكم(٢/٢٣٦) رقم (٢٨٦١)، وكذا انظر له: صحيح ابن حبان (٢/٩٧) رقم (٣٧٤)، مسند أحمد بن حنبل (٤/٢٩٩) رقم (١٨٦٧٠)، مسند الطيالسي (١/١٠٠) رقم (٧٣٩)، شرح مشكل الآثار (٧/٢٠)، سنن الدار قطني (٢/١٣٥)

قال الحاكم في "المستدرك" (٢/٢٣٦): هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه، ووافقه الذهبي. ==

یہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قدر قصیر پر خطبہ کا اطلاق فرمایا ہے یعنی خطبہ کی مقدار اگر قصیر و مختصر بھی ہو تو اس کو بھی خطبہ کہنا جائز و درست ہے۔[1]

(۵) عن الشعبی قال: یخطب یوم الجمعة ما قل أو کثر.[2]

(٦) علامہ سغدیؒ نے از جہت المعقولات عجب طریق سے مندرجہ ذیل دو طرز پر استدلال کیا ہے:

(أ) لفظ "خطبہ" خطاب سے مشتق ہے اور کسی آدمی کے ساتھ محض ایک لفظ بولنے سے بھی "خطاب" کا تحقق ہو جاتا ہے۔

(ب) خطبہ سے مراد اور مقصود وعظ و نصیحت ہے اور بعض دفعہ ایک کلمہ ہی وعظِ بلیغ پر مشتمل ہوتا ہے۔[3]

مندرجہ بالا روایات وغیرہ سے مختصر خطبہ کا جواز معلوم ہوا اور ذیل میں آنے والی روایات صیغۂ استمرار کی بدولت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مسنون خطبے کا پتہ بتلاتی ہیں:

۱ – عن جابر بن سمرة قال:

کنت أُصلی مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فکانت صلاته قصدا وخطبته قصدا.[4]

۲ – وفي روایته الأخریٰ:

کان النبی صلی الله علیه وسلم یجلس بین الخطبتین یوم الجمعة ویخطب قائما وکانت صلوته قصدا وخطبته قصدا ویقرأ آیات من القرآن علی المنبر.[5]

== قال الهیثمی في "مجمع الزوائد" (٤/٢٧٨): رجاله ثقات.

قلت: -القائل العبد الضعیف-: واعتمد الحافظ فیه علی تصحیح ابن حبان، حیث قال في "الفتح" (١٤/١٠٩) -بعد أن أورده- : صححه ابن حبان.

١ـ الاختیار لأبی الفضل الموصلی (١/٨٨)

٢ـ مصنف عبدالرزاق (٣/٢٢٢) رقم (٥٤١٢)

٣ـ النتف في الفتاوی (١/٩٣)

٤ـ صحیح مسلم (٣/١١) رقم (٢٠٤٠)، وکذا انظر له: صحیح ابن حبان (٧/٤١) رقم (٢٨٠٢)، المسند المستخرج علی مسلم (٢/٤٥٤) رقم (١٩٤٩)، السنن الکبری (٣/٢٠٧) رقم (٥٥٥١)، المعجم الکبیر للطبرانی (٢/٢٣٦) رقم (١٩٨٥)، سنن النسائی (٣/١٩١) رقم (١٥٨٢)

٥ـ مسند أحمد بن حنبل (٥/٩٣) رقم (٢٠٩٠٨)، المعجم الکبیر (٢/٢١٦) رقم (١٨٨٥)، مسند الصحابة في الکتب الستة (٣٥/٧٩)، مصنف عبدالرزاق (٣/١٨٧) رقم (٥٢٥٦)

قال المحقق "شعیب الأرنؤوط" في تعلیقه علی مسند أحمد: صحیح لغیره وهذا إسناد حسن من أجل سماك.

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال الشرنبلالي:

وصح الاقتصار في الخطبة على ذكر خالص لله تعالىٰ نحو تسبيحة، أو تحميدة أو تهليلة أو تكبيرة لكن مع الكراهة لترك السنة عند الإمام.

قال الطحطاوی:

قوله (لكن مع الكراهة) أی التنزيهية لقوله: لترك السنة [1]

❷ قال التمرتاشي والحصكفي:

وكفت تحميدة أو تهليلة أو تسبيحة للخطبة المفروضة مع الكراهة.

قال الشامي:

قوله (مع الكراهة) ظاهر القهستاني أنها تنزيهية، تأمل [2]

❸ في الهندية:

الخطبة تشتمل على فرض وسنة، فالفرض شيئان: الوقت..... والثاني: ذكر الله تعالى كذا في البحر الرائق وكفت تحميدة أو تهليلة أو تسبيحة كذا في المتون. [3]

❹ قال الحلبي:

وفرض الخطبة تسبيحة أو نحوهما وعندهما لابد من ذكر طويل يسمى خطبة [4]

(فالقول المقدم فيه هو الراجح كما لا يخفى)

❺ كذا في الكتب الأخر [5]

❻ إنما اختار أصحاب المتون الأربعة المعتبرة قول أبي حنيفة لا غير وهو من أمارات الترجيح لقوله أيضًا:

١ – قال الموصلي: وإن اقتصر على ذكر الله تعالى جاز [6]

---

١ ـ حاشية الطحطاوی على المراقی (٥١٣)

٢ ـ رد المحتار على الدر المختار (٢٢/٣)

٣ ـ الفتاوى الهندية (١٤٦/١)

٤ ـ ملتقى الأبحر (٢٤٩/١)

٥ ـ البحر الرائق (٢٦١/٢)، بدائع الصنائع (٥٩٠/١)، حيث اكتفى بذكر دليل قول الإمام وأهمل دليلهما وهذا يدل على ترجيح قوله كما هو الظاهر، "فتح القدير" (٥٨/٢)، تفصيل الكلام يدل على تقوية مذهب أبي حنيفة

٦ ـ المختار للفتوى (٨٨/١)

٢- قال ابن الساعاتي: والاقتصار على ذكر الله مجزئ (١)

٣- قال النسفي: وكفت تحميدة أو تهليلة أو تسبيحة (٢)

٤- قال المحبوبي: والخطبة نحو تسبيحة قبلها في وقتها (٣)

[٢٤] اختلافی مسئلہ

ومن شرائطها (الجمعة) الجماعة وأقلهم عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ ثلاثة سوى الإمام وقال أبويوسف: اثنان سوى الإمام.

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ طرفین رحمہما اللہ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

(١) قوله تعالى ﴿فاسعوا إلى ذكر الله﴾ (٤)

(أ) "ذکر اللہ" سے مراد خطبہ ہے کما سبق آنفا، جو خطیب (وامام) کا مقتضی ہے اور "فاسعوا" سے اس خطیب کے علاوہ تین آدمی اور مراد ہیں (جن سے سعی إلی الخطبہ مطلوب ہے) کہ یہ صیغۂ جمع ہے اور جمع کا اطلاق کم سے کم تین افراد پر ہوتا ہے لہٰذا امام (خطیب) کے علاوہ کم از کم تین آدمیوں کا ہونا از روئے نص شرائطِ جمعہ میں سے ہے۔ (٥)

(ب) "إذا نودی" ایک منادی (مؤذن) کا تقاضا کرتا ہے جو اس خطبہ وصلاۃ کی طرف لوگوں کو بلائے، "ذکر اللّٰہ" ایک خطیب (امام) کا جو لوگوں کے سامنے خطبہ دے اور لفظ "فاسعوا" صیغۂ جمع ہے اگر جمع کے دو افراد ہی مراد لیے جائیں تو بھی یہ کل چار افراد ہوگئے جن میں سے ایک امام اور تین مقتدی ہوں گے۔ (٦)

١۔ مجمع البحرين (١٦٠)

٢۔ كنز الدقائق (٤٤)

٣۔ الوقاية (١/٢٤٢)

٤۔ سورة الجمعة (٩)

٥۔ العناية على هامش فتح القدير (٢/٥٨) مجمع الأنهر (١/٢٤٩)، الدر المنتقى (١/٢٤٩)، الفقه الحنفى وأدلته (١/٢٦٠)

٦۔ الكفاية في آخر "فتح القدير" (٢/١٧)، تبيين الحقائق (١/٢٢١)، حاشية الشلبى على التبيين (١/٢٢١)

(۴) ''جمعہ''، ''جماعت'' سے مشتق ہے اور جمع صحیح کے کم سے کم افراد تین ہیں اور اس جماعت کیلئے، جو جمعہ کی طرف سعی کر کے آئی ہے، ایک خطیب وامام کا ہونا ضروری ہے جو ان کو خطبہ دے کر نماز پڑھائے، فذلک أربعة[1]

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

والسادس: الجماعة وأقلها ثلاثة رجال...... سوى الإمام.

وقال ابن عابدين:

قوله (سوى الإمام): هذا عند أبي حنيفة ورجح الشارحون دليله واختاره المحبوبى والنسفي، كذا في تصحيح الشيخ قاسم.[2]

❷ في الهندية: ومنها الجماعة وأقلها ثلاثة سوى الإمام.[3]

❸ قال الشيخ سليمان الهندى: (ومن شرائطها الجماعة وأقلهم عند أبي حنيفة ثلاثة سوى الإمام) قوله تعالى ﴿فاسعوا إلى ذكر الله﴾ خطاب للجماعة فيكون ثلاثة شرطا سوى الإمام ورجح الشارحون دليل قول الإمام.[4]

❹ قال قاضي خان: وأقل الجمع فيها ثلاثة سوى الإمام عند أبي حنيفةؒ[5]

❺ قال الحلبى: وأقل الجماعة ثلاثة سوى الإمام وعند أبى يوسف اثنان[6] (فالقول المقدم فيه راجح كما هو المعروف من دأبه في المختار).

❻ كذا في الكتب الأخر[7]

١ـ الفقه الإسلامي للزحيلي (١٢٩٥)

٢ـ رد المحتار (٣/٢٧)

٣ـ الفتاوى الهندية (١/١٤٨)

٤ـ المعتصر على المختصر (١٥٧)

٥ـ الخانية (١/١٧٤)

٦ـ ملتقى الأبحر (١/٢٤٩)

٧ـ العناية (١/٥٨)، الفقه الحنفى في ثوبه الجديد (١/٣١٩)، مراقي الفلاح (٥١١)، الفقه الإسلامي وأدلته (١٢٩٥)، الموجز المبين (ص١٣)، المسائل النفيسة الحسان (١٣)

[۲۵] اختلافی مسئلہ

إن بداله (بعد أن صلى الظهر في منزله بغير عذر) أن يحضر الجمعة فتوجه إليها بطلت صلاة الظهر عند أبي حنيفةؒ بالسعي إليها وقال أبويوسف و محمدؒ: لا تبطل حتى يدخل مع الإمام.

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

(۱) قوله تعالىٰ ﴿فاسعوا إلى ذكر الله﴾ (۱)

آیتِ بالا سے درج ذیل دوامور معلوم ہوئے:

(اُ) سعی إلی الجمعۃ واجب ہے

(ب) یہ سعی خصائص جمعہ میں سے ہے کیونکہ باقی نمازوں میں بجائے سعی کے وقار وسکون سے آنے کا حکم ہے۔ (۲)

ان امور کے تناظر میں ظہر کا مصلیٰ مذکور جب جمعہ کی طرف سعی شروع کردے گا تو اس کی یہ محض سعی جمعہ کے قائمقام ہو جائے گی اور ظہر ختم ہو کر نفل میں تبدیل ہو جائے گی۔ (۳)

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

وحرم لمن لا عذر له صلاة الظهر قبلها في يومها بمصر فإن فعل ثم ندم وسعى اليها

۱۔ الجمعة (۹)

۲۔ لما في الحديث الشريف: "إذا أقيمت الصلاة فلا تأتوها وأنتم تسعون وأتوها تمشون وعليكم السكينة ا ھ" أخرجه الستة، وفي مسند الطيالسي (۵٦/٤) رقم (۲٤۱۲)، مصنف عبدالرزاق (۲۸۸/۲) رقم (۳٤۰)، شرح معاني الآثار (۳۹٦/۱) رقم (۲۱٤۵)، صحيح ابن حبان (۵۲۲/۵) رقم (۲۱٤۸)

۳۔ المبسوط للسرخسي (۳۲/۲)، فتح القدير (٦۱/۲)، غنية المستملي (٤۸۵)

بطل ظهره أدركها أولا بلا فرق بين معذور وغيره على المذهب. [1]

❷ قال الشرنبلالي:

من لا عذر له لو صلى الظهر قبلها حرم عليه الظهر فإن سعى إليها وكان الإمام فيها بطل ظهره أى وصفه وصار نفلا وان لم يدركها في الأصح. [2]

❸ في الهندية:

إن أدى الظهر ثم سعى إلى الجمعة...... إن خرج من بيته والإمام فيها فقبل أن يصل اليه فرغ (الإمام) منها (أى لم يدرك الجمعة) بطل ظهره عند أبي حنيفة خلافا لهما...... ولو صلى الظهر في منزله ثم توجه إليها ولم يؤدها الإمام بعد إلا انه لا يرجو إدراكها لبعد المسافة بطل ظهره في قول البلخيين وهو الصحيح. [3]

❹ قال أبو الفضل الموصلي:

ومن صلى الظهر يوم الجمعة بغير عذر جاز ويكره فإن شاء أن يصلى الجمعة بعد ذلك يبطل ظهره بالسعى. [4]

❺ كذا في الكتب الأخر. [5]

١ـ تنوير الأبصار مع الدر المختار (٣/٣٥،٣٤)

٢ـ مراقى الفلاح (٥٢١)

٣ـ الفتاوى الهندية (١/١٤٩،١٤٨)

٤ـ المختار للفتوى (١/٩٠)

٥ـ المحيط البرهاني (٢/١٥٠)، ملتقى الأبحر [illegible]، ٢٥٢)، اللباب في شرح الكتاب (١/١١٥)

[٢٦] اختلافی مسئلہ

إن أدركه (أى الإمامَ) في التشهد أو في سجود السهو بنى عليها الجمعة عند أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ وقال محمدؒ: إن أدرك معه أكثر الركعة الثانية بنى عليها الجمعة وإن أدرك معه أقلها بنى عليها الظهر.

مفتی بہ قول:

فتویٰ شیخینؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(١) عن أبي هريرةؓ قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:

"إذا أقيمت الصلاة فلا تأتوها تسعون وأتوها تمشون عليكم السكينة، فما أدركتم فصلوا وما فاتكم فأتموا"(١) وفي رواية: "وما فاتكم فاقضوا". (٢)

١ـ صحيح مسلم (١/٤٢٠) رقم (٦٠٢)، وكذا انظر له: صحيح البخاری (٢/٣٢٠) رقم (٩٠٨)، سنن أبي داوٗد (١/٢٢٣) رقم (٥٧٢)، مسند أحمد (٢/٤٥٢) رقم (٩٨٣٤)، السنن الكبرى (٢/٢٩٧) رقم (٣٤٣٩)، سنن الترمذی (٢/١٤٨) رقم (٣٢٧)، سنن إبن ماجه (١/٢٥٥) رقم (٧٧٥)، شرح معانی الآثار (١/٣٩٦) رقم (٢١٤٥)

٢ـ صحيح ابن حبان (٥/٥١٧) رقم (٢١٤٥)، وكذا انظر له: صحيح ابن خزيمة (٥/٤٤٠) رقم (١٤٢٥)، المنتقى لابن الجارود (١/٨٤) رقم (٣٠٥)، مسند أحمد (٢/٢٣٨) رقم (٧٢٤٩)، سنن النسائی (٢/١١٤) رقم (٨٦١)، مسند الحميدی (٢/٤١٨) رقم (٩٣٥)، مصنف ابن أبي شيبة (٢/١٣٨) رقم (٧٤٠٠)، مصنف عبدالرزاق (٢/٢٨٧) رقم (٣٣٩٩)، معرفة السنن والآثار (٤/٣٥٤) رقم (١٥٥٦)

قال الحافظ في "التلخيص" (٢/٧٠) في رواية عن أنس في هذا المعنى: رجاله ثقات.

قال ابن حزم في 'المحلى" (٥:٧٤) عنه: قد صح عنه صلى الله عليه وسلم.

قال ابن رجب في "فتح الباری" (٣/٥٦٩): قلت: قد توبع عليها.

يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

رجاله ثقات۔ أبو خيثمة هو زهير بن حرب البغدادی، وسفيان هو سفيان بن عيينة الهلالی الكوفي.

(۱) محلِ استشہاد حدیث کا آخری حصہ ہے "فما أدركتم فصلوا وما فاتكم فأتموا (أو فاقضوا)" جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقتدی کو امام کی نماز میں سے جتنا حصہ مل جائے اس کو امام کے ساتھ پڑھ لے اور جو حصہ امام کے ساتھ پڑھنے سے رہ جائے اس کو بعد میں پورا کرلے خواہ وہ حصہ تھوڑا ہو یا زیادہ کیونکہ "ما" عام ہے جو قلیل وکثیر کو شامل ہے نیز یہ فوت شدہ حصہ اسی نماز کا ہی ہوگا جس کا کچھ حصہ امام کے ساتھ پڑھ چکا ہے لہٰذا مقتدی نے اگر امام کو نمازِ جمعہ میں تشہد وغیرہ میں بھی پالیا تو بھی اسی نماز (جمعہ) کی فوت شدہ دو رکعتوں کو پھر کھڑا ہو کر پورا کرے گا۔

(۲) علامہ منبجیؒ نے کہا ہے:

اگر ہم لفظ "فأتموا" پر نظر ڈالیں تو اتمام کہتے ہیں "کسی شئ مقدم کے باقی حصے کو پورا کرنا" اور یہاں وہ امر مقدم "جمعہ" ہے لہٰذا اتمام جمعہ ہی واجب ہوگا نہ کہ ظہر۔

اور اگر لفظ "فاقضوا" پر غور کریں تو قضا کہتے ہیں "کسی فوت شدہ امر جیسا فعل کرنا (جیسے اگر فجر کی نماز فوت ہوئی ہو تو اس جیسی فجر ہی قضاء کرتے ہیں)" اور یہاں امرِ فائت "جمعہ کا ایک حصہ" ہے لہٰذا اسی "حصۂ جمعہ" کی قضا واجب ہوگی۔[1]

(۳) عن أبي هريرةؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

"من أدرك الإمام جالسا قبل أن يسلّم فقد أدرك الصلاة"[2]

(۴) قال عبدالله بن مسعود:

"من أدرك التشهد فقد أدرك الصلاة."[3]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

ومن أدركها في تشهد أو سجود سهو على القول به فيها يتمها جمعة خلافا لمحمد كما يتم في العيد اتفاقًا كما في عيد الفتح لكن في السراج انه عند محمد لم يصر مدركا له.

قال الشامي:

قوله (لكن في السراج الخ): أقول ما في السراج ذكره في عيد الظهيرية عن بعض المشايخ ثم ذكر عن بعضهم أنه يصير مدركا بلا خلاف وقال: وهو الصحيح[4]

۱۔ اللباب في الجمع بين السنة والكتاب (۱/۳۲٦)

۲۔ سنن دارقطني (٤/۳۰۰) رقم (۱٦۲٤)

۳۔ مصنف ابن أبي شيبة (۱/۳٦۲) رقم (٤۱٦٥)، مصنف عبدالرزاق (۲/۲۸٥) رقم (۳۳۸۸)

٤۔ رد المحتار على الدر المختار (۳/۳۷)

❷ قال الزحيلي:

قال الحنفية على الراجح: من أدرك الإمام يوم الجمعة في أي جزء من صلاته صلى معه ما أدرك وأكمل الجمعة وأدرك الجمعة حتى وإن أدركه في التشهد أو في سجود السهو. (١)

❸ في الهندية:

ومن أدركها في التشهد أو سجود السهو أتم جمعة عند الشيخين (٢)(ولم يذكر قول محمد فيه اقتصارًا على ما هو المختار في المذهب)

❹ قال الحلبي:

ومن أدركها في التشهد أو سجود السهو يتم جمعة وقال محمد: يتم ظهرا ان لم يدرك أكثر الثانية (٣)(فالقول المقدم فيه هو الراجح على ما هو المعروف من دأبه في القول المختار)

❺ ...... كذا في الكتب الأخر وقد أخّر فيها دليل الشيخين ترجيحا لقولهما على ماهو المعروف من صنيعهم فيها. (٤)

❻ ...... قول الإمام قول المتون. (٥)

---

[٢٧] اختلافی مسئلہ

إذا خرج الإمام يوم الجمعة ترك الناس الصلاة و الكلام حتى يفرغ من خطبته وقالا: لا بأس بأن يتكلم ما لم يبدأ بالخطبة.

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ امام أبوحنیفہؒ کے قول پر ہے کہ جب امام مسجد کے حجرے سے خطبے کیلئے نکل پڑے اور حجرہ نہ ہونے کی صورت میں (كما في ديارنا -في شبه القارة الهندية-) جب منبر پر خطبہ کیلئے اٹھ کھڑا ہو اس وقت سے لے کر فراغتِ خطبہ تک صلاۃ وکلام (بدرجۂ مکروہ تحریمی) ممنوع ہے۔

١- الفقه الإسلامي وأدلته (١٢٩٣)

٢- الهندية (١/١٤٩)

٣- ملتقى الأبحر (١/٢٥٢)

٤- البحرالرائق (٢/٢٧٠)، النهر الفائق (١/٣٦٣)، تبيين الحقائق (١/٢٢٢)، المبسوط للسرخسي (٢/٣٢)، الحلبي الكبيرى (٤٨٣)

٥- كنز الدقائق (٤٤)، الوقاية (١/٢٤٤)، النقاية (١/٢٩٥)، غرر الأحكام (٢/١٣١)، نورالإيضاح (١١٨)

قول مفتیٰ بہ کا مستدل:

(۱) حدثنا ابن نمير عن حجاج عن عطاء عن ابن عباس وابن عمر أنهما كانا يكرهان الصلاة والكلام بعد خروج الإمام. (۱)

(۲) عن عروة قال: "اذا قعد الإمام على المنبر فلا صلاة" (۲)

(۳) عن نبيشة الهذلي رضی اللہ عنہ مرفوعًا:

إن المسلم إذا اغتسل يوم الجمعة ثم أقبل إلى المسجد لا يوذى أحدا فإن لم يجد الإمام خرج صلى ما بدا له وإن وجد الإمام قد خرج جلس فاستمع وأنصت حتى يقضي الإمام جمعته وكلامه. (۳)

قول مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

إذا خرج الإمام من الحجرة إن كان وإلا فقيامه للصعود فلا صلاة ولا كلام إلى تمامها وإن كان فيها ذكر الظلمة في الأصح.

قال الشامي: قوله (إلى تمامها) أى الخطبة. (۴)

قال الرافعي: قوله (أى الخطبة) كذا فسره في "المنح" (۵)

❷ قال ابن نجيم (وعبارته واضحة وكاشفة تشفي الغليل):

۱۔ أخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه (۱/۴۴۸) رقم (۵۱۷۵)

يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

رجاله ثقات (ابن نمير هو عبدالله بن نمير، وحجاج هو حجاج بن أرطاة- وهو موثق، كما تراه في "من تكلم فيه وهو موثق" للذهبي، وغيره- ، وعطاء هو عطاء بن أبي رباح)

۲۔ مصنف ابن أبي شيبة (۱/۴۴۷) رقم (۵۱۷۰)

۳۔ مسند أحمد (۵/۷۵) رقم (۲۰۷۴۰)

قال الهيثمي في "مجمع الزوائد" (۲/۲۰۳) رقم (۳۰۴۰): رواه احمد ورجاله رجال الصحيح خلا شيخ احمد وهو ثقة. قال المحقق شعيب الأرنؤوط: صحيح لغيره وهذا إسناد ضعيف لإنقطاعه.

۴۔ رد المحتار على الدر المختار (۳/۳۸)

۵۔ تقريرات الرافعي على هامش الرد (۳/۳۸)

قوله (وإذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام):

لما رواه ابن أبي شيبة في مصنفه عن علي وابن عباس وابن عمر رضى الله عنهم: "كانوا يكرهون الصلاة والكلام بعد خروج الإمام".

وقول الصحابى حجة ولأن الكلام يمتد طبعا فيخل بالاستماع والصلاة قد تستلزمه أيضًا وبه اندفع قولهما إنه لا باس بالكلام إذا خرج قبل أن يخطب وإذا نزل قبل ان يكبّر اهـ.

وفي شرح المجمع: عبارة الخروج واردة على عادة العرب من أنهم يتخذون للإمام مكانا خاليا تعظيما لشأنه، فيخرج منه حين أراد الصعود هكذا شاهدناه في ديارهم والقاطع في ديارنا يكون قيام الإمام للصعود اهـ.

فالحاصل: أن الإمام إن كان في خلوة (أى حجرة المسجد) فالقاطع أنفصاله عنها وظهوره للناس وإلا فقيامه للصعود. [١]

❸ قال أبوالفضل الموصلي:

لا تجوز الصلاة وسجدة التلاوة وصلاة الجنازة عند طلوع الشمس وزوالها وغروبها...... ولا إذا خرج الإمام يوم الجمعة لقوله عليه الصلوة والسلام: إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام. [٢]

❹ قال ابن الهمام:

قوله (ولأبي حنيفة قوله صلى الله عليه وسلم: إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام) فقال الموصوف (بعد أن بسط الكلام في الحديث من كونه مرفوعا أو غيره ونقل أثرا عن مصنف ابن أبي شيبة في معناه): والحاصل أن قول الصحابى حجة فيجب تقليده عندنا إذا لم ينفه شيء آخر من السنّة اهـ. [٣]

❺ قال السرخسى:

والإمام إذا خرج فخروجه يقطع الصلاة حتى يكره افتتاحها بعد خروج الإمام. [٤]

❻ قال الحلبى:

إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام حتى يفرغ من خطبته وقالا: يباح الكلام بعد خروجه ما لم

---

١ ـ البحر الرائق (٢/ ٢٧٠، ٢٧١)

٢ ـ الاختيار لتعليل المختار (١/ ٤٥، ٤٦)

٣ ـ فتح القدير (٢/ ٦٤)

٤ ـ المبسوط للسرخسى (٢/ ٢٦)

يشرع في الخطبة[١] (فالقول المقدم فيه هو الراجح على ما لا يخفى).

❼ قال الزحيلي:

الترقية بين يدى الخطيب (وهى قراءة "ان الله وملائكته يصلون على النبى"......) انها مكروهة تحريما عند أبي حنيفة لحرمة اي كلام بعد صعود الإمام المنبر. [٢]

١ـ ملتقى الأبحر (١/٢٥٣)

٢ـ الفقه الإسلامي وأدلته (١٣١٧/٢)

بابُ صَلاة العيدين

[۲۸] اختلافی مسئلہ

لا يكبر (يوم الفطر) في طريق المصلّٰى عند أبي حنيفة –رحمه الله تعالى– ويكبر عندهما.

توضیح الاختلاف:

مذکورہ بالا اختلاف نفسِ تکبیر کہنے یا نہ کہنے کے بارے میں نہیں ہے کما یتبادر الیہ الذہن، بلکہ اختلاف جہر وعدمِ جہر کے اندر ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک عید الفطر کے دن عیدگاہ کے راستے میں جہراً تکبیر نہیں کہے گا (بلکہ سرّاً کہے گا) جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک جہراً تکبیر کہے گا۔ (۱)

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے کہ عید الفطر کے دن عیدگاہ کے راستے میں جاتے ہوئے جہراً تکبیر نہیں کہے گا (بلکہ سرّاً کہے گا)۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) قوله تعالىٰ: ﴿واذكر ربك في نفسك﴾ (۲)

(۲) قوله تعالىٰ: ﴿واذكر ربك ...... ودون الجهر﴾ (۳)

(۳) قوله تعالىٰ: ﴿اُدعوا ربّكم تضرّعًا وخفيةً﴾ (۴)

۱۔ الطحطاوی علی المراقی (۵۳۱)، فتح القدیر (۲/۶۹)، التجنیس والمزید (۲/۲۳۵)، الحلبی الکبیری (۴۸۸)، العنایة علی هامش فتح القدیر (۲/۷۰)، منحة الخالق علی هامش البحر (۲/۲۸۰)، النهر الفائق (۱/۳۶۸)، بدائع الصنائع (۱/۶۲۵)، رد المحتار (۳/۵۷)

۲۔ سورة الأعراف (۲۰۵)

۳۔ سورة الأعراف (۲۰۵)

۴۔ سورة الأعراف (۵۵)

(۴) عن سعد بن مالک قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "خير الذكر الخفى" [۱]

مذکورہ بالا آیات وحدیث سے معلوم ہوا کہ اذکار میں اصل اخفاء ہے سوائے ان مواضع کے جن میں جہر کی تخصیص وارد ہوئی ہے جیسا کہ عید الاضحیٰ میں جہراً تکبیر کہنے کی روایات ثابت ہیں۔ چونکہ عید الفطر میں جہر کی کوئی معتد بہ تخصیص وتقیید وارد نہیں ہوئی اس لئے حکم اپنی اصل پر باقی رہے گا اور یہ تکبیر سراً واخفاءً کہی جائے گی۔ [۲]

(۵) عن شعبة قال:

كنت أقود ابن عباس يوم العيد فيسمع الناس يكبرون، فقال: ما شأن الناس؟ قلت: يكبرون، قال: يكبرون؟ قال: يكبر الإمام؟ قلت: لا، قال: أمجانين الناس؟ [۳]

اس اثر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جہراً تکبیر کہنے والوں پر نکیر فرمائی ہے اگر جہراً تکبیر سنت ہوتی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ نکیر کبھی نہ فرماتے۔ فعلم انه ما ثبت من السنة

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ فی الهندية:

ويكبر في الطريق في الأضحى جهرا ..... وفي الفطر المختار من مذهبه أنه لا يجهر وهوا لماخوذ به. [۴]

❷ قال الحصكفي:

١ـ مسند أحمد بن حنبل (١٧٢/١) رقم (١٤٧٧)، مسند أبي يعلى (٨١/٢) رقم (٧٣١)، مسند الشهاب (٢١٧/٢) رقم (١٢١٨). وكذا أخرجه ابن حبان -عن سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه- في صحيحه (٩١/٣) برقم (٨٠٩)، والشاشي -عنه- في مسنده (٢٢٢/١) برقم (١٧٤).

قال الهيثمي في "مجمع الزوائد" (٢٣/١٠): رواه احمد وأبو يعلى وفيه محمد بن عبدالرحمن بن لبيبة وقد وثقه ابن حبان۔

قال السخاوى في "المقاصد الحسنة" (٣٣٣/١): وصححه ابن حبان وأبو عوانة.

قال المنذرى في "الترغيب والترهيب" (٣٤١/٢): رواه أبو عوانة وابن حبان في صحيحيهما۔ (فإسناده صحيح أو حسن أو ما قاربهما عنده حسب ما اشترط فيه).

قال الزركشي في 'اللآلي المنثورة" (٢٠٢/١): قال النووى: ليس بثابت۔ قلت: رواه البيهقي بطرق من حديث سعد بن أبي وقاص. قال الزرقاني في "مختصر المقاصد" (٤٢٩): صحيح.

٢ـ بدائع الصنائع (٦٢٥/١)

٣ـ مصنف ابن أبي شيبة (٤٨٨/١) رقم (٥٦٣٠)

٤ـ الهندية (١/ ١٥٠)

ولا يجهر بالتكبير في طريقه بل يخفيه هو الأصح خلافا لهما فانه يجهر به.(١)

❸ قال الشامي:

وفي شرح المنية الصغير: ويوم الفطر لا يجهر به عنده وعندهما يجهر..... وقد ذكر الشيخ قاسم في تصحيحه ان المعتمد قول الإمام. (٢)

❹ قال السمرقندی:

فأما في عيد الفطر فعلى قول أبي حنيفة لا يكبر جهرا في حال ذهابه إلى المصلى وعلى قولهما يكبر فيهما جهرا والصحيح قول أبي حنيفةؒ (٣)

❺ كذا في الكتب الأخر (٤)

[۲۹] اختلافی مسئلہ

وتكبير التشريق أوله عقيب صلاة الفجر من يوم عرفة وآخره عقيب صلاة العصر من يوم النحر عند أبي حنيفةؒ وقال أبويوسف و محمد -رحمهما الله تعالیٰ- إلى صلاة العصر من آخر أيام التشريق.

مفتی بہ قول:

فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(١) عن علي رضى الله عنه: أنه كان يكبر بعد صلاة الفجر يوم عرفة إلى صلاة العصر من آخر أيام

١ـ الدر المنتقى (٢٥٦/١)

٢ـ رد المحتار (٥٨/٣)

٣ـ تحفة الفقهاء (١٧١،١٧٠/١)

٤ـ الخانية (١٨٣/١)، ملتقى الأبحر (٢٥٥/١)، اللباب في شرح الكتاب (١١٨/١)، المعتصر على المختصر (١٦٤)، الوقاية (٢٤٦/١)، غنية المستملي (٤٨٨)

التشريق ويكبر بعد العصر. (١)

(٢) عن أبي حنيفةؒ عن جماد عن إبراهيم عن علي بن أبي طالب (رضى الله عنه) انه كان يكبر من صلوة الفجر من يوم عرفة إلى صلاة العصر من اخر أيام التشريق. (٢)

(٣) عن ابن عباس: أنه كان يكبر من غداة عرفة إلى صلاة العصر من آخر أيام التشريق.(٣)

(٤) قال عمير بن سعيد: قدم علينا ابن مسعود (رضى الله عنه) فكان يكبر من صلاة الصبح يوم عرفة إلى صلاة العصر من آخر أيام التشريق. (٤)

(٥) عن الضحاك أنه كان يكبر من صلاة الفجر يوم عرفة إلى صلاة العصر من آخر أيام التشريق.(٥)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

أما وقته فأوّله عقيب صلاة الفجر من يوم عرفة وآخره في قول أبي يوسفؒ و محمد (رحمهما الله) عقيب صلاة العصر من آخر أيام التشريق هكذا في التبيين والفتوى والعمل في عامة الأمصار وكافّة الأعصار على قولهما. (٦)

❷ قال التمرتاشي والحصكفي:

وقالا بوجوبه فور كل فرض مطلقا إلى عصر اليوم الخامس آخر أيام التشريق وعليه الاعتماد والعمل في عامة الأمصار وكافة الأعصار. (٧)

❸ قال الخُوارَزْمي (بعد أن شرح الاختلاف المذكور):

١ـ مصنف ابن أبي شيبة (١/٤٨٨) رقم (٥٦٣١).

قال النيموى في "آثار السنن" (٢٦١): إسناده صحيح.

قال شيخنا في "الإعلاء" (٨:١٤٩): وفي "الدراية" (ص:٣٦): "إسناد صحيح"۔ وأخرجه الحاكم في "مستدركه" وصححه وأقره عليه الذهبي.

٢ـ كتاب الآثار برواية محمد بن حسنؒ (٦٣) رقم (٢٠٨)، السنن الكبرى (٣/٣١٤) رقم (٦٠٦٩)

٣ـ أخرجه الحاكم في "المستدرك" (١/٤٤٠) برقم (١١١٤)، وقد صححه وأقره عليه الذهبي وكذا في إعلاء السنن (٨:١٥٥)

٤ـ المستدرك للحاكم (١/٤٤٠) رقم (١١١٥)

٥ـ مصنف ابن أبي شيبة (١/٤٨٩) رقم (٥٦٤٥)

٦ـ الفتاوى الهندية (١/١٥٢)

٧ـ الدر المختار (٣/٧٥)

ذكر العلامة نجم الدين الزاهدئ في شرحه للقدوري: والفتوى والعمل في عامة الأمصار وكافة الأعصار على قولهما. [1]

❹ **قال طاهر البخاري:**

وقال علي (رضي الله عنه) إلى صلوة العصر من أخر أيام التشريق وهو ثلاث وعشرون تكبيرة وبه أخذ أبويوسف و محمد (رحمهما الله تعالى) وعليه الفتوى وعليه عمل الناس اليوم. [2]

❺ **قال داماد أفندي:**

وعندهما إلى عصر آخر أيّام التشريق على من يصلي الفرض وعليه العمل وعليه الفتوى. [3]

❻ **كذا في الكتب الأخر.** [4]

١ـ الكفاية (٢/٢٣)

٢ـ خلاصة الفتاوى (١/٢١٥)

٣ـ مجمع الأنهر (١/٢٦٠)

٤ـ البحر الرائق (٢/٢٨٨)، الفتاوى التاترخانية (٢/٧٩)، مراقي الفلاح (٥٤٠)، النهر الفائق (١/٣٧٢)، ملتقى الأبحر (١/٢٦٠)، الدر المنتقى (١/٢٦٠)، الاختيار لتعليل المختار (١/٩٤)، النتف في الفتاوى (١/١٠٢)، الجامع الصغير للشيباني (١/١١٤)، البناية (٣/٣٨٢)، الجوهرة النيرة (١/٢٣٨)، اللباب في شرح الكتاب (١/١٢٠)، كشف الحقائق (١/٨٥)، المعتصر على المختصر (١٦٨)، الوقاية (١/٢٤٨)، النقاية (١/٣٠٨)، شرح النقاية (١/٣٠٨)، تبيين الحقائق (١/٢٢٧)، النافع الكبير (١/١١٣)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/١٦٧)، الفقه الحنفي في ثوبه الجديد (١/٣٢٧)، الفقه الإسلامي وأدلته (١٤٠٨)، كتاب الفقه على المذاهب الأربعة (١/٣١٦)، كتاب الحجة على أهل المدينة (١/٣١١، ٣١٢)، عمدة القاري (١٠/٣٠٩)، الكافي في الفقه الحنفي (١/٣٣٨)، اختلاف الائمة العلماء (١/١٦٤)، شرح الطائي على الكنز (١/٦١)، فتاوى النوازل (١١٨)

باب صلاة الكسوف

[۳۰] اختلافی مسئلہ

ويخفي (القراءة فيها) عند أبي حنيفةؒ وقال أبويوسف و محمد (رحمهما الله تعالىٰ) يجهر.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن سمرة بن جندب (رضى الله عنه) قال: صلى بنا النبى صلى الله عليه وسلم في كسوف لا نسمع له صوتا. (۱)

(۲) عن ابن عباس (رضى الله عنه) قال: كنت إلى جنب رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم كسفت الشمس فلم أسمع له قراءةً. (۲)

(۳) عن ثعلبة بن عباد العبدى من أهل البصرة أنه شهد خطبة يوما لسمرة بن جندب قال: قال سمرة: "بينما أنا والغلام من الأنصار نرمي غرضين لنا حتى إذا كانت الشمس قيد رمحين أو ثلاثة في عين الناظر من الأفق اسودت حتى آضت كأنها تنومة فقال أحدنا لصاحبه: انطلق بنا إلى المسجد فو الله ليحدثن شأن هذه الشمس لرسول الله صلى الله عليه وسلم في أمته حدثا.

۱۔ المستدرك (۱/۴۸۳) رقم (۱۲۴۲)، جامع الترمذى (۱/۱۲۶) رقم (۵٦۲)

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه، ولم يتعقبه الذهبى.

قال الترمذى: قال أبو عيسى: حديث سمرة حديث حسن صحيح. وكذا في "مختصر الأحكام" (مستخرج الطوسى على جامع الترمذى)، (۳/۱۱۳).

قال النووي في "المجموع شرح المهذب" (۵/٤٦): روى الترمذى بإسناده الصحيح عن سمرة ا ھ.

۲۔ المعجم الكبير للطبرانى (۱۱/۲٤۰) رقم (۱۱٦۳۸)، وقال النيموى في آثار السنن (۲٦۷): إسنادهٗ صحيح

قال: فدفعنا فإذا هو بارز فاستقدم فصلى فقام بنا كأطول ما قام بنا في صلاة قط لانسمع له صوتا. قال: ثم ركع بنا كأطول ما ركع بنا في صلاة قط لا نسمع له صوتا. قال: ثم سجد بنا كأطول ما سجد بنا في صلاة قط لا نسمع له صوتا ثم فعل في الركعة الأخرى مثل ذلك اه" (١)

(۴) یہ دن کی نماز ہے اور دن کی نماز میں اصل اِخفاء ہے۔ (٢) روی في الآثار: "صلاة النهار عجماء" (٣)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

ولا يجهر بالقراءة في صلاة الجماعة في كسوف الشمس في قول أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- كذا في المحيط. والصحيح قوله كذا في المضمرات. (٤)

❷ قال الشرنبلالي:

سن ركعتان كهيئة النفل لكسوف...... بلا أذان ولا إقامة ولا جهر في القراءة فيهما عنده خلافا لهما قال الطحطاوي: قوله (عنده خلافا لهما) الصحيح قول الإمام. (٥)

❸ قال ابن العلاء الهندي:

ولا يجهر بالقراءة في صلاة الجماعة في كسوف الشمس في قول أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- وفي المضمرات: وهو الصحيح. (٦)

❹ قال السمرقندي:

ولا يجهر بالقراءة (في الكسوف) على قول أبي حنيفة وعند أبي يوسف يجهر وعن محمد روايتان والصحيح قول أبي حنيفة. (٧)

١ـ سنن أبي داؤد (١/١٧٥) رقم (١١٨٦)، وكذا انظر له: مسند أحمد (٥/١٦) رقم (٢٠١٩٠)، سنن النسائي (٣/١٤٠) رقم(١٤٨٤)، المعجم الكبير (٦/٣٢٩) رقم (٦٦٥٦)، مسند الروياني (٢/٦٨) رقم (٨٤٧). قلت: سكت عنه أبو داود.

٢ـ العناية على هامش "فتح القدير" (٢/٨٨)، فتح الرحمن في إثبات مذهب النعمان (٣/١٥٣)

٣ـ مصنف ابن أبي شيبة (١/٣٢٠) رقم (٣٦٦٤) و (٣٦٦٥)، مصنف عبدالرزاق (٢/٤٩٣) رقم (٤٢٠١)، أيضًا (٢/٤٩٣) رقم(٤٢٠٠)

٤ـ الهندية: (١/١٥٣)

٥ـ حاشية الطحطاوي على المراقي (٥٤٥)

٦ـ الفتاوى التاترخانية (٢/٩٠)

٧ـ تحفة الفقهاء (١/١٨٢)

❺ قال ابن الهمام:

إذا حصل التعارض وجب الترجيح بأن الأصل في صلاة النهار الإخفاء. (١)

❻ قال التمرتاشي والحصكفي:

يصلي بالناس من يملك إقامة الجمعة ركعتين كالنفل بلا أذان ولا إقامة ولا جهر ولاخطبة. (٢)

❼ قال محمد:

وأما الجهر بالقراءة فلم يبلغنا أن النبي صلى الله عليه وسلم جهر بالقراءة فيها...... واجب إلينا أن لا يجهر فيها بالقراءة. (٣)

❽ كذا في الكتب الأخر. (٤)

❾ إنما المتون على قول الإمام (والمتون صنفت للمختار في المذهب). (٥)

١ـ فتح القدير (٨٩/٢)

٢ـ الدر المختار (٧٧/٣)

٣ـ كتاب الآثار برواية محمد بن حسن (٦٦)

٤ـ اللباب في شرح الكتاب (١٢١/١)، ملتقى الأبحر (٢٠٥/١)، مجمع الأنهر (٢٠٦/١)، تبيين الحقائق(٢٢٩/١)

٥ـ الوقاية (٢٠٨/١)، المختار للفتوى (٧٦/١)، النقاية (٢٤٤/١)، كنز الدقائق (٤٧)، غررالأحكام (١٧٠/٢)

باب صلاة الاستسقاء

[۳۱] اختلافی مسئلہ

قال أبو حنيفة ليس في الاستسقاء صلوة مسنونة بالجماعة فإن صلى الناس وحدانا جاز وإنما الاستسقاء الدعاء والاستغفار وقال ابويوسف ومحمد -رحمهما الله تعالى-: يصلي الإمام ركعتين يجهر فيهما بالقراءة ثم يخطب ويستقبل القبلة بالدعاء اھ.

توضیح الاختلاف وبیان قول راجح ومعمول بہ:

امام صاحبؒ کے نزدیک طلب بارش کیلئے اصل دعاء واستغفار ہے۔ نماز مع الجماعۃ مستقل طور پر مسنون نہیں ہے ہاں البتہ جائز ہے مکروہ بھی نہیں ہے جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک دو رکعات با جماعت نماز مسنون ہے لہٰذا کبھی اس موقع پر استغفار ودعا کرلی جائے (کما یأتی مستدلہ في الذیل) اور کبھی دو رکعت نماز با جماعت ادا کرلی جائے کہ امام صاحب کے نزدیک یہ بھی جائز بلا کراہت ہے درآنحالیکہ متون عامہ میں امام صاحب کے قول کو ہی اختیار کیا گیا ہے اور علامہ سمرقندی نے ''تحفۃ الفقہاء'' میں اسی کو ظاہر الروایۃ اور صحیح کہا ہے۔ الغرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استسقاء، دونوں طرح (دعاء واستغفار اور صلاۃ مع الجماعۃ) سے منقول ہے (کما یأتي في الذیل) جس سے امام صاحبؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ صرف نماز ہی اس موقع پر متعین نہیں ہے بلکہ دعاء واستغفار بھی اس موقع کا وظیفہ ہے۔

مستدلہ:

(۱) قوله تعالى ﴿فقلت استغفروا ربّكم إنه كان غفارا. يرسل السماء عليكم مدرارًا﴾ (۱)

اس ارشاد باری میں آسمان سے بارش طلب کرنے کیلئے ربّ غفار سے استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲) عن انس بن مالك (رضي الله عنه) أن رجلا دخل يوم الجمعة من باب كان وجاه المنبر،

۱۔ سورة نوح (۱۰۔۱۱)

ورسول الله صلى الله عليه وسلم قائم يخطب فاستقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم قائما فقال: "يارسول الله! هلكت المواشي، وانقطعت السبل، فادع الله يغيثنا".

قال: فرفع رسول الله صلى الله عليه وسلم يديه فقال: "اللهم اسقنا، اللهم اسقنا، اللهم اسقنا"

قال أنس: ولا والله ما نرى في السماء من سحاب ولا قزعة ولا شيئا وما بيننا وبين سلع من بيت ولا دار، قال: فطلعت من وراءه سحابة مثل الترس فلما توسطت السماء انتشرت ثم امطرت.

قال: والله ما رأينا الشمس ستا ثم دخل رجل من ذلك الباب في الجمعة المقبلة- ورسول الله صلى الله عليه وسلم قائم يخطب- فاستقبله قائما فقال:

"يارسول الله! هلكت الأموال وانقطعت السبل، فادع الله يمسكها" قال: فرفع رسول الله صلى الله عليه وسلم يديه ثم قال:

"اللهم حوالينا ولا علينا، اللهم على الآكام والظراب والأودية ومنابت الشجر".

قال: فانقطعت وخرجنا نمشي في الشمس. (۱)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ آپ نے طلب باراں کیلئے صرف دعا کی ہے "اللهم اسقنا (ثلاث مرات)" اور کوئی نماز نہیں پڑھی۔

(۳) عن الشعبی قال: خرج عمر بن الخطاب (رضي الله عنه) يستسقى فلم يزد على الاستغفار اهـ. (۲)

(۴) وعنه قال: أصاب الناس قحط في عهد عمر (رضي الله عنه) فصعد عمر المنبر فاستسقى فلم يزد على الاستغفار حتى نزل. (۳)

(۵) عن ابن عباس قال: جاء أعرابي إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يارسول الله! لقد جئتك من عند قوم ما يتزود لهم راع ولا يخطر لهم فحل. فصعد المنبر فحمد الله ثم قال (اللهم اسقنا غيثا مغيثا

۱ـ صحيح البخاری (۱/۱۳۸) رقم (۱۰۱۳)، وكذا انظر له: صحيح المسلم (۱/۲۹۳) رقم (۸۹۷)، صحيح ابن حبان (۳/۲۷۲) رقم (۹۹۲)، صحيح ابن خزيمة (۲/۳۳۸) رقم (۱٤۲۳)، شرح معاني الآثار (۱/۳۲۱) رقم (۱۷٤٥).

۲ـ السنن الكبرى (۳/۳٥۲) رقم (٦۲۱۷)، مصنف ابن أبي شيبة في معناه عن مروان الاسلمي (۲/۲۲۱) رقم (۸۳٤۲)

في "إعلاء السنن" (۸:۱۸۲): رواه سعيد بن منصور في سننه (عمدة القاری) . قال العيني في "العمدة": وفي سنن سعيد بن منصور بسند جيد إلى الشعبي قال: خرج، فذكره قلت: وهو منقطع فإن الشعبي عن عمر مرسل (أي منقطع) كما في "تهذيب التهذيب" وفيه أيضا: قال العجلي: لا يكاد الشعبي يرسل إلا صحيحا اهـ.

۳ـ السنن الكبرى (۳/۳٥۱) رقم (٦۲۱٦)، معرفة السنن والآثار (٥/٤٨۷) رقم (۲۰۷۰)

طبقا مريعا غدقا عاجلا غير رائث) ثم نزل. فما يأتيه أحد من وجه من الوجوه إلا قالوا قد أحيينا. [1]

(٦) عن عباد بن تميم عن عمه قال:

خرج النبي صلى الله عليه وسلم يستسقى فتوجه إلى القبلة يدعو وحول رداءه ثم صلى ركعتين يجهر فيهما بالقراءة. [2]

(٧) عن أبي هريرةؓ قال خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم يستسقى فصلى بنا ركعتين بلا أذان ولا اقامة ثم خطبنا ودعا الله وحول وجهه نحو القبلة رافعا يديه ثم قلب رداءه فجعل الأيمن على الأيسر والأيسر على الأيمن [3]

تخريج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

هو دعاء و استغفار بلا جماعة مسنونة بل هى جائزة

قال الشامي:

قوله (بل هى) أى: الجماعة جائزة لامكروهة وهذا موافق لما ذكره شيخ الإسلام من أن الخلاف في السنية لا في اصل المشروعية ... فالحاصل أن الأحاديث لما اختلفت في الصلاة بالجماعة وعدمها على وجه لا يصح به إثبات السنية لم يقل أبوحنيفة بسنيتها ولا يلزم منه قوله بأنها بدعة كما نقله

١ ـ سنن إبن ماجه (١/٤٠٤) رقم (١٢٧٠)،

قال البوصيرى في "مصباح الزجاجة" (١:١٩٤): إسناده صحيح ورجاله ثقات.

قال الشوكانى في "نيل الأوطار" (٤/٣٥):

الحديث إسناده في سنن إبن ماجه -إلى أن قال - ورجاله ثقات. أخرجه أيضًا أبوعوانة (أى في صحيحه)، وسكت عنه الحافظ في التلخيص وقد رويت بعض هذه الألفاظ وبعض معانيها عن جماعة من الصحابة مرفوعة اهـ.

إيقاظ لابد منه:

قال الشيخ محمد تقى العثمانى عن هذا الحديث في تعليقه على "الإعلاء" (٨:١٨٢):

هذه واقعة الاستسقاء بالدعاء في المسجد دون الجبانة كما يشعر به لفظه، فلا دليل فيه لخطبة الاستسقاء على المنبر في الجبانة، حتى يرد على فقهائنا حيث منعوا من ذلك، والله تعالى أعلم.

٢ ـ صحيح البخارى (١/١٣٩) رقم (١٠٢٤)، وكذا انظر له: صحيح المسلم (١/٢٩٣) رقم (٢١١٠)، مسند أحمد (٤/٤١) رقم (١٦٥١٥)

٣ ـ آثار السنن (٢٦٧) وقال صاحبه: رواه ابن ماجه وآخرون و إسناده حسن.

عنه بعض المتعصبين بل هو قائل بالجواز اهـ [1]

❷ قال الشرنبلالي:

له (أى للاستسقاء) صلاة جائزة بلا كراهة وليست سنة لعدم فعل عمرؓ لها حين استسقى لأنه كان أشد الناس إتباعا لرسول الله صلى الله عليه وسلم من غير جماعة عند الإمام كما قال إن صلوا وحدانا فلا بأس به – ثم بعد ذكر دليلهما قال – قال شيخ الإسلام: فيه دليل على الجواز وعندنا يجوز لو صلوا بجماعة لكن ليس بسنة، وله استغفار. [2]

❸ قال ابن نجيم:

قوله (له صلاة لا بجماعة ودعاء واستغفار)

قال تحت شرح "له صلاة لا بجماعة": والظاهر ما في الكتاب من أنها جائزة و ليست بسنة. [3]

١ـ ردالمحتار على الدرالمختار (٣/ ٨١، ٨٢)

٢ـ مراقى الفلاح (٥٤٩، ٥٤٨)

٣ـ البحرالرائق (٢/ ٢٩٣، ٢٩٤)

بَابُ الْجَنَائِز

مسئلہ [۳۲]

"إن دفن ولم يصلّ عليه صلّى على قبره
إلى ثلاثة أيام و لا يصلى بعد ذلك".

مفتی بہ قول:

صورت مذکورہ میں تین دن کی تحدید درست نہیں ہے بلکہ ظن غالب کے مطابق نعش پھٹنے سے قبل اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی خواہ جے دن گزرے ہوں۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

اصول اس باب میں یہ ہے کہ میت جب تک پھٹی نہ ہو اس وقت تک اس پر نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے چونکہ میت کا پھٹنا گونا گوں اسباب و وجوہ کی بناء پر مختلف أیام میں متحقق ہوتا ہے اس لئے کسی خاص مدت کے ذریعہ تحدید وتقیید کرنا درست نہیں۔

منجملہ ان اسباب کے گرمی و سردی کا اختلاف، بدن کے طاقتور ونحیف ہونے میں حال میت کا اختلاف اور سخت و نرم اور پتھریلی وشوریلی وغیرہ ہونے میں زمین کا اختلاف ہے۔ (۱)

ف:۔ اس مذکورہ اصول کا مصدر وماخذ یہ ہے کہ نماز جنازہ میت کے بدن پر پڑھنا مشروع ہے جب یہ پھٹ جائے گا تو "بدن" ہی باقی نہیں رہے گا لہذا پھٹنے سے پہلے پہلے نماز پڑھی جائے گی تا کہ نماز شریعت کے موافق بدنِ میت پر واقع ہو۔ (۲)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن نجيم:

قوله (فإن دفن بلا صلاة صلى على قبره مالم يتفسخ) لأن النبي صلى الله عليه وسلم صلى على قبر امرأة من الأنصار ..... ولم يقيد المصنف بمدة لأن الصحيح أن ذلك جائز إلى أن يغلب على الظن

۱۔ انظرله: المحيط البرهاني (۲/ ۳۵٤)، المبسوط للسرخسي (۲/ ٦۷)، العناية (۲/ ۱۲۵)، الكفاية (۲/ ۳٦)، بدائع الصنائع (۲/ ۵۵)، الجوهرة (۱/ ۲٦٤)

۲۔ مستفاد ممايليك:

النهر الفائق (۱/ ۳۹۳)، الحلبي الكبيرى (۵۰۸)، حاشية الطحطاوى على المراقى (۵۹۳)، فتح الله المعين (۱/ ۳۵۳)

تفسخه. والمعتبر فيه أكبر الرأى على الصحيح من غير تقدير بمدة. (١)

❷ قال التمرتاشي والحصكفي:

وإن دفن بغير صلاة صلى على قبره ما لم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير هو الأصح. (٢)

❸ في الهندية:

ولو دفن الميت قبل الصلاة أو قبل الغسل فانه يصلى على قبره إلى ثلاثة أيام والصحيح ان هذا ليس بتقدير لازم بل يصلى عليه ما لم يعلم أنه قد تمزق. (٣)

❹ قال ابن العلاء الهندى:

إذا دفن قبل الصلاة عليه صلى عليه في القبر ما لم يعلم أنه تفرق أجزاؤه وفي "الأمالي" عن أبي يوسفؒ أنه يصلى على الميت في القبر إلى ثلاثة أيام ...... والصحيح ان هذا ليس بتقدير لازم -إلى أن قال- وإنما المعتبر غالب الرأى (٤)

❺ قال المرغيناني (في بيان هذه المسألة):

ويصلى عليه قبل أن يتفسخ والمعتبر في معرفة ذلك أكبر الرأى هو الصحيح. (٥)

قال البابرتي:

قوله (هو الصحيح) احتراز عماروى عن أبي يوسف في الأمالي أنه يصلى على الميت في القبر إلى ثلاثة أيام وبعده لا يصلّى عليه (٦)

❻ كذا في الكتب الأخر (٧)

١ـ البحرالرائق (٢/ ٣١٩، ٣٢٠)

٢ـ الدرالمختار (٣/ ١٤٧)

٣ـ الفتاوى الهندية (١/ ١٦٥)

٤ـ الفتاوى التاترخانية (١/ ١٣٢)

٥ـ الهداية (١/ ١٩٢)

٦ـ العناية على هامش الفتح (٢/ ١٢٥)

٧ـ بدائع الصنائع (٢/ ٥٥)، مراقي الفلاح (٥٩١، ٥٩٢)، الاختيار لتعليل المختار (١/ ١٠٠)، بتيين الحقائق (١/ ٢٤٠)، فتح القدير (٢/ ١٢٤)، الكفاية (٢/ ٣٦)، غنية المستملى (٥٠٨)، مجمع الأنهر (١/ ٢٧٠)، الدرالمنتقى (١/ ٢٧٠)، المحيط البرهاني (٢/ ٣٥٤)، المبسوط للسرخسى (٢/ ٦٧)، الفقه الإسلامي للزحيلي (١٥٣٠)، النهرالفائق (١/ ٣٩٣)، المعتصر على المختصر (١٨٣)، شرح النقاية (١/ ٣٢٣)، دررالحكام شرح غررالأحكام (٢/ ٢٦٨)، اللباب في شرح الكتاب (١/ ١٣١)، عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية (١/ ٢٥٤)، الموسوعة الفقهية (١٦/ ٣٤)، الجوهرة النيرة (١/ ٢٦٤)، شرح ملا مسكين على الكنز (١/ ٩٣)، مستخلص الحقائق (٢٧١).

بابُ الشَّهيد

[۳۳] اختلافی مسئلہ

إذا استشهد الجنب غسل عند أبي حنيفةؒ و كذلك الصبى وقال أبويوسف و محمد رحمهما الله تعالى: لا يغسلان.

مفتی بہ قول:

فتوی امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن يحيى بن عباد بن عبدالله عن أبيه عن جده قال:

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول عند قتل حنظلة بن أبي عامر رضى الله عنه: "ان صاحبكم (حنظلة) تغسله الملائكة، فاسئلوا صاحبته" فقالت: إنه خرج لما سمع الهائعة وهو جنب، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لذلك غسلته الملائكة". (۱)

حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ ملائکہ کا ان کو غسل دینے کی علت جنابت تھی لہٰذا جنبی کو غسل دیا جائے گا۔

(۲) شہادت نجاست کے لئے مانع تو ہے رافع نہیں ہے چنانچہ موت کے سبب حاصل ہونے والی نجاست کے حلول سے تو یہ مانع ہوگی اور غسل نہیں دیا جائے گا اور نہ ہی خون دھویا جائے گا مگر جونجاست قبل از شہادت موجود تھی اس کو ختم نہیں کرے گی لہٰذا جنبی شہید کو جنابت (جس کا ازالہ واجب ہو چکا تھا) کی بدولت غسل دیا جائے گا جیسا کہ شہید کے کپڑے میں خون کے

۱۔ المستدرك على الصحيحين (۳/ ۲۲۵)، رقم (۴۹۱۷)،و كذا انظر له: صحيح ابن حبان (۱۵/ ۴۹۵)، رقم (۷۰۲۵)، السنن الكبرى للبيهقي (۴/ ۱۵)، رقم (۶۶۰۵)، حلية الأولياء (۱/ ۳۵۷).

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه، وسكت عنه الذهبي في التلخيص.

قال الهيثمي في "المجمع" (۳/ ۲۳): رواه الطبراني في الكبير -عن ابن عباس في معناه- وإسناده حسن، و كذا في فيض القدير للمُناوى (۴/ ۶).

علاوہ اگر کوئی نجاست لگی ہو تو اسے دھویا جاتا ہے فکذا ھھنا۔ (۱)

(۳) **عن عتبة بن عبدالسلمی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فی حدیث طویل): "إن السيف محاء للخطايا".** (۲)

بالغین شہداء کے حق میں عدم غسل کی علت یہ ہے کہ تلوار ہی ان کے حق میں غسل کے قائمقام ہے کیونکہ حدیثِ بالا کی رُو سے تلوار گناہوں کو مٹانے والی ہے یعنی مقتول کو ان سے پاک کرنے والی ہے لہٰذا سیف سے جب طہارت حاصل ہو چکی تو اب مزید غسل کی ضرورت نہیں رہی۔

جبکہ بچوں پر چونکہ کوئی گناہ نہیں ہوتا اس لیے تلوار ان کے لئے طہارت کا کام نہیں دیتی اور علت مذکورہ ان میں متحقق بھی نہیں ہوتی لہٰذا یہ ان بالغین کے حکم میں نہ ہوئے اور انہیں غسل دیا جاتا ہے۔ (۳)

(۴) عاقل بالغ شہداء کے حق میں ان کے اعزاز و تکریم کی وجہ سے عدم غسل کی نص وارد ہوئی ہے (کما في شهداء أُحد) لہٰذا جو مقتولین استحقاقِ اعزاز میں ان کے برابر درجے کے نہیں ہیں ان کے حق میں یہ نص کارگر نہیں ہوگی جیسے بچے اور مجنون (کہ یہ عقلاء و بالغین سے درجہ میں کم ہیں)۔ (۴)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الشرنبلالی:

ویغسل إن قتل جنبا لأن حنظلة بن الراهب استشهد یوم أحد و قال علیه السلام: انی رأیت الملائكة تغسل حنظلة بن أبي عامر بين السماء والأرض بماء المزن في صحائف الفضة. قال أبو

۱۔ المعتصر علی المختصر (۱۸۸)، الجوهرة النيرة (۱/ ۲۷٦)، المبسوط للسرخسی (۲/ ۵۷)، العناية (۲/ ۱۵٦، ۱۵۷)، البدائع للکاسانی (۲/ ٦۹)، البحرالرائق (۲/ ۳٤٦)، تبيين الحقائق (۱/ ۲٤۹)، المحيط البرهانی (۲/ ۳۰۵)

۲۔ صحيح ابن حبان (۱۰/ ۵۱۹)، رقم (٤٦٦۳)، وكذا انظر له: مسند أحمد (٤/ ۱۸۵)، رقم (۱۷٦۹۳)، سنن الدارمی (۲/ ۲۷۲)، رقم (۲٤۱۱)، السنن الكبرى (۹/ ۱٦٤)، رقم (۱۸۳۰٤)، المعجم الكبير (۱۷/ ۱۲۵)، رقم (۱۳۹۹۸)، شعب الإيمان (٤/ ۲۸)، رقم (٤۲٦۱)، مسند الشاميين (۲/ ۱۱٦)، رقم (۱۰۲۳)، مسند الطيالسی (۱/ ۱۷۸)، رقم (۱۲٦۷)

قال المنذری في "الترغيب والترهيب" (۲/ ۲۰۸): رواه احمد بإسناد جيد والطبرانی وابن حبان في صحيحه. قال الحافظ في "الفتح" (۱/ ٦۸): صححه ابن حبان وغيره. قال الهيثمی في "مجمع الزوائد" (۵/ ۳۵۰): رواه أحمد والطبرانی...... ورجال أحمد رجال الصحيح خلا المثنى الأملوكي وهو ثقة.

۳۔ الجوهرة النيرة (۱/ ۲۷٦)، الكفاية (۲/ ٤٤)، فتح القدير (۲/ ۱۵۷، ۱۵۸)، مراقی الفلاح (٦۲۷)، النهرالفائق (۱/ ٤۰۷)، ردالمحتار (۳/ ۱۸۷)، الفقه النافع (۱/ ۳۱۸، ۳۱۹)

٤۔ بدائع الصنائع (۲/ ٦۹)

أسيد فذهبنا ونظرنا إليه فإذا برأسه يقطر ماء فأرسل النبي صلى الله عليه وسلم إلى امرأته فأخبرتهٔ أنه خرج وهو جنب، أو صبيا أو مجنونا. (١)

❷ في الهندية:

ويغسل إن قتل جنبا أو صبيا مجنونا عند أبي حنيفةؒ (٢)(ولم يذكر مذهب الصاحبينؒ واقتصر على ذكر مذهبه ترجيحا له).

❸ قال الحلبي:

وإن كان صبيا أو جنبا أو مجنونا أو حائضا أو نفساء يغسل خلافا لهما(٣) (ومن المعلوم عند أهل الإفتاء أن القول المقدم فيه هو الراجح).

❹ قال ابن نجيم:

قوله (ويغسل ان قتل جنبا أو صبيا) بيان لشرطين آخرين للشهادة:

الأول: الطهارة من الجنابة، الثاني: التكليف –ثم ذكر الاختلاف وبعده أيد مذهبه بالإجابة عن دليلهما فقال نقلا عن معراج الدراية:– وإنما لم يُعِدِ النبي صلى الله عليه وسلم غسل حنظلة لأن الواجب تأدى بدليل قصة آدم عليه السلام ولم تُعِد أولاده غسله وهو الجواب عن قولهما "لو كان واجبا لوجب على بني آدم ولما اكتفى به" إذ الواجب نفس الغسل فأما الغاسل يجوز من كان كما في قصة آدم.(٤)

❺ كذافي الكتب الأخر. (٥)

❻ انما المتون المعتبرة على قول الإمام رحمه الله تعالىٰ كما يليك:-

١. قال الموصلي: فإنه لا يغسل ان كان عاقلا بالغا (خرج منه الصبي) طاهرا (خرج منه الجنب) ويصلي عليه. (٦)

٢. قال النسفي: ويغسل ان قتل جنبا اوصبيا. (٧)

١ـ مراقي الفلاح (٦٢٧)

٢ـ الهندية (١/ ١٦٨)

٣ـ ملتقى الأبحر (١/ ٢٧٩)

٤ـ البحرالرائق (٢/ ٣٤٦)

٥ـ اللباب في شرح الكتاب (١/ ١٣٣)، الفقه الإسلامي للزحيلي (١٥٨٧)، الدرالمختار (٣/ ١٨٧)، فتح القدير (٢/ ١٥٥، ١٥٦)، تفصيله يدل على ترجيح قول الإمامؒ

٦ـ المختار (١/ ١٠٣)

٧ـ كنزالدقائق (٥٤)

٣. قال المحبوبي: وغسل صبي و جنب و حائض ونفساء. [١]

٤. قال ابن الساعاتي:

والصبي والمجنون والجنب والحائض والنفساء بعد الانقطاع والمقتول بالمثقل يغسلون. [٢]

- كذا في المتون الأخر. [٣]

١ـ الوقاية (١/ ٢٨٥)

٢ـ مجمع البحرين (١٧٨)

٣ـ النقاية (١/ ٣٣٣)، غرر الأحكام (٢/ ٢٨٧)، تنوير الأبصار (٣/ ١٨٧)

كتَابُ الزَّكاة

بابُ صَدَقةِ البَقر

[۳۴] اختلافی مسئلہ

فإذا زادت على الأربعين وجب في الزيادة بقدر ذلک إلى ستين عند أبي حنيفة...... وقال أبويوسف و محمد (رحمهما الله تعالیٰ): لا شيء في الزياد حتى تبلغ ستين. اھ

مفتی بہ قول:

فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن ابن عباس قال لما بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم معاذا إلى اليمن أمره أن يأخذ من البقر من كل ثلاثين تبيعا أو تبيعة، جذع أو جذعة ومن كل أربعين بقرة، بقرة مسنة فقالوا فالأوقاص؟

قال فقال: ما امرني فيها بشيء وسأسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قدمت عليه فلما قدم على رسول الله صلى الله عليه وسلم سأله عن الأوقاص.

فقال: ليس فيها شي ...... (وقال المسعودى) والأوقاص: مادون الثلاثين وما بين الأربعين إلى ستين. (۱)

۱ـ السنن الكبرى للبيهقى (۴/ ۹۹)رقم (۷۰۸۵)، مسند البزار (۲/۱۷۳) رقم (۴۸۶۸)، سنن الدار قطنى (۵/ ۱۶۸)، رقم (۱۹۵۱)

قال الهيثمي في "مجمع الزوائد" (۳/۱۰۳): رواه البزار وقال: لم يتابع بقية أد على رفعه إلا الحسن بن عمارة والحسن ضعيف وقد روي عن طاووس مرسلًا.

قلت: والمرسل مقبول عندنا معشر الحنفية.

(٢) حدثنا (عبدالله) بن إدريس عن ليث عن طاوس عن معاذ قال: ليس في الأوقاص شيء.[١]

(٣) عن معاذ بن جبل عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: ليس في الأوقاص شيء.[٢]

(٤) في حديث معاذ طويل:

قال (معاذ بن جبل) بعثنى رسول الله صلى الله عليه وسلم مصدّقا إلى أهل اليمن ...... فأمرنى أن آخذ من كل ثلاثين تبيعا ومن الأربعين مسنة.... وأمرنى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن لا آخذ مابين ذلك شيئا إلى أن يبلغ مسنة أو جذعا"[٣]

(٥) عن معاذ أنه سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الأوقاص ما بين الثلاثين إلى الأربعين وما بين الأربعين إلى الخمسين فقال ليس فيها شيء.[٤]

ف: الوَقَص (واحد الأوقاص) بالتحريك: مابين الفريضتين[٥]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

وفيما زاد على الاربعين بحسابه في ظاهر الرواية عن الإمام، وعنه: لا شيء فيما زاد إلى ستين...... وهو قولهما والثلاثة وعليه الفتوى.[٦]

١ـ مصنف ابن أبي شيبة (٢/٣٦٤) رقم (٩٩٤٢).

في "إعلاء السنن" (٩:٢٥): قال المؤلف: وأما رجاله فعبد الله بن إدريس هذا ثقة متفق من رجال الستة كما يظهر من "تهذيب التهذيب"، وليث هذا هو ليث بن أبي سليم فقد روى عنه عبدالله المذكور وهو مختلف فيه كما مر غير مرة، والاختلاف غير مضر، وطاؤس هو من رجال الستة ثقة فقيه فاضل كما في "تقريب التهذيب" وهو وإن لم يلق معاذا لكنه أعلم بأمر معاذ كما مر عن الشافعي في تقرير الحديث السابق ١هـ.

٢ـ المعجم الكبير للطبراني (١٥/ ٩٣)، رقم (١٦٧٦٩) . قلت: فيه رجل مبهم ولكنى ذكرته تأييدا.

٣ـ المعجم الكبير للطبراني (١٥/ ٩٧)، رقم (١٦٧٧٦) قلت: فيه من هو المجهول حالًا وفى قبول رواية مجهول الحال بحث مهم بين اهلِ هذا الفن، ولا بأس بأن تُذكر هذه الرواية فى هذا المقام خاصة؛ فضلًا عن كون روايته مقبولة عندنا.

٤ـأخرجه عبدالرزاق بإسناده في "المصنف" (٤/٢٣) رقم (٦٨٤٨).

٥ـ النهاية في غريب الاثر (٥/ ٤٧٦)، غريب الحديث لأبى عبيد ابن سلّام (٤/ ١٤٢)، غريب الحديث للحربى (١/ ٣٠٨)، غيرب الحديث لابن الجوزى (٢/ ٤٧٩)، القاموس الفقهي (١/ ٣٨٥)، الزاهر (١/ ١٤١)،المحكم والمحيط الأعظم (٣/ ٨٨)، تهذيب الاسماء واللغات (١/ ١٤٨٣)، لسان العرب (٧/ ١٠٦)، القاموس المحيط (١/ ٨١٨)، الصحاح للجوهرى (٤/ ١٩٨)، المطلع على أبواب الفقه (١/ ١٢٤)

٦ـ الدرالمختار (٣/ ٢٤١)

❷ قال ابن العلاء الهندى:

روى أسد بن عمرو (أى عن أبي حنيفة [1]): أنه لا شيء في الزيادة حتى يبلغ عشرين فإذا بلغ عشرين وصارت جملة نصاب البقر ستين يجب فيها تبيعتان أو تبيعان. وفي الفتاوى العتابية: وهو المختار. [2]

❸ قال ابن نجيم:

روى الحسن عنه أنه لا شيء في الزيادة إلى ستين وهو قولهما ...... وفي جوامع الفقه: قولهما هو المختار وذكر الإسبيجابى أن الفتوى على قولهما. [3]

❹ قال الحصكفي:

ولا شيء فيما زاد إذ هو عفو إلى أن يبلغ ستين عندهما وعند الإمام فيه بحسابه والفتوى على قولهما كما في البحر عن الينابيع وتصحيح القدورى ولذا قدمه المصنف [4]

❺ قال داماد أفندى:

ولا شيء فيما زاد على أربعين إلى أن يبلغ ستين عندهما وهو رواية عن الإمام وفي جوامع الفقه "هو المختار" وذكر الا سبيجابى ان الفتوى على قولهما [5]

❻ كذافى الكتب الأخر [6]

١ـ خلاصة الفتاوى (١/ ٢٣٦)، الاختيار (١/ ١١٤)، المبسوط للسرخسى (٢/ ١٨٦)، المحيط البرهانى (٢/ ٤٤٥)، تحفة الفقهاء (١/ ٢٨٤)

٢ـ التتار خانية (٢/ ١٦٨)

٣ـ البحرالرائق (٢/ ٣٧٧)

٤ـ الدر المنتقى (١/ ٢٩٥)

٥ـ مجمع الأنهر (١/ ٢٩٥)

٦ـ النهرالفائق (١/ ٤٢٤)، الفقه الإسلامي وأدلته (١٩٢٦)، حاشية الشلبى على التبيين (١/ ٢٦٢)، اللباب في شرح الكتاب (١/ ١٤٠)، المعتصر الضرورى (١٩٧)، الترجيح والتصحيح (١١٨)، عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية (١/٢٧٤)، الموسوعة الفقهية (٢٣/ ٢٥٨)، ملتقى الأبحر (١/ ٢٩٥)، حيث قدم قولهما، تحفة الفقهاء (١/ ٢٨٤)، حيث قال "هذه الرواية أعدل".

باب : زكاة الخيل

[۳۵] اختلافی مسئلہ

إذا كانت الخيل سائمة ذكورا و إناثا وحال عليها الحول فصاحبها بالخيار إن شاء أعطى من كل فرس دينارا و إن شاء قوّمها فأعطى من كل مائتي درهم خمسة دراهم وليس في ذكورها منفردة زكوة عند أبي حنيفة –رحمه الله– وقال ابو يوسفؒ ومحمدؒ (رحمهما الله تعالىٰ): لا زكوة في الخيل ولا شيء في البغال والحمير إلا أن تكون للتجارة.

مفتی بہ قول:

فتوی صاحبینؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن أبي هريرة رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "ليس على المسلم صدقة في عبده ولا في فرسه" (۱)

۱۔ صحيح البخارى (۳/ ۵۰۹)رقم (۱٤٦٤)، وكذا انظر له: صحيح ابن حبان (۸/ ٦۵)رقم (۳۲۷۱)، صحيح ابن خزيمة (٤/ ۲۹) رقم (۲۲۸٦)، صحيح مسلم (۳/ ٦۷) رقم (۲۳۲۰)، سنن أبي داؤد (۲/ ۲۱) رقم (۱۵۹۷)، سنن نسائى (۵/ ۳۵) رقم (۲٤٦۹)، سنن الترمذى (۳/ ۲۳) رقم (٦۲۸)، سنن إبن ماجه (۱/ ۵۷۹) رقم (۱۸۱۲)، مسند أحمد (۲/ ۲٤۲) رقم (۷۲۹۳)، مسند ابن الجعد (۱/ ۲٤۲)رقم (۱۵۹٦)، مسند الحميدى (۲/ ٤٦۰) رقم (۱۰۷۳)، مسند البزار (۲/ ٤۱۳) رقم (۸۱۵۱)، مسند الشاميين (٤/ ۳۸۵)، رقم (۳٦۲۰)، موطا مالك (۲/ ۳۹۳)، رقم (۹٦۲)، المستدرك (۱/ ۵۵۲)، رقم (۱٤٤۷)، السنن الكبرى (٤/ ۱۱۷)، رقم (۷۱۹۲)، السنن المأثورة (۱/ ۳۸٤)، رقم (۳۵٦)، مصنف ابن أبي شيبة (۲/ ۳۸۰)، رقم (۱۰۱۳۸)، مصنف عبدالرزاق (٤/ ۳٤)، رقم (٦۸۸۲)

(۲) عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "ليس في الخيل والرقيق زكوة إلا زكوة الفطر في الرقيق" (۱)

(۳) عن عليؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

"قد عفوت عن صدقة الخيل والرقيق" (۲)

(۴) حضرت سعید بن میتب، عمر بن عبدالعزیز، مکحول، عطاء، شعبی اور حسن بصری رحمہم اللہ کا مذہب بھی یہی تھا کہ گھوڑوں میں زکوۃ نہیں ہے۔ (۳)

قول مفتی بہ کی تخریج:

● **في الهندية:**

لا شيء في الخيل وهذا عندهما وهو المختار للفتوى إلا أن تكون للتجارة (۴)

١ـ السنن الكبرى (٤/ ١١٧) رقم (٧١٩٤)، وكذا انظر له: المعجم الأوسط (٦/ ٢٣٢)، رقم (٦٢٧٠)، المعجم الكبير (١٩/٤٥٨)، رقم (١٠٩٧)، سنن أبي داؤد (١/ ٢١)، رقم (١٥٩٦)، شرح مشكل الآثار (٥/ ٢١٩)، معرفة السنن والآثار (٦/ ٤٣٨)، رقم (٢٤٤٨) ـ قلت: سكت عنه ابوداوٗد.

٢ـ سنن الترمذي (٣/ ١٦)، رقم (٦٢٠)،وكذا انظر له: سنن الدارمي (١/ ٤٦٧)، رقم (١٦٢٩)، المعجم الصغير (٢/ ٢٦٣)، رقم (١١٣٦)، مصنف عبدالرزاق (٤/ ٨٩)، رقم (٧٠٧٧)، مصنف ابن أبي شيبة (٢/ ٣٨١)، رقم (١٠١٤٠) في معناه بغير لفظه، مسند أبي يعلى (١/ ٤٢٣)، رقم (٥٦١) في معناه بغير لفظه.

قال الترمذي: وفي الباب عن أبي بكر الصديق وعمرو بن حزم وروى سفيان الثوري وابن عيينة وغير واحد عن أبي إسحاق عن الحارث عن علي قال -أي الترمذي-: وسألت محمدا (قلت: عنى به الإمام البخاري) عن هذا الحديث؟ قال كلاهما عندي صحيح عن أبي اسحاق يحتمل أن يكون روي عنهما جميعا.

قال البغوي في "شرح السنة" (٦/٣٧): هذا حديث حسن.

يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

أـ سكت عنه الشوكاني في "النيل" (٤/١٩٨)؛ وقد قال في المقدمة: وتعقبت ما ينبغي تعقبه عليه وتكلمت على ما لا يحسن السكوت عليه.

بـ احتج به "ابن حزم" في "المحلى" (٦/٦٣) فهو صحيح عنده؛ حيث قال في مقدمته: وليعلم من قرأ كتابنا هذا أننا لم نحتج إلا بخبر صحيح من رواية الثقات مسند.

٣ـ انظر له مصنف ابن أبي شيبة (٢/ ٣٨١ و ٣٨٢) و مصنف عبدالرزاق (٤/ ٣٥)

٤ـ الهندية (١/ ١٧٨)

❷ قال طاهر البخاري:

وعندهما وعندالشافعي لا زكوة في الخيل والفتوى على قولهما. (١)

❸ قال التمرتاشي والحصكفي:

لا شيء في خيل سائمة عندهما وعليه الفتوى. (٢)

❹ قال ابن البزاز:

لا زكوة في الخيل عندهما والفتوى على قولهما. (٣)

❺ قال الزحيلي:

وقال الصاحبان: وبقولهما يفتى: لا زكوة في الخيل ولا في شيء من البغال والحمير إلا أن تكون للتجارة و هذا موافق لرأى بقية الائمة. (٤)

❻ كذا في الكتب الأخر. (٥)

---

[٣٦] اختلافی مسئلہ:

ليس في الفُصلان والحُملان والعجاجيل زكاة عند أبي حنيفة و محمد إلا أن يكون معها كبار وقال أبو يوسفؒ: تجب فيها واحدة منها.

مفتی بہ قول:

فتویٰ طرفینؒ کے قول پر ہے۔

١ـ خلاصة الفتاوى (١/ ٢٣٦)

٢ـ الدرالمختار (٣/ ٢٤٤)

٣ـ الفتاوى البزازية (٤/ ٨٣)

٤ـ الفقه الإسلامي وأدلته (١٩٢٩) وكذا فيه في (١٩١٥ و ١٧٩٩)

٥ـ الفتاوى الخانية (١/ ٢٤٩)، الجوهرة النيرة (١/ ٢٩٥)، مجمع الأنهر (١/ ٢٩٧)، حاشية الشلبي على التبيين (١/ ٢٦٥)، البحرالرائق (٢/ ٣٧٩)، الدرالمنتقىٰ (١/ ٢٩٧)، النهر الفائق (١/ ٤٢٧)، فقه العبادات - حنفي - (١/ ٣١٠)، الموسوعة الفقهية (٢٠/ ١٩١)، فقه السنة (١/ ٣٦٨)، عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية (١/ ٢٧٥)

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن مغيرة عن ابراهيم وعن يونس عن الحسن قالا: لا يعتد بالسخلة ولا توخذ في الصدقة. [۱]

ف: اثر مذکور سے واضح ہوا کہ بکری کا چھوٹا بچہ زکوۃ میں شمار نہیں ہوتا ہاں البتہ کبار کے ساتھ ازروئے تبع لے لیا جاتا ہے (اَصالۃً نہیں لیا جاتا)۔لہٰذا اگر کبار مر جائیں تو یہ بچے بھی زکوۃ سے ساقط ہو جائیں گے کیونکہ یہ تبعاً زکوۃ میں شمار ہوتے ہیں مستقل ان پر حکم زکوۃ لاگو نہیں ہوتا جیسا کہ اصولِ فقہ میں یہ قواعد مرقوم ہیں:

(أ) التابع تابع

(ب) التابع لا يفرد بالحكم

(ج) يسقط الفرع إذا سقط الأصل. [۲]

(۲) عن سويد بن غفلة قال سرت أو قال: أخبرني من سار مع مصدّق رسول الله صلى الله عليه وسلم: "فاذا في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم أن لا تأخذ من راضع لبن" [۳]

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

ولا في حَمَل وفصيل وعجول وصورته أن يموت كل الكبار ويتم الحول على أولادها الصغار، إلا تبعا لكبير.

وقال الشامي:

قوله (وصورته الخ) أى إذا كانت له سوائم كبار وهى نصاب فمضت ستة أشهر مثلاً فولدت أولاد ثم ماتت وتم الحول على الصغار لا تجب الزكاة فيها عندهما وعند الثاني تجب واحدة منها ...... وفي القهستاني عن التحفة: الصحيح قولهما. [۴]

۱ـ مصنف ابن أبي شيبة (۲/ ۳٦۷)، رقم (۹۹۸۲)

۲ـ الأشباه والنظائر (۱۲۰، ۱۲۱)، التقرير والتحبير (۳/ ٤۸۸)، المنثور في القواعد (۱/ ۱۹۰، ۱۹۱)، الإحكام للآمدى (۳/ ۱٦٥)

۳ـ سنن أبي داؤد (۲/ ۱٤)، رقم (۱٥۸۱)، وكذا انظر له: سنن نسائی (۲/ ۱٤)، رقم (۲۲۳۷)، السنن الكبرى (٤/۱۰۱)، رقم (۷۰۹٦)

قال ابن الملقن في "تحفة المحتاج إلى أدلة المنهاج" (۲/٤۳): رواه أبو داوٗد والنسائي وابن ماجة بإسناد حسن. قلت: سكت عنه أبو داوٗد.

٤ـ ردالمحتار (۳/ ۲٤٦، ۲٤٥)

❷ قال ابن نجيم:

قوله (ولا في الحملان والفصلان والعجاجيل) ...... عدم الوجوب في الصغار من السوائم قولهما وقال أبويوسفؒ: تجب واحدة منها -إلى أن قال- والصحيح قول أبي حنيفةؒ لأن النص أوجب للزكاة أسنانا مرتبة ولا مدخل للقياس في ذلك وهو مفقود في الصغار. (١)

❸ قال داماد أفندى:

قوله (وعند أبي يوسف فيها واحدة منها) وهو الرواية الثانية عن الإمام (وعنه رواية ثالثة أيضا وهي قوله الأخير المذكور في الكتاب) وبها أخذ الشافعي أيضاً. وجه قوله الأول: أن الاسم المذكور ...... ووجه (قوله) الأخير: أن النص أوجب للزكاة أسنانا مرتبة ولا مدخل للقياس في ذلك وهو مفقود في الصغار وهو الصحيح كما في التحفة. (٢)

❹ قال السمرقندى (في أثناء هذه المسألة):

وتم الحول على الحملان لا يجب شيء عند أبي حنيفه و محمد رحمهما الله تعالىٰ وعند أبي يوسف (رحمه الله) يجب واحد منها وعند زفر تجب مسنة والصحيح قول أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالىٰ. (٣)

❺ قال الغنيمي الميداني:

وليس في الفصلان والحملان والعجاجيل صدقة عند أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالىٰ إلا أن يكون معها كبار وقال ابو يوسف: "يجب فيها واحد منها"؛ ورجح الأول. (٤)

❻ كذافي الكتب الأخر (٥)

❼ قول الطرفينؒ قول المتون (٦)

١ـ البحرالرائق (٢/ ٣٨٠)

٢ـ مجمع الأنهر (١/ ٢٩٩)

٣ـ تحفة الفقهاء (١/ ٢٨٩)

٤ـ اللباب في شرح الكتاب (١/ ١٤٢)

٥ـ المعتصر على المختصر (٢٠٠)، الهندية (١/ ١٧٨)، خزانة الفقه (٧٢)، ملتقى الأبحر (١/ ٢٩٨)، حيث قدم قولهما فيه

٦ـ المختار (١/ ١١٦)، كنزالدقائق (٥٩)، الوقاية (١/ ٢٧٥)، غررالأحكام لملاخسرو (٢/ ٣٣٧)، النقاية (١/ ٣٦٠)

[٣٧] اختلافی مسئلہ

الزكوة عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ في النصاب دون العفو وقال محمد وزفر رحمهما الله تعالىٰ: تجب فيهما.

مفتی بہ قول:

فتوی شیخینؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

قال النبى صلى الله عليه وسلم:

"فى خمس من الإبل شاة ولا شيء من الزيادة حتى تبلغ عشرا" (١)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ **قال التمرتاشي والحصكفي:**

ولا في عفو وهو مابين النصب في كل الأموال (٢)

❷ **قال الحلبي:**

والزكاة تتعلق بالنصاب دون العفو وعند محمد بهما (٣) **(القول المقدم فيه هو الراجح كما هو المعروف عند أهل الإفتاء)**

❸ **في الهندية:**

الزكاة عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ في النصاب دون العفو حتى لوهلك

١ـ التحقيق في حديث الخلاف لابن الحوزى، نقلا عن أبي يعلى والشيرازى (٢ / ٢٧)، واللفظ لابن الحوزى، نصب الراية (٢ / ٢٥٧)

٢ـ الدرالمختار(٣/ ٢٤٦)

٣ـ ملتقى الأبحر (١ / ٣٠١)

العفو وبقي النصاب بقي كل الواجب لأن العفو تبع للنصاب[1] (ولم يذكر قول محمدؒ فهذا ترجيح لقول الشيخينؒ)

❹ قال ابن العلاء الهندي:

إن المال إذا اشتمل على النصاب والعفو فالواجب يتعلق بالنصاب وحده استحسانا عند أبي حنيفة وأبي يوسفؒ حتى لوهلك العفو وبقي النصاب بقي كل الواجب. وقال محمد وزفر: يتعلق بهما قياسا حتى لوهلك العفو سقط من الزكاة بقدره[2] (فقول الشيخين هو الراجح فيه إذ الاستحسان مقدم على القياس كما عرف في موضعه إلا في مسائل معدودة وهي ليست منها)

❺ قال الزحيلي:

الزكاة في النصاب دون العفو (الأوقاص): لازكاة في الأوقاص، وهي عفو أي معفو عنها باتفاق المذاهب (أي في أقوالها المفتى بها) فلا تتعلق به الزكاة بل تتعلق بالنصاب المقرر شرعا فقط ...... فما دون النصاب عفو وما فوقه إلى حد آخر عفو فلوهلك العفو وبقي النصاب بقي كل الواجب[3]

❻ كذا في الكتب الأخر[4]

❼ انما المتون المعتبرة على قول الشيخين على ما يليك:

١. قال الموصلي: وتجب في النصاب دون العفو[5]

٢. قال النسفي: ولا في العفو[6]

٣. قال المحبوبي: والزكوة في النصاب لاالعفو.[7]

وابن الساعاتي أتى بقول الشيخين وبقول محمدؒ أيضاً ولم يختر أحدًا منهما.[8]

١ـ الهندية (١/ ١٨٠)

٢ـ الفتاوى التاتارخانية (٢/ ٢٢١)

٣ـ الفقه الإسلامى وأدلته (١٩٤٢، ١٩٢٨)

٤ـ المحيط البرهانى (٢/ ٥١٩)، تحفة الملوك (١/ ١٢٦)، عمدة القارى (١٣/ ٤٢٤)

٥ـ المختار (١/ ١٠٩)

٦ـ كنزالدقائق (٥٩)

٧ـ الوقاية (١/ ٢٧٦)

٨ـ مجمع البحرين (١٧٩)

باب زكاة الفضة

و

باب زكاة الذهب

[۳۸] اختلافی مسئلہ

لا شيء في الزيادة حتى تبلغ أربعين درهما فيكون فيها درهم ثم في كل أربعين درهما درهم عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقال أبويوسف و محمد رحمهما الله تعالى: ما زاد على المائتين فزكاته بحسابه.

[۳۹] اختلافی مسئلہ

ليس فيما دون عشرين مثقالا من الذهب صدقة... ثم في كل أربعة مثاقيل قيراطان وليس فيما دون أربعة مثاقيل صدقة عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقالا رحمهما الله تعالى: ما زاد على العشرين فزكاته بحسابه.

مفتی بہ قول:

ان دونوں مسئلوں کا مبدأ اور نوعیت متحد ہے اور ان میں اگرچہ متقدمین کے نزدیک قولِ امام رحمہ اللہ تعالیٰ راجح ہے۔ (1)

١ـ كما في تحفة الفقهاء (١/٢٦٦)، ومجمع الأنهر (١/٣٠٤)، والدر المنتقى (١/٣٠٤)، والترجيح والتصحيح (١٢٢)، وشرح الوقاية (١/٢٨٦) و درر الحكام شرح غرر الأحكام (١/١٨٢)، وملتقى الأبحر -حيث قدّم قول الإمام فيه- (١/٣٠٣، ٣٠٤). وكذا من المتون: في المختار للفتوى (١/١١٩)، وكنز الدقائق (٦٠)، والوقاية (١/٢٨٦)، والنقاية (١/٣٦٤)، وغرر الأحكام (١/١٨١، ١٨٢) و تنوير الأبصار (٣/٢٧٢)، وبداية المبتدى (١/٣٤، ٣٥).

مگر مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر متاخرین کے ہاں قولِ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ مختار و معمول بہ ہے۔[1] اور اِس وقت کے اہلِ افتاء مشائخ کے ہاں بھی یہی (قولِ صاحبین) راجح اور مفتی بہ ہے۔[2]

۱۔ انفع للفقراء

۲۔ أحوط فی العبادۃ

۳۔ عدم الحرج فی اعتبار الکسور فی هذا الزمن خاصةً.

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن عاصم بن ضمرة والحارث الأعور عن علی رضی اللّٰہ عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: "فإذا کانت لک مائتا درهم وحال علیها الحول ففیها خمسة دراهم ولیس علیک شیء -یعنی فی الذهب- حتی یکون لک عشرون دینارا فإذا کان لک عشرون دینارا وحال علیها الحول ففیها نصف دینار فما زاد فبحساب ذلک".

۱۔ علی ما ستراه في تخریجه، وکما في فتاوي مشایخنا -من شبه القارة الهندیة- نحو: فتاوی دارالعلوم دیوبند (۹۷/۶)، وأحسن الفتاوی (۲۷۳/٤) وغیرهما.

۲۔ یقول العبد الضعیف عفا الله عنه:

والقصة أني لما وصلتُ -خلال تألیف هذا الکتاب- إلی هاتین المسألتین وراجعتُ لهما کتب الفتاوی للمتقدمین کانت الفتوی فیهما علی قول الإمام أبي حنیفة کما تقدم وأما العبد الضعیف فوقع منه في حیز التأمل أن یجعل قوله ما یفتی به نظرا إلی العصر الراهن وتبین من رأیه -أي رأي العبد الضعیف هذا- أن یُفتی بقول صاحبَیه فیهما ولکنه لم یجرأ علیه لکونه ضعیف الشخصیة وقلیل البضاعة فأعددتُ استفتاءً مفصّلاً عنها وأرسلته إلی دیار الإفتاء المتعددة، من "بنجاب" و "کراتشي"، -في بلدنا الباکستان- مما بلغت إلی حد الشهرة والاعتماد فینا، لأعثر علی رأي مشایخنا القیّم حوله فوقع رأیهم الأنیق في موقع التصویب والتأیید لرأي العبد الضعیف، حیث أفتوا بقول الصاحبین فیهما -فلله تعالی الحمد وله الشکر کما هو یلیق به-.

ومن الجامعات التي صدر منها الإفتاء المذکور:

أ- جامعة دارالعلوم بکراتشي: رقم الفتوی (۱۲/۱۲۷۵) التاریخ (۲۳-۰۶-۱٤۳۱هـ)

ب- جامعة خیر المدارس بملتان: رقم الفتوی (۱۰۹/۱۳۸) التاریخ (۱۵-۰۱-۱٤۳۱هـ)

ج- جامعة دارالعلوم بکبیروالا (خانیوال): رقم الفتوی (۲۲۲٦۷) التاریخ (۱۰-۰٤-۱٤۳۱هـ)

د- دارالإفتاء إدارة غفران براولبندي: رقم الفتوی (۱٤۳۲هـ/ ۱۷۹) التاریخ (۲٦-۱۰-۱٤۳۲هـ)

وقد أرسلتُ ما سلف ذکره من الاستفتاء إلی غیرها من دیار الإفتاء أیضا ولکنه لم یبلغني الإجابة عنه منها بعد أن طالت به المدة. لعل هذا لِما اعترت لأهلها من الأشغال المتوافرة أو لنوع من تعطل البرید أو غیر ذلک مما یعلمه ربنا العلیم.

قال: فلا أدري أعليّ يقول "فبحساب ذلک" أو رفع إلى النبي صلى الله عليه وسلم؟" [1]

(٢) عن علي رضي الله عنه قال زهير أحسبه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: "هاتوا ربع العشور من كل أربعين درهما درهم وليس عليكم شيء حتى تتم مائتي درهم فإذا كانت مائتي درهم ففيها خمسة دراهم فما زاد فعلى حساب ذلک". [2]

(٣) حدثني ثمامة بن عبدالله بن أنس أن أنسا حدّثه أن أبابكر رضي الله عنه كتب له هذا الكتاب لما وجهه إلى البحرين: بسم الله الرحمن الرحيم. هذه فريضة الصديق التى فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم على المسلمين.... "وفي الرقة ربع العشر" اهـ [3]

"رقہ" چاندی کو کہتے ہیں اور نصِ مذکور اپنے اطلاق کے سبب نصاب اور زائد از نصاب ہر دو کو عام ہے۔ [4]

(٤) عن معمر عن أيوب عن نافع قال: ... ليس في المال صدقة حتى يحول عليه الحول فإذا حال عليه الحول ففي كل مائتي درهم خمسة دراهم فما زاد فبحساب ذلک. [5]

١ـ سنن أبي داود (٢/١٠) رقم (١٥٧٥)

قال الزيلعي في "نصب الرأية" (٢/٢٣٢):

فيه عاصم والحارث. فعاصم وثقه ابن المديني وابن معين والنسائي. وتكلم فيه ابن حبان وابن عدي فالحديث حسن.

قال النووي رحمه الله في "الخلاصة": وهو حديث صحيح أوحسن.

قال المحقق فی "فتح القدير" (٢/١٦٥):

والحارث وإن كان مضعفا لكن عاصم ثقة وقد روى الثقة أنه رفعه معه فوجب قبول رفعه، ورد تصحيح وقفه. وروى هذا المعنى من حديث ابن عمرو من حديث أنس و عائشة.

قال الحافظ في "بلوغ المرام" (١/١٥٦):

رواه أبوداود، وهو حسن، وقد اختلف في رفعه.

٢- سنن أبي اود (٢/١٠) رقم (١٥٧٤)

قال ابن الهمام في "الفتح" (٢/٢٠١):

ورواه الدار قطني (قلت: في باب "وجوب زكاة الذهب والورق اهـ" ٢:٩٢) مجزوما ليس فيه قال زهير -أي: أحسبه-. قال ابن القطان: هذا سند صحيح.

وكذا قال الزيلعي في "نصب الراية" (٢/٢٤٤) والملا على القاري في "شرح النقاية" له (١/٣٦٤).

٣ـ صحيح البخارى (٣/٤٩١) رقم (١٤٥٤)

٤ـ عمدة القاري (١٣/٢٤٦)

٥ـ مصنف عبدالرزاق (٤/٧٧) رقم (٧٠٣٢)

قلت: رجاله ثقات (معمر هو ابن راشد الأزدي، وأيوب هو ابن كيسان السختياني، ونافع هو ابن هرمز -مولى عبدالله بن عمر- المعروف)

(٥) عن معمر عن أيوب عن بن سيرين عن خالد الحذاء قال سألت بن عمر عن صدقة مال العبد فقال أليس مسلما فقلت بلى قال فإن عليه في كل مائتي درهم خمسة دراهم فما زاد فبحساب ذلك.[1]

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الزحيلي:

وقال الصاحبان وجمهور الفقهاء: ما زاد على المئتين فزكاته بحسابه، وإن قلت الزيادة –إلى أن قال– وهذا هو المعقول.[2]

❷ قال الحلبي:

مال المحقق ابن الهمام –بصنيعه– إلى ترجيح قول الصاحبين فيه؛ إذ ردَّ ما استدل به الإمام وضعّفه من حيث الصناعة الحديثية، وعدّ بعضَه مما لم يعتمد عليه، على ما ترى فيما يلي من كلامه:

(أ)– قوله: (ولأبي حنيفة الخ) روى الدارقطني عن معاذ "أن النبي صلى الله عليه وسلم أمره أن لا يأخذ من الكسور شيئا"، وهو ضعيف بالمنهال بن الجراح.

(ب)– وأما ما نسبه المصنف إلى حديث عمرو بن حزم فقال عبدالحق في أحكامه: –فذكره، وفيه: "وفي كل أربعين درهما درهم وليس فيها دون الأربعين صدقة"– ثم ردّه المحقق بقوله: "ولم يعزُه عبدالحق لكتاب".

وبعد ذلك قام ابن الهمام يميل إلى قولهما ببسط القول كما يترشح من كلامه، فراجعه إن شئت، وأنا أقتبس بعضه في ما يلي:

(أ)– قال: حديث عليّ (وهو ما استدلا رحمهما الله تعالى به) متعرّض لإيجابه (أي لإيجاب الكسور) ولو اعتبر المفهومُ (المخالفُ المترشحُ من بعض الروايات المشيرُ إلى عدم إيجابه) كان المنطوق مقدما عند المعارضة خصوصا.

(ب)– قال عن حديث عليّ: وفيه الاحتياط. (قلت: وفي العبادات يؤخذ ما فيه الإحتياط، كما لا يخفى).

(ج)– قال تأييدا لقولهما: لأنه أوفق لقياس الزكوات لأنها تدور بعفو ونصابٍ.[3]

❸ قال السمرقندي –بعد سرد الخلاف المذكور–:

١ـ مصنف عبدالرزاق (٤/٧٢) رقم (٧٠٠٧)

٢ـ الفقه الإسلامي وأدلته (١٨٢٤)

٣ـ انظر لجميعه: فتح القدير (٢/٢١٦–٢١٨)

والصحيح قول أبي حنيفة، لأن في اعتبار الكسور حرجا بالناس، والحرج موضوع.[1]

قلت: لمّا كانت صحة قول الإمام هنا مبنية على الحرج الواقع في اعتبار الكسور في مذهب صاحبيه، انتفى الحرجُ اليومَ، بعد أن تُعورفت الوحدات في الأوراق والعُملات، بل نوع من الحرج اليومَ فيما قاله الإمام رحمه الله تعالى؛ إذ يصعب ويشُقّ على الإنسان -في الأيام الحاضرة- أن يقدّرها بماليّة أربعين درهما ويُفرِز نصابَ ماليّةِ كل مائتي درهم حسابًا أيضا، وهذا ظاهر.

فالصحيح قولهما، في الزمن الحالي، من جهة النظر إلى الحرج بالناس في قول الإمام من التقدير المذكور بعدم اعتبار الكسور. والله تعالى أعلم.

❹ قال الكاساني:

أن الدراهم والدنانير وإن كانا في الثمنية والتقويم بهما سواء لكنا رجحنا أحدهما بمرجح وهو النظر للفقراء والأخذ بالاحتياط أولى ألا ترى أنه لو كان بالتقويم بأحدهما يتم النصاب وبالآخر لا فإنه يقوم بما يتم به النصاب نظرا للفقراء واحتياطا.[2]

❺ قال العثماني:

إذا كان أحد القولين أنفع للفقراء فهو أولى من غيره في باب الزكاة.[3]

❻ قال الزحيلي:

ويرى كثير من علماء العصر أن النقود تقدر بسعر الفضة احتياطًا لمصلحة الفقراء، ولأن ذلك أنفع لهم. وأرى الأخذ بهذا الرأي؛ لأنه يفتي بما هو أنفع للفقراء.[4]

١ـ تحفة الفقهاء (١/٢٦٦)

٢ـ بدائع الصنائع (٢/١١٠)

٣ـ أصول الإفتاء (٣٩)

٤ـ الفقه الإسلامي وأدلته (١٨٢١)

باب زكاة العُروض

[۴۰] اختلافی مسئلہ

إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق أو الذهب يقوّمها بما هو أنفع للفقراء والمساكين منهما، وقال أبو يوسفؒ: يقوم مما اشتراه به فإن اشتراه بغير الثمن يقوّم بالنقد الغالب في المصر، وقال محمدؒ، بغالب النقد في المصر على كل حال.

مفتی بہ قول:

فتوی امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے کہ ''أنفع للفقراء'' کا اعتبار ہوگا۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) قوله تعالىٰ ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين﴾ الآية (۱)

آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے مستحق دراصل فقراء لوگ ہی ہیں جن کے لئے زکوٰۃ مشروع (۲) ہوئی لہٰذا قیمت لگانے میں بھی ان فقراء کا ہی نفع مدنظر رکھنا مناسب ہے۔

(۲) سونا اور چاندی نفسِ ثمنیت میں اگرچہ برابر ہیں مگر ہم نے ان میں سے کسی ایک (یعنی چاندی) کے نصاب کو، مُرجح کے پائے جانے کی وجہ سے ترجیح دے دی اور وہ (مرجح) فقراء ومساکین پر شفقت اور ان کی منفعت ہے۔ (۳)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

و في عرض تجارة قيمته نصاب من ذهب أو ورق مقوّما بأحدهما ...... ولو بلغ باحدهما نصابا

۱۔ سورة التوبة (۶۰)

۲۔ كما في قوله صلى الله عليه وسلم على مارواه أصحاب الكتب الستة: "توخذ من اغنيائهم فترد على فقرائهم" الحديث

۳۔ بدائع الصنائع (۲/ ۱۱۰)

وخمسا وبالآخر اقلّ، قوّمه بالأنفع للفقير.[1]

❷ قال الحلبی:

و(تجب الزكوة) في عروض تجارة بلغت قيمتها نصابا من احدهما تقوم بما هوأنفع للفقراء [2]

❸ قال محمد بن أبي بكرالرازی الحنفی:

نصاب العروض أن يبلغ قيمتها نصابا بالأنفع للفقراء [3]

❹ قال الزحيلی:

وطريقة تقويم العروض: هی عند الجمهور غير الشافعية (أی ان الحنفية فيه من الجمهور) أن تقوّم السلع إذا حال الحول بالأحظ للمساكين من ذهب أو فضة احتياطا لحق الفقراء ولا تقوّم بما اشتريت به - وقال بعد أسطر - ورأی الجمهور أولیٰ لسهولته ومراعاته مصالح الفقراء [4]

❺ قال المحبوبی:

وفی معموله وتبره وعرض تجارة قيمته نصاب من أحدهما مقوما بالأنفع للفقراء ربع عشر أی إن كان التقويم بالدراهم أنفع للفقراء قوّم عروض التجارة بالدراهم وإن كان بالدنانير أنفع قومت بها[5]

❻ كذافی الكتب الأخر [6]

١ـ الدرالمختار (٣/ ٢٧٢، ٢٧١)

٢ـ ملتقی الأبحر (١/ ٣٠٦)

٣ـ تحفة الملوك (١/ ١٢١)

٤ـ الفقه الإسلامی وأدلته (١٨٧٢)

٥ـ الوقايه و شرحه (١/ ٢٨٥)

٦ـ الفقه الحنفی وأدلته (١/ ٣٣٤)، غررالأحكام و شرحه (٢/ ٣٥٥)، الموسوعة الفقهية (١٣/ ١٧١)، النقاية (١/ ٣٦٥)

[۴۱] اختلافی مسئلہ

يضم الذهب إلى الفضة بالقيمة حتى يتم النصاب عند أبي حنيفةؒ
وقالا: لا يضم الذهب إلى الفضة بالقيمة ويضم بالأجزاء.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام صاحبؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) **في كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم الذى كتبه لعمرو بن حزمؓ:**

"فإذا بلغ قيمة الذهب مئتى درهم ففى كل أربعين درهما درهم" (۱)

حدیث مذکور سے واضح ہوا کہ ضم میں تکمیل نصاب کے لیے قیمت کا اعتبار ہوگا **فهو ما نحن فيه۔**

(۲) جب سونے کو چاندی سے ملانا محض مجانست کی بناء پر ہے (کہ یہ دونوں نفسِ ثمنیت میں ہم جنس ہیں) تو یہ مجانست، قیمت کے اعتبار سے متحقق ہوسکتی ہے۔ صورۃً اس کا تحقق ہی نہیں ہوسکتا کیونکہ سونا اور چاندی میں سے ہر ایک جداگانہ صورت کا حامل ہے **فلم تتحقق المجانسة بينهما** جبکہ یہ بات واضح ہے کہ اجزاء ووزن کا اعتبار، صورت کا اعتبار ہے۔ (۲)

(۳) بناء بر مجانست جب یہ ملانا ضروری ہی قرار پایا تو عروضِ تجارت پر قیاس کر کے اس میں بھی قیمت کا اعتبار اولیٰ ہے کیونکہ بالاتفاق سامانِ تجارت کی بھی قیمت کو ہی سونے چاندی سے ملایا جاتا ہے **كما لا يخفى وكذا ههنا۔** (۳)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ **قال الزحيلي:**

ويضم عند الجمهور (غير الشافعية) أحد النقدين إلى الآخر في تكميل النصاب فيضم الذهب إلى الفضة وبالعكس بالقيمة، فمن له مائة درهم وخمسة مثاقيل قيمتها مائة، عليه زكاتها؛ لأن مقاصدها

۱۔ المستدرك للحاكم (۱/ ۵۵۲)، رقم (۱٤٤٦)

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط مسلم، ولم يتعقبه الذهبي.

۲۔ الكفاية في آخر "فتح القدير" (۲/ ٦٤)، البحر الرائق (۲/ ۲٤۱)، العناية على هامش "فتح القدير" (۲/ ۲۳۰)

۳۔ اللباب في شرح الكتاب (۱/ ۱٤۵)

وزكاتهما متفقة فهما كنوعي الجنس الواحد [1]

❷ قال الشرنبلالي:

وتضم قيمة العروض إلى الثمنين والذهب إلى الفضة قيمة [2]

❸ قال قاسم بن قطلوبغا (تحت هذه المسألة):

قال في التحفة: وقوله أنفع للفقراء وأحوط في باب العبادة [3]

❹ قال الحلبي:

ويضم أحدهما إلى الآخر بالقيمة وعندهما بالأجزاء [4](فالقول المقدم فيه هو الرجح كما لا يخفى على من عرف دأبه في المختار)

❺ كذافي تحفة الملوك. [5]

❻ إنما المتون على قول الإمام. [6]

الملاحظة:

قال الشيخ النعماني: أفتى الفقهاء على قول أبي حنيفة لأن قوله أحوط ...... وأن قولهما أرفق بالناس فينبغي أن يفتى بقولهما في هذا الزمان وخصوصا في مسئلة الأضحية ترفقا بالنساء لأن أكثر النساء يوجد معهن شيء من الذهب وهو يساوى نصاب الفضة باعتبار القيمة وهن لا يستعدن لبيع الذهب ولشراء الأضحية وإذا كان الانضمام بالأجزاء فحينئذ يكون الحكم أسهل عليهن. [7]

---

١ ـ الفقه الإسلامي وأدلته (١٨٢٠)

٢ ـ مراقي الفلاح (٧١٧)

٣ ـ الترجيح والتصحيح على القدوري (على هامش مختصر القدرى) (١٢٤)

٤ ـ ملتقى الأبحر (١/ ٣٠٦)

٥ ـ (١/ ١٢١)

٦ ـ المختار (١/ ١١٨)، كنزالدقائق (٦١)، الوقاية (١/ ٢٨٦)، غررالأحكام (٢/ ٣٥٩)، تنويرالأبصار (٣/ ٢٧٨)

٧ ـ القول الراجح (١/ ١٧٤)

باب زكاة الزروع والثمار

[۴۴]اختلافی مسئلہ

قال أبوحنيفةؒ: في قليل ما أخرجته الأرض وكثيره العشر واجب سواء سقي سيحا أو سقته السماء إلا الحطب والقصب والحشيش، وقال أبويوسف و محمد -رحمهما الله-: لا يجب العشر إلا فيما له ثمرة باقية إذا بلغت خمسة أوسق والوسق ستون صاعًا بصاع النبى صلى الله عليه وسلم وليس في الخضروات عندهما عشر.

مفتی بہ قول:

فتوی امام صاحبؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) قوله تعالىٰ ﴿وآتوا حقه يوم حصاده﴾ (۱)

(۲) قوله تعالىٰ ﴿أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض﴾ (۲)

(۳) عن سالم بن عبدالله عن أبيه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال:

"فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشرُ" (۳)

(۴) عن جابرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

۱۔ الأنعام (۱٤۱)

۲۔ البقرة (۲٦۷)

۳۔ صحيح البخارى (۳/ ۵۳٦) رقم (۱٤۸۳)، وكذا انظر له: السنن الكبرى (٤/ ۱۳۰) رقم (۷۲۷٦)، المنتقى لابن الجارود (۱/ ۹٦)، رقم (۳٤۸)

"فيما سقت الأنهار والغيم العشور" (١)

(٥)...... عن معاذ بن جبل قال: بعثني رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى اليمن وأمرني أن آخذ مما سقت السماء وما سقي بعلا العشر. (٢)

مذکورہ بالا آیات واحادیث کا عموم واطلاق، پیداوار کے قلیل وکثیر ہر دو حصے کو شامل ہے۔ (٣)

(٥) أبو حنيفة عن أبان بن أبي عياش عن أنس أن النبي صلى الله عليه وسلم قال:

"في كل شيء أخرجت الأرض العشر أو نصف العشر" (٤)

(٦) عن أبي حنيفة عن حماد عن إبراهيم قال:

"في كل شيء أنبتت الأرض العشر" (٥)

(٧) كتب عمر بن عبدالعزيز أن يوخذ مما أنبتت الأرض من قليل أو كثير العشر" (٦)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي:

يجب العشر ...... بلا شرط نصاب وبقاء إلا في نحو حطب وقصب وحشيش.

قال ابن عابدين:.

قوله (بلا شرط نصاب وبقاء)، فيجب فيما دون النصاب بشرط أن يبلغ صاعا، وقيل نصفه، وفي الخضروات التي لاتبقىٰ وهذا قول الإمام وهو الصحيح. (٧)

١ ـ صحيح مسلم (٣/ ٦٧) رقم (٢٣١٩)، وكذا انظر له: مسند أحمد (٣/ ٣٤١) رقم (١٤٧٠٨)، شرح معاني الآثار (٢/ ٣٧) رقم ٢٨٥٢)، السنن الكبرى (٤/ ١٣٠)، رقم (٧٧٣٨)

٢ ـ سنن إبن ماجه (١/ ٥٨١) رقم (١٨١٨)، وكذا انظر له: السنن الكبرى (٤/ ١٣١)، رقم (٧٧٤١)، المعجم الكبير (٢٠/ ١٢٩)، رقم (١٧٠١٩)، مسند البزار (١/ ٤٠٦)، رقم (٢٦٤٦)، مسند الشاشي (٣/ ٢٥٢)، رقم (١٣٤٩)

٣ ـ أحكام القرآن للجصاص (٣/ ١٣)، احكام القرآن للطحاوي (١/ ٣٣٥)، المبسوط للسرخسي (٣/ ٢)، التبيين للزيلعي (١/ ٢٩٢)، رؤوس المسائل (٢١٢)، حيث قال: ولم يشترط فيه النصاب، الموسوعة الفقهية (٢٣/ ٢٧٩)، فقه السنة (١/ ٣٤٩)، الاختيار لتعليل المختار (١/ ١٢٠) وغير ذلك من الكتب

٤ ـ عقود الجواهر المنيفة في أدلة مذهب الإمام أبي حنيفة (٢٠٢).

٥ ـ مصنف عبدالرزاق (٤/ ١٢١)، رقم (٧١٩٥).

٦ ـ مصنف عبدالرزاق (٤/ ١٢١)، رقم (٧١٩٦)

٧ ـ ردالمحتار (٣/ ٣١٣)

❷ قال السمرقندى:

وأما بيان المحل الذى يجب فيه العشر فنقول: اختلفوا فيه:

قال أبوحنيفة: كل خارج من الأرض يقصد بزراعته نماء الأرض والغلة ويستنبت في الجنات يجب فيه العشر سواء كانت له ثمرة باقية ...... أولم يكن له ثمرة باقية

وقال أبويوسف و محمد: لا يجب العشر إلا في الحبوب وما له ثمرة باقية.

ثم النصاب هل هو شرط لوجوب العشر فيما هو باق من الحبوب والثمار أم لا؟ على قول أبي حنيفة ليس بشرط بل يجب في قليله وكثيره.

وعلى قولهما لا يجب ما لم يكن خمسة أوسق والوسق ستون صاعا، كل صاع ثمانية أرطال.

والصحيح ما قاله أبوحنيفة -رحمه الله-. (١)

❸ قال الزحيلى:

الرأى الأول - لأبي حنيفة: تجب الزكوة في قليل ما أخرجته الأرض وكثيره إلا الحطب والحشيش والقصب الفارسى ...... والصحيح عند الحنفية ما قاله الإمام ورجح الكل دليله. (٢)

❹ قال سراج الدين ابن نجيم:

(يجب في عسل أرض العشر ومسقى سماء وسيح بلا شرط نصاب وبقاء)

قوله (بلا شرط نصاب) راجع إلى الكل:

(و) بلا شرط (بقاء) فيجب فيما دون النصاب بشرط أن يبلغ صاعا وقيل نصفه و في الخضروات التى لا تبقىٰ وهذا قول الإمام وهو الصحيح (٣)

❺ كذافى الكتب الأخر (٤)

❻ وقول الإمام قول المتون العتبرة عندالحنفية. (٥)

---

١ ـ تحفة الفقهاء (١/ ٣٢٢)

٢ ـ الفقه الإسلامى وأدلته (١٨٨٤، ١٨٨٥)

٣ ـ النهرالفائق (١/ ٤٥٣)

٤ ـ اللباب في شرح الكتاب (١/ ١٤٦)، الدر المنتقى(١/ ٣١٩)، تحفة الملوك (١/ ١٢٩)، ملتقى الأبحر (١/ ٣١٧)، حيث قدم قوله، الفقه الحنفى في ثوبه الجديد (١/ ٣٦٥، ٣٦٦)، الكافى في الفقه الحنفى (٢/ ٤٦١)

٥ ـ المختار (١/ ١٢٠)، كنزالدقائق (٦٣)، الوقاية (١/ ٢٩٣)

[۴۳] اختلافی مسئلہ

وفي العسل العشر إذا أخذ من أرض العشر قلّ أو كثر (عند أبي حنيفة) وقال ابو يوسف: لا شيء فيه حتى تبلغ عشرة أزقاق، وقال محمد: خمسة أفراق والفَرَق ستة وثلاثون رطلا بالعراقي.

مفتی بہ قول:

فتوی امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال:

جاء هلال –أحد بني متعان– إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم بعشور نحل له وكان سأله أن يحمي واديا يقال له سلبة فحمى له رسول الله صلى الله عليه وسلم ذلك الوادي، فلما وُلّي عمر بن الخطاب رضي الله عنه كتب سفيان بن وهب إلى عمر بن الخطاب يسأله عن ذلك فكتب عمر: إن ادّىٰ اليك ما كان يؤدى إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم من عشور نحله فاحم له سلبته، وإلا فانما هو ذباب غيث ياكله من يشاء. (۱)

(۲) عن سليمان بن موسىٰ عن أبي سيارة المتعي قال قلت يا رسول الله!

"إن لي نحلا" قال أدّ العشر قلت: "يا رسول الله! احمها لي فحماها لي" (۲)

۱۔ سنن أبي داوٗد (۱/ ۵۰۳) رقم (۱۶۰۰)، وكذا انظر له: السنن الكبرى (٤/ ۱۲٦)، رقم (۷۲۵۱)، معرفة السنن والآثار (٦/ ٤۷٤)، رقم (۲٤۷٦) ـ قلت: سكت عنه ابوداوٗد.

۲ـ سنن إبن ماجه (۱/ ۵۸٤)، رقم (۱۸۲۳)، مصنف ابن أبي شيبة (۲/ ۳۷۳)، رقم (۱۰۰۵۰)،

قال ابن الهمام في "فتح القدير" (۲/۲۵۳):

وكذا رواه الإمام أحمد وأبوداوٗد الطيالسي وأبويعلى الموصلي في مسانيدهم . قال البيهقي: هذا أصح ما روي في وجوب العشر فيه وهو منقطع.

(۳) عن أبي هريرةؓ قال: كتب رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى أهل اليمن أن يوخذ من أهل العسل العشور (۱)

(۴) عن سعد بن أبی ذباب الدوسی، قال: أتيت النبی صلى الله عليه وسلم فأسلمت، وقلت: يا رسول اللّٰه! اجعل لقومی ما أسلموا عليه ففعل واستعملنی عليهم واستعملنی أبوبكر بعد النبی صلی اللّٰه عليه وسلم، واستعملنی عمرؓ بعد أبي بكرؓ، فلما قدم علی قومه، قال:

يا قوم! أدوا زكوة العسل فانه لاخير في مال لا يؤدی زكوته، قالوا: كم تری؟ قلت: العشر، فأخذت منهم العشر، فأتيت به عمر رضی اللّٰه عنه فباعه وجعله في صدقات المسلمين. (۲)

ف: مذکورہ بالا احادیث وآثار میں شہد میں سے مطلق عشر دینے کا بیان ہے کسی نصاب کی قید نہیں ہے لہٰذا جتنا بھی شہد حاصل ہو اس میں سے عشر ادا کیا جائے گا۔

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

(يجب) العشر (فی عسل) وإن قل (ارض غير الخراج) ولو غير عشرية (وكذا) يجب العشر (فی ثمر جبل أو مفازة إن حماه الإمام) لأنه مال مقصود (و) تجب في (مسقی سماء) أی مطر (وسيح) كنهر (بلا شرط نصاب) راجع للكل اھ

وقال ابن عابدين:

--- قال الترمذي: سألت محمد بن إسماعيل عن هذا الحديث فقال: حديث مرسل. سليمان بن موسى لم يدرك أحدا من أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم- وليس في زكاة العسل شيء يصح. انتهى

يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

ومرسل مثله مقبول عندنا، وسليمان بن موسى هذا، من التابعين ولو من صغارهم. وروى له أصحاب الستة إلا البخارى. وروايته عند ابن ماجه القزويني مرسل كما قاله المزي في "التهذيب" أيضا . قال ابن حجر عنه في "التقريب": صدوق فقيه في حديثه بعض لين وخولط قبل موته بقليل . وعدّه الذهبي موثّقا، حيث ذكره في "من تكلم فيه وهو موثق" (۱/۹٤) برقم (۱٤۸)

۱ـ مصنف عبدالرزاق (٤/ ٦٣)، رقم (٦٩٧٢)

۲ـ نصب الرأية (۲/ ٤٠٦)، المعجم الكبير (٦/ ٤٣)، رقم (٥٤٦٥)، مصنف ابن أبي شيبة (۲/ ۳۷۳)، رقم (١٠٠٥٣) فيه منير بن عبدالله وهو ضعيف . كما ذكر الهيثمي في "المجمع" (۳/١٠٧) والعسقلاني في "التلخيص" (۲/۳۷۱) وغيرهما۔ وقد ذكرته للاعتبار.

قوله (بلا شرط نصاب) ...... هذا قول الإمام وهو الصحيح. (١)

❷ قال سراج الدين ابن نجيم:

(يجب في عسل ارض العشر ومسقى سماء وسيح بلا شرط نصاب وبقاء)

ويجب العشر في عسل ارض العشر الموجود فيها لما اخرجه عبدالرزاق: "انه عليه الصلاة والسلام كتب إلى اهل اليمن ان يوخذ من اهل العسل العشور"

قوله (بلا شرط نصاب) راجع إلى الكل -إلى أن قال- هذا قول الإمام وهو الصحيح (٢)

❸ قال قاسم ابن قطلوبغا:

قوله (وفى العسل العشر إذا أخذ من أرض العشر قل أو كثر): رجح قوله (أى قول أبي حنيفةؒ) ودليله المصنفون واعتمده النسفى و برهان الشريعة (٣)

❹ في الهندية:-

ويجب العشر في العسل إذا كان في ارض العشر (٤)

❺ قال الزيلعي:

يجب العشر في عسل وجد في أرض العشر ...... ولا يشترط فيه نصاب -وقال في آخر دلائل أبي حنيفةؒ-: كل ذلك بلافصل بين القليل والكثير ولأن السبب هى الأرض النامية مؤنة لها فوجب اعتباره قل أوكثر كالخراج - ثم أيد قول أبي حنيفةؒ مجيبا عن دلائلهما، فقال:- وتأويل ماروياه زكاة التجارة الخ (٥) (فهذا كله ترجيح لقول الإمامؒ)

❻ كذافى الكتب الأخر (٦)

❼ إنما قول الإمام قول المتون (٧)

١ـ ردالمحتار (٣/ ٣١٣)

٢ـ النهرالفائق (١/ ٤٥٣)

٣ـ الترجيح والتصحيح (١٢٦)

٤ـ الهندية (١/ ١٨٦)

٥ـ تبيين الحقائق (١/ ٢٩١، ٢٩٢)

٦ـ الفتاوى الخانية (١/ ٢٧٦)، خلاصة الفتاوى (١/ ٢٤٧)، اللباب في شرح الكتاب (١/ ١٤٧)، ملتقى الأبحر (١/ ٣١٩)، حيث قدم قول الإمامؒ

٧ـ المختار (١/ ١٢١)، كنزالدقائق (٦٣)، الوقاية (١/ ٢٩٣)

باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز

[۴۴] اختلافی مسئلہ

ولا تدفع المرأة (أی زكاة ما لها) إلى زوجها عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ وقالا: تدفع إليه.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن ابن عباسؓ قال:

"لا بأس أن تجعل زكاتك في ذوی قرابتك ما لم يكونوا في عِيالك" (۱)

بیوی چونکہ اپنے شوہر کی کفالت میں ہونے کی وجہ سے اس کے عیال میں شمار ہوتی ہے اس لیے بیوی کا اپنے شوہر کو زکوۃ دینا گویا اپنے ہی کفیل کو دے کر دوبارہ اپنے اوپر خرچ کرنا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

(۲) عام طور پر زوجین میں چونکہ منافعِ املاک متصل ومشترک ہوتے ہیں جس کی بناء پر تملیک (جو ادائیگی زکوٰۃ میں شرط ہے) مکمل طور پر متحقق نہیں ہو پاتی اس لیے ان کا باہمی تبادلۂ زکوٰۃ بھی درست نہیں۔

ان میں اتصال واشتراکِ منافع کی دلیل مندرجہ ذیل آیت سے مستنبط ہے:

﴿ووجدك عائلا فأغنى﴾ -أی بمالِ خديجة رضى الله عنها(۲)- (۳)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال شيخ الإسلام المرغيناني:

۱- مصنف ابن أبي شيبة (۲/ ۴۱۲) رقم (۱۰۵۳۱)، مصنف عبدالرزاق (۴/ ۱۱۲)، رقم (۷۱۶۴)، الا أنه ذكرها بالفاظ اخرى وهى: "عن إبراهيم بن أبي حفصة قال: قلت: لسعيد بن جبير: أعطى الخالة من الزكوٰة؟ قال: نعم، مالم تغلق عليها بابا يعنى مالم تكن في عيالك".

۲- تفسير القرطبى (۲۰/ ۹۹)، تفسير البغوى (۸/ ۴۵۶)، تفسير الآلوسى (۳۳/ ۱۳)، تفسير فتح القدير (۵/ ۵۵۹)، زادالمسير (۶/ ۱۶۹)، تفسير النسفى (۴/ ۳۹)، تفسير أبي السعود (۷/ ۲۸)، بحرالعلوم للسمرقندى (۴/ ۴۱۵)، تفسير اللباب لابن عادل (۱۶/ ۳۸۲)، البحرالمديد (۷/ ۷۹)، الوجيز للواحدى (۱/ ۱۲۱۱)، ==

ولا تدفع المرأة (زكاة مالها) إلى زوجها عند أبي حنيفةؒ لما ذكرنا (من الاشتراك في المنافع عادة) وقالا: تدفع إليه لقوله عليه السلام: "لكِ أجران: أجر الصدقة وأجر الصلة" قاله لامرأة ابن مسعود وقد سألته عن التصدق عليه، قلنا: هو محمول على النافله [١] . هذا هو الترجيح لقول الإمامؒ كما ذكره العلامة قاسم بن قطلوبغا في تصحيحه على القدوري [٢]

❷ في الهندية:

ولا تدفع المرأة إلى زوجها عند أبي حنيفةؒ [٣] (ولم يذكر قولهما فالاقتصار على قول الإمامؒ ترجيح له حسب الأصول)

❸ قال الحلبي:

وكذا لا تدفع إلى زوجها خلافا لهما [٤] (فالقول المقدم فيه راجح كما عرف من صنيعه في المختار ومرغيرمرة)

❹ كذافي الكتب الأخر، حيث مال مؤلفوها إلى اختيار قول الإمام رحمه الله تعالى [٥]

❺ قول الإمام قول المتون وهذا ترجيح له أيضا كما لا يخفى وقد تقدم بيانه. [٦]

== تفسير القشيرى (٨/ ٨٦)، أيسرالتفاسير للجزائرى (٤/ ٤٠٩)، معالم التنزيل (٨/ ١٥٧)

٣ـ منستفاد مما يلي: الفقه الحنفى وأدلته (١/ ٣٤٩)، فتح القدير (٢/ ٣٧٥)، الجوهرة النيرة (١/ ٣١٥)، اللباب في شرح الكتاب (١/ ١٤٩)

١ـ الهداية (١/ ٢٢٣)

٢ـ (١٢٧)

٣ـ الهندية (١/ ١٨٩)

٤ـ ملتقى الأبحر (١/ ٣٣١)

٥ـ البحرالرائق (٢/ ٤٢٥)، مجمع الأنهر (١/ ٣٣٢)، الاختيار لتعليل المختار (١/ ١٢٨)، خزانة الفقه (٧٣)، اللباب في شرح الكتاب (١/ ١٥٠)، شرح النقاية (١/ ٣٨٩)

٦ـ كنزالدقائق (٦٤)، الوقاية (١/ ٢٩٨)، تنويرالأبصار (٣/ ٣٤٥)، غررالأحكام (٢/ ٤٠٠)، النقاية (١/ ٣٨٩)، مجمع البحرين (١٩٧)

[۴۵] اختلافی مسئلہ

قال ابوحنيفةؒ ومحمد-رحمهما الله تعالى-: إذا دفع الزكاة إلى رجل يظنه فقيرا ثم بان أنه غنى أوهاشمى أو كافر أو دفع في ظلمة إلى فقير ثم بان أنه أبوه أو ابنه فلا إعادة عليه، وقال ابويوسف-رحمه الله-: عليه الإعادة.

مفتی بہ قول:

فتوی طرفینؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) قال (معن بن يزيد): بايعت رسول الله صلى الله عليه وسلم أنا وأبى وجدى وخطب عليّ فأنكحنى وخاصمته إليه، وكان أبي يزيد أخرج دنانير يتصدق بها فوضعها عند رجل في المسجد فجئت فأخذتها فأتيته بها فقال: والله ما إياك أردت فخاصمته إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: "لک مانويت يايزيد ولک ما أخذت يامعن" (۱)

حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ دینے والے کی نیت کا اعتبار ہے اگر اس نے اپنے قصد وخیال سے کسی فقیر کو دی تو اس کی طرف سے یہ کفایت کر جائے گی۔

(۲) عن أبي هريرةؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:

"قال رجل: لأتصدقن بصدقة فخرج بصدقة فوضعها في يد سارق فأصبحوا يتحدثون تُصدق على سارق، فقال: اللهم لک الحمد لأتصدقن بصدقة فخرج بصدقة فوضعها في يد زانية، فأصبحوا يتحدثون تُصدق الليلة على زانية فقال: أللهم لک الحمد على زانية لأتصدقن بصدقة فخرج بصدقة فوضعها في يد غنيّ فأصبحوا يتحدثون تُصدق على غنيّ، فقال: اللهم لک الحمد على سارق وعلى

۱۔ صحيح البخارى (۳/ ۴۳۹)، رقم (۱۴۲۲)، وكذا انظر له: مسند أحمد (۳/ ۴۷۰)، رقم (۱۵۸۹۸)، السنن الكبرى (۷/ ۳۴)، رقم (۱۳۰۳۲)، المعجم الكبير (۱۹/ ۴۴۱)، رقم (۱۶۷۴۰)، سنن الدارمى (۱/ ۴۷۱)، رقم (۱۶۳۸)، شرح مشكل الآثار (۱۱/ ۱۲۸)

زانية وعلى غني فأتي (أي رأى في المنام [1]) فقيل له:

أما صدقتك على سارق فلعله ان يستعف عن سرقته وأما الزانية فلعلها أن تستعف عن زناها وأما الغني فلعله أن يعتبر. فينفق مما أعطاه الله عزوجل [2]

حدیث مذکور اس امر کی بین دلیل ہے کہ متصدق ومزکی نے اگر صدق نیت سے اگر کسی شخص کو مستحق زکوٰۃ سمجھ کر صدقہ وزکوٰۃ دے دی تو یہ عند اللہ مقبول ہوگی جس سے فریضۂ اداء ساقط ہوجائے گا۔ [3]

(۳) **عن الحسنؒ في الرجل يعطي زكوته إلى فقير ثم يتبين له أنه غني قال: أجزى عنه. [4]**

(۴) **قوله تعالیٰ ﴿لاَ يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [5]**

آیت مذکورہ کے مطابق اس نے اپنی کوشش اور تحری کی بناء پر اس کو مصرف سمجھ کر زکوٰۃ دے دی لہٰذا زکوٰۃ ادا ہوگئی کیونکہ ایسے امور میں انسان اپنی بساط کے بقدر اپنے اجتہاد وکوشش کا ہی مکلف ہوتا ہے **كما في التحري عند اشتباه القبلة.** [6]

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ **قال الحلبي:**

ولو دفع إلى من ظنه مصرفا فبان أنه غني أو هاشمي أو كافر أو أبوه او ابنه أجزأه خلافا لأبي يوسفؒ [7] (فالقول المقدم فيه راجح كما هو المعروف من دأبه في المختار على ما قال الشاميؒ في شرح العقود)

❷ **في الهندية:**

إذا شك وتحرّى فوقع في أكبر رأيه أنه محل الصدقة فدفع إليه ...... وأما إذا ظهر أنه غني أو هاشمي أو كافر أو مولى الهاشمي أوالوالدان أوالمولودون أوالزوج أوالزوجة فانه يجوز وتسقط عنه

١ـ عمدة القارى (٨/ ٤١٢)، كذافي فتح الملهم (٣/ ٥١)، فتح البارى (٥/ ١٨)، شرح البخارى لابن بطال (٥/ ٤٦٩)

٢ـ صحيح البخارى (١/ ١٩١) رقم (١٤٢١)، و كذا انظر له: صحيح مسلم (١/ ٣٢٩) رقم (١٠٢٢)، سنن النسائى (١/ ٣٤٨) رقم (٢٥٢٣)، السنن الكبرى (٧/ ٣٤) رقم (١٣٠٣١)، مسند أحمد (٢/ ٣٢٢) رقم (٨٢٦٥)

٣ـ عمدة القارى (٨/ ٤١٣)

٤ـ مصنف ابن أبي شيبة (٢/ ٤١٣)

٥ـ سورة البقرة)٢٨٦)

٦ـ انظرله: الفقه الحنفى و أدلته (١/ ٣٥٢)، الهداية (١/ ٢٢٤)، الطحطاوى على المراقى (٧٢١)، اللباب في الجمع بين السنة والكتاب (١/ ٤٠٣)، حاشية السعدى الجلبي على العناية (١/ ٢٨٢)

٧ـ ملتقى الأبحر (١/ ٣٣٢)

الزكاة في قول أبي حنيفةؒ ومحمدؒ [1](ولـم يذكر قول أبي يوسفؒ فالاقتصار على قولهما دلالة على بيان المختار)

❸ قال الزحيلي:

قال الحنفية: إذا دفع الزكاة لإنسان ثم بان أنه غني أو ذمي أو أنه أبوه أو ابنه أو امرأته أو هاشمي لا يعيد الدفع؛ لأنه أتى بما في وسعه أي أتى بالتمليک الذي هو ركن الأداء على قدر وسعه اذليس مكلفا بأكثر من التحري والبحث[2] (فقال الشيخ الزحيلي: "قال الحنفية" ولم يذكر ایّ خلاف فيها مع تحققه في موضعه فالمعنى أنه هو المذهب المعمول به عندالحنفية كما هو واضح)

❹ قال الشرنبلالي:

لو دفع بتحرلمن ظنه مصرفا، فظهر بخلافه أجزأه إلا أن يكون عبده أو مكاتبه قال الطحطاوي:

قوله (أجزأه) لأنه أتى بما في وسعه والزكاة حق الله تعالى والمعتبر فيه الوسع وقوله (إلا ان يكون عبده أو مكاتبه) ...... وقيد بما ذكره لأنه لو ظهر غناه أو كونه ذميا أو أنه أبوه أو ابنه أو امرأته أو هاشمي أجزأه. [3]

❺ كذا في الكتب الأخر [4]

❻ قول الطرفينؒ قول المتون (وإنها قد صنفت لبيان المذهب) [5]

١ـ الهندية (١/ ١٨٩، ١٩٠)

٢ـ الفقه الإسلامي وأدلته (١٩٦٦)

٣ـ الطحطاوي على المراقي (٧٢١)

٤ـ الدرالمختار (٣/ ٣٥٣، ٣٥٤) تحفة الملوك (١/ ١٣١)

٥ـ المختار (١/ ١٣٠)، كنزالدقائق (٦٥)، غررالأحكام (٢/ ٤٠٩)، النقاية (١/ ٣٩٣)

بابُ صَدَقة الفِطر

[٤٦] اختلافی مسئلہ

الصاع عند أبي حنيفة ومحمد -رحمهما الله- ثمانية أرطال بالعراقي وقال أبو يوسفؒ: خمسة أرطال وثُلث رطل.

مفتی بہ قول:

فتویٰ طرفینؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(١) عن موسى الجهني قال: أتي مجاهد بقدح حزرته ثمانية أرطال، فقال: حدثتني عائشة رضي الله عنها: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يغتسل بمثل هذا. (١)

(٢) عن الحجاج بن أرطاة عن الحكم عن إبراهيم قال: كان صاع النبي عليه السلام ثمانية أرطال ومده رطلين. (٢)

١ـ سنن النسائي (١/١٢٧) رقم (٢٢٦)

قال ابن التركماني في "الجوهر النقي" (١/١٩٣): وهذا سند جيد

وإسناده حسن على قول ابن الملقن في "البدر المنير" (٢/٥٩٧)

٢ـ قال الزيلعي في "نصب الراية" (٢/٣٠٦): رواه أبو عبيد القاسم بن سلام في "كتاب الأموال"

قال شيخنا في "الإعلاء" (٩:١٠٨):

قال المؤلف: في الدراية: وهذا مرسل وفيه الحجاج بن أرطاة . والجواب عنه أن الإرسال غير مضر عندنا وعند الجمهور المتقدمين وتوثيق الحجاج قد مر عن البعض في كتاب الصلاة والاختلاف غير مضر. انتهى

الفائدة:

وفي "طرح التثريب" (٢/٥٩):

روى أبوداود من حديث أنس "كان النبي صلى الله عليه وسلم يتوضأ بإناء يسع رطلين ويغتسل بالصاع" فاستدل بهذه الرواية مع حديثه في الصحيح أنه كان يتوضأ بالمد ويغتسل بالصاع أن الصاع ثمانية أرطال لاتفاقهم على أنه أربعة أمداد

(٣) (أ) عن موسىٰ بن طلحة قال: الحجاجی صاع عمر بن الخطاب (١)

(ب) عن إبراهيم قال عيّرنا صاع عمر فوجدناه حجاجيا والحجاجی عندهم ثمانية أرطال بالبغدادی. (٢)

(۴) قال (يحيى): سمعت حنشا يقول: "صاع عمر ثمانية أرطال" (٣)

ظاہر بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع بھی اسی مقدار کا تھا کیونکہ حضرت عمرؓ ہر چیز میں ان کی اتباع کو لازم گردانتے تھے اوراس کے خلاف نہیں کرتے تھے۔ (۴)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال العلامة قاسم بن قطلوبغا:

قوله (الصاع عند أبي حنيفةؒ و محمدؒ ثمانية أرطال بالعراقی وقال أبويوسف: خمسة أرطال وثلث رطل) قال الإسبيجابی: الصحيح قول أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالىٰ. (۵)

❷ قال الحلبی:

والصاع ما يسع ثمانية أرطال بالعراقی من نحو عدس اومج وعند أبی يوسف خمسة أرطال وثلث رطل (٦) (فالقول المقدم فيه هوالراجح على مامرفی المسألة السابقة من ذكره بالوضوح)

❸ في الهندية:

والصاع ثمانية أرطال بالبغدادی والرطل البغدادی عشرون أستارا، والأستار أربعة مثاقيل ونصف مثقال. (۷)

❹ قال ابن العلاء الهندي:

والصاع الذی تقدر الحنطة بنصفه والتمر والشعيربكله، قال الطحاوی: ثمانية أرطال مما يستوی كيله وزنه. (٨)

١،٢ـ شرح معانی الآثار (١/ ٣٥٣)، (وذكر صاحبه روايات متعددة في هذا المعنى فيه)

وإسناده صحيح كما قال الكشميری في "العرف الشذی" (١:٨٥)

٣ـ مصنف ابن أبي شيبة (٢/ ٤٢٢)، رقم (١٠٦٤٣)، كتاب الأموال (٥١٨)

٤ـ الكفاية الملحقة بالفتح (٢/ ٨٠)

٥ـ الترجيح والتصحيح (١٣٠)

٦ـ ملتقى الأبحر (١/٣٣٨)

٧ـ الهندية (١/ ١٩٢)

١ـ التاتار خانية (٢/ ٣١٨)

● قال الكاساني:

والصاع ثمانية أرطال بالعراقي عند أبي حنيفةؒ ومحمدؒ وعند أبي يوسفؒ: خمسة أرطال وثلث رطل بالعراقي –ثم بعد إيراد دلائلهم رجح دلائلهما مع الجواب عن أدلة أبي يوسفؒ بأقواله الآتية:– وهذا نص، ولأن هذا صاع عمرؓ. ونقل أهل المدينة لم يصح، لأن مالكاً من فقهائهم يقول: صاع المدينة ثبت بتحري عبدالملك بن مروان فلم يصح النقل وقد ثبت أن صاع عمرؓ ثمانية أرطال فالعمل بصاع عمرؓ اولىٰ من العمل بصاع عبدالملك. (١)

● قال الزيلعي:

قال رحمه الله (وهو ثمانية أرطال): أى الصاع ثمانية أرطال بالبغدادى وهذا عند أبي حنيفةؒ ومحمدؒ وهو مذهب أهل العراق، وقال أبويوسفؒ: خمسة أرطال وثلث وهو مذهب أهل الحجاز لقوله عليه الصلاة والسلام: "صاعنا اصغر الصيعان" وخمسة أرطال وثلث اصغر من الثمانية.

وروى أن ابا يوسف لما حج سأل أهل المدينة عن الصاع فقالوا خمسة أرطال وثلث وجاء جماعة كل واحد معه صاعه فقال كل واحد أخبرني أبي أنه صاع النبى صلى الله عليه وسلم وقال آخر أخبرني أخي أنه صاعه عليه الصلاة والسلام فرجع أبويوسفؒ عن مذهبه؛ ولنا ماروواه صاحب الإمام عن انسؓ: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ بمد رطلين ويغتسل بالصاع ثمانية أرطال وعن عائشةؓ قالت: جرت السنة من رسول الله صلى الله عليه وسلم في الغسل من الجنابة أنه صاع والصاع ثمانية أرطال وهو المسمىٰ بالحجاجي وكان يفتخربه على أهل العراق ويقول: ألم أخرج لكم صاع رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو مشهور –وبعد أن ذكر دلائلهما (أى أبي حنيفةؒ ومحمدؒ) ردّ دلائل أبي يوسفؒ ترجيحًا لمذهبهما وقال–: وماروواه ليس فيه دلالة على ما قال وإنما يثبت أنه أصغر وجاز أن يكون ثمانية أرطال أصغر الصيعان بل هو الظاهر لأنهم كانوا يستعملون الهاشمي وهو أكبرمن الحجاجي والجماعة الذين لقيهم أبويوسفؒ لا يقوم بهم حجة لكونهم مجهولين نقلوا عن مجهولين مثلهم. (٢)

● كذافي الكتب الأخر (٣)

● قد مشى أصحاب المتون المعتبرة على قول الطرفين (٤)

١ـ بدائع الصنائع (٢/ ٢٠٤، ٢٠٥)

٢ـ تبيين الحقائق (١/ ٣٠٩، ٣١٠)

٣ـ خلاصة الفتاوى (١/ ٢٧٥)، اللباب في شرح الكتاب (١/ ١٥٣)، تحفة الفقهاء (١/ ٣٣٨)

٤ـ المختار (١/ ١٣٢)، كنزالدقائق (٦٦)، الوقايه (١/ ٣٠٠)، و كذافى نور الايضاح (١٦٢)

كتابُ الصَّوم

[۴۷]مسئلہ

إن لـم يـنـو حتـى أصبح أجزأته النية مـا بيـنه وبين الزوال .

مفتی بہ قول:

صورت مذکورہ میں اگر رات سے نیت نہیں کی تو اب نصف النہار شرعی سے قبل نیت کرنا ضروری ہے جس کا وقت زوال سے پہلے ہوتا ہے۔

ف: نصف النہار شرعی: صبح صادق سے غروب آفتاب تک کل وقت کے نصف کو ''نصف النہار شرعی'' کہا جاتا ہے۔ (۱)

زوال: طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک کل وقت کے نصف کو ''وقتِ زوال'' یا ''نصف النہار عرفی'' کہا جاتا ہے۔ (۲)

قول مفتی بہ کا مستدل:

صورت مذکورہ میں نیتِ صوم کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ دن کے اُکثر حصے میں نیت پائی جائے جبکہ ادائے صوم کا وقت طلوع فجر سے غروب شمس تک ہوتا ہے لہٰذا اس کے نصف (یعنی نصف النہار شرعی نہ کہ ساعتِ زوال) سے قبل اگر نیت کرلی گئی تو دن کے اُکثر حصے میں وجودِ نیت کا تحقق ہو کر روزہ درست ہو جائے گا۔ (۳)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال شيخ الإسلام المرغيناني:

ثم قال في المختصر (أي مختصر القدوری [۴]): مابينه وبين الزوال، وفي الجامع الصغير: قبل

١ـ جامع الرموز (١/ ٣٤٨)، ردالمحتار (٣/ ٣٩٣)، البناية للعينى (٤/ ٢٥٤)، الموسوعة الفقهية (٢٨/ ٢٤) و (٢٨/ ٨٨)

٢ـ الكفاية (٢/ ٨٣)

٣ـ انظرله: فتح القدير (٢/ ٣١٢)، الكفاية (٢/ ٨٣)، الجوهرة النيرة (١/ ٣٢٩)

٤ـ العناية على هامش الفتح (٢/ ٣١١)

نصف النهار وهو الأصح [١]

❷ قال التمرتاشي والحصكفي:

فيصح أداء صوم رمضان والنذر المعين والنفل بنية من الليل إلى الضحوة الكبرىٰ لا بعدها ولا عندها اعتبارًا لأكثر اليوم.

قال ابن عابدين:

قوله (إلى الضحوة الكبرىٰ) المراد بها نصف النهار الشرعي، والنهار الشرعي من استطارة الضوء في أفق المشرق إلى غروب الشمس -إلى أن قال- وعزاه في المحيط إلى السرخسي وهو الصحيح كما في الكافي والتبيين. [٢]

❸ في الهندية:

جاز صوم رمضان والنذر المعين والنفل بنية ذلك اليوم أو بنية مطلق الصوم أو بنية النفل من الليل إلى ما قبل نصف النهار وهو المذكور في الجامع الصغير وذكر القدوري: ما بينه وبين الزوال، والصحيح الأول. [٣]

❹ قال إبن العلاء الهندي:

قال أصحابنا: إذا صام رمضان بنية قبل الزوال جاز - هكذا وقع في بعض النسخ، وفي بعضها، إذا صام رمضان بنية قبل انتصاف النهار جاز، وفي الفتاوى العتابية: وهو الأصح.

وفي "السغناقي": والمراد من انتصاف النهار قبل الضحوة الكبرى لأن النهار في حق الصوم من طلوع الفجر فنصف النهار من ذلك الوقت وقت الضحوة الكبرى ...... وكذلك الصوم المنذور في وقت بعينه يجوز بنية ماقبل انتصاف النهار [٤]

❺ قال السرخسي:

فأما النية بعد طلوع الفجر لصوم رمضان تجوز في قول علماء نا رحمهم اللّٰه تعالىٰ. وعلى قول الشافعي رحمه اللّٰه تعالىٰ لا تجوز وفي الكتاب لفظان:

أحدهما: إذا نوى قبل الزوال.

١ـ الهداية (١/ ٢٣٠)

٢ـ ردالمحتار (٣/ ٣٩٣)

٣ـ الهندية (١/ ١٩٥)

٤ـ التاتارخانية (٢/ ٢٧٠)

والثاني: إذا نوى قبل انتصاف النهار وهو الأصح.

فالشرط عندنا وجود النية في أكثر وقت الأداء ليقام مقام الكل. وإذا نوى قبل الزوال لم يوجد هذا المعنى؛ لأن ساعة الزوال نصف النهار من طلوع الشمس ووقت اداء الصوم من طلوع الفجر. [۱]

● كذافي الكتب الأخر [۲]

مسئلہ [۴۸]

فإن لم يكن في السماء علة لم تقبل الشهادة حتى يراه جمع كثير يقع العلم بخبرهم.

قولِ مختار و معمول بہ:

ہمارے متونِ اربعہ میں اس مسئلہ کے اندر قولِ بالا (أي رؤية جمع كثير) کو ہی اختیار کیا گیا ہے [۳] نیز قدیم کتبِ فقہ و فتاوی میں بھی عموماً یہی قول، قولِ راجح کے طور پر مذکور ہے۔ [۴]

مگر متاخرین فقہائے حنفیہ (جیسے علامہ شامی و ابن نجیم وغیرہ) رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک موجودہ دَور میں یہ قول قابلِ عمل اور مختار ہے کہ "اس صورت میں بھی شہادۃ رجلین اَور جل وامرأتین کافی ہے" اس کے لئے "جمع کثیر" کا ہونا ضروری نہیں ہے اور ایک روایت میں [۵] یہ قول خود امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی بھی ہے (چنانچہ اس روایت کے موافق

۱۔ المبسوط (۳/ ۵۸)

۲۔ الفقه الإسلامي وأدلته (۱٦٧٢)، تبيين الحقائق (۱/ ۳۱٥)، الحاشية على تبيين الحقائق للشلبي (۱/ ۳۱٥)، كتاب الفقه على المذاهب الأربعة (۱/ ٤٧٧)، الهداية (۱/ ۲۳۰)، منحة الخالق (۲/ ٤٥٥)

۳۔ فلاحظ له: المختار للموصلي (۱/ ۱۳۸)، الكنز للنسفي (٦٧)، الوقاية للمحبوبي (۱/ ۳۰۹)، المجمع لابن الساعاتي (۲۰٥)

٤۔ انظر له: المبسوط للسرخسي (۳/ ۲٥٤، ۲٥٥)، فتاوى قاضي خان (۱/ ۱۹٦)، الاختيار لتعليل المختار (۱/ ۱۳۸)، مراقي الفلاح (٦٥٤)، الفتاوى البزازية (۲/ ۹٤)، ملتقى الأبحر (۱/ ۳٤۹)، فتح باب العناية (۱/ ٤۱۱)، فتاوى السغدي (۲/ ۷۸۰)

٥۔ وهي رواية الحسن بن زياد عنه؛ كما في: المبسوط للسرخسي (۳/ ۲٥٤)، الفتاوى الولوالجية (۱/ ۲۳۷)، المحيط البرهاني (۲/ ٦۲۹)، الفتاوى التاترخانية (۲/ ۲٦٥)، ملتقى الأبحر (۱/ ۳٥۰)، بداية المجتهد لابن رشد (۱/ ۲۸٦)، الاختيار لتعليل المختار (۱/ ۱۳۸)، النقاية (۱/ ٤۱۱)

فتوی اب بھی امام صاحبؒ کے قول پر ہے)۔

مستدلہ:

(۱) **عن الحسين بن الحارث الجدلي جديلة قيس أن أمير مكة قال:**

عهد إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن ننسك للرؤية فإن لم نره وشهد شاهدا عدل نسكنا بشهادتهما. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ رؤیتِ ہلال کے لئے دو عادل آدمیوں کی شہادت کافی ہے (۲)

(۲) **عن عبدالرحمٰن بن زيد بن الخطاب:**

أنه خطب الناس في اليوم الذي يشك فيه فقال: ألا إني جالست أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وسألتهم وأنهم حدثوني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:

"صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته وانسكوا لها فإن غمّ عليكم فأتموا ثلاثين يوما وإن شهد شاهدان فصوموا وأفطروا" (۳) وفي رواية: "فإن شهد ذوا عدل فصوموا" (۴)

حدیثِ بالا میں موضع الاستدل "وإن شهد شاهدان فصوموا" ہے کہ یہ مطلقاً رویتِ ہلالِ رمضان کے بارے میں وارد ہوا ہے (کیونکہ اس کا ربط حدیث کے ابتدائی جملے "صوموا لرؤيته" سے ہے) (۵)

(۳) **قوله تعالى:**

۱۔ سنن الدارقطني (۲/ ۱٦۷) وإسناده متصل صحيح كمافي:

التلخيص الحبير للعسقلاني (۲/ ٤۰۵)، رقم (۸۷٦)، نيل الأوطار (٤/ ۲٦۱)، البدر المنير (۵/٦٤٤)، تحفة الأحوذي (۳/ ۳۰٤)، عون المعبود (٦/ ۳۳۳)، المحرر في الحديث (۱/ ۳٦٤)، رقم (٦۱۱)،

سنن أبي داؤد (۲/ ۲۷۳) رقم (۲۳٤۰)، معرفة السنن والآثار للبيهقي (۷/ ۱۹۷) رقم (۲٦۵۵)، السنن الكبرى (٤/ ۲٤۷) رقم (۸٤٤٤)، معرفة الصحابة للأصبهاني (٦/ ۱۲۵) رقم (۱۹۰۰)

۲۔ مستفاد من: الموسوعة الفقهية (۲۳/ ۱٤۱)، مرعاة المفاتيح (٦/ ٤۵۰)، المجموع (٦/ ۲۷۵)

۳۔ سنن النسائي (۲/ ٦۹)، رقم (۲٤۲٦)

٤۔ سنن الدارقطني (۲/ ۱٦۷)، ولكن في إسناده "حجاج" وهو "حجاج بن أرطأة" وهذا الحجاج قد تُكلّم فيه والكلام فيه لايضرنا اذ رواه النسائي بإسناد ليس فيه ذكره وإسناده صحيح كمامر، انظرله تنقيح تحقيق أحاديث التعليق ۲: ۲۹۸ والبدر المنير لابن الملقن ۵: ٦٤٤

۵۔ مستفاد ممايليك (بتسهيل):

المغني (۳/ ۹٦)، بداية المجتهد (۱/ ۲۸۷)، مرعاة المفاتيح (٦/ ٤۵۰)

﴿واستشهدوا شهيدين من رجالكم فإن لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء﴾ (١)

مذکورہ آیت اگرچہ حقوق العباد اور معاملات کے بارے میں ہے تاہم دیگر حقوق کی طرح یہاں بھی مذکورہ بالا نصابِ شہادت کافی ہے (٢)

یہ استدلال از روئے قیاس (أی تشبیه ذلک بالشهادة في سائر الحقوق) ہے (٣)

(٤) چونکہ یہ ''شہادت علی رؤیۃ الہلال'' ہے تو یہ ''شہادت علی رؤیۃ ہلال شوال'' کے مشابہ ہوگئی کہ دونوں نفسِ رؤیتِ ہلال پر متفق ہیں لہٰذا جس طرح ہلال شوال میں دو آدمیوں کی گواہی کافی ہے۔ کما جاء في حديث الأعرابيين (٤)۔ اسی طرح یہاں بھی اکتفاء علی شہادۃ العدلین درست ہے۔ (٥)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

وقُبِل بلاعلة جمع عظيم يقع العلم بخبرهم وهو مفوض إلى رأي الإمام من غير تقدير بعدد على المذهب وعن الإمام أنه يكتفي بشاهدين واختاره في البحر.

قال الشامي:

قوله (واختاره في البحر) حيث قال: وينبغي العمل على هذه الرواية في زماننا...... اهـ وأقره في

١ـ البقرة (٢٨٢)

٢ـ الاختيار لتعليل المختار (١/ ١٣٨)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/ ٤٥٣)، المبسوط للسرخسي (٣/ ٢٥٥)

٣ـ بداية المجتهد (١/ ٢٨٧)

٤ـ وهو عن ربعي بن حراش عن رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قال:

اختلف الناس في آخر يوم من رمضان فقدم أعرابيان فشهدا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم بالله لأهلّا الهلالَ أمس عشية، فأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم الناس أن يفطروا.

رواه ابو داوٗد في سننه (٢/ ٢٧٣)، رقم (٢٣٤١) بإسناد رواته ثقات، وقال الشوكاني في "النيل" ٤: ٢٦٠ و "السيل" ١: ٢٨٠ فيه: رجاله رجال الصحيح.

وكذا رواه الدارقطني في سننه بإسناده (٢/ ١٦٩) وقال: هذا إسناد حسن ثابت، وكذا في السنن الصغير للبيهقي (٣/ ٢٤٤)، رقم (١٠٥٤)، السنن الكبرى للبيهقي (٤/ ٢٥٠)، رقم (٨٤٥٨)، المعجم الكبير للطبراني (١٧/ ٢٣٨)، رقم (١٤٣٥٠)، مسند أحمد بن حنبل (٤/ ٣١٤)، رقم (١٨٨٤٤)، مصنف عبدالرزاق (٤/ ١٦٤)، رقم (٧٣٣٥)

٥ـ المغني (٣/ ٩٦)

"النهر" و "المنح" ونازعه محشيه "الرملي" بأن ظاهر المذهب اشتراط الجمع العظيم، فيتعين العمل به لغلبة الفسق والافتراء على الشهر. الخ

أقول (القائل هو الشامي):

أنت خبير بأن كثيرا من الأحكام تغيرت لتغير الأزمان، ولو اشترط في زماننا الجمّ العظيم لزم أن لا يصوم الناس إلا بعد ليلتين أو ثلاث لما هو مشاهد من تكاسل الناس، بل كثيرًا ما رأيناهم يشتمون من يشهد بالشهر ويؤذونه، وحينئذ فليس في شهادة الاثنين تفرد من بين الجم الغفير حتى يظهر غلط الشاهد فانتفت علة ظاهر الرواية فتعين الإفتاء بالرواية الأخرى[1]

❷ قال ابن نجيم:

قوله (وإلا فجمع عظيم) أي وإن لم يكن بالسماء علة فيهما يشترط أن يكون فيهما الشهود جمعا كثيرا يقع العلم بخبرهم- إلى أن قال- وهذا هو ظاهر الرواية

وروى الحسن عن أبي حنيفة أنه يقبل فيه شهادة رجلين أو رجل وامرأتين ...... ولم أر من رجحها من المشايخ وينبغي العمل عليها في زماننا لأن الناس تكاسلت عن ترائي الأهلة[2]

❸ قال الغنيمي:

وذكر الشرنبلالي وغيره تبعا للمواهب أن الأصح روايةً تفويضه إلى رأي الإمام، وروى الحسن بن زياد عن أبي حنيفه أنه تقبل فيه شهادة رجلين أو رجل وامرأتين و إن لم يكن في السماء علة، قال في البحر: لم أر من رجح هذه الرواية، وينبغي العمل عليها في زماننا[3]

❹ كذا في الكتب الأخر[4]

١ـ الفتاوى الشامية (٣/ ٤١٠)

٢ـ البحرالرائق (٢/ ٤٦٨)

٣ـ اللباب في شرح الكتاب (١/ ١٥٦)

٤ـ حاشية الطحطاوى على الدرالمختار (١/ ٤٤٧)، منحة الخالق (٢/ ٤٦٨، ٤٦٩)

[۴۹] اختلافی مسئلہ

إن أقطر في إحليله لم يفطر عند أبي حنيفة و محمد -رحمهما الله- وقال ابويوسف -رحمه الله-: يفطر.

مفتی بہ قول:

فتوی طرفینؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

یہ اختلاف ازقبیلِ فقہ نہیں ہے بلکہ اس کا تمام تر انحصار طِب (میڈیکل تحقیق) پر ہے۔طرفین کے نظریے کے موافق مثانہ اور جوف (یعنی آنتوں یا معدہ) کے درمیان کوئی منفذ (سوراخ) نہیں ہے کہ **إقطار في الإحليل** سے مثانہ میں کوئی چیز پہنچ کروہ اس منفذ کے ذریعے آنت یا معدہ میں پہنچ جائے اور فسادِصوم کا سبب ٹھہرے بلکہ جوف سے پیشاب بطریقِ ترشح مثانہ میں جمع ہوتا ہے اور پھر احلیل کے راستے خارج ہوتا رہتا ہے۔

جبکہ امام ابویوسفؒ کے نزدیک مثانہ وجوف کے درمیان منفذ ہے جوصورتِ مذکورہ میں فسادِصوم کا سبب بنتا ہے۔(۱)

ملاحظہ:

مضمونِ بالا سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اختلاف مذکور کی بنیاد فقہی اصول کی بجائے طب پر ہے جیسا کہ امام زیلعیؒ نے بھی اسی کو محور قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے: "**كذا يقول الأطباء**"

الغرض جب طب ہی بنیاد ٹھہری تو واضح رہے کہ طب مذہبِ طرفین کی مؤید ہے نیز یہ اختلافِ مذکور اس دور میں تھا جب طب میں انسانی جسم کی چیر پھاڑ (آپریشن) نہیں ہوتی تھی اور اب جدید طب نے میڈیکل سرجری (Medical Surgery) کے وجود میں آنے پر یہ اختلاف برسوں قبل ختم کر کے امام صاحبؒ کے نظریے کی تصحیح وتصویب کردی ہے چنانچہ موجودہ میڈیکل کے مستند ومعتبر مآخذ سے اس کی تحقیق ذیل میں مذکور ہے:

جدید میڈیکل سائنس کی تحقیق سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ مثانہ اور آنتوں (یا معدے) کا آپس میں اس طرح کا کوئی تعلق نہیں ہے۔جس سے کوئی چیز مثانہ میں پہنچ کر پھر آنتوں یا معدے میں سرایت کر جائے بلکہ آنتوں کا نظام بالکل الگ ہے اور مثانے کا نظام بالکل علیحدہ۔

۱۔ تبيين الحقائق (۱/ ۳۳۰)، فتح القدير (۲/ ۳٤۸)، البحر الرائق (۲/ ٤۸۸)

اس کی وضاحت کے لئے آنتوں اور معدے سے متعلق ''نظام انہضام'' اور پیشاب سے متعلق ''گردوں کے نظام'' کا مختصر بیان درج ذیل ہے:

نظام انہضام(Digestive System):

اس نظام کا کام ''خوراک کو حاصل کرنا، خوراک کو اس کے بنیادی اجزاء میں توڑنا، ہضم کرنا، ضروری اجزاء کو جذب کرنا اور فاضل اجزاء کو پاخانے کی صورت میں آنتوں سے باہر نکالنا'' ہے۔

یہ نظام اجمالاً مندرجہ ذیل اعضاء پر مشتمل ہے:

۱۔منہ(Oral Cavity)

۲۔خوراک کو منہ سے معدے تک لے جانے والی نالی(Pharynx & Esophagus)

۳۔معدہ(Stomach)

۴۔چھوٹی آنت(Small Intestine)

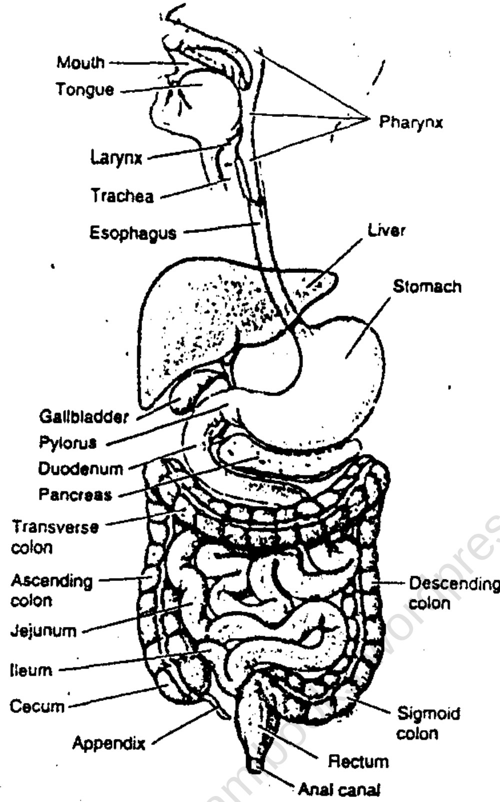
۵۔بڑی آنت(Large Intestine)

۶۔بڑی آنت کا آخری حصہ(Rectum)

۷۔مقعد(Anus)

اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ اس نظام میں خوراک منہ (Oral Cavity) سے داخل ہو کر Pharynx اور Esophagus سے گزرتی ہوئی معدہ (Stomach) میں پہنچتی ہے پھر وہاں سے چھوٹی آنت کے مختلف حصوں Duodenum، Jejunum اور Ileum سے گزرتی ہوئی بڑی آنت کے ابتدائی حصے ''Cecum'' کے ذریعے Colon میں پہنچتی ہے جہاں سے Colon کے مختلف حصوں Ascending Colon، Transverse Colon، Descending Colon اور Sigmoid Colon سے ہوتی ہوئی Rectum میں آ کر Anal Canal کے ذریعے Anus سے خارج ہو جاتی ہے۔

اس نظام میں منہ سے لے کر مقعد تک کوئی ایسا واسطہ نہیں ہے جس کے ذریعے خوراک اس نظام سے نکل کر دوسرے نظام (بشمول پیشاب کے نظام) میں داخل ہو۔ اس نظام کی وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل تصویر (Figure) ملاحظہ ہو:



گردوں کا نظام (Renal System):

اس نظام کا کام خون سے پیشاب بنانا، پیشاب کے اندر موجود ضروری اجزاء کو واپس خون میں شامل کرنا اور باقی ماندہ پیشاب کو مثانے اور پیشاب کی نالیوں کے ذریعے جسم سے باہر نکالنا ہے۔

یہ نظام اجمالاً مندرجہ ذیل اعضاء پر مشتمل ہے:

۱۔ گردے (Kidneys)

۲۔ گردے اور پیشاب کی نالی کے درمیان واسطے کی بڑی نالی (Pelvis)

۳۔ گردوں سے مثانے تک پیشاب لے جانے والی نالیاں (Ureters)

۴۔ مثانہ (Urinary Bladder)

۵۔ مثانے سے احلیل تک پیشاب لے جانے والی نالی (Urethra- یہ Urethra مزید تین حصوں پر مشتمل ہوتی ہے)

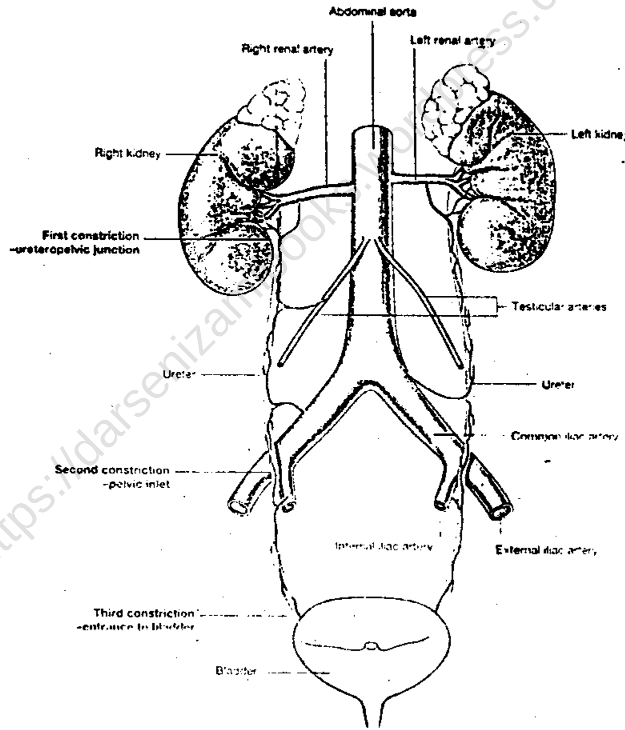
۶۔ عضو تناسل (Penis)

اس کی مختصر وضاحت یہ ہے کہ جسم میں صاف خون دل سے مختلف شریانوں (Arteries) کے ذریعے جسم کے تمام

اعضاء کو پہنچایا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک مخصوص قسم کی شریان (Renal Artery) کے ذریعے خون گردوں میں داخل ہوتا ہے اور گردے بے شمار چھوٹی چھوٹی نالیوں "Nephrons" پر مشتمل ہوتے ہیں جن کا کام خون سے پیشاب بنانا اور ضروری اجزاء کو دوبارہ خون میں شامل کرنا ہے۔

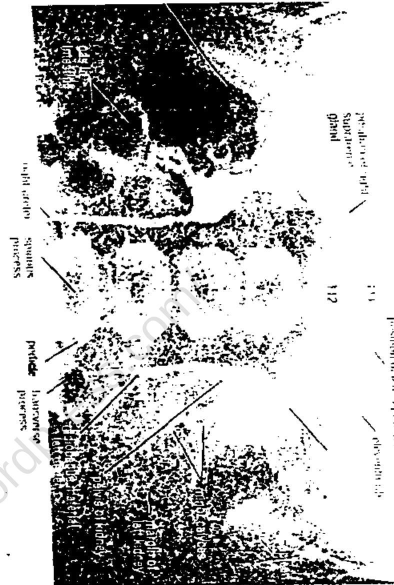
پیشاب بننے کے بعد یہ پیشاب گردوں سے Pelvis کے ذریعے پیشاب کی نالیوں "Ureters" سے ہوتا ہوا مثانے میں جمع ہوتا ہے اور Urethra کے ذریعہ عضو تناسل سے ہوتا ہوا احلیل (External Urethral Meatus) کے راستے باہر نکل جاتا ہے۔

چنانچہ اس نظام کے تمام اعضاء باہم یوں مربوط ہیں کہ ان اعضاء کا کسی دوسرے نظام (بشمول نظام انہضام) کے اعضاء کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کی وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل تصویر ملاحظہ ہو:



الغرض گردوں کے نظام (Renal System) اور نظام انہضام (Digestive System) میں سے ہر نظام کے تمام اعضاء آپس میں جڑے ہوئے ہیں اور ان کا ایک دوسرے کے ساتھ مطلقاً بطریق ترشح ہو خواہ بسبیل منفذ کوئی تعلق نہیں کہ جس سے .R.S کے مثانے میں کوئی چیز آ کر .D.S کے معدے یا آنتوں میں وہ چلی جائے جیسا کہ مندرجہ ذیل تصاویر سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے:

transverse colon
left colic (splenic) flexure
descending colon
cecum
rectum



twelfth rib
calcification of costal cartilage
T11
T12
L1
L2
splenic flexure
hepatic flexure
ascending colon
transverse colon
iliac crest
descending colon
cecum
sigmoid colon
rectum
hip joint
enema tube in rectum



ان تینوں تصاویر کے اندران اعضاء میں ڈالی جانے والی دوائی کا رنگ (یا ہوا کا اثر) متعلقہ نظام کے اعضاء میں نمایاں نظر آرہا ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے نظام کے کسی عضو میں ظاہر نہیں۔

خلاصۂ کلام:

مندرجہ بالا تحقیق سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ گردوں کے نظام (.R.S) اور نظام انہضام (.D.S) کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے یہ دونوں الگ الگ نظام ہیں۔ (۱)

بیان المرام:

الحاصل اس تمام میڈیکل تحقیق سے یہ بات اب اوضح من الشمس ہوگئی کہ احلیل کے ذریعے مثانے میں ڈالی جانے والی کسی بھی چیز یا دوائی کا کسی واسطے (منفذ وغیرہ) سے آنتوں یا معدے تک پہنچنا ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا اقطار فی الاحلیل مفسد صوم نہیں ہے۔

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الزيلعي:

قوله (إن أقطر في إحليله لا) أي لا يفطر سواء أقطر فيه الماء أو الدهن وهذا عند أبي حنيفةؒ وقال ابو يوسفؒ يفطره وهو رواية عن أبي حنيفةؒ و محمد توقف فيه وقيل هو مع أبي يوسفؒ والأظهر أنه مع أبي حنيفة (رحمه الله)

وهذا الاختلاف مبني على أنه هل بين المثانة والجوف منفذ أم لا وهو ليس باختلاف على التحقيق والأظهر أنه لا منفذله وانما يجتمع البول فيها بالترشح كذا يقول الأطباء. (۲)

❷ قال الحصكفي:

أو أقطر في إحليله ماء أو دهنا وإن وصل إلى المثانة على المذهب ...... لم يفطر.

قال ابن عابدين:

۱۔ مستفاد من

1- Clinical Anatomy for medical students 5th Edition (Chapter 5- The Abdomen: Part II The Abdominal Cavity & Chapter 7- The Pelvis: Part II The Pelvic Cavity)

2- Clinical Oriented Anatomy (6th Ed.) Chapter No.2 Abdomen Page:227

3-Grey's Anatomy (37th Ed.) Unit 4 page:325

۲۔ تبيين الحقائق (۱/ ۳۳۰)

قوله (على المذهب) أى قول أبي حنيفة ومحمد معه في الأظهر. وقال أبويوسف: يفطر -ثم ذكر مامرمن عبارة الزيلعي أن "هذا الاختلاف مبنى على أنه الخ"-[١]

❸ في الهندية:

إذا أقطرفى احليله لا يفسد صومه عند أبي حنيفةؒ ومحمدؒ. سواء اقطرفيه الماء أوالدهن. [٢]

❹ قال ابن نجيم:

قوله (وإن أقطر فى إحليله لا) أى لا يفطر. أطلقه فشمل الماء والدهن -إلى أن قال- قال في الهداية: وهذا ليس من باب الفقه لأنه متعلق بالطب [٣]

❺ كذافى الكتب الأخر [٤]

❻ والمتون المعتبرة على قول الطرفين [٥]

١ـ الدرالمختار مع الرد (٣/٤٢٧)

٢ـ الهندية (١/ ٢٠٤)

٣ـ البحرالرائق (٢/ ٤٨٨)

٤ـ الفقه الإسلامي وأدلته (١٧١١)، مراقى الفلاح (٦٦١)، الاختيار لتعليل المختار (١/ ١٤٢)، مجمع الأنهر (١/ ٣٦١)، ملتقى الأبحر (١/ ٣٦٠)، حيث قدم قول عدم الفساد

٥ـ المختار (١/ ١٤١)، كنزالدقائق (٦٩)، الوقاية (١/ ٣٣١، ٣١٢)

بابُ الاِعتكاف

[۵۰] اختلافی مسئلہ

ولو خرج من المسجد ساعة بغير عذر فسد اعتكافه عند أبي حنيفة وقالا: لا يفسد حتى يكون أكثر من نصف يوم.

مفتی بہ قول:

فتوی امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن عائشةؓ أنها قالت: السنة على المعتكف أن لا يعود مريضًا ولا يشهد جنازة ولا يمسّ امرأة ولا يباشرها ولا يخرج لحاجة إلا لما لا بدّ منه. (۱)

(۲) عن عائشةؓ زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت:

وإن كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ليُدخل عليّ رأسه وهو في المسجد فأُرَجّله وكان لا يدخل البيت إلا لحاجة إذا كان معتكفا. (۲)

قال محمدؒ: وبهذا نأخذ لا يخرج الرجل إذا اعتكف إلا للغائط أو البول وأما الطعام والشراب فيكون في معتكفه وهو قول أبي حنيفة (رحمه الله) (۳)

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوران اعتکاف مسجد سے باہر نہیں آتے تھے اِلا یہ کہ کوئی ایسی حاجت (بول و براز وغیرہ) ہو جس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو حتیٰ کہ مریض کی عیادت کے لئے بھی باہر تشریف نہ لاتے بلکہ

۱۔ سنن أبي داؤد (۱/ ۳۵۷)، رقم (۲٤۷۵)، السنن الكبرى (٤/ ۳۲۱)، رقم (۸۳۷۷)

قال ابن حجر في "بلوغ المرام" (۱/ ۱۸۱): لا بأس برجاله.

۲۔ صحيح البخاري (۱/ ۲۷۱، ۲۷۲) رقم (۲۰۲۹)، وكذا انظر له: صحيح مسلم (۱/ ۱٦۷) رقم (۷۱۱)، مؤطا الإمام مالك (۲٦۱) رقم (۱۱۰۸)، صحيح ابن حبان (۸/ ٤۲۹) رقم (۳٦۷۲)، صحيح ابن خزيمة (۳/ ۳٤۸) رقم (۲۲۳۰)

۳۔ مؤطا الإمام محمد (۱۹۲)

راستے میں چلتے ہوئے اگر کسی مریض کے پاس سے گزر بھی ہوجاتا تو بھی ایک لمحہ ٹھہرے بغیر اسی حالت میں گزر جاتے جیسا کہ ذیل میں آنے والی روایات اس کی شاہد ہیں۔

(۳) عن عائشة قال النفيلي قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم يمر بالمريض وهو معتكف فيمر كما هو ولا يعرج يسأل عنه (۱)

(۴) عن عمرة بنت عبدالرحمن أن عائشة كانت إذا اعتكفت لا تسئل عن المريض إلا وهي تمشي لا تقف (۲)

(۵) اعتکاف کا رکن ''مسجد میں ٹھہرنا'' ہے اور خروج اس کی ضد ہے جو اس رکنِ عبادت کو ختم کردینے والا ہے اور اس (خروج) میں قلیل و کثیر مساوی حیثیت کے حامل ہیں جیسے حالت صوم میں کھانا پینا، قلیل ہو خواہ کثیر، بہرحال مفوّتِ رکن ہونے کی بناء پر مفسدِ صوم ہے کذاھھنا۔ (۳)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ **قال التمرتاشي والحصكفي:**

فلو خرج ولو ناسيا ساعة بلا عذر فسد فيقضيه إلا إذا افسده بالردة واعتبرا أكثر النهار، قالوا: وهو الاستحسان وبحث فيه الكمال.

قال الشامي:

قوله (وبحث فيه الكمال) حيث قال: "قوله: وهواستحسان" يقتضي ترجيحه؛ لأنه ليس من المواضع المعدودة التي رجح فيها القياس على الاستحسان، ثم منع كونه استحسانا بالضرورة -إلى أن

۱۔ سنن أبي داؤد (۱/ ۳۵٦)، رقم (۲٤۷۲) معرفة السنن والآثار (۷/ ۳۳۳)، رقم (۲۷٦٦)، السنن الكبرى (٤/ ۳۲۱)، رقم (۸۳۷۸)

في إسناده ليث. هو ابن أبي سليم وضعّفه البعض، فقال عنه شيخنا العثماني في الإعلاء (۱۰/ ۳۹۹): "فيه مقال ولكنه حسن الحديث كما مر غير مرة"۔

۲۔ مؤطا مالك (۲٦۱) رقم (۱۱۰۹)، وكذا انظر له: معرفة السنن والآثار (۳۳۲/۷)، رقم (۲۷٦۵)، سنن النسائي الكبرى (۲/ ۲٦٦)، رقم (۳۳۷۱)

قال الحافظ في "التلخيص الحبير" (۲/ ٤۷۸):

حديث: روي أنه صلى الله عليه وسلم كان لا يسأل عن المريض إلا مارا في اعتكافه ولا يعرج عليه -أبوداود من حديث عائشة وفيه ليث بن أبي سليم وهو ضعيف۔ والصحيح عن عائشة من فعلها.

۳۔ الكفاية الملحقة بالفتح (۲/ ۱۰۰)، العناية على هامش الفتح (۲/ ٤۰۱)، المبسوط للسرخسي (۳/ ۱۱۰)

قال- وبه علم أنه لم يسلّم كونه استحسانا حتى يكون مما رجح فيه القياس على الاستحسان كما أفاده الرحمتي. (١)

❷ في الهندية:

(وأما مفسداته) فمنها الخروج من المسجد فلا يخرج المعتكف من معتكفه ليلا ونهارا إلا بعذر وإن خرج من غير عذر ساعة فسد اعتكافه في قول أبي حنيفة (٢)(ولم يذكر قولهما اقتصارا على ما هو المختار)

❸ قال الشرنبلالى:

فإن خرج ساعة بلا عذر معتبر فسد الواجب ..... وقالا: إن خرج أكثر اليوم فسد وإلا فلا.

وقال الطحطاوى:

قوله (وقالا إن خرج أكثر اليوم الخ) قالوا: وهو الاستحسان فيقتضي ترجيح قولهما -بحر- وبحث فيه الكمال ورجح قوله لأن الضرورة التي يناط بها التخفيف اللازمة والغالبة وليس هنا كذالك أي فيكون من المواضع التي يعمل فيها بالقياس كذافي تحفة الأخيار . (٣)

❹ قال شيخ الإسلام المرغيناني:

ولو خرج من المسجد ساعة بغير عذر فسد اعتكافه عند أبي حنيفة لوجود المنافي وهو القياس، وقالا: لا يفسد حتى يكون أكثر من نصف يوم وهو الاستحسان لأن في القليل ضرورة.

قال ابن الهمام:

(ولو خرج من المسجد ساعة) من ليل أو نهار، وتقييده في الكتاب الفسادَ بما إذا كان الخروج بغير عذر يفيد أنه إذا كان لعذر لا يفسد -ثم رجح قوله ردًّا على دليلهما فقال-:

قوله (وهو الاستحسان) يقتضي ترجيحه لأنه ليس من المواضع المعدودة التي رجح فيها القياس على الاستحسان ثم هو من قبيل الاستحسان بالضرورة كما ذكره المصنف -إلى أن قال-: ولا يتم مبنى هذا الاستحسان فإن الضرورة التي يناط بها التخفيف هي الضرورة اللازمة أو الغالبة الوقوع، ومجرد عروض ما هو ملجئ ليس بذلك. (٤)

١- رد المحتار (٣/ ٥٠٣، ٥٠٤)

٢- الهندية (١/ ٢١٢)

٣- حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح (٧٠٣)

٤- فتح القدير (٢/ ٤٠١، ٤٠٢)

- ٥ كذا في الكتب الأخر [١]
- ٦ إنما المتون المعتبرة لدى الحنفية على قول الإمام [٢]

١ـ البحر الرائق (٢/ ٥٢٩)، حاشية الشلبي على التبيين (١/ ٣٥١)، غرر الأحكام (٣/ ٢٠، ٢١)، بدائع الصنائع (٢/ ٢٨٢)، الفقه الإسلامي وأدلته (١٧٦٤)

٢ـ المختار (١/ ١٤٧)، كنز الدقائق (٧١، ٧٢)، الوقاية (١/ ٣٢٢)

كتَابُ الحج

[۵۱] اختلافی مسئلہ

ومن صلى الظهر في رحله وحده صلى كل واحدة منهما في وقتها عند أبي حنيفة -رحمه الله- وقال ابويوسف ومحمد -رحمهما الله-: يجمع بينهما المنفرد.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) (أ) قوله تعالى ﴿إن الصلاة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا﴾ [۱]

(ب)...... قوله تعالى ﴿حافظوا على الصلوات والصلاة الوسطىٰ﴾ [۲]

آیاتِ بالا کے تناظر میں ہر فرض نماز کو اس کے وقت مقررہ پر ادا کرنا فرض ہے لہٰذا اس کو صرف اسی صورتِ مخصوصہ میں ترک کیا جائے گا جس صورت میں شریعت وارد ہوئی ہے اور واضح ہے کہ جب یہ جمع بین الصلاتین، علی خلاف القیاس ہے اور اس کو دوسری نص صریح کی وجہ سے اختیار کیا گیا ہے تو اس نص میں موجود ان تمام شروط و قیود کی رعایت کی جائے گی جو اس ''جمع'' کی مقتضی ہوئیں اور اس کا سبب بنیں اور جب ان شرائط میں سے ایک شرط ''امام کے ساتھ نماز پڑھنا'' بھی ہے تو اس کے فقدان پر قیاس کے موافق نص قرآنی کا حکم عود کر آئے گا اور ہر نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے گی۔ [۳]

(۲) **محمد قال: اخبرنا ابو حنيفة عن حماد بن إبراهيم قال:**

"إذا صليت يوم عرفة في رحلك فصلّ كل واحد من الصلوٰتين لوقتها ولا ترتحل من منزلك حتى تفرغ من الصلاة" قال محمد: وبهذا كان ياخذ ابو حنيفة -رحمه الله-. [۴]

۱۔ النساء (۱۰۳)

۲۔ البقرة (۲۳۸)

۳۔ الجوهرة النيرة (۱/ ۳۷۷)، تبيين الحقائق (۲/ ۲٤)، "فتح القدير" (۲/ ٤۸۲)

٤۔ كتاب الآثار برواية الشيباني (ص ۹۳)، رقم (۳٤۳) قلت: وإسنادهُ معروف.

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الكاساني:

لوصلى العصر وحده أو الظهر وحده لا تجوز العصر قبل وقتها عنده وعند أبي يوسف ومحمد هذا ليس بشرط ويجوز تقديمها على وقتها -إلى أن قال- والصحيح قول أبي حنيفةؒ لما ذكرنا. (١)

❷ قال التمرتاشي والحصكفي:

وشرط لصحة هذا الجمع، الإمام الأعظم أو نائبه والإحرام فيهما ...... وقالا لا يشترط لصحة العصر إلا الإحرام وبه قالت الثلاثة وهو الأظهر، شرنبلالية عن البرهان.

قال ابن عابدين:

قوله (وهو الأظهر) لعله من جهة الدليل وإلا فالمتون على قول الإمام وصححه في البدائع وغيرها ونقل تصحيحه العلامة قاسم عن الإسبيجابي. (٢)

❸ في الهندية:

فمن صلى الظهر وحده في رحله صلى العصر في وقته عند أبي حنيفةؒ وقالا يجمع بينهما المنفرد كذافي الهداية، والصحيح قول أبي حنيفةؒ (٣)

❹ قال ابن العلاء الهندي:

وإن لم يدرك الجمع مع الإمام الأكبر فأراد أن يصلي وحده في رحله أو بجماعة صلى كل صلاة في وقتها عند أبي حنيفةؒ وقال أبويوسفؒ: يجمع كما يفعل مع الإمام الأكبر، وفي "شرح الطحاوي": والصحيح قول أبي حنيفةؒ (٤)

❺ كذا في الكتب الأخر (٥)

❻ إنما المتون المعتبرة على قول الإمامؒ (٦)

١ـ بدائع الصنائع (٢/ ٣٥١)

٢ـ ردالمحتار (٣/ ٥٩٥)

٣ـ الهندية (١/ ٢٢٨)

٤ـ التاتار خانية (٢/ ٣٤٢)

٥ـ الموسوعة الفقهية (٤٥/ ٣٢٥)، اللباب في شرح الكتاب (١/ ١٧١)، ملتقى الأبحر (١/ ٤٠٧) حيث قدم قوله

٦ـ المختار (١/ ١٦١)، كنزالدقائق (٧٧)، الوقاية (١/ ٣٣٤)، مجمع البحرين (٢٢٦)

[۵۲] اختلافی مسئلہ

ومن صلى المغرب في الطريق لم يجز عند أبي حنيفة ومحمد -رحمهما الله- (وقال أبو يوسفؒ: يجزيه وقد أساء (۱))

مفتی بہ قول:

فتویٰ طرفین کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن أسامة بن زيد، قال: ردفت رسول الله صلى الله عليه وسلم من عرفات، فلما بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم الشعب الأيسر الذى دون المزدلفة أناخ فبال، ثم جاء فصببت عليه الوضوء فتوضأ وضوء خفيفا، ثم قُلت: الصلاة يارسول الله! فقال: "الصلاة أمامک"، فركب رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى أتى المزدلفة فصلى، ثم ردف الفضل رسول الله صلى الله عليه وسلم غداة جمع. (۲)

۱۔ الهداية (۱/ ۳٦۹)، الجوهرة النيرة (۱/ ۳۸۰)

۲۔ صحيح مسلم (۲/ ۹۳۱) رقم (۱۲۸۰)، وكذا انظر له: صحيح البخارى (۱/ ۱٤٥) رقم (۱۳۹)، صحيح ابن خزيمة (٤/ ۲٦٦) رقم (۲۸٤۷)، صحيح ابن حبان (۹/ ۱۷۰)، رقم (۳۸٥۷)، مسند أحمد (٥/ ۲۰۸) رقم (۲۱۸٦۳)، موطا مالك (۳/ ٥۸۸) رقم (۱٥۰۰)، سنن أبي داؤد (۲/ ۱۳٥) رقم (۱۹۲۷)، سنن النسائى (۱/ ۲۹۲) رقم (٦۰۹)، سنن الدارمى (۲/ ۸۰) رقم (۱۸۸۱)، سنن إبن ماجه (۲/ ۱۰۰٥) رقم (۳۰۱۹)، شرح معانى الآثار (۲/ ۲۱٤)، رقم (۳٦۷٥)، السنن الصغرى (۲/ ٤) رقم (۱۷۲۱)، السنن الكبرى (٥/ ۱۱۹) رقم (۹۲۷۰)، السنن المأثورة للشافعى (۱/ ٤٥٦) رقم (٤۲٤)، المعجم الأوسط (۷/ ۱۹۷)، رقم (۷۲٦۰)، الموطا رواية يحيى الليثى (۱/ ٤۰۰) رقم (۸۹۹)، مسند أبي يعلى (۱۲/ ۸۹) رقم (٦۷۲۲)، مسند ابن أبي شيبة (۱/ ۱۱٦) رقم (۱٤۹)، مسند البزار (۱/ ۳۹۹) رقم (۲٥۹۲)، مسند الموطا (۱/ ۱۹۱) رقم (٦۳۱)، مصنف ابن أبي شيبة (۳/ ۲٦۲) رقم (۱٤۰۳٥)، معرفة السنن والآثار (٥/ ۳۲) رقم (۱۷۰۰)، كنزالعمال (٥/ ۳۰۸) رقم (۱۲٥۹۳)، مسند الحب بن الحب اسامة بن زيد المعروف به "مسند اسامة بن زيد" (۱/ ۱۱۲) رقم (٤٤)، الأحكام الشرعية الكبرى (۱/ ٤۲۲)، المسند الجامع (۱/ ۱۹٤) رقم (۱۱۱)

(۲) عن عبداللّٰہ (بن مسعود) قال: مارأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلی صلاۃ إلا لمیقاتھا، إلا صلاتین: صلاۃ المغرب والعشاء بجمع اھ [۱]

(۳) قال عبداللّٰہ بن مسعود: ھماصلاتان تحولان عن وقتھا: صلاۃ المغرب بعد مایاتی الناس المزدلفۃ والفجرحین یبزغ الفجر، قال: رأیت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یفعلہ [۲]

ابوابِ فقہ میں یہ قاعدہ مسلّم ہے کہ قبل از وقت ادا کی گئی نماز درست نہیں ہوتی اور قابلِ اعادہ ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ نمازِ مغرب کا وقت صورتِ مذکورہ میں بدل گیا ہے کہ سورج غروب ہونے پر وقت داخل نہیں ہوتا بلکہ اس کو وہیں مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں ہی پڑھنا ہوتا ہے۔ لہٰذا غروبِ شمس پر اگر کسی نے وہیں راستے میں ہی نماز ادا کرلی تو وہ درست نہیں ہوگی۔

آخری دوروایات تو مستدل مذکور کے بارے میں صریح ہیں اور پہلی روایت میں کلمۂ حدیثِ "الصلاۃ أمامک" موضع الاستشہاد ہے کہ اس کی تفسیر "وقت الصلاۃ أمامک" سے کی گئی ہے جو مضمونِ بالا کی مؤید ومثبت ہے۔ البتہ بعض دیگر شراح نے اس کا مطلب "مکان الصلاۃ" بھی لیا ہے تو بھی یہ اثباتِ مدعیٰ میں مخل نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں "مکان الصلاۃ" سے مراد مزدلفہ ہے لہٰذا راستے میں ہی اگر کسی نے مزدلفہ پہنچنے سے پہلے نماز پڑھ لی تو درست نہیں ہوگی۔ [۳]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشی والحصکفی:

لو صلی المغرب في الطریق أو عرفات أعادہ، للحدیث "الصلاۃ أمامک" فتوقتا بالزمان والمکان والوقت، فالزمان لیلۃ النحر، والمکان مزدلفۃ، والوقت وقت العشاء [۴]

❷ في الھندیۃ:

لو صلی المغرب بعد غروب الشمس قبل أن یاتی المزدلفہ فعلیہ أن یعیدھا إذا أتی بمزدلفۃ في

۱۔ صحیح مسلم (٤/ ٧٦) رقم (٣١٧٦)، وکذا انظر لہ: صحیح البخاری (٤/ ٢٤٦) رقم (١٦٨٢)، مسند أحمد (٣٨٤) رقم (٣٦٣٧)، مسند الشاشی (٢/ ١٧) رقم (٤٧٥)، السنن الکبری (٥/ ١٢٤) رقم (٩٣٠١)

۲۔ صحیح البخاری (٤/ ٢٣٧) رقم (١٦٧٥)، وکذا انظر لہ: مسند أحمد (٧/ ٤٠٧) رقم (٤٣٩٩)، شرح معانی الآثار (١/ ١٧٧) رقم (٩٧١)، السنن الکبری (٥/ ١٢١) رقم (٩٢٨١) رواہ مرفوعاً، مسند أحمد بن حنبل (١/ ٤١٨) رقم (٣٩٦٩) رواہ مرفوعاً

۳۔ انظرلھا: إعلاء السنن (١٠/ ١٢٩)، العنایۃ علی ھامش الفتح (٢/ ٤٩٢)، الکفایۃ الملحقۃ بالفتح (٢/ ١١٣)، فتح الملھم (٣/ ٣٢٩)

٤۔ الدرالمختار (٣/ ٦٠١)

قول أبي حنيفةؒ و محمدؒ [١] (ولم يذكر قول أبي يوسفؒ اقتصارا على ماهو المختار)

❸ قال الحلبي:

ومن صلى المغرب في الطريق أو بعرفات فعليه إعادتها مالم يطلع الفجر خلافا لأبي يوسفؒ [٢] (القول المقدم فيه راجح على ما قاله الشامي)

❹ قال الشرنبلالي:

ولم تجز المغرب في طريق المزدلفة وعليه إعادتها مالم يطلع الفجر [٣]

❺ كذافي الكتب الأخر [٤]

❻ وجميع المتون (المصنفة لبيان المختار في المذهب) على قول الطرفين كما يليك:

١. قال النسفي: ولم يجز المغرب في الطريق [٥]

٢. قال المحبوبي: وأعاد مغربا من أداه في الطريق أو بعرفات مالم يطلع الفجر لابعده. [٦]

٣. قال ملاخسرو: وأعاد مغربا أداه في الطريق أو عرفات مالم يطلع الفجر [٧]

٤. قال التمرتاشي: ولو صلى المغرب في الطريق أو عرفات أعاده [٨]

٥. قال صدر الشريعة الأصغر: وإذا أدى المغرب –في عرفات أو في الطريق– أعاد مالم يطلع الفجر. [٩]

❼ قال المرغيناني:

ومن صلى المغرب في الطريق لم تجزه عند أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالىٰ وعليه إعادتها مالم يطلع الفجر [١٠] (ولم يذكر قول أبي يوسفؒ فالمذكور هوالمختار عنده)

ملحوظة: والموصلي لم يتعرض لهذه المسألة رأسا في متنه المعروف "المختار".

١ـ الهندية (١/ ٢٣٠)

٢ـ ملتقى الأبحر (١/ ٤١٠)

٣ـ مراقي الفلاح (٧٣٥)

٤ـ اللباب في شرح الكتاب (١/ ١٧٢)، تحفة الملوك (١/ ١٦٢)، البحرالرائق (٢/ ٥٩٧)، تفصيله يدل على ترجيح قولهما

٥ـ كنزالدقائق (٧٨)

٦ـ الوقاية (١/ ٣٣٥)

٧ـ غررالأحكام (٣/ ٧٠)

٨ـ تنويرالأبصار (٣/ ٦٠١)

٩ـ النقاية (١/ ٤٨٠)

١٠ـ بداية المبتدى (١/ ٤٥)

[۵۳] اختلافی مسئلہ

ویکره تاخیره (أی طواف الزیارة) عن هذه الأیام (أی أیام النحر) فإن أخره عنها لزمه دم عند أبي حنیفة –رحمه الله تعالیٰ– وقالا: لا شیء علیه.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) **سلام عن إبراهیم بن مهاجر عن مجاهد عن ابن عباس قال: من قدم شیئا من حجه أو اخّره فلیهرق لذلک دما.** [۱]

(۲) **ان عبدالله بن عباس قال: من نسی من نسکه شیئا أو ترکه فلیهرق دما.** [۲]

اثر اول تو بابِ ہذا میں صریح ہے اور اثر ثانی کی وجہ استدلال یہ ہے کہ حاجی نے چونکہ طواف زیارت کو اس کے وقت پر چھوڑ دیا ہے اگر چہ بعد میں کر بھی لیا مگر وقت مقررہ پر ترک کی وجہ سے، اس پر اثر مذکور کی بناء پر دم لازم ہوگا۔

۱۔ مصنف ابن أبي شيبة (۳/ ۳٦۳)، رقم (۱٤۹۵۸)، شرح المعاني الآثار (۲/ ۲۳۸)، رقم (۳۷۸۰)

قلت: رجاله ثقات (سلّام –بتشديد اللام– هو ابن سليم الكوفي ويُذكر أحيانًا بكنيته "أبي الأحوص" كما ذكره الطحاوي بها في نفس الرواية؛ إبراهيم بن مهاجر هو من رجال مسلم فلا يضر المقال فيه، ومجاهد هو ابن جبر –وهو المعروف–)

۲۔ السنن الكبرى للبيهقي (۵/ ۳۰) رقم (۸۷۰۷)، وكذا انظر له: السنن الصغرى له (۲/ ۲۰)، رقم (۱۷۷٤)، مؤطا مالك (۳/ ٦۱٦)، رقم (۱۵۸٤)، معرفة السنن والآثار (۷/ ٤۷۱)، رقم (۲۸۷٦)، سنن الدارقطني (٦/ ۳۱۱)، رقم (۲۵٦۵)، المؤطا –رواية يحيى الليثي– (۱/ ٤۱۹)، رقم (۹٤۰).

إسناده صحيح.

راجع له: "المجموع" للنووي (۸/۹۹)، "إرشاد الفقيه" لابن كثير (۱/۳۱٤)، "تحفة المحتاج" لابن الملقن –حسب اشتراطه في المقدمة– (۲/۱٤۱)، "أضواء البيان" للشنقيطي (٤/٤۷۲).

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

فإن أخره عنها أي أيام النحر ولياليها منها كره تحريماً ووجب دم لترك الواجب. (١)

❷ قال الحلبي:

وإن أخر الحلق أو طواف الزيارة عن أيام النحر فعليه دم خلافا لهما (٢) (القول المقدم فيه هو الراجح كمامر غيرمرة).

❸ قال الشرنبلالي:

فالتي توجب دماهي ...... أو ترك واجبا مما تقدم بيانه (٣.أ) –وقد قال في بيان الواجبات–:
وواجبات الحج ...... وإيقاع طواف الزيارة في أيام النحر (٣.ب)

❹ قال الزيلعي:

قال رحمه الله (أو اخرالحلق أو طواف الركن) أي إذا أخر الحلق أو طواف الزيارة عن وقته وهو أيام النحر في المشهور من الرواية يجب عليه دم عند أبي حنيفة وقالا: لا شيء عليه فيهما ...... لهما (في حديث طويل): فما سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن شيء قدم أو اخر إلا قال: "افعل ولا حرج" وله قول ابن عباس: من قدم نسكا على نسك فعليه دم –وبعد أن فرغ من فريضة ذكر دلائلهم، شرع في ردّ دلائلهما ترجيحا لمذهب الإمام و تقوية لدلائله فقال–: فلا حجة لهما فيما رويا لأن المراد بالحرج المنفي فيه الإثم لا الفدية اهـ (٤)

❺ كذافي الكتب الأخر. (٥)

❻ إنما المتون على قول الإمام (وهي قد صنفت لبيان ماهو المختار في المذهب) (٦)

١ـ الدرالمختار (٣/ ٦١٥؛ وكذافي موضع آخر –أي في "باب الجنايات"– ٣/ ٦٦٧)

٢ـ ملتقى الأبحر (١/ ٤٣٨)

٣ـ مراقي الفلاح: (أ)...... (٧٤١، ٧٤٢)، (ب)...... (٧٢٩)

٤ـ تبيين الحقائق (٢/ ٦٢)

٥ـ تحفة الملوك (١/ ١٧١)، الموسوعة الفقهية (١٠/ ١٢، ١١)، حاشية النانوتوي على الكنز (٨٨)، شرح النقاية (١/ ٤٨٦)

٦ـ كنزالدقائق (٨٨)، الوقاية (١/ ٣٣٦)، غررالأحكام (٣/ ٨١ و ١٣١)، النقاية (١/ ٤٨٥)

[۵۴] اختلافی مسئلہ

فإن قدم الرمي في هذا اليوم (أى اليوم الرابع) قبل الزوال بعد طلوع الفجر جاز عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- وقالا: لايجوز (إلا بعدالزوال).

مفتی بہ قول:

نفسِ جواز وعدم جواز میں فتویٰ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔

توضیح:- تاہم یہ امر واضح رہے کہ یہ جواز مع الکراھۃ التنزیہیہ ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ یہ رمی بعداز زوال کرے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن ابن عباسؓ قال: "اذا انتفخ☆ النهار من يوم النفر الآخر فقد حل الرمى والصدر" (۱) انتفح،

☆ يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

لم اجده بلفظة "انتفخ" بالخاء المعجمة في كتاب من الكتب الحديثية المتداولة بعد جد كثير وبحث طويل، فعندى - والله اعلم- قد وقع التسامح في هذا المقام من الزيلعى في نصب الراية ۳: ۸۷ وابن الهمام في "فتح القدير" ۲: ۵۱۱، حيث ذكرا "انتفخ" بالمعجمة ثم قالا: الانتفاخ: الارتفاع، نعم! الانتفاح (بالحاء المهملة) معناه الارتفاع أيضا على ماذكره اللغوى الشهير مرتضى الزَبيدى كما نقلت عنه في المتن وكذا ذكره السرخسى في مبسوط ٤: ٦٤ بالحاء المهملة حيث قال فيه في الرواية المذكورة "اذا انتفح النهار" -بالحاء المهملة- ثم قال: يقال انتفح (بالمهملة) النهار إذا علا. هذا ما ظهر لى والله أعلم بالصواب وعلمه أتم.

۱ـ السنن الكبرى للبيهقي (۵/ ۱۵۲)، رقم (۹٤٦۹)

قال شيخنا في "إعلاء السنن" (۱۰/ ۱۸٤):

في سنده طلحة بن عمرو - قلت: هو الحضرمي المكّي -، ضعّفه البيهقي. "نصب الرأية" (۱: ۵۱۰). وقال السيوطي: روى له ابن ماجه وضعفوه، إلا أنه لم يتهم بكذب، وقال أبو حاتم: مكيّ ليس بقوى، لين الحديث. وروى ابن عدى بإسناد صحيح عن عبدالرزاق عن معمر، قصة اجتماع شعبة ومعمر وسفيان وابن جريج به، فأملى عليهم أربعة آلاف حديث عن ظهر قلب ما أخطأ إلا في موضعين لم يكن الخطأ منه ولا منهم، وإنما الخطأ من فوق. "كشف الأحوال في نقد الرجال" (۵۵). ومثله في "الميزان" (۱: ٤۷۹). وفيه أيضا: قال آدم بن موسى: سمعت خ (يعني البخارى) يقول: طلحة بن عمرو لين عندهم اهـ. قلت -القائل العثماني-: فهو من حفاظ الحديث، ولم يتهم بكذب، فالحديث حسن على أصلنا.

معناه: ارتفع. (١)

اور ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر کہا ہوگا کیونکہ اصولِ حدیث میں یہ معروف ومسلّم ہے کہ جو مسئلہ رائے واجتہاد سے مدرک نہ ہو اس میں صحابی کا قول حکماً مرفوع ہوتا ہے یعنی انہوں نے وہ حکم (جو غیر مدرک بالقیاس والاجتہاد ہے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوتا ہے۔ (٢)

اور ہمارے ائمۂ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بالاتفاق، صحابی کا قولِ مذکور لائق تقلید ہوتا ہے کما هو معروف في كتبنا في أصول الفقه من مبحث باب السنة۔ (٣)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

إن قدم الرمي فيه أي في اليوم الرابع على الزوال جاز فإن وقت الرمي فيه من الفجر للغروب.

قال ابن عابدين: قوله (جاز) أي صح عند الإمام استحسانا مع الكراهة التنزيهية ا ه(٤) (ولا يخفى أن الإستحسان من وجوه الترجيح إلا في مسائل معدودة وهي ليست منها)

❷ قال الزيلعي:

قال رحمه الله (ولو رميت في اليوم الرابع قبل الزوال صح) وهذا عند أبي حنيفة (رحمه الله)

قال الشلبي:

١۔ تاج العروس (٢/ ٣٠٠)

٢۔ فتح المغيث للسخاوی (١/ ١٣٠، ١٢٨)، قواعد في علوم الحديث/ مقدمة إعلاء السنن (١٩/ ١٢٨، ١٢٧)، قفوالأثر (١/ ٩٢)، تدريب الراوی (١/ ١٦٢)، ظفرالامانی (٣٢١)، تيسير مصطلح الحديث للطحان (١٣٠، ١٣١)، نزهة النظر شرح نخبة الفكر (١٢٣، ١٢٢)، شرح شرح نخبة الفكر للملا علی القاری (٥٤٩، ٥٤٨)، النكت على مقدمة ابن الصلاح للزركشي (١/ ٣١٢، ٤٣٤)، توضيح الأفكار (١/ ٢٣٢، ٢٣٨)، بلغة الأريب (١/ ١٩٧)، مقدمة في أصول الحديث للدهلوی (١/ ٣٨)، ألفية السيوطي في علم الحديث (١/ ١٤)، المحصول للرازی (٤/ ٦٤٣)، نظم المتناثر (١/ ٢٢٧)، المقترب في بيان المضطرب (١/ ١٦)، قواعد التحديث من فنون مصطلح الحديث (١/ ١٠٠)، دليل أرباب الفلاح لتحقيق فن الإصطلاح (١/٨٨)، منظومة مصباح الراوی في علم الحديث (١/٨٧)، شرح التبصرة والتذكرة للعراقي (١/١٩٨)، فتح الباقي بشرح ألفية العراقي لزكريا الأنصاری (١/١٩١)

٣۔ كما في نور الأنوار (ص:٢٢٩) وغيره

٤۔ رد المحتار (٣/ ٦١٩)

قوله (وهذا عند أبي حنيفةؒ) وهو قول عكرمة و طاؤس وإسحق بن راهويه وهو استحسان.[1]

❸ قال السرخسي:

وإن صبر إلى اليوم الرابع جاز له أن يرمي الجمار فيه قبل الزوال استحسانا في قول أبي حنيفةؒ.[2]

❹ قال الشرنبلالي:

وإن طلع الفجر وهو بمنى في الرابع لزمه الرمي وجاز قبل الزوال والأفضل بعده.[3]

❺ قال الحلبي:

وإن رمى فيه -أي في اليوم الرابع- قبل الزوال جاز خلافا لهما[4] (فالقول المقدم فيه راجح لما عرف من دأبه في القول الراجح عنده على ما قال الشامي)

❻ كذا في الكتب الأخر.[5]

❼ والمتون على قول الإمامؒ.[6]

١ـ حاشية الشلبي على التبيين (٢/٣٥)

٢ـ المبسوط (٤/٦٤)

٣ـ مراقي الفلاح (٧٣٧)

٤ـ ملتقى الأبحر (١/٤١٦)

٥ـ مجمع الأنهر (١/٤١٦)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٣/٩٣)، الفقه الحنفي وأدلته (١/٤٣٥)، تحفة الملوك (١/٣٦٦)، فقه السنة (١/٧٣٣)

٦ـ كنز الدقائق (٧٩)، الوقاية (١/٣٣٧)، مجمع البحرين (٢٣١)، بداية المبتدي (١/٤٦)، غرر الأحكام (٣/٨٢)، -والموصلي إنما لم يذكرها رأسا في مختاره-

بابُ التمتّع

[۵۵] اختلافی مسئلہ

أشعر البدنة عند أبي يوسف و محمد –رحمهما الله تعالى– وهو أن يشق سنامها من الجانب الأيمن ولا يشعر عند أبي حنيفة –رحمه الله تعالى– (ويكره ☆)

مفتی بہ قول (مع التطبیق بین القولین):

متون عامہ وغیرہ میں امام صاحب کا قول کراہت کے بارے میں منقول ہے اور اسی کو محققین نے راجح (ومفتی بہ) قرار دیا ہے مگر اس قول کی حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب نے نفسِ اشعار کو مکروہ نہیں قرار دیا بلکہ اپنے عصر کے ان لوگوں کی حالت دیکھ کر، سدا للذرائع یہ حکم فرمایا، جو اشعار میں حدِ شرعی سے مبالغہ کرتے تھے کہ اشعار میں کھال کے ساتھ ساتھ گوشت بھی کاٹ دیتے تھے اور اشعار کے نام پر اس قدر گہرے زخم لگا دیتے تھے جو جانور کے لئے انتہائی اذیت ناک ثابت ہوتے حتیٰ کہ موت کا اندیشہ ہونے لگتا۔(۱)

الغرض امام صاحب نے نفس اشعار کی بجائے مبالغہ فی الاشعار کو مکروہ قرار دیا(۲)، لہٰذا احناف کے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بالاتفاق نفسِ اشعار مسنون ومشروع ہے۔ اب اس سنیت اشعار کے دلائل ملاحظہ ہوں:

مستدل:

(۱) عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم قلد نعلين وأشعر الهدى في الشق الأيمن بذى الحليفة واماط عنه الدم. (۳)

☆ الهداية (۱/۲۸٤)، ملتقى الأبحر (۱/٤۲۸)، تحفة الفقهاء (۱/٤۰۰)، الجوهرة النيرة (۱/۳۹۷)، مجمع البحرين (۲۳۸)

۱۔ المبسوط للسرخسي (٤/۲۰)، عمدة القاري (۱۰/۵۰، ۵۱)

۲۔ مجمع الأنهر (۱/٤۲۸)

۳۔ سنن الترمذي (۳/۲٤۹) رقم (۹۰٦)، وكذا انظر له: صحيح مسلم (٤/۵۷) رقم (۳۰۷۵)، معرفة السنن والآثار (۹/۸۹) رقم (۳۳٤۸)، مسند الطيالسي (٤/٤۱۳) رقم (۲۸۱۹)

(٢) عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قلد هديه وأشعره.[١]

(٣) عن المسور بن مخرمة ومروان (بن الحكم) قالا:

خرج النبي صلى الله عليه وسلم زمن الحديبية من المدينة في بضع عشرة مأة من أصحابه حتى إذا كانوا بذى الحليفة قلد النبي صلى الله عليه وسلم الهدى وأشعر وأحرم بالعمرة.[٢]

(٤) عن عائشة رضي الله عنها قالت فتلت قلائد بُدن رسول الله صلى الله عليه وسلم بيدى ثم أشعرها وقلدها ثم بعث بها إلى البيت.[٣]

(٥) كان ابن عمر رضي الله عنهما إذا أهدى من المدينة قلده وأشعره بذى الحليفة يطعن في شق سنامه الأيمن بالشفرة اهـ.[٤]

تخريج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

وكره الإشعار وهو شق سنامها من الأيسر أو الأيمن لأن كل أحد لا يحسنه فأما من أحسنه بأن قطع الجلد فقط فلا بأس به.

قال الشامي:

قوله (لأن كل أحد لا يحسنه) جرى على ما قال الطحاوى والشيخ أبومنصور الماتريدى من أن أباحنيفة لم يكره أصلا الإشعار، وكيف يكره مع ما اشتهر فيه من الأخبار وإنما كره إشعار أهل زمانه الذى يخاف منه الهلاك خصوصا في حر الحجاز فرأى الصواب حينئذ سد هذا الباب على العامة، فأما

١ـ صحيح ابن خزيمة (١٥٣/٤) رقم (٢٥٧٤)، وكذا انظر له: مسند أبي يعلى (٢٦٥/٨) رقم (٤٨٥٣)، سنن النسائي (١٧٠/٥) رقم (٢٧٧٢)ـ قال شيخنا الأعظمي في تعليقه على صحيح ابن خزيمة: إسناده صحيح

٢ـ صحيح البخاري (٢٦٤/٤) تعليقًا، وكذا انظر له: صحيح ابن حبان (٢١٦/١١) رقم (٤٨٧٢)، سنن أبي داوٗد (٨٠/٢) رقم (١٧٥٦)، السنن الكبرى (٢٣١/٥) رقم (٩٩٤٨)، مسند أحمد (٣٢٧/٤) رقم (١٨٩٤٠)، المعجم الكبير (٩/٢٠) رقم (١٦٧٧٠)، شعب الإيمان (٤٧٢/٥) رقم (٧٣١٨)، شرح مشكل الآثار (١٧٥/٦)، المنتقى لابن الجارود (١٣٣/١) رقم (٥٠٥)، مصنف ابن أبي شيبة (٣٨٥/٧) رقم (٣٦٨٥٠)، مصنف عبدالرزاق (٣٣٠/٥) رقم (٩٧٢٠)

٣ـ صحيح مسلم (٨٩/٤) رقم (٣٢٦١)، وكذا انظر له: صحيح البخاري (٢٧٠/٤) رقم (١٦٩٩)، مسند أحمد بن حنبل (٧٨/٦) رقم (٢٤٥٣٦)، سنن أبي داوٗد (٨١/٢) رقم (١٧٥٩)، سنن النسائي (١٧٣/٥) رقم (٢٧٨٣)، [illegible] (٢٣٣/٥) رقم (٩٩٦٨)، المسند المستخرج على صحيح الإمام مسلم (٣٩٦/٣) رقم (٣٠٥١)، مسند إسحاق بن راهويه (٣٠/٢) رقم (٥٢٩)

٤ـ صحيح البخاري (٢٦٤/٤)، موطا مالك (٥٥٥/٣) رقم (١٤٠٦)

من وقف على الحد بأن قطع الجلد دون اللحم فلا بأس بذلك، قال الكرماني: هذا هو الأصح. (١)

❷ قال ابن نجيم:

قوله (...... ولا يشعر) ...... وفي الهداية: وهو مكروه عند أبي حنيفة (رحمه الله تعالى) –إلى أن قال-: وقال الطحاوى: إنما كره أبو حنيفة الإشعار المحدث الذى يفعل على وجه المبالغة ويخاف منه السراية إلى الموت لا مطلق الإشعار واختاره في غاية البيان وصححه وفي فتح القدير أنه الأولى. (٢)

❸ قال سراج الدين ابن نجيم:

(ولا يشعر) بدنة عند الإمام فإن فعله كره تحريما...... والأولى ما قاله الطحاوى: انه انما كره اشعار أهل زمانه لأنهم كانوا لا يحسنون مجرد شق الجلد بل يبالغون في اللحم حتى يكثر الألم ويخاف منه السراية وبه يستغني عن كون العمل على قولهما. (٣)

❹ قال الزيلعي:

(ولا يشعر) أي لا يشعر البدنة وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله...... ولأبي حنيفة أنه مثلة لأن فيه قطع اللحم أو الجلد.

قال الشلبي:

قوله (لأن فيه قطع اللحم أو الجلد)...... والكلام الصحيح في هذا الباب أن يقال أن أباحنيفة كره الإشعار المحدث الذى يفعل على وجه المبالغة ويخاف منه السراية إلى الموت لا مطلق الإشعار. (٤)

❺ قال ابن الهمام:

والأولى ما حمل عليه الطحاوى من أن أبا حنيفة إنما كره إشعار أهل زمانه لأنهم لا يهتدون إلى إحسانه وهو شق مجرد الجلد ليدمي بل يبالغون في اللحم حتى يكثر الألم ويخاف منه السراية. (٥)

❻ كذا في الكتب الأخر. (٦)

١ـ رد المحتار (٣/٦٤٥)

٢ـ البحر الرائق (٢/٦٣٨)

٣ـ النهر الفائق (٢/١٠٨)

٤ـ حاشية الشلبي على التبيين (٢/٤٧)

٥ـ فتح القدير (٣/٨)

٦ـ مجمع الأنهر (١/٤٢٨)، حاشية الطحطاوى على الدر المختار (١/٥١٧)، المبسوط للسرخسي (٤/٢٠)، دررالحكام مع غرر الأحكام (٣/١١٨)، الكفاية (٣/٢)، النافع الكبير (١/١٤٨)، اللباب في شرح الكتاب (١/١٧٩)، المعتصر على المختصر (١/٢٦)، تعليق العبود على الفقه النافع (٢/٤٥١)، الموسوعة الفقهية (٤٢/٢٣٦، ٢٣٧)، الفقه الحنفي وأدلته (١/٤٢٧).

بابُ الجنایات في الحج

[٥٦] اختلافی مسئلہ

إن حلق موضع المحاجم من الرقبة فعليه دم عند أبي حنيفة رحمه الله وقال أبويوسف و محمد (رحمهما الله تعالى): صدقة.

مفتی بہ قول:

فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے ☆ کہ گردن پر پچھنے لگوانے والی جگہ کے محض بال منڈوائے تو صدقہ لازم ہے، البتہ اگر بال منڈوا کر پچھنے بھی لگوا لیے تو اب دم واجب ہے۔

☆ **فائده مهمة:**

يقول العبد الضعيف عفا الله عنه: في هذه المسألة جميع المتون على قول الإمام -كما في المختار للموصلي ١٧٣:١، والكنز للنسفي ٨٥، والوقاية للمحبوبي ٣٤٧:١، و مجمع البحرين لابن الساعاتي ٢٤١، والغرر لملا خسرو ١٣٠:٣، والتنوير للتمرتاشي ٦٥٩:٣؛ ويترشح ترجيح قوله أيضا مما عرف من صنيع مصنفي الكتب المعتبرة في المختار عندهم فيها، كما ترى في البدائع للكاساني ٤٢٢:٢، والتبيين للزيلعي ٥٤:٢، والمبسوط للسرخسي ٦٩:٤، والنافع الكبير للكنوي ١٥٤:١، وحاشية الكنز للنانوتوي ٨٥. ومع ذلك قدم قول الإمام في ملتقى الأبحر ٤٣١:١ والخانية ٢٨٩:١ ومن المعلوم أن القول السابق فيهما هو قول راجح حسب ما صرح به العلامة الشامي في شرح عقوده: ٣٠.

وهذا كله يقتضي ترجيح قول أبي حنيفة والحال أن قولهما في هذا الباب هو الراجح والمعمول به عند الحنفية كما ذكرتُ في المتن.

ـ وجهه أنه قد ذكر لزوم الدم على مطلق "حلق المحاجم" في الكتب التي سلف ذكرها، على حين أنه ليس على الإطلاق ولكنه مقيد بما إذا احتجم بعد أن حلق المحجمة كما وضح ابن نجيم النفي لهذا الإطلاق وبيان التقييد المذكور في البحر بالتصريح، وزاد الحصكفي تقييد "واحتجم" على عبارة التمرتاشي في متنه "أو حلق محاجمه" وانما أتى المحقق ابن الهمام في شرح قول صاحب الهداية "وإن حلق موضع المحاجم فعليه دم اهـ" بعبارة يتضح منها القيد المذكور حيث قال مشيرا إليه، نصه: "يفيد أنه إذا لم ترتب الحجامة على حلق موضع المحاجم لا يجب الدم" ==

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) قال عطاء سمعت ابن عباس (رضی الله عنهما) قال: احتجم رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو محرم. (۱)

(۲) عن ابن عباس (رضی الله عنهما) أن رسول الله صلى الله عليه وسلم احتجم وهو صائم محرم. (۲)

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ حجامت (پچھنے لگوانا) محظوراتِ احرام میں سے نہیں ہے لہٰذا جو چیز اس حجامت

== فعلم منه على الوضوح أن حكم الدم فيها مقيد بالحجامة أمد بدونها فلا تجب إلا الصدقة.

كذا زاد الطحاوی "واحتجم" على ما في متن الشرنبلالی من قوله "أو محجمه" في أثناء شرح له، إنهاءً لإطلاقه وبيانا لتقييده ومشى على هذا ملا خسرو في شرحه "درر الحكام" على المتن "غرر الأحكام"، ففي كليهما زيادة "واحتجم" على "محجمه" صريحة في الدلالة على أن حلق المحاجم مقيد في هذا الباب بالاحتجام والحجامة.

والحاصل أنما نصوص أجلة الفقهاء وائمة المحققين من الحنفية وتوضيحاتهم قد تقدم ذكرها صريحة في ان ما ذكر من حكم لزوم الدم على حلق المحاجم في المتون العامة هو ليس على اطلاقه بل مقيد بالحجامة والا تلزم الصدقة فقط في تقدير مجرد حلق المحاجم، فالعمل على قولهما في هذه المسألة وبه يفتى عند الحنفية.

فاحفظه إذ قد يختلج -على من طالع المتون المعتبرة في هذا الباب ووجدها على قول الإمام ثم رأى الفتوى والعمل على قولهما- أنه قد وقع التعارض بين القول المعمول به عند الحنفية وبين متونهم المعتبرة وكتبهم المعتمد عليها. وله الشكر ومنه التوفيق وبه السداد والتطبيق. إنه على كل شيءٍ قدير وبالحمد والثناء عليه جدير.

۱ـ صحيح البخاری (۲/۶۵۲) رقم (۱۷۳۸)، وكذا انظر له: سنن النسائی (۲/۲۳۱) رقم (۳۲۰۵)، سنن الدارقطنی (۶/۲۹۰) رقم (۲۵۴۳)، سنن الدارمی (۲/۵۷) رقم (۱۸۱۹)، السنن الكبری (۹/۳۳۹) رقم (۱۹۳۱۳)، المعجم الكبير (۱۱/۳۴۸) رقم (۱۲۰۰۱)، المنتقى لابن الجارود (۱/۱۱۶) رقم (۴۴۲)، مسند أحمد (۱/۳۱۵) رقم (۲۸۹۰)، مسند أبي يعلى (۵/۳۸۱) رقم (۳۰۴۱)، مسند الحميدی (۱/۲۳۳) رقم (۵۰۰)، موارد الظمآن (۱/۳۴۰).

۲ـ سنن أبي داوٗد (۲/۲۸۲) رقم (۲۳۷۵)، وكذا انظر له: سنن الدارقطنی (۶/۲۹۱) رقم (۲۵۴۴)، سنن إبن ماجه (۲/۱۰۲۹) رقم (۳۰۸۱)، سنن النسائی الكبرى (۲/۲۳۵) رقم(۳۲۲۸)، السنن الكبرى (۴/۲۶۳) رقم (۸۰۵۳)، المعجم الأوسط (۳/۴۸) رقم (۲۴۳۴)، المعجم الكبير (۱۱/۷) رقم (۱۰۸۷۶)، المؤطا . رواية محمد بن الحسن (۲/۲۵۸) رقم (۴۱۵)، مسند أحمد بن حنبل (۱/۲۲۲) رقم (۱۹۴۳)، مسند أبي يعلى (۴/۳۵۵) رقم (۲۴۷۱)، الطحاوی (۲/۱۰۱) رقم (۳۱۹۳)، كتاب الآثار برواية الشيبانی (۹۵)، مصنف عبدالرزاق (۴/۲۱۳) رقم (۷۵۴۱)، معرفة السنن والآثار (۷/۲۱۸) رقم (۲۶۷۲)

تک وسیلہ ہے (یعنی حجامت کی غرض سے موضع محاجم کے بال مونڈنا) وہ بھی ضروری ہے کہ محظورات میں سے نہ ہو لہٰذا حلقِ مذکور چونکہ مقصود بالذات نہیں ہے اس لئے اس پر کوئی دم بھی نہیں ہے البتہ اس میں کسی قدر میل وغیرہ کا چونکہ ازالہ ہو جاتا ہے (جو کہ روحِ احرام کے منافی ہے) اس لئے اس میں صرف صدقہ واجب ہے۔ (۱)

(۳) موضع مذکور پر بال چونکہ قلیل ہوتے ہیں لہٰذا سینہ، بازو اور پنڈلی کے ساتھ اس کی مشابہت پائی گئی اور ان اعضاء مذکورہ کے بال مونڈنے پر دم واجب نہیں ہوتا بلکہ صدقہ واجب ہوتا ہے، اسی طرح یہاں حکم ہے۔ (۲)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

الواجب دم على محرم بالغ إن طيّب عضوا كاملا –إلى أن قال– أو حلق محاجمه يعنى واحتجم وإلا فصدقة.

قال الشامي:

قوله (وإلا فصدقة) أى: وان لم يحتجم بعد الحلق فالواجب صدقة. (۳)

❷ قال الشرنبلالي: فالتى توجب دما هي...... أو حلق ربع رأسه أو محجمه.

قال الطحطاوى: قوله (أو محجمه) عطف على ربع أى واحتجم وإلا فصدقة. (۴)

❸ قال ابن نجيم:

قوله (أو حلق ربع راسه...... أو محجمة) – فقال في آخر شرحه– وأطلق في المحجمة وهو مقيد بما إذا كان الحلق لهذا الموضع وسيلة إلى الحجامة، فلو حلقها ولم يحتجم لزمه صدقة لأنه غير مقصود كما في فتح القدير. (۵)

❹ قال ابن الهمام:

إذا لم تترتب الحجامة على حلق موضع المحاجم لا يجب الدم لأنه أفاد أن كونه مقصودا إنما هو للتوسل به إلى الحجامة فإذا لم تعقبه الحجامة لم يقع وسيلة فلم يكن مقصودا فلا يجب إلا الصدقة. (۶)

١ـ الهداية مع "فتح القدير" (٣/٣١)، النافع الكبير (١/١٥٤)، الاختيار لتعليل المختار (١/١٧٤)

٢ـ بدائع الصنائع (٢/٤٢٢)

٣ـ رد المحتار (٣/٦٥٩)

٤ـ حاشية الطحطاوى على المراقى (٧٤٢)

٥ـ البحر الرائق (٣/١٧)

٦ـ فتح القدير (٣/٣١)

⑤ قال ملا خسرو:

قوله (أو حلق محجمه) يعني واحتجم حتى إذا لم يتعقبه الحجامة لا يجب الا الصدقة. [1]

[۵۷] اختلافی مسئلہ

إن قصّ أقل من خمسة أظافير متفرقة من يديه ورجليه فعليه صدقة عند أبي حنيفة وأبي يوسف -رحمهما الله تعالى-، وقال محمد -رحمه الله- : عليه دَم.

مفتی بہ قول:

فتویٰ شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

حالتِ احرام میں حصولِ راحت وزینت پر کامل جنابت کا تحقق ہوتا ہے۔ طریقِ مذکور کے موافق ناخن کاٹنے سے راحت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی زینت بلکہ اس کے برعکس محرم کو اس سے تشویشِ قلب وغیرہ کی بناء پر، اذیت بھی پہنچتی ہے اور ہاتھ پاؤں بدنما بھی لگتے ہیں۔ لہٰذا جب جنایت میں تقاصر ونقصان پایا گیا تو دم کی بجائے اس میں صدقہ واجب ہوگا۔ [2]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

① في الهندية:

ولو قلم خمسة أظافير من الأعضاء الأربعة المتفرقة تجب الصدقة لكل ظفر نصف صاع في قول أبي حنيفة وأبي يوسف -رحمهما الله تعالى- [3] (ولم يذكر قول محمدٌ اقتصارًا على المختار كما عُرف في الأصول)

۱ـ درر الحكام شرح غرر الأحكام (۳/۱۳۷)

۲ـ بدائع الصنائع (۲/٤۲۳)، الكفاية (۳/۷)، "فتح القدير" على الهداية (۳/۳٦)، الجوهرة النيرة (۱/٤۰۵)، المبسوط للسرخسي (٤/۷۸)

۳ـ الهندية (۱/۲٤٤)

❷ قال الحلبي:

أو قص أقل من خمسة أظفار أو خمسة متفرقة (فعليه صدقة) وعند محمدؒ في الخمسة المتفرقة دم [1] (فالقول المقدم فيه هو الراجح على ما مر غير مرة من قول العلامة الشامي)

❸ قال ابن نجيم:

قوله (أوقص أظفار يديه...... وإلا تصدق كخمسة متفرقة) –وقال في آخر شرحه– و إنما صرح بالخمسة المتفرقة مع أنها فهمت مما ذكره لدفع قول محمدؒ المنقول في المجمع أن الخمسة المتفرقة كطرف كامل فيجب دم فأفاد أن في كل ظفر من الخمسة صدقة كما قررناه [2]

❹ قال الشرنبلالي:

والتي توجب الصدقة بنصف صاع من بر أو قيمته هي...... أوقص ظفرا وكذا لكل ظفر نصف صاع إلا أن يبلغ المجموع دما فينقص ما شاء منه كخمسة متفرقة. [3]

❺ قال الزحيلي:

وتجب الصدقة عند الحنفية فيما يأتي من الحالات التي أشرت إليها سابقا وهي: –ثم عدّ منها برقم "د" – إن قص أقل من خمسة أظافير متفرقة، فلكل ظفر صدقة. [4]

❻ كذا في الكتب الأخر. [5]

❼ إنما اختار أصحاب المتون قول الشيخينؒ واوردوا فيها عباراتٍ تكشف المرام وتوضح المقام:

١ – قال الموصلي: و إن حلق أقل من ربعه رأسه تصدق بنصف صاع بر وكذا إن قص أقل من خمسة أظافر وكذلك إن قص خمسة متفرقة. [6]

٢ – قال المحبوبي:

أو قص أقل من خمسة أظفار أو خمسة متفرقة...... تصدق بنصف صاع من بر. [7]

---

١ ـ ملتقى الأبحر (١/٤٣٣)

٢ ـ البحر الرائق (٣/٢١)

٣ ـ مراقي الفلاح (٧٤٢)

٤ ـ الفقه الإسلامي وأدلته (٢٣٢٧،٢٣٢٨)

٥ ـ الموسوعة الفقهية (٢/١٨٥)، تحفة الملوك (١/١٦٨)، الدرر شرح الغرر (٣/١٣٠)

٦ ـ المختار للفتوى (١/١٧٥)

٧ ـ الوقاية (١/٣٤٩)

٣- قال النسفي:

وإلا (أى ان لم يكن كذلك بل قص أقل من يد أو رجل -يعنى أقل من خمسة أظفار- في مجلس [١]) تصدق كخمسة متفرقة. [٢]

٤- قال ملا خسرو: وتصدق بنصف صاع من بر إن طيب أقل من عضو - إلى أن قال- أو قص أقل من خمسة أظفار أو خمسة متفرقة. [٣]

[٥٨، ٥٩] اختلافی مسئلہ

ومن أخر الحلق حتى مضت أيام النحر فعليه دم عند أبي حنيفة وكذلك إن أخر طواف الزيارة عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- (وقالا: لا شيء عليه في الوجهين [٤])

مفتی بہ قول:

مذکورہ بالا دونوں مسائل میں فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

مفتی بہ قول کا مستدل:

(١) عن ابن عباس -رضي الله عنهما- ، قال: من قدم شيئا من حجه أو اخره فليهرق لذلك دما. [٥]

(٢) عن عامر في امرأة نسيت أن تقصر حتى خرجت، فقال عبدالرحمن بن الأسود وعامر: تقصر وتهرق دمًا. [٦]

(٣) إن عبدالله بن عباس قال: من نسي من نسكه شيئا أو تركه فليهرق دمًا. [٧]

اثر ثالث کی وجہ استدلال سابق میں گزر چکی ہے کہ امر مذکور کو وقتِ مقررہ پر ترک کرنے سے دم لازم ہوگا۔

١ـ انظر له: رمز الحقائق للعيني (١٠٢/١)، شرح الطائى على هامش رمز الحقائق (١٠٢/١)

٢ـ كنز الدقائق (٧٦)

٣ـ غرر الأحكام (١٤٧/٣)

٤ـ الهداية (٢٩٧/١)، الجوهرة النيرة (٤١٠/١)

٥ـ تقدم تخريجه

٦ـ مصنف ابن أبي شيبة (٤١٨/٣) رقم (١٥٥٤٠)

٧ـ تقدم تخريجه

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

والواجب دم على محرم بالغ ولو ناسيا إن طيب عضوا كاملا - إلى أن قال- أو اخر الحلق أو طواف الفرض عن أيام النحر لتوقتهما بها.

قال ابن عابدين:

قوله (لتوقتهما بها) أى: الحلق وطواف الفرض بها أى بأيام النحر عند الإمام، وهذا علة لوجوب الدم بتأخيرهما. [1]

❷ قال الحلبي:

وإن أخر الحلق أو طواف الزيارة عن أيام النحر فعليه دم خلافا لهما. [2] (فالقول المقدم فيه راجح كما عرفته سابقا)

❸ في الهندية:

(أ) من اخر الحلق حتى مضت أيام النحر فعليه دم. [٣-أ]

(ب) وإن أعاده (أى طواف الزيارة) بعد أيام النحر يجب الدم عند أبي حنيفة [٣-ب] (ولم يذكر فيه قولهما اقتصارا على المختار)

❹ قال الكاساني: [4]

(أ) لكنه (أى طواف الزيارة) موقت بأيام النحر وجوبا في قول أبي حنيفة، حتى لو أخره عنها فعليه دم عنده وفي قول أبي يوسف و محمد (رحمهما الله تعالى) غير موقت أصلا ولو أخره عن أيام النحر لا شيء عليه -بعد الفراغ من ذكر دلائل الفريقين مال إلى ترجيح قوله وتضعيف أدلتهما فقال-: ولا حجة لهما في الحديث لأن فيه نفي الحرج وهو نفي الإثم، وانتفاء الإثم لا ينفي وجوب الكفارة، كما لو حلق رأسه لأذى فيه أنه لايا ثم وعليه الدم، كذا ههنا. [أ]

(ب) وكذا بسط الكلام في الحلق وتاخيره عن أيام النحر ورجّح قول أبي حنيفة فيه حسب قوة الأدلة، حيث أخر أدلته وأجاب عما استدل به مخاصموه. [ب]

١ـ الدر المختار مع رد المحتار (٣/٦٧)

٢ـ ملتقى الأبحر (١/٨١، ٤٣)

٣ـ الهندية: ألف: (١/٢٤٤)، ب: (١/٢٤٥)

٤ـ بدائع الصنائع: ـ أ ـ (٢/٣١٤، ٣١٥)، ب: (٢/٣٣٠، ٣٣١)

⑤ قال الشرنبلالي: (١)

فالتي توجب دما هي...... أو ترك واجبا مما تقدم بيانه. (أ)

(وقال في بيان الواجبات) وواجبات الحج...... والحلق و تخصيصه بالحرم وأيام النحر...... وايقاع طواف الزيارة في أيام النحر. (ب)

⑥ كذا في الكتب الأخر. (٢)

---

[٦٠] اختلافی مسئله

والجزاءُ عند أبي حنيفة وأبي يوسف (رحمهما الله) أن يقوّم الصيد في المكان الذى قتله فيه أو في أقرب المواضع منه إن كان في برية يقوّمه ذوا عدل ثم هو مخيّر في القيمة إن شاء ابتاع بها هديا فذبحه إن بلغت قيمته هديا وإن شاء اشترى بها طعاما فتصدق به على كل مسكين نصف صاع من بر أوصاعا من تمر أو صاعا من شعير وإن شاء صام عن كل نصف صاع من برّ يومًا وعن كل صاع من شعير يوما فإن فضل من الطعام أقل من نصف صاع فهو مخير إن شاء تصدق به وإن شاء صام عنه يوما كاملا.

وقال محمدؒ: يجب في الصيد، النظير فيما له نظير. ففي الظبى شاة وفي الضبع شاة وفي الأرنب عَناق وفي النعامة بدنة وفي اليربوع جفرة ؛ (وما ليس له نظير عند محمدؒ تجب القيمة اھ (٣)).

١ـ مراقي الفلاح:ـاـ (٧٤١،٧٤٢)، ب: (٧٢٩)

٢ـ تبيين الحقائق (٦٢/٢)؛ تفصيله يدل على ترجيح قول الإمامؒ، الموسوعة الفقهية (١٢،١١/٢ و ١٣/٢). غررالأحكام (١٣١/٣)، تحفة الملوك (١٧١/١)

٣ـ الهداية (٣٠٠/١)، الاختيار لتعليل المختار (١٧٩/١)

مفتی بہ قول:

فتویٰ شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

قوله تعالى: ﴿يا ايها الذين امنوا لا تقتلوا الصيد وانتم حرم ومن قتله منكم متعمدا فجزاء مثل ما قتل من النعم يحكم به ذوا عدلٍ منكم هديا بالغ الكعبة أو كفارة طعام مساكين أو عدل ذلك صياماً﴾ الأية. [1]

اس آیت میں ہے کہ حالت احرام میں جانور شکار کرنے کی جزاء اس مقتول جانور کی مثل ہے جس کا اندازہ دو عادل آدمی لگائیں گے۔آگے "مثل" میں دو احتمالات ہیں:

۱۔مثل صوری (جیسے ہرن کے مقابلہ میں بکری)...... جیسا کہ امام محمدؒ و امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔

۲۔مثل معنوی (یعنی اس جانور کی قیمت لگائی جائے)...... جیسا کہ شیخینؒ کا مذہب ہے۔

ان دونوں احتمالات میں شق ثانی راجح ہے جس کو شیخین نے اختیار کیا ہے۔اس کے دلائل ذیل میں سپرد قرطاس کیے جاتے ہیں:

(۱) **عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في بيض النعام يصيبه المحرم ثمنه.** [2]

(۲) **حدثنا محمد بن المثنى قال، حدثنا محمد بن جعفر قال، حدثنا شعبة، عن حماد قال: سمعت إبراهيم يقول: في كل شيء من الصيد ثمنه.** [3]

(۳) **عن ابن عباس (رضى الله عنهما) قال: في بيض النعام يصيبه المحرم ثمنه.** [4]

(۴) **قال الجصاص:**

۱۔ المائدة (۹۵)

۲۔ سنن إبن ماجه (۲/۱۰۳۱) رقم (۳۰۸۶)

قال البوصيري في "مصباح الزجاجة" (۲/۱۳۶): هذا إسناد ضعيف، علي بن عبدالعزيز مجهول وأبو المهزم ضعيف واسمه يزيد بن سفيان قال المزي في الأطراف: وقع في بعض النسخ محمد بن يونس وهو خطأ. قلت: له شاهد من حديث كعب بن عجرة رواه البيهقي في الكبرى.

۳۔ تفسير الطبرى (۱۰/۲۰) رقم (۱۲۵۸۴)

قال العثماني في "الإعلاء" (۱۰/۳۹۵): وسنده صحيح.

۴۔ مصنف عبدالرزاق (۴/۴۲۱) رقم (۸۲۹۴)

قال الحافظ في الدراية (۲/۴۳): أخرجه عبدالرزاق من طريق صحيح.

قوله تعالى ﴿فجزاء مثل ما قتل﴾ اختلف في المراد بالمثل - إلى أن قال بعد بسط الكلام في المرام- فوجب أن يكون المثل المراد بالآية هو القيمة. (۱)

(۵) مثل صوری میں ہر جگہ عمل کرنا امر محال ہے کیونکہ جن جانوروں کی کوئی نظیر نہیں ہے (جیسے کبوتر، چڑیا وغیرہ) وہاں اس امر کا ترک لازم آئے گا اور عدم نظیر کی صورت میں قیمت مراد لینے پر "**جمع بین الحقیقة والمجاز**" لازم آئے گی (نظیر میں مثل صوری حقیقت ہے اور عدم نظیر میں اس کی قیمت کا اعتبار مجاز ہے) جو اصولِ فقہ کی رُو سے ناجائز ہے۔
لہٰذا مثل معنوی متعین ہو گئی جو نظیر و عدم نظیر ہر دو صورت میں قابلِ عمل ہے اور ترکِ امر سے مامون ہے۔ (۲)

ملاحظہ:

مثل سے مراد مثل معنوی ہونے پر علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے "اعلاء" میں بارہ صفحات پر مشتمل بسط و تفصیل کے ساتھ انتہائی مفید و قیم بحث کی ہے جو باب ہذا کے تقریباً جمیع زوایا کو محیط ہے من شاء فلیراجعه. (۳)

اسی طرح امام جصاص نے فقہ آیات الأحکام میں اپنی شہرہ آفاق تصنیف "احکام القرآن" میں مذکورہ عنوان پر جامع و مانع سیر حاصل گفتگو کی ہے جس میں مخاصمین کے اعتراضات پر مدلل و مبرہن جوابات بھی ثبت کیے ہیں۔ راجعها ان شئت تفصیل الکلام فی هذا المرام۔ (۴)

نیز زیر بحث مسئلہ میں شکاری کو ذواعدل کے فیصلۂ قیمت کے بعد اس کے مصرف میں مندرجہ ذیل تین اختیارات ہیں:

۱......اشتراء ہدی اور اس کا ذبح

۲......اشتراء طعام اور اس کا تصدق

۳......صوم

ان خیاراتِ ثلاثہ کی دلیل تو نفسِ آیت ہے البتہ ان کی تفصیل اسی آیت کے تحت خود مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے:

عن ابن عباس في قوله ﴿فجزاء مثل ما قتل من النعم﴾ قال: إذا أصاب المحرم الصيد يحكم عليه جزاؤه فإن كان عنده جزاؤه ذبحه وتصدق بلحمه فإن لم يكن عنده جزاؤه قوم جزاؤه دراهم ثم قوّمت الدراهم طعاما فصام مكان كل نصف يوما وإنما أريد بالطعام الصيام انه إذا وجد الطعام وجد

۱۔ احکام القرآن (۲/۶۶۲،۶۶۱)

۲۔ إعلاء السنن (۱۰/۳۸۵)

۳۔ إعلاء السنن (۱۰/۳۸۳-۳۹۵)

٤۔ أحكام القرآن (۲/۶۶۱-٦٦٤)

جزاؤه. [1]

نیز مندرجہ ذیل روایات کا مضمون بھی اس کامؤید ہے:

(أ) عن مطر عن معاوية بن قرة حدثني عبدالرحمن بن أبي ليلى عن علي رضي الله عنه: أن رجلا أوطأ بعيره أدحي نعامة وهو محرم فأتى عليا يذكر ذلک له فقال عليک في كل بيضة ضربت ناقة أو جنين ناقة فأتى النبي صلى الله عليه وسلم فذكر له ذلک فقال له: قد قال عليّ فيها ما قال ولكن هلم إلى الرخصة عليک في كل بيضة صيام يوم أو إطعام مسكين. [2]

(ب) عن مجاهد عن عبدالله (قال:) في الضب يصيبه المحرم جفنة من طعام. [3]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

والجزاء قيمة الصيد بأن يقومه عدلان في المكان الذى قتله فيه في زمان القتل لاختلاف القيم باختلاف الأماكن والأزمنة و إن كان في برية لا يباع فيها الصيد يعتبر أقرب المواضع منه مما يباع فيه..... ثم هو مخير في القيمة إن شاء اشترى بها هديا وذبحه إن بلغت القيمة هديا وإن شاء اشترى طعاما وتصدق على كل مسكين نصف صاع من بر أوصاعا من تمرأو شعير وإن شاء صام. [4]

❷ قال قاضي خان:

وجزاء الصيد عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى قيمة الصيد يقومه الحكمان في الموضع الذى قتل إن كان يباع في ذلک المكان و إن كان لا يباع في ذلک المكان تعتبر قيمته في

١ ـ سنن البيهقي (١٨٦/٥) رقم (٩٦٧٩)

٢ ـ سنن الدار قطني (٢٤٨/٢)، السنن الكبرى (٢٠٧/٥) رقم (٩٧٩٩)، مصنف ابن أبي شيبة (٣٩٠/٣) رقم (١٥٢١٧)

ذكر البوصيري في "اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة" (٦٧/٣): وعن معاوية بن قرة، عن رجل من الأنصار من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم "أوطأ راحلته أُدحي، نعام، فأتى عليًا فسأله -وذكر إلى آخره، ثم قال:- رواه أحمد بن منيع واللفظ له، ورجاله ثقات، وأحمد بن حنبل، وأبوداود في المراسيل، والحاكم، والبيهقي، وقال: هذا هو المحفوظ. وقيل فيه: عن معاوية بن قرة، عن عبدالرحمن بن أبي ليلى، عن علي.

٣ ـ مصنف ابن أبي شيبة (٤٢٤/٣) رقم (٥٦١٥)، مصنف عبدالرزاق (٤٠٣/٤) رقم (٨٢٢٢) وفيه "حفنة" بالحاء المهملة أي ملء كف.

سكت عليه الحافظ في "التلخيص الحبير" (٥٩٨/٢)

٤ ـ الفتاوى الهندية (٢٤٧/١)

أقرب المواضع الذى يباع فيه إلى الموضع الذى قتل.

ثم القاتل في تلك القيمة بالخيار إن شاء اشترى بها هديا ويذبح بمكة وإن شاء اشترى بتلك القيمة طعاما يتصدق به على المساكين على كل مسكين نصف صاع من ذلك الطعام وإن شاء نظر إلى قيمة الصيد انه كم يوجد بها من الطعام ثم يصوم لكل نصف صاع من بر يوما.

وقال محمد والشافعي رحمهما الله تعالى: إن كان الصيد مما لا مثل له من النعم الخيار فيه إلى الحكمن إذا حكما على القاتل بشيء من هذه الأشياء يتعين عليه ذلك وفيما له مثل من النعم لا خيار فيه للحكمين ويجب على القاتل مثل المقتول اهـ[1] (فقول الشيخين فيها راجح – لتقديمه على قول محمدؒ – كما لا يخفى)

❸ قال الحلبى:

إن قتل محرم صيد بر أو دل عليه من قتله فعليه الجزاء وهو قيمة الصيد بتقويم عدلين في موضع قتله أو في أقرب موضع منه إن لم يكن له فيه قيمة ثم إن شاء اشترى بها هديا إن بلغت فذبحه بالحرم وإن شاء اشترى بها طعاما فتصدق به على كل فقير نصف صاع من بر أو صاع تمر أو شعير لا أقل وإن شاء صام عن طعام كل فقير يوما فإن فضل أقل من طعام فقير تصدق به أو صام عنه يوما كاملا.

وعند محمدؒ الجزاء نظير الصيد في الجثة فيما له نظير...... وما لا نظير له فكقولهما[2] (فالقول المقدم فيها هو الراجح حسب تصريح العلامة الشامى كما مر من قبلُ)

❹ قال الشرنبلالى:

والتى توجب القيمة فهى ما لو قتل صيدا فيقومه عدلان في مقتل أو قريب منه فإن بلغت هديا فله الخيار إن شاء اشتراه وذبحه أو اشترى طعاما و تصدق به لكل فقير نصف صاع أو صام عن طعام كل مسكين يوما وإن فضل أقل من نصف صاع تصدق به أو صام يوما.[3]

❺ قال ابن نجيم:

قوله (وهو قيمة الصيد بتقويم عدلين في مقتله أو أقرب موضع منه فيشترى بها هديا وذبحه إن بلغت هديا أو طعاما فتصدق به كالفطرة أو صام عن طعام كل مسكين يوما) أى الجزاء ما ذكر...... وأشار بذكر القيمة فقط إلى أنها المراد بالمثل في الآية وهو المثل معنًى لا المثل صورةً و معنًى – إلى أن قال–

١ـ الفتاوى الخانية على هامش الهندية (١/٢٩١)

٢ـ ملتقى الأبحر (١/٤٣٩)

٣ـ مراقى الفلاح (٧٤٣)

وكذلك في قوله تعالى ﴿فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدىٰ عليكم[1]﴾ أريد المثل معنًى وهو القيمة. [2]

❻ قال الكاساني:

فإن كان (القتل) مباشرة فعليه قيمة الصيد المقتول يقومه ذوا عدل - ثم ذكر الاختلاف مع الدلائل إلى أن بسط الكلام في تقوية دلائلهما فقال في آخر البحث:- وقول جماعة الصحابة رضي الله عنهم محمول على الإيجاب من حيث القيمة توفيقا بين الدلائل. [3]

❼ كذا في الكتب الأخر. [4]

❽ إنما المتون على قول الشيخين. [5] وهذا من أمارات ترجيحه.

١ـ البقرة (١٩٤)

٢ـ البحر الرائق (٣/٥١، ٥٢)

٣ـ بدائع الصنائع (/٤٣٠ـ٤٣٢)

٤ـ الموسوعة الفقهية (٢/١٨٧، ١٨٦)، كتاب الفقه على المذاهب الأربعة (١/٥٨٩)، تبيين الحقائق (٢/٦٤، ٦٣)؛ تفصيله يدل على ترجيح قولهما.

٥ـ المختار للفتوى (١/١٧٨)، كنز الدقائق (٨٨)، الوقاية (١/٣٥١)، غرر الأحكام (٣/١٥٧)، بداية المبتدى (١/٥٢)، النقاية (١/٥١٥)

باب الإحصار

[٦١] اختلافی مسئلہ

ويجوز ذبحه (أى دم الإحصار) قبل يوم النحر عند أبي حنيفة (رحمه الله) وقالا: لا يجوز الذبح للمحصر بالحج إلا في يوم النحر.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) **قوله تعالىٰ: ﴿ولا تحلقوا رؤوسكم حتى يبلغ الهدى محله﴾** [۱]

اس آیت مبارکہ کی روشنی میں ہدی کے ذبح کو مکان (یعنی حرم) کے ساتھ مختص کیا گیا ہے نہ کہ زمان کے ساتھ، **فلذا يجوز ذبحه قبل يوم النحر لا في غير الحرم۔** [۲]

(۲) یہ بھی چونکہ دمِ کفارہ ہے (کیونکہ اس میں سے کھانا جائز نہیں ہے) لہٰذا دوسرے دماءِ کفارات کی طرح یہ بھی زمان کی بجائے مکان کے ساتھ خاص ہوگا۔ [۳]

(۳) (ا): **المشقة تجلب التيسير.** [۴]

---

١ ـ البقرة (١٩٦)

٢ ـ الجوهرة النيرة (٤٢١/١)، المبسوط للسرخسي (٩/٤)

٣ ـ النهر الفائق (١٥٧/٢)، الهداية (٣١٣/١)، الجوهرة النيرة (٤٢١/١)، كشف الحقائق (١٥٦/١)، الدر المنتقى (٤٥٣/١)، شرح النقاية (٥٣٣/١)

٤ ـ الاشباه والنظائر (٧٧)، المنثور في القواعد (١٢٣/١)، عمم صول الفقه (٢٠٩/١)، قواعد الفقه (٢٤/١)، القواعد والضوابط الفقهية (٤٢٥/١)، شرح القواعد الفقهية للزرقا (٨٨/١)، شرح الكوكب المنير (٤٤٥/٤)، موسوعة اصول الفقة (١٤٥/١٦)

(ب): الضرر يُزال.[1]

مذکورہ بالا قواعدِ فقہ کی رو سے محصر کو تحلل میں تعجیل کی وسعت ورخصت دی جائے گی کیونکہ ویسے بھی وہ وقتِ تحلل سے قبل حلال ہورہا ہے اوراس کا دیر تک محرِم باقی رہنا اس کیلئے ضرر ومشقت کا باعث ہے جبکہ اس کا حج بھی عدمِ قدرت کی بناء پر گویا کہ فوت ہو چکا ہے اور اگلے سال اس کو پھر ادا کرنا لازم ہوگا۔[2]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال قاضي خان:

ويجوز ذبح هدى الإحصار قبل يوم النحر في العمرة والحج جميعا في قول أبي حنيفةؒ وقال صاحباه رجمهما الله تعالى لا يجوز في الحج[3] (فقول أبي حنيفةؒ فيه راجح لتقدمه على قولهما حسب أصول صرّح به العلامة الشامي كما مر)

❷ قال الزحيلي:

وأما زمان ذبح الهدى فيجوز عند أبي حنيفةؒ ذبح الهدى قبل يوم النحر لإطلاق النص ولأنه لتعجيل التحلل وقال الصاحبان: لا يجوز ا هـ – وعلى الرأى الأول وهو الراجح: يكون زمان ذبح الهدى مطلق الوقت لا يتوقف بيوم النحر، سواء أكان الإحصار عن الحج أم عن العمرة.[4]

❸ قال الحلبي:

ويجوز ذبحها (أى شاة الإحصار) قبل يوم النحر لا في الحل وعندهما لا يجوز قبل يوم النحر ان كان محصرا بالحج[5] (فالقول المقدم فيه هو الراجح على ما قال الشامي كما مر من قبل في مواضع متعددة)

❹ قال ابن نجيم:

قوله (ويتوقت بالحرم لا بيوم النحر) يعني فيجوز ذبحه في اىّ وقت شاء لإطلاق قوله تعالى ﴿فما استيسر من الهدى﴾ (البقره: ١٩٦) من غير تقييد بالزمان و أما تقييده بالمكان فبقوله تعالى ﴿ولا

١ـ الاشباه والنظائر (٨٦)، قواعد الفقه (١/١٩)، القواعد والضوابط الفقهية (١/٢٧٧)، عمدة الناظر (١/٤٠)، شرح الكوكب المنير (٤/٤٤٢)

٢ـ بدائع الصنائع (٢/٤٠٠)، اللباب في شرح الكتاب (١/١٩١)

٣ـ الفتاوى الخانية على هامش الهندية (١/٣٠٦)

٤ـ الفقه الإسلامي وأدلته (٢٣٥٢، ٢٣٥٣)

٥ـ ملتقى الأبحر (١/٤٥٣)

تحلقوا رؤوسكم حتى يبلغ الهدى محله﴾ (البقره: ١٩٦) أى مكانه وهو الحرم فكان حجة عليهما –أى على الصاحبينؒ– في قياس الزمان على المكان. (١)

● قال الأفغاني:

قوله (لا بيوم النحر) وقال أبويوسف و محمد –رحمهما الله تعالى– لا يجوز للمحرم بالحج إلا في يوم النحر وله أنه دم كفارة ولذا لا ياكل منه فيختص بالمكان دون الزمان كسائر دماء الكفارات(٢) (فقول أبي حنيفةؒ فيه راجح اذ قد علّل المصنف له وأهمل تعليل قولهما وهذا ترجيح لقوله كما صرح به الشامي في شرح العقود(٣))

● كذا في الكتب الأخر. (٤)

● إنما المتون الأربعة وغيرها من جميع المتون الحنفية على قول الإمامؒ. (٥)

١ـ البحر الرائق (٣/٩٧)

٢ـ كشف الحقائق (١/١٥٦)

٣ـ شرح عقود رسم المفتى (٣٠)

٤ـ الفقه الحنفي وأدلته (١/٤٥٤)، تحفة الملوك (١/١٧٥)، تبيين الحقائق (٢/٧٩)؛ صنيعه يدل على ترجيح قوله

٥ـ المختار للفتوى (١/١٨١)، كنز الدقائق (٩٣)، الوقاية (١/٣٦٣)، مجمع البحرين (٢٥٢)، النقاية (١/٥٣٣)، غررالأحكام (٣/٢٠٥)، تنوير الأبصار (٤/٧)

كتاب البيوع

[٦٢] اختلافی مسئلہ

من باع صبرة طعامٍ كل قفيز بدرهم جاز البيع في قفيز واحد عند أبي حنيفة وبطل في الباقي إلا أن يسمى جملة قفزانها وقال أبويوسفؒ و محمدؒ: يصح في الوجهين.

مفتی بہ قول:

فتوی صاحبینؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

صورت مذکورہ میں مبیع وثمن کی جہالت ممکن الازالۃ ہے کہ کیل صُبرہ سے یہ جہالت رفع ہوسکتی ہے اور ایسی جہالت صحت بیع سے مانع نہیں ہوتی اس لئے (جملۃ المبیع اور جملۃ الثمن بطریق مذکورہ معلوم ہونے کی بناء پر) عقد بیع درست ہے۔[1]

نیز قول أبی حنیفہؒ کی بجائے اس قول میں تیسیر علی الناس بھی ہے **ويؤيده النصوص الصريحة، منها:**

(أ) قوله تعالى ﴿يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر﴾[2]

(ب) عن أبي التياح قال سمعت أنس بن مالك يقول قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: يسّروا ولا تعسروا.[3]

علاوہ ازیں امام سرخسیؒ نے اسی موقع پر عند الصاحبینؒ فقہ کا ایک اصول تحریر کیا ہے جس کی رو سے مذکورہ بالا عقد "کل" (یعنی تمام قفیزوں) میں درست ہوجاتا ہے۔ اس اصول کا ماحصل یہ ہے:

١ـ بدائع الصنائع(٤/ ٣٦٠)،العناية على هامش الفتح(٦/ ٢٤٨)،الموسوعة الفقهية (١٥/ ٣٧)

٢ـ البقرة(١٨٥)

٣ـ صحيح مسلم (٥/ ١٤١) رقم(٤٦٢٦)،وكذا انظر له: مسند الطيالسي (١/ ٢٧٨)، مسند أبي عوانة (٤/ ٢١٤)،السنن الكبرى للبيهقي (٣/ ٤٤٩)، الأدب المفرد(١/ ١٦٧)، رقم (٤٧٣)

''جب کلمہ ''کل'' کی اضافت ایسی چیز کی طرف ہو جس کا منتہی وکل مقدار اس کی طرف اشارہ کرنے سے معلوم ہوسکتی ہے تو ایسی صورت میں عقد، ادنی (جیسے مثال مذکورہ میں ایک قفیز) کی بجائے کل (یعنی جملہ قفزان) کو شامل ہوگا کیونکہ اشارہ کسی چیز کو بتانے کے بارے میں اس کا نام ذکر کرنے سے زیادہ واضح مفہوم رکھتا ہے''۔(۱)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي و الحصكفي:

وصح في صاع في بيع صبرة كل صاع بكذا وفي الكل إن سمّى جملة قفز انها بلا خيار لوعند العقد وبه لو بعده في المجلس أو بعده عند هما وبه يفتى.

قال ابن عابدين:

قوله (وبه يفتى): عزاه في الشر نبلالية إلى البرهان وفي النهر عن عيون المذاهب، وبه يفتى، لا لضعف دليل الإمام بل تيسيرًا. (٢)

❷ قال ابن نجيم:

قوله (ومن باع صبرة كل صاع بدرهم صح في صاع) يعنى عند أبي حنيفةؒ الا أن يسمى جميع قفزانها أو جميع ثمنها وقالا: يصح مطلقا –الى أن قال–وظاهر مافى الهداية ترجيح قولهما لتأخيره دليلهما كما هو عادته. وقد صرح في الخلاصة في نظيره بأن الفتوى على قولهما. (٣)

قال ابن عابدين :

قوله(وقد صرح في الخلاصة في نظيره الخ) قال في النهر: وفي عيون المذاهب: به يفتى لا لضعف دليل الإمام بل تيسيرا على الناس. وكأنه في البحر لم يطلع على هذا فقال: رجح قولهما في الخلاصة في نظيره اه (٤)

❸ قال سراج الدين ابن نجيم:

قوله (ومن باع صبرة كل صاع بدرهم صح في صاع) واحد عندالإمام–إلى أن قال–واعلم أن ظاهر الهداية ترجيح قولهما وفي عيون المذاهب وبه يفتى لا لضعف دليل الإمام بل

١ـ المبسوط (١٣/٥)

٢ـ الدار المختار مع " الرد": (٧/٦١، ٦٢)

٣ـ البحر الرائق (٥/٤٧٦)

٤ـ منحة الخالق على هامش البحر (٥/٤٧٦)

تيسيرا على الناس[1]

❹ قال الحلبي:

ومن باع صبرة كل صاع بدرهم صح في صاع فقط الا أن يسمي جملتها...... وعندهما يصح في الكل في جميع ذلك

قال داماد أفندى في أثناء شرح له:

واعلم أن المصنف رجح قول الإمام لأنه قدمه كما هو دأبه لكن ظاهر مافي الهداية ترجيح قولهما لتاخير دليلهما كما هو عادته، و صرح في الخلاصة والزاهدى وغيرهما بأن الفتوى على قولهما تيسيرا على الناس[2]

❺ قال الحصكفي:

(وعندهما يصح في الكل في جميع ذلك) المذكور من الصبرة والقطيع بلا خيار للمشترى إن رآه، وعليه الفتوى كما مر[3]

❻ قال الزحيلي:

إن أبا حنيفة قال: من باع صبرة طعام كل قفيز بدرهم مثلاً وهوالبيع بسعر الواحدة جاز البيع في قفيز واحد فقط...... وقال الصاحبان: يصح البيع في كل الصبرة -إلى أن قال- وقول الصاحبين هوالمفتى به تيسيرا على الناس[4]

❼ كذافي الكتب الأخر[5]

١ـ النهر الفائق(٣/ ٣٤٨)

٢ـ مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر (١٧/٣)

٣ـالدرالمنتقى شرح الملتقى (١٨/٣)

٤ـ الفقه الإسلامى وأدلته (٣٦٧٧، ٣٦٧٨)

٥ـ حاشيه الطحطاوى على الدر المختار (١٧/٣)، اللباب في شرح الكتاب (١٩٩/١)،الفقه الحنفي وأدلته (٢٠/٢)، الفقه الحنفي في ثوبه الجديد (٤٧/٤)،المعتصر على المختصر (٢٩١)

[٦٣] مسئلہ

وأجرة الكيّال وناقد الثمن على البائع
وأجرة وزّان الثمن على المشترى.

مفتی بہ قول:

مفتی بہ قول کے موافق ناقدِ ثمن کی اجرت بائع کی بجائے مشتری کے ذمہ ہے۔

مستدلہ:

بابِ ہذا میں اصول یہ ہے کہ متعاقدین میں سے جو جس چیز کا محتاج ہوتا ہے اس چیز سے متعلقہ لوازمات و ذمہ داریاں بھی اسی عاقد پر عائد ہوتی ہیں۔ صورت مذکورہ میں مشتری چونکہ جید (دراہم و دنانیر) کے دینے کا پابند و محتاج ہے اس لئے اس جودت کی جانچ پڑتال کی ذمہ داری بھی اسی مشتری پر ہوگی اور وہی اس "نقد" کی اجرت کا مکلّف ہوگا فافهم (١)

تخریجہ:

❶ قال التمرتاشي:

وأجرة كيل ووزن وعدّ و ذرع على بائع وأجرة وزن ثمن و نقده على مشتر.

١ – قال ابن عابدين:

قوله (وأجرة وزن ثمن و نقده) أما كون أجرة وزن الثمن على المشترى فهو باتفاق الائمة الأربعة وأما الثانى فهو ظاهر الرواية وبه كان يفتى الصدر الشهيد وهو الصحيح. (٢)

٢ – قال الطحطاوى:

قوله (على مشتر) لأنه من باب التسليم و تسليم الثمن على المشترى فكذا ما يكون من تمامه و هذا هو الصحيح كما في الخلاصة وهو ظاهر الرواية كما في الخانية (٣)

❷ في الهندية:

وأجرة ناقدالثمن على البائع إن زعم المشترى جودة الثمن و الصحيح أنه على المشترى مطلقا

١۔ مستفاد من "الموسوعة الفقهية (١٥/ ٥٠)" بتسهيل

٢۔ رد المحتار (٩٣/٧)

٣۔ حاشية الطحطاوى على الدرالمختار (٢٦/٣)

وعليه الفتوى[١]

٣ قال ابن نجيم :

قوله (واجرة نقد الثمن ووزنه على المشترى)...... وماذكره المصنف في نقد الثمن هو الصحيح اهـ[٢]

٤ قال ابن الهمام:

وأما أجرة ناقد الثمن فاختلف الرواة والمشايخ: فروي ابن رستم عن محمد أنه على البائع وهو المذكور في المختصر...... وروى ابن سماعة عنه أنه على المشترى وبه كان يفتي الصدر الشيهد[٣]

٥ قال داماد أفندى:

وأجرة نقد الثمن أى تميز جيده عن رديه ووزنه علىٰ المشترى لأنه يحتاج في تسليم الثمن إلى تعيين قدره و صفتة فتكون مؤنته عليه وكذا مؤنة تميز الجيد عن غيره هو الصحيح كما في الخلاصة وهو ظاهر الرواية كما في الخانية وبه يفتى كما في الزاهدى وغيره[٤]

٦ قال الحداد الزبيدى:

قوله (وأجرة الكيال و ناقد الثمن على البائع)...... وأما ناقد الثمن فذكر الشيخ أن أجرته على البائع وهى رواية ابن رستم عن محمد...... وروى ابن سماعة عن محمد أنه على المشترى -إلى أن قال- وهو الصحيح.[٥]

٧ قال سليمان الهندى:

وفى "الفتاوى الصغرى" اختلف المشايخ في أجرة النقد، قال بعضهم: على البائع وقال بعضهم: على المشترى ثم قال : وبه يفتى[٦]

٨ كذ في الكتب الأخر[٧]

١ ـ الهنادية (٣/٢٨)

٢ ـ البحر الرائق (٥/ ٥١١)

٣ ـ فتح القدير (٦/ ٢٧٢، ٢٧٣)

٤ ـ مجمع الأنهر (٣/٣١)

٥ ـ الجوهرة النيرة (١/٤٤٢)

٦ ـ المعتصر على هامش المختصر (٢٩٦)

٧ ـ العناية على هامش الفتح (٦/ ٢٧٤)، الكفاية الملحقة بالفتح (٦/٥٩)، النهر الفائق (٣/٣٦١)،الدر المنتقى(٣/٣١)، المحيط البرهانى(٦/٢٧٠)، الموسوعة الفقهية(٤١/١٤٣)

باب خيار الشرط

[٦٤] اختلافی مسئلہ

ولهما (أى للمتعاقدين) الخيار ثلاثة أيام فما دونها و لا يجوز أكثر من ذلک عند أبي حنيفة وقال أبويوسف ومحمد : يجوز إذا سمّى مدة معلومة.

مفتی بہ قول:

فتوی امام ابوحنیفہ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(١) عن ابن عمر قال: كان حبان بن منقذ رجلا ضعيفا وكان قد سفع في رأسه مأموية فجعل له رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم الخيار فيما اشترى ثلاثا وكان قد ثقل لسانه فقال له رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم "بع و قل لا خلابة" اهـ (١)

(٢) عن محمد بن إسحاق عن محمد ابن يحيى بن حبان قال هو جدى منقذ بن عمرو. وكان رجلا قد أصابته آمة في رأسه فكسرت لسانه. وكان لا يدع على ذلک التجارة. وكان لا يزال يغبن. فأتى النبى صلى الله عليه وسلم فذكر ذلک له. فقال له: "إذا أنت بايعت فقل لا خلابة. ثم أنت في كل سلعة ابتعتها بالخيار ثلاث ليال. فإن رضيت فأمسک وإن سخطت فارددها على صاحبها". (٢)

١ـ أخرجه الحاكم في المستدرك (٢/٢٦) رقم (٢٢٠١)، وصححه الذهبى. وقال البيهقى في "مختصر الخلافيات" (٣/٢٧٥) عنه: رواته ثقات.

وكذا أخرجه ابن الجارود في "المنتقى" (١/١٤٦) برقم (٥٦٧)، والبيهقى في "الصغرى" (٢/٥٧) برقم (١٩٣٣)، و "الكبرى" (٥/٢٧٣) برقم (١٠٢٣٨)، والدار قطنى في "سننه" (٣/٥٤) برقم (٢١٧)

٢ـ سنن إبن ماجه (٢/٧٨٩) رقم (٢٣٥٥)

قال البوصيرى في "مصباح الزجاجة" (٢/٣١): هذا إسناد ضعيف لتدليس ابن إسحاق. ==

(٣) عن أنس أن رجلا اشترى من رجل بعيرا واشترط الخيار أربعة أيام فأبطل رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم البيع وقال: "الخيار ثلاثة أيام" (١)

(٤) عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: "الخيار ثلاثة أيام" (٢)

(٥) حدثنا ابن جريج أخبرني قال سليمان بن البرصاء: بايعت ابن عمر بيعا فقال لي: إن جاء تنا

== وله شاهد من حديث أنس رواه أصحاب السنن الأربعة.

الإيقاظ:

يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

هذا محمد بن إسحاق؛ وإن أعله البوصيري ههنا وفي "اتحاف الخيرة" (٣:٩٢) أيضا بالتدليس، ولكن قال ابن الملقن في "تحفة المحتاج إلى أدلة المنهاج" (٢:٢٢٩) بعدَ سرده: رواه ابن ماجه من حديث عبدالأعلى عن محمد بن إسحاق عن محمد بن يحيى بن حبان به وذكره البخاري في تاريخه بتصريح ابن إسحاق بالتحديث. انتهى.

قلت -القائل العبد الضعيف-: فاندحض به شبهة التدليس من ابن إسحاق فصلحت روايته للاحتجاج بها فضلًا عن أن لها شاهدا -كما ذكره البوصيري نفسه وقد رأيته- ، وعدة طرق ذكرها ابن الملقن مستوفيا في تخريجه لأحاديث "الوسيط" كما أشار إليه بقوله في "البدر المنير" (٦:٥٣٨): وقد ذكرت طرق هذا الحديث مستوفاة في تخريجي لأحاديث الوسيط بزيادة فوائد فراجعها منه فإنها من المهمات.

١ـ أخرجه الحافظ -من طريق عبدالرزاق- في "التلخيص الحبير" (٣/٥٤)، وسكت عنه. فهذا تصحيح أو تحسين له منه كما لا يخفى. وإن سُلّم -على سبيل التنزل- ما قيل فيه من جرح أبان بن أبي عياش فلا يتنزل منزلته من كونه صالحا للاستيناس به؛ كما نرى في كلام المحقق الكمال في "الفتح" (٦:٢٧٩) عنه، إذ قال فيه:

"هو وإن لم يبلغ درجة الحجة فلا شك أنه يستأنس به بعد تمام الحجة، ..... إلا أنه أعل بأبان مع الاعتراف بأنه كان رجلا صالحا".

٢ـ السنن الكبرى للبيهقي (٥/٢٧٤) رقم (١٠٧٦٧)، سنن الدار قطني (٧/٣٠) رقم (٣٠٥٦).

قال العثماني في "إعلاء السنن" (١٤:٥٠):

رواه البيهقي وسكت عنه وأعله ابن الجوزي بأن أحمد بن عبدالله بن ميسرة قد ضعفه الدار قطني؛ وقال ابن حبان: لا يحل الاحتجاج به.

قلت -القائل العثماني-: قال الدار قطني: كان يحدث من حفظه فيهم، وليس ممن يتعمد الكذب، وقال ابن أبي حاتم: "تكلموا فيه" كما في "اللسان". وهذا تليين هين، وأما ابن حبان فهو قصاب كما ذكرنا في المقدمة، ولما رواه شواهد فالحديث صالح للاحتجاج به.

نفقتنا إلى ثلاث ليال فالبيع بيعنا، وإن لم تأتنا نفقتنا إلى ذلک فلا بيع بيننا وبينک، ولک سلعتک.(١)

مذکورہ بالا "ثلاثة أيام" والی روایات سے احتجاج بایں طور ہے کہ شرط خیار اصل کے اعتبار سے مقتضائے عقد (وهو اللزوم) کے خلاف ہے اور اس کو روایات مذکورہ کی بناء پر خلاف قیاس مشروع قرار دیا گیا ہے لہٰذا اس کی مدت بھی اپنے مورد پر منحصر رہے گی اور تین أیام سے متجاوز نہیں ہوگی۔ (٢)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

فعند أبي حنيفةؒ لا يجوز أكثر من ثلاثة أيام وعندهما يجوز إذا سمّى مدة معلومة كذا في مختار الفتاوى والصحيح قول الإمام. (٣)

❷ قال الحصكفي:

(وعندهما يجوز إن بيّن مدة معلومة اىّ مدة كانت) طالت أو قصرت كتأجيل الثمن والصحيح قول الإمام. (٤)

❹ قال برهان الدين (في مبحث" البيع بشرط الخيار"):

وإن قال أربعة أيام أو ما أشبه ذلک فعلى قول أبي حنيفة العقد فاسد وهو قول الزفر وقال أبويوسف و محمد: العقد جائز والصحيح ما قاله أبو حنيفةؒ. (٥)

❸ قال السمرقندي:

أما ذا شرط الخيار أربعة أيام أو شهرا فقال أبوحنيفة و زفرؒ بأن البيع فاسد وقال أبويوسف ومحمد والشافعيؒ بأنه جائز والصحيح ما قاله أبوحنيفةؒ. (٦)

❺ قال قاضي خان:

١ـ أخرجه ابن حزم من طريق عبدالرزاق، في "المحلى" (٨/٣٧٣) وقال في "الإعلاء" (١٤:٤٩) بعده: ولم يعله بشيء فهو صحيح أو حسن.

٢ـ الفقه الحنفي في ثوبه الجديد (٤/١١١)، البناية (١٠/٨١)، كشف الحقائق (٢/٧)

٣ـ الهندية(٣/٣٨)

٤ـ الدر المنتقى (٣/٣٦)

٥ـ المحيط البرهاني(٦/٥٨٢)

٦ـ تحفة الفقهاء(٢/٦٦)

وكذلك خيار الشرط للأجنبي جائز عندنا وهو موقت بثلاثة أيام أو أقل.(١)

❻ قال الزيلعي:

لو شرطا أكثر من ثلاثة أيام لا يجوز وهذا عند أبي حنيفةؒ وبه قال زفرؒ والشافعيؒ وقال: يجوز إذا سمى مدة معلومة لما روى عن ابن عمرؓ أنه أجاز الخيار إلى شهرين ...... ولأبي حنيفةؒ إن شرط الخيار مخالف لمقتضى العقد وهو اللزوم وإنما جوزناه بخلاف القياس بما رويناه من النص فيقتصر على موردالنص –إلى أن قال– في تأييد أدلة أبي حنيفةؒ – و حديث ابن عمر ليس بنص فيه فروى أنه أجاز الخيار إلى شهر فيحتمل أن يكون خيار الرؤية أو العيب.(٢)

❼ إنما اختار أصحاب المتون قول أبي حنيفةؒ.(٣)(وقد التزموا فيها المسائل التي اعتمد عليها المشايخ)

فائده مهمة: قال الشيخ غلام قادر النعماني تطبيقا بين القولين بأحسن وجهه:

والأوجه أن يقال إن كانت المبيعة مما يعلم حالها في ثلاثة أيام أو أقل فالعمل على قول أبي حنيفةؒ وإن كانت المبيعة مما لايعلم حالها في ثلاثة أيام بل تحتاج إلى أكثر من ذلك فالعمل على قول الصاحبينؒ (٤)

---

[٦٥] اختلافی مسئلہ

خيار المشترى لا يمنع خروج المبيع من ملك البائع إلا أن المشترى لا يملكه عند أبي حنيفةؒ وقال ابو يوسفؒ و محمدؒ: يملكه.

مفتی بہ قول:

فتوی امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔

---

١ ـ الخانية على هامش الهندية (٢/١٧٨)

٢ ـ تبيين الحقائق (٤/١٤)

٣ ـ المختار للفتوى (٢/١٣)، كنز الدقائق (٢٣١)، الوقاية (٣/١٩)، تنوير الأبصار (٧/١٠٦)، غرر الأحكام (٦/١٨٠)

٤ ـ القول الراجح (٢/١٠٣)

قول مفتی بہ کا مستدل:

خیار مشتری کی بناء پر ثمن ابھی تک مشتری کی ملک سے نہیں نکلی بلکہ تا حال اس کی ملک پر باقی ہے تو ادھر اگر ہم یہ بھی کہہ دیں کہ مبیع اس کی ملک میں آگئی ہے تو پھر اس عقد معاوضہ میں ایک ہی شخص (یعنی مشتری) کی ملک میں دونوں عوض (ثمن ومبیع) جمع ہو جائیں گے جو کہ بالکل درست نہیں ہے کیونکہ پوری شریعت میں اس کی کوئی اصل موجود نہیں ہے لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ مشتری اپنی مدت خیار تک مبیع کا مالک نہیں ہوگا۔ (١)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال السمرقندی:

وهل يدخل المبيع في ملك المشتری، عند أبي حنيفةؒ يزول عن ملك البائع ولا يدخل في ملك المشتری وعند هما يدخل والصحيح قول أبي حنيفةؒ. (٢)

❷ قال قاضی خان:

ولو كان الخيار للمشتری لا يخرج الثمن عن ملكه في قولهم ويخرج المبيع عن ملك البائع ولا يدخل في ملك المشتری في قول أبي حنيفةؒ وعند هما يدخل (٣) (فالقول المقدم فيه هو الراجح حسب تصريح الشامي في شرح العقود)

❸ قال ابن عوض الجزيری:

فأبو حنيفةؒ يقول: إنه لا يد خل في ملك المشتری- ثم ذكر دليله- والصاحبان يقولان: إنه يدخل في ملك المشری لأنه لولم يدخل لكان سائبة غير مملوك لأحد وأجيب بأنها ليست سائبة لأن ملك البائع لا يزال متعلقا به (٤) (وهذا النمط-أی التعرض للإجابة عن استدلا لهما- يدل على ضعف دليلهم وقوة دليله)

❹ تفصيل رد المحتار يدل على ترجيح قوله حيث رد ابن عابدين فيه قولهما مجيبا عما

١ـ انظرله: الجوهرة النيرة (٤٤٥/١)، فتح القدير (٢٥٨/٦)، اللباب في شرح الكتاب (٢٠٣/١)، تبيين الحقائق (١٦/٤)، الفقه الحنفی وأدلته (٢٩/٢)، كشف الحقائق (٨/٢)

٢ـ تحفة الفقهاء (٧٧/٢)

٣ـ الخانية (١٧٨/٢)

٤ـ الفقة على المذاهب الأربعة (١٤/٢)

تمسكابه بالبسط[1]

● إنما المتون الأربعة المعتبرة على قول الإمامؒ وذاك ترجيح له أيضاً.

١ - قال الموصلي: خيار البائع لا يخرج المبيع عن ملكه و خيار المشترى يخرجه ولا يدخله في ملكه[2]

٢- قال النسفي: وخيار البائع يمنع خروج المبيع عن ملكه...... وخيار المشترى لايمنع ولا يملكه[3]

٣- قال ابن الساعاتي: وإذا اشترى بالخيار لم يخرج الثمن عن ملكه وخرج المبيع عن ملك البائع والمشترى لا يملكه[4]

٤- قال المحبوبي: ويخرج (المبيع) عن ملك البائع مع خيار المشترى و هلكه في يده بالثمن كتعيبه ولا يملكه المشترى[5]

١ـ رد المحتار (١١٩/٧)

٢ـ المختار للفتوى (٢/ ١٤)

٣ـ كنز الدقائق (٢٣١)

٤ـ مجمع البحرين (٢٧٤)

٥ـ الوقاية (٣/ ٢٠)

باب خيار الرُّؤية

[٦٦] مسئلہ

إن رأى صحن الدار فلا خيار له وإن لم يشاهد بيوتها.

مفتی بہ قول:

اس مسئلہ میں امام زفرؒ کے قول پر فتویٰ ہے کہ اسقاط خیار کے لئے محض رؤیت صحن کافی نہیں بلکہ داخل بیوت کو بھی اس کے لئے دیکھنا ضروری ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل وحقیقت:

یہ اختلاف درحقیقت اختلاف زمان ومکان پر مبنی ہے کہ مصنفؒ نے کوفہ وغیرہ کے گھروں کو سامنے رکھ کر یہ بیان فرمایا کیونکہ ان گھروں کا داخل وخارج یکساں ہوا کرتا تھا برخلاف عصر متاخرہ کے، کہ اس میں گھروں کے داخل وخارج میں ممتاز ونمایاں فرق ہوتا ہے جس میں محض گھر کے خارجی حصے پر نظر ڈالنے سے داخلی حصے کا علم نہیں ہوسکتا لہٰذا اس دور میں اندرونی حصہ دیکھنا بھی ضروری ہے۔(١)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن الهمام:

وأما في ديارنا فلا بد من الدخول داخل الدار كما قال زفرؒ لتفاوت الدور بكثره المرافق و قلتها فلا يصير معلوما بالنظر إلى صحنها و هو الصحيح.(٢)

❷ قال ابن نجيم:

أما الدار فظاهر الرواية أنه إذا رأى خارجها أو رأى أشجار البستان من خارج فإنه يكتفي به وعند زفرؒ لا بد من دخول داخل البيوت. والأصح أن جواب الكتاب على وفاق عادتهم في الأبنية فإن

١ـ الجوهرة النيرة (١/٤٥١)، "فتح القدير" (٦/٣١٧)

٢ـفتح القدير (٦/٣١٧)

دورهـم لـم تـكن متفاوتة يومئذ فأما اليوم فلا بد من الدخول داخل الدار للتفاوت، فالنظر إلى ظاهر لا يوقع العلم بالداخل وفي جامع الفصولين وبه يفتى.(١)

❸ قال الحداد الزبيدى:

وقال زفر: لابد من رؤية داخل البيوت وهو الصحيح وعليه الفتوى لأن الدور مختلفة وكلام الشيخ خرج على دورهم بالكوفة لأن داخلها وخارجها سواء (٢)

❹ قال الحصكفى:

وقال زفر: لابد من رؤية داخل البيوت وهو الصحيح وعليه الفتوى.

قال ابن عابدين الشامي:

قوله (وقال زفر) قال في النهر: قيل هذا قول زفر هو الصحيح وعليه الفتوى واكتفى الثلاثة برؤية خارجها وكذا برؤية صحنها والأصح أن هذا بناء على عادتهم في الكوفة أو بغداد فإن دورهم لم تكن متفاوتة الا في الكبر والصغر وكونها جديدة أو لا فأما في ديارنا فهي متفاوتة (٣)

❺ في الهندية:

وإن كان المبيع عقارا، ذكر في عامة الروايات أنه إذا رأى خارج الدار ورضى به لايبقى خياره قالوا هذا إذا لم يكن في الداخل بناء فإن كان فيها بناء لابد من رؤية الداخل أو ماهو المقصود منه وعليه الفتوى.(٤)

❻ كذا في الكتب الأخر (٥)

١ـ البحر الرائق (٦/٤٩)

٢ـ الجوهرة النيرة (١/٤٥١)

٣ـ رد المحتار مع الدرالمختار (٧/١٥٤)

٤ـ الفتاوى الهندية (٣/٦٣)

٥ـ فتاوى قاضي خان (٢/١٨٩)، ملتقى الأبحر (٣/٥٣،٥٤)، جامع الفصولين (١/٢٤٩)،تبيين الحقائق (٤/٢٧)، الفقه الإسلامي وأدلته (٣٥٨٧)، التصحيح لابن قطلوبغا (١٧٢)، درر الحكام شرح مجلة الأحكام (١/٢٧٤)،الوقاية وشرحه (٣/٢٨)، مجمع البحرين و ملتقى النيرين (٢٧٧)

باب خيار العيب

[٦٧] اختلافی مسئلہ

ان قتل المشترى العبد أو كان طعاما فأكله ثم اطلع على عيبه لم يرجع عليه بشيء في قول أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- وقالا: يرجع بنقصان العيب.

تنبیہ:

صورت مذکورہ بالا میں اختلاف صرف اکل طعام میں ہے۔ قتل عبد میں کوئی اختلاف نہیں ہے (إلا في رواية عن أبي يوسف فقط) بلکہ اس قتل کی صورت میں امام صاحب کا قول ہی ظاہر الروایۃ ہے۔ (١)

مفتی بہ قول:

''اکل طعام'' والی صورت میں فتوی صاحبینؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(١) قال محمد أخبرنا أبو حنيفة عن الهيثم عن ابن سيرين عن علي بن أبي طالب رضى الله عنه في الرجل يشترى الجارية فيطأ ها ثم يجد بها عيبا قال: لا يستطيع ردها ولكنه يرجع بنقصان العيب، قال محمد: وبهذا نأخذ. (٢)

(٢) عن الثورى عن زكريا عن الشعبى أن رجلا ابتاع عبدا فأعتقه ووجد به عيبا فقال يرد على صاحبه فضل ما بينهما. (٣)

١ـ الجوهرة النيرة (١/٤٥٨)، الهداية (٣/٤٥)

٢ـ كتاب الآثار برواية الشيباني (١٨٠) رقم (٧٣٤)، وكذا بمعناه في: سنن البيهقي الكبرى (٥/١٥٢)، رقم (١٠٥٢٦)، مصنف عبدالرزاق (٨/١٥٢)، رقم (١٤٦٨٤)

٣ـ مصنف عبدالرزاق (٨/١٦٤)، رقم (١٤٧٢٧)

قلت: رجاله ثقات (الثورى هو سفيان بن سعيد بن مسروق الثورى المعروف، وزكريا هو ابن أبي زائدة الوداعى، من رجال "الستة"، و "القرن الثاني" فلا يضر تدليسه، والشعبى هو عامر بن شراحيل المعروف)

مندرجہ بالا روایات سے استدلال از قبیل نظائر وشواہد ہے۔

۳۔صورت مذکورہ میں مشتری نے مبیع کے ساتھ وہ عمل کیا ہے جو مقصود بالشراء تھا اور اس کے ساتھ ایک فعل معتاد تھا لہٰذا یہ اعتاقِ عبد والی صورت کے مشابہ ہوگیا جس میں مشتری کو عبد معیب ہونے پر رجوع بالنقصان کا حق ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی اسکو یہ حق حاصل ہوگا۔[۱]

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن الهمام:

(وأما الأكل فعند هما يرجع به) وبه قال الشافعي وأحمد وفي الخلاصة عليه الفتوى وبه أخذ الطحاوي[۲]

❷...... قال ابن نجيم:

(وإن أعتقه على مال أو قتله أو كان طعاما فأكله أو بعضه لم يرجع بشيء)...... وأما الأكل فالمذكور قوله وأما عندهما فيرجع استحسانا –إلى أن قال– والحاصل: أن الفتوى على قولهما في الرجوع بالنقصان[۳]

❸ قال التمرتاشي والحصكفي:

أو كان المبيع طعاما فأكله أوبعضه...... فإنه يرجع بالنقصان استحسانا عندهما وعليه الفتوى[۴]

قال ابن عابدين:

والحاصل: أنهما قولان مصحّحان ولكن صححوا قولهما بأن عليه الفتوى ولفظ الفتوى آكد الفاظ التصحيح، ولا سيما هو أرفق بالناس كما يأتي فلذا اختاره المصنف في متنه.[۵]

❹ قال الحصكفي:

(وكذا لو أكل الطعام كله أوبعضه أو لبس الثوب فتخرق لا يرجع خلا فالهما)...... قلت: وفيه أيضاً الفتوى على قولهما في الأكل[۶]

١ـ تبيين الحقائق (٤/٣٦)

٢ـ فتح القدير (٦/٣٤١)

٣ـ البحر الرائق (٦/٨٨)

٤ـ الدر المختار (٧/١٩١)

٥ـ رد المحتار (٧/١٩٢)

٦ـ الدر المنتقى (٣/٦٨)

● قال العيني تحت المسألة المذكورة:

فعند أبي حنيفة ليس له الرجوع بنقصان العيب خلافا لأبي يوسف ومحمد والشافعي رحمهم الله تعالى وفي الخلاصة: والفتوى على قولهما [١]

● قال طهماز:

أو كان المبيع طعاما فأكله أو بعضه أولبس الثوب حتى تخرق فإنه يرجع بالنقصان استحسانا عند هما وعليه الفتوى [٢]

● كذا في الكتب الأخر [٣]

١ـ البناية (١٧٩/١٠)

٢ـ الفقه الحنفي في ثوبه الجديد(١٣٩/٤)

٣ـ الجوهرة النيرة (٤٥٨/١)،الفقه الإسلامي وأدلته (٣٥٦٩)، الفقه الحنفي وأدلته (٣٤/٢)، بدائع الصنائع (٥٦٩/٤)، منحة الخالق على البحر(٨٩/٦)، الفتاوى الهنديه (٧٦/٣) ، لسان الحكام (٣٥٧/١)، خلاصة الفتاوى (٦٩/٣)، مجمع الضمانات (٣١٠/٤) ،حاشية الشلبي على التبيين (٣٦/٤)، النهرالفائق (٤٠٢/٣)، مجمع الأنهر (٦٨/٣)

باب البيع الفاسد

ملاحظہ:۔ بابِ ہذا کے آغاز میں بعض بیوع باطلہ کو بھی بیع فاسد کی امثلہ میں ذکر کر دیا ہے کـالبيـع بالميتة والدم وغير ذلـک ، تو یہ ذکر مسائل مرجوحہ وغیر مفتی بہا کی قبیل سے نہیں ہے بلکہ فاسد، باطل سے چونکہ اعم ہے کہ ہر باطل فاسد بھی ہوتا ہے اس لئے بعض مرتبہ فقہاء باطل کو فاسد کے زمرہ میں ذکر کر دیتے ہیں،فافهم ولا تغترر بما في الكتاب.

مسئلہ [۶۸]

ومن اشترى...... نعلا على أن يحذوها أو يشرّكها فالبيع فاسد.

مفتی بہ قول:

قولِ مفتی بہ کے موافق مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ اگر کسی نے نعل (چمڑا، جوتا) خریدا تو یہ بیع درست ہے۔

مستدلہ:

قیاساً یہ بیع فاسد ہے اور از روئے استحسان جائز ہے اور استحسان کو قیاس پر اس باب میں ترجیح حاصل ہے۔ یہاں وجہِ استحسان تعاملِ ناس ہے اور بغیر کسی نکیر کے تمام اعصار وامصار میں لوگوں کا یہ تعامل ایک گونہ اجماع ہے اور ایک مستقل دلیل ہے جو مندرجہ ذیل روایات سے مستنبط ہے:

(۱) يقول (ابن عباسؓ) : قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: "لا يجمع الله أمتي على ضلالة أبدًا." (۱)

۱۔ أخرجه الحاكم في "المستدرك" (۱/۲۰۲) برقم (۳۹۹) وقال: فإبراهيم بن ميمون العدني هذا قد عدله عبدالرزاق وأثنى عليه وعبدالرزاق إمام أهل اليمن وتعديله حجة وقد روي هذا الحديث عن أنس بن مالك، وقال الذهبي في التلخيص: إبراهيم عدله عبدالرزاق ووثقه ابن معين.

وقال الحافظ في "التلخيص الحبير" (۳/۲۹۹): وللترمذي والحاكم عن ابن عمر مرفوعا "لا تجتمع هذه الأمة على ضلال أبدا"، وفيه سليمان بن شعبان المدني وهو ضعيف وأخرج الحاكم له شواهد.

وقال ابن الملقن في "تذكرة المحتاج إلى أحاديث المنهاج" (۱/۵۱): ==

(٢) قال عبدالله بن مسعودؓ [١] : " مارأى المسلمون حسنا فهو عندالله حسن."[٢]

تخريجه:

❶ قال التمر تاشي والحصكفي:

فيصح البيع بشرط يقتضيه العقد كشرط الملك للمشترى.... أولا يقتضيه لكن جرى العرف به كبيع نعل على أن يحذوه البائع ويشركه استحسانا للتعامل بلا نكير.

قال ابن عابدين:

قوله(استحسانا للتعامل) أى يصح البيع ويلزم الشرط استحسانا للتعامل [٣]

❷ قال داماد أفندى:

ويصح في النعل استحسانا للتعامل لأن التعامل يرجح على القياس لكونه اجماعا عمليا و

== الحديث الحادي والخمسون: "لا تجتمع أمتي على خطأ".

هذا الحديث لم أره بهذا اللفظ. نعم! هو مشهور بلفظ: "على ضلالة" بدل "على خطأ" وله طرق: - فقال في الطريق السادس-:

السادس: من حديث ابن عباس، رواه البيهقي في كتاب المدخل من حديثه مرفوعا: "لا تجتمع أمتي على ضلالة أبدا".

ثم قال (أي البيهقي): له شواهد من حديث ابن عمر وأبي مالك الأشعري وأنس.

١ ـ مايأتي من الرواية هو قول ابن مسعودؓ وليس بحديث مرفوع [كما روى في المؤطا برواية الشيباني (١: ٣٥٥) برقم(٢٤١) مرفوعاً] كما تراه في الكتب التالية من هذا الفن:

كشف الخفاء (٢/١٦٨)رقم (٢٢١٢)، المقاصد الحسنة للسخاوى (١/٥٨١)رقم(٩٥٩)، الدرر المنتثرة (١/١٨٨) رقم (٤٠٢)، الإتقان للغزى (١/٣٩٣)رقم (١٦٢٣)، أسنى المطالب (١/٢٤٧)رقم (١٢٥٧)، مختصر المقاصد الحسنة للزرقاني (١٦٨)رقم (٨٨٩)، النخبة البهية (١/١٠٧)،رقم (٢٩٤) ، تذكرة الموضوعات للطاهر الفتنى (١/٩١)، تحقيق الندوى وتعليقه على "المؤطا براوية محمد بن الحسن" (١/ ٣٥٥)؛ والمحقق قد أطال الكلام فيه وأشبع وأتى بتحقيق أنيق يروى الغليل.

٢ ـ مسند أحمد (١/٣٧٩) رقم (٣٦٠٠)، وكذا انظر له: المستدرك على الصحيحين (٣/٨٣)رقم (٤٤٦٥)،المعجم الأوسط للطبراني (٤/٥٨) رقم(٣٦٠٢)،المعجم الكبير له أيضاً (٩/١١٢) رقم (٨٦٠٢) ،مسند البزار (١/٢٩٣) رقم (١٨١٦) ، مسند الطيالسي (١/٣٣)، رقم (٢٤٦).

قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه ووافقه الذهبي.

٣ـ الدر المختار مع ردالمحتار (٧/٢٨٨)

القياس عدم الجواز وهو قول زفرؒ [1]

● قال ابن البزاز الكردري: [2]

(أ) الخامس في البيع بشرط...... أولايلائم لكن ورد به الشرع كخيار الشرط ثلاثا أو النقد أو التأجيل للثمن أو لم يرد به الشرع لكنه متعارف كشرط حذاء النعل أو تشريک النعل بالشراک المشترى لا يفسد في الكل.

(ب) اشترى ثوبا أو خفا خلقا على أنه يرقعه البائع ويخرزه ويسلمه صح للعرف.

● في الهندية:

وإن كان الشرط شرطا لايلائم العقد الا أن الشرع ورد بجوازه كالخيار والأجل أولم يرد الشرع بجوازه ولكنه متعارف كما إذا اشترى نعلا وشراكا على أن يحذوه البائع جاز البيع استحسانا. [3]

● قال قاضي خان:

باع خفا به خرق على أن يخرزه البائع جاز كما لو اشترى نعلا على أن يحذوه البائع. [4]

● كذا في الكتب الأخر [5]

١ـ مجمع الأنهر (٩٢/٣)

٢ـ الفتاوى البزازية على هامش الهندية: (أ)(٤٢٣/٤) (ب) (٤٢٩/٤)

٣ـ الفتاوى الهندية (٣/ ١٣٣)

٤ـ الفتاوى الخانية على هامش الهندية (١٥٧/٢)

٥ـ العناية على هامش "فتح القدير" (٦/٤١٤،٤١٥) ، البحرالرائق (٦/ ١٤٤، ١٤٥) ، الفقه الإسلامي وأدلته (٣٤٧١)، البناية (٢٩١/١)، تحفة الفقهاء (٥٢/٢)، مبسوط للسرخسي (٦/ ٢٠٠) ، درر الحكام (٢٨٢/٦)، بدائع الصنائع (٣٨١/٤)

باب الإقالة

[٦٩] اختلافی مسئلہ

هی فسخ في حق المتعاقدين بيع جديد في حق غيرهما في قول أبي حنيفة (وعند أبي يوسف هو بيع أی في حقهما[1])

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(١) عن عكرمة عن ابن عباس أنه كره أن يبتاع البيع ثم يرده ويرد معه دراهم وفى هذا دلالة على أن الإقالة فسخ فلا تجوز إلا برأس المال [2]

(٢) عن ابن عمر قال: إذا سلفت في شيء فلا تأخذ إلا رأس مالك أو الذی سلفت فيه. [3]

(٣) عن عمرو بن شعيب عن أبيه شعيب أن عبدالله بن عمر كان يسلف له في الطعام فقال للذی كان يسلف له: لاتأخذ بعض مالنا وبعض طعامنا ولكن خذ رأس مالنا كله أو الطعام وافيا [4]

(٤) من طريق الحجاج بن المنهال نا الربيع بن حبيب: كنا نختلف إلى السواد في الطعام وهو

---

١ ـ الهداية (٣/٧٢)

٢ ـ السنن الكبرى للبيهقی (٦/ ٢٧)، رقم (١١٤٦٤).

في "الإعلاء" (١٤/٢٢١): رواه البيهقي في "سننه" بسنده واحتج به وهو سند صحيح، فإن أبا شهاب عبد ربه بن نافع من رجال البخاری صدوق، والباقون لا يسأل عنهم.

٣ ـ مصنف عبدالرزاق (٨/١٤)، رقم (١٤١٠٦).

قال ابن حجر في "الدراية" (٢/١٦٠): أخرجه عبدالرزاق بإسناد منقطع وأخرجه ابن أبي شيبة بإسناد جيد.

٤ ـ مصنف ابن أبي شيبة (٤/ ٢٧٠، رقم (١٩٩٩٨)، و قال العثماني في "الإعلاء" (١٤/٢٢١): محمد بن ميسرة من رجال البخاری صدوق، وفي "الدراية": إسناده جيد.

أكداس قد حصد فنشتر به منهم الكر بكذا وكذا وننقد أموالنا فإذا أذن لهم العمال في الدارس فمنهم من يفي لنا بما سمى لنا ومنهم من يزعم أنه نقص طعامه فيطلب إلينا أن نرتجع بقدر مانقص رؤوس أموالنا فسألت الحسن عن ذلك؟ فكره إلا أن يستوفي ما سمى لنا أو نرتجع أموالنا كلها وسألت ابن سيرين؟ فقال: إن كانت دراهمك بأعيانها فلابأس وسألت عطاء: فقال ما أراك إلا قد رمقت وأحسنت اليه.
قال أبو محمد: هذه صفة الفسخ. [١]

(٥) عن إبراهيم عن الأسود أنه كره أن يردها ويرد معها شيئا هذا في الذى يشترى السلعة فيقول: أقلني ولك كذا وكذا. [٢]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

وحكمها أنها فسخ في حق المتعاقدين اه

وقال ابن عابدين:

قوله (فسخ في حق المتعاقدين) – وبعد ان ذكر اختلاف ائمتنا الثلاثة فيه قال– والصحيح قول الإمام كما في تصحيح العلامة قاسم. [٣]

❷ قال الزحيلي:

أما الحنفية فاختلفوا فيما بينهم فقال أبوحنيفة وقوله هو الصحيح عند الحنفية:

الإقالة فسخ في حق المتعاقدين بيع جديد في حق ثالث غيرهما. [٤]

❸ قال قاضي خان:

الإقالة فسخ في حق المتعاقدين عند أبي حنيفة[٥] (ولم يذكر قولهما اقتصارا على المختار وهذا ظاهر)

❹ في الهندية:

١ـ المحلى (٩/٥)، احتج به ابن حزم فيه فهو صحيح.

٢ـ مصنف عبدالرزاق (٨/١٩)، رقم (١٤١٣١)

٣ـ رد المحتار (٧/٣٤٦، ٣٤٧)

٤ـ الفقه الإسلامي وأدلته (٣٧٨١)

٥ـ الفتاوى الخانية (٢/٢٧١)

قال أبو حنيفةؒ: هي فسخ في حق التمعاقدين بيع جديد في حق غيرهما[1] (فالاقتصار على قول الإمام والترک قولهما -في معرض البيان- ترجيح لقوله حسب ما عُرِف في الأصول)

⑤ تفصيل البدائع يدل على ترجيح قول أبي حنيفةؒ.[2]

⑥ كذا في الكتب الأخر[3]

⑦ قد اختار أصحاب المتون الأربعة المعتبرة قاطبةً قول أبي حنيفةؒ[4] وذاک ترجيح له أيضاً.

١ـ الفتاوى الهنديه (٣/١٥٦)

٢ـ بدائع الصنائع (٤/٥٩٣، ٥٩٤)

٣ـ اللباب للغنيمى (١/٢١٨) و ملتقى الأبحر (٣/١٠٣)؛ حيث قدم قول أبي حنيفة.

٤ـ المختار للفتوى (٢/١١)، كنز الدقائق (٢٤٤)، الوقاية (٣/٥٦)، مجمع البحرين (٢٩٧)

باب المرابحة والتولية

[۷۰] اختلافی مسئلہ

إن اطلع المشتري على خيانة في المرابحة فهو بالخيار عند أبي حنيفة إن شاء أخذه بجميع الثمن وإن شاء رده وإن اطلع على خيانة في التولية أسقطها من الثمن وقال أبويوسف-رحمه الله تعالى-: يحط فيهما، وقال محمد -رحمه الله تعالى- : لايحط فيهما لكن يخير فيهما.

مفتی بہ قول:

فتوی امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

پہلے بطور تمہید ''خیانت فی المرابحۃ'' کا مطلب ذکر کیا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ بائع نے سو(۱۰۰) روپے میں خریدی ہوئی چیز بیس (۲۰) روپے کے نفع پر یہ کہہ کر بیچ دی کہ اس نے یہ چیز ایک سودس (۱۱۰) میں خریدی ہے یعنی ربح حقیقی کو بتانے میں اس نے خیانت سے کام لیا۔

بطریق استدلال مذکورہ بالا مسئلہ اس اصول پر مبنی ہے کہ بائع لفظ ''مرابحہ'' کے مفہوم میں سچا ہے کہ اس نے اصل قیمت سے زیادہ رقم وصول کر کے مبیع نفع پر بیچی ہے اور مشتری کی جانب سے بھی نفس مرابحہ میں رضامندی متحقق ہے لہٰذا مبیع کو عقد مرابحہ میں ذکر کردہ اسی قیمت پر برقرار رکھا جائیگا اور بائع کو حط ثمن پر مجبور نہیں کیا جائیگا (کیونکہ اس نے مبیع کو، برضائے مشتری، اس کی اصل قیمت سے زائد قیمت پر بیچا ہے) البتہ بائع چونکہ مقدارِ ربح کی تعیین میں جھوٹا ہے اس لیے مشتری کو ردِ مبیع کا اختیار حاصل ہوگا۔

''خیانت فی التولیۃ'' والی صورت کا مدار اس اصول پر قائم ہے کہ عقد کے دوران جو لفظ ''تولیہ'' استعمال ہوا ہے اس کو متعاقدین کے درمیان فیصلے کی بنیاد بنایا جائے گا لہٰذا مشتری اس بات کا مجاز ہوگا کہ وہ مبیع کو بربنائے تولیہ اس کی قیمت اصلیہ پر لے کر اس سے زائد رقم ساقط کر دے۔

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

فإن ظهر خيانة في مرابحة بإقراره أو برهان أو بنكوله أخذه المشترى بكل ثمنه أو رده وله الحط قدر الخيانة في التولية لتحقق التولية.

قال ابن عابدين:

قوله (أخذه بكل ثمنه الخ) أى ولا حط هنا بخلاف التولية وهذا عنده وقال أبويوسفؒ: يحط فيهما وقال محمدؒ: يخير فيهما والمتون على قول الإمام.(١)

❷ قال الزحيلي:

فقال أبوحنيفة –رضى الله عنه– وقوله هو الأرجح عند الحنفية: المشترى بالخيار في المرابحة، إن شاء أخذه بجميع الثمن وإن شاء ترك وأما في التولية فلا خيار له لكن يحط قدر الخيانة ويلزم العقد بالثمن الباقي.(٢)

❸ في الهندية:

وإن خان في المرابحة فهو بالخيار إن شاء أخذ بكل الثمن وإن شاء ترك وإن خان في التولية حطها من الثمن وهذا عند أبي حنيفةؒ(٣) (ولم يُذكر منهبا هما فالإقتصار على منهب الإمام يدل على كونه مختارا)

❹ قال الحلبي:

فإن ظهر للمشترى خيانه في المرابحة خيّر في أخذه بكل ثمنه أو تركه وفي التولية يحط من ثمنه قدر الخيانة وهو القياس في الوضيعة – ثم ذكر منهبيهما–(٤) (فالقول المقدم فيه هو الراجح عنده كما لا يخفى)

❺ قال الشيباني:

وإذا باع الرجل متاعا مرابحة فخانه في المرابحة ودلس له فإن المشترى بالخيار إذا اطلع على ذلك إن شاء رد المتاع وإن شاء اخذه بالثمن الذى اشتراه به لا ينقص منه شيئا(٥)

١ـ رد المحتار (٣٦٧/٧)

٢ـ الفقه الإسلامي وأدلته (٣٧٧٥)

٣ـ الهندية (١٦٢/٣)

٤ـ ملتقى الأبحر (١٠٨/٣)

٥ـ المبسوط (١٦٤/٥)

[۱۷] اختلافی مسئلہ

ويجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ وقال محمد -رحمه الله- : لا يجوز.

مفتی بہ قول:

فتوی شیخین رحمہما اللہ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن ابن أبي مليكة: أن عثمان ابتاع من طلحة أرضا بالمدينة ناقلة بأرض له بالكوفة فلما تبايعا ندم عثمان ثم قال: بايعتک مالم أره فقال طلحة: إنما النظر لي إنما ابتعت مغيبا وأما انت فقد رأيت ما ابتعت فجعلا بينهما جبير بن مطعم (أي جعلاه حكما بينهما) فقضى على عثمان أن البيع جائز وأن النظر لطلحة انه ابتاع مغيبا.(۱)

مذکورہ بالا روایت قبضے سے پہلے بیع العقار کے جواز پر دال ہے کیونکہ اس میں حضرت عثمانؓ نے بن دیکھے اپنی کوفہ والی زمین کو فروخت کیا تو جب اس کو بن دیکھے بیچا ہے تو یقیناً اس پر قبضہ بھی نہیں کیا (کیونکہ قبضہ، رویت کو مستلزم ہے) تو یہ بیع العقار قبل القبض ہوگئی جس کے جواز کی صراحت روایت بالا میں مذکور ہے۔

(۲) سمعت ابن عباس يقول: أما الذي نهى عنه النبي صلى الله عليه وآله وسلم فهو الطعام أن يباع حتى يقبض.(۲)

روایت مذکورہ کے موافق غلہ (وغیرہ منقولی اشیاء) کو قبل القبض فروخت کرنا منہی عنہ قرار دیا گیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ غیر منقولی اشیاء کی بیع کے لئے قبضہ شرط نہیں ہے۔

۱۔ معرفة السنن والآثار للبيهقي (۹/۱۲۸)، رقم (۳۳۷۶)، السنن الكبرى للبيهقي (۵/۲۶۸) رقم (۱۰۷۲۷)، قلت: سكت عنه البيهقي وابن التركماني وكذا سكت عنه الحافظ في "التلخيص" (۳:٤٥٤). فهو صحيح أو حسن.

۲۔ صحيح البخاري (۵/۳٤۳) رقم (۲۱۳۵). وكذا انظر له: المؤطا رواية محمد بن الحسن (۳/۱۶۵) رقم (۷۶۶)، السنن الصغرى (۲/۷٤)، رقم (۱۹۸۸)، السنن الكبرى (۵/۳۱۲) رقم (۱۰۹۹۳)، المنتقى لابن الجارود (۱/۱۵۵) رقم (۶۰۶)، جامع الأصول (۱/٤۵۷) رقم (۲۷۷)، المسند الجامع (۲۰/٤۰۶)، رقم (۶۵۱۸)

(٣) عن ابن سيرين قال: لابأس أن يشترى شيئا لا يكال ولا يوزن بنقد ثم يبيعه قبل أن يقبضه [١].

(٤) عن هشام عن محمد قال: إذا اشترى الرجل الشئى مما لا يكال ولا يوزن فلا بأس ان يبيعه قبل أن يقبضه. [٢]

(٥) عن أبي عياض عن عثمان أنه كان لايرى بأسا ببيع كل شيء قبل أن يقبض ما خلا الكيل والوزن [٣]

آثار مذکورہ بھی بیع العقار قبل القبض کے جواز کا پتہ دیتے ہیں کیونکہ عقار نہ مکیلی ہے نہ موزونی۔

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الهندية: [٤]

(أ) بيع العقار قبل القبض جائز عند هما وعليه الفتوى كذا في المضمرات.

(ب) فـنـقـول مـن حـكـم المبيع إذا كان منقولا أن لا يجوز بيعه قبل القبض (فعلم منه، بطريق المفهوم المخالف، أنه إذا كان غير منقول فيجوز بيعه قبل القبض).

❷ قال الصاغرجي:

يجوز بيع العقار قبل القبض لأن العقار في محل قبضه فلم يحتج إلى تجديد قبض –إلى أن قال– وقال محمد: لايجوز بيع العقار قبل قبضه قياساً على المنقول والمختار قولهما. [٥]

❸ قال الحلبي:

لا يـصـح بيع المنقول قبل قبضه ويصح في العقار خلافا لمحمد [٦] (فـالقول المقدم فيه راجح –كما هو المعروف من دأبه في المختار– حسب تصريح الشامي)

❹ قال الزحيلي:

لا يـجـوز فـي رأى الحنفية بيع المنقول قبل القبض للنهى عنه ويجوز بيع العقار قبل القبض لأنه مأمون التغير غالبا. [٧]

١ـ مصنف عبدالرزاق (٨/٤٣) ،رقم (١٤٢٣٠).

٢،٣ـ مصنف ابن أبي شيبة (٤/٤٩٦) ، رقم (٢٢٤٧٧)و (٢٢٤٧٥)

٤ـ الفتاوى الهندية: أ-(٣/١٠٩)، ب-(٣/١٣)

٥ـ الفقه الحنفى وأدلته (٢/٢٧)

٦ـ ملتقى الأبحر (٣/١١٣)

٧ـ الفقه الإسلامى وأدلته (٣٥٠٠)

٥ كذا في الكتب الأخر [١]

٦ قول الشيخين قول المتون على ما يليك(وهذا من ترجيحه أيضا):

١ – قال الموصلي: ويجوز بيع العقار قبل القبض. [٢]

٢ -قال النسفي: صح بيع العقار قبل قبضه لا بيع المنقول. [٣]

٣– قال المحبوبي: ولم يجز بيع مشرىً قبل قبضه إلا في العقار. [٤]

٤– قال التمرتاشي: صح بيع عقار لا يخشىٰ هلاكه قبل قبضه لا بيع منقول. [٥]

٥– قال ملا خسرو: صح بيع العقار قبل قبضه لا المنقول. [٦]

١ ـ درر الحكام شرح مجلة الأحكام (١/٢٠١) رقم المادة (٣٥٣) ،الموسوعة الفقهيه (٩/١٢٥)، إذ قولهما استحسان.

٢ ـ المختار للفتوى (٢/٨)

٣ ـ كنز الدقائق(٢٤٧)

٤ ـ الوقاية (٣/٦٠)

٥ ـ تنوير الأبصار (٧/٣٨٣)

٦ ـ غرر الأحكام (٦/٣٣٠)

باب الربا

[۷۲] اختلافی مسئلہ

یجوز بیع اللحم بالحیوان عند أبي حنیفة وأبي یوسف –رحمهما الله تعالى– وقال محمدؒ: لایجوز حتى یکون اللحم أکثر مما في الحیوان فیکون اللحم بمثله والزیادة بالسقط.

توضیح الاختلاف:

مذکورہ بالا اختلاف صرف اس صورت میں ہے جب حیوان اور لحم کی جنس متحد ہو جیسے زندہ بکری کے بدلے میں بکری کا گوشت کیونکہ اختلاف جنس کی صورت میں یہ بیع بالاتفاق (أی اتفاق علمائنا الثلاثة) جائز ہے جیسے زندہ بکری کے عوض گائے کا گوشت۔[1]

مفتی بہ قول:

فتوی شیخینؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن ابن عباس قال: لابأس أن یباع اللحم بالشاة[2]

(۲) قال سفیان (الثوری): ولا نری به (أی ببیع الشاة القائمة بالمذبوح) بأسا[3]

۱۔ انظرله: النهر الفائق (۳/۲۷۶)، الموسوعة الفقهیة (۹/۱۸۱، ۱۸۰)، مختصر اختلاف العلماء للطحاوی (۳/۴۱)؛ یستفاد منه بطریق المفهوم المخالف

۲۔ مصنف عبدالرزاق (۸/۲۷) رقم (۱۴۱۶۴). احتج به ابن حزم في "المحلی" (۸:۵۱۸) فهو صحیح.

۳۔ أیضاً، رقم (۱۴۱۶۳). احتج به ابن حزم في "المحلی" (۸:۵۱۸) فهو صحیح.

(۳) عن ابن عباس عن النبی صلی الله علیه و آله وسلم أنه نهی عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئة.[1]
وجہ استدلال اس حدیث مبارکہ سے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حیوان کوحیوان کے بدلے میں فروخت کرنے سے منع فرمایا ہےاور گوشت، حیوان نہیں ہے فیجوز.

(۴) مذکورہ بالا بیع ''بیع الموزون بالعددی'' کی قبیل سے ہے کہ لحم موزونی اور حیوان عددی شمار ہوتا ہے نیز یہ بیع الجنس بجنسہ نہ ہونے کی بناپر خارج از ربواہے اور جائز ہے۔ بشرطیکہ یہ یداً بید ہو کیونکہ نسیئہ کی صورت میں یہ ناجائز ہے۔

حیوان اوراس حیوان کا گوشت، ان دونوں کی جنس مختلف ہونے کا ماخذ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿فکسونا العظام لحما ثم أنشأناه خلقا آخر[2]﴾أی بعد نفخ الروح [3] اس سے معلوم ہوا کہ حی (بعدازروح) اور جماد (قبل از

۱۔ صحیح ابن حبان(۱۱/۱ ۴۰)، رقم (۵۰۲۸)، وکذا انظر لہ: سنن أبي داؤد (۳/۲۵۶) رقم(۳۳۵۸)، سنن الترمذی(۳/۵۳۸)رقم (۱۲۳۷)، سنن إبن ماجہ(۲/۷۶۳) رقم (۲۲۷۰)، سنن الدار قطنی (۷/۳۵۰) رقم (۳۱۰۳)، سنن النسائی (۷/۲۹۲) رقم (۴۶۲۰)، سنن الدارمی (۲/۳۳۱)رقم (۲۵۶۴)، السنن الصغری (۲/۶۴)رقم (۱۹۴۴)، السنن الکبری (۵/۲۸۸) رقم (۱۰۸۳۹)، المعجم الکبیر(۷/۲۰۴) رقم (۶۸۶۴)،مؤطا محمدؒ (۳/۲۲۱) رقم (۸۰۱) ، شرح معانی الاثار (۴/۶۰) رقم (۵۳۰۳)، مسند أحمد بن حنبل (۵/۱۲) رقم (۲۰۱۵۵)، مسند البزار (۲/۱۵۳) رقم (۴۵۵۶)، مسند الرویانی (۲/۵۲) رقم(۸۱۵) ، مسند الشامیین (۴/۳۳) رقم (۲۶۵۷) ، مختصر الأحکام للطوسی (۲/۹۵) رقم (۱۱۴۴)، مصنف عبدالرزاق (۸/۲۰) رقم (۱۴۱۳۳)، معرفة السنن والآثار (۱۴/۲۷۲) رقم (۵۵۶۷)

قال الحافظ في "فتح الباری" (۵/۵۷): وهو حدیث قد روي عن ابن عباس مرفوعًا أخرجه ابن حبان والدار قطنی وغیرهما ورجال إسناده ثقات، إلا أن الحفاظ رجحوا إرساله. وأخرجه الترمذی من حدیث الحسن عن سمرة وفی سماع الحسن من سمرة اختلاف. وفی الجملة هو حدیث صالح للحجة.

قال العینی في "عمدة القاری" (۱۸/۱۷۷):

فإن قلت: حدیث ابن عباس قال فیه البیهقی إنه عن عکرمة عن النبی مرسل۔ قلت: أخرجه الطحاوي من طریقین متصلین وأخرجه البزار أیضا متصلا ثم قال لیس في هذا الباب حدیث أجل إسنادا منه وهذه الأحادیث (أی أحادیث النهي عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئة) مع اختلاف طرقها یؤید بعضها بعضا.

قال الهیثمی -عن حدیث ابن عباس هذا- في "مجمع الزوائد" (۴/۱۲۲) رقم (۶۵۰۷):
رواه الطبراني في الکبیر والأوسط ورجاله رجال الصحیح.

۲۔ المؤمنون (۱۴)

۳۔ (أ) في تفسیر ابن الکثیر (۵/۴۶۷):قوله[ثم انشأناه خلقًا آخر] یعنی نفخنا فیه الروح. وکذا في ما یأتیك من کتب التفاسیر: الدرالمنثور (۶/۹۳)، تفسیر الجلالین (۱/۴۴۶) ،تفسیر الخازن (۵/۳۳)، تفسیر الطبری (۱۹/۱۷)، ==

روح، گوشت وغیرہ) دوالگ الگ جنسیں ہیں۔ (1)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال قاسم بن قطلوبغا:

قوله(ويجوز بيع اللحم بالحيوان عند أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ وقال محمدؒ : لا يجوز الخ) قال الا سبيجابى: والصحيح قولهما. (2)

❷ في الهندية:

إن اشترى باللحم شاة حية في القياس لا يجوز إلا أن يعلم أن اللحم أكثر من لحم الشاة وهو قول محمدؒ وفى الا ستحسان يجوز على كل حال وهو قولهما (3) (فبه عُلم ترجيح قولهما إذ الإستحسان مقدم على القياس إلا في مواضع معدودة وهذا ليس منها)

❸ قال داماد أفندى (فى دليل الشيخين في هذه المسألة):

ولهما أن الحيوان ليس لحمه بمال ولا ينتفع به انتفاع اللحم وماليته معلقة بالذكاة فيكون جنسا آخر بخلاف الزيت والزيتون وهو الاستحسان – وقد قال قبله في دليل محمد "وهو القياس"۔ (4)
(فقول الشيخينؒ فيهما راجح لتقديم الاستحسان على القياس كما مر انفا)

❹ قال الحلبى:

ويجوز بيع الكرباس بالقطن وبيع اللحم بالحيوان وعند محمدؒ لا يجوز بيعه بحيوان جنسه

== تفسير القرطبى (١٢/١٠٩)، زادالمسير (٥/٤٦٣، ٤٦٤)، صفوة التفاسير (٢/٢٧٨)، فتح القدير(٣/٦٨٣)، مختصر تفسير البغوى (٥/٢٩٩)

(ب)۔ في تفسير الكشاف (٣/١٨١): قوله [ثم انشأناه خلقا آخر] أى خلقا مباينا للخلق الأول مباينة ما أبعدها، حيث جعله حيوانا و كان جمادا۔ و كذا في مايليك من التفاسير:

تفسير النسفى /مدارك التنزيل (٣/١١٨)، تفسير النيسابورى (٥/٤٣٢) ، تفسير الرازى (٢٣/٧٤)، البحر المديد (٥/٩) ، اللباب في علوم الكتاب (١٤/١٨٠)، أضواء البيان (٥/٣٢٤)، التفسير الوسيط لسيد طنطاوى (١٠/١٨)، تفسير الخازن (٥/٣٣) ، تفسير السراج المنير (٢/٤٥٢)، زهرة التفاسير (١/٥٠٥٤)، غرائب القران ورغائب الفرقان (٥/١١٢)

١۔ انظرله: فتح القدير (٧/٢٥،٢٧) ، الفقه الحنفى وأدلته (٢/٥٣)

٢۔ الترجيح والتصحيح (١٨٦)

٣۔ الفتاوى الهندية (٣/١٢٠)

٤۔ مجمع الأنهر (٣/ ١٢٤)

حتى يكون اللحم أكثر مما في الحيوان من اللحم [1] (القول المقدم فيه راجح حسب تصريح العلامة الشامي كما مر غير مرة من قبل)

❺ كذا في الكتب الأخر (ألتي أخر فيها دليل الشيخين وهذا ترجيح لقولهما لما هو المعروف من دأب مصنفيهم في المختار والراجح عندهم فيها على ما أفاده الشامي في شرح العقود) [2]

❻ اختار أصحاب المتون قولهما [3] وذاک من ترجيح له أيضا.

[٧٣] اختلافی مسئلہ

ويجوز بيع الرطب بالتمر مثلا بمثل عند أبي حنيفةؒ (وعندهما لايجوز [4]) وكذالک العنب بالزبيب.

مفتی بہ قول:

فتوی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(١) عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم:

"الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء يدًا بيدٍ، فاذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يدًا بيدٍ" [5]

١ـ ملتقى الأبحر (١٢٣/٣)

٢ـ الهداية (٨٧/٣)، البحر الرائق (٢٢٠/٦)، تبيين الحقائق (٩٢/٤)، النهر الفائق (٤٧٦/٣)، شرح النقاية (٥٥/٢)، الاختيار (شرح المختار للفتوى) (٣٣/٢).

٣ـ المختار للفتوى (٣٣/٢)، كنزالدقائق (٢٤٨)، الوقاية (٦٨/٣)، بداية المبتدى (١٣٩/١)، النقاية (٥٥/٢)، تنوير الأبصار (٤٣٣/٧)، غرر الأحكام (٣٥٤/٦).

٤ـ المبسوط للسرخسي (١٥٠/١٥)، الجوهرة النيرة (٤٩٣/١)، المحيط البرهاني (٢١٤/٧)، مختصر اختلاف العلماء للطحاوى (٣٦/٣)

٥ـ صحيح مسلم (٤٤/٥) رقم (٤١٤٧)، وكذا انظر له: مسند أحمد (٣٢٠/٥) رقم (٢٢٧٧٩)، السنن الكبرى للبيهقى (٢٧٧/٥) رقم (١٠٧٨٩)، معرفة السنن والآثار (١٦١/٩) رقم (٣٤٠٣)، سنن الدار قطنى (١٦٢/٧)رقم (٢٩١٥)

(أ) جس طرح اسم حطہ وشعیر کا اطلاق حطہ وشعیر کی تمام اجناس پر ہوتا ہے اگرچہ ان دونوں کی انواع واوصاف مختلف ہوں اسی طرح اسم "تمر" کا اطلاق بھی اس کی تمام انواع (رطب، یابس، مذنب، بسر، منقع) پر ہوتا ہے لہٰذا رطب بھی تمر ہے اور اس کی بیع تمر کے ساتھ مثلاً بمثلٍ حدیث مذکور کی رو سے جائز ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عاملِ خیبر نے جب وہاں کی رطب کھجور ہدیہ میں پیش کی تھیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تھا: " أكل تمر خيبر هكذا؟" [1]

اس میں آپ علیہ السلام نے رطب کو بھی تمر کہا فعلم منه أن الرطب تمر

(ب) رطب دو حال سے خالی نہیں ہے: تمر ہوگی یا غیر تمر

(۱) اگر تمر ہو تو اس کی بیع حدیث مذکور کے جزو "التمر بالتمر ...... مثلا بمثل" کی رو سے جائز ہوگی۔

(۲) اگر غیر تمر ہو تو بھی اس حدیث کے آخری جزو "فاذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم" کے تحت اسکی بیع جائز ہوگی۔ [2]

(۲) تازہ اور خشک، ذات کے اعتبار سے دونوں ہم جنس ہیں اس لئے ان کی باہمی بیع ،متماثلاً جائز ہے۔ [3]

قول مفتی بہ کی تخریج:

● قال قاسم بن قطلوبغا:

قوله (ويجوز بيع الرطب بالتمر الخ): قال الاسبيجابي: وقالا والشافعي: لايجوز والصحيح قول أبي حنيفة واعتمده النسفي والمحبوبي وصدر الشريعة. [4]

١ـ صحيح البخاري (٤/١٥٥٠) رقم (٤٠٠١)،و كذا انظر له: صحيح مسلم(٥/٤٧) رقم (٤١٦٦)، الموطأ۔ رواية محمد بن حسن (٣/٢٤٧) رقم(٨٢٠)، السنن الصغرى (٢/٦١) رقم (١٩٣٩)،السنن الكبرى (٥/٢٨٥) رقم (١٠٨٢٤)، سنن النسائي (٧/ ٢٧١) رقم (٤٥٥٣)، شرح معاني الآثار (٤/٦٧) رقم (٥٣٣٢)، مؤطا مالك (٤/٩٠٠) رقم (٢٣١١)، معرفة السنن والآثار (٩/١٩٤) رقم(٣٤٣٢) ، شرح مشكل الآثار (٢/١٩٦).

٢ـ انظر لها: إعلاء السنن (١٤/٣٣٦)، البحر الرائق (٦/٢٢١)، بدائع الصنائع (٤/٤٠٩)، الهداية (٣/٨٧)، الاختيار لتعليل المختار (٢/٣٣)، المعتصر على المختصر (٣٢٤)، التعليق الممجد على مؤطا الإمام محمد (٣٣٣)، الفقه الحنفي وأدلته (٢/٥٣)

٣ـ مجمع الأنهر (٣/١٢٥)

٤ـ الترجيح والتصحيح على القدوري (١٨٧)

❷ قال الحلبي:

يجوز بيع الرطب بالتمر والعنب بالزبيب متماثلا خلافا لهما[1] (فالقول المقدم فيه راجح على ما مر حسب ما أفاده الشامي)

❸ قال الزيلعي:

قال رحمه الله (والرطب بالرطب أو بالتمر متماثلا والعنب بالزبيب)– ثم ذكر الاختلاف المذكور مع بيان دلائلهم إلى أن قال تقوية لمذهبه وتضعيفا لما ذهبا اليه بالرد على دلائلهما–: "وما روياه لم يصح لأن مداره على زيد بن عياش وهو ضعيف عند النقلة ولئن صح فهو محمول على أن السائل كان وصيا في مال اليتيم أو وليا لصغير فلم ير صلى الله عليه وآله وسلم بهذا التصرف نظرا".

انتهى. وهذا كله يدل على ترجيح قول الإمام رحمه الله رحمة واسعة. [2]

❹ قال ابن محمد عوض الجزيري:

الحنفية قالوا: ويصح ان يبيع الرطب من التمر باليابس...... ويصح بيع التمر المبلول " المنقع" باليابس ومثله الزبيب والتين. [3]

❺ قال الكاساني (في ترجيح قول الإمام):

وأما الحديث (الذى احتج به صاحباه) فمداره على زيد بن عياش وهو ضعيف عند النقلة فلا يقبل في معارضة الكتاب والسنة المشهورة ولهذا لم يقبله أبوحنيفة في المنا ظرة في معارضة الحديث المشهور مع أنه كان من صيارفة الحديث وكان من مذهبه تقديم الخبر وإن كان في حد الآحاد على القياس بعد أن كان راويه عدلا ظاهر العدالة أو يؤوله فيحمله على بيع الرطب بالتمر نسيئة أو تمرا من مال اليتيم توفيقا بين الدلائل صيانة لها عن التناقض. [4]

❻ قال ملا خسرو:

وأجاز بيع الرطب بالرطب وبالتمر وبيع التمر بالبر وبيع العنب بالزبيب ......وجه الجواز أنه كان بيع الجنس بالجنس بلا اختلاف الصفة جاز متساويا وكذا مع اختلاف الصفة لقوله صلى الله عليه

١ـ ملتقى الأبحر (٣/١٢٤)

٢ـ تبيين الحقائق (٤/٩٣)

٣ـ كتاب الفقه على المذاهب الأربعة (٢/٢٢٣)

٤ـ بدائع الصنائع (٤/٤١٠)

وآله وسلم " جيدها و رديئها سواء"وإلا جاز كيفما كان لقوله صلى الله عليه وآله وسلم "إذا اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم" [1]

❼ المتون الأربعة المعتبرة بل جميع المتون على قول أبي حنيفة [2] وذلك من ترجيح له أيضاً.

١ ـ درر الحكام شرح غرر الأحكام (٦/٣٥٣)

٢ ـ المختار للفتوى (٢/٣٣)، كنز الدقائق (٢٤٩)، الوقاية(٣/٦٨)، مجمع البحرين(٣٠٥) ، بداية المبتدى (١/١٣٩)، النقاية (٢/٥٥)، غرر الأحكام (٦/٣٥٣) ، تنوير الأبصار (٧/٤٣٥)

باب السَّلَم

[۷۵،۷۴] اختلافی مسئلہ

ولا يصح السلم عند أبي حنيفةؒ إلا بسبع شرائط تذكر في العقد: جنس معلوم ونوع معلوم و صفة معلومة و مقدار معلوم وأجل معلوم و معرفة مقدار رأس المال إذا كان مما يتعلق العقد على مقداره كالمكيل والموزون والمعدود و تسمية المكان الذى يوفيه إذا كان له حمل ومؤنة وقال ابويوسف ومحمد (رحمهما الله تعالى): لا يحتاج إلى تسمية رأس المال إذا كان معيّنا ولا إلى مكان التسليم و يسلمه في موضع العقد.

مفتی بہ قول:

فتوی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) معرفة مقدار رأس المال:

(أ) قال ابن عمرؓ: لابأس بأن يسلف الرجلُ الرجلَ في الطعام الموصوف بسعر معلوم الىٰ اجل مسمّى اھ.(۱)

اثر مذکور میں "سعر معلوم" سے واضح ہے کہ رأس المال کی مقدار معلوم ہو۔

(ب) مسلم الیہ کا رب السّلم کو مسلم فیہ سپرد کرنے سے عاجز آ جانے کی صورت میں یہ حکم لگایا جائیگا کہ رأس المال واپس کیا جائے اب اگر اس کی مقدار ہی معلوم نہ ہوتو یہ رد مفضی إلی النزاع بلکہ متعذر ہوگا لہٰذا "معرفت مقدار رأس المال"

۱۔ موطا مالك (٤/٩٣٠) رقم (٢٣٦٨)، واللفظ له و كذا أخرجه البخارى تعليقا (٥/٥١٤) والبيهقى فى "الكبرى" (٦/١٩) برقم (١١٤١٤) و "المعرفة" (٩/٤٣٥) برقم (٣٦٣٣)

صحت بیع سلم کے لئے ضروری ہے۔[1]

(۲) تسمیة المكان (أی مكان التسليم):

مکان تسلیم کا عدم تعین بھی مفضی إلی النزاع ہے کیونکہ مسلم الیہ اور مسلم میں سے ہر ایک اپنی منفعت کے مدنظر مکان مذکور کا تعین کریگا، کما هو ظاهر[2]

قول مفتٰی بہ کی تخریج:

❶ **قال الحلبي و الحصكفي:**

وبيـان قدر رأس المال ان كان كيليا أو وزنيا أو عدديا متقاربا.....ومكان إيفائه إن كان له حمل و مؤنة وعيـنـا مكان العقد وقد أفاد الخلافين بقوله: وعند هما لا يشترط معرفة قدر رأس المال إذا كان معينا و كذا لايشترط عندهما مكان الايفاء ويوفيه في مكان عقده وبقولهما قالت الائمة الثلاثة والأول المختار [3]

❷ **قال التمرتاشي والحصكفي:**

وشرطه أى شروط صحته التى تذكر في العقد سبعة: بيان جنس و نوع و صفته وقدر وأجل...... وقدر رأس المال إن تـعلق العقد بمقداره كما في مكيل وموزون و عددى غير متفاوت...... والسابع بيان مكان الإيفاء للمسلم فيه فيما له حمل ومؤنة. [4]

قال ابن عابدين:

فعنده يشترط بيان مكان الإيفاء وهو الصحيح وعندهما لا يشترط. [5]

❸ **قال إبراهيم الحلبي:**

وشـرطه بيان الجنس...... وقدر رأس المال ان كان كيليا أو وزنيا أو عدديا...... ومكان إيفائه إن كـان لـه حمل ومؤنة وعندهما لا يشترط معرفة قدر رأس المال إذا كان معينا ولا مكان الإيفاء ويوفيه في مكان عقده [6] **(فـالقول المقدم – وهو قـول أبـي حـنيفة ههنا– راجح على ماعرف من دأبه في المختار**

۱۔ البناية (۱۱/۳۲) ،حاشية ابن عابدين (۷/۴۸۷)

۲۔ ماخوذ من "فتح القدير" (۷/۸۹)

۳۔ الدر المنتقى في شرح الملتقى (۳/۱۴۲،۱۴۳)

٤۔ الدر المختار (۷/۴۸۶۔۴۸۸)

٥۔ رد المحتار (۷/۴۸۸)

٦۔ ملتقى الأبحر (۳/۱۴۱۔۱۴۳)

كما أفاده الشامي)

● قال برهان الدين:

(أ) و(الشرط) الرابع: بيان قدره في المكيلات بالكيل والموزونات بالوزن والمعدودات بالعد لأن بدون بيان هذه الأشياء يقع بينهما منازعة من التسليم و التسلم[١]

(ب) الشرط التاسع: بيان مكان الايفاء إذا كان المسلم فيه شيئا له حمل ومؤنة كالحنطة وغير ذلك وهذا قول أبي حنيفةؒ آخرا -إلى أن قال- وعلى هذا الخلاف إذا با ع عبدا حاضرا بكرّ حنطة ديناً في الذمة إلى أجل عند أبي حنيفةؒ آخرا يشترط بيان مكان الإيفاء للحنطة هو الصحيح وعندهما يتيعين مكان العقد للإيفاء[٢]

● كذا في الكتب الأخر[٣]

● اختار أصحاب المتون قول الإمامؒ من بين الأقوال[٤] وهذا ترجيح له أيضاً.

مسئلہ [٧٦،٧٧]

لايجوز بيع دود القزّ إلا أن يكون مع القزّ ولا النحل إلا مع الكورات.

مفتی بہ قول:

قولِ مفتی بہ کے مطابق بدوں ریشم بھی، ریشم کے کیڑے کی بیع جائز ہے اس طرح چھتے کے بغیر شہد کی مکھیوں (کے مجموعہ) کی بیع بھی درست ہے۔

مستدلہ:

کتاب البیوع میں اصول یہ ہے کہ:

١ـ المحيط البرهاني (١٥٨/٧)

٢ـ المرجع السابق (١٦٤،١٦٣/٧)

٣ـ النهر الفائق (٥٠٣/٣) ، الفقه الحنفي في ثوبه الجديد (٢٩١/٤)، شرح المجلة(٣٥٢/١) المادة (٣٨٦)، بدائع الصنائع (٤٣١/٤، ٤٣٢، ٤٤٩، ٤٥٠ــ يدل تفصيل الكلام وصنيع المصنفؒ على ترجيح قول الإمامؒ)

٤ـ المختار للفتوى (٣٦،٣٥/٢)، كنزالدقائق (٢٥٥)، الوقاية (٧٨،٧٧/٣)، غرر الأحكام (٣٨٥/٦)، بداية المبتدى (١٤١/١)، النقاية (٦٩/٢) ، تنوير الأبصار (٤٨٧/٧، ٤٨٨)

"جو چیز ازروئے شرع قابل انتفاع نہ ہو وہ مال شمار نہیں ہوتی"

اس سے مستفاد ہوا کہ وہ (مال شمار نہ ہونے کی بناء پر) محلِ بیع بھی نہیں ہوتی یعنی اس کی خرید وفروخت درست نہیں ہوتی جیسے خمر، خنزیر، میتۃ وغیرہ۔

مذکورہ بالا اصول کے تناظر میں دودِ قز اور نحل، قابل انتفاع ہونے کی بنیاد پر (کہ ان سے ریشم اور شہد حاصل کیا جاتا ہے)، شرعا مال ہیں لہٰذا ان کی بیع جائز ہے۔

تنبیہ: البتہ نحل سے انتفاع (حصول عسل) چونکہ ایک دو مکھی کی صورت میں متعذر ہے لہٰذا ان کی منفرداً (اکیلی اکیلی) بیع درست نہیں ہے جب تک ان کا ایک مجموعہ نہ ہو تاکہ انتفاع علی سبیل السداد متحقق ہوسکے۔ (١)

تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

ويباع دود القز وبيضه والنحل المحرز وهو دود العسل وهذا عند محمد وبه قالت الثلاثه وبه يفتى.

قال ابن عابدين:

قوله (المحرز) قال في البحر: وهو معنى مافي الذخيرة إذا كان مجموعا لأنه حيوان منتفع به حقيقة وشرعا فيجوز بيعه وان كان لا يوكل كالبغل والحمار. (٢)

❷ قال ابن الهمام:

وفي الخلاصة في بيعهما (أى دود القزو النحل) قال: الفتوى على قول محمدؒ (٣)

(وقول محمدؒ في النحل: "يجوز إذا كان محرزا" وفي دود القز: "يجوز كيفما كان لكونه منتفعا به." (٤.أ)

❸ قال الزيلعي: قال (والنحل) وهذا. أى عدم جواز النحل. عندأبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ وقال محمد والشافعي: يجوز بيعه إذا كان محرز الانه حيوان منتفع به وان كان لا يوكل كالحمار.

قال الشلبي: قوله (وقال محمد والشافعي يجوز بيعه إذا كان محرزا)أى لانه معتاد فيجوز للحاجة وبه قالت الثلاثة وبه يفتى. (٤.ب)

١۔ انظرله: بدائع الصنائع (٤/٣٣٥،٣٣٦)، البناية (١٠/٢٤٣،٢٤٤)، الهداية (٣/٥٥)

٢۔ الدرالمختار مع ردالمحتار (٧/٢٥٩، ٢٦٠)

٣۔ فتح القدير (٦/٣٨٦)

٤۔(أ) الهداية (٣/٥٥،٥٦)، ٤(ب) حاشية الشلبي على التبيين (٤/٤٩)

❹ قال الزيلعي: قال (ويباع دود القز وبيضه) أي يجوز بيعهما وهذا عند محمدؒ –إلى ان قال بعد ذكر الاختلاف فيه– والفتوى على قول محمدؒ. [1]

❺ في الهندية:

بيع النحل يجوز عند محمد رحمه الله تعالىٰ وعليه الفتوى–وقال بعد أسطر– وبيع دود القز وهو دود الفيلق يجوز عند محمد رحمه الله تعالىٰ أيضا وعليه الفتوىٰ. [2]

❻ كذا في الكتب الأخر. [3]

١ـ تبيين الحقائق (٤/٤٩)

٢ـ الهندية (٣/١١٤)

٣ـ البحر الرائق (٦/١٢٨)، النهر الفائق (٣/٤٢٥)، ملتقى الأبحر (٣/٨٤)، مجمع الأنهر (٣/٨٤)، الدر المنتقى (٣/٨٤)، البناية (١٠/٢٤٥)، المحيط البرهاني (٦/٣٤٥)، الفقه الحنفي في ثوبه الجديد (٤/٥٢)، كشف الحقائق (٢/٢٠)، خلاصة الفتاوىٰ (٣/٣٨)، دررالحكام شرح غرر الأحكام (٦/٢٦٨،٢٦٩)

باب الصرف

[۷۸،۷۹]اختلافی مسئلہ

(۱) ان اشترى بها(أى بالدراهم المغشوشة) سلعة ثم كسدت فترك الناس المعاملات بها قبل القبضة بطل البيع عند أبي حنيفةؒ وقال أبو يوسفؒ: عليه قيمتها يوم البيع وقال محمدؒ: عليه قيمتها آخر ما يتعامل الناس بها.

(۲) وإذا باع بالفلوس النافقة ثم كسدت قبل القبضة بطل البيع عند أبي حنيفةؒ (وقالا فيها حسب الاختلاف السابق).

مفتی بہ قول:

مذکورہ بالا دونوں مسئلوں میں (جو کہ ایک ہی نوعیت کے ہیں) فتوی امام محمدؒ کے قول پر ہے کہ اس میں لوگوں کے لئے سہولت بھی ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

بوقت بیع ان سکوں میں وصف ثمنیت موجود تھا پھر کساد کی بدولت ان کا وصف مذکور جب باطل ہوا تو اب اس وصف (یعنی ثمنیت) کا رد بھی متعذر ہو گیا لہٰذا ان سکوں کی قیمت کو رد کرنا واجب ہوگا اور قیمت میں بھی یوم کساد کا اعتبار ہوگا کیونکہ یہی دن نفسِ دراہم اور فلوسِ نافقہ سے قیمت کی طرف انتقال کا وقت ہے۔(۱)

قول مفتی بہ کی تخریج:

● قال التمرتاشي والحصكفي:

اشترى شيئا به أى بغالب الغش وهو نافق أو بفلوس نافقة فكسد ذلك قبل التسليم للبائع بطل البيع.... وأوجب محمدؒ قيمتها يوم الكساد و عليه الفتوى.

۱۔ الهداية (۱۱٦/۳)، فتاوى الشامي (۵۷۲/۷)

قال ابن عابدين:

قوله (وأوجب محمدٌ قيمتها يوم الكساد) وعند أبي يوسفٌ: يوم القبض (أى قبض المبيع وهو يوم البيع)

قوله (وعليه الفتوى بزازية) وكذافي الخانية والفتاوى الصغرى رفقا بالناس. (١)

❷ قال ابن نجيم:

قوله (ولو اشترى بها أو بفلوس نافقة شيئا وكسدت بطل البيع)...... وهذا عند الإمام وقالا: لا يبطل البيع...... وإذا لم يبطل وتعذر تسليمه وجبت قيمته لكن عند أبي يوسف يوم البيع وعند محمد يوم الكساد -إلى أن قال- وفي المحيط والتتمة والحقائق: بقول محمد يفتى رفقا بالناس. (٢)

❸ قال ابن البزاز (بعد البسط في المسألة):

والفتوى على قول محمد رفقا بالناس. (٣)

❹ قال ابن الهمام:

(وقال محمد: عليه آخر ما يتعامل الناس بها) وهو يوم الانقطاع (لأنه أوان الانتقال إلى القيمة) وفي المحيط والتتمة والحقائق: به يفتى رفقا بالناس. (٤)

❺ كذا في الكتب الأخر. (٥)

١ـ الدر المختارمع رد المحتار(٧/٥٢٩،٥٧٢)

٢ـ البحر الرائق(٦/٣٣٦، ٣٣٧)

٣ـ الفتاوى البزازية على هامش الهندية (٤/٥١١)

٤ـ فتح القدير(٧/١٤٥)

٥ـ حاشية الطحطاوى على الدرالمختار (٣/١٤٢)، الهندية (٣/٢٢٥)، الفقه الحنفي في ثوبه الجديد (٤/٣٢٧)، الموسوعة الفقهية(٣٢/٢٠٧)، الدرر شرح الغرر (٦/٤٣٤)، نظير ها في مجمع الضمانات(٢/٣٩٦)، نظيرها فى شرح المجلة أيضا (٣/٩٤)

[۸۰] اختلافی مسئلہ

ومن أعطى صيرفيا درهما فقال: أعطني بنصفه فلوسا وبنصفه نصفا إلا حبة فسد البيع في الجميع عند أبي حنيفةؒ وقالا: جاز البيع في الفلوس وبطل فيما بقي.

مفتی بہ قول:

فتوی امام ابو حنیفہؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

صورت مذکورہ میں اگرچہ دو الگ الگ جزو ہیں مگر عقد چونکہ ایک ہی ہے اس لئے اسی صفقۂ متحدہ کی بنیاد پر جزو ثانی میں لزوم ربا کی وجہ سے آنے والا فساد اپنی قوت کی بناء پر جزو اول میں بھی سرایت کر جائے گا اور بیع ''کل'' میں فاسد ہو جائے گی جیسا کہ اسی مختصر القدوری کے ''باب البیع الفاسد'' میں مرقوم ہے کہ غلام اور آزاد اور اسی طرح مذبوحہ بکری اور مردہ بکری کی اکٹھی بیع کرنے سے ان دونوں میں (صفقۂ واحدہ کی بناء پر) بیع فاسد ہو جاتی ہے۔ (۱)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ **قال إبراهيم الحلبيؒ:**

ولو دفع إلى صير في درهما وقال: أعطني بنصفه فلو ساو بنصفه نصفا إلا حبة فسد البيع في الكل وعندهما صح في الفلوس (۲) (فالقول المقدم فيه هو الراجح حسب تصريح الشامي به كما مر غير مرة.)

❷ **قال المحبوبي:**

ولو قال لمن أعطاه درهما أعطني بنصفه فلوسا وبنصفه نصفا إلا حبة فسد البيع. (۳)

❸ **قال ملا خسرو: قال لمن أعطاه درهما: أعطني بنصفه فلو سا وبنصفه نصفا إلا حبة فسد في الكل (۴)**

۱ـ العناية (۷/۱۵۱)، فتح القدير (۷/۱۵۰)

۲ـ ملتقى الأبحر (۳/۱۷۰)

۳ـ الوقاية (۳/۹۲)

٤ـ غرر الأحكام (٦/٤٣٢)

كتاب الرَّهن

[٨١] اختلافی مسئلہ

من كان له دَين على غيره فأخذ منه مثل دينه فأنفقه ثم علم أنه كان زيوفا فلا شيء له عند أبي حنيفةؒ وقال ابو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالىٰ: يرد مثل الزيوف ويرجع مثل الجياد.

ف:۔ اس مسئلہ میں صحیح روایت کے مطابق امام محمدؒ، امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں لہٰذا یہ اختلاف طرفین اور امام ابو یوسفؒ کے درمیان ہوا۔ (۱)

مفتی بہ قول:

فتوی امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن أبي سعيد الخدريؓ أن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال: "لا ضرر ولا ضرار". (۲)

مسئلہ مذکورہ میں قول ابی یوسفؒ پر عمل کرنے کی صورت میں دائن نقصان سے مامون رہتا ہے اور یہی حدیث بالا کا

۱۔ الفتاوى الهندية (٣٦٧/٥)، الجوهرة النيرة (٥٢٦/١)، حاشية ابن عابدين (٧٠٤/٥)، الجامع الصغير (٣٦٧/١)، الترجيح والتصحيح (١٩٩).

۲۔ المستدرك للحاكم (٦٦/٢) رقم (٢٣٤٥) وكذا انظر له: السنن الكبرى للبيهقي (٦٩/٦) رقم (١١١٦٦)، سنن الدار قطني (٣٤٨/١٠) رقم (٤٥٩٧)، موطا مالك (١٠٧٨/٤) رقم (٢٧٥٨)، مسند أحمد (٣١٣/١) رقم (٢٨٢٧)، المعجم الكبير للطبراني (١٠١/٢) رقم (١٣٧٠)، مسند الشافعي (٢٦٨/٢) رقم (١٠٢٠)، الآحاد والمثاني لابن أبي عاصم (٢٠٤/٦) رقم (١٩٣٩)، معرفة السنن والآثار للبيهقي (٢٢٢/١٠) رقم (٣٨٦٣)، معرفة الصحابه لأبي نعيم الاصبهاني (٢٨٧/٤) رقم (١٣٠٠)، تهذيب الآثار للطبرى۔ إلا أنه رواه عن عمرؓ موقوفاً۔ (٢٦٨/٧) رقم (٢٣٦٤)

(أ) – قال الحاكم في "مستدركه" (٦٦/٢): هذا حديث صحيح الإسناد على شرط مسلم ولم يخرجاه ووافقه الذهبي بأن قال: على شرط مسلم.

مقتضی ہے۔

(۲) کسی دین میں بوقت اداء جیسے نفس دارہم کے اندر مقدار و وزن کی رعایت کرنا دائن کا حق ہوتا ہے بالکل اسی طرح وصفِ دراہم میں جودت (عمدگی) کی رعایت کرنا بھی دائن کا حق ہے لہٰذا مقدار قرض کے استیفاء و اَنفاق کے بعد بھی دائن کو وصف دین کی وصولیابی کا استحقاق ہوگا جو کہ قول اَبی یوسفؒ کے موافق ممکن ہے۔[۱]

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

ولو قبض زيفا بدل جيد كان له على آخر جاهلا به ونفق أو أنفقه فهو قضاء لحقه وقال ابويوسفؒ: اذا لم يعلم يرد مثل زيفه ويرجع بجيده استحسانا كما لو كانت ستوقة أو نبهرجة واختاره للفتوى ابن كمال، قلت: ورجحه في البحر والنهر والشرنبلالية فبه يفتى.[۲]

قال ابن عابدين:

قوله (استحسانا) وقولهما قياس كما ذكره فخر الإسلام وغيره وظاهره ترجيح قول أبي يوسفؒ.[۳]

قال الرافعي:

قول الشارح (كما لو كانت ستوقة أو نبهرجة) أي فإنه يرجع بالجياد اتفاقاً.[۴]

== (ب) – سكت عنه الحافظ في "التلخيص" (٤/٤٧٥) إلا أنه قال: ورواه مالك مرسلا.

(ج) –قال البيهقي في "الكبرى" (٦/٦٩): تفرد به عثمان بن محمد عن الدراوردی . فتعقبه ابن التركمانی في "الجوهر النقی" (٦/٦٩) فقال: قلت: لم ينفرد به بل تابعه عبدالملك بن معاذ النصيبي فرواه كذلك عن الدراوردی كذا أخرجه أبوعمر في كتابيه التمهيد والاستذكار.

وكذلك قال –أي صاحب "الجوهر"– في موضع آخر (٦/١٥٨):

ثم قال (أي البيهقي): وأما حديث "لا ضرر ولا ضرار" فهو مرسل. قلت: كيف يقول هذا وقد أخرجه هو فيما مضى في باب لا ضرر ولا ضرار متصلا.

(د) – وقال الزيلعي في "نصب الراية" (٤/٤٤٥): "ورواه الطبراني في "معجمه الوسط"، وسكت عنه".

١ـ العناية (١٢٣/٧) ،الكفاية (٣٤/٧)

٢ـ الدرالمختار (٥١٥/٧)

٣ـ ردالمحتار (٥١٦/٧)

٤ـ التحرير المختار (٥١٥/٧)

● قال ابن نجيم:

قوله (وإن قضى زيف عن جيد وتلف فهو قضاء)..... وذكر فخر الإسلام وغيره أن قولهما قياس وقول أبي يوسفؒ هو الإستحسان فظاهره ترجيح قول أبي يوسفؒ. (١)

● قال ملا خسرو:

قوله (وقال أبويوسفؒ: يرد مثل زيوفه ويرجع بجياده)

قال في الحقائق نقلا عن العيون ماقاله ابويوسفؒ حسنٌ دفعا للضرر فاخترناه للفتوى. (٢)

● كذا في الكتب الأخر (٣)

---

[٨٢] اختلافی مسئلہ

ويجوز الزيادة في الرهن ولا يجوز الزيادة في الدين عند أبي حنيفة و محمد -رحمهماالله تعالىٰ- ولا يصير الرهن رهنا بهما وقال ابويوسفؒ: هو جائز.

مفتی بہ قول:

فتوی طرفینؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(١) قوله تعالىٰ ﴿وان كنتم على سفرٍ .... فرهان مقبوضة﴾ (٤)

آیت مذکورہ میں کلمہ ''رھان مقبوضۃ'' سے معلوم ہوا کہ دین لینے کے بعد مرہونہ شیٔ اس دین میں مکمل مقبوض ہوجاتی ہے لہٰذا اس دین میں مزید اضافہ نہیں ہوسکتا۔

(٢) دین اور رہن کے باہمی معاملہ سے ایک استیثاق حاصل ہوتا ہے اور زیادتی دَین سے اس کا ترک لازم آتا ہے جو کہ

١ـ البحر الرائق (٦/٢٩٤)

٢ـ دررالحكام شرح غررالأحكام (٦/٤٠٢)

٣ـ مجمع الأنهر (٣/١٥٥)، حاشية الطحطاوى على الدرالمختار(٣/١٢٩)، النهر الفائق (٣/٥١٨) ،الدرالمنتقىٰ (٣/١٥٥) ، اللباب في شرح الكتاب (٢/٧)، وفى الكتب التالية ان قوله استحسان (فهو من وجوه الترجيح):

فتح القدير (٧/١٢٢)، الهندية (٣/٢٣٨) ،حاشية الشلبى على التبيين (٤/١٣٠)

٤- البقرة (٢٨٣)

اس عقد کے منافی ہے۔[1]

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الكاساني:

أما الزيادة في الدين فلا تجوز عند أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالىٰ استحسانا وعند أبي يوسف جائز قياسا[2] (فقولهما راجح إذ الاستحسان مقدم فيه على القياس كما لا يخفى)

❷ قال الحلبى:

وتصح الزيادة في الرهن ولا تصح في الدين فلا يكون الرهن رهنا بها خلافا لأبي يوسف[3]

(فالقول المقدم فيه راجح حسب تصريح الشامي به بما مر من قبل)

❸ قال التمر ثالثى والحصكفى:

والزيادة في الرهن تصح وفى الدين لا تصح خلافا للثاني. والأصل أن الالحاق بأصل العقد انما يتصور إذا كانت الزيادة في معقود به أو عليه والزيادة في الدين ليست منهما.[4]

❹ مشى أصحاب المتون على قولهما وذاك ترجيح له ايضاً:

١ – قال الموصلي: وتجوز الزيادة في الرهن لا في الدين ولا يصير الرهن رهنا بهما.[5]

٢ – قال النسفي: ويصح الزيادة في الرهن لافى الدين[6]

٣ – قال المحبوبي: والزيادة في الرهن تصح وفى الدين لا.[7]

٤ – قال ملا خسرو: الزيادة تصح في الرهن لا الدين.[8]

٥ – قال التمر تاشي: والزيادة في الرهن تصح وفى الدين لا.[9]

٦ – قال صدر الشريعة الأصغر: والزيادة فيه يصح وفى الدين لا[10]

---

١ – المعتصر على المختصر (٣٤٦)

٢ ـ بدائع الصنائع (٤/٥٢٠)

٣ ـ ملتقى الأبحر (٤/٣٠٥)

٤ ـ الدر المختار (١٠/١٤٩، ١٥٠)

٥ ـ المختار للفتوى (٢/٧٠)

٦ ـ كنز الدقائق (٤٤٧)

٧ ـ الوقاية (٤/٩٣)

٨ ـ غرر الأحكام (٧/٢١٨، ٢١٩)

٩ ـ تنوير الأبصار (١٠/١٤٩)

١٠ ـ النقاية (٢/١٥٤)

كتاب الحجر

[۸۳] اختلافی مسئلہ

قال أبوحنيفةؒ: لا يحجر على السفيه إذا كان عاقلاً بالغا حرا...... وقال أبويوسف و محمد -رحمهما الله تعالى-: يحجر على سفيه ويمنع من التصرف في ماله.

مفتی بہ قول:

فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) **قوله تعالیٰ ﴿ولا تؤتوا السفهاء أموالكم التى جعل الله لكم قياما وارزقوهم فيها واكسوهم﴾** [1]

آیت مذکورہ کے موافق مال سفیہ کے حوالے نہیں کیا جائے گا کہ اس میں تصرف کر سکے بلکہ اس کا مال اپنے زیر دست رکھ کر اس کی ضروریات کا بندوبست کیا جائے گا ففيه الحجر على السفيه.

(۲) **قوله تعالیٰ ﴿فإن كان الذى عليه الحق سفيها أو ضعيفا أو لا يستطيع أن يمل هو فليملل وليه بالعدل﴾** [2]

اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سفیہ کے معاملات اس کا ولی سرانجام دے یعنی خود سفیہ کو اس کے اپنے مال (و معاملات) میں بھی تصرف سے دور رکھا جائے۔

(۳) **عن ابن عباسؓ: أنه سئل عن الشيخ الكبير ينكره عقله ايحجر عليه؟ قال "نعم"** [3]

(۴) **ذكر البيهقي في سننه قضية عائشةؓ التي جرت مع ابن الزبيرؓ ثم قال في آخرها: "فهذه عائشةؓ لا تنكر الحجر وابن الزبير يراه"** [4]

۱۔ سورة النساء (٥)

۲۔ سورة البقرة (٢٨٢)

۳۔ إعلاء السنن (١٦/ ٣٢٥) عن البيهقي؛ وكذا في المصنف لابن أبي شيبة (٤/ ٣٦٢)، رقم (٢١٠٧١)

٤۔ السنن الكبرى (٦/ ٦١)، رقم (١١١١٩)

(۵) سفیہ چونکہ شعور مطلوب نہ ہونے کی بناء پر اپنا مال بے جا خرچ کر کے ضائع کرتا ہے اس لئے اس پر شفقت و ہمدردی کا مقتضا یہی ہے کہ اس پر حجر کیا جائے۔ (۱)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

وعند هما يحجر على الحر بالسفه والغفلة وبه أى بقولهما يفتي.

قال ابن عابدين:

قوله (به) أى بقولهما يفتي، به صرح قاضيخان في كتاب الحيطان وهو صريح فيكون أقوى من الإلتزام كذا قال الشيخ قاسم في تصحيحه ومراده أن ماوقع في المتون من القول بعدم الحجر على الحر مصحح بالا لتزام وما وقع في قاضيخان من التصريح بأن الفتوى على قولهما تصريح بالتصحيح فيكون هو المعتمد وجعل عليه الفتوى مولانا في فوائده. منح . وفى حاشية الشيخ صالح : وقد صرح في كثير من المعتبرات بأن الفتوى على قولهما وفى القهستانى عن التوضيح أنه المختار اهـ (۲)

❷ قال ابن نجيم:

قال رحمه الله (لا بسفه) يعني لا يحجر عليه بسبب السفه عندالإمام وقال أبو ابويوسف و محمد: يحجر عليه – إلى أن قال– وفي البزازية والفتوى على قولهما. (۳)

❸ قال الصاغرجي:

وقال الصاحبان: يحجر على السفيه ويمنع من التصرف في ماله اعتبارًا بالصبا– وقال بعد أسطر–: والفتوى على قولهما. (۴)

❹ وقال الزحيلي :

والحجر على السفيه هو المفتي به والمختارفي المذهب الحنفى. (۵)

❺ كذا في الكتب الأخر. (٦)

١ـ الهداية (٣/٣٥٥)

٢ـ الدرالمختار مع الرد(٩/٢٥٠،٢٤٩)

٣ـ البحر الرائق (٨/١٤٥،١٤٦)

٤ـ الفقه الحنفى وأدلته (٣/٥٦)

٥ـ الفقه الإسلامى وأدلته (٤٤٩٠)

٦ـ مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر (٤/٥٣) ، تنقيح الفتاوى الحامدية (٦/٣٥)، اللباب في شرح الكتاب (٢/١٥)، الدرالمنتقى (٤/٥٤)، كتاب الفقه على المذاهب الأربعة (٢/٣٠٩)، الاشباه والنظائر (١/٨٧)

[۸۴] اختلافی مسئلہ

وبلوغ الغلام بالإحتلام والإنزال والإحبال إذا وطیء فإن لم یوجد ذلک فحتی یتم له ثماني عشرة سنة عند أبي حنیفة –رحمه الله تعالی– وبلوغ الجاریة بالحیض والاحتلام والحبل فإن لم یوجد فحتی یتم لها سبع عشرة سنة وقال أبویوسف ومحمد –رحمهماالله تعالیٰ–: إذا تم للغلام والجاریة خمس عشرة سنة فقد بلغ.

مفتی بہ قول:

فتوی صاحبینؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن نافع عن ابن عمرؓ قال عرضني رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم یوم أحد في القتال وأنا ابن اربع عشرة سنة فلم یجزني وعرضني یوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة سنة فأجازني،قال نافع: فقدمت علی عمر بن عبدالعزیز وهو یومئذخلیفة فحدثته هذا الحدیث فقال إن هذا الحد بین الصغیر والکبیر فکتب إلی عمّاله ان یفرضوا لمن کان ابن خمس عشرة سنة ومن کان دون ذلک فاجعلوه في العیال. [۱]

۱۔ صحیح مسلم (۱/۱۳۱) رقم (۴۸۰۰)،وکذا انظر له: صحیح البخاری (۱/۳۶۶) رقم (۲۴۷۰)، مسند أبي عوانة (۴/۱۹۵) رقم (۶۴۷۲)، سنن أبي داود (۱۱/۴۸۴) رقم (۳۸۲۷)، جامع الترمذی (۶/۳۰۶) رقم(۱۶۳۳)، سنن إبن ماجه (۷/۴۳۶)رقم (۲۵۳۳)، مسند أحمد (۹/۴۶۸) رقم (۴۴۳۲)، مصنف ابن أبي شیبة (۷/۳۶۸)رقم (۳۶۷۶۶)، السنن الکبری للبیهقی (۶/۳۵۲)رقم (۱۲۷۸۳)، المعجم الکبیر للطبرانی (۱۰/۴۰۲) رقم (۱۲۸۶۶)، المعجم الأوسط للطبرانی (۲۰/۷۵) رقم (۱۱۲۹۱)، دلائل النبوه للبیهقی (۳/۴۷۸) رقم (۱۲۸۹)، مستخرج أبي عوانة (۱۳/۴۵) رقم (۵۲۲۳)، صحیح ابن حبان (۱۹/۴۶۹) رقم (۴۸۱۳)، مسند الشافعي (۳/۳۸۲) رقم (۱۴۱۶)، معرفة السنن والآثار (۱۰/۶۵) رقم (۳۷۴۰)، مسند الطیالسی (۵/۳۲۱) رقم (۱۹۵۹)، الأوسط لابن المنذر (۱۰/۳۸)رقم (۳۲۰۸)، السنة لمحمد بن نصر المروزی (۱/۱۳۱) رقم (۱۲۸)، ==

قال الشيخ تقي العثماني في أثناء شرح هذا الحديث:

قوله" ان هذا الحدّ بين الصغير والكبير" به استدل من جعل سن البلوغ خمس عشرة سنة في الغلام والجارية جميعا...... وهو المفتى به عند المشايخ الحنفية. (۱)

نیز محدثین نے اس حدیث پر جوعناوین قائم کیے ہیں وہ بھی پندرہ سال کی عمر کے''سن بلوغ'' ہونے پر شاہد ہیں جیسے

ا۔صحیح مسلم میں ہے "باب بیان سن البلوغ"

ب۔صحیح بخاری میں ہے"باب بلوغ الصبیان وشهادتهم"

ج۔مسند أبي عوانة میں ہے" بيان الخبر المبين بلوغ الصغار اھ"

د۔سنن أبي داوٗد میں ہے"باب في الغلام يصيب الحد"

ر۔جامع ترمذی میں ہے" باب ماجاء في حد بلوغ الرجل اھ"......وغير ذلك

(۲) بلوغ کے لئے چونکہ پندرہ سال کی عمر ہی معتاد وغالب ہے کیونکہ اس عمر میں علامات بلوغ کا ظہور، عادت غالبہ ہے لہٰذا جس پر کوئی علامت بلوغ ظاہر پذیر نہ ہو اس کے حق میں یہی سن ہی حد بلوغ ہے اس لیے کہ اصول یہ ہے کہ جن احکام میں کوئی نص نہ ہو وہاں عادت بھی حجج شرعیہ میں سے شمار ہوتی ہے فكذا ههنا۔ (۲)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى لقصر أعمار أهل زماننا(۳)

❷ قال ابن نجيم:

قوله (ويفتى بالبلوغ فيهما بخمسة عشر سنة) عند أبي يوسف و محمد وهذا ظاهر لا يحتاج

== السنن الصغير للبيهقي (۳۵۹/۷) رقم (۲۷۸٤)، السنن الماثورة للشافعي (۱٤۸/۲) رقم (٦۰۷)، الآحاد والمثاني لابن أبي عاصم (۳۳۱/۲) رقم (٦۹۳)، المحدث الفاصل بين الراوي والواعي للرامهرمزي (٦۱/۱) رقم (٥٥)، المنتقى لابن الجارود (۳۷٦/۲)رقم (۷۸٦)، حجة الوداع لابن حزم (۱٥/۲) رقم (٤۸۲)، معجم ابن الاعرابي (۱٦٦/۳) رقم (۱۱٦٥)، سنن سعيد بن منصور (٤۹٦/٥) رقم (۲۲۸۹)

۱۔ تكملة فتح الملهم (۳۸۲/۳)

۲۔ انظرله: المعتصر على المختصر (۳٥٤)، حاشية ابن عابدين (۲٦۰/۹)، الدر المنتقى (٦۱،٦۰/٤)

۳۔ الدر المختار (۲٦۰/۹)

إلى الشرح. (۱)

❸ في الهندية:

والسن الذى يحكم ببلوغ الغلام والجارية إذا انتهيا إليه خمس عشرة سنة عند أبي يوسف ومحمد رحمهما الله تعالىٰ وهو رواية عن أبي حنيفةؒ وعليه الفتوى. (۲)

❹ قال الشرنبلالي:

(ولمن بلغ بالسن) وهو خمس عشرة سنة على المفتي به في الغلام والجارية. (۳)

❺ كذا في الكتب الأخر. (۴)

[۸۵] اختلافی مسئلہ

قال ابو حنيفةؒ: لا أحجر في الدين على المفلس......

وقال ابو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالىٰ: إذا طلب غرماؤ المفلس الحجر عليه حجر القاضى عليه اھ۔

مفتی بہ قول:

فتوی صاحبینؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن ابن كعب بن مالك عن أبيه رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم حجر على معاذ (بن جبل) ماله وباعه في دين عليه. (۵)

۱۔ البحر الرائق (۸/۱۵٤)

۲۔ الهندية (٥/٦۱)

۳۔ مراقى الفلاح (۱۰۸)

٤۔ الكفاية (۹/۷۸)، ملتقى الأبحر (٤/٦۱)، الفقه الإسلامى للزحيلي (٦٦ ۲۹)، المجلة (۲/٦۳۳) المادة (۹۸٦)، درر الحكام (۱/۷٥)، المعتصر الضرورى (۳٥٤)، غرر الأحكام (۷/۲۸۲)، الحجة (۳/۷)، شرح الوقاية (۳/۳٤٦)، شرح ابن ملك على هامش مجمع البحرين (۳٤۱)

٥۔ المستدرك على الصحيحين (۲/٦۷) رقم (۲۳٤۸)، وكذا انظر له: السنن الكبرى للبيهقي (٦/٤۸) رقم (۱۱۰٤۱)، المعجم الأوسط للطبراني (٦/١٠٥) رقم (٥۹۳۹)، معرفة السنن والآثار للبيهقي (۱۰/٥٦) رقم (۳۷۳٤) ==

(۲) عن عبدالرحمن بن كعب بن مالک عن أبيه قال:

كان معاذ بن جبل رضي الله عنه شابا حليما سمحا من افضل شباب قومه ولم يكن يمسک شيئا فلم يزل يدان حتى أغرق ماله كله في الدين فأتى النبي صلى الله عليه و آله وسلم فكلم غرماء ه فلو تركوا أحدا من أجل أحد لتركوا معاذا من أجل رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم فباع لهم رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم يعني ماله حتى قام معاذ بغير شيء.[1]

(۳) دائنین کے حقوق کی پاسداری اوران کے مال کی ضیاع سے حفاظت اسی میں ہے کہ مدیون مفلس پر حجر عائد کیا جائے۔[2]

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن نجيم:

قوله (ودين وان طلب غرماؤه) يعني لا يحجر عليه بسبب الدين ولو طلب غرماؤه الحجر عليه وهذا عند الإمام لأن في الحجر عليه إهدار أهليته و إلحاقه بالبهائم وذلک ضرر عظيم فلا يجوز وعند هما يجوز عليه بسبب الدين وعلى قولهما الفتوى.[3]

❷ قال الزحيلي:

والمفتى به عند الحنفية هو قول الصاحبين وهو قول جمهور الفقهاء: وهو جواز الحجر على المدين المفلس في تصرفاته المالية.[4]

== قال الحاكم في "مستدركه" (۲/۶۷): هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه، ووافقه الذهبي. قال ابن الملقن في "البدر المنير" (۶/۶۴۵): هذا الحديث صحيح. وكذا راجع له: تحفة المحتاج في شرح المنهاج لابن حجر الهيتمي (۵/۱۱۹) ومختصر خلافيات البيهقي (۳/۳۸۸)

قلت: ورجح البعض أنه مرسل - كما في "التلخيص" (۳/۹۹) و "بلوغ المرام" (۲/۳۲)، و "الإلمام" (۱/۲۱۷) وغيرها - فهذا لا يضرنا لكونه مقبولا على أصلنا.

۱۔ السنن الكبرى (۶/۴۸) رقم (۱۱۰۴۲)، وكذا انظر له: المستدرك على الصحيحين (۳/۳۰۶) رقم (۵۱۹۲)، مصنف عبدالرزاق (۸/۲۶۸) رقم (۵۱۷۷)، المراسيل لأبي داود (۱/۱۷۲)، نيل الأوطار (۵/۳۰۰)، مسند أبي بكر (۱/۱۰۷) رقم (۴۹)، جامع الأحاديث (۲۵/۱۶۴)

قال الحاكم في "مستدركه" (۳/۳۰۶): هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه ووافقه الذهبي.

۲۔ الفقه الإسلامي للزحيلي (۹/۴۵۰)

۳۔ البحر الرائق (۸/۱۵۰)

۴۔ الفقه الإسلامي وأدلته (۹/۴۵۰)

❸ في الهندية:

وعند صاحبيه يجوز الحجر بما قال أبوحنيفةؒ وبثلاثة أسباب أخر وهي الدين والسفه والغفلة هكذا في فتاوى قاضيخان. (١)

❹ كذا قال ابن غانم البغدادي. (٢)

❺ وكذا اختاره ابن محمد عوض الجزيري في بيان مذهب الحنفية. (٣)

---

[٨٦] مسئلہ

ويحبسه الحاكم شهرين أو ثلاثة أشهر سأل عن حاله فإن لم ينكشف له مال خلّى سبيله.

مفتی بہ قول:

قول مفتی بہ کے موافق مدت حبس دو یا تین ماہ میں محصور نہیں ہے بلکہ یہ قاضی کی رائے پر منحصر ہے کہ وہ اسکی تفتیش حال کے لئے جتنا عرصہ مناسب سمجھے اس کو قید میں رکھے۔

مستدلہ:

دراصل حبس سے مقصود یہ ہے کہ مدیون قید سے تنگ آکر (مال ہونے کی صورت میں) اپنے مال کا پتہ بتادے اور اس قید وسلاسل کی صعوبتوں کو جھیلنے کا حوصلہ وہمت چونکہ مختلف لوگوں میں مختلف ہوتا ہے (کہ بعض لوگ بہت قلیل مدت میں پریشان ہوکر اظہار حال پر اتر آتے ہیں اور بعض دیگر، مدت کثیرہ کے بعد کبیدہ خاطر ہوکر مضطرب ہوتے ہیں) اس لئے اختلاف أحوال الناس کی بناء پر اس مدت حبس کا اندازہ قاضی کی رائے کے سپرد کیا جانا ہی مقتضائے امر ہے۔ (۴)

تخریجہ:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

ويحبس المديون في كل دين هو بدل مال أو ملتزم بعقد –إلى أن قال– فيحبسه حينئذ بمارأى

١ـ الفتاوى الهندية (٥/٥٤)

٢ـ مجمع الضمانات (٧/٤٥٣)

٣ـ كتاب الفقه على المذاهب الأربعة (٢/٣١٣)

٤ـ انظرله: الهداية (٣/١٤٥)، "فتح القدير" (٧/٢٦٣)، الكفاية الملحقه بالفتح (٧/٦٦)، البناية (١١/٢٤٥)

ولويوما هوا لصحيح.

قال ابن عابدين:

قوله (هو الصحيح) صرح به في الهداية لأن المقصود من الحبس الضجر والتسارع لقضاء الدين وأحوال الناس فيه متفاوتة. (١)

❷ قال ابن نجيم:

قوله(......فيحبسه بمارأى). وقوله "بمارأى" أى لا تقدير لمدة حبسه وانما هو مفوض إلى رأى القاضي بأنه للضجر والتسارع لقضاء الدين وأحوال الناس فيه متفاوتة وقدره في كتاب الكفالة بشهرين أو ثلاثة وفى روية الحسن بأربعة وفى رواية الطحاوى بنصف الحول والصحيح ما ذكره المصنفّ. (٢)

❸ في الهندية:

ثم اختلفت الرواية في تقدير تلك المدة -إلى أن قال- والصحيح أنه مفوض إلى رأى القاضي فإن مضى ستة أشهر وعلم تعنته يديم الحبس وإن مضى شهر وظهر عجزه وعسرته بأن شهدوا بافلاسه خلّاه. (٣)

❹ قال الخُوَارَزْمى:

قوله (يحبسه شهرين أو ثلاثة) وهو رواية محمدّ عن أبي حنيفةّ في كتاب الحوالة -إلى أن قال- والصحيح أن التقديرمفوض إلى رأى القاضى لأختلاف أحوال الأشخاص في احتمال الحبس والصبر عليه. (٤)

❺ كذافي الكتب الأخر. (٥)

١ـ الدرالمختارمع الرد (٧٤/٨)

٢ـ البحرالرائق (٤٨٠/٦)

٣ـ الفتاوى الهندية (٤١٥/٣)

٤ـ الكفايةالملحقة بالفتح (٦٦/٧)

٥ـ الفتاوى البزازية على هامش الهندية (٢٢٦/٥)، خلاصة الفتاوى (٤٦/٤)، مجمع الأنهر (٢٢٥/٣)، الهداية (١٤٥/٣)، المحيط البرهانى (٣٩/٩،٤٠)،النهر الفائق (٦١٥/٣)، تبيين الحقائق (١٨١/٤)، كشف الحقائق (٢٥/٢)، ملتقى الأبحر (٢٢٥/٣،٢٢٦)، الاختيار لتعليل المختار (٩٦/٢)، مجمع البحرين وملتقى النيرين(٧٤١)، المعتصر على المختصر (٣٥٧)، الجوهرة النيرة (٥٥٢/١)، الوقاية وشرحه (١٢٦/٣)، شرح النقاية (٣٠٠/٢)، الفقه الحنفى وأدلته (٥٩/٣)، لسان الحكام (٢٢٥/١)

[٨٧] اختلافی مسئلہ

لا يحول (القاضى) بينه وبين غرمائه بعد خروجه من الحبس بل يلاز مونه ولا يمنعونه من التصرف والسفر و يأخذون فضل كسبه فيقسم بينهم بالحصص (عند الإمام[١]) وقال ابويوسف ومحمد (رحمهما الله تعالى) إذا فلّسه الحاكم حال بينه وبين غرمائه الا أن يقيموا البينة انه قد حصل له مال.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے

قول مفتی بہ کا مستدل:

(١) عن هرماس بن حبيب العنبرى عن أبيه عن جده أنه استعدى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم على غريمه فقال الزمه ثم لقيه بعد ذلك فقال: ما فعل أسيرك يا أخا بني العنبر. [٢]

فقال شيخنا العثمانيّ بعد إيراده: "وهو صريح في أن للغريم ملازمة المديون"[٣]

(٢) عن ثور بن يزيد عن مكحول قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: "إن لصاحب الحق اليد واللسان"[٤]

قال العلامة المرغيناني في شرح كلماته: أراد باليد الملازمة وباللسان التقاضى[٥]

١ـ تبيين الحقائق (٥/٢٠٠،٢٠٤/١٨١)، الهندية (٥/٦٣)، مجمع الأنهر (٣/٢٨٤)

٢ـ السنن الكبرى للبيهقي (٦/٥٣) رقم (١١٦١٨) المعجم الكبير للطبراني (٢٢/٣٠٨) رقم (١٨٦٣٥)، سكت البيهقي وابن التركماني عنه۔

٣ـ إعلاء السنن (١٦/٣٣٣)

٤ـ سنن الدار قطني (٤/٢٣٢)، الكامل لأبن عدى (٦/٢٧٨) رقم (١٧٦٢)، وفي نصب الرأية (٤/١٦٦): وهو مرسل.

٥ـ الهداية (٣/٣٦١) وكذا في الجوهرة (١/٥٥٣) وبه قال الزحيلي (٤٥١٧)

(۳) عن أبي هريرة رضى الله عنه قال:

كان لرجل على رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم حق فأغلظ له فهمّ به أصحاب النبى صلى الله عليه وآله وسلم فقال النبى صلى الله عليه وآله وسلم: إن لصاحب الحق مقالا اهـ.[۱]

ويويده مايلى أيضاً:

(۴) عن جابر بن عبدالله قال:

كان معاذ بن جبل من أحسن الناس وجها وأحسنهم خلقا وأسمحهم كفّا فأدان دينا كثيرا فلزمه غرماؤه حتى تغيب عنهم أياما في بيته حتى استأدى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم غرماؤه فأرسل اليه يدعوه فجاءه ومعه غرماؤه فقالوا! يارسول الله! خذلنا حقنا منه فقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: رحم الله من تصدق عليه قال: فتصدق عليه ناس وأبى آخرون وقالوا! يارسول الله! خذلنا بحقنا منه قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: اصبر لهم يا معاذ قال: فخلعه رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم من ماله فدفعه إلى غرماءه فاقتسموه بينهم فأصابهم خمسة أسباع حقوقهم اهـ.[۲]

(۵) عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال: مطل الغنى ظلم وإذا أُتبع أحدكم على مليّ فليتبع.[۳]

قول مفتی بہ کی تخریج:

● قال التمرتاشي والحصكفي:

ولم يمنع غرماؤه عنه على الظاهر فيلا موزنه نهارا لا ليلاً إلا أن يكتسب فيه.

۱ـ صحيح مسلم(٥/٥٤)، رقم (٤١٩٤)، وكذا انظر له: صحيح البخارى (١٣٧/٦) رقم (٢٣٩٠)، مسند أحمد (٤٥٦/٢) رقم (٩٨٨١)، مسند الطيالسى (٣١١/١) رقم (٢٣٥٦)، مسندالشهاب (١٠٧/٢)رقم (٢٨٤)، سنن الترمذى (٦٠٨/٣) رقم(١٣١٧)، الطحاوى (٥٩/٤)رقم (٥٣٠٠)، شعب الايمان (٥٢٨/٧)رقم (١١٢٢٧)، مسند عبد بن حميد (٤٣٥/١) رقم (١٤٩٩)، جمهرة الاجزاء الحديثية (١٦٦/١)

۲ـ السنن الكبرى للبيهقى (٥٠/٦)رقم (١١٠٥٢)،المستدرك (٣٠٧/٣) رقم (٥١٩٥)؛ حذفه الذهبى من التلخيص لضعفه فذُكر ههنا تأييدا.

۳ـ صحيح مسلم (١٨/٢)رقم (٤٠٨٥)،وكذا انظر له: صحيح ابن حبان (٤٣٥/١١) رقم (٥٠٥٣)، المؤطاـ رواية يحى الليثى (٦٧٤/٢)رقم (١٣٥٤)، سنن أبي داود (٢٥٣/٣)رقم (٣٣٤٧)، سنن النسائى (٣١٧/٧) رقم (٦٤٩١)، سنن الدارمى (٣٣٨/٢)رقم (٢٥٨٦)، السنن الصغرى (١٢١/٢)رقم (٢١٨٣)، السنن الكبرى (٧٠/٦) رقم (١١١٦٩)، مسند أحمد (٤٦٥/٢)رقم (١٠٠٠٣)، مسند أبي يعلى (٢٢٩/١١) رقم (٦٣٤٤)

قال ابن عابدين:

قوله(على الظاهر): أى ظاهر الرواية وهو الصحيح.[1]

❷ في الهندية :

وفي الخانية وبعد ماخلى سبيله هل لصاحب الدين أن يلازمه ؟ اختلفوا فيه والصحيح أن له أن يلازمه.[2]

❸ قال ابن البزاز:

إذا اخرج المحبوس يدور معه المدعى أينما دار ولا يفارقه.[3]

❹ قال ابن عابدين الشامي (فى الجواب عن سوال هذا النوع): نعم وإذا تمت المدة ولم يظهر له مال خلى سبيله ولا يحول بينه وبين غرمائه بل يلازمونه ولا يمنعونهُ من التصرف والسفر ويأخذون فضل كسبه يقسم بينهم بالحصص.[4]

❺ إنما قول الإمام قول المتون (وهى قد صنِّفت لبيان ما اعتمد عليه المشايخ في المذهب)[5]

١ـ رد المحتار (٨/٧٨)

٢ـ الهندية (٣/٤١٥)

٣ـ الفتاوى البزازية (٥/٢٢٧)

٤ـ تنقيح الفتاوى الحامدية (٤/١١١)

٥ـ المختار للفتوى (٢/١٠٦)، الكنز (٢٧٨)، المجمع (٧٤١)، الوقاية: صاحبه لم يتعرض لهذه المسألة رأسا على ماعلمت

كتاب الإقرار

[٨٨] اختلافی مسئلہ

إن قال: له عليّ ثوب في عشرة أثواب لم يلزمه عند أبي يوسفؒ (وأبي حنيفة[١]) الا ثوب واحد وقال محمدؒ: يلزمه أحد عشر ثوبا.

مفتی بہ قول:

فتوی شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عام طور پر دس کپڑے، ایک کپڑے کے لئے ظرف نہیں ہوتے اور قاعدہ ہے کہ: ''**الممتنع عادة كالممتنع حقيقة**''[٢] دس کپڑوں میں معنیٰ ظرفیت ثابت نہ ہونے کی بناء پر فقط ایک کپڑا ہی لازم ہوگا جس کا لزوم محقق ہے۔[٣]

(۲)...... کلمہ ''فی'' جیسے ظرفیت کے معنیٰ میں مستعمل ہے اسی طرح ''بین ووسط'' کے معنیٰ میں بھی آتا ہے **كقوله تعالى:**

﴿فادخلي في عبادي﴾[٤] ای بین عبادی

چنانچہ معنیٰ ''ظرفیت'' و ''وسط'' کا اعتبار کرتے ہوئے مقر کے ذمے مزید دس کپڑوں کے لزوم وعدم لزوم میں شک واقع ہوگیا لہٰذا امر مذکورہ (یعنی لزوم وغیرہ) میں اصل کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اصل ''براءۃ الذمّ'' ہے۔ چنانچہ مزید ''عشرہ اثواب'' کی ذمہ داری سے بری ہوکر وہ فقط ایک ہی کپڑا دے گا۔[٥]

١ـ الهندية (٤/١٦٥)، مجمع الانهر(٣/٤٠٢)، الدر المنتقى (٣/٤٠٣)

٢ـ قواعد الفقه (١/٢٥)، القواعد والضوابط الفقهية (١/٢٩٨)، شرح القواعد الفقهية (١/١٢٨)

٣ـ انظرله: الجوهرة النيرة (١/٥٤٦)، المبسوط للسرخسي (٢٠/٣٣٩)، دررالحكام (٨/١٥٠)، تبيين الحقائق (٥/١٠)،حاشية چلپي على العناية (٨/٣٦٠)

٤ـ سورة الفجر(٢٩)

٥ـ مجمع الانهر (٣/٤٠٢)، التجريد للقدوری (٧/٣١٧٥)، حاشیہ:٢ ، الجوهرة (١/٥٦٤)، الاختيار (٢/١٤١)، المعتصر على المختصر (٣٦٤)

قول مفتی بہ کی تخریج:

● قال الحلبي والحصكفي:

واختلف في اقراره بثوب في عشرة أثواب حيث لزمه ثوب واحد عند أبي يوسف واحد عشر ثوبا عند محمد لأن النفيس قديلف في عشرة، قلنا: الثوب لا يصان في عشرة عادة بل لا تكون وعاء...... وهو قول الإمام.قلت:وبه جزم في التنوير وقدمه المصنف واعتمده صاحب الدرر وغيره فكان هو المعتمد. (١)

● قال الميداني:

(وإن قال:له عليّ ثوب في عشرة أثواب لم يلزمه عند أبي حنيفةؒ و أبي يوسفؒ إلا ثوب واحد وقال محمدؒ: يلزمه أحد عشر ثوبا)...... والصحيح قولهما. (٢)

● قال إبراهيم الحلبي:

وإن بثوب في عشرة أثواب، لزمه ثوب واحد عند أبي يوسفؒ وأحد عشر عند محمدؒ (٣) (فالقول المقدم فيه راجح كما هو المعروف من دأبه في المختار عنده على ماصرح به الشاميؒ في شرح العقود)

● في شرح المجلة:

وكذا لو أقرّ إنسان قائلا "لفلان عندي ثوب في عشرة أثواب"يكون إقراره بثوب واحد لا بعشرة أثواب لأن العشرة أثواب لا يجوز أن تكون ظرفا فالثوب واحد فإن ذلك ممتنع عادة وبما أن الممتنع عادة كالممتنع حقيقة فتكون كلمة "في عشرة" لغوا ولا يعمل بها. (٤)

● قال الزيلعي:

قال رحمه الله (وبثوب في عشرة له ثوب)–ثم ذكر الشارح الموصوف في شرح الاختلاف المذكور وقال في آخره ردّاً على الإمام محمدؒ بقوله –:

"وقوله (أى قول محمدؒ): النفيس من الثياب قديلف في عشرة أثواب منقوض بما إذا قال غصبت منه كرباسا في عشرة أثواب حرير فانه يلزمه الكل عنده مع أنه ممتنع عرفا"– فهذا الرد منه يدل

١ـ الدرالمنتقى (٣/٣٠٤)

٢ـ اللباب في شرح الكتاب (٢/٢٣)

٣ـ ملتقى الأبحر (٣/٢٠٤)

٤ـ درر الحكام شرح مجلة الأحكام (١/٤٢،٤٣)

على تضعيف قوله وترجيح قولهما وتقويته كما هو الظاهر من صنيعه. (١)

● وكذا اعتمد أصحاب المتون على قولهما من بين الأقوال (٢) فهذا ترجيح له ايضاً.

[٨٩] اختلافی مسئلہ

إذا قال: له عليّ من درهمٍ إلى عشرة لزمه تسعة عند أبي حنيفة...... وقالا: يلزمه العشرة كلها.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

اصول ہے کہ "غایہ، مغیا میں داخل نہیں ہوتا کیونکہ حد، محدود کا غیر ہوتی ہے" (٣)

اس اصول کے باوجود مسئلہ مذکورہ میں غایہ اولی (یعنی ابتداءِ غایۃ) کا ادخال ضروری قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس (غایۂ اولی) کے بدوں دوسرے تیسرے درہم کا تحقق ہی محال ہے لہٰذا بناء برضرورت غایہ اولی کو داخل کر دیا گیا اس لئے کہ قاعدہ ہے "الضرورات تبیح المحظورات" (٤) اور غایہ ثانیہ (یعنی انتہائے غایت) میں چونکہ ضرورت بالا تحقق نہیں ہے اس لئے اس کو داخل نہیں کیا گیا لہٰذا پہلے نو درہم ہی لازم ہوں گے اور آخری (دسواں) درہم خارج از اقرار شمار ہوگا۔ (٥)

١ـ تبيين الحقائق (١٠/٥)

٢ـ كنز الدقائق (٣٢٧)، مجمع البحرين (٣٥٥)، الوقاية (٢٣٥/٣)، المختار: صاحبه لم يتعرض لها أصلاً، غرر الأحكام (١٥٠/٨)، تنوير الأبصار (٤٢٠/٨)

٣ـ انظرله كتب أصول الفقه الآتية:

كشف الأسرار (٣١٦/٣)، البحر المحيط (١٩١/٤) ......وعزاه إلى الجمهور، غمز عيون البصائر (٤٤/٣)...... وقال: مشى عليه أصحاب المتون المعتبرة، شرح التلويح على التوضيح (٢٤٠/٣، ٢٤٧)، إرشاد الفحول (٢٦٢/١)......وحكاه عن الجمهور.

٤ـ يشهد لها مايليك من الكتب في اصول الفقه:

المنثور في القواعد (٣٨٢/٢)، التقرير والتحبير (٥٦/٦)، الأشباه والنظائر (١٥٥/١)، أنوار البروق في انواء الفروق (٣٨٣/٧)، شرح الكوكب المنير (٣٧/٣)، حاشية العطار على شرح الجلال المحلي على جمع الجوامع (٣٧١/٥)

٥ـ درر الحكام (١٥٢/٨)، ردالمحتار (٤٢٠/٨)، التبيين للزيلعي (١١/٥)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن النجار:

فلو قال: "له من درهم إلى عشرة" لزمه تسعة على الصحيح لدخول الأول وعدم دخول العاشر (١)

❷ قال الحلبي:

وفي قوله "عليّ من درهم إلى عشرة أو مابين درهم إلى عشرة" يلزمه تسعة وعندهما عشرة(٢)

(فالقول المقدم فيه هو الراجح على مامر غير مرة حسب تصريح الشاميّ به)

❸ قال قاضيخان (في نظيرها والعلة في كلتيهما متحدة كما يظهر لك فيما يتأتى):

لوقال: له عليّ مابين مائة إلى مائتين في قول أبي حنيفةؒ يلزمه مائة وتسعة وتسعون يدخل فيه الغاية الأولىٰ دون الثانية (٣) (ولم يذكر فيها قولهما فالاقتصار على قول أبي حنيفةؒ ترجيح له)

❹ وقول الإمامؒ قول المتون وهذا من امارات ترجيحه ايضاً:.

١- قال الموصلي:

ولو قال: له على من درهم إلى عشرة أو مابين درهم إلى عشرة ،لزمه تسعة. (٤)

٢- قال النسفي:

له على من درهم إلى عشرة أو مابين درهم إلى عشرة له تسعة. (٥)

٣- قال المحبوبي:

وفي" من درهم إلى عشرة ومابين درهم إلى عشرة" عليه تسعة. (٦)

٤- قال ملا خسرو:

وفي "من درهم إلى عشرة أو مابين درهم إلى عشرة" تسعة (٧)

٥- قال التمرتاشي:

ومن درهم إلى عشرة أو ما بين درهم إلى عشرة، تسعة(٨)

١ـ شرح الكوكب المنير (١/٢٤٦).

٢ـ ملتقى الأبحر (٣/٤٠٣)

٣ـ الفتاوى الخانية (٣/١٣٥،١٣٦)

٤ـ المختار للفتوىٰ (٢/١٤١)

٥ـ كنزالدقائق (٣٢٧)

٦ـ الوقاية (٣/٢٣٦)

٧ـ غررالأحكام (٨/١٥٢)

٨ـ تنوير الأبصار (٨/٤٢٠)

[۹۰] اختلافی مسئلہ

وإن قال: له عليّ ألف من ثمن عبد ولم يعّينه لزمه الألف في قول أبي حنيفة.

توضیح المسألۃ مع سرد الخلاف:

ولو قال: له عليّ ألف درهم من ثمن عبد اشتريته منه ولم أقبضه......ولم يعّينه (أی ذلک العبد المشتریٰ) لزمه الألف ولا يصدّق في قوله ما قبضت عند أبي حنيفةؒ وصل أم فصل (أی سواء وصل قوله "ما قبضت العبد المشتریٰ" بكلامه السابق أو فصل عنه [۱])

وقال أبويوسف ومحمد رحمهما الله تعالٰی : ان وصل صُدّق ولم يلزمه شيء وان فصل لم يصدّق [۲]

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

مقر کا صدر کلام کلمۂ "عَلَیّ" کی بدولت وجوب الف کے اقرار پر مشتمل ہے پھر اس کا آخر میں انکار قبض کے ذریعے منافیٔ وجوب کلام کا کرنا، اقرار سابق سے رجوع ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ بندوں کے حق میں اقرار سے رجوع مطلقا درست نہیں ہوتا (موصولاً ہو خواہ مفصولاً) [۳] كما في مايليك من الأثر وغيره:

(۱) عن إبراهيم النخعي أن رجلا أقرّ عند شريح ثم ذهب ينكر فقال له شريح: شهد عليک ابن اخت خالتک [۴]

۱۔ نتائج الافکار (۸/۳۸۰)

۲۔ مجمع الضمانات (۶/۴۸۰)

۳۔ انظرله: تبيين الحقائق (۵/۱۸)، الجوهرة النيرة (۱/۵۵۶)، الفقه الإسلامي وأدلته (۶۱۱۲)

۴۔ السنن الكبرى (۶/۸۴)، رقم (۱۱۷۸۴) وسنده صحيح كما في "الإعلاء" (۱۵/۴۸۷)

قال العلامة العثمانيؒ تحته: دلالته على بطلان رجوع المقر عن إقراره ظاهرة.[1]

(٢) قال ابن قدامة:

لا يقبل رجوع المقر عن إقراره إلا فيما كان حداً لله تعالىٰ يدرأ بالشبهات ويحتاط لإسقاطه. فأما حقوق الآدميّين وحقوق الله تعالىٰ لاتدرأ بالشبهات كالزكاة والكفارات فلا يقبل رجوعه منها ولا نعلم في هذا خلافا (أى كذا الجواب عند الحنفية ايضاً)[2]

قول مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال الحلبی والحصکفی:

وإن قال: له علي ألف من ثمن عبد اشتريته منه ولم أقبضه......وإن لم يعينه لزمه الألف مطلقا وصل أم فصل –إلى أن قال– وهذا عنده وعندهما إن وصل صدّق والمعتمد الأول.[3]

❷ قال التمرتاشي والحصكفي:

وإن قال: له عليّ ألف من ثمن عبد ما قبضته...... وإن لم يعين العبد لزمه الألف مطلقا وصل أم فصل وقوله ماقبضته لغو لأنه رجوع.[4]

قال ابن عابدين: قوله " ماقبضته" بعد قوله "له على كذا" رجوع فلا يصح.[5]

❸...... قال إبراهيم الحلبي:

وإن قال: له على ألف من ثمن عبد لم أقبضه فإن عينه قيل للمقرله سلم وتسلم إن شئت وإن لم يعيّنه لزمه الألف ولغا قوله لم أقبضه......وعندهما إن وصل صدق[6] (فالقول المقدم فيه هو الراجح على ما مرّ)

❹ قول الإمامؒ قول المتون:

١– قال الموصلي: ولو قال: له عليّ ألف من ثمن عبد لم أقبضه ولم يعينه لزمه الألف[7]

١ـ إعلاء السنن (٤٨٧/١٥)

٢ـ المغنى (٣٨٩/١٠)

٣ـ الدر المنتقى (٤١٠/٣)

٤ـ الدرالمختار (٤٣٣،٤٣٢/٨)

٥ـ حاشية ابن عابدين (٤٣٢/٨)

٦ـ ملتقى الأبحر (٤١٠،٤٠٩/٣)

٧ـ المختار للفتوىٰ (١٤٥/٢)

٢- قال النسفي: ولو قال: على ألف من ثمن عبد لم أقبضه فإن عيّن العبد وسلمه إليه لزمه الألف وإلا لا، وإن لم يعين لزمه الألف[١]

٣- قال المحبوبي:

فإن قال: له على ألف من ثمن عبد ما قبضته وعيّنه فإن سلمه المقرله لزمه الألف وإلا لا وإن لم يعين لزمه ما قبضته لغو. [٢]

٤- قال التمرتاشي:

وإن قال: له على ألف من ثمن عبد ما قبضته موصولا وعينه فإن سلّمه إلى المقرلزمه الألف وإلا لا وإن لم يعين لزمه الألف. [٣]

٥- قال ملا خسرو:

وصح -أي الإقرار- بألف من ثمن قنّ عيّنه وأنكر قبضه -إلى أن قال- وإن لم يعيّنه لزم ولغا إنكاره وصل أو فصل. [٤]

---

[٩١] اختلافی مسئلہ

ان قال: له على ألف من ثمن متاع وهي زيوف. فقال المقرله: جياد، لزمه الجياد في قول أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- وقال أبويوسف و محمد -رحمهما الله تعالى-: إن قال ذلك موصولا صدّق وإن قاله مفصولا، لا يصدّق.

مفتی بہ قول:

فتوی امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔

١- كنزالدقائق (٣٢٨،٣٢٩)

٢- الوقاية (٣/٢٣٩)

٣- تنوير الأبصار (٨/٤٣٢،٤٣٣)

٤- غرر الأحكام (٨/١٦٨)

قول مفتی بہ کا مستدل:

مقر کا صدرِ کلام مطلق وجوبِ الف کے اقرار پر مشتمل ہے اور بیع میں عادۃً سامان، دراہم جیاد (کھرے پیسوں) کے عوض فروخت کیا جاتا ہے کوئی اپنا سامان کھوٹے پیسوں کے بدلے نہیں بیچتا اس لئے بعد میں یہ کہنا کہ یہ کھوٹے تھے، اقرارِ سابق سے رجوع ہے۔

والأصل في هذا الباب أن الرجوع عن الإقرار في حقوق الناس لا يصح . فبطل الرجوع وبقى الإقرار كما مر سابقا. [1]

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال قاضي خان:

إذا قال: لفلان عليّ ألف درهم من ثمن مبيع أو قال من قرض الا أنها زيوف أو نبهرجة لا يصدق في قول أبي حنيفةؒ وقالا: يصدق إذا كان موصولا[2] (فالقول المقدم فيه راجح كما عرفته سابقا)

❷ قال الحلبي:

ولو قال من ثمن متاع أو أقرضني وهي زيوف أو نبهرجة لزمه الجياد وقالا: يلزمه ماقال إن وصل[3] (القول المقدم فيه راجح ايضاً على ما صرح به الشاميؒ في شرح العقود و المصنف في المقدمة)

❸ قول الإمامؒ قول المتونؒ (فهذا من أمارات ترجيحه كما لايخفى):

١ – قال الموصليؒ: ولو قال: من ثمن متاع أو أقرضني ثم قال: هي زيوف أو نبهرجة، وقال المقرله : جياد فهي جياد. [4]

٢ – قال النسفي: ولو قال: من ثمن متاع أو اقرضني وهي زيوف أو نبهرجة لزمه الجياد[5]

٣ – قال المحبوبي: وفي "من ثمن متاع أو قرض وهي زيوف أو نبهرجة أو ستوقة أو رصاص" لزمه الجيد[6]

---

١ ـ مستفاد من: مجمع الانهر (٣/٤١٠)و قرة عيون الاخيار (١٢/١٩٤)

٢ ـ الفتاوى الخانية على هامش الهندية (٣/١٤٣)

٣ ـ ملتقى الأبحر (٣/٤١٠)

٤ ـ المختار للفتوى (٢/١٤٥)

٥ ـ كنز الدقائق (٣٢٩)

٦ ـ الوقاية (٣/٢٣٩)

۴- قال التمرتاشي (والحصكفي): ولو قال: له عليّ ألف من ثمن متاع اوقرض وهي زيوف مثلاً لم يصدق أصلاً لأنه رجوع.[۱]

۵- قال ملا خسرو: وفي" من ثمن متاع أو قرض وهي زيوف أو نبهرجة أو ستوقة أو رصاص" لزمه الجيد.[۲]

[۹۲] اختلافی مسئلہ

وإن قال: لحمل فلانة عليّ ألف درهم فإن قال: أوصى له فلان أو مات أبوه فورثه فالإقرار صحيح وإن أبهم الإقرار لم يصح عند (أبي حنيفةؒ على قولٍ[۳] و) أبي يوسفؒ -رحمه الله تعالى- وقال محمد -رحمه الله تعالى- : يصح.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) اپنے ذمے کسی غیر کی رقم کا مطلق اقرار کرنے کا متبادر مطلب یہ ہوتا ہے کہ مقر کے ذمہ یہ رقم مقر لہ کے ساتھ کوئی مالی معاملہ (مثلاً بیع، قرض وغیرہ) کرنے کے سبب لازم ہوئی ہے اور حمل کے بارے میں اس کا تصور بھی محال ہے لہٰذا (بیانِ سببِ صحیح کے بغیر اقرارِ مبہم کی صورت میں) مقر کا یہ اقرار لغو گردانا جائے گا اور اس کے ذمہ کچھ لازم نہیں ہوگا۔[۴]

(۲) اقرارِ مبہم صحت وفساد ہر دو جہات کا احتمال رکھتا ہے۔ چنانچہ وصیت ومیراث پر محمول کرنے سے اگر یہ اقرار درست ہو سکتا ہے تو بیع وغصب وغیرہ پر حمل کرنے سے فاسد ہو جاتا ہے جیسا کہ خود "حمل/جنین" وجود وعدمِ وجود دونوں کا محتمل ہے، اور یہ اصول ہے کہ شک صحتِ اقرار سے مانع ہوتا ہے فلم يصح الإقرار فيما نحن فيه۔[۵]

۱۔ تنوير الأبصار (۸/۴۳۳)

۲۔ غرر الأحكام (۸/۱۷۰)

۳۔ تكملة رد المحتار (۱۲/۱۶۸)، اللباب في شرح الكتاب (۲/۲۵)، الفقه الإسلامي للزحيلي (۶۱۰۱)

۴۔ مستفاد من: المعتصر على المختصر (۳۶۷)، المبسوط للسرخسي (۲۰/۴۰۱)

۵۔ الموسوعة الفقهية (۶/۵۸)

قول مفتی بہ کی تخریج:

● قال التمرتاشي والحصكفي:

أو أبهم الإقرار ولم يبين سببا لغا و حمل محمدؒ المبهم على السبب الصالح وبه قالت الثلاثة

قال علاؤ الدين الشامي:

قوله (وحمل محمدؒ المبهم على السبب الصالح)- وقال بعد بسط الكلام في المرام -- ثم قال الملا عبدالحليم: وقيل أبوحنيفةؒ مع أبي يوسفؒ واختار صاحب الهداية قول أبى يوسف على ما هو دأبه في ترتيب المسائل وتبعه صاحب الوقاية حيث ترك قول محمدؒ رأسا إشارةً إلى رجحان قول أبى يوسف وعليه أكثر الشراح حيث قووا دليله اهـ. ثم قال: فظهر أن قول أبي يوسف هو المختار وأقوى.[1]

● قال ابن نجيم المصرى:

(وصح الإقرار بالحمل) ...... وله (أى للحمل) إن بيّن سببا صالحا وإلا فلا كما إذا أبهم أو بيّن سببا غير صالح كالقرض. [2]

● إنما اعتمد أصحاب المتون على قول أبى يوسفؒ[3] فهذا ترجيح له أيضا.

١ـ قرة عيون الأخيار /تكملة رد المحتار (١٢/١٦٨)

٢ـ البحر الرائق (٧/٤٢٧)

٣ـ المختار للفتوى (٢/١٤١)، كنز الدقائق (٣٢٧)، الوقاية (٣/٢٣٧)، ملتقى الأبحر (٣/٤٠٣، ٤٠٤)، النقاية (٢/٣٣٤)، تنوير الأبصار (٨/٤٢٢)، غرر الأحكام (٨/١٥٣)

كتابُ الإجارة

[۹۳] اختلافی مسئلہ

إن كَبَحَ الدابة (أى المستأجرة) بلجامها أو ضربها فعطبت ضمن عند أبي حنيفة وقال أبويوسف ومحمد: لا يضمن.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(١) قال الثورى: وقال مطرف عن الشعبى: يضمن ما أعنت بيده. [١]

ضرب وکبح بھی چونکہ افعالِ ید میں سے ہیں اس لئے صورت مذکورہ میں اس اثر کے موافق وہ ضامن بنے گا۔

(٢) عن الشعبى عن شريح في رجل استأجر رجلا يعمل على بعيره فضرب البعير ففقأ عينه، قال: يضمنه. [٢]

(٣) مالک نے بشرطِ سلامت اس مستأجر کو رکوب کی اجازت دی تھی نہ کہ ضرب وکبح کی جبکہ جانور کو ان کے بغیر چلانا ممکن و متحقق بھی ہے۔ لہٰذا یہ امور (یعنی ضرب وکبح جن سے جانور ہلاک ہوا ہے) از قبیلِ تعدی شمار ہو کر موجبِ ضمان ہوں گے۔ [٣]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

وإذا كبح الدابة بلجامها أى جذبها إلى نفسه بعنف أو ضربها فعطبت ضمن عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- وعليه الفتوى. [٤]

١۔ مصنف عبدالرزاق (٢١٧/٨) رقم (١٤٩٤٦)

٢۔ ايضاً، رقم (١٤٩٤٧)

٣۔ انظر له: المبسوط للسرخسي (١٧٤/١٥)، البحرالرائق (٢٥/٨)، درر الحكام (٦٣/٧)، الجوهرة النيرة (٥٨٢/١)

٤۔ الهندية (٤٩٣/٤)

❷ قال الحداد الزبيدى:

قوله (فإن كبح الدابة بلجامها) أى جذبها إلى نفسه بعنف (أو ضربها فعطبت ضمن عند أبي حنيفة) وعليه الفتوى [1]

❸ قال إبراهيم الحلبي:

وإن كبحها أو ضربها فعطبت ضمن (أى عند الإمام) خلافا لهما. [2]

أقول: وذكر العلامة قول الإمام مقدما ترجيح له كما هو دأبه في الراجح عنده على ما في شرح العقود. [3]

❹ قال أبو محمد البغدادى: ولو كبحها باللجام أو فقأ عينها يضمن. [4]

❺ كذا في الكتب الأخر. [5] حيث مال مؤلفوها إلى اختيار قول الإمام

❻ قد جرى أصحاب المتون على قول أبي حنيفة [6] (وهذا من ترجيحه)

---

١ ـ الجوهرة النيرة (١/٥٨٢)

٢ ـ ملتقى الأبحر (٣/٥٢٥، ٥٢٦)

٣ ـ تقدم تخريجه

٤ ـ مجمع الضمانات (١/٣٨٣)

٥ ـ المبسوط للسرخسي (١١/١٤٧)، المعتصر على المختصر (٣٧٧)، وكذا يستفاد من تفصيل "الفقه الحنفي في ثوبه الجديد" (٤/٣٨٠)

٦ ـ المختار للفتوى (٢/٥٦)، الوقاية (٣/٢٩٥)، كنز الدقائق (٣٦٢)، تنوير الأبصار (٩/٦٤)، غرر الأحكام (٧/٦٣)

[۹۴] اختلافی مسئلہ

فالمشترک من لا يستحق الأجرة حتى يعمل كالصبّاغ والقصار والمتاع أمانة في يده إن هلك لم يضمن شيئا عند أبي حنيفة -رحمه الله- وقالا (رحمهما الله): يضمنه.

مفتی بہ قول:

مسئلہ مذکورہ میں دونوں اقوال کی تصحیح کی گئی ہے مگر قولِ صاحبینؒ استحسان ہے اور بالخصوص ہمارے زمانہ میں (لوگوں کے اَحوال میں تغیرآ جانے کی وجہ سے) اختیار للفتویٰ کے زیادہ لائق ہے۔ البتہ اس میں قدرے تفصیل ہے کہ اگر وہ سامان ایسے سبب سے ہلاک ہوا جس سے بچنا ممکن تھا تو ضامن ہوگا ورنہ نہیں۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن الاشعث يعنى ابن أبى الشعثاء قال: شهدت شريحا ضمن قصّارًا أو صباغا. (۱)

(۲) عن علي -رضى الله عنه- أنه كان يضمن الصباغ والصائغ وقال: لا يصلح للناس إلا ذاک.(۲)

(۳) عن بكير بن عبدالله بن الأشج أن عمر بن الخطاب -رضى الله عنه- ضمن الصباغ الذى يعمل بيده. (۳)

(۴) عن الحكم قال يضمن الصباغ والقصار وكل أجير مشترک. (۴)

(۵) حدثنا شعبة عن أبي الهيثم أنه قدم دهن له من البصرة وأنه استاجر حمالا يحمله والقارورة ثمن ثلثمائة أو أربعمائة فوقعت القارورة وانكسرت فأردت ان يصالحنى فأبى فخاصمته إلى شريح فقال له شريح انما أعطى الاجر لتضمن فضمنه شريح. (۵)

۱۔ السنن الكبرى للبيهقى(۱۲۲/٦) رقم (۱۱٤٤۸)، مسند ابن الجعد (۳۲۸/۱) رقم (۲۲٥۰)

۲۔ السنن الكبرى للبيهقى (۱۲۲/٦) رقم (۱۱٤٤٦)

۳۔ مصنف عبدالرزاق (۲۱۷/۸) رقم (۱٤۹٤۹)، فيه بعض أصحاب المحدث عبدالرزاق مجهول وعبدالرزاق ثقة.

٤۔ مصنف ابن أبي شيبة (۳٦۱/٤) رقم (۲۱۰٥۸)

٥۔ سنن البيهقى الكبرى (۱۲۲/٦) رقم (۱۱٤٤۹)

(٦)...... ضمان کی صورت میں اَموال الناس کی حفاظت ہے اور عدمِ ضمان میں ان کے اَموال کے ساتھ عدمِ اعتناء کا قوی اندیشہ ہے الغرض اُجراء کو جب معلوم ہوگا کہ ہلاک کی صورت میں ان پر ضمان آئے گا تو وہ حفاظت کی پوری کوشش کریں گے وهو المطلوب في مال الغير۔(١).

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

وحكم الأجير المشترك أن ما هلك في يده من غير صنعه فلا ضمان عليه في قول أبي حنيفةؒ...... وقال أبويوسف و محمدؒ: إن هلك بأمر يمكن التحرز عنه فهو ضامن وإن هلك بأمر لا يمكن التحرز عنه فلا ضمان –إلى أن قال– وبقولهما يفتى اليوم لتغير أحوال الناس وبه يحصل صيانة أموالهم. (٢)

❷ قال الزيلعي:

قال رحمه الله (والمتاع في يده غير مضمون بالهلاك) ...... وهذا عند أبي حنيفة وزفر والحسن بن زياد رحمهم الله تعالى وهو القياس وقالا: يضمن إلا إذا هلك بأمر لا يمكن التحرز عنه –وقال بعد أسطر– وبقولهما يفتي اليوم لتغير أحوال الناس وبه تحصل صيانة أموالهم. (٣)

❸ قال الزحيلي:

قال البغدادى عن بعض كتب الحنفية: وبقول الصاحبين يفتى اليوم لتغير أحوال الناس وبه يحصل صيانة أموالهم. (٤)

❹ **قال التمرتاشي: ولا يضمن ما هلك في يده وإن شرط عليه الضمان وبه يفتى.**

قال الشاميؒ:

وقال بعضهم: قول أبي حنيفةؒ قول عطاء وطاؤوس وهما من كبار التابعين وقولهما قول عمرؓ و عليؓ وبه يفتى احتشاما لعمر و علي وصيانة لأموال الناس. والله أعلم (٥)

❺ **قال أبو محمد البغدادى:**

١ـ الجوهرة النيرة (١/٥٨٣)، الفقه الحنفي وأدلته (٢/٧٩).

٢ـ الهندية (٤/٥٠٠)

٣ـ تبيين الحقائق (٥/١٣٥)

٤ـ الفقه الإسلامي وأدلته (٣٨٤٨)

٥ـ رد المحتار (٩/١١٠)

ان الفتوى على قولهما سواء شرط الضمان عليهما أو لم يشرط. (۱)

● كذا في الكتب الأخر. (۲)

[۹۵] اختلافی مسئلہ

ومن استأجر رجلا ليضرب له لبنا استحق الأجرة إذا أقامه عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- وقال أبويوسف ومحمد -رحمهما الله تعالى-: لا يستحقها حتى يشرّجه.

مفتی بہ قول:

فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

تشریج، تمامِ عمل میں سے ہے (یعنی اسی کام کا ہی حصہ ہے) کیونکہ اینٹوں کو تہ بہ تہ لگا کر جوڑنے سے پہلے ان کے خراب ہوجانے کا قوی اندیشہ ہے۔

نیز عرف میں اینٹیں بنانے کا کام کرنے والے مزدور اینٹیں خشک کرنے کے بعد تہ بہ تہ لگا کر دیتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ: "المعروف كالمشروط(۳)"۔ (۴)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

● قال التمرتاشي والحصكفي:

ولضرب اللبن بعد الإقامة، وقالا: بعد تشريجه: أي جعل بعضه على بعض وبقولهما يفتى.(۵)

۱۔ مجمع الضمانات (۱/۱۷۷)

۲۔ حاشية چلپي علي العناية على هامش النتائج (۹/۱۲٤)، الدر المنتقى (۳/٥٤٤)، الفقه الحنفي في ثوبه الجديد (٤/٤١١)، البحرالرائق (۸/٤۸)، معين الحكام (۲۰۳)

۳۔ قواعد الفقه (۱/۱۲٥) رقم القاعدة (۳۳٤)، الأشباه والنظائر (۹۹)

٤۔ انظر له: التبيين للزيلعي (٥/۱۱۰)، الجوهرة النيرة (۱/٥۸۹)

٥۔ الدر المختار (۹/۳۸)

❷ قال الحصكفي:

(ولضارب اللبن بعد اقامته وقالا: بعد تشريجه) ...... قلت: وبقولهما يفتى. [1]

❸ قال قاسم بن قطلوبغا:

قوله (ومن استأجر رجلا ليضرب له لبنا سماه استحق الأجرة إذا أقامه عند أبي حنيفة الخ)......
وقال في العيون: الفتوى على قولهما. [2]

❹ قال سليمان الهندى:

قوله (لا يستحقها حتى يشرجه): لأن التشريج من تمام العمل ولا يومن عليه من الفساد قبله وبقولهما يفتى. [3]

❺ قال السرخسي:

قال رحمه الله: و إذا استاجر الرجل رجلا ليضرب له لبنا ...... فإن أقامه فهو برئ منه اللبان في قول أبي حنيفة ولـه الأجر وإن فسد بعد ذلك وعندهما لا حتى يجف فإذا جف وأشرج فحينئذ له الأجر ومذهبهما استحسان اعتبرا فيه العرف. [4]

❻ كذا عدّ الطحطاوى [5] والزيلعى [6] مذهبهما من الاستحسان ولا يخفى أن الإستحسان من وجوه الترجيح إلا في مسائل معدودة وهذه ليست منها.

١ـ الدر المنتقى (٣/٥١٨)

٢ـ الترجيح والتصحيح (٢٢٦)

٣ـ المعتصر على المختصر (٣٨٢)

٤ـ المبسوط (٦/٣٦١)

٥ـ حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٤/١٠)

٦ـ تبيين الحقائق (٥/١١٠)

[٩٦] اختلافی مسئلہ

إن قال (للخياط): إن خطته اليوم فبدرهم و إن خطته غدا فبنصف درهم فإن خاطه اليوم فله درهم و إن خاطه غدا فله أجرة مثله عند أبي حنيفةؒ ولا يتجاوز به نصف درهم.

وقال أبويوسف و محمد -رحمهما الله تعالى-: الشرطان جائزان وأيهما عمل استحق الأجرة.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

''آج'' سینے کے بدلے میں ایک درہم دینا تعجیل کی غرض سے ہے لہٰذا اجارہ درست ہوگیا اور ''آج'' ہی سی دینے پر خیاط (صحتِ اجارہ کی بدولت) ایک درہم کا مستحق ہوگا اور ''کل آئندہ'' سینے پر نصف درہم کا کہنا تعلیق کی قبیل سے ہے لہٰذا اجارہ معلق ہونے کی بنا پر فاسد ہوگیا اور صورتِ فساد میں اجرِ مثلی واجب ہوتا ہے اس لیے اسے نصف درہم کی بجائے اجرِ مثلی ملے گا البتہ وہ نصف درہم سے متجاوز نہیں ہوگا (کیونکہ وہ نصف درہم ان دونوں کے درمیان ایک دفعہ طے ہو چکا ہے اور خیاط کی جانب سے بھی اس پر رضامندی ثبت ہو چکی ہے)(۱)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال قاضي خان:

إذا قال للخياط: إن خطته اليوم فلك درهم و إن خطته غدا فلك نصف درهم قال أبوحنيفةؒ: يصح الشرط الأول ولا يصح الشرط الثاني وقال صاحباه: يصح الشرطان جميعا[٢] (فقول أبي حنيفةؒ فيه راجح لتقدمه على قولهما حسب تصريح الشامي)

١ـ اللباب في شرح الكتاب (٢/٣٥)

٢ـ الفتاوى الخانية على هامش الهندية (٢/٣٣٣)

❷ قال الحلبي:

ولو قال: إن خطته اليوم فبدرهم أو غدا فنصفه فخاطه اليوم فله الدرهم و إن خاطه غدا فله أجر المثل لا يجاوز نصف درهم وقالا: الشرطان جائزان [١] (فالقول المقدم فيه هو الراجح عنده وقد مر غير مرة)

❸ قال ابن نجيم:

قال رحمه الله (وصح ترديد الأجر بترديد العمل في الثوب نوعا وزمانا في الأول) يعنى يجوز ان يجعل الاجر مترددا بين تسميتين و...... يجعل العمل مترددا بين زمانين بأن يقول: ان خطته اليوم فبدرهمين وإن خطته غدا فبنصف درهم يجوز في الأول دون الثاني وهو معنى قوله "وزمانا في الأول" [٢] (وبعد ذلك ذكر الإختلاف واخر فيه دليل الإمام وهذا ترجيح لقوله كما لا يخفى على من مارس الأصول)

❹ مشى أصحاب المتون على قول الإمام وهذا من ترجيح له:

١ – قال المحبوبي: ولو ردّد في خياطة اليوم أو غدا فله ما سمى إن خاطه اليوم وله مثله إن خاطه غدا ولا يجاوز به المسمّى. [٣]

٢ – قال النسفي: وصح ترديد الأجر بترديد العمل في الثوب نوعا وزمانا في الأول. [٤]

٣– قال ملا خسرو: صح ترديد الأجر بالترديد في العمل وزمانه ومكانه...... ويجب أجر ما وجد من المرد د فيهما لكن إذا كان في الزمان يجب في الأول وفى الثانى أجر المثل غير زائد على المسمّى. [٥]

٤– قال صدر الشريعة الأصغر: وإن ردد في عمله اليوم أو غدا فله ما سمى إن عمل اليوم وأجر مثله ان عمل غدا فلا يتجاوز المسمّى. [٦]

٥– قال التمرتاشي: وصح ترديد الأجر بالترديد في العمل وزمانه في الأول. [٧]

٦ – والموصلي لم يتعرض لهذه المسألة رأسا.

١ـ ملتقى الأبحر (٥٥٠/٣)

٢ـ البحر الرائق (٥٤/٨)

٣ـ الوقاية (٣٠٩،٣٠٨/٣)

٤ـ كنز الدقائق (٣٦٨)

٥ـ غرر الأحكام (١٠٥/٧)

٦ـ النقاية (١١٧/٢)

٧ـ تنوير الأبصار (١٢١/٩)

[۹۷] اختلافی مسئلہ

إن قال إن سكنت في هذا الدكان عطارا فبدرهم في الشهر وإن سكنته حدادا فبدرهمين جاز وأيّ الأمرين فعل استحق المسمّٰى فيه عند أبي حنيفة وقالا -رحمهما الله تعالى- الإجارة فاسدة.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

صاحب دکان نے مستاجر کو دو ایسے عقدوں کے درمیان اختیار دیا ہے جو باہم مختلف بھی ہیں اور دونوں عقد صحیح بھی ہیں کیونکہ سکنیٰ عطار، سکنیٰ حداد کے مخالف ہے لہٰذا یہ سکنی مطلق عقد کے تحت داخل نہیں ہوگا (کہ جس سے عقدِ اجارہ ہی سرے سے فاسد ہو جائے) بلکہ دونوں عقد الگ الگ اپنی جگہ پر درست واقع ہو جائیں گے۔

باقی رہی جہالتِ عمل تو وہ کام شروع کرتے وقت مرتفع ہو جائے گی اور عمل متعین ہو جائے گا اور اس متعین عمل کی اُجرت پہلے سے مقرر و متعین ہے اس لئے اُسے اس عمل کی طے شدہ اجرت ملے گی الغرض اسی تعیینِ عمل سے جہالتِ اُجرت بھی مرتفع ہو جائے گی۔ (۱)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ **قال قاضي خان:**

ولو قال: آجرتک هذه الدار شهرا على أنک إن أقعدت فيها حدادا فأجرها عشرة وإن أقعدت فيها بزازا فأجرها خمسة جازت الإجارة في قول أبي حنيفةؒ الأجر كما في الخياطة الرومية والفارسية وفي قول صاحبَيه رحمهما الله تعالٰى الإجارة فاسدة (۲)(فذِكرُه قولَ الإمام اولاً ترجيحٌ له كما لا يخفٰى)

❷ **قال إبراهيم الحلبي:**

۱۔ انظر له: الاختيار لتعليل المختار (۲/۵۹)، مجمع الأنهر (۳/۵۵۱)، المحيط البرهاني (۷/۷۵۰)

۲۔ الخانية على هامش الهندية (۲/۳۳۳)

ولو قال: إن سكنت هذا الحانوت عطارا فبدرهم أو حدادا فبدرهمين جاز خلافا لهما [1]

(وههنا تقديمه قوْل الإمام يدل على ترجيحه أيضًا كما هو المعروف من دأبه في الراجح عنده)

❸ قال ابن محمد عوض الجزرى:

(ا) الحنفية قالوا: – وقال في آخره – ويجوز أن يقول شخص لآخر...... إن سكنت هذه الدار حدادا فبعشرة وإن سكنتها عطارا فبخمسة. [2]

❹ قال طهماز:

ويجوز الترديد...... كإن سكنت عطارا فبدرهم أو حدادا فبدرهمين. [3]

❺ وجميع المتون على قول الإمام وهذا ترجيح له أيضًا:

ا – قال الموصلي: وإن قال: إن سكنت هذا الحانوت عطارا فبدرهم و حدادا فبدرهمين جاز واى العملين عمل استحق المسمّى له. [4]

٢– قال ابن الساعاتي: إن سكنت عطارا فبدرهم أو حدادا فبدرهمين فهو جائز. [5]

٣– قال المحبوبي: وصح ترديد الأجر بالترديد...... وفي إسكان البيت عطارا أو حدادا...... ويجب اجر ما وجد. [6]

٤– قال النسفي: وصح ترديد الأجير بترديد العمل في الثوب ...... وفي الدكان والبيت. [7]

٥– قال التمرتاشي: (وصح ترديد الأجر بالترديد في العمل...... والعامل) كان سكنت عطارا فبدرهم أو حدادا فبدرهمين. [8]

٦ – قال ملا خسرو: (وصح ترديد الاجر بالترديد في العمل...... والعامل) نحو ان تسكن فيه عطارا فبدرهم وإن تسكن حدادا فبدرهمين. [9]

١ـ ملتقى الأبحر (١/١٥٥)

٢ـ كتاب الفقه على المذاهب الأربعة (٣/١٠٦)

٣ـ الفقه لمحنفى في ثوبه الجديد (٤/٤١٨)

٤ـ المختار للفتوى (٢/٥٩)

٥ـ مجمع البحرين (٣٨٤)

٦ـ الوقاية (٣/٣٠٨)

٧ـ كنز الدقائق (٣٦٨)

٨ـ تنوير الأبصار (٩/١٢١،١٢٢)

٩ـ غرر الأحكام (٧/١٠٥)

[۹۸] مسئلہ

لا یجوز الإستیجار علی الأذان والإقامة وتعلیم القران والحج (أی عن الغیر).

مفتی بہ قول:

موجودہ زمانے میں فتویٰ اس پر ہے کہ سوائے حج عن الغیر کے ان امور پر اُجرت لینا جائز ہے۔

مستدلہ:

نفسِ مسئلہ کے اعتبار سے حنفیہ کے ہاں استیجار علی الطاعات المجردة جائز نہیں ہے مگر اب ضرورت کی بناء پر کچھ دیگر طاعات سمیت مذکورہ بالا طاعات (الا الحج عن الغیر) پر بھی اجرت لینے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

چونکہ دورِ متقدمین میں ان اعمال کو سرانجام دینے والوں کیلئے بیت المال سے عطیات مقرر ہوتے تھے جس سے وہ امرِ معاش سے فارغ البال ہوکر ان کی انجام دہی میں منہمک رہتے تھے جبکہ اس طرح کا اب کوئی انتظام نہیں رہا اور ساتھ ہی امورِ دینیہ میں بھی کسل وسستی واقع ہوگئی ہے لہٰذا اس موقع پر ان امور پر اجرت کے عدمِ جواز کا قول ان کے اور شعائرِ دین کے اندراس وتضییع کا باعث ہے اس لئے ضرورۃً اس میں جواز کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے کما فی مذهب الشافعیؒ۔

نیز واضح رہے کہ اس ضرورت کا مبنیٰ اختلافِ زمان ہے کہ بسا اوقات اختلافِ زمان کا اثر اختلافِ حکم پر بھی مرتب ہوتا ہے جس کی نظیر یہ ہے کہ عورتیں شروع زمانہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں باجماعت نماز کیلئے مساجد میں شریک ہوا کرتی تھیں پھر زمانہ بدل جانے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں ان کو اس سے منع فرمادیا تھا۔ (۱)

تخریجہ:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

ولا لأجل الطاعات مثل الأذان والحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه ويفتى اليوم

۱۔ انظر له الكتب التالية:

رسائل ابن عابدين (۱/۱۳،۱٤)، المحيط البرهاني (۸/۸٤)، الهداية (۳/۳۰٦)، العناية على هامش النتائج (۹/۹۸)، تعليق الشيخ الملتاني على البناية (۱۳/۷۷)، بذل المجهود (٤/۲٦۳)، تبيين الحقائق (٥/۱۲٥)

بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان.

قال ابن عابدين:

قوله (ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن الخ) قال في الهداية: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالى استحسنوا الاستيجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التوانى في الأمور الدينية ففى الامتناع تضييع حفظ القرآن وعليه الفتوى اهـ.

وقد اقتصر على استثناء تعليم القرآن أيضًا في متن الكنز ومتن مواهب الرحمن وكثير من الكتب وزاد في مختصر الوقاية ومتن الإصلاح تعليم الفقه وزاد في متن المجمع الإمامة ومثله في متن الملتقى ودرر البحار وزاد بعضهم: الأذان والإقامة والوعظ وذكر المصنف معظمها...... وقد اتفقت كلمتهم جميعا على التصريح بأصل المذهب من عدم الجواز ثم استثنوا بعده ما علمته فهذا دليل قاطع و برهان ساطع على أن المفتى به ليس هو جواز الاستيجار على كل طاعة، بل على ما ذكروه فقط مما فيه ضرورة ظاهرة تبيح الخروج عن أصل المذهب من طروّ المنع -إلى أن قال- وأجمعوا على أن الحج عن الغير بطريق النيابة لا الاستئجار ولهذا لو فضل مع النائب شيء من النفقة يجب عليه ردّه للأصيل أو ورثته ولو كان أجرة لما وجب رده. (١)

❷ قال العلامة الشامي:

مطلب: في الاستئجار على الحج

بسط الكلام في ذيله إلى أن قال آخرا في حاصل الكلام:

"ان المتأخرين لم يطلقوا ذلك (أى جواز الاستئجار على الطاعات) بل أفتوا بجواز الاستئجار على التعليم والأذان والإمامة للضرورة لا على جميع الطاعات كما أوضحه المصنف في منحه في كتاب الإجارات وإلا لزم الجواز على الصوم والصلاة ولا يقول به أحد ولا ضرورة للاستئجار على الحج لا مكان دفع المال اليه لينفق على نفسه على حكم ملك الميت بطريق النيابة كما علمت التصريح به عن المبسوط والمتون المصرح فيها بجواز الاستئجار على التعليم ونحوه لم يذكر فيها جوازه على الحج بل المصرح به في عامة متون المذهب أنه لا يجوز الاستئجار على الحج كالكنز والوقاية والمجمع والمختار ومواهب الرحمن وغيرها، بل قال العلامة الشرنبلالى في رسالته "بلوغ الأرب" انه لم يذكر أحد من مشايخنا جواز الاستئجار على الحج" (٢)

١ـ الدرالمختار مع رد المحتار (٩/ ٩٤)

٢ـ حاشية ابن عابدين (٤/ ٢٢)

قال الرافعي:

قوله (ولا ضرورة للاستئجار على الحج) قد يقال: الضرورة في هذا الزمن داعية للقول بصحة الاستئجار عليه لعدم من يقوم به عن الغير مكتفيا بنفقة الذهاب والإياب ، فهو كالاستئجار على تعليم القرآن الذى قال بصحته المتأخرون وحينئذ يستحق المامور أجرته زيادة عَن النفقة للذهاب والإياب، انتهى كلام الرافعي [١]

يقول العبد الضعيف عفاالله عنه:

أما في زماننا هذا فالضرورة ليست بداعية إلى القول بصحته اذ يقوم كثير من الناس حتى من المتديّنين للحج عن الغير مكتفين بمجرد النفقة التى يحتاج إليها في أداء الحج بغير أجرةٍ ما، دون النفقة المطلوبة فلا يُختار القول بجواز الاستئجار عليه في هذا العصر خاصة. اللهم إلا أن ياتى الزمان ولا يوجد أحد ممن يقوم به عن الغير مكتفيا بمجرد نفقة الحج فيكون الجواب فيه على ما قال الرافعي. والله تعالى أعلم.

❸ قال العلامة الشامي:

اعلم ان عامة كتب المذهب من متون و شروح و فتاوى كلها متفقة على أن الاستيجار على الطاعات لا يصح عندنا واستثنى المتأخرون من مشايخ بلخى تعليم القرآن فجوزوا الاستئجار عليه...... واستثنى بعضهم أيضا الاستئجار على الأذان والإمامة...... واتفقوا كلهم على عدم جواز الاستئجار على الحج لعدم الضرورة. [٢]

❹ قال ابن نجيم:

قال رحمه الله (والفتوى اليوم على جواز الاستئجار لتعليم القرآن) وهذا مذهب المتأخرين من مشايخ بلخ، استحسنوا ذلک...... وفى النهاية: يعني يجوز الاستئجار على تعليم الفقه وفي الروضة: في زماننا يجوز للامام والمؤذن والمعلّم أخذ الاجرة. [٣]

❺ قال ابن نجيم:

قوله (فإن مات في طريقه يحج عنه من منزله بثلث مابقى) –وقال في آخر شرحه– وذكر

١ـ التحرير المختار (٤/٢٢)

٢ـ تنقيح الفتاوى الحامدية (٥/٤١٨)

٣ـ البحر الرائق (٨/٣٤،٣٥)

الاسبيجابى أنه لا يجوز الاستئجار على الحج. (١)

❻ **في الهندية:**

في الأصل لايجوز الاستئجار على الطاعات ...... ومشايخ بلخ جوزوا الاستئجار على تعليم القرآن...... وقد استحسنوا جبر والد الصبى على المبرة المرسومة وكان الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل يقول يجبر المستأجر على دفع الأجرة ويحبس بها قال وبه يفتى وكذا جواز الاستئجار على تعليم الفقه ونحوه والمختار للفتوى في زماننا قول هؤلاء. (٢)

❼ **قال البابرتي:**

وقال أبوعبدالله الخيراخزي: يجوز في زماننا للإمام والمؤذن والمعلم أخذ الأجرة. (٣)

❽ **كذا في الكتب الأخر.** (٤)

---

[٩٩] اختلافی مسئلہ

لا يجوز إجارة المشاع عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى-
وقالا: اجارة المشاع جائزة.

مفتی بہ قول:

اکثر مشائخ حنفیہ کے مطابق اس مسئلہ میں فتوی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔ (٥)

١ـ المرجع السابق (٣/١٢٠)

٢ـ الهندية (٤/٤٤٨)

٣ـ العناية (٩/٩٨)

٤ـ الكفاية (٩/٢٧)، تبيين الحقائق (٥/١٢٤،١٢٥)، مجموعة الفتاوى على هامش الخلاصة (٣/١٠٦)، البزازية على هامش الهندية (٥/٣٧)، مجمع الأنهر (٣/٥٣٣)، درر الحكام شرح مجلة الأحكام (١/٥٦٠)، الاختيار لتعليل المختار (٢/٦٢)، الفقه على المذاهب الأربعة (١/٦١١)، فقه السنة (٣/١٨٤)، الفقه الإسلامي وأدلته (٣٨١٩)، المنتقى (٢/٣٤٢)، الهداية (٣/٣٠٦)، بذل المجهود (٤/٢٦٣)، الفقه الحنفي وأدلته (٢/٨٥)، الفقه الحنفي في ثوبه الجديد (٤/٣٩٧)، العرف الشذى (١/٢٤٢)، المعتصر على المختصر (٣٨٤)، تكملة فتح الملهم (٤/٣٣٠)، شرح الوقاية (٤/٣٠٢)، الموسوعة الفقهية (١/٢٩٠)، تعليق الشيخ الملتاني على البناية (١٣/٧٦)، المبسوط للسرخسي (٦/٣٥٣)

٥ـ وأفتى البعض فيه على قول الصاحبين رحمهما الله تعالى.

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

باب اجارہ میں یہ اصول ہے کہ شئ مستأجَر، مستاجر کے سپرد کردی جاتی ہے تاکہ وہ اس سے منتفع ہو سکے جبکہ زیرِ بحث مسئلہ میں موجر نے ایک ایسی چیز اُجرت پر دی ہے جس کو سپرد کر دینے پر وہ قادر ہی نہیں ہے کیونکہ مشترک چیز کو سپرد کرنا امر محال ہے (اس لئے کہ اس کے ہر جزو میں دوسرے شریک کا حصہ ہے فلا يتصور تسليمه وحده)۔ (۱)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

وتفسد أيضا بالشيوع الأصلي إلا إذا آجر كل نصيبه أو بعضه من شريكه فيجوز وجوّزاه بكل حال وعليه الفتوى. زيلعي و بحر معز يا للمغني. لكن رده العلامة قاسم في تصحيحه بأن ما في المغني شاذ مجهول القائل فلا يعول عليه.

قال الشامي: قوله (بالشيوع) أي فيما يحتمل القسمة أو لا عنده وعليه الفتوى.

وقوله (فلا يعوّل عليه) بل المعول عليه ما في الخانية أن الفتوى على قول الإمام وبه جزم أصحاب المتون والشروح فكان هو المذهب أفاده المصنف وعليه العمل اليوم. (۲)

قال الرافعي:

قول الشارح (لكن رده العلامة قاسم الخ) ما سيأتي في المتفرقات يدل على أن قولهما مفتى به أيضًا فانظره ونقل ط فيها أن قولهما مفتى به عن المضمرات اھ ونقل أبو السعود في حاشية الأشباه عند قوله: وجاز استئجار طريق للمرور أن الفتوى على قولهما عن المضمرات والفتاوى الصغرى والتتمة وغيرها من الكتب المعتمدة (كالكفاية وتبيين الحقائق) فالترجيح قد اختلف. وقال في شرح الأشباه: أكثر المشايخ على ترجيح قوله. (۳)

❷ في الهندية:

إجارة المشاع فيما يقسم وفيما لا يقسم فاسدة في قول أبي حنيفة -رحمه الله- وعليه الفتوى. (۴)

❸ قال الشلبي:

۱ـ الجوهرة النيرة (۱/۲۹۵)، الهداية (۳/۳۰٦)، الفقه الحنفي وأدلته (۲/۸٦)

۲ـ رد المحتار (۹/۷۹،۸۰)

۳ـ التحرير المختار (۹/۸۰)

٤ـ الهندية (٤/٤٤۷)

قوله (الفتوى في اجارة المشاع على قولهما) بل الفتوى على قوله كما تقدم في القولة التي على قوله في المتن وفسد اجارة المشاع فلتراجع اهـ [1]

❹ قال داماد أفندى:

(ولا تصح إجارة المشاع) سواء كان الشيوع فيما يحتمل القسمة كالعروض أو فيما لا يحتمل القسمة كالعبد عند الإمام – إلى ان قال– وفي المغنى الفتوى في إجارة المشاع على قولهما لكن في الخانية وغيرها الفتوى على قول الإمام وبه جزم أصحاب المتون والشروح فكان هو المذهب كما في المنح. [2]

❺ قال قاضي خان:

إجارة المشاع فيما يقسم وفيما لا يقسم فاسدة في قول أبي حنيفةؒ وعليه الفتوى. [3]

❻ قال السمرقندى:

خمسة عشر شيئا لا يجوز الاستئجار عليها:

وعدّ في الثامن: "والاجارة المشاع في المنقسم وغير المنقسم" [4]

❼ قال طهماز:

وتفسد الإجارة أيضًا بالشيوع الأصلي فيما يحتمل القسمة أولا يحتملها عند الإمام وعليه الفتوى. [5]

❽ كذا في الكتب الأخر. [6]

١ـ حاشية الشلبي على التبيين (١٢٧/٥)

٢ـ مجمع الأنهر (٥٣٦،٥٣٥/٣)

٣ـ الخانية (٣٣١/٢)

٤ـ خزانة الفقه (٢٤٧)

٥ـ الفقه الحنفي في ثوبه الجديد (٣٨٦/٤)

٦ـ لسان الحكام (٣٦٦/١)، اللباب في شرح الكتاب (٣٨/٢)، شرح المجلة: (٤٣٥/١) رقم المادة (٤٦٠) و (٣٩٤ـ٣٩٢/١) رقم المادة (٤٢٩)، المبسوط للسرخسي (٢٢٥/٧)

[۱۰۰] اختلافی مسئلہ

ويجوز (استئجار الظئر) بطعامها و كسوتها عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- وقالا: لا يجوز.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) قال أبوهريرة رضي الله عنه: كنت أجيرا لابنة غزوان بطعام بطني وعقبة رجلي. [۱]

(۲) قوله تعالى ﴿وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف﴾ [۲]

اس طعام وکسوہ بالمعروف سے مراد اُجرتِ ارضاع ہے نہ کہ نفقہ نکاح كما هو ظاهر للغاية من سياق الكلام [۳]

(۳) صورتِ مذکورہ میں اگر چہ کھانے اور کپڑے میں جہالت ہے (کہ اس دودھ پلانے کے عرصے کے دوران نامعلوم مرضعۃ کتنا کھانا کھائے گی اور کتنا کپڑا اس کو ضرورت پڑے گا) مگر یہ جہالت، تعاملِ ناس کی وجہ سے مفضي إلى النزاع نہیں ہے اس لیے معروف طریقہ کے مطابق اس کو طعام وکسوہ ملتا رہے گا۔ الغرض اسی تعامل کی بدولت، جہالتِ مذکورہ کو قابلِ تسامح گردانا جائے گا اور عقدِ اجارہ درست ہو جائے گا۔ [۴]

۱۔ سنن إبن ماجه (۲/۸۱۷) رقم (۲٤٤٥)؛ وتمامه:

[حدثنا أبو عمر حفص بن عمرو ثنا عبدالرحمن بن مهدي ثنا سليم بن حيان سمعت أبي يقول سمعت أباهريرة يقول نشأت يتيما وهاجرت مسكينا وكنت أجيرا لابنة غزوان بطعام بطني وعقبة رجلي أحطب لهم إذا نزلوا. وأحدو لهم إذا ركبوا. فالحمد لله الذي جعل الدين قواما وجعل أباهريرة إماما]

قال البوصيري في "مصباح الزجاجة" (۲/٤۸):

هذا إسناد صحيح موقوف وحيان هو ابن بسطام بن مسلم بن نمير ذكره ابن حبان في الثقات وباقي رجال الإسناد ثقات، وهكذا رواه الحاكم في المستدرك من طريق عمرو بن مرزوق عن ابن مهدي به، ورواه البيهقي في الكبرى عن الحاكم به.

۲۔ البقره (۲۳۳)

۳۔ المحيط البرهاني (۸/٢٤)، المبسوط للسرخسي (٦/۳۲۹)

٤۔ الاختيار لتعليل المختار (۲/٦١)

تعامل الناس کے دلیل شرعی ہونے پر مندرجہ ذیل روایات شاہد ہیں:

(أ) عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال:

"المسلمون على شروطهم". (1)

(ب) عن عبدالله بن مسعود أنه قال:

"ما رأى المسلمون حسنا فهو عند الله حسن" (2)

١ـ السنن الصغرى للبيهقي (٢/١٢٥) رقم (٢٢٠٢)، صحيح البخاري (١/٣٠٣) تعليقًا بالجزم به، مسند البزار (٢/٢٢٢) رقم (٥٤٠٨)، شعب الإيمان (٤/٧٥) رقم(٤٣٤٨)، المنتقى لابن جارود (١/٢٥١) رقم (١٠٠١)

قال السخاوي في "المقاصد الحسنة" (١/٦٠٧):

وقد علقه البخاري جازما به فقال في الإجازة وقال النبي "المسلمون عند شروطهم" فهو صحيح على ما تقرر في علوم الحديث. انتهى. (قلت: والأصل فيه هو أن ما يُذكر من تعليقات البخاري بصيغة الجزم كقال وفَعَل وذَكَر ورَوَى: فلانٌ، فهو حُكمٌ منه بصحته عن المضاف إليه، كما هو مزبور في كتب مصطلح الحديث وشروح البخاري، ولا يخفى على ممارسها).

قال الزرقاني عنه في "مختصر المقاصد" (٩٤٢): صحيح.

قال العيني في "عمدة القاري شرح صحيح البخاري" (١٨/٢٨٦):

وهذا التعليق وصله أبوداوٗد في القضاء من حديث الوليد بن رباح بالباء الموحدة عن أبي هريرة وروى ابن أبي شيبة من طريق عطاء بلغنا أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: المؤمنون عند شروطهم وروى الدارقطني والحاكم من حديث عائشة رضي الله تعالى عنها مثله وزاد ما وافق الحق وروى إسحاق في (مسنده) من طريق كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف عن أبيه عن جده مرفوعا المسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما وكثير ابن عبدالله ضعيف عند الأكثرين إلا أن البخاري قوي أمره وكذلك الترمذي وابن خزيمة. انتهى. وكذا في "فتح الباري" للعسقلاني (٤/٤٥١).

قال الموفق ابن قدامة في "الكافي" (٢/٢١٥): حديث حسن صحيح.

قال النووي في "المجموع" (٩/٣٧٦): رواه أبوداود بإسناد حسن أو صحيح.

قال ابن الملقن في "تحفة المحتاج إلى أدلة المنهاج" (٢/٢٦٤):

وفي إسنادها كثير بن زيد الأسلمي وهو مختلف فيه ابن حبان وثقه وأخرج الحديث في صحيحه من جهته . انتهى.

قلت -القائل العبد الضعيف-: من اختلف فيه جرحا وتعديلا فهو حسن الحديث على ما تقرر في الأصول.

وكذا راجع له: "بلوغ المرام من أدلة الأحكام" للحافظ (٢/٣٤،٣٥)، و "كشف الخفاء" للعجلوني (٢/٢٠٩): "وإرشاد الفقيه" لابن كثير (٢/٥٤).

٢ـ المستدرك للحاكم (٣/٨٣) رقم (٤٤٦٥)، المعجم الأوسط (٤/٥٨) رقم (٣٦٠٢)، مسند الصحابة (٢٦/١٠٢) سيأتي تخريجه مع الحكم عليه مفصّلا.

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال الحلبي:

ويجوز استئجار الظئر بأجر معلوم وكذا بطعامها وكسوتها خلافا لهما [1] (فالقول المقدم فيه راجح كما مر في عدة مواضع)

❷ قال السرخسي:

وكذلك كل اجارة فيها رزق أو علف فهي فاسدة إلا في استئجار الظئر بطعامها وكسوتها. [2]

❸ قال التمرتاشي والحصكفي:

وكذا بطعامها وكسوتها ولها الوسط وهذا عند الإمام لجريان العادة بالتوسعة على الظئر شفقة على الولد.

قال ابن عابدين:

قوله (لجريان العادة الخ)جواب عن قولهما لا تجوز؛ لأن الأجرة مجهولة. ووجهه أن العادة لما جرت بالتوسعة على الظئر شفقة على الولد لم تكن الجهالة مفضية إلى النزاع والجهالة ليست بمانعة لذاتها بل لكونها مفضية إلى النزاع [3] (ففيه ترجيح قول الإمام إذ المتن محتوٍ عليه وفي الشرح لم يرجح غيره فضلا عن أن اجاب عن قولهما وأخر دليله)

❹ في شرح المجلة:

يجوز استئجار الظئر على أن يعمل لها البسة ويطعمها من دون تعيين الثياب والطعام كما جرت العادة وان لم توصف الألبسة ولم تعرف تلزم من الدرجة الوسطى. [4]

❺ كذا في الكتب الأخر (حيث قال مصنفوها في قول أبي حنيفة: إنه استحسان ، ومن المعلوم أنه وجه من وجوه الترجيح) [5]

١ـ ملتقى الأبحر (١/٥٣٦)

٢ـ المبسوط (٦/٣٥٣) وكذا في الهندية (٤/٤٤٢)

٣ـ رد المحتار (٩/٩٠)

٤ـ درر الحكام شرح مجلة الأحكام (١/٥٥٧)

٥ـ المحيط البرهاني (٨/٢٤)، الجامع الصغير (١/١٧٠)، الجوهرة النيرة (١/٥٩٣،٥٧٦)، شرح الوقاية (٣/٣٠٠)، حاشية الشلبي على التبيين (٥/١٢٧)، الهداية (٣/٣٠٧)، اللباب في شرح الكتاب (٢/٣٨)

⑥ جميع المتون على قول الإمامؒ (۱) وهذا من ترجيحه أيضًا.

[۱۰۱] اختلافی مسئلہ

إن قال صاحب الثوب: عملته لي بغير أجرة وقال الصانع: بأجرة، فالقول قول صاحب الثوب مع يمينه عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- وقال أبويوسف -رحمه الله تعالى-: إن كان حريفا له فله الأجرة وان لم يكن حريفا له فلا أجرة له. وقال محمدؒ: إن كان الصانع مبتذلا لهذه الصنعة بالأجرة فالقول قوله مع يمينه أنه عمله بأجرة.

مفتٰی بہ قول:

فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

فقہ کا اصول ہے کہ "المعروف كالمشروط" (۲)

چناں چہ اس نے جب دکان کھول لی اور وہاں اپنا پیشہ شروع کر دیا تو یہ عرفاً اُجرت پر کام کرنے کی دلیل ہے اور جو چیز عرف میں معلوم ہو وہ مشروط کا درجہ رکھتی ہے لہٰذا یہ ایسے ہو گیا جیسے اس (صانع/صاحبِ دکان) نے اجرت کی شرط پر کام کیا ہو نہ کہ بلا اُجرت ومفت۔ (۳)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

① قال التمرتاشي والحصكفي:

۱۔ المختار للفتوى (۲/۶۱)، كنز الدقائق (۳٦٤)، الوقاية (۳/۳۰۰)، مجمع البحرين (۳۸۵)، النقاية (۲/۱۱۱)، تنويرالأبصار (۹/۸۹، ۹۰)، غرر الأحكام (۷/۸۲)

۲۔ الأشباه والنظائر (۹۹)، قواعد الفقه (۱/۱۲۵)، القواعد والضوابط (۱/۲۹۸)، علم اصول الفقه (۱/۹۰)، موسوعة اصول الفقه (۱٦/۱۷۷)، المنثور (۲/۳٦۳)

۳۔ الاختيار لتعليل المختار (۲/٦۳)، الجوهرة النيرة (۱/۵۹٦)

وقال محمدؒ: إن كان الصانع معروفا بهذه الصنعة بالأجر وقيام حاله بها أى بهذه الصنعة كان القول قوله بشهادة الظاهر وإلا فلا وبه يفتى.

قال الشامي: قوله (بشهادة الظاهر) لأنه لما فتح الدكان لأجله جرى ذلك مجرى التنصيص عليه اعتبارا لظاهر المعتاد. (١)

❷ قال ابن نجيم:

قال رحمه الله (والقول لرب الثوب في القميص والقباء والحمرة والصفرة والأجر وعدمه)......

وقال محمدؒ: إن كان الصابغ معروفا بهذه الصنعة بالأجرة كان القول قوله وإلا فلا لانه لما فتح الدكان لذلك جرى ذلك مجرى التنصيص عليه اعتبارًا بظاهر المقاصد وقولهما استحسان والقياس قول الإمام والفتوى على قول محمدؒ. (٢)

❸ في الهندية:

إن اختلفا في أصل الأجرة فقال رب الثوب للقصار عملت لى بغير أجر وقال القصار لا بل عملت لك بأجر فإن اختلفا قبل العمل يتحالفان ويبدأ بيمين المستأجر وإن اختلفا بعد الفراغ من العمل فالقول لرب الثوب وإن تصادقا على أنه دفع إليه ولم يسم الأجرة لم يذكره في الكتاب وذكر أبو الليث رحمه الله تعالى في عيون المسائل أن فيه أقوالًا ثلاثة وقال محمدؒ: إن اتخذ دكانا وانتصب لعمل القصارة فانه تجب الأجرة وإلا فلا وعليه الفتوى. (٣)

❹ قال الزيلعي:

قال رحمه الله (والقول لرب الثوب في القميص والقباء والحمرة والصفرة والأجر وعدمه)......

وقال محمدؒ: إن كان الصانع معروفا بهذه الصنعة بالأجر وقيام حاله بها كان القول قوله و إلا فلا –إلى أن قال– والفتوى على قول محمدؒ. (٤)

❺ كذا في الكتب الأخر. (٥)

١ـ الدر المختار مع الرد (٩/١٢٧)

٢ـ البحر الرائق (٨/٦١)

٣ـ الهندية (٤/٤٧٨)

٤ـ تبيين الحقائق (٥/١٤٣)

٥ـ الجوهرة النيرة (١/٥٩٦)، حاشية الشلبي على التبيين (٥/١٤٣)، حاشية جلبي على العناية على هامش النتائج (٩/١٤٦)، الاختيار لتعليل المختار (٢/٦٣)، الكفاية (٩/٣٧)، الفقه الحنفي في ثوبه الجديد (٤/٤٢٢)

كتابُ الشُّفعَة

[١٠٢] اختلافی مسئلہ

ولم تسقط (الشفعةُ) بالتأخير (أى تاخير الخصومة) عند أبي حنيفة –رحمه الله تعالى– (وهو رواية عن أبي يوسفؒ) وقال محمد –رحمه الله تعالى–: إن تركها من غير عذر شهرا بعد الإشهاد بطلت شفعته.

مفتی بہ قول:

متون میں عموماً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو مفتی بہ قرار دیا گیا ہے، مگر دورِ حاضر میں فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے کہ یہ ایسر للناس واوفق بالزمان ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

عن أبي سعيد الخدري –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا ضرر ولا ضرار. [١]

ابطالِ شفعہ کیلئے کسی مدت کا متعین نہ کرنا لوگوں کیلئے ضرر کا باعث ہے اور امام محمدؒ کے قول کو اختیار کرنے میں ازالۂ ضرر ہے اور یہی حدیثِ بالا کا منشاء و مقتضیٰ ہے۔ [٢]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الزيلعي:

قال رحمه الله (ثم لا تسقط بالتأخير) أى لا تسقط الشفعة بتأخير هذا الطلب وهو طلب الأخذ

١ـ السنن الكبرى للبيهقي (٦٩/٦) رقم (١١١٦)، وكذا انظر له: المعجم الكبير للطبراني (١٠١/٢) رقم (١٣٧٠)، مسند الشافعي (٢٢٤/١) رقم (١٠٩٦)، معرفة الصحابة للأصفهاني (٤٩٠/١) رقم (١٣٩٤)، معرفة السنن والآثار (٢٢٢/١٠) رقم (٣٨٦٣)، الأربعون النووية (٣٢/١)، كنز العمال (١٥٠٢/٣) رقم (٩١٦٧) تقدم تخريجه مع الحكم عليه.

٢ـ البحر الرائق (٢٣٦/٨)

بعد ما استقرت شفعته بالإشهاد وهذا عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى في ظاهر الرواية......
وقال محمدؒ: إن أخر هذا الطلب إلى شهر من غير عذر بطلت شفعته - إلى أن قال- وقال شيخ الإسلام:
الفتوى اليوم على أنه إذا اخر شهرا سقطت الشفعة لتغير أحوال الناس في قصد الاضرار بالغير. (١)

❷ قال طاهر البخارى:

إن ترك المرافعة إلى القاضي بعذر من مرض أو حبس ولم يمكنه التوكيل لا يبطل شفعته وإن ترك من غير عذر ذكر في الكتاب أنه على شفعته وإن طال الزمان قيل هو رواية عن أبي حنيفة -رحمه الله- وقال محمد -رحمه الله- وهو رواية عن أبي يوسفؒ مقدر بشهر وعليه الفتوى. (٢)

❸ قال داماد أفندى:

(لا تبطل الشفعة بتأخيره الخ)...... أنه أى الشفيع إن أخره أى طلب الخصومة شهرا بلاعذر بطلت الشفعة لأنه قال الفتوى اليوم على إذا أخر شهرا سقطت الشفعة لتغير أحوال الناس في قصد الإضرار بالغير وفي المحيط والخلاصة ومنية المفتي ومختارات النوازل: والفتوى على قول محمدؒ. (٣)

❹ قال التمرتاشي والحصكفي:

وبتأخيره (أى تأخير طلب تمليك وخصومة) مطلقًا لا تبطل الشفعة حتى يسقطها بلسانه به يفتى وهو ظاهر المذهب وقيل يفتى بقول محمد إن أخره شهرا بلا عذر بطلت كذا في الملتقى يعنى دفعا للضرر.

قال ابن عابدين:

قوله (وقيل يفتى بقول محمد) قائله شيخ الإسلام وقاضيخان في فتاواه وشرحه على الجامع ومشى عليه في الوقاية والنقاية والذخيرة والمغنى.

وفي الشرنبلالية عن البرهان انه أصح ما يفتى به.

قوله (يعنى دفعا للضرر) بيان لوجه الفتوى بقول محمد. قال في شرح المجمع:

وفى الجامع الخاني: الفتوى اليوم على قول محمدؒ لتغير أحوال الناس في قصد الاضرار. (٤)

❺ كذا في الكتب الأخر. (٥)

١ـ تبيين الحقائق (٥/٢٤٤)

٢ـ خلاصة الفتاوى (٤/٤٥٦)

٣ـ مجمع الأنهر (٤/١٠٦)

٤ـ رد المحتار (٩/٣٧٦)

٥ـ الكفاية (٩/١٠٩)، المحيط البرهاني (٧/٥١٤)، الهندية (٥/١٧٣)، الخانية (٣/٥٤٢)، الجوهرة (١/٦٠٤)، الوقاية (٤/٧)، النقاية (٢/٧٩)، حاشية الشلبى على التبيين (٥/٢٤٤)، الفقه الحنفى وأدلته (٢/٦٩)

[۱۰۳] اختلافی مسئلہ

إذا اختلف الشفيع والمشترى في الثمن فالقول قول المشترى فإن أقاما البينة فالبينة بينة الشفيع عند أبي حنيفة ومحمد -رحمهما الله تعالى-، وقال أبويوسف -رحمه الله تعالى- : البينة بينة المشترى.

مفتی بہ قول:

فتوی طرفین رحمہما اللہ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) قاعدہ ہے کہ: "البينات للإلزام" (۱۔أ)

صورتِ مسئولہ میں شفیع بیّنہ ملزِمہ کا حامل ہے جبکہ مشتری کی بیّنہ، غیر ملزمہ ہے لہٰذا اصولِ مذکور کے تناظر میں شفیع کی بیّنہ معتبر ہوگی۔ (۱۔ب)

(۲) **عن ابن عباس رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "البينة على المدعى واليمين على من أنكر".** (۲)

۱۔ (أ)۔ المبسوط (۶۹/۵)

(ب)۔ اللباب في شرح الكتاب (۴۸/۲)، حاشية ابن عابدين (۳۸۲/۹)

۲۔ السنن الكبرى للبيهقي (۲۵۲/۱۰) رقم (۲۰۹۹۰)، وكذا انظر له: سنن الترمذى (۶۲۶/۳) رقم (۱۳۴۱)، السنن الصغرى (۳۱۳/۳) رقم (۴۷۱۸)، سنن الدار قطنى (۳۱۲/۱۰) رقم (۴۵۶۴)، شرح مشكل الآثار (۸۴/۱۱)، مختصر الأحكام (۱۴/۳)، مسند الشافعي (۱۹۱/۲) رقم (۹۳۳)، معرفة السنن والآثار (۵۰/۱۶) رقم (۶۱۷۸)

هذا بعض ما أخرجه البيهقي- في "الكبرى"-، وتمامه:

[عن بن أبي مليكة قال: كنت قاضيا لابن الزبير على الطائف فذكر قصة المرأتين قال: فكتبت إلى بن عباس فكتب ابن عباس رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لو يعطى الناس بدعواهم لادعى رجال أموال قوم ودمائهم ولكن البينة على المدعى واليمين على من أنكر] ==

مسئلہ مذکورہ میں مدعی چونکہ شفیع ہے اس لئے اسی کی بینہ معتبر ہوگی اور مسئلہ بالا میں مشتری کی بجائے شفیع کو مدعی قرار دینے کی دلیل ''تعریفِ مدعی'' ہے جو اسی شفیع پر صادق آتی ہے اور وہ یہ ہے:

''المدعی من لا یجبر علی الخصومة إذا ترکها والمدعی علیه من یجبر علی الخصومة.[1]

صاحبِ ہدایہ نے اس کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے: ''وهو حد عام صحیح[2]'' اور ''الموسوعة الفقهية'' میں اس کے بارے میں کہا ہے: ''ذهب الیه معظم فقهاء الحنفية''[3] اسی طرح صاحبِ تنویر الأبصار (ماتنِ فتاوی شامی) نے بھی اسی تعریف کو اختیار کیا ہے۔[4]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

● قال قاضی خان:

وإن إقاما البینة علی ما ادعی یقضی ببینة الشفیع في قول أبي حنیفة و محمد –رحمهما الله تعالی– وقال أبویوسف (رحمه الله): البینة بینة المشتری.[5] (فقول الطرفین فیه راجح لتقدمه علی قوله وقد صرح به الشامی کما علمت من قبل)

● قال الحلبی:

وإن اختلف الشفیع والمشتری في الثمن فالقول للمشتری وإن برهنا فللشفیع وعند أبی یوسفؒ للمشتری[6] (فالقول المقدم فیه راجح کما فی الخانیة)

== قال العیني في "عمدة القاری" (۳۴۹/۲۰): وقد أخرج البیهقی هذا الحدیث من طریق عبدالله بن إدریس عن ابن جریج وعثمان بن الأسود عن ابن أبي ملیکة –فذکر الحدیث، ثم قال–: وإسنادها حسن.

قال ابن الملقن في "خلاصة البدر المنیر" (۴۴۹/۲): رواه البیهقی کذلك (أي عن ابن عباس مرفوعا) بإسناد حسن. والحاصل أنه قد حسّنه وصحّحه جماعة جلّة کابن حجر في "فتح الباری" (۲۸۳،۲۸۲/۵)، و"بلوغ المرام" (۱۹۳/۲)، والنووي في "شرحه علی مسلم" (۳/۱۲) و "الأربعون النوویة" (۳۳/۱)، والمبارکفوري في "تحفة الأحوذي" (۴۷۵/۴)، والشوکاني في "الدراري المضیة" (۴۱۸/۱)، وغیرهم۔

۱۔ معجم لغة الفقهاء (۴۱۸/۱)، التعریفات للجرجانی (۲۶۵/۱)، مختصر القدوری (۲۰۵)

۲۔ الهدایة (۲۰۸/۳)

۳۔ (۲۷۶/۲۰)

۴۔ تنویر الأبصار مع الدر المختار (۳۲۸/۸)

۵۔ الفتاوی الخانیة علی هامش الهندیة (۵۴۹/۳)

۶۔ ملتقی الأبحر (۱۰۸/۴)

❸ قال التمرتاشي والحصكفي:

وإن اختلف الشفيع والمشترى في الثمن صدق المشترى وإن برهنا فالشفيع أحق لأن بيّنته ملزمة.

قال ابن عابدين:

قوله (لأن بيّنته ملزمة) أى للمشترى، بخلاف بينة المشترى، لأن الشفيع مخير والبينات للالزام فالأخذ ببيّنته أولى.[1]

❹ وقد اعتمد أصحاب المتون الحنفية على قولهما وهذا من ترجيحه أيضا:

١ – قال الموصلي: وإن اختلفا في الثمن فالقول قول المشترى والبيّنة بينة الشفيع.[2]

٢ –قال المحبوبى: وإن اختلف الشفيع والمشترى في الثمن صدق المشترى ولو برهن فالشفيع أحق.[3]

٣– قال النسفى: وإن اختلف الشفيع والمشترى في الثمن فالقول للمشترى وان برهنا فللشفيع.[4]

٤– قال صدر الشريعة الاصغر: والقول للمشترى في الثمن وبينة الشفيع احق من بينته.[5]

٥– قال الفرغانى: وإن اختلف الشفيع والمشترى في الثمن فالقول قول المشترى ولو أقاما البينة فالبينة للشفيع.[6]

٦ – قال ملا خسرو: اختلفا في الثمن فالقول للمشترى ولو برهنا فالشفيع أولى.[7]

٧– قال التمرتاشى وإن اختلف الشفيع والمشترى في الثمن صدق المشترى و إن برهنا فالشفيع احق.[8]

١ـ الدر المختار مع رد المحتار (٣٨٢/٩)

٢ـ المختار للفتوى (٤٩/٢)

٣ـ الوقاية (٩/٤)

٤ـ كنز الدقائق (٤٠٢)

٥ـ النقاية (٨١/٢)

٦ـ بداية المبتدى (٢٠٨/١)

٧ـ غرر الأحكام (٤٦٠/٦)

٨ـ تنوير الأبصار (٣٨٢،٣٨١/٩)

[۱۰۴] اختلافی مسئلہ

ولا تكره الحيلة في إسقاط الشفعة عند أبي يوسفؒ، وقال محمدؒ: تكره.

الملاحظة:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے کوئی روایتِ ثابتہ (وصحیحہ) مجھے کتبِ بسیار میں تتبع کے باوجود نہیں مل سکی،
ويؤيد الذى قلته ما في المحيط الكبير نقلا عن المنتقى:
"قال هشام: سئلت محمدًا عن رجل جعل بيتا من داره هبة لرجل ثم با ع بقية الدار منه هربا من الشفعة قال: كان أبو يوسفؒ لا يرى بذلك بأسا و أما محمدؒ فكرهه كراهة شديدة ولم يحفظ عن أبي حنيفة (رحمه الله) شيئًا". (۱)

توضیح المسائلۃ:

واضح رہے کہ اسقاطِ شفعہ کیلئے حیلہ اختیار کرنے میں مذکورہ بالا اختلاف قبل از بیع کی صورت میں ہے کیونکہ بیع ہو جانے کے بعد شفیع کیلئے حقِ شفعہ متحقق وثابت ہوجاتا ہے اب اسقاطِ شفعہ کیلئے کوئی حیلہ اختیار کرنا بالاتفاق مکروہِ تحریمی ہے۔ (۲)

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابویوسفؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

قوله تعالىٰ ﴿إنّما حرّم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما اهل به لغير الله فمن اضطر غير باغٍ ولا عادٍ فلا اثم عليه﴾ (۳)

۱۔ المحيط الكبير (۷/۵۹۰)

۲۔ مجمع الأنهر (۴/۱۲۱)، الفقة الإسلامى وأدلته (۴۹۲۲)، الدر المختار (۹/۴۰۸)، درر الحكام (۲/۷۴۰)، حاشية الشلبى على الزيلعى (۵/۲۶۱)، المعتصر على المختصر (۴۰۱)

۳۔ البقرة (۱۷۳)

مندرجہ بالا آیت مبارکہ اور دیگر آیات واحادیث کثیرہ سے فقہ کا معروف اصول ''دفعِ مضرت کا مطلوب ہونا'' معلوم ہوتا ہے جو کہ اصولِ فقہ کی کئی کتب میں مرقوم ہے چنانچہ آمدی کی ''الإحکام فی اصول الأحکام'' میں ہے:

''ان المقصود من شرع الحکم إنّما هو تحصيل المصلحة أو دفع المضرة''. (۱)

اسی طرح اصولِ فقہ کی جامع ترین کتاب ''موسوعة أصول الفقه'' میں ہے:

''إن حق الجالب أو الدافع مقدم وإن استضر غيره بذلک لأن جلب المنفعة أو دفع المضرة مطلوب للشارع مقصود''. (۲)

وغير ذلک من الكتب في هذا الفن. (۳)

چنانچہ دفعِ مضرت کا جب امر مشروع ہونا معلوم ہوگیا تو اس کیلئے حیلہ اختیار کرنا بھی درست ہوگا اور مسئلہ مذکورہ میں مشتری کا اسقاطِ شفعہ کیلئے حیلہ کرنا دراصل اس کا اپنی ذات سے مضرت (وهی الاخذ بلا رضاء) کا دفع کرنا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے ضمن میں کسی اور کو ضرر ہوا ہو چونکہ یہ ضرر ضمناً ہوا ہے اصالۃً اس کا مقصد نہیں تھا اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ موسوعۃ اصول الفقہ کی مذکورہ عبارت سے بھی یہ مضمون واضح ہوجاتا ہے۔ (۴)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

تكره الحيلة لاسقاط الشفعة بعد ثبوتها وفاقا كقوله للشفيع اشتره مني وأما الحيلة لدفع ثبوتها ابتداء فعند أبي يوسفؒ لا تكره وعند محمدؒ تكره ويفتى بقول أبي يوسفؒ في الشفعة. (۵)

❷ قال الحلبي:

ولا تكره الحيلة في اسقاطها (أى الشفعة) عند أبي يوسفؒ وبه يفتى قبل وجوبها. (۶)

❸ في شرح المجلة:

۱۔ (۳۱۱/۲)

۲۔ (۷۶/۳۸)

۳۔ المحصول للرازي (۲۱۸/۵)، المقاصد (۱۱۸/۲)، الموافقات (۷۶/۶)، روضة الناظر (۴۷۸/۱)، معالم أصول الفقه عند أهل السنة والجماعة (۲۲۸/۱، رقم الحاشية:۱)

۴۔ تبيين الحقائق (۲۶۱/۵)، مجمع الأنهر (۱۲۱/۴)، البحر الرائق (۲۶۳/۸)

۵۔ الدر المختار (۴۰۸/۹)

۶۔ ملتقى الأبحر (۱۲۱/۴)

إن اتخاذ الحيلة في أمر إسقاط الشفعة قبل وجوبها ليس مكروها عند أبي يوسف –رحمه الله– وهذا هو القول المفتىٰ به.[1]

❹ قال المحبوبي:

ولا يكره حيلة إسقاط الشفعة والزكاة عند أبي يوسفؒ وبه يفتىٰ في الشفعة وبضده في الزكوة.[2]

❺ قال الحداد الزبيدي:

قوله (ويكره عند محمدؒ) ...... والفتوى على قول أبي يوسفؒ قبل الوجوب وعلى قول محمدؒ بعد الوجوب يعني إذا كانت الحيلة بعد البيع تكون الفتوى على قول محمدؒ وإن كانت قبله فعلى قول أبي يوسفؒ [3]

❻ كذا في الكتب الأخر[4]

١ـ درر الحكام شرح مجلة الأحكام (٢/٧٤٠)

٢ـ الوقاية (٤/١٥، ١٦)

٣ـ الجوهرة النيرة (١/٦١٣)

٤ـ غرر الأحكام (٦/٤٨٤)، حاشية الشلبي على التبيين (٥/٢٦١)، الموسوعة الفقهية (٣٦/٢٥٠)، الفقه الإسلامي للزحيلي (٤٩٢٢)، حاشية النانوتوى على الكنز (٤٠٦)، المختار للفتوى (٢/٥١)، المعتصر على المختصر (٤٠١)، عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية (٤/١٦)، البناية للعيني (١٠/٤٦٤، ٤٦٣)

كتاب الشركة

[۱۰۵] اختلافی مسئلہ

إن أذن كل واحد منهما (أى الشريكين) لصاحبه أن يؤدي زكاته فأدى كل واحد منهما فالثاني ضامن سواء علم بأداء الأول أو لم يعلم عند أبي حنيفة -رحمه الله- وقالا -رحمهما الله تعالٰى-: إن لم يعلم لم يضمن.

توضیح المسألۃ:

مسئلہ بالا میں ''ثانی'' کے ضامن ہونے کا حکم مطلق نہیں ہے بلکہ یہ اُس صورت کے ساتھ مقید ہے کہ جب دونوں شریکین نے مختلف اوقات میں (یعنی علی سبیل التعاقب) زکوٰۃ ادا کی ہو، ایک ہی وقت میں زکوٰۃ نہ دی ہو چنانچہ اگر دونوں نے اکٹھے (یعنی ایک ہی وقت میں) زکوٰۃ دی ہو تو پھر ان دونوں میں سے ہر ایک، دوسرے کے حصے کا ضامن ہوگا۔ (۱)

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتیٰ بہ کا مستدل:

دراصل دونوں شریکین نے ایک دوسرے کو ایک امرِ خاص کی اجازت دے کر اس کا وکیل بنایا تھا یعنی ''ادائیگی زکوٰۃ''۔ لہٰذا جب اول نے اپنی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دی تو ثانی لامحالہ وکالت سے معزول ہو گیا خواہ اس کو علم ہو یا نہ ہو کیونکہ جس امر کا اسے وکیل بنایا گیا تھا وہ سرانجام دے دیا گیا ہے لہٰذا عزلِ حکمی کے تحت عزل متحقق ہو جائے گا (كما تبطل الشركة بموت احدهما سواء علم بموت صاحبه أو لم يعلم)۔

اور معزولی کے بعد ثانی نے جو رقم دی وہ مالِ شرکت میں سے تھی جس میں اول کی رضاء اور وکالت معدوم ہو چکی تھی

۱۔ الفقه الحنفي في ثوبه الجديد (۵/۵٦)، الجوهرة النيرة (۱/٦۲٤)، البحر الرائق (۵/۳۱۲)، المعتصر على المختصر (٤۱۳)

لہٰذا وہ (ثانی) اس رقم کا ضامن ہوگا۔ (۱)

ف:۔ مضمونِ بالا بیہقی کی ایک روایت سے بھی مستفاد ہوتا ہے جسے علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے ''إعلاء السنن'' میں نقل کیا ہے، اُس عبارت کو توضیحاً للمقام یہاں من وعن نقل کیا جاتا ہے:

باب إذا تصرف الموكل بنفسه فيما وكل به
بطلت الوكالة علم به الوكيل أو لم يَعلم

عن ابن مبارک عن داوٗد بن أبي الفرات عن محمد بن زياد قال: قضى عمر في أمة غزا مولاها وأمر رجلا ببيعها ثم بدا لمولاها فأعتقها وأشهد على ذلك، وقد بيعت الجارية فحسبوا، فإذا عتقها قبل بيعها فقضى عمر رضى الله عنه أن يقضى بعتقها ويرد ثمنها ويؤخذ صداقها لما كان قد وطئها. رواه البيهقى. (۲)

(ثم قال شرحا له:)

قوله عن ابن المبارک إلخ:

قال العبد الضعيف: دلالته على معنى الباب ظاهرة لأن المولى حين اعتقها لم تبق الأمة محلا لتصرف الوكيل فيها بالبيع وخروج محل الوكالة عن صلاحيته للتصرف عزل حكمى -كالموت- فلا يتوقف على علم الوكيل كالوكيل ببيع العبد إذا باعه الموكل يصير الوكيل معزولا حكما لفوات محل تصرف الوكيل، كذا في الهداية مع الحاشية (۳: ۱۸۴)، وعلم الوكيل انما يشترط عندنا في العزل القصدى دون الحكمى (۳)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الحلبی:

إن أذن كل لصاحبه فأدّيا معًا ضمن كلٌّ حصة صاحبه وإن أديا متعاقبا ضمن الثانى علم بأداء

۱۔ تبیین الحقائق (۳/۳۲٤)، المعتصر علی المختصر (٤۱۳)

۲۔ السنن الکبری للبیهقی (٦/۸۲)، رقم (۱۱۷۷۷)

۳۔ إعلاء السنن (۱٥/۳٤۸)

الأول أولا ، وقالا: لا يضمن إن لم يعلم[1] (ولا يخفى أن تقديم قول الإمام فيه ترجيح له على ما عرف في شرح العقود للشامي والمقدمة للمصنف)

٢ في الهندية:

فإن أذن كل واحد منهما لصاحبه أن يؤدى الزكاة عنه فأديا معا ضمن كل واحد منهما نصيب صاحبه علم أولم يعلم عند أبي حنيفة ولو أديا متعاقبا ضمن الثاني علم بأداء صاحبه أم لا عند الإمام[2] (ولم يذكر قولهما فالاقتصار على قول أبي حنيفة لكونه مختارا في الباب كما هو ظاهر)

٣ أصحاب المتون اعتمد قول الإمام وهذا من ترجيحه أيضًا:

١- قال الموصلي:

فإن أذن كل واحد منهما لصاحبه فأديا معا ضمن كل واحد منهما نصيب صاحبه و إن اديا متعاقبا ضمن الثاني للأول علم بأدائه أو لم يعلم.[3]

٢- قال النسفي: فإن أذن كل واحد وأديا معا ضمنا ولو متعاقبا ضمن الثاني.[4]

٣- قال المحبوبي: فإن اذن كل واحد صاحبه فأديا ولاءً ضمن الثاني و إن جهل بأداء الأول وإن أديا معًا ضمن كلٌ قسط الأخر.[5]

٤- كذا قال ملا خسرو.[6]

٥- قال التمرتاشي: فإن أذن كل وأديا معا ضمن كل نصيب صاحبه وإن أديا متعاقبا كان الضمان على الثاني علم بأداء صاحبه أولا.[7]

٦- قال صدر الشريعة الأصغر: فإن أذن كل فأدّيا ولاءً ضمن الثاني للأول و إن أديا معا ضمن كلٌ قسط غيره.[8]

١ـ ملتقى الأبحر (٢/٥٦٥)

٢ـ الهندية (٢/٣٣٦)

٣ـ المختار للفتوى (٣/١٩)

٤ـ كنز الدقائق (٢٢٤)

٥ـ الوقاية (٢/٤٠٥)

٦ـ غرر الأحكام (٧/٤٩١)

٧ـ تنوير الأبصار (٦/٥٠١)

٨ـ النقاية (٢/١٨٨)

كتابُ المُضارَبة

[١٠٦] مسئلہ

إذا دفع المضاربُ المالَ مضاربة على غيره ولم يأذن له رب المال في ذلك لم يضمن بالدفع ولا بتصرف المضارب الثاني حتى يربح فإذا ربح ضمن المضارب الأول المال لرب المال.

توضیح المقام:

هذا عند أبي حنيفة -رحمه الله- (برواية الحسن عنه) أما أبويوسف ومحمد -رحمهما الله- فقالا: إذا عمل به المضارب الثاني، ضمن المضارب الأول سواء ربح الثاني أو لم يربح. (١)

مفتی بہ قول:

مسئلہ مذکورہ میں صاحبین (رحمہما اللہ) کے قول پر فتویٰ ہے۔

مستدلہ:

یہ مالِ مضاربت کسی اور کو آگے محض دے دینا دراصل ایداع ہے جب تک اس میں کوئی تصرف وغیرہ نہ ہو، لہٰذا جب وہ غیر اس مال میں کوئی تصرف وعمل کرے گا تو اس میں حکمِ ایداع منتہی ہو کر اس کا مضاربت کیلئے ہونا متعین ہو جائے گا اور رب المال کی طرف سے اس کی اذن مفقود ہونے کی بناء پر مضارب اول کی جانب سے یہ اُس کے مال میں تعدی شمار کی جائے گی اور وہ اس کا ضامن ہوگا خواہ مضارب ثانی کو نفع ہو یا نہ ہو کیونکہ تعدی کا تحقق تو نفسِ تصرف سے ہی ہو گیا تھا۔ (٢)

تخریجہ:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

ضارب المضارب آخر بلا إذن المالك لم يضمن بالدفع مالم يعمل الثاني ربح الثاني أولا

١ـ مجمع الأنهر بتسهيل (٣/٤٥٣)، كذا في مجمع الضمانات (٥/٤١٠)، وقرة عيون الاخيار (١٢/٣٧٩)

٢ـ تبيين الحقائق باضافة يسيرة (٥/٦٣)

على الظاهر.

قال ابن عابدين:

قوله (على الظاهر) أى ظاهر الرواية عن الإمام وهو قولهما. [1]

قال الرافعي:

قوله (وهو قولهما) وعليه الفتوى. [2]

❷ قال الحلبي والحصكفي:

فإن ضارب المضارب بلا إذن فلا ضمان مالم يعمل الثانى ربح أو لا في ظاهر الرواية وبه يفتىٰ. [3]

❸ قال الزحيلي:

فالراجح عند الحنفية: أن المضارب الأول لا يضمن في المضاربة الصحيحة بمجرد دفع المال إلى المضارب الثاني وانما يضمن إذا عمل الثاني ربح المال أو لم يربح. [4]

❹ قال إبراهيم الحلبي:

فإن ضارب المضارب بلا إذن فلا ضمان ما لم يعمل الثاني في ظاهر الرواية وهو قولهما وفى رواية الحسن عن الإمام لا يضمن بالعمل أيضًا ما لم يربح [5] (فالقول المقدم فيه راجح حسب ما صرح به الشامي وغيره)

❺ في شرح المجلة:

إذا أعطى المضارب مال المضاربة لآخر مضاربة بدون إذن رب المال فلا يلزم المضارب الأول ضمان بتسليم المال للمضارب الثاني..... أما إذا عمل المضارب الثاني فيها بعمل داخل في أعمال المضاربة فيجب الضمان على المضارب الأول سواء حصل ربح أو لم يحصل. [6]

❻ كذا في الكتب الأخر (حيث قال مصنفوها في قول الصاحبين "وهو ظاهر الرواية"، ولا يخفى على المفتي أنه يفتىٰ ب"ظاهر الرواية" إلا في الوجهين وهما مفقودان ههنا فالفتوى فيه على قولهما) [7]

١ـ الدر المختار مع رد المحتار (٨/٥٠٩)

٢ـ التحرير المختار (٨/٥٠٩)

٣ـ الدر المنتقى (٣/٤٥٣)

٤ـ الفقه الإسلامى وأدلته (٣٩٥١)

٥ـ ملتقى الأبحر (٣/٤٥٣)

٦ـ درر الحكام شرح مجلة الأحكام (٣/٤٧٠) رقم المادة (١٤١٥).

٧ـ الهداية (٣/٢٦٧)، الوقاية (٣/٢٦٢)، الفتاوى الهندية (٤/٢٩٩)، الفقه الحنفى في ثوبه الجديد (٥/٧٨)، تبيين الحقائق (٥/٦٣)، حاشية الشلبى على التبيين (٥/٦٣)، مجمع الضمانات (٥/٤١٠)، حاشية النانوتوى على الكنز (٣٤٢)

كتابُ الوكالة

[١٠٧] اختلافی مسئلہ

قال أبوحنيفة-رحمه الله تعالى-: لا يجوز التوكيل بالخصومة إلا برضاء الخصم إلا أن يكون الموكل مريضا أو غائبا مسيرة ثلاثة أيام فصاعدا وقال أبويوسف و محمد رحمهما الله تعالى: يجوز التوكيل بغير رضاء الخصم.

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے۔

قول مفتیٰ بہ کا مستدل:

(١) عن جهم بن أبي الجهم عن عبدالله بن جعفر قال كان على بن أبي طالب يكره الخصومة فكان إذا كانت له خصومة وكل فيها عقيل بن أبي طالب فلما كبر عقيل وكلني. [١]

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خصومت میں مطلقاً وکیل بناتے تھے خواہ کوئی عذر (مرض وسفر وغیرہ) نہ ہو یا خصم راضی نہ ہو۔

(٢) عن رجل من اهل المدينة يقال له جهم عن على رضى الله عنه انه وكل عبدالله بن جعفر بالخصومة فقال: إن للخصومة قحما، قال ابوعبيد: قال ابوالزياد: القحم المهالك. [٢]

١ـ السنن الصغرى للبيهقى (٢/١٢٥)، رقم (٢٢٠٥)، السنن الكبرى (٦/٨١)، رقم (١١٢١٩)

في هذه الرواية وما بعدها من الروايتين "جهم بن أبي الجهم"، قال عنه شيخنا العثماني في "الإعلاء" (١٥: ٣٢١، ٣٢٢): والجهم بن أبي الجهم ذكره ابن حبان في الثقات، روى عن أبي بردة بن نيار والمسور بن مخرمة وعبد الله بن جعفر، وعنه: ابن إسحاق وعبدالله العمري والوليد بن عبدالله بن جميع (تعجيل المنفعة، ١: ٣٩٩) وليس بمجهول من روي عنه ثلاثة ثقات، فالحديث حسن.

٢ـ السنن الكبرى للبيهقى (٦/٨١) رقم (١١٢٢٠)

(۳) عن جهم بن أبي الجهم قال: حدثني من سمع عبدالله بن جعفر يحدث أن عليا كان لا يحضر الخصومة وكان يقول: إن لها قحما يحضرها الشيطن فجعل خصومته إلى عقيل فلما كبر ورق حولها إلى فكانْ عليٌّ يقول: "ما قضى لوكيلي فلي وما قضى عليّ وكيلي فعليّ". [۱]

(۴) توکیل چونکہ اپنے ہی حق میں تصرف ہوتا ہے اس لئے دوسرے (یعنی خصم) کی رضا پر موقوف نہیں ہوگا کالتوکیل بتقاضی الدیون واستیفائه۔ [۲]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

التوكيل بالخصومة بغير رضا الخصم لايلزم وقالا: يلزم...... والفقيه أبو الليث اختار قولهما للفتوى. [۳]

❷ قال ابن نجيم:

قوله (وبالخصومة في الحقوق برضا الخصم إلا ان يكون الموكل مريضا أو غائبا إلخ) أي وصح التوكيل بالخصومة بشرط رضا الخصم وهذا عند أبي حنيفة -رحمه الله- وقالا يجوز بغير رضاه ولا خلاف في الجواز انما الخلاف في اللزوم-إلى أن قال- ثم اعلم ان المؤلف اختار قول الإمام كما هو دأبه وقد اختلف ترجيح المشايخ فأفتى الفقيه بقولهما وقال الغياثي: وهو المختار وبه أخذ الصفار أيضًا.

وفي خزانة المفتين: المختار قولهما والشريف وغيره سواء وفي النهاية: والصحيح قولهما. [۴]

❸ قال طاهر بن عبدالرشيد البخاري:

التوكيل من غير رضا الخصم والموكل صحيح مقيم لا يصح وعندهما يصح والفقيه أبو الليث كان يفتي بقولهما. [۵]

❹ وقال طهماز:

صحت الوكالة بخصومة في حقوق العباد بشرط رضا الخصم سواء كان طالبا أو مطلوبا عند

۱۔ مصنف ابن أبي شيبة (٥/٥) رقم (٢٣١٧٧)

۲۔ بدائع الصنائع (١٩/٥)

۳۔ الهندية (٦١٥/٣)

٤۔ البحرالرائق (٢٤٥/٧)

٥۔ خلاصة الفتاوى (١٥١/٤)

الإمام أبي حنيفةؒ واجازها الصاحبان مطلقا بدون رضى الخصم وبه قالت الائمة الثلاثة وعليه الفتوى.(۱)

● كذا في الكتب الأخر. (۲)

---

[۱۰۸] اختلافی مسئلہ

فإن حبسه (أي حبس الوكيل الموصوف المبيعَ) فهلك في يده كان مضمونا ضمان الرهن عند أبي يوسف – رحمه الله– وضمان البيع عند (أبي حنيفةؒ (۳) و) محمدؒ.

مفتی بہ قول:

فتویٰ طرفینؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

مسئلہ مذکورہ میں طرفینؒ کا مستدل قیاس ہے اور مسئلہ مقیس علیہا یہ ہے کہ جب کوئی بائع، استیفاءِ ثمن کی غرض سے مبیع کو روک لے اور مشتری کے حوالے نہ کرے تو اس کے پاس مبیع کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں ثمن بھی ساقط ہو جاتی ہے (یعنی بائع اب مشتری سے ثمن نہیں لے سکتا)۔ لہٰذا یہاں بھی اسی طرح ہوگا۔ (۴)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

● قال قاضي خان:

وللوكيل بالشراء أن يحبس المبيع لاستيفاء الثمن عندنا فإن هلك المبيع في يده إن هلك قبل الحبس يهلك على الموكل ولا يضمن الوكيل وإن هلك بعد الحبس يهلك بالثمن ويسقط الثمن عن الموكل في قول أبي حنيفة –رحمه الله– وقال ابويوسف –رحمه الله– يهلك بأقل من قيمته

۱ـ الفقه الحنفي في ثوبه الجديد (۲/۴۳۵)

۲ـ الفتاوى البزازية على هامش الهندية (۵/۴٦۸)، الفتاوى الخانية على هامش الهندية (۳/۷)، نتائج الأفكار (۸/۹)، الجوهرة (۱/٦۳۷)، المعتصر على المختصر (۴۲۲)، لسان الحكام (۱/۲۵۱)

۳ـ رد المحتار (۸/۲۸٦)، الجوهرة النيرة (۱/٦۴۳)، مجمع الأنهر (۳/۳۱۹)، شرح النقاية (۲/۱۷۸)

۴ـ قرة عيون الاخيار (۱۱/۳۸۸)، البحرالرائق (۷/۲٦۵)، الهداية (۳/۱۹۱)

ومن الثمن[1] (فتقديم قول الإمام فيه ترجيح له كما هو ظاهر)

❷ قال الحلبي:

فإن هلك قبل حبسه هلك على الآمر ولا يسقط ثمنه وان بعد حبسه سقط وعند أبي يوسفؒ هو كالرهن[2] (فالقول المقدم فيه راجح كما مرّ غير مرة من قبل)

❸ في الهندية:

إن هلك المشترى في يد الوكيل قبل الحبس هلك على الموكل من غير ضمان على الوكيل و إن هلك بعد الحبس يهلك بالثمن هلاك المبيع قبل القبض عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ[3] (فالاكتفاء بقول الإمام والاقتصار عليه يدل على كونه مختارا في الباب)

❹ قال علاؤ الدين الشامي:

والحاصل أن المبيع يكون مضمونا ضمان المبيع عندهما– وضمان الرهن عند أبى يوسفؒ– وضمان الغصب عند زفرؒ – إلى أن قال– واختار صاحب الدرر قولهما.[4]

❺ وقال طهماز:

ولو هلك المبيع (أى من يد الوكيل) بعد حبسه لأجل استيفاء الثمن فهو كمبيع يهلك بالثمن.[5]

❻ المتون على قول الطرفين ولم يذكر في شروحها ترجيح غيره فهي امارة ترجيح له:

١– قال الموصلي: وان دفع الوكيل الثمن من ماله فله حبس المبيع حتى يقبض الثمن فإن حبسه وهلك فهو كالمبيع.[6]

٢– قال النسفي: فلو هلك في يده قبل حبسه هلك من مال الموكل ولم يسقط الثمن و إن هلك بعد حبسه فهو كالمبيع.[7]

٣– قال المحبوبي: فإن هلك في يده قبل حبسه منه هلك على الآمر ولم يسقط ثمنه وبعد

١ـ فتاوى قاضي خان (٣٧/٣)

٢ـ ملتقى الأبحر (٣١٩/٣)

٣ـ الفتاوى الهندية (٥٨٧/٣)

٤ـ تكملة رد المحتار (٣٨٩/١١)

٥ـ الفقه الحنفي في ثوبه الجديد (٤٣٧/٢)

٦ـ المختار للفتوى (١٧٢/٢)

٧ـ كنز الدقائق (٣٠٢)

حبسه منه سقط. [1]

٤- قال صدر الشريعة الاصغر: فإن هلك بعد الحبس سقط الثمن. [2]

٥- قال التمرتاشي: هلك المبيع من يده قبل حبسه هلك من مال موكله ولم يسقط الثمن ولو بعد حبسه فهو كمبيع. [3]

٦- قال ملا خسرو: فإن هلك في يده قبل الحبس فعلى الآمر ولم يسقط الثمن وبعده فعليه وسقط. [4]

---

[١٠٩] اختلافی مسئلہ

الوكيل بالبيع والشراء لا يجوز له أن يعقد عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- مع أبيه وجده وولده وولد ولده وزوجته وعبده ومكاتبه وقال أبويوسف ومحمد -رحمهما الله تعالى-: يجوز بيعه منهم بمثل القيمة الا في عبده ومكاتبه.

توضیح الاختلاف:

وکیل بالبیع نے مذکورہ لوگوں (اقارب وعباد) کوکوئی چیز فروخت کی ہوتو اس کی تین صورتیں ہیں:

ا۔اس چیز کی قیمت سے زائد قیمت پراسے فروخت کیا ہےتو ہمارے ائمہ ثلاثہ کے ہاں بلاخلاف جائز ہے۔

۲۔اسے اس کی قیمت سے (غبنِ فاحش کے ساتھ) کم قیمت پر بیچا ہےتو یہ بالاجماع ناجائز ہے۔

۳۔اسے قیمتِ مثلی پر بیچا ہےتو پھر اس میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا مذکورہ بالا اختلاف ہے۔

الغرض مختصر القدوری میں مذکور اختلاف صرف قیمتِ مثلی کے عوض فروخت کرنے کی صورت کے ساتھ خاص ہے۔(۵)

---

١ ـ الوقاية (١٨٧/٣، ١٨٨)

٢ ـ النقاية (١٧٨/٢)

٣ ـ تنوير الأبصار (٢٨٦/٨)

٤ ـ غرر الأحكام (٣٢٨/٧)

٥ ـ الموسوعة الفقهية (٤٠/٤٥)، قرة عيون الأخيار (٤٢٠/١١)

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) ۱- باب ما يستحب من ابعاد المرء عن نفسه مواضع التهم:

عن أنس أن النبي صلى الله عليه وسلم كان مع امرأة من نسائه فمر رجل فقال: يا فلان! هذه امرأتي فلانة (وكانت صفية -رضي الله عنها-) فقال: يا رسول الله! من كنت أظن به فإني لم أكن أظن بك، فقال: ان الشيطان يجرى من ابن آدم مجرى الدم. [۱]

۲- قال عمر بن الخطاب -رضي الله عنه-:

"من أقام نفسه مقام التهمة فلا يلومن من أساء به الظن." [۲]

۳- قال زيد بن ثابت: "إني لأكره أن أرى في مكان يساء بي الظن". [۳]

(الملاحظة: أما الحديث على ألسِنَة الناس "اتقوا مواضع التهم" فقد قال العراقي فيه: لم أجد له اصلا. [۴])

مندرجہ بالا روایات سے مواضعِ تہمت سے احتراز کرنا معلوم ہوا اور زیر بحث مسئلہ میں مذکور لوگوں کے ساتھ عقد کرنا اپنے آپ کو محلِ تہمت میں ڈالنا ہے جو کہ ان روایات کی روشنی میں درست نہیں ہے۔

(۲) وکیلِ مذکور اور ان لوگوں کے مابین، منافع چونکہ متصل ہیں اس لئے من وجہ یہ عقدِ بیع اپنی ذات کے ساتھ ہو گیا

۱۔ الآداب للبيهقي (۱۳٦/۱) رقم (۲۳۲) وكذا في: صحيح البخارى (۱۸۵/۵) رقم (۲۰۳۸)، صحيح ابن حبان (۴۲۸/۸) رقم (۳٦۷۱)، صحيح مسلم (۸/۷) رقم (۵۸۰۷)، سنن أبي داوٗد (۴۵۵/۴) رقم (۴۹۹٦)، سنن النسائي (۲٦۳/۲) رقم (۳۳۵۷)، سنن إبن ماجه (۵٦/۱) رقم (۱۷۷۹)، شرح مشكل الآثار (٦۱/۱)، مسند أحمد (۴۳٦/۲۱) رقم (۱۴۰۴۲)، مسند اسحق بن راهويه (۲۵۸/۴)، مصنف عبدالرزاق (۳٦۰/۴) رقم (۸۰٦۵)، مسند أبي يعلى (۱۸٦/٦) رقم (۳۴۷۰)، مسند عبد بن حميد (۴۴۹/۱) رقم (۱۵۵٦)، مسند الروياني (۳۸۹/۲) رقم (۱۳۷۷)، حلية الأولياء (۱۴۵/۳)، الأدب المفرد (۴۳۸/۱) رقم (۱۲۸۸)، المعجم الكبير للطبراني (۷۱/۲۴) رقم (۲۰۲۱۰)

۲۔ مكارم الأخلاق للخرائطي (۱٦۱/۱)

۳۔ شعب الإيمان (۳۲۲/۵) رقم (٦۸۰۱)

۴۔ المغني عن حمل الأسفار للعراقي (۷۲۱/۲)، جمع الجوامع أو الجامع الكبير للسيوطي (۸۱۷/۱)، الجد الحثيث في بيان ما ليس بحديث للعامري (۴۰/۱)

وهوممنوع. (1)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال قاضي خان:

الوكيل بالبيع إذا باع ممن لا يقبل شهادته له باقل من قيمته لا يجوز في قول أبي حنيفة -رحمه الله- وبأكثر من قيمته جاز وإن باع بمثل القيمة فيه روايتان عن أبى حنيفة -رحمه الله تعالى- والظاهر أنه لا يجوز وقال صاحباه رحمهما الله تعالى يجوز بمثل القيمة وبأكثر (2) (ومن المعلوم أن تقديم قول الإمام فيه ترجيح له)

❷ قال ابن البزار الكردرى:

بيع الوكيل ممن لا يقبل شهادته له بأكثر من قيمته يجوز وبالمثل لا. (3)

❸ قال إبراهيم الحلبى:

لا يصح عقد الوكيل بالبيع أو الشراء مع من ترد شهادته له وقالا: يجوز بمثل القيمة إلا في العبد والمكاتب (4) (فقول الإمام فيه راجح إذ ذِكرُه مقدما ترجيح له على ما عرف في "شرح العقود")

❹ فى الهندية:

الوكيل بالبيع إذا باع ممن لا تقبل شهاته له...... وإن باع بمثل القيمة فيه روايتان عن أبي حنيفة -رحمه الله- والظاهر أنه لا يجوز(5) (فالاقتصار على قول الإمام أمارة كونه مختارا فيه)

❺ **وكذا المتون على قول الإمام ولم يرجح في شروحها غيره فهى امارة ترجيح قوله؛ فأذكر منها "المتون المعتبرة عند الحنفية" فقط:**

١ - قال الموصلى:

ولا يعقد الوكيل مع من لا تقبل شهادته له إلا أن يبيعه بأكثر من القيمة. (6)

١ـ قرة عيون الأخيار (١١/٤٢١)

٢ـ الخانية (٣/٢٢)

٣ـ البزازية (٥/٤٧٧)

٤ـ ملتقى الأبحر (٣/٣٢٤)

٥ـ الهندية (٣/٥٨٩)

٦ـ المختار (٢/١٧٣)

۲- قال النسفی:

الوكيل بالبيع والشراء لا يعقد مع من ترد شهادته له. (۱)

۳- قال المحبوبی:

لا يصح بيع الوكيل وشراؤه ممن ترد شهادته له. (۲)

۴- كذا في المتون الأخر. (۳)

[۱۱۰] اختلافی مسئلہ

والوكيل بالبيع يجوز بيعه بالقليل والكثير عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- وقالا: لا يجوز بيعه بنقصان لا يتغابن الناس في مثله.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

فقہ کا اصول ہے:

"المطلق يجرى على إطلاقه"(۴)

اصولِ مذکور کے تناظر میں وکیل بالبیع کا عقدِ بیع قلیل وکثیر کے عوض جائز ہے کیونکہ مؤکل نے اس کو مطلق بیع کا وکیل بنایا تھا جس کو اس نے سرانجام دے دیا۔(۵)

۱- كنز الدقائق (۳۰۵)

۲- الوقاية (۱۹۳/۳)

۳- تنوير الأبصار (۲۹۳/۸)، النقاية (۱۷۴/۲)، غرر الأحكام (۳۳۷/۷)

٤- قواعد الفقه (۲۵/۱)، التوضيح على التنقيح (۴۳/۲)، شرح التلويح على التوضيح (۴۹۸/۲)، أصول الشاشي (۳۳/۱)، غمز عيون البصائر (۳۹۱/۵)

٥- درر الحكام شرح غرر الأحكام (۳۳۸/۷)، الاختيار لتعليل المختار (۱۴۴/۲)

قولِ مفتی بہ کی تخریج

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

وصح بيعه بما قل أو كثر وبالعرض وخصّاه بالقيمة وبالنقود وبه يفتى. بزازية.

قال ابن عابدين:

قوله (بزازية): قال العلامة قاسم في تصحيحه على القدورى: ورجح دليل الإمام المعوّل عليه عند النسفي وهو أصح الأقاويل والاختيار عند المحبوبى ووافقه الموصلى وصدر الشريعة ا ه رملى. وعليه أصحاب المتون الموضوعة لنقل المذهب بما هو ظاهر الرواية. سائحانى (١)

❷ قال إبراهيم الحلبى:

والوكيل بالبيع يجوز بيعه بما قل أو كثر وبالعرض وقالا: لا يجوز إلا بمثل القيمة وبالنقود (٢)

(فقدم قول الإمام فيه ترجيحا كما هو ظاهر)

❸ قال طاهر بن عبدالرشيد البخارى:

الوكيل بالبيع مطلقا يبيعه بقليل الثمن وكثيره وبالعرض عن أبي حنيفة –رحمه الله– والمسألة معروفة. (٣)

❹ كذا في الكتب الأخر. (٤)

❺ إنما المتون على قول الإمام وهذا من ترجيحه أيضًا:

١– قال النسفي: وصح بيعه بما قل أو كثر أو بالعرض. (٥)

٢– قال الموصلى: والوكيل بالبيع يجوز بيعه بالقليل والنسيئة وبالعرض. (٦)

٣– قال المحبوبى: وصح بيع الوكيل بما قل أو كثر والعرض والنسيئة. (٧)

١ـ الدر المختار مع رد المحتار (٨/٢٩٤، ٢٩٥)

٢ـ ملتقى الأبحر (٣/٣٢٤)

٣ـ خلاصة الفتاوى (٤/١٥٨)

٤ـ منحة الخالق على هامش البحر الرائق (٧/٢٨٤)، قرة عيون الأخيار (١١/٤٢٤)

٥ـ كنز الدقائق (٣٠٦)

٦ـ المختار للفتوى (٢/١٧٢)

٧ـ الوقاية (٣/١٩٣)

۴- كذا في المتون الأخر. (۱)

---

[۱۱۱] اختلافی مسئلہ

اذا وكله ببيع عبده فباع نصفه جاز عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالىٰ- (وقالا: لا يجوز (۲))

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) فقہ کا قاعدہ ہے:

"الوكيل قائم مقام الموكل" (۳)

لہٰذا خود مؤکل جس طرح کل عبد کی بیع کا مالک ہے اسی طرح اس عبد کے بعض کی بیع کا بھی مختار ہے بالکل اسی طرح وکیل بھی اس کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے نصف عبد کے فروخت کرنے کا مجاز ہے۔ (۴)

(۲)...... اصولِ فقہ ہے:

"المطلق يجري على إطلاقه" (۵)

اس اصول کی روشنی میں وکیلِ مذکور کیلئے نصف عبد کی بیع کرنا درست ہے کیونکہ مؤکل نے اس کو غلام کی مطلق بیع کا وکیل بنایا تھا (جس میں "کل غلام" کو فروخت کرنے کی کوئی قیدِ مذکور نہیں تھی) (۶)

قولِ مفتی بہ کی تخریج

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

١ـ تنوير الأبصار (٨/٢٩٤)، النقاية (٢/١٧٤)، غرر الأحكام (٧/٣٣٨)

٢ـ الجوهرة النيرة (١/٦٥٢)

٣ـ شرح التلويح على التوضيح (٢/٤٥٧)، وكذا في كشف الأسرار (٨/٤٥٧)

٤ـ المبسوط للسرخسي (٦/٥٤٢)

٥ـ تقدم تخريجه في ذيل المسألة السابقة

٦ـ العناية على الهداية (٨/٨٨)، تبيين الحقائق (٤/٢٧٢)، الدر المختار (٨/٢٩٧)

وكله ببيع عبد فباع نصفه صح لإطلاق التوكيل وقالا: ان باع الباقى قبل الخصومة جاز وإلا لا وقولهما استحسان- ملتقى وهداية- وظاهره ترجيح قولهما والمفتى به خلافه (أى خلاف قولهما) (١)

قال علاؤ الدين الشامي:

قوله (والمفتى به خلافه)...... قلت: وقد علمت ما قدمناه عن العلامة قاسم من ترجيح قوله وعليه المعول وأنه أصح الأقاويل. (٢)

❷ قال الشيخ الهندى:

(وإذا وكله ببيع عبده فباع نصفه جاز عند أبي حنيفةؒ) وقال أبويوسفؒ و محمدؒ: لا يجوز لما فيه من ضرر الشركة- إلى أن قال- وقال المحقق الطائي: الفتوى على قول أبي حنيفةؒ (٣)

❸ قال قاسم بن قطلوبغا:

(وإذا وكله ببيع عبده فباع نصفه جاز عند أبي حنيفةؒ) وقالا: لا يجوز واختار قوله الإمام البرهاني والنسفي وصدر الشريعة. (٤)

❹ قال قاضي خان:

الوكيل ببيع العبد إذا باع نصفه جاز في قول أبي حنيفة -رحمه الله- ولا يجوز في قول صاحبيه رحمهما الله تعالىٰ (٥) (تقديم قول الإمام فيه ترجيح له كما هو ظاهر)

❺ قال الحلبى:

ولو وكل ببيع عبد فباع نصفه جاز وقالا: لا يجوز (٦) (ذِكرُه قولَ الإمام اولًا ترجيح له كما هو دأبه في المختار)

❻ كذا في الكتب الأخر. (٧)

❼ وكذا عليه المتون المعتبرة. (٨)

١ـ الدر المختار (١١/٤٣٠)

٢ـ تكملة رد المحتار (١١/٤٣١)

٣ـ المعتصر على المختصر (٤٣١)

٤ـ الترجيح والتصحيح على القدورى (٢٦١)

٥ـ الخانية (٣/٣٠)

٦ـ ملتقى الأبحر (٣/٣٢٧)

٧ـ الفتاوى البزازية (٥/٤٧٦)، بدائع الصنائع (٥/٢٨) حيث أخر دليله.

٨ـ المختار للفتوى (٢/١٧٣)، كنز الدقائق (٣٠٦)، الوقاية (٣/١٩٣)، النقاية (٢/١٧٤)

[۱۱۲] اختلافی مسئلہ

إذا وكله بشراء عشرة أرطال لحم بدرهم فاشترى عشرين رطلا بدرهم من لحم يباع مثله عشرة أرطال بدرهم لزم الموكل منه عشرة بنصف درهم عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالىٰ- وقالا -رحمهما الله- : يلزمه العشرون.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

فقہ کا اصول ہے:

"المقيد يجرى على تقييده". (۱)

موکل نے وکیل کو دس رطل کا حکم دے کر اس وزن کے ساتھ مقید کر دیا تھا اور اس سے زائد وزن کا حکم نہیں دیا تھا اس لئے وکیل کی خرید، امرِ مامور بہ (یعنی عشرہ ارطال) پر نافذ ہوگی اور زائد لحم کو حکم چونکہ (اپنے مقید ہونے کی بدولت) شامل نہیں تھا اس لیے باقی دس رطل لحم کی خرید خود وکیل کیلئے ہو جائے گی۔ (۲)

ف:۔

دلیل مذکور کے باوجود ایک امر پھر بھی محلِ اشکال ہے کہ جس طرح قید "دس اَرطال لحم" میں تھی اسی طرح "ایک درہم" بھی از قبیلِ تقیید ہے تو پھر شقِ اول کو کیوں اختیار کیا گیا؟

اس کے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ یہاں دو جہتیں پائی جا رہی ہیں۔

۱۔ مؤکل کی ضرورت (یعنی دس رطل لحم) کو مقصود بنا کر تقیید کا محور اصلی قرار دیا جائے۔

۲۔ ضرورت (گوشت) کی بجائے نفس رقم (ایک درہم) کو مقصود بالتقیید گردانا جائے۔

۱۔ التوضيح على التنقيح (۱/۳۷)

۲۔ اللباب في شرح الكتاب (۲/۷۳)، البحر الرائق (۷/۲٦۷)، الجوهرة (۱/٦٥۳)

ذیل میں مذکور صحابیٔ رسول حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ کے عمل سے چونکہ شقِ اول (یعنی ضرورت موکل کی رعایت) کی ترجیح ثابت ہوتی ہے اس لئے اسی کو اختیار کر کے یہاں دس رطل گوشت کو مقصود بالتقیید قرار دے کر اس پر شراء کو نافذ کر دیا گیا، فلا إشکال.

عن عروة – يعني ابن أبي الجعد البارقي – قال: أعطاه النبي صلى الله عليه وسلم دينارا يشتري به أضحية أو شاة فاشترى شاتين فباع إحداهما بدينار فأتاه بشاة ودينار اهـ (١)

اس روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کو "ایک دینار" کے عوض صرف "ایک عدد بکری" خریدنے کا وکیل بنایا تھا اور حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے اس سے "دو بکریاں" خرید لیں لیکن اس کے بعد انہوں نے (یعنی وکیل نے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی موکل) کی ضرورت والی جہت (یعنی ایک بکری) کو مدنظر رکھ کر ان دو بکریوں میں سے ایک بکری فروخت کر ڈالی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی موکل) کے پاس صرف ایک بکری (بمع دینار) لے کر واپس آئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وکیل، مؤکل کی جہتِ ضرورت کی رعایت ولحاظ کرے، وهو ما اخترناه وقلنا به.

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

لم اجد بعد تتبع الكتب الكثيرة العديدة التصريح بترجيح قوله والإفتاء به مصرحًا إلا أن مؤلفي المتون المعتبرة اختار قوله وشارحيها رجحوه بصنيعهم ودأبهم في المختار عندهم فها أنا أقدمها إليك.

١ ـ سنن أبي داود (٢/١٢٥) رقم (٣٣٨٦)، وكذا انظر له: جامع الترمذي (١/٣٧٠) رقم (١٢٥٨)، السنن الصغرى للبيهقي (٢/١٣٧) رقم (٢٢٤٧)، مصنف ابن أبي شيبة (٧/٣٠٣) رقم (٣٦٢٩٣)، سنن إبن ماجه (٢/٨٠٣) رقم (٢٤٠٢)

قال ابن الملقن في "البدر المنير" (٦/٤٥٢،٤٥٣):

هـذا الحديث رواه أبوداود والترمذي وابن ماجه في سننهم من حديث عروة البارقي...... أسانيدهم جيدة، وإسناد الترمذي على شرط الشيخين إلى أبي لبيد لمازة بن زبار الراوي عن عقبة، وهو ثقة كما سيأتي. وقال الحافظ زكي الدين المنذري: إسناد الترمذي حسن. (وقال) النووي (في شرح المهذب) إسناد الترمذي (حسن)، وإسناد الآخرين حسن فهو حديث صحيح.

قال ابن عبدالبر في "التمهيد" (٢/١٠٨): وهو حديث جيد.

وكذا نقل تصحيح إسناده في "التلخيص" (٣/١١) لابن حجر العسقلاني، و "تحفة المحتاج في شرح المنهاج" لابن حجر الهيتمي (٤/٢٤٧)، و 'تحفة المحتاج إلى أدلة المنهاج" لابن الملقن (٢/٢٠٧) وفيه أيضا: "ووهم ابن حزم في إعلاله".

● قال الموصلي:

وإن وكله بشراء عشرة أرطال لحم بدرهم فاشترى عشرين مما يباع منه عشرة بدرهم لزم الموكل عشرة بنصف درهم. (١)

● قال المحبوبي:

ومن وكل بشراء منّ لحم بدرهم فشرى منوين بدرهم مما يباع منّ بدرهم لزم موكله منّ بنصف درهم. (٢)

● قال النسفي:

ولو وكله بشراء عشرة أرطال لحم بدرهم فاشترى عشرين رطلا بدرهم مما يباع مثله عشرة بدرهم لزم الموكل منه عشرة بنصف درهم. (٣)

● قال الحلبي:

ومن وكل بشراء رطل لحم بدرهم فشرى رطلين بدرهم مما يباع رطل بدرهم لزم موكله رطل بنصف درهم وعندهما يلزمه الرطلان بالدرهم (ترجيحه فيه، بتقديمه قوله كما هو المعروف من دأبه في المختار عنده) (٤)

● قال ابن نجيم:

قوله (ولو وكله بشراء عشرة أرطال لحم بدرهم إلخ) وهذا عند أبي حنيفةؒ وقالا: يلزمه العشرون لأنه أمره بصرف الدرهم في اللحم...... ولأبي حنيفةؒ أنه أمره بشراء عشرة ولم يأمره بشراء الزيادة فنفذ شراؤها عليه وشراء العشرة على الموكل (٥) (ترجيحه فيه من حيث أخر دليله إذ هي أمارة المختار في شرحه على ما عرف في "شرح العقود")

● قال الزيلعي:

قال رحمه الله (ولو وكله بشراء عشرة أرطال لحم بدرهم فاشترى عشرين إلخ)وهذا عند أبي حنيفة -رحمه الله- وعندهما يلزمه العشرون بدرهم وذكر في بعض نسخ مختصر القدوري قول

١ـ المختار للفتوى (١٧٢/٢)

٢ـ الوقاية (١٩٠/٣)

٣ـ كنز الدقائق (٣٠٣)

٤ـ ملتقى الأبحر (٣٢١/٣)

٥ـ البحر الرائق (٢٦٧/٧)

محمدؒ مع قول أبي حنيفةؒ و محمدؒ لم يذكر الخلاف في الأصل. وجه قول أبي يوسفؒ إن هذا خلاف إلى خير لأن المامور به صرف الدرهم في عشرة أرطال من اللحم...... وجه الأول (أى قول أبي حنيفةؒ) أنه أمره بشراء عشرة ولم يأمره بأكثر منها اهـ [1] (ترجيح قوله فيه من حيث أخر دليله على ما عرف سابقا)

❼ كذا في الكتب الأخر على النمط السابق، ان مصنفيها أخروا دليل قول الإمام فيها في المسألة التى نحن فيها. [2]

مسئلہ [۱۱۳]

الوكيل بالخصومة وكيل بالقبض عند أبي حنيفة و أبي يوسف و محمد –رحمهم الله تعالى–.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے کہ وکیل بالخصومۃ قبضہ کرنے کا وکیل نہیں ہوگا۔

مستدلہ:

فقہ کا اصول ہے:

"المقيد يجرى على تقييده". [3]

خود لفظ "الوکیل بالخصومۃ" ہی اس بارے میں صریح ہے کہ یہ وکالت مقید بالخصومۃ ہے لہٰذا اصول مذکور کے موافق یہ وکالت اسی میں مقید رہے گی اور مذکورہ وکیل اس سے متجاوز ہوکر قبضے کا وکیل نہیں ہوگا۔

بالفاظِ دیگر موکل کی رضا وکیل کے تمام تصرفات واختیارات کو علی الاطلاق شامل نہیں تھی بلکہ صرف اس کی خصومت کی حد تک مقید تھی یعنی وہ محض اس کی خصومت پر راضی تھا اور ظاہر ہے کہ قبضہ غیرِ خصومت ہے لہٰذا موکل کی رضا اس میں نہ پائی گئی جس پر اس کا وکیل بالقبض ہونا بھی درست نہ ہوا۔ [4]

١ـ تبيين الحقائق (٤/٢٦٣)

٢ـ بدائع الصنائع (٥/٣٢)، العناية على هامش النتائج (٨/٤٦)، الهداية (٣/١٩١)

٣ـ تقدم تخريجه في المسألة السابقة

٤ـ اللباب في شرح الكتاب (٢/٧٤)، الجوهرة النيرة (١/٦٥٤)

تخريج:

❶ **في الهندية:**

والتوكيل بالخصومة توكيل بقبض الدين عند أصحابنا الثلاثة -رحمهم الله- وقال زفرؒ: لا يكون توكيلا بالقبض، قال الصدر الشهيد في الجامع الصغير: لا يفتى بقول أصحابنا في هذه المسألة والفتوى على قول زفرؒ وفي النوازل اختار الفقيه ابو الليث أنه لا يملك القبض قال وهكذا اختاره المتأخرون وبه نأخذ. (١)

❷ **قال التمرتاشي والحصكفي:**

وكيل الخصومة والتقاضي لا يملك القبض عند زفرؒ وبه يفتي لفساد الزمان. (٢)

❸ **قال ابن نجيم:**

قوله (الوكيل بالخصومة والتقاضي لا يملك القبض) وهذا قول زفرؒ...... وعندنا هو وكيل بالقبض- إلى أن قال- والفتوى اليوم على قول زفر لظهور الخيانة في الوكلاء. (٣)

❹ **قال ابن البزاز:**

والفتوى على أن الوكيل بالتقاضي أو بالخصومة في الدين لا يملك القبض كذا اختاره المتاخرون.(٤)

❺ **قال الإمام محمدؒ:**

والوكيل بالخصومة وكيل بقبض الدين. قوله "وكيل بقبض الدين" لكن لا يفتى به في زماننا. (٥)

❻ **كذا في الكتب الأخر. (٦)**

١ـ الهندية (٣/٦٢٠)

٢ـ الدر المختار (٨/٣٠٦)

٣ـ البحر الرائق (٧/٣٠٢)

٤ـ الفتاوى البزازية (٥/٤٦٩)

٥ـ الجامع الصغير مع شرحه النافع الكبير (١/٤٠٦)

٦ـ خلاصة الفتاوى (٤/١٥١)، الهداية (٣/٢٠١)، الكفاية (٨/١٩)، مجمع الضمانات (٥/٨٣)، الاختيار لتعليل المختار (٢/١٧٥)، الجوهرة النيرة (١/٦٥٤)، تبيين الحقائق (٤/٢٧٨)، الفقه الإسلامى للزحيلى (٤٠٨٦)، الموسوعة الفقهية (٢٨/٢٥١)، اللباب في شرح الكتاب (٢/٧٤)، الفقه الحنفى وأدلته (٢/١٢٣)، الفقه الحنفى في ثوبه الحديد (٢/٤٤٣)، شرح الوقاية (٣/١٩٥)، مجمع الأنهر (٣/٣٣٢)

[۱۱۴] اختلافی مسئلہ

الوكيل بقبض الدين وكيل بالخصومة فيه عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- (وقالا: لا يكون وكيلا بالخصومة [1])

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

فقہ کے قواعد میں سے ہے:

١ – من ملك شيئا ملك ما هو من ضرورياته. [2]

٢ – إذا ثبت الشيء ثبت ما في ضمنه. [3]

ان قواعد کا مقتضیٰ یہ ہے کہ وکیل مذکور کو دین کے قبضہ کے ساتھ ساتھ مطالبۂ دَین کا بھی حق حاصل ہو، کیونکہ قاعدۂ اولیٰ کی رُو سے مطالبۂ دین، قبضِ دین کی ضروریات میں سے ہے اس لئے کہ اس کے بدون، محض قبضِ دین کی وکالت سے وکیل کو کوئی نفع نہیں بلکہ قبضِ دَین متصور ہی نہیں ہوسکتا (جب تک مطالبہ کا حق نہ ہوتا کہ اس کو اختیار کر کے وہ قرض وصول کر سکے)۔

اور قاعدۂ ثانیہ کی رو سے وکیل کیلئے جب نفس ''قبضِ دَین'' کا حق ثابت ہو گیا تو مطالبۂ دَین جو اس کے ضمن میں آتا ہے اس کا استحقاق بھی ثابت ہو گیا۔

الغرض وکیل مذکور کو جب مطالبۂ دین کا اختیار حاصل ہو گیا تو یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ مطالبہ کبھی مخاصمہ کا محتاج ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات تو مخاصمہ کیے بغیر مطالبہ ممکن ہی نہیں ہوتا لہٰذا اس توضیح کی روشنی میں قبضِ دَین کا وکیل خصومت کا بھی مالک ہوگا۔ [4]

---

١ ـ الجوهرة النيرة (١/٦٥٥)

٢ ـ قواعد الفقه (١/٢٦)، شرح القواعد الفقهية (١/١٤٩)، المدخل الفقهي العام (٢/١٠١٨)...... وفيه أن هذه القاعدة لا تختص بمجرد، "ملك العين" بل لها استعمال في غيره أيضًا كالتصرفات وغير ذلك

٣ ـ مستفاد من رد المحتار (٩/٥٦٩)

٤ ـ الفقه الحنفي وأدلته (٢/١٢٣) بتسهيل

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال العلامة الشامی (فی جواب سوال مثله):

نعم! والوكيل بقبض الدين يملك الخصومة والوكيل بقبض العين لا يملك الخصومة. [1]

❷ قال قاضی خان:

رجل وكل رجلا بقبض دينه من فلان فأراد الوكيل إثبات الوكالة بالبيّنة فشهد شهدان أن الموكل وكله بقبض دينه من فلان قال أبوحنيفة رحمه الله تعالى: يصير وكيلا بالخصومة والقبض [2] (فترك قولهما في معرض البيان والاقتصار على قوله في هذا المقام يدل على كونه مختارا في الباب وهذا ظاهر)

❸ قال العلامة قاسم بن قطلوبغا:

قوله (والوكيل بقبض الدين وكيل بالخصومة فيه عند أبي حنيفة -رحمه الله-) وقالا: وهو رواية عن أبي حنيفةؒ - ليس بوكيل بالخصومة.

وعلى قول الإمام مشى الإمام المحبوبی في أصح الأقاويل والاختيارات والنسفی والموصلی وصدر الشريعة. [3]

❹ قال الحلبی:

وللوكيل بقبض الدين الخصومة قبل القبض خلافا لهما [4] (ومن المعلوم في ضوء "شرح العقود" ان تقديم قول الإمام فيه ترجيح له)

❺ كذا المتون على قول الإمام كما تليك منها المعتبرة.

١-قال ابو الفضل الموصلی:

الوكيل بقبض الدين وكيل بالخصومة فيه. [5]

٢-قال تاج الشريعة المحبوبی:

١۔ تنقیح الفتاوی الحامدیة (٣٢٢/٤)

٢۔ الفتاوی الخانیة (١٠/٣)

٣۔ الترجيح والتصحيح (٢٦٣)

٤۔ ملتقى الأبحر (٣٣٢/٣)

٥۔ المختار للفتوى (١٧٥/٢)

وللوكيل بقبض الدين الخصومة (۱)

۳–قال ابو البركات النسفي:

وبقبض الدين يملك الخصومة وبقبض العين لا. (۲)

❻ وكذا في الموسوعة الفقهية. (۳)

---

[۱۱۵] اختلافی مسئلہ

ولا يجوز إقراره عليه (أى إقرار الوكيل بالخصومة على موكله) عند غير القاضى، عند أبي حنيفة و محمد – رحمهما الله تعالى– إلا أنه يخرج من الخصومة وقال أبويوسفؒ: يجوز إقراره عليه عند غير القاضى.

مفتی بہ قول:

فتویٰ طرفین رحمہما اللہ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

جوازِ اقرار کو مجلس قاضی کے ساتھ مختص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ موکل نے اس کو ''خصومت'' کا وکیل بنایا تھا اور ''خصومت'' کی حقیقت ہی یہی ہے کہ وہ مجلسِ قاضی میں ہوتی ہے لہٰذا وہ وکیل بھی اس مجلس کے علاوہ کسی اور جگہ میں وکیل نہیں ہوگا کیونکہ غیرِ مجلسِ قاضی اس خصومت کا محل ہی نہیں ہے جس کا اسے وکیل بنایا گیا تھا۔ (۴)

قول مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ **قال الحلبي: وإقرار الوكيل بالخصومة على موكله عند القاضى صحيح لا عند غير القاضى خلافًا لأبي يوسفؒ (۵)(فالقول المقدم فيه راجح حسب تصريح الشاميؒ به كما مر)**

۱۔ الوقاية (۳/۱۹٦)

۲۔ كنز الدقائق (۳۰۸)

۳۔ (۲۸/۲۵۱)

٤۔ قرة عيون الأخيار (۱۱/٤٦٤)، الموسوعة الفقهية (٤٥/٦۸)

٥۔ ملتقى الأبحر (۳/۳۳٤)

قولهما إستحسان فهو راجح إذ الإستحسان مقدم على القياس -إلا في مواضع معدودة وهذا ليس منها- فإليك مواضع الاستحسان:

١-قال التمرتاشي والحصكفي:

وصح إقرار الوكيل بالخصومة بغير الحدود والقصاص على موكله عند القاضي دون غيره استحسانًا. (١)

٢-قال إبن نجيم:

قوله (ولو اقر الوكيل بالخصومة عند القاضي صح وإلا لا) أى وإن اقر على موكله عند غير القاضي لا يصح عندهما استحسانا. (٢)

❷ قال الزيلعي:

قال رحمه الله (ولو أقر الوكيل بالخصومة عند القاضي صح وإلا لا) أى إذا أقر عند غير القاضي لا يصح وعنده يصح وهو استحسان ولكنه يخرج به عن الوكالة. (٣)

❸ قال داماد آفندي:

(إقرار الوكيل بالخصومة على موكله عند القاضي صحيح لا عند غير القاضي) أى إن كان إقراره عند غير القاضي فشهد به الشاهدان عند القاضي فانه غير صحيح استحسانا عند الطرفين. (٤)

❹ كذا في الكتب الأخر. (٥)

❺ لقد اختار أصحاب المتون قول الطرفين(٦) - وهذا ترجيح له أيضًا -.

١ـ الدر المختار (٣٠٩/٨)

٢ـ البحر الرائق (٣٠٨/٧)

٣ـ تبيين الحقائق (٢٧٩/٤)

٤ـ مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر (٣٣٤/٣)

٥ـ الجوهرة النيرة (٦٥٥/١)، الدر المنتقى (٣٣٤/٣)، الموسوعة الفقهية (٦٨/٤٥)، المعتصر على المختصر (٤٠٤)

٦ـ المختار للفتوى (١٧٦/٢)، كنز الدقائق (٣٠٨)، الوقاية (١٩٧/٣)، النقاية (١٨٠/٢)، بداية المبتدى (١٦٣/١) غرر الأحكام (٣٥٠/٧)، تنوير الأبصار (٣٠٩/٨، ٣١٠)

كتابُ الكفالة

[۱۱٦] اختلافی مسئلہ

ولا تجوز الكفالة بالنفس في الحدود و القصاص عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- (وقالاً : تجوز (۱))

توضیح المقام:

حدود وقصاص میں کفالہ بالنفس کے جائز وناجائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مکفول لہ (مدعی) اگر قاضی سے اس بات کا مطالبہ کرے کہ اس کیلئے مکفول عنہ (مدعی علیہ) کی طرف سے کوئی کفیل بالنفس مقرر کیا جائے جو اس کو مجلسِ قضاء میں حاضر کرے، تو امام صاحبؒ کے نزدیک مکفول عنہ کو (اعطائے کفیل سے امتناع کی صورت میں) اپنا کفیل دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا یعنی قاضی کا مکفول عنہ کو اس پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے، کفالہ بالنفس کے جائز نہ ہونے کا یہی مطلب ہے۔ اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اس کو کفیل دینے پر مجبور کیا جائے گا یعنی قاضی کی طرف سے اس پر اجبار جائز ہے وہو معنی جواز الکفالۃ۔

واضح رہے کہ اس میں کفیل کا فریضہ صرف مکفول عنہ کو بروقتِ ضرورت حاضر کرنا ہوگا۔

بہر حال نفسِ حدود وقصاص میں تو ان تینوں ائمہ کے نزدیک کفالہ بالنفس جائز نہیں ہے کیونکہ کفیل سے ان کا استیفاء ممکن نہیں، وجہ یہ ہے کہ عقوبات میں نیابت جاری نہیں ہوتی کہ اصل کی بجائے نائب کو سزا دے دی جائے۔ فافهم إذ هو مما يلزم حفظه. (۲)

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

۱۔ الجوهرة النيرة (۱/۶۵۹)، اللباب في شرح الكتاب (۲/۷۸)

۲۔ انظر له: العناية على هامش الفتح (۷/۱٦۷)، الجوهرة النيرة (۱/۶۵۹)، الفقة الحنفى في ثوبه الجديد (۲/۴۱۲)، الفقه الإسلامى للزحيلى (۴۱٦۰، ۴۱٦۱)

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن عائشة رضی الله عنها أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال:

"ادرؤوا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فإن وجدتم لمسلم مخرجا فخلوا سبیله". [۱]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدود کی بنیاد "درء" پر ہے یعنی اس بات کی کوشش ہوتی ہے کہ حد کسی طرح ساقط ہو جائے اور مجرم حد لگنے سے بچ جائے خواہ کوئی ادنیٰ سا شبہ پایا جائے اور اس کے ذریعے اس کے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نکل آئے کہ اسی سے "الحدود تندرئ بالشبهات [۲]" معروف ہے۔

اس کے برعکس یہاں مکفول عنہ کو کفیل دینے پر مجبور کرنا حد کو ساقط کرنے کی بجائے پختہ کرنا ہے کہ مجرم کو بہر صورت حد لگ جائے اور واضح ہے کہ یہ اقدام "درء" کی ضد ہونے کی بدولت منشاء ومقتضائے حدیث کے خلاف ہے فلذلك لا تجوز فیها الکفالة بالنفس۔ [۳]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الحلبی:

ولا یجبر علی إعطاء کفیل بالنفس في حد و قصاص فإن سمحت به نفسه صح وقالا: یجبر في القصاص وحد القذف [۴] (ومما لا یخفی أن تقدیم قول الإمام فیه ترجیح له)

۱۔ المستدرك للحاكم (۴/۴۲۶) رقم (۸۱۶۳)، وكذا انظر له: سنن الترمذی (۱/۳۹۵) رقم (۴۲۴)، مسند أبي يعلى (۱۱/۴۹۴) رقم (۶۶۱۸)، السنن الصغری (۲/۴۷۹) رقم (۳۵۰۰)، السنن الكبری (۹/۱۲۳) رقم (۱۸۰۷۳)، جامع الأصول (۳/۶۰۲) رقم (۱۹۳۲)

في "الإعلاء" (۱۱:۴۸۸):

أورده في "الجامع الصغیر" ورمز لصحته، وفي "العزیزی": قال الشیخ: حدیث حسن۔

قال الأمیر في "سبل السلام" (۲/۴۲۲):

ساق المصنف (أی الحافظ) في "التلخیص" عدة روایات موقوفة صحح بعضها وهی تعاضد المرفوع.

قال البوصیری في "اتحاف الخیرة المهرة بزوائد المسانید العشرة" (۴/۸۶):

"وعن الحاكم رواه البیهقی في سننه وقال: هذا موصول. انتهی. وله شاهد مرفوع من حدیث علي بن أبي طالب رواه الدار قطني والبیهقی وغیرهما.

۲۔ السنن الكبری للبیهقی (۸/۳۱) رقم (۱۵۷۰۰)، التعلیق الممجد (۳۱۳)

۳۔ انظر له: تبیین الحقائق (۴/۱۵۲) بتسهیل، البحرالرائق (۶/۳۶۰)، الفقه الإسلامی للزحیلی (۴۱۶۰)

۴۔ ملتقی الأبحر (۳/۱۷۹)

❷ في الهندية:

وجازت الكفالة بالنفس في القصاص وحدا لقذف والسرقة عند أبي حنيفة -رحمه الله- ولكن لا يجبر بل إذا سمحت وطابت نفسه بإعطاء الكفيل هكذا في محيط السرخسي.[1] (فالاقتصار على قول الإمام وعدم التعرض لقولهما ترجيح لقول الإمام كما هو الظاهر)

❸ قال إبن نجيم:

(ولا يجبر على الكفالة بالنفس في حد و قود) وهذا عند الإمام وقالا بالجبر في حد القذف والقصاص دون غيرهما ...... لهما أنهما شرعت لتسليم النفس ا ه وله اطلاق قوله عليه الصلاة والسلام "لاكفالة في حد" ولأنها للاستيثاق ومبناهما على الدرء [2] (فذِكرُه دليلَ الإمام مؤخرا أمارة ترجيحه كما في شرح العقود)

❹ قال الكاساني:

إذا امتنع (المكفول عنه) من إعطاء الوكيل عند الطلب هل يجبره القاضي عليه؟ قال أبوحنيفة: لايجبره وقال أبويوسف و محمد -رحمهما الله- : يجبره

وجه قولهما أن نفس من عليه القصاص والحد مضمون التسليم عليه عند الطلب ا ه

ولأبي حنيفة: أن الكفالة شرعت وثيقة والحدود مبناها على الدرء فلا يناسبها التوثيق بالجبر على الكفالة [3] (فتأخيره دليل الإمام يدل على ترجيحه على ما عرف من صنيعه في الراجح عنده كما في شرح العقود)

❺ قال سراج الدين ابن نجيم:

ولا يجبر المدعى عليه على الكفالة بالنفس في دعوى حد و لا قَوَد بأن يحضره الكفيل إلى مجلس القضاء لإثبات ذلك عليه وهذا قول الإمام وقالا: يجبر في حد القذف لأنه فيه حق العبد وفي ذلك القصاص لأن المغلب فيه حقه ...... وله إطلاق قوله عليه الصلاة والسلام "لاكفالة في حد" [4] (فقول الإمام فيه راجح لكونه مؤخرا دليلُه وهي علامة ترجيحه حسب ما ذكر في شرح العقود)

١ـ الهندية (٣/٢٥٨)

٢ـ البحر الرائق (٦/٣٦٠)

٣ـ بدائع الصنائع (٤/٦٠٩)

٤ـ النهر الفائق (٣/٥٥٣)

❻ وكذا الزيلعي اخر دليل الإمام في هذه المسألة [1]

❼ والمتون على قول الإمام كما تليک منها المعتبرة:

١ – قال النسفي: ولا يجبر على الكفالة بالنفس في حد وقود. [2]

٢– قال المحبوبي: ولا جبر على إعطاء كفيل في حد و قصاص. [3]

٣– قال الموصلي: لا تصح ببدل الكتابة والسعاية والأمانات والحدود والقصاص. [4]

٤– قال ابن الساعاتي: والكفالة بالنفس جبرًا في القصاص وحد القذف باطلة كسائر الحدود. [5]

---

[١١٧] اختلافی مسئلہ

إذا مات الرجل وعليه ديون ولم يترك شيئا فتكفّل رجل عنه للغرماء لم تصح الكفالة عند أبي حنيفة –رحمه الله تعالى– وعندهما تصح.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

کتاب الکفالۃ میں یہ اصول ہے:

"الكفالة بالساقط لاتجوز" [6]

مکفول عنہ چونکہ مفلس ہوکر مرا ہے اس لیے افلاس کی بدولت دَین اس سے ساقط ہوگیا (کیونکہ میت نے کوئی مال چھوڑا ہی نہیں جس سے ادائیگی ہوسکے فسقط الدين لا محالة) لہٰذا اصول مذکور کی رُو سے کفالہ بھی صحیح نہ ہوا (جس کی

١۔ تبيين الحقائق (١٥٢/٤)

٢۔ كنز الدقائق (٢٦٦)

٣۔ الوقاية (٩٦/٣)

٤۔ المختار للفتوى (١٨١/٢)

٥۔ مجمع البحرين وملتقى النيرين (٤٤١)

٦۔ مجمع الأنهر (١٩٠/٣)

قدرے توضیح یہ ہے کہ "ساقط ہو جانے" کا مطلب یہ ہوا کہ گویا اس نے ادا کر دیا اور ظاہر ہے کہ ادا کردہ دَین کا کفیل بنا درست نہیں ہے)

ہاں اگر وہ کفیل اپنی طرف سے بخوشی اس قرض کو چکانا چاہے تو درست ہے مگر یہ بجائے کفالہ کے از قبیلِ تبرع ہوگا، فاحفظه.[1]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

فلا تصح الكفالة بالدَين عن ميت مفلس عنده وعند أبي يوسف ومحمد -رحمهما الله تعالى- تصح كذا في البدائع والصحيح قول أبي حنيفة -رحمه الله-[2]

❷ قال سراج الدين ابن نجيم:

ولا تصح الكفالة أيضا بدَين عن ميت مفلس عند الإمام وقالا: تصح - إلى أن قال بعد ذكر أدلة الفريقين وبحث مهم فيه- قال في الغاية: والحق بأن من قال بأن الكفالة ضم ذمة إلى ذمة القول ببطلان الكفالة عن الميت المفلس لعدم ما يضم اليه انتهى وفيه تأييد لقول الإمام.[3]

❸ قال الحلبي:

ولا (أى لا تجوز الكفالة) عن ميت مفلس خلافا لهما[4] (فذكرُه قولَ الإمام اوّلًا ترجيح له كما هو دأبه في المختار فيه)

❹ قال ابن نجيم:

أما شرائط الأصيل فالأول أن يكون قادرا على تسليم المكفول به إما بنفسه أو بنائبه فلم تصح الكفالة عن ميت مفلس.[5]

❺ كذا في الكتب الأخر.[6]

١ـ الفقه الحنفى وأدلته (٢/١٣١)، اللباب في شرح الكتاب (٢/٨٢)، الجوهرة (١/٦٦٥)، الموسوعة الفقهية (١٦/٧)

٢ـ الهندية (٣/٢٥٣)

٣ـ النهر الفائق (٣/٥٧٢)

٤ـ ملتقى الأبحر (٣/١٩٠)

٥ـ البحر الرائق (٦/٣٤٥)

٦ـ الفقه على المذاهب الأربعة (٣/١٨٧)، الفقه الحنفى في ثوبه الحديد (٢/٤١٢)، تبيين الحقائق (٤/١٦٠)

❻ وقول الإمام قول المتون المعتبرة كما يليك:

١ – قال الموصلي: ولا تصح الكفالة عن الميت المفلس. [١]

٢ – قال النسفي: و (بطل الكفالة) عن ميت مفلس. [٢]

٣ – قال ابن الساعاتي: وهي (أي الكفالة) عن الميت المفلس باطلة. [٣]

٤ – قال المحبوبي: و (لا يصح الكفالة) عن ميت مفلس. [٤]

---

١ ـ المختار للفتوى (٢/١٨٢)

٢ ـ كنز الدقائق (٢٧٠)

٣ ـ مجمع البحرين (٤٤٧)

٤ ـ الوقاية (١٠٣)

كتابُ الحوالة

[۱۱۸] اختلافی مسئلہ

والتوى عند أبي حنيفة -رحمه الله- بأحد الأمرين إما أن يجحد الحوالة ويحلف ولا بينة له عليه أو يموت مفلسا وقال أبويوسف و محمد -رحمهما الله-: هذان الوجهان ووجه ثالث وهو أن يحكم الحاكم بإفلاسه في حال حياته.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

"امرین" مذکورین میں سے ہرایک کی دلیل ذیل میں علی اللف والنشر زیب قرطاس کی جاتی ہے:

(۱) (أ) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "البينة على من ادعى واليمين على من أنكر" (۱)

(ب)...... عن عمر عن النبی صلی الله عليه وسلم قال:

"البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه". (۲)

محتال علیہ چونکہ حوالہ کو قبول کرنے کا منکر ہے اور مدعی علیہ ہے۔ اس لئے محتال لہ (جو کہ مدعی ہے) کے پاس محتال علیہ کے خلاف قبولِ حوالہ کی بینہ نہ ہونے کی صورت میں محتال علیہ کے ذمہ قسم آئے گی اور یہی احادیثِ بالا کا مقتضیٰ ہے۔

۱۔ معرفة السنن والآثار (۷۲/۱٦) رقم (٦١٩٥)، وكذا انظر له: سنن الدار قطني (۱۱۱/۳) رقم (۹۹)، السنن الصغرى (٤٣٦/۲) رقم (۳۳۳۸)، السنن الكبرى (۱۲۳/۸) رقم (۱٦۲۲۲)، مختصر الأحكام مستخرج الطوسي على جامع الأحكام (۱٤/۳). تقدم بيانه من حيث الحكم عليه.

۲۔ سنن الدار قطني (۲۱۸/٤) رقم (٥٤)، وكذا انظر له: السنن الصغرى (۳۱۳/۳) رقم (٤٧۱۸)، السنن الكبرى (۲۷۹/۸) رقم (۱۷۰٦٥)، معرفة السنن والآثار (٥٠/۱٦) رقم (٦۱۷۸) تقدم بيانه.

(۲) (أ) روی أن النبی صلی الله علیه وسلم قال:

"إذا مات المحتال علیه مفلسا عاد الدَین" (۱)

(ب) عن الحکم بن عتیبة قال:

"لا یرجع في الحوالة إلی صاحبه حتی یفلس أو یموت ولا یدع فإن الرجل یوسر مرة ویعسر مرة." (۲)

اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ قاضی کی تفلیس سے کسی آدمی پر دائمی افلاس کا حکم نہیں لگایا جا سکتا جو اس کے حق میں تحققِ توی کا موجب بن سکے بلکہ اگر کوئی شخص ایک وقت میں نادار، مفلس ہے تو دوسرے وقت میں وہ غنی و مالدار ہو سکتا ہے کما في آخرها **"یوسر مرة ویعسر مرة"**.

لہٰذا موت تک باقی رہنے والے افلاس کو "توی" کا سبب قرار دیا جائے گا (نہ کہ تفلیسِ حاکم کو) اور عبارتِ مسئلہ **"أو یموت مفلسا"** کا بھی یہی مطلب ہے۔

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصکفي:

ولا یرجع المحتال علی المحیل إلا بالتوی وهو أن یجحد الحوالة ویحلف ولا بینة له أو یموت مفلسا وقالا بهما وبأن فلسه الحاکم.

قال ابن عابدین:

قوله (وبأن فلسه الحاکم) أی في حیاته..... وظاهر کلامهم متونا و شروحا تصحیح قول الإمام ونقل تصحیحه العلامة قاسم ولم أر من صحح قولهما. (۳)

❷ قال العلامة الشامی (فی جواب عن سوال هذا النوع):

نعم! یرجع المحتال بالمال علی المحیل إذا توی حقه وهو (أی التویٰ) بموت المحال علیه مفلسا أو إنکاره الحوالة وحلفه ولا بینة له علیها. (۴)

❸ قال قاضی خان:

۱۔ مجمع الأنهر (۳/۲۰۶)؛ ولم أجده في الکتب الحدیثیة فجزی الله عني من یدلني الیه فیها أحسن الجزاء

۲۔ مصنف ابن أبي شیبة (۴/۳۳۰) رقم (۲۰۷۲۳)

۳۔ رد المحتار (۸/۱۵)

۴۔ تنقیح الفتاوی الحامدیة (۴/۴۶)

وهلاک المال على المحتال عليه في قول أبي حنيفة يكون على وجهين:

أحدهما : أن يموت المحتال عليه مفلسا ولم يدع مالا لا عينا ولا دينا على رجل ولا كفيلا بالمال المحتال به.

والثاني: أن يجحد المحتال عليه الحوالة ويحلف ولم يكن للمحيل ولا للمحتال له بينة على الحوالة وهو من جملة هلاک المال على المحتال عليه فتبطل الحوالة ويعود المال على المحيل في ظاهر الرواية.

وعلى قول أبي يوسف و محمد -رحمهما الله تعالى- هلاک المال يكون بهذين الطريقين وبتفليس القاضي المحتال عليه[1] (فقول الإمام فيه راجح من جهتين: الأولى: كونه في ظاهر الرواية والثانية: تقديمه على قولهما على ما عرف من دأبه في المختار)

❹ في الهندية:

والتوى عند أبي حنيفة -رحمه الله- أحد الأمرين:

إما أن يجحد المحتال عليه الحوالة ويحلف ولا بينة للمحيل ولا للمحتال له أو يموت مفلسا بأن لم يترک مالا عينا ولا دينا ولا كفيلا[2] (ولم يُذكر بعده قولهما فالاكتفاء بقوله والاقتصار عليه ترجيح له)

❺ قال الحلبي:

ولا يرجع عليه إلا إذا توى حقه وهو بموت المحتال عليه مفلسا أو إنكاره الحوالة وحلفه ولا بينة عليها وعندهما بتفليس القاضي إياه أيضا[3] (ذكرُه قولَ الإمام اولًا ترجيح له كما لا يخفى)

❻ كذا في الكتب الأخر.[4]

١ـ الفتاوى الخانية (٣/٧٣)

٢ـ الفتاوى الهندية (٣/٢٩٦)

٣ـ ملتقى الأبحر (٣/٢٠٦)

٤ـ اللباب في شرح الكتاب (٢/٨٣)، البحر الرائق (٦/٤٢٠)؛ حيث اخر دليل الإمام فيه، التبيين للزيلعي (٤/١٧٣)؛ حيث اخر دليله فيه

كتابُ الصُّلح

[۱۱۹] اختلافی مسئلہ

وإذا كان السلم (أی المسلم فيه) بين الشريكين فصالح أحدهما من نصيبه على رأس المال لم يجز عند أبي حنيفة و محمد -رحمهما الله تعالى- وقال ابويوسف رحمه الله تعالى: يجوز الصلح.

مفتی بہ قول:

فتویٰ طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

فقہ کا اصول ہے:

"لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بلا إذنه". (۱)

اول یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اس کو صلح کہنا مجازاً ہے کیونکہ درحقیقت یہ فسخ ہے اور چونکہ عقد دونوں کے رأس المال اور رضامندی سے تام ہوا تھا اس لئے شریکین میں سے کسی ایک کا اپنے حصے کے موافق راس المال پر صلح کرنا دوسرے کے حق میں فسخ کہلائے گا۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ اُس دوسرے شریک کی اجازت ورضامندی کے بغیر اس کو اکیلے فسخ کا اختیار حاصل نہیں۔

چنانچہ اس کا منفرداً اس (مشترکہ) عقد کو فسخ کرنا دوسرے کی ملک میں بلا اذن تصرف ہوگا اور یہ قاعدۂ بالا کی رو سے جائز نہیں ہے فلم تجز مصالحته. (۲)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

۱۔ قواعد الفقه (۱/۲۲)، البرهان في اصول الفقه (۱/۱٤)، شرح القواعد الفقهية (۱/۲۸۷)، الفصول في الأصول (۳/۲۵۰)، غمز عيون البصائر (۱/٤۷۲)، قواطع الأدلة في الأصول (۲/۵٦)، القواعد والضوابط (۱/۱۵۷)

۲۔ تبيين الحقائق (۵/٤۹) بتسهيل، حاشية الشلبي على التبيين (۵/٤۸)

صالح أحد رَبَّي السلم عن نصيبه على ما ذفع من رأس المال فإن أجازه الشريك الأخر نفذ عليهما وإن رده رد.

قال ابن عابدين:

قوله (من رأس المال) بأن أراد أن ياخذ رأس ماله ويفسخ عقد الشركة، فالصلح مجاز عن الفسخ. [1]

❷ قال قاسم بن قطلوبغا:

• قوله (وإذا كان السلم بين شريكين فصالح أحدهما من نصيبه على رأس المال لم يجز عند أبي حنيفة و محمد –رحمهما الله تعالى– وقال ابويوسف: يجوز الصلح) وقول أبي حنيفة –رحمه الله– هو أصح الأقاويل عند المحبوبى وهو المختار للفتوى على ما هو رسم المفتى عند القاضى وصاحب المحيط اهـ [2]

❸ قال الحلبى:

وبطل صلح أحد ربّي السلم عن نصيبه على ما دفع خلافا له (أى لابى يوسف) ايضا[3] (فتقديم قول الطرفين فيه ترجيح له كما لا يخفى)

❹ قال ابن نجيم:

وإذا صالح أحد ربّي السلم عن المشترك بينهما شركة خاصة عن نصيبه على ما دفع من رأس المال توقف على إجازة شريكه فإن رد بطل أصلا وبقى المسلم فيه على حالة وإن أجاز نفذ عليهما. [4]

❺ كذا في الكتب الأخر. [5]

❻ واختار أصحاب المتون العتبرة قول الإمام أيضًا. [6]

١ـ الدر المختار مع رد المحتار (٨/٤٩٠)

٢ـ الترجيح والتصحيح (٢٧٤)

٣ـ ملتقى الأبحر (٣/٤٣٧)

٤ـ البحر الرائق (٧/٤٤٢)

٥ـ الفقه الحنفي في ثوبه الجديد (٣/١٩١)، تبيين الحقائق (٥/٤٨،٤٩)؛ حيث اخر دليلهما فيه

٦ـ المختار للفتوى (٣/١٠)، كنز الدقائق (٣٣٨) ،الوقاية (٣/٢٥٤)

حصہ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بحمد اللہ تعالیٰ ''القول الصواب'' کی جلد اول کو آج یہیں ختم کرنے کا ارادہ کرتا ہوں اور اس کے بعد یہیں سے آگے جلد ثانی کی ابتداء کا ارادہ مثابۃ للناس، محور ومرجع المسلمین، کعبۃ اللہ شریف کے مبارک دروازے کے قریب اس کی مشرقی دیوار کے سائے تلے کرتا ہوں تا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس مقدس ومبارک ومطہر گھر کی برکت سے اس کی جلدی تکمیل کرادے اور اس کو اس گھر کے انوارات اور اپنے فضل کی بدولت مقبولیتِ عامہ وتامہ عطاء فرمائے جیسے اپنے اس منور ومبارک گھر کو عطا فرمائی ہے و ذاك ليس ببعيد عن رحمته التي وسعت كل شيء وقلوب الناس في يديه وهو على كل شيء قدير۔

مسجد الحرام، مکۃ المکرمہ

بین مقام ابراہیم والکعبۃ المشرفۃ

یوم الخمیس ۱۹-۱۱-۱۴۳۱ھ

الموافق ۲۸-۱۰-۲۰۱۰م

كتابُ الهِبة

[۱۲۰] اختلافی مسئلہ

وإن وهب واحد من اثنين (دارًا) لم تصحَ عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- وقالا -رحمهما الله تعالى-: تصح.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

یہ گھر ان دونوں میں سے ہر ایک کو نصف حصہ کا ہبہ ہے اور یہ نصف غیر معین وغیر مقسوم ہے یعنی واہب نے یہ گھر دونوں کو آدھا آدھا مشترکہ طور پر ہبہ کیا ہے کہ گویا ان میں سے ہر ایک شخص اس گھر کے ہر جزو کے نصف حصے میں شریک ہے لہٰذا اس موہوبہ دار میں شیوع پایا گیا اور یہ بات تو احادیث وآثار سے بالکل واضح ہے کہ تقسیم کے قابل شئی مشاع کا ہبہ جائز نہیں ہے جب تک اسے تقسیم کر کے الگ نہ کر دیا جائے(۱)، کما ترى فيما يليك:

(۱) **عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:**

أيما رجل نحل ابنه نحلا فبان به الابن فاحتاج الأب فالابن أحق به و إن لم يكن بان به الابن فاحتاج الأب فالأب أحق به. (۲)

ظاہر ہے کہ بینونت بالموہوب کا تصور تبھی ہو سکتا ہے جب وہ موہوبہ شئی قابلِ تقسیم ہو اور پھر اسے تقسیم کر کے الگ کر۔

۱۔ مستفاد وملخص مما یاتیك: الهداية (۲۸۹/۳)، البحرالرائق (۴۹۲/۷)، شرح العینی علی الکنز (۱۴۵/۲)

۲۔ المعجم الأوسط للطبرانی (۱۷۲/٤) رقم (۳۸۹۵)،

فيه "رشدين بن كريب" ضعفه الهيثمي في "المجمع" (۱۸۳:٤) ولكن قال شيخنا في "الإعلاء" (۸۲:۱٦): قلت: هو مختلف فيه، قال ابن عدى: "أحاديثه مقاربة لم أرفيها منكرا جدا، ومع ضعفه يكتب حديثه" - ثم قال في (۸٤:۱٦) عن هذا الحديث: سنده حسن.

دیا جائے۔[1]

(۲) عن عروة بن الزبير عن عائشة زوج النبی صلی الله عليه وسلم أنها قالت:

إن أبابكر الصديق كان نحلها جادّ عشرين وسقا من ماله بالغابة فلما حضرته الوفاته قال: والله! يا بنيّة ما من الناس أحد أحب اليّ غنًى بعدى منك ولا أعزّ عليّ فقرا بعدى منك وإني كنت نحلتك جاد عشرين وسقا فلو كنت جددتيه واحتزتيه كان لك وانما هو اليوم مال وارث اھ.[2]

اس اثر میں واضح ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحتِ ہبہ کے لئے قبضہ اور تقسیم ہر دو کا مستقلاً اعتبار کیا ہے اور ان دونوں کی معدومی پر ہبہ کو باطل قرار دیا ہے۔[3]

(۳) عن المسور بن مخرمة وعبدالرحمن بن عبدالقارئ أنهما سمعا عمر بن الخطابؓ يقول: ما بال اقوام ينحلون ابناء هم فإذا مات الابن قال الأب: مالي وفي يدی، وإذا مات الأب قال: قد كنت نحلت ابنی كذا وكذا، لا نحل إلا لمن حازه وقبضه عن أبيه.[4]

اثر مذکور میں بھی وجہِ استدلال اثر سابق کی طرح ہے، فتدبر وأفهم[5]

(۴) عن معمر قال سألت بن شبرمة عنه فقال:

إذا سمّى فجعل له مأة دينار من ماله فهو جائز وإن سمّى ثلثا أو ربعا لم يجز حتى يقسمه.[6]

(۵) عن سماك بن الفضل قال:

كتب عمر بن عبدالعزيز أنه لا يجوز من النحل إلا ما عزل وأفرد وأعلم.[7]

۱۔ إعلاء السنن (۱۶/۸٤)

۲۔ مؤطا الإمام مالك (٤/۱۰۸۹) رقم (۲۷۸۳)، وكذا انظر له: معرفة السنن والآثار للبيهقی (۱۰/۲٤۲) رقم (۳۸۷۹)، السنن الصغری (۲/۱۵۸) رقم (۲۳۲۳)، السنن الكبری (٦/۱٦۹) رقم (۱۲۲۹۸).

قال ابن الملقن في "البدر المنير" (۷:۱٤۳): هذا الأثر صحيح.

۳۔ انظر له: بدائع الصنائع (۵/۱۷۱)، إعلاء السنن (۱٦/۸۳)

٤۔ مصنف عبدالرزاق (۹/۱۰۲) رقم (۱٦۵۰۹)، قال ابن حجر في "الدراية" (۲:۱۸۳): أخرجه عبدالرزاق بإسناد صحيح

۵۔ إعلاء السنن (۱٦/۸۳)

٦۔ مصنف عبدالرزاق (۹/۱۰۸) رقم (۱٦۵۳۱)،

قلت: رجاله ثقات (معمر هو ابن راشد الأزدی وابن شبرمة هو عبدالله بن شبرمة الكوفی).

۷۔ مصنف عبدالرزاق (۹/۱۰٤) رقم (۱٦۵۱٤) قلت: رجاله ثقات (معمر هو ابن راشد الأزدی)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

وإن وهب من اثنين واحد لم يصح عند أبي حنيفة وقال ابويوسف و محمد -رحمهما الله تعالىٰ-: يصح، وقد اتفقوا على ترجيح دليل الإمام. (١)

❷ قال قاضي خان:

ولو وهب داره من رجلين لايجوز في قول أبي حنيفة -رحمه الله تعالىٰ- وكذلك كل ما يقسم وقال صاحباه رحمهما الله تعالىٰ جاز (٢) (فالقول المقدم فيه هو الراجح على ما صرح به الشامي في شرح العقود)

❸ قال الحلبي:

وصح هبة اثنين لواحد دارًا لاعكسه- أى لا تصح هبة الواحد للاثنين عند الإمام- خلافا لهما(٣) (فقول الإمام فيه راجح، لكونه مقدما في الذكر، على ما عرفته من قبل.)

❹ قال الصاغرجي:

ان وهب واحد لاثنين دارًا لم يصح عند أبي حنيفة -رحمه الله-...... وقال ابويوسف و محمد رحمهما الله تعالى: ان وهب واحد لاثنين دارًا صحّ - إلى ان قال- ورُجّح قول الإمام. (٤)

❺ كذا في الكتب الأخر (حيث أخر مصنفوها دليل الإمام فيها عن دليل الصاحبين وآخرا أجابوا عن دليلهما في تاييد قول الإمام؛ وهذا كله ترجيح لقول الإمام كما لا يخفى) (٥)

❻ جميع المتون الحنفية على قول أبي حنيفة -رحمه الله تعالىٰ-(٦) وهذا ترجيح له أيضًا.

١ـ الترجيح والتصحيح (٢٧٩)

٢ـ الفتاوى الخانية (٣/٢٦٧)

٣ـ ملتقى الأبحر -مع مجمع الأنهر- (٣/٤٩٧، ٤٩٨)

٤ـ الفقه الحنفي وأدلته (٣/٧٨)

٥ـ تبيين الحقائق (٥/٩٦،٩٧)، بدائع الصنائع (٥/١٧٣، ١٧٤)؛ أتى المصنف بكلام شاف واف في هذه المسألة في تأييد قولِ الإمام، الهداية (٣/٢٨٩)، الاختيار لتعليل المختار (٣/٥٧)، شرح الوقاية (٣/٢٨١،٢٨٢)، الجوهرة النيرة (٢/٢٠)

٦ـ المختار للفتوى (٣/٥٦)، كنز الدقائق (٣٥٤)، الوقاية (٣/٢٨١)، مجمع البحرين (٤٦٢)، النقاية (٢/٩٧)، غرر الأحكام (٧/٢٠)، تنوير الأبصار (٨/٥٨٤)

[۱۲۱] اختلافی مسئلہ

والرُقبیٰ باطلة عند أبي حنيفة و محمد -رحمهما الله تعالى- وقال أبويوسف -رحمه الله تعالى- جائزة.

مفتی بہ قول:

فتویٰ طرفینؒ کے قول پر ہے۔

ف: بطلان رقبیٰ کے مفہوم اور منشأ اختلاف کی توضیح کیلئے ملاحظہ ہو:
إعلاء السنن (١٦/ ١٢٩-١٣١) تکملۃ فتح الملہم (۵/۹۲) اور نتائج الافکار (٩/ ٥٦)

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) روى أن النبي صلى الله عليه وسلم أجاز العمرىٰ وردّ الرقبىٰ. [1]

(۲) عن ابن أبي يحيى عن طاووس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:
"لا رقبى ومن أرقب شيئا فهو لورثة المُرقِب". [2]

(۳) "رقبی" میں چونکہ واہب کی طرف سے موہوب لہ کیلئے موہوب کی تملیک ایک امر متردد پر معلق ہوتی ہے جس میں وجود وعدم ہر دو کا یکساں احتمال ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ تملیکات ایسے متردد واحتمالی امور سے متحقق نہیں ہوتیں، اس لئے یہ ہبہ صحیح نہیں ہوگا کیونکہ صحتِ ہبہ کیلئے تملیک بھی ایک شرط ہے فلم یو حد، لہٰذا ہبہ کی یہ صورت (یعنی رقبی) بھی جائز نہیں ہوگی۔ [3]

١۔ نصب الراية (٤/ ١٧٢)؛ وقال الزيلعي فيه عن هذا الحديث: "غريب" وقال العسقلاني في "الدراية" (٢/ ١٨٥): "لم أجده" ولكن تعقبهما ابن قطلوبغا فقال: "رواه الإمام محمد بن الحسن بهذا اللفظ" انظر له منية الألمعي (٦٣)

٢۔ المدونة (١٤/ ٤٩٧) في باب العارية، قلت: ولم أجده في الكتب الحديثية، فجزى الله تعالى عني من يدلني اليه فيها كل الجزاء. نعم! ورأيتُ بعدُ أنه أخرجه النسائي في سننه (٦: ٢٦٩) برقم (٣٧٠٨) عن ابن أبي نجيح عن طاوس لعله عن ابن عباس قال: "لا رقبى فمن أرقب شيئا فهو سبيل الميراث".

٣۔ انظر له: بدائع الصنائع (٥/ ١٦٥)، الفقه الإسلامي وأدلته (٣٩٨٥)، المبسوط للسرخسي (٦/ ١٨٤)، الدر المنتقى (٣/ ٥٠٨)، نتائج الأفكار (٩/ ٥٦)، اللباب في شرح الكتاب (٢/ ٩٧)، الاختيار لتعليل المختار (٣/ ٦١)، حاشية الشلبي على التبيين (٥/ ١٠٤)، المعتصر الضروري (٤٥٨)، شرح الوقاية (٣/ ٢٨٨)، شرح النقاية (٢/ ١٠٢)، المغني (٦/ ٣٣٤)، الموسوعة الفقهية (٢٣/ ٦)، مختصر اختلاف العلماء للطحاوي (٣/ ١٧٤).

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال المرتاشي والحصكفي:

جاز العمرى للمعمر له ولورثته بعده لبطلان الشرط لا تجوز الرقبى لانها تعليق بالخطر.

قال الطحطاوى:

قوله (لا تجوز الرقبى) ...... وهذا قول الإمام ومحمد رحمهما الله تعالى والعلة في عدم الجواز ما ذكره المصنف.

وقال ابويوسفؒ انها صحيحة لانها تمليک في الحال والشرط باطل والأول هو الصحيح. (١)

❷ قال الغنيمي:

والرقبى باطلة عند أبي حنيفة و محمد وقال ابويوسف: هى جائزة– إلى أن قال– قال الاسبيجابى: والصحيح قولهما. (٢)

❸ في الهندية:

والرقبى باطلة وهى أن يقول: دارى لک رقبى ومعناه إن متّ فهى لى وإن متُّ فهى لک كأنّ كل واحدٍ منهما يراقب موت الآخر كذا في الاختيار (٣) (فاقتصر عليه ولم يتعرض للاختلاف فيه فهذا لكونه مختارا في الباب وهو ظاهر)

❹ قال قاضي خان:

رجل قال لغيره "دارى هذه لک رقبى" وقبضها قال ابوحنيفة –رحمه الله تعالىٰ– هى عارية (أى حيثية كونها هبة باطلة) وهو قول محمد (رحمه الله) وقال ابويوسف –رحمه الله–: هى هبة جائزة(٤) (فقولهما فيه راجح لكونه مقدما حسب ما صرح به الشاميؒ)

❺ قال الحلبى:

والرقبى باطلة فإن قبضها كانت عارية في يده وعند أبي يوسفؒ تصح كالعمرى (٥) (فالقول

١ـ حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٤٠٨/٣)

٢ـ اللباب في شرح الكتاب (٩٧/٢)

٣ـ الفتاوى الهندية (٣٧٤/٤)

٤ـ الفتاوى الخانية (٢٦٢/٣)

٥ـ ملتقى الأبحر (٥٠٨/٣)

المقدم فيه راجح على ما عرف من صنيعه في المختار وصرح به الشامي)

- كذا في الكتب الأخر.[1]
- قول الطرفين قول المتون[2] (وهذا امارة ترجيحه أيضًا)

---

١ ـ الفقه الحنفي في ثوبه الحديد (٢/٣٩٨)، كتاب الفقه على المذاهب [illegible] ٢٣)، الكشاف على التهانوي (١٨٢/٢) جامع الرموز (١٢٢/٢)

٢ . المختار للفتوى (٦٠/٣)، كنز الدقائق (٣٥٧)، الوقاية ([illegible]) تنوير الأبصار (٦٠١/٨)

كتابُ الوقف

[۱۲۲] اختلافی مسئلہ

لا يزول ملك الواقف عن الوقف عند أبي حنيفةؒ إلا أن يحكم به الحاكم أو يعلّقه بموته فيقول إذا متّ فقد وقفت داری علی کذا وقال أبويوسف -رحمه الله تعالىٰ-: يزول الملك بمجرد القول وقال محمد -رحمه الله تعالى-: لا يزول الملك حتى يجعل للوقف وليّا ويسلمه إليه. [۱]

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔ [۲]

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن انس بن مالكؓ: لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة أمر بالمسجد وقال: "يا

۱۔ **تنبیہ هامّ:** إنما ذكر الإمام القدوريؒ شرطا واحد لزوال الملك عند محمدؒ والحال أنه لا يزول ملك الواقف عنه عنده حتى يستوفى اربعة شرائط وهي:

۱۔ أن يجعل للوقف وليّا أی متوليًا ويسلمه اليه (وهذا ما ذكره القدوريؒ)

۲۔ وأن يكون مفرزًا.

۳۔ وأن لا يشترط لنفسه شيئا من منافع الوقف

٤۔ وأن يكون مؤبّدًا، بأن يجعل آخره للفقراء

انظر له: الفقه الحنفي وأدلته (۱۳٥/۳)، الاختيار لتعليل المختار (٤٧/۳)، اللباب في شرح الكتاب (۹۹/۲)، تحفة الفقهاء للسمرقندی (۳۷۷/۳)

۲۔ **الملاحظه:** قد ورد التصحيح من المشايخ في هذه المسألة للقولين قول أبي يوسفؒ وقول محمدؒ ولكن قول أبي يوسفؒ فيها مختار و معمول به لكونه أنفع للوقف وترغيبا للناس فيه فلذا اختير للفتوى في المتن.

بنی النجار! ثامنونی بحائطکم هذا" قالوا: لا والله لا نطلب ثمنه إلا إلی الله.[1]

حدیث بالا میں حکمِ حاکم اور نہ ہی تعلیق بالموت کا کوئی تذکرہ ہے اسی طرح نہ ہی گذشتہ شرائطِ اربعہ کی کوئی تقیید و پابندی ہے بلکہ اس زمین کی ملکیت صرف واقفین کے کہنے سے ختم ہوکر وقف میں تبدیل ہوگئی ہے جیسا کہ امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' میں یہ حدیث ''کتاب الوقف'' میں ذکر کی ہے، اور یہ روایت یہاں مختصر ہے جبکہ صحیح بخاری میں ایک اور جگہ[2]، اسی طرح صحیح ابن حبان[3]، مسند أحمد[4] اور طبقات ابن سعد[5] کی روایات مفصل ہیں جن میں بنونجار کے اس قول کے بعد مسجد کی تعمیر کے لئے اس زمین کی تیاری کا بھی ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر پھر اس زمین میں موجود مشرکین کی قبور کو کھود دیا گیا، کھنڈرات اور کھیتی کو برابر کر دیا گیا اور کھجور کے درختوں کو کاٹ کر مسجد کے قبلہ کی جانب ترتیب سے بچھا دیا گیا اور پتھروں کو اٹھا اٹھا کر اس کی تعمیر شروع کر دی گئی۔

الغرض اس تمام تفصیل میں کہیں امورِ مذکورہ کی تقیید و تذکرہ نہیں ہے فزال ملك تلك الأرض بمجرد قولهم.

(۲) وقف بمنزلہ اعتاق ہے کہ جیسے اعتاق معتقین کے فقط قول "اعتقت عبدی" سے متحقق ہوجاتا ہے ایسے ہی وقف بھی محض قول سے لازم ہوجاتا ہے۔ علتِ مشترکہ یہ ہے کہ اعتاق کی طرح اس میں بھی اسقاطِ ملک ہے۔[6]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن نجیم:

إذا لزم عندهما فإنه يلزم بمجرد القول عند أبي يوسف بمنزلة الإعتاق بجامع إسقاط الملك وعند محمد لابد من التسليم إلى المتولي والإفراز والتابيد أما الأول (أى القبض والتسليم) فلأن حق الله تعالى انما يثبت فيه في ضمن التسليم إلى العبد- إلى أن قال- وفي شرح المجمع: أكثر فقهاء الأمصار أخذوا بقول محمد والفتوى عليه وفي "فتح القدير": وقول أبي يوسف أوجه عند المحققين وفي المنية: الفتوى على قول أبي يوسف...... فالحاصل أن الترجيح قد اختلف والأخذ بقول أبي يوسف أحوط وأسهل ولذا قال في المحيط: ومشايخنا أخذوا بقول أبي يوسف ترغيبا للناس في الوقف.[7]

١ـ صحيح البخارى (٣/ ١٠٢٠) رقم (٢٦٢٢)؛ باب وقف الأرض للمسجد

٢ـ صحيح البخارى (١/ ١٦٥) رقم (٤١٨)؛ باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ١ه

٣ـ (٦/ ٩٧) رقم (٢٣٢٨)

٤ـ (٣/ ٢١١) رقم (١٣٢٣١)

٥ـ (١/ ٢٤٠)

٦ـ البناية (٩/ ٦٠٦)، مجمع الأنهر (٢/ ٥٧٢)، الجوهرة النيرة (٢/ ٣١)، الهداية (٢/ ٦١٦)، البحرالرائق (٥/ ٣٢٨)

٧ـ البحرالرائق (٥/ ٣٢٨)

❷ في الهندية:

وإذا كان الملك يزول عندهما يزول بالقول عند أبي يوسف رحمه الله تعالى وهو قول الأئمة الثلاثة وهو قول أكثر اهل العلم وعلى هذا مشايخ بلخ وفي المنية: و عليه الفتوى كذا في فتح القدير؛ وعليه الفتوى كذا في السراج الوهاج (١)

❸ قال الحصكفي:

(ويزول ملكه بمجرد القول عند أبي يوسف وعند محمد لا ما لم يسلمه إلى ولي) وبقول أبي يوسف يفتى للعرف – وقال بعد أسطر عديدة– وعند أبي يوسف يزول بمجرد القول وعند محمد إذا سلمه إلى متول وقد علم مما مرّ أن قول أبي يوسف المرجح. (٢)

❹ قال الحدادي:

وقال ابويوسفؒ يزول بمجرد القول لأنه بمنزلة الإعتاق عنده وعليه الفتوىٰ. (٣)

❺ كذا في الكتب الأخر. (۴)

---

[۱۲۳] اختلافی مسئلہ

وقف المشاع جائز عند أبي يوسف –رحمه الله–
وقال محمد – رحمه الله تعالىٰ–: لا يجوز.

توضیح الاختلاف:

یہ اختلاف صرف اس ''مشاع'' کے بارے میں ہے جو قابلِ تقسیم ہو کیونکہ نا قابلِ تقسیم مشاع (جیسے حمام، کنواں،

١ـ الفتاوى الهندية (٢/٣٥١)

٢ـ الدر المنتقى (٢/٥٧٠، ٥٧٣)

٣ـ الجوهرة النيرة (٢/٣١)

٤ـ مجمع الأنهر (٢/٥٧٢)، فتح القدير (٦/١٩٤)، النهر الفائق (٣/٣١٤، ٣١٥)، "شرح الطائى على الكنز" على هامش "رمز الحقائق" للعينى (١/٢٧٦)، الاختيار لتعليل المختار (٣/٤٧)، حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٢/٥٣٣)، الفتاوى الخانية (٣/٢٨٥)؛ حيث قدم قول الثانىؒ فيه، البناية (٩/٦٠٦)، اللباب في شرح الكتاب (٢/٩٩)، الفقه الحنفى وأدلته (٣/١٣٦).

آٹا پیسنے والی چکی، کار، بس وغیرہ) کا وقف بالاتفاق جائز ہے اِلا المسجد والمقبرۃ کہ ان دونوں میں بالاتفاق نا جائز ہے۔(۱)

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔(۲)

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) وقف چونکہ صدقہ کے مشابہ ہے(۳) اور صدقہ اس وقت تک جائز نہیں ہوتا جب تک اس پر قبضہ نہ کرلیا جائے، اسی طرح صحتِ وقف کیلئے تسلیم وقبضہ شرط ہے لہٰذا مشاع کا وقف جائز نہیں کیونکہ شیوع، قبض وتسلیم میں مخل ہے۔(۴)

اور جوازِ صدقہ کیلئے اشتراطِ قبض کے دلائل ذیل میں درج ہیں:

۱- عن ابن عباس قال: لا تجوز الصدقة حتى تقبض. (۵)

۲- عن معاذ و شريح أنهما كانا لا يجيز انها (أي الصدقة) إلا مقبوضة. (۶)

۳- عن الشعبي قال: لا تجوز الصدقة الا صدقة مقبوضة. (۷)

(۲) جب کوئی چیز دو آدمیوں میں مشترک ہو تو اس کے ہر جزو پر دونوں شریکوں کی ملکیت ہوتی ہے لہٰذا جب ان میں سے کوئی ایک شریک اس مشترک شی کے نصف حصے کو وقف کرتا ہے اور باقی نصف پر شریکِ ثانی کی ملکیت باقی رہتی ہے تو لامحالہ

۱ـ البحر الرائق (۳۲۹/۵)، الموسوعة الفقهية (۱۷۰/٤٤)، حاشية الطحطاوي على الدر المختار (۵۳۲/۲)، شرح الوقاية (٤۰۹/۲)، شرح النقاية (۲۱۳/۲)، الجوهرة النيرة (۳۲/۲)

۲ـ الملاحظة: بعضهم افتوا بقول أبي يوسفؒ فيها فراجع له.

شرح الوقاية (٤۰۹/۲)، مجمع الأنهر (۵۷٤/۲)، الدر المنتقى (۵۷۵/۲)، الفقه الإسلامي للزحيلي (۷۶۱۱)، تنقيح الفتاوى الحامدية (۲۰۵/۲)

۳ـ إعلاء السنن (۱۵۷/۱۳)

٤ـ بدائع الصنائع (۳۲۹/۵)؛ بتسهيل

۵ـ مصنف ابن أبي شيبة (۲۸۱/٤) رقم (۲۰۱۳۷)

قلت: رجاله ثقات (حفص هو ابن غياث وحجاج هو ابن أرطاة -وهو موثق كما تقدم- وعطاء هو ابن أبي رباح)، ومع ذلك وهو قول عثمان والزهري وابن شبرمة وغيرهم كما أخرج عبدالرزاق وابن أبي شيبة في مصنفيهما.

۶ـ معرفة السنن والآثار (۲٤۵/۱۰) رقم (۳۸۸۲)، كتاب الآثار لأبي يوسف (رقم:۷٤۹)

۷ـ مصنف عبدالرزاق (۱۲۲/۹) رقم (۱۶۵۹۲)

قلت: وكذا هو قول إبراهيم النخعي كما في الآثار لأبي يوسف.

یہ بات لازم آئے گی کہ اس شی مشاع پر بیک وقت دو مختلف ومتضاد حکم لاگو ہوں مثلاً اس کو مملوک ہونے کی حیثیت سے دیکھیں تو اس کی بیع صحیح ہے اور بحیثیتِ موقوف دیکھیں تو عدمِ صحتِ بیع کا حکم ہونا چاہئے کیونکہ اب اس کا ہر ہر جز و مملوک بھی ہے اور موقوف بھی۔

غرض اس طرح اس مشترکہ شی کا ہر جزو اس بارے میں صحت وعدمِ صحت کے ساتھ متصف ہوگا اور اس بناء پر پھر یہ پوری چیز ہی اس امر کے ساتھ متصف ہو جائے گی اور ظاہر ہے کہ یہ ناجائز ہے لہٰذا ''شی مشاع'' کا وقف بھی ناجائز ہوا فثبت ما نحن فيه۔ (۱)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

● قال ابن نجيم:

وصرح في الخلاصة من الإجارة والوقف بأن الفتوى على قول محمد في وقف المشاع وكذا في البزازية والولوالجية وشرح المجمع لابن الملك وفي التجنيس: وبقوله يفتى. (۲)

● في الهندية:

وقف المشاع المحتمل للقسمة لا يجوز عند محمد -رحمه الله تعالى- وبه أخذ مشايخ بخارى وعليه الفتوىٰ كذا في السراجية. (۳)

● قال ابن العلاء الهندى:

وأما الشيوع فيما يحتمل القسمة هل يمنع صحة الوقف؟ ففيه خلاف، على قول محمدؒ يمنع وفي "الكبرى": وبه يفتى. (۴)

● قال قاضي خان:

أرض بين شريكين وقف أحدهما نصيبه مشاعا جاز في قول أبي يوسفؒ وبه أخذ مشايخ بلخ رحمهم الله تعالى ولا يجوز في قول محمد -رحمه الله تعالى- وبه أخذ مشايخنا وأفتوا به. (۵)

● قال ابن البزاز الكردرى:

۱۔ نيل الأوطار (۹٤/٦)

۲۔ البحر الرائق (۳۲۹/٥)

۳۔ الفتاوى الهندية (۳٦٥/۲)

٤۔ الفتاوى التاتارخانية (٤۷٥/٥)

٥۔ الفتاوى الخانية (۳۰۲/۳)

نوع في المشاع (من كتاب الوقف): لا يجوز عند محمدؒ وبه يفتى. (۱)

❻ كذا في الكتب الأخر. (۲)

---

[۱۲۴] اختلافی مسئلہ

ولا يتم الوقف عند أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالى حتى يجعل اخره بجهة لا تنقطع أبدا وقال أبويوسف رحمه الله تعالى: إذا سمّى فيه جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء وإن لم يسمّهم.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔(۳)

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے وقف ثابت ہے مگر ان میں سے کسی سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے وقف کرتے وقت اس شرط (یعنی جہت ابدیہ) کو ذکر کیا ہو اور اس کی تصریح کی ہو۔(۴) (کیونکہ حضرات طرفین اور امام ابو یوسفؒ میں اختلاف یہی ہے کہ یہ دونوں حضرات اتمامِ وقف کیلئے وقف میں جہت مؤبدہ کی تصریح کو ضروری سمجھتے ہیں اور امام ثانیؒ کے نزدیک لفظاً اس کی تصریح کوئی ضروری امر نہیں ہے بلکہ اگر کچھ مخصوص لوگوں پر وقف کر کے اس کی جہت منقطعہ کو بھی ذکر کر دیا تو کوئی حرج نہیں اور یہ وقف ان لوگوں کے انقراض کے بعد خود بخود فقراء و مساکین کی طرف منتقل ہو

۱۔ الفتاوى البزازية (٦/٢٥٨)

۲۔ حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٢/٥٣٣)، خلاصة الفتاوى (٤/٤١٧)، الفتاوى الولوالجية (٣/١٠٦)، المحيط البرهانى (٥/٦٩٤)، المعتصر على المختصر (٤٦٠)، شرح المجلة (٤/٥٥١)، البناية (٩/٦٠٨)، تعليق الشيخ الملتانى على البناية (أيضًا)، الفقه الإسلامي للزحيلي (٧٦١١، ٧٦١٢)، تنقيح الفتاوى الحامدية (٢/٢٠٥)، الموسوعة الفقهية (٤٤/١٧٢)، الفتاوى السراجية (٩١)

۳۔ و من الفقهاء من افتى بقولهما (أي محمدؒ و أبي حنيفةؒ) فيها، فراجع له:

الكفاية (٦/٤٣)، إعلاء السنن (١٣/١٤٧)

٤۔ بدائع الصنائع (٥/٣٢٨)، الموسوعة الفقهية (٤٤/١٢٣)

جائے گا)

(۲) قاعدہ ہے کہ:

"الثابت دلالةً كالثابت نصًّا" (۱)

واقف کی نیت وقصد چونکہ یہ ہے کہ یہ وقف انجام کار فقراء کیلئے ہی ہے اگر چہ اس نے ظاہر حال میں (لفظاً) اس کا کوئی ذکر نہیں کیا لہٰذا اس شرط (یعنی انجام کار جہت مؤبدہ) کا ذکر دلالۃً ثابت ہوگا اور قاعدۂ بالا کی رُو سے یہ شرط گویا ایسے ہو جائے گی کہ واقف نے ابتداءً اس شرط کو ذکر کر دیا تھا۔ (۲)

(۳) وقف سے مقصود تقربِ الٰہی کا حصول ہے اور یہ کئی طرح سے حاصل ہو سکتا ہے کہ کبھی جہتِ مؤبدہ پر صرف کرنے سے حاصل ہوتا ہے تو کبھی جہتِ منقطعہ پر، لہٰذا ہر دو صورت میں یہ وقف درست ہے اور واقف کی ملکیت اس سے زائل ہو کر چونکہ یہ وقف علیٰ سبیل الدوام تقرب کیلئے خاص ہو جاتا ہے اس لیے جہت منقطعہ پر وقف صرف ہو چکنے کے بعد خود بخود فقراء و مساکین کی طرف منتقل ہو جائے گا وھذا ھو المقصود من الوقف. (۳)

(۴) وقف وصدقہ کا خود لفظ ہی اس جانب مشیر ہے کہ یہ مؤبد ہوں گے کیونکہ ان کے تحقق کے بعد ان سے مِلکِ مالک زائل ہو جاتی ہے لہٰذا یہ اس کے پاس دوبارہ واپس نہیں آئیں گے بلکہ اپنے مؤبد ہونے کی بناء پر پھر فقراء و مساکین کی طرف خود منتقل ہو جائیں گے اور وہ ان کا مصرفِ دائمی قرار پائیں گے۔ (۴)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الحلبي والحصكفي:

واعلم أنه شرط لتمامه ذكر مصرف مؤبد عندهما وعند أبي يوسف يصح بدونه وإذا انقطع صرف إلى الفقراء...... واختلف الترجيح والإفتاء والأخذ بقول أبي يوسف أحوط وأسهل كما في المنح عن البحر وبه يفتى كما في الدرر وصدر الشريعة. (۵)

۱۔ الموسوعة الفقهيه (۱۳۳/٤۲)، تبيين الحقائق (۳۸/۲)، مجمع الأنهر (٤۲۰/۱)، أبحاث هيئة كبار العلماء (۳۲/۵؛ في ذيل مذهب الحنفية)، مجلة البحوث الإسلامية (۲۵۰/۵٦؛ في ذكر المسائل الحنفية)

۲۔ بدائع الصنائع (۳۲۸/۵)

۳۔ انظر له: (بتسهيل): الهداية (٦۱۷/۲)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (۱۱۷/٦)، البحر الرائق (۳۳۰/۵)، تبيين الحقائق (۳۲٦/۳)، المعتصر على المختصر (٤٦۱)

٤۔ مستفاد من: اللباب في شرح الكتاب (۱۰۰/۲، ۱۰۱)، الجوهرة النيرة (۳۳/۲)

۵۔ الدر المنتقى (۵۷۵/۲)

● قال الشامي (عند التعرض لمسألة من كتاب الوقف):

ولعل هذا مبني على قول محمدؒ باشتراط التصريح في الوقف بذكر جهة لا تنقطع وتقدم ترجيح قول أبي يوسف بعدم اشتراط التصريح به (١)

● قال السعدى الجلبي:

قال المصنف: (ولأبي يوسف رحمه الله تعالى أن المقصود هو التقرب الخ)

أقول: تاخير دليل أبي يوسفؒ يدل على أن قوله هو المختار. (٢)

● قال التمرتاشي والحصكفي:

ولا يتم الوقف حتى يقبض ويفرز ويجعل آخره لجهة لا تنقطع، هذا بيان شرائطه الخاصة على قول محمدؒ...... واختلف الترجيح والأخذ بقول الثانيؒ (أي أبي يوسفؒ) أحوط وأسهل وفي الدرر وصدر الشريعة: وبه يفتى. (٣)

● قال الطائي:

ولا يتم الوقف حتى يقبض ويجعل آخره لجهة لا تنقطع عند محمد وعند أبي يوسفؒ إذا سمى جهة تنقطع جاز وصار بعدها للفقراء وإن لم يسمهم واختلف الترجيح والأخذ بقول أبي يوسف أحوط وأسهل. (٤)

● في الموسوعة الفقهية:

فذهب الحنفية في الصحيح - وهو قول أبي يوسف - والشافعية والحنابلة إلى أن ذكر التأبيد ليس بشرط فيصح الوقف سواء ذكر التأبيد لفظا أو معنى. (٥)

● كذا في الكتب الأخر (حيث أخر مصنفوها دليل الإمام الثانيؒ فيها عن دليلهما وهذا ترجيح له أيضًا كما لا يخفى) (٦)

---

١ ـ رد المحتار (٦/٦٣٤)

٢ ـ حاشية السعدى على العناية على هامش "فتح القدير" (٦/١٩٨)

٣ ـ الدر المختار (٦/٥٣٤)

٤ ـ شرح الطائي على الكنز، على هامش الرمز (١/٢٧٦)

٥ ـ (٤٤/١٢٣)

٦ ـ الهداية (٢/٦١٧)، البحرالرائق (٥/٣٣٠)، تبيين الحقائق (٣/٣٢٦)

[۱۲۵] اختلافی مسئلہ

لا يجوز وقف ما ينقل ويحول (وهو على الإرسال قول أبي حنيفةؒ[1])

(أ) وقال أبويوسفؒ (ومحمدؒ[2]): إذا وقف ضيعة ببقرها وأكرتها وهم عبيده جاز

(ب) وقال محمدؒ (و أبويوسفؒ[3]): يجوز حبس الكراع والسلاح.

توضیح الاختلاف:

مذکورہ اختلاف اس بارے میں ہے کہ منقولہ اشیاء کا وقف درست ہے یا نہیں؟

امام صاحبؒ کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے، اسی طرح از روئے قیاس اگرچہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اشیائے منقولہ کا وقف ناجائز ہے مگر مندرجہ ذیل دوصورتوں میں ان کے ہاں جائز ہے:

ا۔ اگر کھیتی والی زمین (جو غیر منقولہ شئی ہے) کو اس کے بیلوں اور کاشتکاروں سمیت وقف کر دیا تو یہ مکمل وقف جائز ہے اگرچہ بیل اور کاشتکار اشیائے منقولہ میں سے ہیں۔

۲۔ گھوڑوں اور ہتھیاروں کو وقف کرنا جائز ہے (اگرچہ یہ منقولات میں سے ہیں)

مفتی بہ قول:

فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے (کہ ان دونوں صورتوں میں وقف جائز ہے)۔

١ـ الهداية (٢/٦١٨)، البحرالرائق (٥/٣٣٤)، الموسوعة الفقهية (٤٤/١٦٥)

٢ـ رد المحتار (٦/٥٥٤)، الهداية (٢/٦١٨)، حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٢/٥٣٨)، الموسوعة الفقهية (٤٤/١٦٥)، اللباب في شرح الكتاب (٢/١٠١)، البحر الرائق (٥/٣٣٤)، الدرر شرح الغرر (٦/١٣١)، مجمع البحرين (٤٧٠)

٣ـ بدائع الصنائع (٥/٣٢٩)، مجمع الأنهر (٢/٥٧٩)، الجوهرة النيرة (٢/٣٥)، اللباب في شرح الكتاب (٢/١٠١)، تبيين الحقائق (٣/٣٢٧)، حاشية الطحطاوى على الدر (٢/٥٣٩)، الهداية (٢/٦١٨)، الفقه الإسلامى للزحيلى (٧٦٣٥)، الموسوعة الفقهية (٤٤/١٦٥)

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(ا)

۱ – حدثنا خالد بن أبي بكر قال: رأيت سالم بن عبدالله يبيع العبد من صدقة عمر إذا رأى بيعه خيرا ويشترى غيره. [۱]

۲ – حدثنا فروة بن أذينة عن عبدالرحمٰن بن أبان بن عثمان، وكان يلي صدقة عثمان بن عفان فيبيع من رقيق صدقة عثمان من لا خير فيه ويبتاع بها ورأيت غلاما من الصدقة جنى على رجل فدفعه بالجناية لأن قيمته كانت أقل من الجناية. [۲]

قال الشيخ العثمانیؒ (في ذيل الأثر الأوّل منهما):

"قوله: حدثنا خالد بن أبي بكر الخ، قلت:...... وفی هذا الاثر وما بعده دلالة على وقف العبيد تبعًا للأرض وهو ظاهر". [۳]

الغرض مندرجہ بالا روایات اور ان سے علامہ عثمانی رحمہ اللہ کے استدلالِ مذکور سے معلوم ہوا کہ اشیاءِ منقولہ کا تبعاً وقف درست ہے۔

لہٰذا انہی آثار کے تناظر میں ہم عرض کرتے ہیں کہ زیرِ بحث مسئلہ میں ''بقر واکرہ'' چونکہ زمین سے شئ مقصود (غلہ) کی تحصیل میں زمین کے (ساتھ لازم اور اس کے) تابع ہیں اس لیے تبعاً للارض ان کا وقف بھی درست ہوگا۔ [۴]

(ب):

از روئے قیاس کراع وسلاح کا وقف (از قبیلِ منقولات ہونے کی بناء پر) ناجائز ہے مگر مندرجہ ذیل احادیث و آثار میں ان کے جوازِ وقف پر ورودِ نص کی بدولت اسے جائز قرار دیا گیا ہے اور قیاس کو ترک کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ فقہائے احناف کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ وہ نص کے مقابلے میں قیاس کو چھوڑ دیتے ہیں كما وقع في [illegible] غير مرة، اس کے باوجود ان کو ''اہل الرائے'' کا الزام دیا جاتا ہے وا اسفاه ويا للعجب۔

(۱) عن أبي هريرة رضی الله عنه قال:

۱۔ إعلاء [illegible] (۱۳/۱٦۲)، نقلا عن كتاب الأوقاف للخصّاف (ص:۸) بسند حسن

۲۔ أيضا (۱۳/۱٦۳)، نقلا عنه (ص:۹)

۳۔ إعلاء السنن (۱۳/۱٦۲)

٤۔ تبيين الحقائق (۳/۳۲٦)، الجوهرة [illegible] (۲/۳٥)، الهداية (۲/٦۱۸)، البناية (۹/٦۱٤)، البحر الرائق (٥/۳۳٤)

أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بالصدقة فقيل منع ابن جميل و خالد بن الوليد و عباس بن عبدالمطلب فقال النبی صلى الله عليه وسلم:

"ما ينقم ابن جميل إلا أنه كان فقيرا فأغناه الله ورسوله وأما خالد فإنكم تظلمون خالدا قد احتبس أدراعه وأعتُده في سبيل الله اھ" (١)

وفي رواية (٢): "وأعتاده" مكان "واعتده" والمعنى واحد. (٣)

حدیث بالا میں "أدراعه" سے ہتھیار اور "اعتده /اعتاده" سے گھوڑوں کا جوازِ وقف معلوم ہوا جیسا کہ شراحِ حدیث اور اَصحاب المعاجم الحدیثیہ نے "اعتد/ اعتاد" سے مراد گھوڑے لیے ہیں،علی ما یلیك:

(ا) قال العینی:

في رواية: "احتبس أدراعه وأعتُده"، وقال الشيخ زكي الدين: وأعتده -بالتاء ثالث الحروف- جمع "عَتَد" بفتح العين وفتح التاء ، وهو: الفرس الصلب، وقيل: المعد للركوب، وقيل: السريع الوثب وصححه بعضهم ورجحه وقال: يعني خيله ويكون فيه دليل على جواز تحبيس الخيل. (٤)

(ب) قال ابن حجر العسقلانی:

قوله "اعتده" : جمع عتيد وهو الفرس الصلب المعد للركوب. (٥)

(ج) قال ابن بطال:

قوله صلى الله عليه وسلم: (إنكم تظلمون خالدا، انه قد حبس أدراعه وأعتده في سبيل الله) و "أعتده" هي خيله، فاخبر انه حبس خيله وسلاحه في سبيل الله. (٦)

(د) كذا قال غيرهم. (٧)

١ـ صحيح البخارى (٢/٥٣٤) رقم (١٣٩٩)، سنن أبي داوٗد (٢/٣٢)برقم (١٦٢٥)، سنن النسائى (٥/٣٣) رقم (٢٤٦٤)

٢ـ صحيح مسلم (٢/٦٧٦) رقم (٩٨٣)، صحيح ابن حبان (٨/٦٧) رقم (٣٢٧٣)، سنن الدارقطنى (٥/٢٦٠) رقم (٢٠٣٠)، السنن الكبرى للبيهقى (٦/١٦٣) رقم (١٢٢٦٤)، معرفة السنن والآثار (٦/٤٢٧) رقم (٢٤٤٠)

٣ـ المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم (٨/١٣٣)

٤ـ شرح أبي داوٗد للعينى (٦/٣٥٢)

٥ـ فتح البارى للعسقلانى (١/١٥٣)

٦ـ شرح صحيح البجارى لابن بطال (٨/١٩٨)

٧ـ قال الحميدى في "تفسير غريب ما في الصحيحين البخارى ومسلم" (١/١٦٥)، قال القرطبيؒ في "المفهم"(٨/١٣٣)، قال القاضى عياض في "مشارق الانوار على صحاح الآثار" (٢/٦٤)

(۲) عن ابن عمر رضی الله عنهما:

أن عـمر رضی الله عنه حمل علی فرس له في سبيل الله أعطاها رسول الله صلی الله عليه وسلم ليـحمل عليها رجلا فأخبر عمر أنه قد وقفها يبيعها فسأل رسول الله صلی الله عليه وسلم أن يبتاعها فقال صلی الله عليه وسلم:

"لا تبتعها ولا ترجعن في صدقتک". [۱]

اس روایت میں گھوڑے کے وقف کی صراحت ہے، کما هو ظاهر

(۳) عن عبدالله بن عامر عن الزبير بن العوام أنه حمل على فرس يقال له غمر أو غمرة فرأی مهرا أو مهرة من أفلائها يباع ينسب إلى فرسه فنهى عنها. [۲]

اثر مذکور بھی وقفِ فرس پر دال ہے۔

(۴) عن أبي وائل قال: لما حضرت خالد بن الوليد(رضی الله عنه) الوفاة قال:

لـقـد طـلبت القتل فلم يقدر لی إلا أن أموت علی فراشي وما من عمل أرجی من "لا إله إلا الله" وأنا متترس بها ثم قال: إذا أنا متّ فانظروا سلاحي وفرسي فاجعلوه عدة في سبيل الله. [۳]

مذکورہ بالا اثر سلاح اور فرس کے وقف پر نصِ صریح ہے۔

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

(ا)

❶ فی الهندية:

وكذا يجوز وقف كل ما كان تبعا له من المنقول كما لو وقف أرضا مع العبيد والثيران والآلات للحرث. [۴]

۱ـ صحيح البخاری (۳/۱۰۲۰) رقم (۲۶۲۳)، وكذا انظر له: مسند أحمد (۲/۵۵) رقم (۵۱۷۷)، السير لأبی إسحق الفزاری (۱/۱۳۳) رقم (۸۵)، المنتقی لابن الجارود (۱/۹۹) رقم (۳۶۲)، الاحاديث المختارة (۱/۱۲۹) رقم (۲۱۸)

۲ـ سنن إبن ماجه(۲/۸۰۰) رقم (۲۳۹۳)، المعجم الكبير (۱۲/۱۶۴) رقم (۱۲۸۰۶)، شرح مشكل الآثار للطحاوی (۱۳/۲۱)

قال البوصيري في "مصباح الزجاجة" (۲:۳۶): هذا إسناد صحيح

۳ـ المعجم الكبير للطبرانی (۴/۱۰۶) رقم (۳۸۱۲)، نصب الرأية (۳/۴۸۱)،البداية والنهاية (۷/۱۱۶)،

قال الهيثمی في "المجمع" (۹:۳۳۱): إسناده حسن

۴ـ الفتاوی الهندية (۲/۳۶۰)

● قال ابن الهمام (بعد بسط الكلام في المسألة):

والحاصل أن وقف المنقول تبعا للعقار يجوز وأما وقفه مقصودا، إن كان كراعا أو سلاحا جاز.[1]

● قال ابن البزاز الكردرى:

نوع في وقف المنقول: وقفه تبعا للعقار جائز إجماعا (وكذا صاحب الخلاصة نقل فيه الإجماع [2]) بأن وقف أرضه مع العبيد والثيران الذين يعملون فيها ووقفه مقصودا إن كان كراعا أو سلاحا يجوز والكراع جنس الخيل.[3]

● قال السمرقندى:

فأما في المنقول هل يجوز وقفه؟ إن كان تبعا للعقار كالثيران وآلات الحراثة والعبيد فإنه يجوز ويجعل وقفا.[4]

● قولهما استحسان [5] (والفتوى يكون على الاستحسان –لأنه وجه من وجوه الترجيح– إلا في مسائل معدودة وهي ليست منها–)

(ب)

● في الهندية:

وأما وقف المنقول مقصودا فإن كان كراعا أو سلاحا يجوز.[6]

● قال الحلبى:

وابويوسف معه (أى محمدٌ) في وقف السلاح والكراع والإبل (لأن النص ورد في الإبل أيضًا [7])

١ـ "فتح القدير" (٢٠٢/٦)

٢ـ خلاصة الفتاوى (٤١٧/٤)

٣ـ الفتاوى البزازية (٢٥٩/٦)

٤ـ تحفة الفقهاء (٣٧٨/٣)

٥ـ الدر المختار (٥٥٤/٦)، تبيين الحقائق (٣٢٧/٣)، مجمع الأنهر (٥٨١/٢)، رمز الحقائق (٢٧٦/١)

٦ـ الفتاوى الهندية (٣٦١/٢)

٧ـ كما في سنن أبي داوٗد (١٥٢/٢): عن ابن عباس قال أراد رسول الله صلى الله عليه وسلم الحج، فقالت امرأة [illegible] أحجني مع رسول الله صلى الله عليه وسلم على جملك فقال: ما عندى ما أحجك عليه، قالت: أحجني على جملك فلان؟ قال: ذاك حبيس في سبيل الله عزوجل فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إن امرأتى تقرأ عليك السلام ورحمة الله وإنها سألتنى الحج معك، قالت: أحجني مع رسول الله صلى الله عليه وسلم. فقلت ما عندي ما أحجك عليه. فقالت: احجني على جملك فلان، فقلت: ذاك حبيس في سبيل الله. فقال صلى الله عليه وسلم: "أما انك لو احججتها عليه كان في سبيل الله" اهـ وكذا رواه ابن خزيمة بأكثر تفصيل منه في صحيحه (٣٦١/٤)

في سبيل الله وبه يفتى.[1]

❸ قال ملا خسرو:

يجوز اتفاقا (أى بين أبي يوسفؒ ومحمدؒ) في السلاح والكراع وبه يفتى.[2]

❹ قال ابن العلاء الهندى:

يجب أن يعلم أن وقف المنقول تبعا للعقار جائز...... وأما وقفه مقصودًا إن كان كراعا أو سلاحا يجوز.[3]

❺ كذا في الكتب الأخر.[4]

❻ قولهما استحسان فيه أيضًا[5](فالفتوى على الاستحسان إلا في مواضع معدودة وهذا ليس منها).

---

[١٢٦] مسئلہ

وإذا صَحّ الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه إلا أن يكون مشاعا عند أبي يوسف –رحمه الله تعالى– فيطلب الشريك القسمة فتصح مقاسمته.

توضیح المقام:

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ شئ مشاع کا وقف جب صحیح وتمام ہو جائے تو اس مشترک چیز کا شریکِ آخر (جس نے اپنا حصہ وقف نہیں کیا) اگر اس بات کا مطالبہ کرے کہ اس کا حصہ تقسیم کر کے اسے دے دیا جائے تو اس وقف شدہ "شئ مشاع" کی تقسیم درست ہے۔

بیان المرام:

واضح رہے کہ قولِ راجح (وهو المعمول به والمختار للفتوى عندنا) کے موافق شئ مشاع کا وقف ہی سرے

١۔ ملتقى الأبحر (٥٧٩/٢)

٢۔ الدرر شرح الغرر (١٣١/٦)

٣۔ التاتارخانية (٤٨٣/٥)

٤۔ البزازية (٢٥٩/٦)، رمز الحقائق (٢٧٧/١)، "فتح القدير" (٢٠٢/٦)، خلاصة الفتاوى (٤١٧/٤)

٥۔ البحرالرائق (٣٣٧/٥)، الجوهرة النيرة (٣٥/٢)

سے جائز نہیں ہے لہٰذا اس کی تقسیم کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

الغرض اس مسئلہ کا مدار وقفِ مشاع کے جواز وعدمِ جواز پر ہے کہ امام ثانی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ جائز اور امام محمدؒ کے ہاں ناجائز ہے اور فتویٰ اس میں امام محمدؒ کے قول پر ہے کما تقدم قبله في هذا الباب ان شئت التفصيل و بيان الدليل، فراجعه قبل هذه المسألة بقليلٍ، أيها الطالب النبيلُ! وهذا الكلام العقيلُ من العبد الكليلِ عفا عنه الرب الجليل.

---

[۱۲۷] اختلافی مسئلہ

إذا جعل الواقف غلة الوقف لنفسه أو جعل الولاية اليه جاز عند أبي يوسف (رحمه الله) وقال محمد (رحمه الله): لا يجوز

توضیح المسألة:

یہ مسئلہ دراصل دو اجزاء کا مجموعہ ہے۔

۱۔ شرط الواقف انتفاعه من وقفه:

اگر واقف نے بوقتِ وقف یہ شرط لگائی کہ میں خود اس وقف (کے کل یا بعض) سے منتفع ہوں گا تو اس کا اپنی ذات پر اس طرح وقف کرنا جائز ہے چنانچہ واقف کی زندگی میں اس پر وقف رہے گا اور مرنے کے بعد فقراء ومساکین کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ (۱)

۲۔ شرط الواقف الولاية لنفسه:

اسی طرح واقف کا خود اپنے لیے اس وقف کے متولی بننے کی شرط لگانا بھی درست ہے کہ وقف کرنے کے بعد کسی دوسرے شخص کی بجائے یہ خود ہی اس وقف کا نگران اور متولی ہو سکتا ہے۔

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

۱۔ الفتاوى الخانية (۳/۳۱۸)

قول مفتی بہ کا مستدل:

١ـ شرط الواقف انتفاعه من وقفه:

(١) عن ابن طاووس عن أبيه قال ألم تر أن حجر المدنيين أخبرني أن في صدقة رسول الله صلى الله عليه وسلم يأكله أهله بالمعروف غير المنكر. [1]

یہاں صدقہ سے مراد "صدقۂ موقوفہ" ہے جیسا کہ محدث ابن أبی شیبہ رحمہ اللہ نے اس روایت کو اپنی مصنف میں وقف کے باب میں ذکر کیا ہے اور یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کی دلیل ہے۔ [2] چنانچہ علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو "**باب للواقف أن يشترط لنفسه أو لأهله أن يأكلوا من الوقف أو ينتفعوا به فيكون لهم قدر ما يشترط**" کے تحت ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: **قلت: ذهب إلى جواز ذلك ابويوسف**۔ [3]

(٢) صاحب ہدایہ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے مستدل میں کہا ہے:

"روى أن النبي عليه السلام كان يأكل من صدقته" [4]

١ـ مصنف ابن أبي شيبة (٤/٣٥٠) رقم (٢٠٩٣٩)، كنز العمال (٦/٩١٥) رقم (١٧٠٩٤)، المغني –من رواية الإمام احمد بسنده– (٦/٢١٥).

٢ـ انظر لوجه الاستدلال من هذه الرواية، الرواية الآتية بعدها برقم: ٢، مع وجه الاستدلال منها.

٣ـ إعلاء السنن (١٣/١٣٩)

٤ـ قال الزيلعي فيه في نصب الراية (٣/٤٨٢): غريب

وقال ابن حجر في الدراية (٢/١٤٦): لم أجده

وجزى الله عزوجل عني خاصةً وعن جميع الطلبة الحنفية عامةً قدوة العلماء الحنفيين العلامة المحدث الناقد في المتأخرين –أعني به سماحة الشيخ ظفراحمد العثماني التهانوي رحمه الله تعالى رحمة واسعة ومتع بفيوضه الدائمة وعلومه الداعمة جميع النفوس الهائمة . خير الجزاء وأحسنه حيث قال عن هذه الرواية – في مصنفه الجليل الهادي إلى الدليل، وهو يعرف ب "إعلاء السنن" و اشتهر بوصفه الجميل–: "قد وجدته، ولله الحمد"؛ فأنقل نصه ههنا بالتفصيل تباركًا به وتوضيحا للدليل، وهاك:

دليل ماذكره صاحب "الهداية" أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يأكل من صدقته

قلت (القائل هو الشيخ العثماني رح): قد وجدته– ولله الحمد– عند الخصاف من طريق الواقدي حدثني محمد بن بشر بن حميد عن أبيه قال: سمعت عمر بن عبدالعزيز يقول في خلافته بخناصرة (بلد بالشام): سمعت بالمدينة والناس يومئذ بها كثير من مشيخه من المهاجرين والأنصار أن حوائط رسول الله صلى الله عليه وسلم =

وجہِ استدلال:

اس سے مراد "صدقۂ موقوفہ" ہے نہ کہ زکوٰۃ، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اتنا مال جمع ہی نہیں ہوتا تھا کہ جس میں زکوٰۃ واجب ہو چہ جائیکہ آپ کیلئے ویسے مطلقاً مالِ زکوٰۃ کھانا جائز ہی نہیں تھا (خواہ آپ کے اپنے مال کی زکوٰۃ ہو یا کسی اور کے مال کی)، لہٰذا جب آپ نے اس مالِ موقوف میں سے کھایا ہے تو لامحالہ پہلے اس (وقف میں سے کھانے) کی شرط لگائی ہوگی پھر اس کو استعمال فرمایا ہوگا کیونکہ بلا شرط وقف میں سے کھانا بالا جماع ناجائز اور حرام ہے لہٰذا اس روایت سے صحتِ شرط کا ثبوت بھی ہو گیا۔ (۱)

(۳) عـن نافع عن ابن عمر رضى الله عنهما أن عمر اشترط في وقفه أن يأكل من وليه ويؤكل صديقه غير متمول مالا. (۲)

(۴) عن عائشة رضى الله عنها عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:

== السبعة التى وقف من أموال مخيريق، وقال: إن اصبت فأموال لمحمد صلى الله عليه وسلم يضعها حيث أراه الله وقتل يوم أحد، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مخيريق خير يهود، ثم دعا لنا بتمر منها، فأتى بتمر في طبق فقال: كتب إلى أبي بكر بن حزم يخبرني أن هذا التمر من الغدق الذى كان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم ياكل منه، فقلت: يا أمير المومنين! فاقسمه بيننا، فقسمه، فأصاب كل واحد منا تسع تمرات، قال: عمر بن عبدالعزيز: قد دخلتها اذ كنت واليا بالمدينة وأكلت من هذه النخلة، ولم أر مثلها من التمر أطيب ولا أعذب ا ھ (ص ۱ و ۲)

وفيه أيضًا قال: حدثني صالح بن جعفر عن المسور بن رفاعة عن ابن كعب قال أول صدقة كانت في الإسلام وقف رسول الله صلى الله عليه وسلم أمواله، فقلت لابن كعب: فإن الناس يقولون: صدقة عمر بن الخطاب أول، فقال: قتل مخيريق بأحد على رأس اثنين وثلاثين شهرا من مهاجر رسول الله صلى الله عليه وسلم وأوصى إن أصبت فأموالى لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقبضها رسول الله صلى الله عليه وسلم وتصدق بها وهذا قبل ما تصدق به عمر وإنما تصدق عمر بثمغ حين رجع رسول الله صلى الله عليه وسلم من خيبر سنة سبع من الهجرة ا ھ (ص ٤)

قلت: فثبت بمجموع الأثرين ما ذكره صاحب "الهداية" من أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يأكل من صدقته؛ لأنه وقف الحوائط السبعة في حياته مرجعه من غزوة أحد، وكان يأكل من تمرها وهى موقوفة(۱۳/ ۱٤٠، ١٤١).

۱۔ مستفاد مما يلى: إعلاء السنن (۱۳/ ۱۳۹)، الهداية (۲/ ٦۲٠)، البناية(۹/ ٦۳٠)

۲۔ صحيح البخارى (۳/ ۱٠۲۱) رقم (۲٦۲٥)

"المسلمون عند شروطهم ما وافق الحق" [1] وفي رواية [2]: "فيما أحل" وفي رواية [3]: "الاشرطا حرم حلالا أو أحل حراما" ؛ وفي الأخرى [4]: "مالم يعص الله" مكان "ما وافق الحق" (والمعنى في كل منها متحد).

یہ حدیث بھی زیر بحث مسئلہ کی مؤید ہے کیونکہ اس مسئلہ میں کوئی ناحق شرط نہیں لگائی گئی۔

۲۔ شرط الواقف الولاية لنفسه:

(۱) قال الشافعي: اخبرني غير واحد من آل عمر وآل علي: أن عمر ولي صدقته حتى مات وجعلها بعده إلى حفصة وأن عليا ولي صدقته حتى مات وولي بعده حسن بن علي وأن فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم وليت صدقتها حتى ماتت وبلغني عن غير واحد من الأنصار أنه ولي صدقته حتى مات. [5]

مندرجہ بالا اثر سے بالکل واضح ہے کہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے وقف کی ولایت ونگرانی خود کی ہے لہٰذا واقف خود اپنے وقف کا متولی ہوسکتا ہے اور اس کی شرط بھی لہٰذا لگا سکتا ہے۔

(۲) قال الشافعي: أخبرنا بذلك أهل العلم من ولد علي وفاطمة وعمر رضي الله عنهم ومواليهم ولقد حفظنا الصدقات عن عدد كبير من المهاجرين والأنصار لقد حكى لي عدد من أولادهم وأهليهم انهم لم يزالوا يلون صدقاتهم حتى ماتوا، ينقل ذلك العامة منهم عن العامة لا يختلفون فيه وان أكثر ما عندنا بالمدينة ومكة من الصدقات لكما وصفت، لم يزل يتصدق بها المسلمون من السلف يلونها حتى ماتوا وان نقل الحديث فيه كالتكلف. [6]

(۳) حدثنا الواقدي قال: قال لي ابويوسف: ما عندك في وقف عمر بن الخطاب (رضي الله عنه) فقلت: أخبرنا أبوبكر بن عبد الله عن عاصم بن عبيدالله عن عبدالله بن عامر بن ربيعة قال: شهدت كتاب عمر حين وقف وقفه أنه في يده فإذا توفي فهو إلى حفصة بنت عمرؓ، فلم يزل عمر يلي وقفه إلى أن

۱۔ المستدرك للحاكم (۲/۵۷) رقم (۲۳۱۰)، تقدم تخريجه

۲۔ المعجم الكبير للطبراني (۴/۲۷۵) رقم (۴۴۰۵)

۳۔ سنن الدار قطني (۷/۱۷۸) رقم (۲۹۳۱)

٤۔ مصنف ابن أبي شيبة (٤/٤٥٠) رقم (٢٢٠٢٤)

٥۔ السنن الكبرى للبيهقي (٦/١٦١) رقم (١٢٢٤٩)، الأم للشافعي (٤:٥٩)

في "الإعلاء" (١٣:١٥٠): ذكره الإمام الشافعي في "الأم" له هكذا معلقا، وتعليق مثله حجة، كما ذكرناه في المقدمة.

٦۔ معرفة السنن والآثار (١٠/٢٣٦)، كتاب الأم للشافعي (٤/٥٣)

توفى فلقد رأيته هو بنفسه يقسم ثمرة ثمغ في السنة التي توفى فيها ثم صار إلى حفصة، فقال أبويوسف: هذا الذي أخذنا به إذا اشترط الذى وقف الوقف أنه في يده في حياته ثم إذا توفى فهو إلى فلان بن فلان فهو جائز. [1]

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

وجاز جعل غلة الوقف أو الولاية لنفسه عند الثاني وعليه الفتوى. [2]

❷ قال ابن نجيم:

قوله (وإن جعل الواقف غلة الوقف لنفسه أو جعل الولاية إليه صح) أى لو شرط عند الإيقاف ذلك اعتبر شرطه، أما الأول فهو جائز عند أبي يوسف ولا يجوز على قياس قول محمد من اشتراط التسليم إلى المتولى عنده -إلى أن قال- قال الصدر الشهيد: والفتوى على قول أبي يوسف ونحن أيضا نفتي بقوله ترغيبا للناس في الوقف واختاره مشايخ بلخ وكذا ظاهر الهداية حيث أخر وجهه ولم يدفعه...... وفى الحاوى القدسي: المختار للفتوى قول أبي يوسف ترغيبا للناس في الوقف وتكثيرا للخير.

-وقال بعد صفحات-: وأما الثانية أعنى اشتراط الولاية للواقف فالمذكور قول أبي يوسف وهو قول هلال وهو ظاهر المذهب. [3]

❸ قال ابن الهمام (بعد بسط الكلام في هذه المسألة):

فقد ترجح قول أبي يوسف ، قال الصدر الشهيد: والفتوى على قول أبي يوسف ونحن أيضًا نفتي بقوله ترغيبا للناس في الوقف واختاره مشايخ بلخ وكذا ظاهر الهداية حيث أخر وجهه ولم يدفعه. [4]

❹ قال داماد أفندى:

١ـ قال شيخنا في "الإعلاء" (١٣: ١٥١):

وهذا فعل عمر -رضى الله عنه- كما ترى، رواه الحضاف في "الأوقاف" له (ص:٨) واحتجاج المجتهد بحديث تصحيح له كما مرغير مرة، وأبوبكر بن عبدالله هو ابن أبى سبرة متهم بالوضع وقال مصعب الزبيرى: كان عالما -كما في التقريب.

٢ـ الدر المختار (٦/٥٨٨، ٥٨٩)

٣ـ البحر الرائق (٥/٣٦٨، ٣٦٩، ٣٧٧)

٤ـ "فتح القدير" (٦/٢١١)

وُصح جعل غلة الوقف أو بعضها أو الولاية لنفسه أى صح للواقف أن يشترط انتفاعه من وقفه وتوليته لنفسه عند أبي يوسفؒ لأن شرط الواقف معتبر فيراعى كالنص وعليه الفتوى ترغيبا للناس في الوقف كما في أكثر المعتبرات. (١)

❺ قال الزحيلي:

ويصح على المفتى به وهو قول أبي يوسفؒ وغيره من ائمة الحنفية الوقف على نفس الواقف أو على أن الولاية له. (٢)

❻ كذا في الكتب الأخر. (٣)

---

[١٢٨] اختلافی مسئلہ

إذا بنى مسجدًا لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن للناس بالصلوة فيه فإذا صلى فيه واحد زال ملكه عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى (و محمد رحمه الله (١)) وقال أبويوسف رحمه الله تعالى: يزول ملكه عنه بقوله "جعلت مسجدًا".

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

١ـ مجمع الأنهر (٢/٥٧٤)

٢ـ الفقه الإسلامي وأدلته (٧٦٤٠)

٣ـ الفتاوى الهندية (٢/٣٥٢ و ٣٩٧، ٣٩٨)، الفتاوى التاترخانية (٥/٤٩١)، فتاوى قاضي خان (٣/٣١٨)، النهر الفائق (٣/٣٢٥)، البناية (٩/٦٢٨)، غرر الأحكام (٦/١٢٦)، رمز الحقائق (١/٢٧٧)، شرح الطائى على الكنز (١/٢٧٧،٢٧٨)، العناية (٦/٢٠٩)، الكفاية (٦/٤٥)، حاشية الشلبي على التبيين (٣/٣٢٨)، إعلاء السنن (١٣/١٣٩،١٥١)، خزانة الفقه (٢١١)، اللباب في شرح الكتاب (٢/١٠٣)، الفقه الحنفى وأدلته (٣/١٤٢)، الفقه الحنفى في ثوبه الجديد (٢/٣٦٨)، الموسوعة الفقهية (١٤/١٤٤)، الإيضاح في شرح الأصلاح (٢/٩٧)، الفتاوى الولوالجية (٣/١٠٣)

٤ـ الاختيار لتعليل المختار (٣/٥٠)، مجمع الأنهر (٢/٥٩٣)، تبيين الحقائق (٣/٣٢٩)، الدرالمختار (٦/٥٤٧)، رمزالحقائق (١/٢٧٨)، بدائع الصنائع (٥/٣٢٦)

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

وقف میں چونکہ مِلک عبد ساقط ہو جاتی ہے لہٰذا حقِ عبد کے سقوط سے ہی یہ خالص اللہ تعالیٰ کیلئے ہو کر رہ جاتا ہے یعنی بالفاظِ دیگر یہ "اعتاق" کے مثل ہے کہ جیسے اعتاق، معتِق کے محض قول مثلاً "اعتقت فلانا" سے متحقق ہو جاتا ہے اور معتِق کی مِلک اُس غلام سے زائل ہو جاتی ہے اسی طرح یہاں بھی محض قول "جعلت مسجدا" سے ملکِ واقف زائل ہو جائے گی۔ (۱)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

ويزول ملكه عن المسجد والمصلى بالفعل وبقوله جعلته مسجدا عند الثاني (أي أبي يوسفؒ) و شرط محمدؒ والإمامؒ الصلاة فيه بجماعة.

قال الطحطاوي:

قوله (وبقوله): الواو بمعنى أو فيكفي عنده أحدهما قال في الملتقى وشرحه: وعن أبي يوسفؒ يزول بمجرد القول مطلقا؛ وقدم في التنوير والدرر والوقاية وغيرها قول أبي يوسفؒ وعلمت أرجحيته في الوقف والقضاء. (۲)

❷ قال الحصكفي:

أما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء الخ

قال الشامي:

قوله (أما لو تمت المسجدية) أي "بالقول" على المفتى به أو "بالصلاة فيه" على قولهما. (۳)

❸ قال ابن الهمام:

قوله (وإذا بنى مسجدا لم يزل ملكه عنه حتىٰ يفرزه بطريقه عن ملكه ويأذن للناس في الصلاة فيه ا هـ)- وقال في الآخر من شرح هذا الكلام لمّا كان في بيان المرام، بعد أن فرغ من دلائل محمدؒ والإمامؒ-:

وأبو يوسفؒ مر على أصله من زوال الملك بمجرد القول أذن في الصلاة أو لم يأذن ويصير مسجدا بلا حكم لأنه إسقاط كالإعتاق، وبه قالت الأئمة الثلاثة وينبغي أن يكون قول أبي يوسفؒ إن كلًّا

۱۔ مستفاد مما يلي: البحر الرائق (۵/۴۱۶)، الهداية شرح البداية (۲/۶۲۲)

۲۔ حاشية الطحطاوي على الدر المختار (۲/۵۳۶)

۳۔ حاشية ابن عابدين على الدر المختار (۶/۵۴۹)، وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار (۲/۵۳۷)

من مجرد القول والإذن كما قالا موجب لزوال الملك وصيرورته مسجدا لما ذكرنا من العرف. (١)

❹ قال الزيلعي:

قال رحمه الله (ومن بنى مسجدا لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن بالصلاة فيه وإذا صلى فيه واحد زال ملكه) وهذا عند أبي حنيفة و محمد - وبعد أن فرغ من بيان أدلتهما قال- قال أبويوسفؒ: يزول ملكه بقوله "جعلته مسجدا" لأن التسليم عنده ليس بشرط لأنه اسقاط لملك العبد فيصير خالصًا لله تعالى بسقوط حق العبد وصار كالإعتاق (٢) (فتأخيره دليل الإمام الثانیؒ ترجيح لقوله على ما قال الشامي في شرح العقود)

❺ كذا في الكتب الأخر (حيث أخر مصنفوها دليل أبي يوسفؒ فيها فهذا ترجيح له ضمنا على ما عرف من صنيعهم في الراجح عندهم حسب تصريح الشامیؒ به) (٣)

[١٢٩] اختلافی مسئلہ

ومن بنى سقاية للمسلمين أو خانا يسكنه بنو السبيل أو رباطا أو جعل أرضه مقبرة لم يزل ملكه عن ذلك عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى حتى يحكم به حاكم وقال أبويوسف رحمه الله تعالى: يزول ملكه بالقول وقال محمد (رحمه الله): إذا استقى الناس من السقاية وسكنوا الخان والرباط ودفنوا في المقبرة زال الملك.

مفتی بہ قول:

فتوی امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

صحت وقف کیلئے موقوفہ شی کی تسلیم وسپردگی شرط لازم نہیں ہے- كما هو أصل أبي يوسفؒ في الوقف-لہٰذا

١۔ "فتح القدير" (٦/٢١٧، ٢١٨)

٢۔ تبيين الحقائق (٣/٣٢٩، ٣٣٠)

٣۔ الهداية (٢/٦٢٢)، البحر الرائق (٥/٤١٦)، رمز الحقائق (١/٢٧٨)

وقف کرتے ہی بندے کی ملکیت اس سے ساقط ہو جاتی ہے یعنی یہ بمنزلہ اعتاق ہے کہ جیسے اِس میں معتق کے محض الفاظِ عتق سے ہی عبدِ مملوک، معتِق کی مِلک سے نکل جاتا ہے اسی طرح یہاں وقف میں بھی صرف الفاظِ وقف سے ہی موقوفہ شی سے واقف کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے اور اس میں وقف متحقق ہو جاتا ہے۔ (۱)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن نجیم:

قوله (ومن بنى سقاية أو خانا أو رباطا أو مقبرة لم يزل ملكه عنه حتى يحكم به حاكم) يعني عند أبي حنيفة ...... وعند أبي يوسف يزول ملكه بالقول كما هو أصله إذ التسليم عنده ليس بشرط والوقف لازم وفي فتاوى قاضي خان: ونأخذ في ذلك بقول أبي يوسف. (۲)

❷ كذا في الخانية والهندية. (۳)

۱۔ مستفاد مما يليك: الجوهرة النيرة (۲/۳۸)، البحرالرائق (۵/۴۲۵)، النهرالفائق (۳/۳۳۱)

۲۔ البحرالرائق (۵/۴۲۴،۴۲۵)

۳۔ الفتاوى الخانية (۳/۲۹۰) ، الفتاوى الهندية (۲/۴۶۵، حيث ذكر فيها: الفتوى على قولهما- أي قول الصاحبين- فعُلم منه أنه رجّح قول محمد فيها كما رجّح قول أبي يوسف رحمه الله تعالى، وهذا يظهر من صنيع "الملّا الحداد" أيضًا حيث اخّر وجهِ قول محمد في كتابه "الجوهرة" ۲:۳۸

يقول العبد الضعيف: ولكن قول أبي يوسف فيها أليق بالاختيار إذ هو الأنفع للوقف.)

كتابُ الغَصْب

[۱۳۰] اختلافی مسئلہ

وإذا غصب عقارا فهلك في يده لم يضمنه عند أبي حنيفة وأبي يوسف -رحمهما الله تعالى- وقال محمد -رحمه الله تعالى-: يضمنه.

مفتی بہ قول:

فتویٰ شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

توضیح:

واضح رہے کہ مذکورہ بالا مسئلہ میں "عقارا" سے مراد غیر وقف شدہ عقار ہے کیونکہ اسی صورتِ مسئلہ میں عقار اگر وقف شدہ ہو تو پھر فتویٰ قولِ شیخین رحمہما اللہ کی بجائے امام محمدؒ کے قول پر ہے۔[1] وسيتضح لك من عبارات تالية (فی ذيل التخريج) أيضا.

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) أ:- عن سعيد بن زيد قال: سمعت النبی صلی الله عليه وسلم يقول: "من أخذ شبرا من الأرض ظلما فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين".[2]

وفي رواية: "من غصب شبرا الخ"[3] ففيها تصريح بالغصب وكأنها تفسير لقوله "اخذ ظلما".

ب:- عن علقمة بن وائل عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

۱۔ انظر له: جامع الرموز (۲/۱٦٤) بتسهيل، اللباب في شرح الكتاب (۲/۱۰٦)، الفقه الحنفی وأدلته (۳/۹٤)

۲۔ صحيح مسلم (۳/۱۲۳۰) رقم (۱٦۱۰)، وكذا انظر له: صحيح البخاری (۳/۱۱٦۸) رقم (۳۰۲٦)، صحيح ابن حبان (۱۱/٥٦) رقم (٥۱٦۱)، مسند أحمد بن حنبل (۱/۱۸۸) رقم (۱٦۳۳)

۳۔ ذكره ابن الملقن فی "البدر المنير" (٦/۷٦۱)، وقال: هو حديث صحيح.

واحتج به ابن حزم في "المحلى" (۸/۲۳۸) وهو لا يحتج فيه إلا بما صح عنده.

"من غصب رجلا أرضا ظلما لقى الله وهو عليه غضبان" (١)

احادیثِ بالا میں "غصبِ عقار" پر مرتب ہونے والی جزاء ذکر کردی گئی ہے اور ضمان کو ذکر نہیں کیا اگر یہ واجب ہوتا تو اس کا ذکر بھی ضرور ہوتا کیونکہ یہ امر انتہائی محتاج إلی البیان ہے لہٰذا جب احادیث میں ضمان کا ذکر موجود نہیں تو اب ان احادیث پر اس (ضمان) کی زیادتی کرنا نسخ ہوگا اور ظاہر ہے کہ رائے سے حدیث پر یہ زیادتی جائز نہیں۔ (٢)

(٢) عقار کے غاصب (أطلق الغصب من حیث اللغة) کا یہ تصرف مالک میں ہوا ہے نہ کہ عقار میں کیونکہ عقار تو اپنی اس جگہ سے زائل ومنتقل ہی نہیں ہوئی جس جگہ پر اس کے مالک کا اس پر قبضہ تھا (کہ اس کو اٹھا کر کہیں لے گیا ہو) بلکہ وہ تو اپنی جگہ پر قائم ہی ہے اور تصرف فی المالک موجبِ ضمان نہیں ہوتا۔

مزید وضاحت وتسہیل کیلئے یہ مثال سمجھیں کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص اور اس کے مال ومتاع کے درمیان اس طرح حائل ہو جائے کہ اس مالک کو اس کے مال کی حفاظت سے روک دے اور اس کے مال میں کوئی تصرف نہ کرے پھر اسی کی بدولت اس شخص کا وہ مال ہلاک ہو جائے تو یہ حائل آدمی بلاشبہ اس مال کے ہلاک کا ضامن نہیں ہوگا کیونکہ اس کا یہ عمل تصرف فی المالک ہے نہ کہ تصرف فی المال، ومن المعلوم ان التصرف في المالك لا یوجب الضمان. (٣)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الحلبي والحصكفي:

فلو غصب عقارا فهلک في يده لا يضمن خلافا لمحمد وبقوله قالت الائمة الثلاثة وبه يفتى في الوقف وبقولهما في غير الوقف. (٤)

❷ في الهندية:

أما إذا كان المغصوب غير منقول كالدور والعقار والحوانيت فانهدم بآفة سماوية أو جاء سيل فذهب بالبناء والأشجار أو غلب السيل على الأرض فنقصت وعطبت تحت الماء فلا ضمان عليه عند

١ـ المعجم الكبير للطبراني (١٨/٢٢) رقم (١٧٨٧٦).

قال الهيثمي في "مجمع الزوائد" (٤:٢٠٦): فيه يحيى بن عبدالحميد الحماني وهو ضعيف وقد وثق والكلام فيه كثير. انتهى. قلت: إذا كان الراوي مختلفا فيه فهو حسن الحديث، كما عرف في الأصول.

٢ـ أنظر له: تبيين الحقائق (٥/٢٢٤)، شرح النقاية (٢/١٣٣)، الإختيار لتعليل المختار (٣/٦٩)، التجريد للقدوري (٣٣٥٢/٧).

٣ـ مستفاد بتسهيل مما يلي: الاختيار لتعليل المختار (٣/٦٩)، شرح الوقاية (٣/٣٥٧)، الهداية (٣/٣٧٤)، الفقه الإسلامي للزحيلي (٤٧٩١)

٤ـ الدر المنتقى (٤/٨١)

أبي حنيفة رحمه الله تعالى وأبي يوسف رحمه الله تعالى الآخر...... والصحيح قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى هكذا في المضمرات. (١)

❸ قال الغنيمي:

وإذا غصب عقارا فهلك في يده لم يضمنه عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى وقال محمدؒ: يضمنه...... قال في التصحيح: والصحيح قولهما ا هـ، لكن في "القهستاني": والصحيح الأول في غير الوقف والثاني في الوقف كما في "العمادى" وغيره. (٢)

❹ قال ابن نجيم:

ولو غصب عقارا وهلك في يده بأن غلب السيل عليه فهلك تحت الماء أو غصب دارا فهدمت بآفة سماوية أو سيل فذهب بالبناء لم يضمن عند أبي حنيفة وأبي يوسف وقال محمد والشافعي وزفر وهو قول أبي يوسف أولًا: يضمن، و في "البزازية(٣)" : والصحيح قول أبي حنيفة وأبي يوسف. (٤)

❺ قال التمرتاشي والحصكفي:

والغصب فيما ينقل فلو أخذ عقارا وهلك في يده بآفة سماوية كغلبة سيل لم يضمن خلافا لمحمد وبقوله قالت الثلاثة وبه يفتى في الوقف. (٥)

❻ كذا في الكتب الأخر. (٦)

١ـ الفتاوى الهندية (٥/١٢٠)

٢ـ اللباب في شرح الكتاب (٢/١٠٦)

٣ـ يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

قد وقع التسامح من المصنف أو الكاتب فيه إذ هذه العبارة (أي العبارة بعد قوله "وفى البزازية") لم توجد في "البزازية" لابن البزاز الكردرى، رأسا وقد بحثت عنها بحثا كثيرا فيها فالصحيح "وفى الزاد" لأنها قد وجدت نفس هذه العبارة فيه كما نقل في الهندية: ٥/١٢٠

٤ـ البحر الرائق (٨/٢٠٢)

٥ـ الدر المختار (٩/٣١٢)

٦ـ مجمع الأنهر (٤/٨١)، رمز الحقائق (٢/١٨٠)، حاشية الطائي على الكنز، على هامش الرمز (٢/١٨٠)، مجمع الضمانات (٢/٤٥٧)، الترجيح والتصحيح (٢٩٥)، جامع الرموز (٢/١٦٤)، الفقه الحنفي وأدلته (٣/٩٤)، الفتاوى البزازية (٦/١٦٧)، اكتفى فيها بذكر مذهبهما فقط فهذا الاقتصار لكونه مختارا في الباب كما عرف عند المحققين، ملتقى الأبحر (٤/٨٠) حيث قدم قولهما فيه

وفى الكتب التالية أخر دليلهما ترجيحا لقولهما: بدائع الصنائع (٦/١٣٥، ١٣٦)، الجوهرة النيرة (٢/٤١، ٤٢)، الهداية (٤/٣٧٤)، تبيين الحقائق (٥/٢٢٤) أيد الزيلعي فيه مذهبهما وقوّاه بالإجابة عن دلائل محمدؒ حماءً عن قولهما مع تأخير الدليل

❼ قول الشيخين رحمهما الله تعالى قول المتون وهذا من أمارات ترجيح له أيضًا. (۱)

[۱۳۱] مسئلہ

وإن خرق (ثوب غيره) خرقا كثيرا يبطل عامة منافعه فلمالكه أن يضمنه جميع قيمته.

مفتی بہ قول:

"خرقِ کثیر/ فاحش" کی تحدید میں فقہاء کا اختلاف وارد ہوا ہے جس میں متعدد اقوال (۲) نقل کیے گئے ہیں ان میں سے ایک مذکورہ بالا قول بھی ہے جو صاحبِ قدوری کا مختار ہے مگر صحیح ومفتی بہ قول یہ ہے کہ خرق فاحش وہ ہے جس سے اس شی کی عین ومنفعت میں سے ہر ایک کا کچھ حصہ فوت ہو جائے، صرف اس کی منفعت (خواہ کتنی ہی ہو) کا فوات وبطلان کافی نہیں ہے۔

مستدلہ:

ہر ثوب دو جہات پر محتوی ہوتا ہے: عین اور منفعت، لہٰذا صرف ایک جہت (منفعت) کے نقصان سے متاثر ہونے پر کثیر (وفاحش) کا اطلاق درست نہیں، کثیر کا اطلاق تو تب درست ہوگا جب دونوں جہات (عین بھی اور منفعت بھی) متاثر ہوں وهذا ظاهر أن إطلاق الكثير ينبغي لجهتين لا لجهة واحدة.

تخریج:

❾ في الهندية:

اختلفوا في الفرق بين الفاحش واليسير والصحيح أن الفاحش مايفوت به بعض العين وبعض

۱۔ المختار للفتوى (۶۹/۳)، كنز الدقائق (۳۹۶)، النقاية (۱۳۳/۲)، الوقاية (۳۵۷/۳)، غرر الأحكام (۲۳۱/۷)، تنوير الأبصار (۳۱۱/۹)

۲۔ قولی "متعدد اقوال": منها:

۱۔ مايوجب نقصان ربع القيمة فاحش وما دونه يسير (البحرالرائق ۲۱۲/۸، العناية ۳۴۸/۹)

۲۔ ما أوجب نقصان نصف القيمة فهو فاحش وما أوجب دونه فهو يسير (العناية ۳۴۸/۹، البحر ۲۱۲/۸)

۳۔ مالا يصلح الباقي بعده لثوب (الجوهرة ۴۳/۲، المحيط البرهاني ۳۷۲/۵ وفيه واليسير ما يصلح)

۴۔ إن كان طولا ففاحش وإن كان عرضا فيسير (مجمع الأنهر ۸۷/۴)

۵۔ يرجع إلى عرف الخياطين (حاشية الطحطاوى على الدر ۱۰۷/۴)

المنفعة واليسير ما لا يفوت به شيء من المنفعة بل تعيب به فقط. [1]

❷ قال التمرتاشي والحصكفي:

أو خرق ثوبا خرقا فاحشا وهو ما فوّت بعض العين وبعض نفعه لا كلّه.

قال الشامي:

قوله (وهو ما فوّت الخ) اقتصر لأنه هو الصحيح في الفرق بين الفاحش واليسير من أقوال أربعة مذكورة في الشرنبلالية وغيرها. [2]

❸ قال أبو محمد البغدادي:

وفي الصغرى اختلف المشايخ في الخرق اليسير والفاحش...... والصحيح أن الفاحش ما يفوت به بعض العين وبعض المنفعة، واليسير ما يفوت به بعض المنفعة انتهى، وقيل: اليسير ما لا يفوت به شيء من المنفعة وإنما يدخل نقصانا في المنفعة قال في الهداية وهو الصحيح. [3]

❹ قال الحدادي:

واختلف المتأخرون في الخرق الفاحش...... وفي الهداية: إشارة "الكتاب (هو المختصر للقدوري)" إلى أن الفاحش ما يبطل به عامة المنافع والصحيح أنه ما يفوت به بعض العين وبعض المنفعة واليسير مالا يفوت به شيء من المنفعة وإنما يدخل فيه النقصان. [4]

❺ كذا في الكتب الأخر. [5]

---

١ ـ الفتاوى الهندية (٢/١٨٥)

٢ ـ الفتاوى الشامية (٩/٣٢٥)

٣ـ مجمع الضمانات (٣/١٤)

٤ ـ الجوهرة النيرة (٢/٤٣)

٥ ـ البحر الرائق (٨/٢١٢)، تبيين الحقائق (٣/٢٣٤)، حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٤/١٠٧)، الفتاوى البزازية (٦/١٩١)، "فتح القدير" (٥/٤٠٣)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٧/٢٤١)، مجمع الأنهر (٢/٣٩٩، ٤/٨٧)، المحيط البرهاني (٥/٣٧٢)، اللباب في شرح الكتاب (٢/١٠٧)، الفقه الإسلامى للزحيلى (٤٨١١)، الموسوعة الفقهية (٣١/٢٤٩)، شرح الطائى على الكنز (٢/١٨١)، شرح العينى على الكنز (٢/١٨١).

[۱۳۲] اختلافی مسئلہ

إن غصب فضة أو ذهبا فضربها دراهم أو دنانير أو انية لم يزل ملك مالكها عنها عند أبي حنيفةؒ (فياخذها ولا شيء للغاصب وقالا: يملكها الغاصب وعليه مثلها [۱])

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

دراہم ودنانیر وغیرہ میں ڈھالنے کے باوجود ذہب وفضہ کی عین، من کل وجہ باقی ہے کیونکہ ابھی تک:

۱۔ ذہب وفضہ کا نام باقی ہے

۲۔ ذہب وفضہ سے متعلقہ چاروں احکام باقی ہیں:

ا: ان کا ثمن ہونا

ب: ان کا موزونی ہونا

ج: ان میں ربوٰ کا جاری ہونا

د: ان میں زکوٰۃ کا واجب ہونا

الغرض یہ ثابت ہوگیا کہ ان کی عین ہلاک نہیں ہوئی بلکہ مکمل طور پر باقی ہے لہٰذا مالک کا حقِ ملکیت ان سے منقطع نہیں ہوا اور غاصب کی ملکیت ان پر ثابت نہیں ہوسکی کہ وہ ان کو اپنے پاس رکھ لیتا اور "مثل" کا ضامن ہوتا [۲] کیونکہ غصب

۱۔ الهداية (۳۷۸/۳)، حاشية الطحطاوى على الدر (۱۰۷/٤)، الجوهرة النيرة (٤٤/۲)، المحيط البرهانى (۳۷٦/٥)، الفتاوى الهندية (۱۲٤/٥)، الفقه الإسلامى وأدلته (٤٨١٠)، الاختيار لتعليل المختار (۷۱/۳)، البحرالرائق (۲۰۹/۸)، مجمع البحرين وملتقى النيرين (٤۷۷)، شرح النقاية (۱۳۷/۲)، الفقه الحنفى وأدلته (۹۸/۳)، تبيين الحقائق (۲۲۸/٥)، رمز الحقائق (۱۸۱/۲)

۲۔ العناية على هامش النتائج (۳٤۳/۹)، البحرالرائق (۲۰۹/۸)، تبيين الحقائق (۲۲۸/٥)، الهداية شرح البداية (۳۷۸/۳)، الدرر شرح الغرر (۲۳۸/۷)

کاتحقق اور پھراس سے ملک غاصب کاثبوت اس وقت ہوتا ہے جب مغصوبہ شی کی عین متغیر ہوجائے اوراس کانام واعظم منافع زائل ہوجائیں (۱) جبکہ یہاں ایسانہیں ہوا لہٰذاصورتِ بالا میں حق مالک ختم نہیں ہوگااور ملک غاصب متحقق نہیں ہوگی۔

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال قاضي خان:

رجل غصب ذهبا أو فضة فجعلها دراهم أو دنانير أو آنية ، عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى لا ينقطع حق المالك بهذه الصنعة وعند صاحبيه رحمهما الله تعالى ينقطع (۲) (ومن المعلوم أن القول المقدم فيه راجح حسب تصريح الشاميؒ به)

❷ قال الحلبي:

وإن جُعل الفضة أو الذهب درهم أو دنانير أو آنية لا يملكه وهو لمالكه بلا شيء وعندهما يملكه الغاصب وعليه مثله (۳) (القول المقدم فيه راجح أيضا كما لا يخفى على المفتي)

❸ قال الكردري:

غصب نقرة فضة فسبكها لم يملكها ويأخذها صاحبها ولو ضربها كذا عنده ويردها على صاحبها(۴) (ولم يذكر بعده قول صاحبيه فالاقتصار على قولٍ (وهو هنا قول الإمامؒ) ترجيح له كما عرف في موضعه(۵))

❹ وقال طاهر البخاري كما قال الكردري. (۶)

❺ قال ابن قطلوبغا:

قوله (ومن غصب فضة أو ذهبا فضربها دراهم أو دنانير لم يزل ملك مالكها عند أبي حنيفةؒ) قال في الهداية: فيأخذها ولا شيء للغاصب وقالا: يملكها الغاصب وعليه مثلها، وأخر صاحب الهداية

۱۔ انظر له: "إعلاء السنن للعثمانيؒ" ١٦/٣٤١، ٣٤٢، مع ذكر الدليل من السنة.

۲۔ الفتاوى الخانية (٣/٢٥٧)

۳۔ ملتقى الأبحر (٤/٨٥)

٤۔ الفتاوى البزازية (٦/١٨٢)

٥۔ البحر الرائق (٣/٥٣)

٦۔ خلاصة الفتاوى (٤/٢٧٩)

دليل الإمام وضمَّنه جواب دليلهما واختاره المحبوبى والنسفى وأبوالفضل الموصلى وصدر الشريعة[1] (فهذا كله يدل على ترجيح قول الإمام كما هو ظاهر)

❻ كذا في الكتب الأخر، حيث أخّر مصنفوها دليل الإمامؒ فيها ترجيحا له. [2]

❼ إنما المتون على قول الإمامؒ[3] فهذا ترجيح له أيضًا.

---

١ ـ الترجيح والتصحيح (٢٩٧)

٢ ـ البحر الرائق (٢٠٩/٨)، تبيين الحقائق (٢٢٨/٥)، المحيط البرهانى (٣٧٦/٥،٣٧٧)، الاختيار لتعليل المختار (٧١/٣)، العناية (٣٤٣/٩)

٣ ـ المختار للفتوى (٧١/٣)، كنز الدقائق (٣٩٦)، الوقاية (٣٥٩/٣)، النقاية (١٣٧/٢)، تنوير الأبصار (٣٢٤/٩)، غرر الأحكام (٢٣٨/٧).

كتابُ الوديعة

[۱۳۳] اختلافی مسئلہ

إذا أودع رجلان عند رجل وديعة ثم حضر أحدهما يطلب نصيبه منها لم يدفع إليه شيئا عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- حتى يحضر الآخر وقال أبويوسف و محمد -رحمهما الله تعالى- يدفع إليه نصيبه.

توضیح المقام:

واضح رہے کہ مندرجہ بالا مسئلہ میں اختلاف مذکور صرف اس صورت میں ہے جب وہ ودیعت ذوات الامثال (جیسے مکیلی وموزونی اشیاء وغیرہ) میں سے ہو کیونکہ غیر ذوات الامثال (یعنی ذوات القیم) ہونے کی صورت میں بالا جماع مودَع اس مالِ ودیعت میں سے ایک شریک کو کچھ نہیں دے گا۔ (۱)

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) مذهب أبي حنيفةؒ مروی عن علی رضی الله عنه. (۲)

۱۔ رد المحتار (۵٤۱/۸)، الهندية (۳٥٤/٤)، اللباب للغنيمی (۱۱۳/۲)، مجمع الأنهر (٤۷٤/۳)، مجمع الضمانات (۹۲/۲)، رمز الحقائق (۱٤۰/۲)، الدرر شرح الغرر (۱٥٦/۷)، حاشية الطحطاوی علی الدر (۳۸۱/۳)، تبيين الحقائق (۸۰/٥)، شرح النقاية (۱۳۱/۲)، الفقه الحنفی في ثوبه الجديد (٤۰٦/۲)، حاشية النانوتوی علی الكنز- نقلا عن ملا مسكين- (۳٤۹)، رقم الحاشية: ٥

۲۔ رد المحتار (٥٤۱/۸)، تبيين الحقائق (۸۰/٥)، الفقه الحنفی في ثوبه الجديد (٤۰٦/۲)، شرح العينی علی الكنز (۱٤۰/۲)

الرجاء: لم أجده في الكتب الحديثية بعد البحث عنه -لقصور باعی وقلة بضاعتی -لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا فأرجو من كل من يجده في المصادر الحديثية أن يدلنی اليه ليكون له أجرا ينفعه يوم لا ينفع مال ولا بنون.

(۲) عن حنش أن رجلين استودعا امرأة من قريش مأة دينار على أن لا تدفعها إلى واحد منهما دون صاحبه حتى يجتمعا فأتاها أحدهما فقال إن صاحبي توفي فادفعي إليّ المال فأبت فاختلف إليها ثلاث سنين واستشفع عليها حتى أعطته ثم إن الآخر جاء فقال: أعطيني الذي لي فذهب بها إلى عمر بن الخطاب فقال له عمر رضي الله عنه: هل بينة؟ ، قال: هي بينتي، فقال: ما أظنكِ إلا ضامنة. اهـ[1]

اثرِ مذکور میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مُودَعہ کو ضامن بنایا ہے کیونکہ اس نے شریکین میں سے ایک کو مال (طلب کرنے پر) دے دیا تھا، ظاہر ہے کہ یہ حکمِ ضمان، مودَع کیلئے عدمِ اعطاء کے حکم پر دال ہے۔[2]

(۳) وہ شریک، مُقِر (یعنی اپنے علیحدہ حصہ) کا مطالبہ کر رہا ہے حالانکہ اس کا حق ''مالِ مشاع'' میں ہے، ظاہر ہے کہ بلا تقسیم اس میں سے اس شریک کا حصہ الگ کرنا ممکن ہی نہیں ہے جبکہ مودَع اس کی حفاظت پر مامور ہے اسے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ مالِ ودیعت (جو حفاظتِ کاملہ کی غرض سے اس کے پاس رکھا گیا تھا اسے وہ) تقسیم کرنا شروع کر دے لہٰذا جب مودَع کی طرف سے اس کی تقسیم درست نہیں تو اس شریک کے حصہ کی علیحدگی کیونکر ممکن ہے، فلا يدفع إليه نصيبه وهذا ما نحن فيه[3]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الصاغرجي:

إذا أودع رجلان عند رجل وديعة موزونا ثم حضر أحدهما دون صاحبه فطلب نصيبه منها لم يدفع إلى الحاضر شيئا منها حتى يحضر صاحبه الآخر عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى...... وقال

۱۔ السنن الكبرى للبيهقي (۲۸۹/۶) رقم (۱۳۰۷۷)

قلت: لم أقف على الحكم عليه في كتب التخريج حتى أني لم أطلع على ترجمة بعض رواة كشيخ البيهقي الأول (عبدالواحد بن محمد بن اسحاق) وشيخه (محمد بن علي بن دحيم) في ضوء كتب التراجم حسب ما تيسّر لي، والله اعلم بحاله.

۲۔ يقول العبد الضعيف:

نعم! هذا الأثر وإن اشترطا فيه أن لا تدفعها إلى أحد منها منفردا وهذا الشرط معدوم فيما نحن فيه فمع ذلك إنه لا يخرج عن موضع الاستدلال لانهما على صنف واحد كما ذكَر قاضي خان في صورة الاشتراط فيها اختلافا بين أبي حنيفةؒ والآخرين أيضًا. أنظر له الخانية ۳۷۷:۳، نصه: "ثلاثة أودعوا رجلا مالا وقالوا لا تدفع إلى رجل منا حتى نجتمع كلنا فدفع نصيب احدهم اليه كان ضامنا في قول أبي حنيفةؒ الخ".

۳۔ مستفاد مما يليك بتسهيل: اللباب في شرح الكتاب (۱۱۳/۲)، الهداية شرح البداية (۲۷۸/۳، ۲۷۹)، الجوهرة النيرة (۵۷/۲)، مجمع الأنهر (۴۷۴/۳)

ابويوسف و محمد رحمهما الله تعالى: يدفع المودع اليه نصيبه..... وقول الإمام هو المعتمد [1]

❷ قال الشلبي:

قال (الطحاوي): من استودعه ثلاثة نفر من الدراهم [2] أو ما سواها مما يقسم ثم جاء احدهم يطلب نصيبه ولم يحضر صاحباه لم يكن عليه أن يعطيه منها شيئا وهذا قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى وبه نأخذ وقال أبويوسف و محمد رحمهما الله تعالى عليه أن يعطيه ثلثها. [3]

❸ قال التمرتاشي والحصكفي:

ولو أودعا شيئا لم يدفع المودَع إلى أحدهما حظه في غيبة صاحبه، ولو دفع هل يضمن؟ في الدرر: نعم، وفي البحر: الاستحسان لا ، فكان هو المختار.

قال الطحطاوي:

قوله (فكان هو المختار) كيف يكون هو المختار مع أن سائر المتون على قول الإمام قال المقدسي وقال الشيخ قاسم: إختار قول الإمام النسفي والمحبوبي وصدر الشريعة. [4]

❹ قال الشامي كما قال الطحطاوي. [5]

❺ قال الحلبي:

وإن اودع إثنان من واحد شيئا لا يدفع إلى أحدهما حصته بغيبة الآخر خلافا لهما [6] (فالقول المقدم فيه راجح كما مر غير مرة)

❻ كذا في الكتب الأخر (خيث أخر مصنفوها دليل الإمام فيها ترجيحا لقوله على ما عرف من دأبهم في الراجح عندهم) [7]

١ـ الفقه الحنفي وأدلته (٨٧/٣)

٢ـ "الدراهم": إعلم أنها من الموزونيات، انظر له البناية ١٢: ٤٥٤

٣ـ حاشية الشلبي على التبيين (٨٠/٥)

٤ـ حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٣٨١/٣)

٥ـ حاشية ابن عابدين الشامي على الدر المختار (٥٤٢/٨)

٦ـ ملتقى الأبحر (٤٧٣/٣)

٧ـ بدائع الصنائع (٣١٢/٥)، تبيين الحقائق (٨٠/٥)، الاختيار لتعليل المختار (٣٠/٣)، العناية (٥١٧/٨)، الجوهرة النيرة (٥٧/٢)، المعتصر على المختصر (٤٧٣)، الهداية (٢٧٨/٣، ٢٧٩) وصاحبُها أخر دليله وضمّنه جوابا عن قولهما.

❽ كذا في شرح الوقاية[1] (حيث علّل مصنفه لقول الإمامؒ وأهمل تعليل قولهما فهذا ترجيح لقوله كما صرّح به الشاميؒ [2])

❾ قول الإمام قول المتون[3] وهذا ترجيح له أيضًا.

١ـ شرح الوقاية (٣/٢٧١)

٢ـ لاحظ شرح العقود له (٣٠)

٣ـ المختار للفتوى (٣/٣٠)، كنز الدقائق(٣٤٩)، الوقاية (٣/٢٧٠،٢٧١)، النقاية (٢/١٣٠)، مجمع البحرين (٤٨٣)، تنوير الأبصار (٨/٥٤١)، غرر الأحكام (٧/١٥٦)

کتابُ اللقیط

[۱۳۴] مسئلہ

ویجوز (للملتقط) أن یقبض له (أی للقیط) الهبة ویسلّمه في صناعة ویؤاجره.

مفتی بہ قول:

قولِ مفتی بہ کے موافق ملتقط کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ لقیط کو اجیر بنائے (یعنی مزدوری پر لگائے)۔

مستدلہ:

(۱) عن عائشة (رضی الله عنها) قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم -في بعض الحدیث-: "السلطان ولی من لا ولی له." [۱]

اس حدیثِ مبارکہ سے مذکورہ قولِ راجح پر علامہ حصکفی اور امام طائی نے بایں طور استدلال کیا ہے کہ لقیط کے مال و نفس پر تصرف کا اختیار ملتقط کو حاصل نہیں ہے بلکہ یہ ولایۃ، سلطان کے ساتھ خاص ہے۔ [۲]

(۲) ملتقط کو چونکہ لقیط کے اتلافِ منافع پر ملکیت حاصل نہیں ہے اس لئے اسے مزدوری پر نہیں لگا سکتا کہ اس میں لقیط

۱۔ سنن أبي داود (۱/۶۳٤) رقم (۲۰۸۳)، وکذا انظر له: المستدرك (۲/۱۸۲) رقم (۲۷۰۶)، سنن الترمذی (۳/٤۰۷) رقم (۱۱۰۲)، سنن إبن ماجه (۱/٦۰٥) رقم (۱۸۷۹)، صحیح ابن حبان (۹/۳۸٤) رقم (٤۰۷٤)، السنن الکبری للبیهقی (۷/۱۰٥) رقم (۱۳۹۸۳)

قال ابن الملقن في "خلاصة البدر المنیر" (۲/۱۸۷):

رواه أبوداود والترمذی وابن ماجة وابن حبان والحاکم وقال الترمذي حسن وقال الحاکم: صحیح علی شرط الشیخین وقال ابن الجوزی: رجاله رجال الصحیح وقال ابن معین: إنه أصح حدیث في الباب.

وکذا وقع تصحیحه أو تحسینه في "تنقیح التحقیق في أحادیث التعلیق" للذهبي (۲/۱٦۸)، و "المقاصد الحسنة" للسخاوی (۱/۳۹۱)، و "مختصره" للزرقانی (٥۳٦)، و "بلوغ المرام من أدلة الأحکام" لابن حجر (۲/۷۰)، و "فتح الباری" له (۹/۱۹۱).

۲۔ الدر المختار (٦/٤۱۹)، شرح الطائی علی الکنز (۱/۲٦٥)

کے بدنی منافع کوتلف کرنالازم آتا ہے۔[1]

تخریج:

❶ قال ابن نجيم:

قوله (ولا يصح للملتقط عليه نكاح و بيع وإجارة)...... وأما الإجارة ففيها روايتان: فرواية القدورى: أنه يؤجره، وفى رواية الجامع الصغير: أنه لا يجوز أن يؤجره؛ كذا ذكره في الكراهية وهو الأصح.[2]

❷ قال الزيلعى:

قوله (ولا يصح للملتقط عليه نكاح وبيع وإجارة)...... والإجارة لا يملكها من لا يملك إتلاف منافعه بالاستخدام بلا عوض والملتقط لا يملكه فلا يملك أن يؤجره...... وذكر القدورى أن له أن يؤجره لأنه يرجع إلى تثقيفه والأول أصح.[3]

❸ قال ابن الساعاتى:

ولا يؤاجره في الأصح.[4]

❹ فى الهندية:

ولا يجوز أن يؤاجره ذكره في الكراهية وهو الأصح كذا في التاتارخانية.[5]

❺ قال الفرغانى:

قال: "ويؤاجره"، قال العبد الضعيف: وهذا رواية القدورى في مختصره وفى الجامع الصغير: لا يجوز أن يؤاجره ذكره في الكراهية وهو الأصح.[6]

١ـ الجوهرة النيرة (٢/ ٧٠)، الاختيار لتعليل المختار(٣/ ٣٤)، الدرر شرح الغرر (٦/ ١٠٤)، البحرالرائق (٥/ ٢٥٠)، الهداية (٢/ ٥٩٦)

٢ـ البحرالرائق (٥/ ٢٤٩)

٣ـ تبيين الحقائق (٣/ ٣٠١)

٤ـ مجمع البحرين (٤٩٠)

٥ـ الفتاوى الهندية (٢/ ٢٨٩)

٦ـ الهداية (٢/ ٥٩٦)

❻ كذا في الكتب الأخر. [1]

❼ وعليه جميع المتون[2] فهذا ترجيح له أيضًا.

١ـ الدر المختار (٦/٤١٩)، الاختيار لتعليل المختار (٣/٣٤)، الفتاوى التاترخانية (٥/٣٨٩)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٦/١٠٤)، ملتقى الأبحر (٢/٥٢٣)، الوقاية (٢/٣٨٦)، شرح النقاية (٢/٢٨٢)، رمز الحقائق (١/٢٦٥)، شرح الطائي على الكنز (١/٢٦٥)، اللباب في شرح الكتاب (٢/١١٩)، الجامع الصغير (١/١٧٨)، الفقه الحنفي وأدلته (٣/١٠٦)، المعتصر على المختصر (٤٨٠)، الجوهرة النيرة (٢/٧٠)

٢ـ المختار للفتوى (٣/٣٤)، كنز الدقائق (٢١٨)، الوقاية (٢/٣٨٦)، النقاية (٢/٢٨٢)، مجمع البحرين (٤٩٠)، بداية المبتدى (١/١٢٥)، تنوير الأبصار (٦/٤١٩)، غرر الأحكام (٦/١٠٤)

الملاحظة:

بعضهم أتوا بالتوفيق بين قولَي القدوري رحمه الله تعالى (في مختصره بجواز الإجارة) ومحمد رحمه الله تعالى (في الجامع الصغير له بعدم جوازها) بأن الأول محمول على أن الأجرة تنفق على اللقيط والثاني على أن الملتقط ينفقها على نفسه؛ ذكره الطحطاوي في حاشيته على الدر ٢:٥٠٠، والشامي في حاشيته على البحر المسماة بمنحة الخالق ٥:٢٥٠، والشيخ الملتاني في تعليقه على البناية ٩:٤٥٥

كتابُ اللُّقطَة

[۱۳۵] مسئلہ

فإن كانت (اللقطة) أقل من عشرة دراهم عرّفها أياما
وإن كانت عشرة فصاعدا عرّفها حولا كاملا.

مفتی بہ قول:

قولِ مفتی بہ کے موافق لقطہ کی تشہیر کے لئے ''مقدارِ لقطہ'' اور ''مدتِ تعریف'' متعین ومحدود نہیں ہیں بلکہ مقدار قلیل ہو خواہ کثیر، بہرصورت اتنی مدت تک اس کا اعلان کرنا ضروری ہے جس سے غالب گمان ہو جائے کہ اب مالک اسے تلاش نہیں کرے گا۔

مستدلہ:

(أ) ۱- عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال سمعت رجلا من مزينة يسأل النبى صلى الله عليه وسلم، فقال: ما نجد في السبيل العامرة من اللقطة، فقال: "عَرّفها حولا فإن جاء صاحبها وإلا فهى لک." [۱]

۲- عن معاوية بن عبدالله بن بدر عن أبيه قال: وجدت ثمانين دينارا في عهد عمر بن الخطاب فأتيت بها عمرؓ فقال: "عرفها سنة"، قلت: فإن لم تعرف؟ قال: فاستمتع بها. [۲]

۳- قال أبي بن كعب: وجدت على عهد النبى صلى الله عليه وسلم صرة فيها مأة دينار قال فأتيته بها، فقال لى: "عرفها حولا" فعرفتها حولا فما أجد من يعرفها ثم أتيته بها فقال: "عرفها حولا آخر" فعرفتها ثم أتيته بها فقال: "عرفها حولا آخر"، وقال: أحص عدتها ووعاء ها ووكاء ها، فإن جاء طالبها

۱ـ مصنف ابن أبي شيبة (٤/٤١٣) رقم (٢١٦٣١)، واللفظ له وكذا أخرجه الإمام احمد بن حنبلؒ في "مسنده" برقم (٦٩٣٦) وقال محققه "شعيب الأرنوؤط": إسناده حسن.

۲ـ مصنف ابن أبي شيبة (٤/٤١٧) رقم (٢١٦٦٢)

فأخبرک بعدتها ووعائها ووكائها فادفعها إليه وإلا فاستمتع بها. [1]

۴- عن يعلى بن مرة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال:

"من التقط لقطة يسيرة حبلا أو درهما أو شبه ذلک فليعرفه ثلاثة أيام فإن كان فوق ذلک فليعرفه ستة ايام." [2]

۵- ذكر ابن قدامه عن عمر رضى الله عنه في مدة تعريف اللقطة ثلاث روايات: ثلاثة أشهر وثلاثة اعوام وسنة. [3]

وحكى ابن المنذر عنه رضى الله عنه قولا رابعا أيضا وهو ثلاثة أيام. [4]

وجه الاستدلال بما ذكر من الأحاديث والآثار:

مذکورہ بالا روایات سے ثابت ہوا کہ تعریف کیلئے لقطہ کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں ہے جیسا کہ روایت اولی میں "مانجد في السبيل العامرة من اللقطة" قلیل وکثیر کو شامل ہے، اسی طرح روایت ثانیہ میں اَسّی (۸۰) دینار کا تذکرہ ہے تو ثالثہ میں سو (۱۰۰) کا، اور مصنف ابن أبی شیبہ [5] کی ایک روایت میں تین سو درہم پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے تعریف کا امر موجود ہے۔

''مقدارِ لقطہ'' کی طرح ''مدتِ تعریف'' میں بھی احادیث وآثار کے اندر کوئی خاص تعیین وتحدید وارد نہیں ہوئی جیسا کہ مذکورہ بالا روایات کا اختلاف اس پر شاہد ہے کہ پہلی دو روایتوں میں ''ایک سال''، تیسری میں ''تین سال'' اور چوتھی میں ''تین دن'' اور ''چھ دن'' کو مدت مقرر کیا گیا ہے چونکہ اس بارے میں شرع کی طرف سے کسی خاص مدت کی تحدید واجب نہیں ہے اس لئے امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے بھی مختلف اوقات میں مختلف اقوال وارد ہوئے ہیں كما مر ذكره في الرواية الخامسة.

١ـ سنن الترمذى (٣/٦٥٨) رقم (١٣٧٤)، واللفظ له وكذا أخرجه البخارى في صحيحه (٦:٦١٧) برقم (٢٤٣٧)، ومسلم في صحيحه (٥:١٣٥) برقم (٤٦٠٣)، وكذا البيهقى في "الصغرى" (٢:١٦٦) برقم (٢٣٥٧) و "الكبرى" (٦:١٩٢) برقم (١٢٤٤٠).

٢ـ السنن الكبرى للبيهقى (٦/١٩٥) رقم (١١٨٨٠)، المعجم الكبير للطبرانى (٢٢/٢٧٣) رقم (١٨٥٥٢)، مسند أحمد (٢٩:١٠٨) رقم (١٧٥٦٦) - فيه "عمر بن عبدالله": قال ابن حجر عنه في "التلخيص" (٣:١٧٣): وعمر مضعّف، قد صرح جماعة بضعفه. نعم! أخرج له ابن خزيمة متابعة وروى عنه جماعات. انتهى. قلت: فهو حسن الحديث

٣ـ المغنى (٦/٣٤٧)

٤ـ فتح البارى (٧/٣٢٠)

٥ـ (٤: ٤١٠) رقم: ٢١٦٣٤)

الغرض تفصیلِ بالا سے معلوم ہوا کہ اختلافِ اُحوال کے اعتبار سے مدتِ تعریف بھی مختلف ہوتی ہے چنانچہ جتنی مدت میں مقصود (وهو أن يجد الملتقط مالكه أو يعجز عن إدراكه بعد صرف همته في طلبه بالتعريف في الأسواق والمجامع وغيرها) حاصل ہواتنی مدت تک تعریف ضروری ہے اور احادیث وآثار میں مذکورہ مدتوں کا حکم ''امرِ ارشادی'' ہے، ان سے غرض بھی مقصودِ مذکور کی تحصیل ہے لہذا یہ مدتِ طلب، روایاتِ بالا میں مرقوم مدتوں کے موافق بھی ہوسکتی ہے اوران سے کم وبیش بھی، چنانچہ صحیح ابن حبان [1] میں ہے:

"قوله صلى الله عليه وسلم: 'عرفها سنة" ليس بحد يوجب نهاية القصد في كل الأحوال وإنما هو حد يوجب قصد الغاية في بعض الأحوال" وكذا في درر الحكام. [2]

يقول العبد الضعيف آخرا: فثبت بهذا التقرير كله أن تقدير العدد المخصوص في المدة ليس بلازم بل هو مفوض إلى رأى المبتلى به (وهو الملتقط) يعرّف إلى أن يغلب على ظنه أن مالكه لا يطلبه بعد ذلك.

(۲) چونکہ یہ (زمانہ) مال کی قلت وکثرت کی بناء پر بھی مختلف ہوتا رہتا ہے، اس لئے اسے مبتلی کی رائے کے سپرد کردیا جائے گا اور کوئی متعین مدت مقرر نہیں کی جائے گی۔ [3]

تخریج:

❶ قال التمرتاشي: وعرّف إلى أن علم أن صاحبها لا يطلبها.

قال الشامي:

قوله (إلى أن علم أن صاحبها لا يطلبها) لم يجعل للتعريف مدة اتباعا للسرخسي فإنه بنى الحكم على غالب الرأى فيعرف القليل والكثير إلى أن يغلب على رأيه أن صاحبه لا يطلبه وصححه في الهداية وفى المضمرات والجوهرة وعليه الفتوى. [4]

❷ فى الهندية:

ويعرف الملتقط اللقطة في الأسواق والشوارع مدة يغلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها بعد ذلك هو الصحيح. [5]

۱ـ (۲۵۳/۱۱)

۲ـ (۱۱۰/٦)

۳ـ مجمع الأنهر (۵۲۵/۲)، الاختيار (۳٦/۳)، الفقه الحنفى وأدلته (۱۰۸/۳)

٤ـ الفتاوى الشامية (٤۲۵/٦)

۵ـ الفتاوى الهندية (۲۸۹/۲)

❸ قال داماد أفندى:

ويعرفها في مكان أخذها وفي المجامع مدة يغلب على ظنه عدم طلب صاحبها بعدها أى بعد هذه المدة هو الصحيح وعليه الفتوى. [1]

❹ قال الموصلى:

ويعرفها مدة يغلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها بعد ذلك، هو المختار. [2]

❺ قال ابن العلاء الهندى:

وكان الشيخ شمس الأئمة السرخسي يقول: شيء من هذا ليس بتقدير لازم بل يبنى الحكم على غالب الرأى، ويعرف الكثير والقليل إلى غالب رأيه أن صاحبه لا يطلبه بعد ذلك، وفى المضمرات: وعليه الفتوى. [3]

❻ كذا في الكتب الأخر. [4]

❼ وهو المختار عند أصحاب المتون[5] فهذا ترجيح له ايضا.

١ـ مجمع الأنهر (٢/٥٢٥)

٢ـ الاختيار (٣/٣٦)

٣ـ الفتاوى التاترخانية (٥/٤٠٠)

٤ـ البحر الرائق (٥/٢٥٥)، حاشية الطحطاوى على الدر (٢/٥٠٢)، الجوهرة النيرة (٢/٧٢)، مجمع البحرين (٤٩١)، رمز الحقائق (١/٢٦٦)، النهر الفائق (٣/٢٧٩)، اللباب في شرح الكتاب (٢/١٢٠)، الهداية (٢/٥٩٧)، المعتصر على المختصر (٤٨١)، الفقه الحنفي وأدلته (٣/١٠٨)، الدر المنتقى(٢/٥٢٥)، المبسوط للسرخسي (١٣/٢٤)، شرح الوقاية (٢/٣٨٧)، شرح النقاية (٢/٢٨٥)، شرح الغرر (٦/١١٠)، الإيضاح في شرح الأصلاح (٢/٧٨)

٥ـ المختار للفتوى (٣/٣٦)، كنز الدقائق (٢١٨)، الوقاية (٢/٣٨٧)، مجمع البحرين (٤٩١)، النقاية (٢/٢٨٤)، ملتقى الأبحر (٢/٥٢٥)، تنوير الأبصار (٦/٤٢٥)، غرر الأحكام (٦/١٠٧)

كتابُ الخنثیٰ

[١٣٦]اختلافی مسئلہ

وإن كان (البولُ) في السبق سواء فلا يعتبر بالكثرة عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- وقالا -رحمهما الله تعالى-: ينسب إلى أكثرهما بولا.

توضیح المسألۃ:

سباقِ مسئلہ کے تناظر میں اگر وہ بچہ فرج وذکر دونوں سے پیشاب کرے تو امام صاحبؒ کے نزدیک وہ مذکر ہوگا نہ مؤنث، بلکہ خنثیٰ مشکل کہلائے گا (خواہ ان میں سے کسی ایک سوراخ سے زیادہ پیشاب آئے اور دوسرے سے کم)۔

صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس سوراخ سے پیشاب مقدار میں زیادہ آئے گا اس سوراخ وآلہ کے اعتبار سے اس پر مذکر یامؤنث ہونے کا حکم لگایا جائے گا اور اسے خنثیٰ مشکل میں سے شمار نہیں کیا جائے گا۔

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

(۱) کثرتِ پیشاب قوت کی دلیل نہیں ہے کیونکہ یہ تو مخرج کی کشادگی اور تنگی کے باعث ایسا ہوتا ہے نہ کہ اس وجہ سے کہ وہی مخرج عضو اصلی ہے۔(۱)

(۲) ''نفس خروجِ البول'' بذاتِ خود دلیل ہے لہٰذا اس کی جنس میں سے ''کثرت'' کے ذریعے، بوقتِ معارضہ، ترجیح واقع نہیں ہوگی جیسے قضاء کے باب میں دو سے زیادہ گواہوں کی صورت میں کثرتِ شہود سے دعویٰ میں مزید کوئی قوت نہیں آتی۔

نیز امام ابوحنیفہؒ نے کثرتِ بول کی بنیاد پر ترجیح کو اس لئے بھی ناپسند اور خلافِ مشروع گردانا کہ جب امام ابویوسفؒ نے ان کے روبرو مسئلۂ میراث کی بابت کہا ''یورث من أکثرھما بولا'' تو امام صاحبؒ نے ان سے مخاطب ہوکر فرمایا:

١۔ تبيين الحقائق (٦/٢١٥)، الجوهرة النيرة (٢/٧٦)، مجمع الأنهر (٤/٤٦٨)، بدائع الصنائع (٦/٤١٨)، اللباب في شرح الكتاب (٢/١٢٣)، شرح العيني على الكنز (٢/٢٧٦)، الهداية شرح البداية (٤/٦٧٧)

''ابو یوسف! تم ہی بتاؤ کہ تم نے آج تک کسی قاضی کو دیکھا ہے جو برتنوں میں پیشاب کو تول رہا ہو''۔
امام صاحبؒ کی اس سے مراد یہ تھی کہ بن تولے حقیقۃً کثرتِ بول معلوم ہو ہی نہیں سکتی اور اس طرح کا اشتغال جائز ہی نہیں ہے۔(۱)

(۳) امام سرخسیؒ نے اس موقع پر ایک لطیف دلیل ذکر کی ہے جو اُن کی دقتِ نظر کا پتہ دیتی ہے، وہ یہ ہے کہ:
کثرت وقلت کا ظہور ''مبال'' کی بجائے ''بول'' میں ہوتا ہے کہ یہ اسی کا خاصہ ہیں جبکہ مسئلہ کا مدار ''مبال'' پر ہے نہ کہ ''بول'' پر، اور ''سبق'' کی صورت میں تو پہلا مخرج اسمِ مبال کا مستحق ہو جاتا ہے جبکہ ''معیت'' کی صورت میں دونوں مخرج اسمیتِ مبال کے مستحق بنتے ہیں لہٰذا علیٰ سبیل الوضوح معلوم ہوا کہ اس صورت میں وہ مولود ''خنثیٰ'' ہی رہے گا اسے کسی ایک ''مبال'' کی طرف منسوب کر کے مذکر یا مؤنث کہنا ترجیح بلا مرجح ہے جو درست نہیں ہے۔(۲)

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله (فلا يعتبر بالكثرة عند أبي حنيفةؒ) ورجح دليله في الهداية والشروح، واعتمده المحبوبی والنسفي وصدر الشريعة.(۳)

❷ قال الحلبی:

وإن استويا فهو مشكل ولا اعتبار بالكثرة خلافا لهما(۴) (فالقول المقدم فيه راجح على ما قال الشاميؒ كما مر غير مرة)

❸ فی الهندية:

وان كانا في السبق سواء فلا معتبر بالكثرة.(۵)

❹ قال ابن نجيم:

قال رحمه الله (ولا عبرة بالكثرة) وهذا عند أبي حنيفةؒ وقالا: ينسب إلى أكثرهما بولا لأنه يدل

۱۔ ماخوذ من: تبيين الحقائق (٦/٢١٥) والكفاية (١٠/١٦٥)
وكذا في: حاشية الطحطاوی علی الدر (٤/٣٤٩)، حاشية ابن عابدين علی الدر (١٠/٤٧٨)، البحر الرائق (٩/٣٣٥)
۲۔ المبسوط (٧/٦١٢)؛ بتسهيل وتلخيص
۳۔ الترجيح والتصحيح (٣١٣)
٤۔ ملتقی الأبحر (٤/٤٦٨)
٥۔ الفتاوی الهندية (٦/٤٥٧)

على أنه العضو الأصلي ولأن للأكثر حكم الكل في اصول الشرع فيترجح بالكثرة، وله أن كثرة ما يخرج ليس بدليل على الآلة لأن ذلك لا تساع المخرج وضيقه اه [1](أخر الشارح العلام فيه دليل الإمام فهذا ترجيح له كما لا يخفى).

٥ كذا في الكتب الأخر (حيث أخر فيها دليل أبي حنيفة وهذا من ترجيح له كما مر)[2]

٦ وكذا المتون على قول الإمام -وهذا أمارة كونه مختارا في الباب- على ما يليك:

١- قال الموصلي: فإن بال منهما معًا فهو خنثى مشكل ولا معتبر بالكثرة. [3]

٢- قال النسفي: وإن استويا فمشكل ولا عبرة بالكثرة. [4]

٣- قال المحبوبي: وإن استو يا فمشكل ولا تعتبر الكثرة. [5]

٤- قال التمرتاشي: وإن استويا فمشكل ولا تعتبر الكثرة. [6]

٥- قال صدر الشريعة الأصغر: وان استويا فمشكل ولا يعتبر الكثرة. [7]

١ـ البحرالرائق (٩/٣٣٥)

٢ـ بدائع الصنائع (٦/٤١٨)، الهداية (٤/٦٧٧)، مجمع الأنهر (٤/٤٦٨)، الاختيار (٣/٤٣)، المبسوط للسرخسي (٧/٦١٢)، حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٤/٣٤٩)، تبيين الحقائق (٦/٢١٥)، شرح النقاية (٢/٥٦٢)

٣ـ المختار للفتوى (٣/٤٣)

٤ـ كنز الدقائق (٤٨٩)

٥ـ الوقاية (٤/١٧٣)

٦ـ تنوير الأبصار (١٠/٤٧٨)

٧ـ النقاية (٢/٥٦١)

[۱۳۷] اختلافی مسئلہ

وإن مـات أبـوه وخـلّف ابنـا وخنثى (أى مشكل) فـالـمـال بينهما عند أبي حنيفةؒ على ثلثة أسهم للإبن سهـمـان وللخنثى سهم وهو انثى عند أبي حنيفةؒ في الـميراث إلا أن يثبت غير ذلك[۱] وقـالا: للخنثى نـصف ميـراث الـذكـر ونـصف ميـراث الأنثى.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

فقہ کا معروف قاعدہ ہے:

"ما ثبت باليقين لا يزول بالشك"[۲]

یہاں ''اَقل'' بالیقین ثابت ہے اور ''اکثر'' میں شک ہے کیونکہ اگر اسے لڑکا شمار کیا جائے تو وہ اکثر کا مستحق ہوتا ہے اور مؤنث کی صورت میں اَقل کا استحقاق ثابت ہوتا ہے، لہٰذا ''اقل'' بالیقین ثابت ہے اور ''اکثر'' کے استحقاق میں شک واقع ہوگیا ہے چنانچہ قاعدۂ بالا کی رُو سے اسے مؤنث شمار کر کے اَقل ہی دیا جائے گا۔[۳]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

ولـه فـي الميراث أقل النصيبين يعنى أسوأ الحالين به يفتى كما سنحققه، وقالا: نصف النصيبين

۱۔ قولـه "إلا أن يثبت غير ذلك": أى إلا أن يتبين أن نصيب الأنثى أكثر من نصيب الذكر فيعطى حينئذ نصيب الذكر، لأنه يعطى له أقل النصيبين أى أسوأ الحالين في الميراث (الجوهرة ۲:۷۸ و العلائية ۱۰:۴۸۲)

۲۔ ذُكرت هذه القاعدة في ۲۵ كتابا فصاعدا من كتب أصول الفقه والقواعد الفقهية، فمن أهمهما:

أصـول البـزدوي (۱/۳٦۷)، قواعد الفقه للبركتي (۱/۱)، علم أصول الفقه (۱/۹۲)، كشف الأسرار (۱/۵)، الأشباه والنظائر لابن نجيم (٦۰)

۳۔ بدائع الصنائع (٦/٤۲۰)، الهداية (٤/٦۷۹)، البحرالرائق (۹/۳٤۱)، تبيين الحقائق (٦/۲۱۷)، مجمع الأنهر (٤/٤۷۱)

فلو مات أبوه وترك معه ابنا واحدا له سهمان وللخنثى سهم.

قال ابن عابدين:

قوله (وقالا: نصف النصيبين) أى نصف مجموع حظ الذكر والانثى

ثم أعلم أن هذا قول الشعبى، ولما كان من أشياخ أبي حنيفةؒ وله في هذا الباب قول مبهم، اختلف أبو يوسفؒ ومحمدؒ في تخريجه، فليس هو قولا لهما، لأن الذى في السراجية أن قول أبي حنيفة هو قول أصحابه، وهو قول عامة الصحابة، وعليه الفتوى. (١)

❷ قال الحلبى والحصكفى:

وله في الميراث أخس النصيبين من الميراث عند الإمام ومعه محمد في عامة الروايات على الأظهر كما في المضمرات وعليه الفتوى. (٢)

❸ قال داماد أفندى:

وله أى للخنثى المشكل أخس النصيبين من الميراث عند الإمام وأصحابه وعليه الفتوى. (٣)

❹ قال الزحيلى:

حكم ميراث المشكل:

ا – مذهب الحنفية المفتى به: يعطى أقل النصيبين أو أسوأ الحالين من فرض ذكورته أو أنوثته. (٤)

❺ قال الكاسانى:

إذا مات رجل و ترك ابنا معروفا وولدا خنثى فعند أصحابنا رحمهم الله تعالى يقسم المال بينهم أثلاثا: للابن المعروف الثلثان وللخنثى الثلث، ويجعل الخنثى ههنا أنثى كأنه ترك ابنا وبنتا...... وقال الشعبى رحمه الله: يعطى نصف ميراث الذكر ونصف ميراث الأنثى لأنه يحتمل أن يكون ذكرا ويحتمل أن يكون أنثى، فيعطى له نصف ميراث الرجال ونصف ميراث النساء، والصحيح قول أصحابنا رحمهم الله تعالى. (٥)

❻ كذا في الكتب الأخر. (٦)

١ـ الدر المختار مع رد المحتار (١٠/٤٨٢)

٢ـ الدر المنتقى (٤/٤٧٠،٤٧١)

٣ـ مجمع الأنهر (٤/٤٧٠)

٤ـ الفقه الإسلامى وأدلته (٧٩٠٦)

٥ـ بدائع الصنائع (٦/٤١٩،٤٢٠)

٦ـ الكفاية (١٠/١٦٧)، اللباب في شرح الكتاب (٢/١٢٥)، السراجية (٤٩)، المعتصر على المختصر (٤٨٥)، الشريفية (١٢٦)، المواريث في الشريعة الإسلامية (١٩٥)، شرح الطائى على الكنز (٢/٢٧٧)

كتابُ المفقود

[۱۳۸] مسئلہ

فإذا تمّ له مأة وعشرون سنة من يوم وُلد حكمنا بموته واعتدت امرأته وقسم ماله بين ورثته الموجودين في ذلك الوقت.

تمہید برائے قولِ مفتی بہ:

مفقود کی موت کا حکم کب لگایا جائے گا؟ اس بارے میں احناف کے بارہ (۱۲) اقوال ہیں:

(۱) جب اس کے ہم عمر لوگ فوت ہو جائیں

(۲) ۳۰ سال (۳) ۶۰ سال (۴) ۷۰ سال

(۵) ۸۰ سال (۶) ۹۰ سال (۷) ۱۰۰ سال

(۸) ۱۰۵ سال (۹) ۱۰۷ سال (۱۰) ۱۱۰ سال

(۱۱) ۱۲۰ سال (کمافی "المختصر" للقدوری)

(۱۲) یہ حکم قاضی کی رائے کے سپرد ہے۔[۱]

پھر ان اقوال کی تصحیح وترجیح میں اختلاف وارد ہوا ہے کما هو ظاهر من قولِ ابن نجيم حيث قال فيه: "واختلف الترجيح"[۲] چنانچہ اس بارے میں مندرجہ ذیل تین اقوال کی ترجیح منقول ہے:

۱۔ موت الاقران[۳]

۲۔ تسعون سنۃ[۴]

۱۔ انظر له: الدر المنتقى (۲/۵۴۰)، حاشية الطحطاوى على الدر المختار (۲/۵۰۹)

۲۔ البحرالرائق (۵/۲۷۷)

۳۔ سيأتي تخريجه مستقلا.

٤۔ البحرالرائق (۵/۲۷۷)، رمز الحقائق للعيني (۱/۲۷۰)، الفتاوى الهندية (۲/۳۰۰)، الفتاوى التاتارخانية (۵/٤۱۸)، المحيط البرهاني (۵/۳۵۸) مجمع الأنهر (۲/٥٤۱)، خلاصة الفتاوى (٤/٤۳۸)، اللباب في شرح الكتاب (۲/۱۲٦)، الدر المنتقى (۲/٥٤۰)، جامع الرموز (۲/۳۹۰)، النهر الفائق (۳/۲۹۲)، شرح الطائى على الكنز (۱/۲۷۰)، الفتاوى السراجيه (۷۹)

۳۔تفویض إلی رأی القاضی۔ [۱]

مفتی بہ قول:

ان اقوالِ ثلاثہ میں سے قولِ اوّل (موت الاقران) ''ظاہر الروایۃ'' ہے اور یہی ظاہرِ مذہب اور قولِ مختار ہے، **فلاحِظ تخريجه من كتب الفتاوى ومستدله من مواضعه فيما يليك:**

مستدلہ:

(۱) قال الشافعي: قال علي بن أبي طالب (رضي الله عنه) في إمرأة المفقود: امرأة ابتليت فلتصبر لا تنكح حتى يأتيها يقين موته. [۲]

اس مفقود کے تمام ہم عمر افراد کے مرچکنے کے بعد اس کی موت بھی بمنزلۂ یقین ہے لہٰذا اس مدت کے بعد اس کی بیوی عدتِ وفات گزار کر اثرِ مذکور کے موافق نیا نکاح کرنے کی مجاز ہوگی۔

(۲) فقہ کا اصول ہے:

"العبرة للغالب الشائع لا للنادر". [۳]

یہ نوادر میں سے ہے کہ کوئی انسان اپنے ہم عمر لوگوں کے فوت ہو جانے کے بعد بھی زندہ رہ رہا ہو لہٰذا حکم کی بناء ''امر نادر'' پر نہیں رکھی جائے گی بلکہ امر ظاہر و غالب کے موافق مفقود کو اس کے اقران کی موت کے بعد مردہ شمار کیا جائے گا اور یہی مذکورہ بالا قاعدہ کا مقتضیٰ ہے۔ [۴]

۱۔ تبيين الحقائق (۳/۳۱۲)، شرح العيني على الكنز (۱/۲۷۰)، الفتاوى الهندية (۲/۳۰۰)، المبسوط للسرخسي (۶/۱۵۳)، البحر الرائق (۵/۲۷۷)، النهر الفائق (۳/۲۹۲)، الفقه الإسلامي للزحيلي (۷۸۹۲)

۲۔ السنن الكبرى للبيهقي (۷/۴۴۶) رقم (۱۵۹۸۴)، السنن الصغرى (۲/۳۴۷) رقم (۳۰۰۳)، مصنف ابن أبي شيبة (۳/۵۲۱) رقم (۱۶۷۱۴)، مصنف عبدالرزاق (۷/۹۰) رقم (۱۲۳۳۲)، معرفة السنن والآثار (۱۲/۴۷۷) رقم (۴۹۲۰)

قلت: ذكره البيهقي من قول الشافعي تعليقا. وحكمه قد تقدم. وأخرجه عبدالرزاق بإسناده عن معمر عن ابن ابي ليلى عن الحكم أن عليا -رضي الله عنه- قال: فذكره.

۳۔ قواعد الفقه للبركتي (۱/۱۹)، كشف الأسرار (۶/۴۴۷)، القواعد والضوابط الفقهية (۲/۶۲۸)، مجلة الأحكام العدلية (۱/۲۰)، المقاصد عند الإمام الشاطبي (۲/۱۱۶)، الموسوعة الفقهية (۳۵/۲۰۶)، مجلة مجمع الفقه الإسلامي (۲/۱۰۰۷)

۴۔ فتح القدير (۶/۱۳۹)، تبيين الحقائق (۳/۳۱۲)، حاشية الطحطاوي على الدر (۲/۵۰۹)، العناية على هامش الفتح (۶/۱۳۹)، الكفاية الملحقة بالفتح (۶/۲۹)، الدرر شرح الغرر (۶/۹۷)

(۳) ہروہ چیز جس کی پہچان کی ضرورت ہو شریعت میں اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ اس شئ کی اَمثال کی طرف رجوع کیا جائے کقیم المتلفات و مهر مثل النساء.

اسی طرح یہاں بھی اس مفقود کے امثال یعنی اس کے ہم عمر لوگوں کی وفات کی طرف رجوع کیا جائے گا۔[1]

تخریجہ:

❶ قال الحلبي والحصكفي:

وإذا مضى من عمره ما لا يعيش اليه أقرانه...... وقيل مأة وعشرون سنة أو مفوض إلى رأى القاضي كما في القهستاني

قلت: فهذه اثني عشر قولا عندنا أرجحها الأول أعنى موت الأقران وهو المذهب كما في التنوير وغيره وصنيع المصنف يقتضيه ، فتنبه، حكم بموته،[2]

❷ قال التمرتاشي:

يوقف قسطه (أي المفقود) إلى موت أقرانه في بلده على المذهب لأنه الغالب.

قال الطحطاوي:

قوله (على المذهب) مقابله أحد عشر قولا، أقلها ثلاثون سنة والأرجح ما في المصنف أفاده في شرح الملتقى، قال في البحر: والعجب من المشايخ كيف يختارون خلاف ظاهر المذهب مع أنه واجب الاتباع على مقلدي أبي حنيفة رضى الله عنه.[3]

❸ قال ابن نجيم:

قوله (وحكم بموته بعد تسعين سنة)...... وقد وقع الاختلاف في هذه واختلف الترجيح فظاهر الرواية وهو المذهب أنه مقدر بموت الأقران في السن...... والعجب من المشايخ كيف يختارون خلاف ظاهر المذهب مع أنه واجب الاتباع على مقلدي أبي حنيفة رحمه الله تعالى.[4]

❹ قال داماد أفندي:

وإذا مضى من عمره أي المفقود ما أي مدة لا يعيش إليه أقرانه وهو ظاهر

١ـ درر الحكام (٦/٩٧)، التبيين للزيلعي (٣/٣١٢)، الطحطاوي على الدر المختار (٢/٥٠٩)

٢ـ الدر المنتقى (٢/٥٤٠)

٣ـ حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٢/٥٠٩)

٤ـ البحر الرائق (٥/٢٧٧)

المذهب..... حكم بموته. [1]

⑤ كذا في الكتب الأخر. [2]

فائدہ:

مذکورہ بالا قولِ ارجح کے موافق جب مفقود کی موت کا حکم لگادیا جائے گا تو اب اس پر قدوری کے زیرِ بحث مسئلہ کی رُو سے دو اَحکام متعلق ہوں گے:

۱۔ زوجۂ مفقود کی عدت کا حکم

۲۔ مالِ مفقود میں تقسیمِ میراث کا حکم

مالِ مفقود کا حکم:

مسئلہ ثانیہ (مالِ مفقود کا حکم) تو ایسے ہی ہے کہ موت کا حکم لگنے کے بعد مفقود کا مال اس کے اُس وقت موجود زندہ ورثاء میں ان کے حصصِ شرعیہ کے موافق تقسیم کردیا جائے گا، بہرحال مذکورہ قولِ ارجح کے موافق (وھو موت اقرانہ) قضاء موت سے قبل مفقود کا مال بحکمِ قاضی محفوظ کرلیا جائے گا اور ہرگز تقسیم نہیں ہوگا۔ وھو المختار والمعمول بہ عند الاحناف

زوجۂ مفقود کا حکم:

البتہ مسئلہ اولیٰ (زوجۂ مفقود) میں ہرچند کہ احناف کا مذہب ازروئے دلیل نہایت قوی اور غایتِ احتیاط پر مبنی ہے مگر متأخرین فقہائے حنفیہ نے وقت کی نزاکتوں اور فتنوں پر نظر فرماتے ہوئے ضرورتِ شدیدہ کے پیشِ نظر اس مسئلہ میں امام مالکؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے جبکہ اس پر فتویٰ دینے کی تجویز فقہ حنفی کی کتب میں خود مشائخ کے کلام میں بھی پہلے سے مصرح ہے، کما في جامع الرموز للقهستاني:

"وقال مالك والأوزاعي إلى أربع سنين فينكح عرسه بعدها كما في النظم، فلو أفتى به في موضع الضرورة ينبغي أن لا بأس به على ما أظن". [3]

الغرض اب عندالاحناف اسی پر عمل اور یہی قولِ راجح ہے کما ھو مصرح مفصلا في "الحيلة الناجزة للحليلة

۱۔ مجمع الأنهر (٢/٥٤٠)

۲۔ اللباب في شرح الكتاب (٢/١٢٦)، ملتقى الأبحر (٢/٥٤٠)، حيث قدم هذا القول، الهداية شرح البداية (٢/٦٠٤)، غرر الأحكام (٦/٩٧)

۳۔ (٢/٣٩٠)، وكذا في رد المحتار (٦/٤٥٢) والدر المنتقى (٢/٥٤٠)

العاجزة" للشيخ التهانوی قدّس سره و اتفق عليه جميع المشايخ الفقهاء الحنفية في ديارنا -شبه القارة الهندية-.

لہٰذا ذیل میں ''حیلہ ناجزہ'' کی روشنی میں تحریر کردہ فتویٰ (کہ اب فقہ حنفی میں یہی قولِ مختار و معمول بہ ہے) ذکر کیا جاتا ہے -مع التخریج، البتہ یہ مسئلہ چونکہ فقہ مالکی سے لیا گیا ہے اس لئے اس کے مستدل کیلئے انہی کی کتب کی طرف مراجعت کی جائے [1]، خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو آثارِ صحابہ سے اُخذ کیا ہے [2] -جو جامعہ دار العلوم کراچی کے دار الافتاء سے، برقم الفتوی: ۲۹۳/ ۱۵، صادر ہوا ہے:

سوال: مفقود کی بیوی کیلئے شرعی حکم کیا ہے:؟

تفصیل سے وضاحت فرمائیں۔

الجواب: حامدًا ومصلیًا

مفقود کی بیوی کیلئے اصل حکم تو یہ ہے کہ وہ عفت وعصمت کے ساتھ اپنی زندگی گزارے، لیکن اگر وہ مفقود شوہر کے نکاح سے رہائی حاصل کرنا چاہے تو درج ذیل صورت اختیار کر کے حاصل کرنے کی گنجائش ہے:

مفقود کی بیوی اپنا یہ مقدمہ مسلمان قاضی کی عدالت میں پیش کرے اور گواہوں سے ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص کے ساتھ ہوا تھا، پھر گواہوں سے اس کا مفقود اور لا پتہ ہونا ثابت کرے، اس کے بعد قاضی خود اپنے طور پر اس کی تفتیش وتلاش کرے، جہاں اس کے جانے کا غالب گمان ہو وہاں آدمی بھیجا جائے، اور جس جس جگہ جانے کا غالب گمان نہ ہو صرف احتمال ہو وہاں اگر خط ارسال کرنے کو کافی سمجھے تو خطوط ارسال کر کے تحقیق کرے اور اگر اخبارات میں شائع کر دینے سے خبر ملنے کی اُمید ہو تو یہ بھی کرے۔

الغرض تفتیش وتلاش میں پوری کوشش کرے اور جب پتہ چلنے سے مایوسی ہو جائے تو قاضی عورت کو چار سال تک مزید انتظار کا حکم دے۔ پھر ان چار سالوں کے اندر بھی اگر مفقود کا پتہ نہ چلے تو عورت قاضی کے پاس دوبارہ درخواست کرے جس پر قاضی اس کے مُردہ ہونے کا فیصلہ سنا دے اس کے بعد چار ماہ دس دن عدتِ وفات گزار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا۔

اور اگر عورت زنا کا شدید خطرہ ظاہر کرے تو ایسی صورت میں چار سال کے انتظار کا حکم ضروری نہیں بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ شوہر کے غائب ہونے کے وقت سے اب تک کم از کم ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہے یا نہیں، اگر گزر چکا ہو تو

١۔ نحو: المدونة (٤/ ٤٥١)، الفواكه الدواني (٢/ ٤١)، وغيرهما.

٢۔ منها: آثار عمر بن الخطاب رضي الله عنه: أنظر لها: مؤطا مالك (٤/ ٨٢٨) رقم (٢١٣٤)، السنن الكبرى (٧/ ٤٤٥) رقم (١٥٩٧٤)، سنن الدارقطني (٣/ ٣١١) رقم (٢٥٤)

وآثار عثمان بن عفان رضي الله عنه: أنظر لها: السنن الكبرى للبيهقي (٧/ ٤٤٥) رقم (١٥٩٧٥)، مصنف ابن أبي شيبة (٣/ ٥٢١) رقم (١٦٧١٧)، وأثر ابن عباس رضي الله عنهما: انظر له: المرجع السابق (٤/ ١٤٣) رقم (١٨٧٣٠)

قاضی مزید مہلت دینے کے بغیر اس وقت بھی نکاح ختم کرسکتا ہے۔

اسی طرح اگر زنا میں مبتلا ہونے کا خطرہ تو نہیں لیکن مفقود کا اتنا مال موجود نہیں جو اِن چار سالوں میں اس کی بیوی کے نان ونفقہ کے لئے کافی ہو یا بیوی کے لئے مفقود کے مال سے نان نفقہ حاصل کرنا مشکل ہو تو اس صورت میں اگر نان ونفقہ دینے کے بغیر کم از کم ایک ماہ گزرا ہو تو قاضی نکاح ختم کرسکتا ہے۔

واضح رہے کہ آخری ان دونوں صورتوں میں عورت، عدتِ وفات کے بجائے عدتِ طلاق گزارے گی جو قاضی کے فیصلہ کے وقت سے شمار ہوگی۔

فی البحر:

قوله: ولا يفرق بينه وبينها، أي بين زوجته لقوله عليه السلام في امرأة المفقود: انها امرأته حتى ياتيها البيان، وقول على رضى الله عنه فيها: هي امرأة ابتليت فلتصبر حتى يتبيّن موت أو طلاق. اهـ (۵:۱۶۴)

فی شرح الجليل على مختصر الخليل:

فيؤجل أربع سنين ان دامت نفقتها...... فإن لم تدم نفقتها من ماله فلها التطليق لعدم النفقة بلا تأجيل، وكذا إن خشيت على نفسها الزنا فيزاد على دوام نفقتها عدم خشيتها الزنا (۲:۳۸۵)

وفی حاشية الدسوقی:

فيؤجل أى المفقود الحر أربع سنين ان دامت نفقتها من ماله وإلا طلق عليه لعدم النفقة. (۲:۴۷۹)

وفی الشرح الصغير:

وإلا فلها التطليق عليه لعدم النفقة...... أى ولم تخش العنت وإلا فتطلق عليه لضرر فهي أولى من معدومة النفقة. (۲:۶۹۴)

وفی الفقه الإسلامي وأدلته للشيخ الزحيلي:

ورأى المالكية والحنابلة جواز التفريق للغيبة إذا طالت وتضررت الزوجة بها، ولو ترك لها الزوج ما لا تنفق منه أثناء الغياب، لأن الزوجة تتضرر من الغيبة ضررا بالغا. [1] والضرر يدفع بقدر الإمكان لقوله صلى الله عليه وسلم: "لا ضرر ولا ضرار"...... وجعلوا حد الغيبة الطويلة سنة فأكثر على المعتمد وفي قول: ثلاث سنوات اهـ (۷:۵۳۳)

وفی الأحوال الشخصية للشيخ محمد أبوزهرة:

---

۱ ـ قد وقع التسامح من منضّد الأحرف في هذا المقام من الفتوى، حيث زاد فيه عبارة ليست في اصل الكتاب (أى الإسلامي المذكور)، فلذا لم أذكرها ههنا وإن كانت موجودة في الفتوى.

والتفريق للتضرر من الغياب هو مذهب مالك وأحمد لأن المرأة قد تقع في جريمة دينية بإهمالها...... ولابد للتفريق بالغياب ان تمضي مدة تستوحش فيها لزوجة وتتضرر فعلا، لأن الفرقة بسبب ذلك هي للضرر الواقع لا للتضرر المتوقع فقط، وقد جعل أحمد أدنى مدة يجوز أن تطلب التفريق بعدها ستة اشهر...... أما مذهب مالك رضى الله عنه وقد اختلف في الحد الأدنى للتضرر، فقيل: ثلاث سنين، وقيل: سنة، وبهذا أخذ القانون. اهـ (ص ٣٨٩).

وفى الشرح الصغير:

وتعتد زوجة المفقود حرة أو أمة صغيرة أو كبيرة في أرض الإسلام متعلق بالمفقود عدة وفاة على ما تقدم، ابتداؤها بعد الأجل اهـ (٢: ٢٩٤)

وفى شرح منح الجليل:

ثم بعد التلوم وعدم وجدان النفقة والكسوة طلّق[1] وإن كان غائبا ...... يعنى أن الغائب البعيد الغيبة وليس له مال أو له مال لا يمكنها الوصول إليه إلا بمشقة حكمه حكم العاجز الحاضر اهـ

وفيه: وله أى الزوج المطلق عليه لعدم النفقة الرجعة للزوجة المطلقة لأنه طلاق رجعي، ابن عرفة. (٢: ٤٤٣)

وفى آخر فتوى العلامة هاشم رحمه الله مفتي المالكية بالمدينة المنورة زادها الله شرفها:

وهذا (التطليق) بعد التلوم بنحو شهر أو باجتهاده عند المالكية (يعنى في صورة عدم النفقة)...... وإن كان لخوفها الزنا وتضررها بعدم الوطى والعنانة وجود النفقة والغناء فبعد صبرها سنة فأكثر عند جلّ المالكية اهـ (الحيلة الناجزة ص ١٢٤)...... والله تعالى أعلم، انتهى الفتوى.

ويقول العبد الضعيف عفا الله تعالى عنه:

وكذا في الكتب الأخر في الفقه المالكى.[2]

والفقه العام.[3]

١ـ في الفتوى "طلّيق" وهذا من مسامحات التنضيد فيه أيضا، والصواب ما رسمت أى "طلّق" كما في أصل الكتاب

٢ـ المدونة (٤/٤٤٨، ٤٥١)، حاشية الصاوى على الشرح الصغير (٦/٦٩)، مواهب الجليل في شرح مختصر الشيخ خليل (٤/١٨٣)، بداية المجتهد (٢/٤٢)، شرح مختصر خليل للخرشى (٤/١٤٩)، التاج والإكليل (٥/٤٩٥)، منح الجليل شرح مختصر خليل (٤/٣١٨)، فتاوى ابن عليش (٢/٢٣)، البهجة في شرح التحفة (١/٦٤٢)، رسالة ابن أبى زيد القيروانى مع شرحها الفواكه الدوانى (٢/٣٩، ٤١)، الكافى في فقه اهل المدينة (٢/٥٦٧)، جامع الامهات لابن الحاجب (١/٢١٧)، الشرح الكبير للشيخ الدر دير (٢/٤٧٩)

٣ـ الموسوعة الفقهية (٢٩/٦٥)، الفتاوى الفقهية الكبرى (٤/١٠٨)

كتابُ إحياء الموات

[١٣٩] اختلافی مسئلہ

من أحياه (أي المَواتَ) بإذن الإمام ملكه وإن أحياه بغير إذنه لم يملكه عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- وقالا -رحمهما الله تعالى-: يملكه.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:☆

(١) عن ابن عباس رضي الله عنهما أن الصعب بن جثامة قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم

☆...... يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

احتج بعضهم لأبي حنيفةؒ ههنا بحديث صريح -في الجملة- عن معاذ مرفوعًا: "إنما للمرء ماطابت به نفس امامه" كما في بعض كتب الفقه.

قلت:أخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط" ٧:٢٣ (٦٧٣٩)، و"المعجم الكبير" ٤:٢٠ (٣٥٣٤)، و "مسند الشاميين" ٤:٣٦٦ (٣٥٧١)؛ ولكن إسناده لا يصلح للاحتجاج به لعمرو بن واقد فيه:

وهو متروك: كما قال الهيثمي في "مجمع الزوائد" ٥:٥٩٦(٩٦٩٧)، والنسائي في "كتاب الضعفاء والمتروكين" ١:٨٠ (٤٥٣)، والذهبي في "الكاشف" (٢:٩٠) (٤٢٤٦)، و"المغني في الضعفاء" ٢:٤٩١ (٤٧٢٢)، وابن حجر في "تقريب التهذيب" ١:٤٢٨(٥١٢٣)،وابن حبان في "المجروحين" له (٢:٧٧) ونقله ابن الجوزي في "الضعفاء والمتروكون" ٢:٢٣٣ (٢٥٩٨) وأقره،

ومنكر الحديث: كما قال البخاري في "التاريخ الكبير" ٦:٣٨٠ (٢٦٩٩)، و "كتاب الضعفاء الصغير" ١:٨٥(٢٦٣)، وأبوحاتم الرازي في "الجرح والتعديل" ٦:٢٦٧(١٤٧٥)، ونقله العُقيلي في "الضعفاء الكبير"٣:٢٩٣ (١٢٩٦) من البخاري وأقره،

ولا شيء: كما قال ابن حبان في "كتاب الثقات" في ترجمة عمر بن يزيد ٧:١٧٩ (٩٥٥٠)؛ وقال الذهبي في "ميزان الاعتدال" ٣:٢٩١ (٦٤٦٥): روى الفسوي عن دحيم قال: لم يكن شيوخنا يحدثون عنه، قال: وكأنه لم يشك أنه كان يكذب، وكذّبه مروان بن محمد؛ كما في "تهذيب الكمال" للمزي ٢٢:٢٨٨ (٤٤٦٨): وكان مروان يقول: عمرو بن واقد كذاب.

قال: "لا حمى الا لله ولرسوله" [1]

وجوہ الاستدلال:

١ – قال العينى:

الحمى ما حمى من الأرض فدل أن حكم الأرضين إلى الائمة لا إلى غيرهم. [2]

٢ – وقال اللغوى الشهير أبو اسحق الحربى:

منها وقول النبى صلى الله عليه وسلم: لا حمى إلا لله ورسوله: فإنما ذلك ما ليس بعامر انما هو موات أو أرضٌ كلإٍ أو ماءٌ أو ملحٌ وما الناس فيه شركاءُ [3] (فيقول العبد الضعيف عفا الله عنه: علم منه ان الأرض الموات الولايةُ عليها لائمة المسلمين فلا يملكها أحد بدون إذنهم).

٣-حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے أرضِ مذکور کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے اور جو چیز اللہ اور رسول کی طرف منسوب ہو اس میں سے کوئی چیز بھی امام کی اجازت کے بغیر آدمی اپنے لئے خاص نہیں کرسکتا جیسے مالِ غنیمت میں خمس کی نسبت اللہ اور اس کے رسول کی طرف کی گئی ہے اور اس میں بلا اذنِ امام کوئی شخص اپنے لئے کسی چیز کو نہیں لے سکتا۔ [4]

== ورواه البيهقي في "معرفة السنن والآثار" ٨:٩، من حديث بقية بن الوليد عن رجل لم يسمه عن مكحول وقال في أخره: وهذا منقطع بين مكحول ومن فوقه وراويه عن مكحول مجهول ولا حجة في مثل هذا الإسناد.

فلذلك لعل الشيخ العثمانيؒ لم يورده في "الإعلاء" لمّا تعرض لأدلة أبي حنيفةؒ من السنة تاييدًا لمذهبه وترجيحًا له، وبذلك قال العينيؒ في "العمدة" ٢٤٨:١٢ بعد ايراده نقلا عن الإمام البيهقي: "ولا حجة في مثل هذا الإسناد" وأقره ثم قال لمزيد الرد عليه:"فإن قلت: رواه ابن خزيمة من حديث عمرو بن واقد عن موسى بن يسار عن مكحول عن جنادة بن أبي امية عن معاذ، قلت: قال: عمرو متروك باتفاق". وقال ابن حجر في "الدراية" ١٢٨:٢: هذا الإسناد لا يحتج به۔ هذا ما ظهر لى استنادًا إلى كلام المشايخ (كالعينى وغيره) والله أعلم بالصواب.

١۔ صحيح البخارى (١١٣/٣) رقم (٢٣٧٠)، وكذا أخرجه ابن حبان فى صحيحه(٥٤٠/١٠) رقم (٤٦٨٥) عن أبى هريرة رضى الله عنه مرفوعا.

٢۔ عمدة القارى (٢٤٨/١٢) وكذا قال الطحاوى في "شرح معانى الآثار" (٢٦٩/٣) رقم (٤٩١٤)

٣۔ غريب الحديث للحربى (٣٦٢/٢)

٤۔ مستفاد من البناية (١٥/١٠)

(۲) عن معمر عن ابن طاوس عن أبيه قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "عادیُ☆ الأرضِ لله ولرسوله ، ثم هی لکم" [۱]

وجہ الاستدلال:

اس کی وجہ استدلال بھی اسی جہت ونمط پر ہے جو سابق میں گزری کہ اس میں غیر مملوکہ بنجر زمینوں کی نسبت اللہ اور اس کے رسول کی طرف کی گئی ہے، الخ[۲]

(۳) عن محمد قال قال عمر رضی الله عنه: "لنا رقاب الأرض" [۳]

وجہ الاستدلال:

قال ابن الأثیر الجزری:

"لنا رقاب الأرض" أی نفس الأرض. [۴]

لہٰذا اثرِ مذکور سے معلوم ہوا کہ زمینوں کی ولایت دراصل ائمہ مسلمین کو حاصل ہے اور انہی کا ان پر اختیارِ کامل ہے لہٰذا ان کی دسترس وقبضہ سے یہ اس وقت تک نہیں نکل سکتیں جب تک کہ وہ خود، شہروں کی تعمیر وترقی اور فلاح وصلاح کیلئے، اپنی صوابدید کے موافق جس کو مناسب سمجھیں نہ دے دیں۔[۵]

☆شرح غریب الحدیث (عادِیّ):

١ - قال النسفي في "طلبة الطلبة"، ص (٣١٣):

وقال عليه السلام "ان عَادِيّ الأرض لله ولرسوله فمن أحيا أرضا ميتة فهی له" أی القديم من الأرض الموات التی لا مالك لها وهو منسوب إلى عاد وهم كانوا في قديم الزمان (وكذا فسّره السرخسی في "المبسوط" ١٦٨:٢٣)

٢ - في معجم لغة الفقهاء (٣٥٦:١):

العادی: بتشديد الياء، النسبة إلى العادة؛ الشیء القديم الذی لا يعرف له مالك (نسبة إلى قبيلة عاد البائدة)، ج: عَادِيّات ومنه: "البئر العاديّة" و "عادی الأرض لله"

١ - "الأموال" لابی عبيد قاسم بن سلام (١٣٦/٢) رقم (٥٨١)

قلت: رجاله ليس أحد منهم من لا تقبل روايته (معمر هو ابن راشد الأزدی وابن طاوس هو عبدالله) إلا أنه من مرسل طاوس فمثله مقبول عندنا.

٢ - البناية (١٠/١٥)

٣ - شرح معاني الآثار للطحاوی (٢٧٠/٣) رقم (٤٩١٨)

٤ - النهاية في غريب الحديث والأثر (٢٤٩/٢)

٥ - شرح معاني الآثار (٢٧٠/٣)

(۴) ''ارضِ موات'' کو ''بیت المال'' پر قیاس کیا گیا ہے۔ بیت المال کی صورتِ حال یہ ہے کہ کوئی متعین آدمی اس کا مالک نہیں ہوتا بلکہ سب مسلمان اپنے ثبوتِ حق میں اس کے اندر برابر کے شریک ہوتے ہیں لہٰذا کوئی آدمی اس بات کا مختار نہیں ہوتا کہ بلا اذنِ امام اس میں سے کچھ مال اپنے لیے مختص کر سکے چنانچہ امامِ وقت، بیت المال میں سے جتنی اور جس چیز کا کسی کو مالک بناتا ہے وہ اسی کا مالک ہوتا ہے۔

بعینہٖ اسی طرح ''ارضِ موات'' میں تمام مسلمانوں کا حق ثابت وقائم ہے لہٰذا کوئی فردِ واحد اس بات کا مجاز نہیں ہوگا کہ وہ اذنِ امام کے بغیر خود اس میں سے کچھ حصۂ اَرض کو اپنے لیے مختص کر کے اس کا مالک بن جائے۔ [1]

(۵) یہ زمینیں چونکہ اَول کفار کے قبضہ میں تھیں پھر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئیں لہٰذا ان کا حکم ''فیئ'' کا ہے اور ''غنیمت'' کی طرح ''فیئ'' میں بھی یہی قاعدہ ہے کہ کوئی آدمی علی الأنفراد امام کی اجازت کے بغیر اس کا کوئی حصہ اپنے لیے خاص نہیں کر سکتا۔ [2]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ **قال التمرتاشي والحصكفي:**

(ملكها إن أذن له الإمام في ذلك) وقالا: يملكها بلا إذنه:

قال الشامي:

قوله (وقالا: يملكها بلا إذنه)... وقول الإمام هو المختار ولذا قدمه في الخانية والملتقى كعادتهما وبه أخذ الطحاوي وعليه المتون. [3]

❷ **قال الطحطاوي:**

قوله (إن أذن له الإمام في ذلك) هذا قول الإمام.... وأخذ الطحاوي في مختصره بقول الإمام وهو المختار فإن قاضي خان قدمه وقد قرر في أول كتابه أنه يقدم المختار. [4]

❸ **قال الحصكفي:**

من أحياها بإذن الإمام ولو ذميا ملكها وبلا إذنه لا يملكها عنده خلافا لهما، والأول المختار فإن قاضيخان قدمه وقد قرر ذلك في أول كتابه. [5]

١ـ شرح مختصر الطحاوي للجصاص (٣/٤٤٤)

٢ـ تبيين الحقائق (٦/٣٥)، البحرالرائق (٨/٣٨٧)، حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٤/٢١٤)

٣ـ رد المحتار (١٠/٧)

٤ـ حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٤/٢١٤،٢١٥)

٥ـ الدر المنتقى (٤/٢٢٩)

❹ قال القهستانی:

ملكه إن أذن له الإمام في الإحياء فلو لم ياذن له لم يملكه عنده وملكه عندهما والأول المختار فإن قاضی خان قدمه وقد قرر ذلک في أول كتابه. (١)

❺ كذا في "الخانية" (٢) و "ملتقى الأبحر" (٣) (حيث قدّم فيهما قول الإمام وهو ترجيح له على ما عرف من صنيع مؤلفيهما في المختار والراجح عندهما فيهما).

❻ كذا في الكتب الأخر (حيث أخر مصنفوها دليل الإمام فيها وضمّنوه جواب دليلهما، فهو ترجيح له أيضا كما عرف في موضعه) (٤)

❼ المتون المعتبرة على قول الإمامؒ بل جميع المتون عليه. (٥)

---

[١٤٠] مسئلہ

من حفر بئرا في برية فله حريمها ...... وإن كانت للناصح فحريمها ستون ذراعا .

مفتی بہ قول:

مفتی بہ قول کے موافق بئرِ ناضح کا حریم (بھی بئرِ عطن کی طرح) چالیس ذراع ہی ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

عن عبدالله بن مغفل أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "من حفر بئرا فله أربعون ذراعا عطنا

١ـ جامع الرموز (٢/٢٧٨)

٢ـ (٣/٢١٩)

٣ـ (٤/٢٢٩)

٤ـ الاختيار لتعليل المختار (٣/٧٦)، تبيين الحقائق (٦/٣٥)، المبسوط للسرخسى (٢٣/٢٩٥)، الهداية (٤/٤٨٣)، كشف الحقائق (٢/٢٤١).

٥ـ المختار للفتوى (٣/٢٤١)، كنز الدقائق (٤٢٩)، مجمع البحرين (٤٩٨)، الوقاية (٤/٦١)، غرر الأحكام (٣/٤٤٢)، النقاية (٢/٢٠٤)، تنوير الأبصار (١٠/٧).

لماشيته"۔[1]

وجہِ استدلال:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "من حفر بئرا فله أربعون ذراعا" چونکہ مطلق/ بغیر کسی فصل کے وارد ہوا ہے اس لئے یہ حکمِ عام ہو کر ہر قسمی کنویں کو شامل ہے، خواہ وہ بئرِ عطن ہو یا بئرِ ناضح۔[2]

اشکال:۔ فرمانِ مذکور مطلق نہیں بلکہ "عطنا لماشيته" سے مقید ہے جس سے یہ صرف بئرِ عطن کو شامل ہے۔ چنانچہ بئرِ ناضح کی حریم کا حکم اس سے مستنبط نہیں ہوتا۔

جواب:۔

۱۔لفظِ مذکور کا ذکر تغلیباً ہے از روئے تقیید نہیں ہے۔ چونکہ بیابانوں میں انتفاعِ آبار میں اکثر و غالب یہی طریقۂ عطن استعمال ہوتا ہے اس لیے یہاں "عطن" سے انتفاع کے جمیع طرق مراد ہوں گے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ﴿وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾[3] میں "بیع" کا ذکر تغلیباً ہے کیونکہ جمعہ کے روز یہ غالب ہوتی ہے ورنہ سعی إلی الجمعة سے مانع تمام اشغال کا ترک مراد ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا﴾[4] ہے کہ اس میں وعید "اکل" کے ساتھ مخصوص نہیں ہے مگر امرِ غالب اس بارے میں چونکہ "اکل" ہی تھا اس لیے اسے تغلیباً ذکر کر دیا ورنہ مالِ یتیم کے "اتلاف"

۱۔ سنن ابن ماجه (٢/٨٣١) رقم (٢٤٨٦)

قلت:

فيه "إسماعيل المكي" هو أبو إسحاق إسماعيل بن مسلم المكي، ضعفه ابنُ حجر في "تقريب التهذيب" (١: ١١٠) و "التلخيص الحبير" (٣: ١٥٠) وغيرُه، فلذلك قال البوصيرى عنه في "مصباح الزجاجة" (٢/٥٣): هذا إسناد ضعيف. ولكن لما كان له شاهدٌ عن أبى هريرة عند البيهقي في "الكبرى" (٦/١٥٥) رقم (١١٦٤٧) - وإن كان فيه رجل لم يسم عند الظاهر ولكنه "محمد بن سيرين" كما ورد التصريح به فيه فيما بعده من رقم (١١٦٤٨) - وعند أحمد في "مسنده" (٢/٤٩٤) رقم (١٠٤١٦) أيضا؛ وتابعٌ عند الطبراني (إذ تابع أشعثُ فيه إسماعيلَ المكيَّ عن الحسن؛ كما قال الزيلعي في "نصب الراية" (٤/٣٤٩): وأما تضعيفه بإسماعيل بن مسلم فقد تابعه أشعث كما أخرجه الطبراني في "معجمه "عن أشعث عن الحسن عن عبدالله بن مغفل عن النبي صلى الله عليه وسلم نحوه) فهو حسن يصلح لأن يحتج به.

٢۔ المبسوط للسرخسي (٢٣/١٦٢)، إعلاء السنن (١٨/١١)، البحر الرائق (٨/٣٨٩)، تبيين الحقائق (٦/٣٦)، الهداية (٤/٤٨٥)، الاختيار لتعليل المختار (٣/٧٨)، مجمع الأنهر (٢/٥٥٩)

٣۔ الجمعة (٩)

٤۔ النساء (١٠)

کی دیگر جہات بھی وعید مذکور میں داخل ہوکر محظور ہیں۔[1]

۲- "عطنا لما شیته" اپنے ماقبل کیلئے قید نہیں ہے بلکہ یہ لفظ حکمِ مذکور کے فوائد میں سے ایک فائدے پر تنبیہ ہے کیونکہ اگر یہ قید ہوتا تو پھر اس کے مناسب کلام اس طرح ہوتا: "البئر للعطن أربعون ذراعا"؛ كما لا يخفى على العارف باساليب الكلام.[2]

۱۔ العناية على هامش نتائج الأفكار (۱۰/۹۰)، البناية شرح الهداية (۱۵/۲۳)، تبيين الحقائق (۶/۳۶)

۲۔ إعلاء السنن (۱۸/۱۱)

تنبيه هام:

يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

ذكر صاحب الهداية هنا دليلا عقليا ب "أن القياس يأبى استحقاق الحريم لأن عمله في موضع الحفر والاستحقاق به، ففيما اتفق عليه الحديثان تركناه وفيما تعارضا فيه حفظناه (أى القياس)" ٤: ٤٨٥؛ واقتفى أثره وتبعه فيه -بمعناه- الموصلي في "الاختيار لتعليل المختار" ٣: ٧٨ والزيلعي في "تبيين الحقائق" ٦: ٣٦، وقد تقدمه فيه السرخسي في "المبسوط" ٢٣: ١٦٢، وغيره.

ولكن رده صاحب "تكملة فتح القدير" ردّا بليغا وأتى فيه بتحقيق شافٍ وبحث وافٍ، فأنقل كلامه ههنا برمته كي يكون نضرة لكل ناظر، وفرحة لكل قارئ، وتطمئن به القلوب وتنشرح به الصدور، نصه:

قوله: (ولأن القياس يأبى استحقاق الحريم لأن عمله في موضع الحفر والاستحقاق به ففيما اتفق عليه الحديثان تركناه، وفيما تعارضا فيه حفظناه) يعنى أن الحديثين اتفقا في الأربعين فتركنا في القياس هذا القدر، وفيما وراء الأربعين تعارضا؛ لأن العام ينفيه والخاص يثبته فتساقطا فعملنا بالقياس، كذا في شرح تاج الشريعة وغيره.

أقول: فيه بحث؛ لأن المتعارضين من الدليلين إنما يتساقطان إذا لم يكن لأحدهما رجحان على الآخر، وأما إذا كان لأحدهما رجحان على الآخر فيجب العمل بالراجح وترك الآخر. والأمر فيما نحن فيه كذلك لأن العام إنما ينفي ما وراء الأربعين بطريق المفهوم وهو غير معتبر عندنا وإن سلم أنه ينفي ذلك بمنطوقه فانما ينفيه بطريق الإشارة والخاص يثبته بطريق العبارة. وقد تقرر في علم الأصول أن عبارة النص ترجح على إشارته عند التعارض فلزم أن لا يسقط الخاص بل وجب أن يعمل به ويترك القياس لظهور أن يترك القياس في مقابلة النص.

قال تاج الشريعة: فإن قلت: كيف يتعارضان وقد ذكر القبول في أحدهما والاختلاف في الآخر؟ قلت: يعنى به صورة المعارضة كما يقال إذا تعارض المشهور مع خبر الواحد ترجح المشهور وعدم التعارض معلوم. انتهى.

واقتفى أثره صاحب الكفاية، والشارح العيني (أى في البناية ١٥: ٢٤)، أقول: الجواب ليس بصحيح إذ لو كان المراد بتعارضهما هاهنا صورة التعارض التى لا تنافي رجحان أحدهما على الآخر لما تم قول المصنف "وفيما تعارضا فيه حفظناه" ولما صح قولهم في شرح ذلك: "وفيما وراء الأربعين تعارضا فتساقطا فعملنا بالقياس" إذ التساقط والعمل بالقياس إنما يتصور في حقيقة التعارض بأن يتساويا في القوة ولم يوجد المخلص. ==

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

وأما حريم بئر الناضح فستون ذراعا في قولهما وقال أبو حنيفة (رحمه الله تعالى): لا أعرف إلا أنها أربعون ذراعا وبه يفتىٰ. [1]

❷ قال التمرتاشي والحصكفي:

وحريم بئر الناضح كبئر العطن أربعون ذراعا من كل جانب، وقالا: إن للناضح فستون...... ويفتى بقول الإمام.

قال الشامي:

قوله (ويفتى بقول الإمام) وقدم الافتاء بقولهما أيضًا، لكن ظاهر المتون والشروح ترجيحُ قوله؛ فإنهم قرروا دليله وأيدوه بما لا مزيد عليه وأخر في الهداية دليله، فاقتضىٰ ترجيحه أيضًا كما هو عادته وذكر ترجيحه العلامة قاسم في تصحيحه. [2]

❸ قال القهستاني:

للعطن والناضح أربعون ذراعا، وقالا: إن حريم الناضح ستون...... ويفتى بقول أبي حنيفة رحمه الله تعالى كما في التتمة. [3]

❹ قال الحلبي والحصكفي:

وحريم العطن أربعون ذراعا من كل جانب هو الصحيح وكذا حريم الناضح وعندهما للناضح ستون...... ويفتى بقول أبي حنيفة رحمه الله تعالى. [4]

❺ كذا في الكتب الأخرى. [5]

== وأما في صورة التعارض مع رجحان أحدهما على الآخر فيجب العمل بالراجح وترك الآخر والقياس، وقد عرف ذلك فوكله في أصول الفقه، انتهى كلام قاضي زاده أفندي في نتائج الافكار ١٠: ٨٩، ٩٠.

١ـ الفتاوى الهندية (٥/٣٨٧)

٢ـ الدر المختار مع رد المحتار (١٠/١٠، ١١)

٣ـ جامع الرموز (٢/٢٧٩)

٤ـ الدر المنتقى (٤/٢٣١، ٢٣٢)

٥ـ الموسوعة الفقهية (٢/٢٤٤)، الفقه الحنفي في ثوبه الجديد (٥/٢٨٧)، الترجيح والتصحيح (٣٢٠)، المعتصر الضروري (٤٩١)

❻ كذا في "الخانية" (١) و "ملتقى الأبحر" (٥) (حيث قدم فيهما قول الإمام وهو ترجيح له كما لا يخفى)

❼ كذا في الكتب الأخر (حيث أخر مصنفوها دليل الإمام فيها وضمنوه جواب دليلهما، فهو ترجيح له على ما عرف في الأصول) (٣)

❽ قول الإمام قول المتون. (٤)

---

[١٤١] اختلافی مسئلہ

ومن كان له نهر في أرض غيره فليس له حريم عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى إلا ان يكون له البينة على ذلك وعندهما له مسنّاة النهر يمشي عليها ويلقى عليها طينه.

توضیح المقام:

اگر یہ نہر ''ارضِ موات'' میں ہوتو اس صورت میں ہمارے ائمہ ثلاثہ کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ بالاتفاق اس میں صاحبِ نہر کیلئے حریم کا استحقاق ہوگا۔

اختلاف صرف اس صورت میں ہے کہ جب یہ نہر (ارضِ موات کی بجائے) دوسرے شخص کی مملوکہ زمین میں آ گئی ہو، یعنی یہ نہر ایک شخص کی ملک میں ہو اور وہ زمین۔جس کے اندر اس کی نہر کا ثبوت ہوا ہے۔کسی اور شخص کی ہو تو اب اس نہر کے ثبوت کی بناء پر صاحبِ نہر کو حریم کی جگہ ملے گی یا نہیں؟ (٥)

اس اختلاف کو ''کتاب احیاء الاموات'' میں دیکھ کر اس کو ''ارضِ موات'' میں نہر کے حریم یا عدمِ حریم کی صورت کے ساتھ متعلق نہ گردانا جائے کما يترشح هذا من قوله "في أرض غيره"۔

---

١ ـ (٢٢٠/٣)

٢ ـ (٢٣١/٤)

٣ ـ بدائع الصنائع (٢٨٥،٢٨٦/٥)، الاختيار لتعليل المختار (٧٨/٣)، الهداية (٤٨٥/٤)، تبيين الحقائق (٣٦/٦)

٤ ـ كنز الدقائق (٤٢٩)، المختار للفتوى (٧٨،٧٧/٣)، الوقاية (٦٢/٤)، النقاية (٢٠٥/٢)، تنوير الأبصار (١٠/١٠)، غرر الأحكام (٣٠٧/١)

٥ ـ انظر له: رد المحتار (١٣/١٠)، بدائع الصنائع (٢٨٦/٥)، تحفة الفقهاء (٣٢١/٣)، الفتاوى الهندية (٣٨٩،٣٨٧/٥)، الفقه الإسلامي وأدلته (٤٦٣٣)

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔ ☆

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) أ– عن سعید بن زید أنه سمع رسول الله صلى الله علیه وسلم یقول:

"من أخذ شبرا من الأرض بغیر حقه طوقه في سبع أرضین یوم القیامة". [۱]

ب– عن أبی حرة الرقاشی عن عمه أن رسول الله صلى الله علیه وسلم قال:

"لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه". [۲]

صاحبِ نہر کا حق چونکہ صرف نہر میں ہے لہٰذا روایاتِ بالا کی روشنی میں دوسرے شخص کی زمین میں سے حریم جتنی مقدار تو درکنار ایک بالشت بھر جگہ کا بھی اسے استحقاق نہیں ہے جب تک کہ بیّنہ سے اس جگہ کا اپنے لیے ہونا ثابت نہ کردے یا اس کے مالک کی اجازت ورضامندی حاصل نہ کرلے۔

(۲) اس کو کنویں اور چشمے کے حریم پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ ان کے حریم کا تعلق أرضِ موات (یعنی غیر مملوکہ زمین) کے ساتھ خاص ہے جبکہ یہ نہر ملکِ غیر میں ہے لہٰذا یہاں مجرد نہر کے ثبوت پر دوسرے کی مملوکہ زمین میں اس

☆ هنا إيقاظ مهم، انظره بعد ذلك بصفحتين –في الهامش– عند نهاية هذه المسألة.

۱ـ صحیح مسلم (۳/۱۲۳۰) رقم(۱۶۱۰)،وكذا انظر له: صحیح ابن حبان (۱۱/۵۶۶) رقم (۵۱۶۱)، مسند أحمد (۱۵/۱۸) رقم (۹۰۴۴)، السنن الكبرى (۶/۹۹) رقم (۱۱۸۶۹)، المقصد العلي في زوائد مسند ابی یعلی الموصلی (۱/۲۸۳۸)، مسند الطیالسی (۴/۱۶۲)، رقم (۲۵۳۲)

۲ـ السنن الكبرى (۶/۱۰۰) رقم (۱۱۸۷۷)، وكذا انظر له: شعب الإیمان (۴/۳۸۷) رقم(۱۸۵۴)، مسند ابی یعلی (۳/۱۴۰) رقم(۱۵۷۰)، مسند أحمد (۲۴/۲۳۹) رقم (۱۵۴۸۸)

وله عدة طرق فذكر ابن ملقن فیها ستة في "البدر المنیر" ۶:۶۹۳-۶۹۶ فیتقوى بعضها ببعض.

وقال في "خلاصته" (۲/۸۸):

رواه الدار قطني من روایة أنس وابن عباسؓ وأبي حرة الرقاشي عن عمه وعمرو بن یثربی ورواه البیهقی في خلافیاته من روایة أبي حمید الساعدي وعبدالله بن السائب عن أبیه عن جده وقال إسناده هذا حسن قال وحدیث أبی حرة یضم إلیه حدیث عكرمة وعمر بن یثربی فیقوي قلت: ورواه الحاكم من حدیث ابن عباس بلفظ لا یحل لامرئ من مال أخیه إلا ما أعطاه عن طیب نفس ثم قال وقد احتج البخاری بأحادیث عكرمة ومسلم بأحادیث أبی أویس وسائر رواته متفق علیهم. انتهى

یقول العبد الضعیف عفا الله عنه: فیه علی بن زید ابن جدعان؛ منهم من ضعّفه ومنهم من وثّق، فهو موثّق. وحكم مثله معروف لا یخفى.

کے لیے حریم کا استحقاق نہیں ہوگا۔

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الحلبي:

ولا حريم لنهر في أرض الغير إلا بحجة وعندهما له مسناة[1] (فالقول المقدم فيه راجح حسب تصريح الشامي به في شرح العقود والمصنف نفسه في المقدمة وهذا مما لا يخفى)

❷ قال ابن قطلوبغا:

قوله (ومن كان له نهر في أرض غيره، فليس له حريم عند أبي حنيفةؒ إلا أن يقيم البينة، قال أبويوسف و محمد: له مسناة النهر يمشي عليها ويلقي عليها طينه) ...... واختار قوله (أي قول الإمامؒ) المحبوبي والنسفي.[2]

❸ إنما المتون على قول الإمام على ما يليك فهذا ترجيح له أيضا كما هو ظاهر:

١– قال المحبوبي:

ولا حريم لنهر في أرض غيره إلا بحجة.[3]

٢–قال الموصلي:

ولا حريم للنهر الظاهر إذا كان في ملك الغير إلا ببيّنة.[4]

٣– قال النسفي:

ولا حريم للنهر (الذي في ملك الغير إلا ببرهان[5])[6]

٤– قال صدر الشريعة الأصغر:

ولا حريم للنهر إلا ببيّنة.[7]

٥– قال التمرتاشي:

١۔ ملتقى الأبحر (٢٣٣/٤)

٢۔ الترجيح والتصحيح على القدوري (٣٢١)

٣۔ الوقاية (٦٢/٤)

٤۔ المختار للفتوى (٧٨/٣)

٥۔ حاشية الطائي على الكنز (٢١٦/٢)

٦۔ كنز الدقائق (٤٣٠)

٧۔ النقاية (٢٠٦/٢)

والنهر في ملك الغير لا حريم له إلا ببرهان. [1]

٢ – قال ملا خسرو:

ولا حريم للنهر إلا بحجة (يعني من كان له نهر في أرض غيره [2]) [3]

❹ كذا في الكتب الأخر (حيث أخر مصنفوها دليل الإمام فيها وضمنوه جواب دليلهما، وهذا من أمارات ترجيح قول أبي حنيفة كما عرف في موضعه) [4]

❺ إذا لم يرد تصريح بتصحيح أحد القولين أصلا –كما وقع في هذه المسألة– فالعمل إذَن بما في المتون على ما قال الشامي. [5] وهُنا المتون على قول الإمام –كما تقدم– فلذا هو يليق بالعمل والإفتاء فيها.

❻ وفي بعض الكتب علل مصنفوها فيها لقول الإمام فقط وأهملوا تعليل سواه [6] (وهذا من

١ـ تنوير الأبصار (١٠/١٣)

٢ـ درر الحكام شرح غرر الأحكام (١/٣٠٧)

٣ـ غرر الأحكام (١/٣٠٧)

٤ـ تبيين الحقائق (٦/٣٨)، الهداية (٤/٤٨٧)، الاختيار لتعليل المختار (٣/٧٩)، الجوهرة النيرة (٢/٨٩)، مجمع الأنهر(٤/٢٣٤)

٥ـ مقدمة رد المحتار (١/١٧١)

٦ـ كما في: كشف الحقائق للأفغاني (٢/٢٤٣)، فتاوى النوازل لأبي الليث السمرقندي (٤٣٠)

[الإيقاظ فيما وقع التسامح في تصحيح قولهما – في هذه المسألة– من البعض:]

(١)...... ابن نجيم في "البحر الرائق":

صحح ابن نجيم في "البحر" (٨: ٣٩٠) قول الصاحبين في هذه المسألة وعزاه إلى قول حسام الدين نقلا عن "السراجية"ـ

يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

لعله وقع التسامح فيه من صاحب البحر إذ راجعت بنفسي نسخة "السراجية" لعلي بن عثمان بن محمد سراج الدين الأوشي (٥٨٥هجـ حسب ما في هدية العارفين)، فوجدت فيه ما يخالف نقل ابن نجيم في البحر عنه من جهتين:

١ – قال ابن نجيم حول مسألة "أرض الغير": في السراجية، قال حسام الدين: الصحيح أنه يستحق الحريم.

وإنما نقل صاحب السراجية قول حسام الدين باستحقاق الحريم في مسألة "أرض الموات" ==

ترجيح قوله أيضًا كما صرح به الشامي في شرح العقود)

==

٢ـ نقل ابن نجيم في "البحر" قول حسام الدين بلفظ "قال حسام الدين: والصحيح أنه يستحق الحريم" على حين أن الأوشي -صاحب السراجية- نقل قوله فيه بلفظ "قال حسام الدين: والصحيح انه يستحق (أي الحريمَ) بالإجماع" (انظر "السراجية" ص: ١٣٨، باب الحريم، ط: ايج، ايم سعيد كمپنى كراچى دون تاريخ)

ففى "السراجية" كلمةُ "بالإجماع" تدل دلالة صريحة على أنهُ قال حسام الدين بصحة استحقاق الحريم عن مسألة "النهر في أرض الموات" لأنه يكون ثبوت الحريم بالاتفاق والإجماع لمن حفر نهرا في الموات لاغير -كما شرحته في أول المسألة تحت "توضيح المقام"- أما استحقاق الحريم بنهر ثبت في أرض مملوكة فهو مختلف فيه عند الفقهاء كما مر في المتن.

حاصل الكلام أنه قد تسامح صاحب البحر في نقل تصحيح قولهما في المسألة التى نحن فيها فلم يكن الفتوى على قولهما فيها بل الفتوى على قول الإمام كما قرر في المتن وبرهن بالتخريج. والله تعالى أعلم بالصواب.

(٢) القهستاني في "جامع الرموز":

نقل الطحطاوي في "حاشيته على الدر المختار" (٤:٢١٦) من القهستاني والقهستاني في "جامع الرموز" (٤:٢٨٠) من الموصلي - بعد أن ذكر الخلاف في الصورتين ("استحقاق الحريم بنهر في أرض الموات" و "استحقاقه به في أرض الغير") - أنه للنهر حريم بقدر الحاجة اليه بالاتفاق ثم صححه القهستاني بإحالته إلى "تتمة الفتاوى" لمحمود بن أحمد برهان الدين ابن مازه -صاحب المحيط البرهاني- (ت:٦١٦هج) فقال: وهو الصحيح.

يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

لم أعثر على الكتاب المذكور للإمام برهان الدين ابن مازه (٦١٦هج) بعد أن فحصتُ عنه كثيرا في مكتبات المدارس ومحالّ الكتب في الأسواق وعلى الشبكة الدولية (الإنترنت) أيضا، حسب ما تيسّر لى. نعم! كان لدىّ "الاختيار لتعليل المختار" لأبى الفضل الموصلى (٦٨٣هج) وهذا هو الكتاب الذى استقر مصدرا أصليا و مرجعا أساسيا للناقلين المذكورين في القول ب "استحقاق الحريم للنهر بالاتفاق"؛ فأنقل نصه ههنا برمته كي يسهل لنا الوصول إلى المرام:

> "(ولا حريم للنهر الظاهر) عند أبي حنيفة (اذا كان في ملك الغير إلا ببينة، وكذا لو حفره في أرض موات لا حريم له) خلافا لهما. وقال المحققون من مشايخنا: للنهر حريم بقدر ما يحتاج إليه لإلقاء الطين ونحوه بالاتفاق"
>
> (ص:٧٨، ج:٣، ط: دارالكتب العلمية بيروت ـ الطبعة الثالثه، ١٤٢٦هج) ==

== فقول الشارح العلّام "قال المحققون من مشايخنا: للنهر حريم بقدر ما يحتاج إليه لإلقاء الطين ونحوه بالاتفاق" متعلق بالشق الثاني من المسألة المذكورة في المتن وهو "لو حفره في أرض موات لا حريم له" كما مر في ذيل "توضيح المقام" أن "ثبوت استحقاق الحريم بالاتفاق" مختص بهذه الصورة فقط وقد صرح به المتقدمون -ومنهم علاؤ الدين السمرقندي والكاساني، والمتأخرون- ومنهم ابن عابدين الشاميّ-.

ويؤيد ما قلتُ كلامُ السمرقندي حيث صرّح بأن الاتفاق من محققي الحنفية وقع على ثبوت الحريم في نهر أرض الموات لا أرض الغير؛ نصه:

"لكن أهل التحقيق من مشايخنا قالوا: لا خلاف أن للنهر حريما في أرض موات" (انظر تحفة الفقهاء ٣: ٣٢١، ط: دار الكتب العلمية بيروت، لبنان - الطبعة الثانية، ١٤١٤هـ)

فظهر من كلامه أن قول الموصلي "قال المحققون...... بالاتفاق" متعلق بالشق الثاني لا بكلا الشقين كما فهمه القهستاني . وأيضا لو كان الأمر كما فهمه القهستاني فقوله "بالاتفاق" إذَن في موضع تأمل؛ إذ لم يوافق عليه العلامة الكاساني والعلامة السمرقندي كما مر وهما ممن تقدم على الموصلي لكونهما من أعلام القرن السادس والموصلي من السابع. وهذا لا يخفى على من له أدنى خبرة في طبقات الفقهاء.

فكيف يصح قوله "بالاتفاق" بعد اختلافهما . اللهم إلا إذا كان أراد من مشايخه المحققين بعض المشايخ بأعيانهم وهو بعيد كذلك، والله أعلم.

وهنا ينبغي الالتفات إلى أنه كم من فقيه أتى بعده ولم يذكر الاتفاق فيها بل اقرها في موضع الخلاف ثم رجح قول الإمام فيه كما عرفت في تخريج القول المفتى به.

فعُلم مما سبق أن القول ب "استحقاق الحريم بالاتفاق" مختص بأرض الموات وأما الحريم في أرض الغير فمختلف فيه غير متفق عليه، لذلك لا يثبت بقول الموصلي استحقاق الحريم فيما نحن فيه.

والخلاصة أنه لمّا صار كلام الموصلي (الذي كان مرجعا رئيسيا في هذا كله) في حيّز التأمل فلم يبق قول القهستاني في جامع الرموز والطحطاوي في حاشيته على الدر المختار حجةً بالنسبة إلى أقوال غيرهما من المشايخ الأجلّة والفقهاء الائمة حيث جعلوا هذه المسألة خلافيةً ثم رجحوا فيها قول الإمام فثبت أن الفتوى على قول أبي حنيفةَ في نفس هذه المسألة اتباعًا للمشايخ الحنفية رحمهم الله تعالى رحمة واسعة . هذا ما ظهر لي والله تعالى أعلم بالصواب فإن كان صوابا فمن الله المنّان وإن كان خطأً فمني ومن الشيطان.

كِتابُ المأذُون

[۱۴۲] اختلافی مسئلہ

إذا حجر عليه فإقراره جائز فيما في يده من المال عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى وقالا (رحمهما الله تعالى): لا يصح إقراره.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

صحتِ اقرار کا دارو مدار قبضہ پر ہے چونکہ یہاں ماذون کا قبضہ اس مال پر بالفعل اور حقیقۃً پایا جا رہا ہے جس مال کے بارے میں اقرار کر رہا ہے اس لیے اس کا اقرار شرعاً درست ہوگا، یہی وجہ ہے کہ اس عبدِ ماذون کا اقرار اس مال میں درست نہیں ہوتا جو مال آقا نے قبل از اقرار اس سے لے لیا ہو اور وہ اس کے قبضہ سے نکل چکا ہو۔

البتہ یہ اشکال ممکن ہے کہ حجر کی وجہ سے اس کا قبضہ حکماً غیر معتبر اور باطل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ صورتِ مبحوث عنہا میں ابطالِ قبضہ کے لئے یہ شرط ہے کہ مال اس مقر کی حاجت وضرورت سے فارغ ہو جبکہ یہاں اس کا اقرار کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اس کی ضرورت ابھی باقی ہے، فلم تبطل يده۔ (۱)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الحلبي:

وإقراره بعد الحجر بدين أو بأن ما في يده أمانة أو غصب صحيح خلافًا لهما (۲)

۱۔ مستفاد من الهداية (۳/۳٦۷) بتسهيل و كذا في الكتب الأخر، منها:

حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٤/۹٥)، الاختيار لتعليل المختار (۲/۱۱۱،۱۱۲)، مجمع الأنهر (٤/۷۰)، البحر الرائق (۸/۱۷۹)، تبيين الحقائق (٥/۲۱۲)، المبسوط للسرخسي (۲٥/۸٤،۸٥)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (۲/۲۷۹)

۲۔ ملتقى الأبحر (٤/۷۰)

(القول المقدم فيه راجح حسب تصريح الشامي والمصنف به كما مر غير مرة).

❷ قال الغنيمي:

وإذا حجر عليه فإقراره جائز فيما في يده من المال عند أبي حنيفةؒ، وقالا: لايجوز إقراره بعده –إلى أن قال– وصنيع الهداية صريح في ترجيح الأول. [1]

❸ قال الأوشي:

اذا اقر (المأذون) بعد الحجر بدين أو بعين لرجل جاز بقدر ما في يده دون الزيادة[2]

(أطلق المسألة ولم يتعرض للخلاف فيها فهذا يدل على كونها راجحة عنده كما هو ظاهر جدًا).

❹ اختار أصحاب المتون قاطبةً قول الإمامؒ [3] (وهذا ترجيح له كما عرف)

❺ قال ابن نجيم:

(وإن أقر بما في يده بعد حجره صح) وهذا عند الإمام...... وقالا: لا يصح إقراره وهو القياس لأن المصحح لإقراره الإذن وقد زال بالحجر...... ووجه الاستحسان (أى وجه قول أبي حنيفةؒ إذ قوله استحسان) أن المصحح للإقرار بعد الحجر هو اليد ا هـ [4](فلما كان قولهما قياسا وقوله استحسانا فمن المعلوم للمفتي أن الاستحسان مقدم وراجح على القياس إلا في مسائل معدودة وهي ليست منها فقوله راجح فيها على قولهما).

وكذا في الكتب الأخر، حيث ذكر فيها مصنفوها أن قول الإمامؒ استحسان [5]

❻ وفي كثير من كتبنا أخّر مصنفوها دليل الإمامؒ فيها وضمّنوه جواب دليلهما [6] (وهذا ترجيح لقوله أيضًا كما مر).

١ـ اللباب في شرح الكتاب (٢/١٣٣)

٢ـ السراجية (١٤٢)

٣ـ المختار للفتوى (٢/١١١)، كنز الدقائق (٣٩٣)، الوقاية (٣/٣٥٠)، مجمع البحرين (٣٤٨)، النقاية (٢/٥٤١،٥٤٢)، غررالأحكام (٢/٢٧٩)، تنوير الأبصار (٩/٢٨٣)

٤ـ البحرالرائق (٨/١٧٨،١٧٩)

٥ـ حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٤/٩٥)، تبيين الحقائق (٥/٢١٢)، المبسوط للسرخسى(٢٥/٨٦)

٦ـ الهداية (٣/٣٦٧)، المبسوط للسرخسى (٢٥/٨٤،٨٥)، البحرالرائق (٨/١٧٨، ١٧٩)، تبيين الحقائق (٥/٢١٢)، الاختيار لتعليل المختار (٢/١١١،١١٢)، الدرر شرح الغرر (٢/٢٧٩)

⑦ قد أتى ابو الليث السمرقندي في هذه المسألة الخلافية بقول الإمامؒ ولم يذكر قولهما [1] (وهذا ترجيح لقوله إذ الإقتصار على ذكر قول الواحد في موضع الخلاف يرجح ذلك القول كما صرح به ابن نجيمؒ ومر بيانه)

⑧ علّل الشيخ الأفغاني لقول الإمامؒ فيها وأهمل تعليل قولهما [2] (وهذا من ترجيح قوله أيضا كما عرفت سابقا من كلام الشاميؒ)

---

[۱۴۳] اختلافی مسئلہ

وإذا لزمته ديون تحيط بماله ورقبته لم يملك المولى ما في يده فإن أعتق عبيده لم تعتق عند أبي حنيفة –رحمه الله– وقالا –رحمهما الله تعالى–: يملك ما في يده.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

فقہ کا اصول ہے:

"الكسب يملك بملك الأصل" [3]

ماذون اپنی کمائی کا اصالۃً تو خود مالک ہے کہ سببِ ملک (یعنی اکتساب) اسی سے صادر ہوا ہے پھر مولی اس مال کا مالک بطورِ نیابت ہوتا ہے اور وہ بھی اس وقت کہ جب وہ مال اور کمائی اس غلام کی ضرورت سے زائد ہو۔ زیر بحث مسئلہ میں چونکہ تمام مال کو دین محیط ہے اس لیے بلاشبہ وہ اس کی ضرورت میں مشغول ہے چنانچہ مولی اس مال میں خلیفہ ونائب نہیں ہوگا لہٰذا وہ اس مال کا مالک بھی نہیں بن سکتا۔ [4]

١۔ فتاوى النوازل (٤٢١)

٢۔ كشف الحقائق (٢/١٩٠)

٣۔ قواعد الفقه للبركتي (١/٢١)

٤۔ انظر له: الاختيار لتعليل المختار (٢/١١٢)، مجمع الأنهر (٤/٧٠،٧١)، الهداية (٣/٣٦٨)، تبيين الحقائق (٥/٢١٣)، البحر الرائق (٨/١٨٠)، حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٤/٩٥)، دررالحكام شرح غررالأحكام (٢/٢٧٩)، كشف الحقائق (٢/١٩٠)

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال الحلبی:

وإن استغرق دينه رقبته وما في يده لا يملك سيده ما في يده فلو أعتق عبدا مما في يده لا يصح وعندهما يملك فيصح عتقه[1] (فالقول المقدم فيه راجح كما لا يخفى، وقد مر بيانه غير مرة).

❷ اختار جميع أصحاب المتون قول الإمام فيها (وهذا ترجيح له كما هو ظاهر):

١- قال الموصلي:

وإذا استغرقت الديون ماله ورقبته لم يملك المولى شيئا من ماله.[2]

٢- قال النسفي:

ولم يملك سيده ما في يده لو أحاط دينه بماله ورقبته فيبطل تحريره عبدا من كسبه.[3]

٣- قال المحبوبی:

ولو شمل دينه ماله ورقبته لم يملك سيده ما معه فلم يعتق عبدا كسبه باعتاق سيده.[4]

٤- قال ابن الساعاتي:

وإعتاق المولى عبد مأذونه المستغرق بالدين لا يصح.[5]

٥- قال صدر الشريعة الأصغر:

ولو شمل دينه ماله ورقبته لم يملك سيده ما معه فلم يعتق بإعتاقه.[6]

٦- قال التمرتاشي:

أحاط دينه بماله ورقبته لم يملك سيده مامعه فلم يعتق عبد من كسبه بتحرير مولاه.[7]

٧- قال ملا خسرو:

١ـ ملتقى الأبحر (٤/٧٠)

٢ـ المختار للفتوى (٢/١١٢)

٣ـ كنز الدقائق (٣٩٣)

٤ـ الوقاية (٣/٣٥٠)

٥ـ مجمع البحرين وملتقى النيرين (٣٤٧)

٦ـ النقاية (٢/٥٤٤)

٧ـ تنوير الأبصار (٩/٢٨٣)

أحاط دينه بماله ورقبته لم يملك مولاه ما معه فلم يعتق عبد كسبه بإعتاق مولاه.[1]

❸ قال ابن نجيم:

قال رحمه الله (ولا يملك سيده ما في يده لو أحاط دينه بما في يده ورقبته) وهذا عند الإمام. وقالا: يملك ذلك لأن ملك الرقبة سبب لملك كسبِ اليد، واستغراقها بالدين لا يوجب خروج المأذون عن ملكه ولهٰذا ملك وط ء المأذونة فكذا كسبه الذى في يده لأنه يتبع أصله فيكون مثله.

ولأبي حنيفة أن ملك المولىٰ أنما يثبت في ملك العبد التاجر عند فراغه عن حاجته والمحيط خلافه عند مشغول بحاجته فلا يملك[2] (فتاخير دليل الإمام فيه ترجيح لقوله كما صرح به الشامى في شرح العقود)

❹ كذا في الكتب الأخر (حيث أخر مصنفوها دليل الإمام فيها فهو ترجيح لقوله كما مر آنفا)[3]

١ ـ غرر الأحكام (٢/٢٧٩)

٢ ـ البحر الرائق (٨/١٨٠)

٣ ـ الهداية (٣/٣٦٨)، مجمع الأنهر (٤/٧١)، الاختيار (٢/١١٢)، الدرر شرح الغرر (٢/٢٧٩)، شرح الوقاية (٣/٣٥٠)، تبيين الحقائق (٥/٢١٣)؛ أخره وضمّنه جواب دليلهما أيضًا، فتح باب العناية (٢/٥٤٤)؛ أخره مع تضمينه جواب دليلهما أيضًا.

كتاب المُزارَعة

[۱۴۴] اختلافی مسئلہ

قال أبوحنيفة -رحمه الله تعالى-: المزارعة بالثلث والربع باطلة وقالا -رحمهما الله تعالىٰ-: جائزة.

مفتی بہ قول:

فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن ابن عمرؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عَامَلَ اهلَ خيبرَ بشَطْر ما يَخرُج منها من ثَمرٍ أو زرعٍ. [۱]

هذا صريح في جواز المزارعة واستدل به جمع عظيم من الأعلام المشايخ على جوازها. [۲]

۱ـ صحيح مسلم (۲٦/٥) رقم (٤٠٤٤)، وكذا انظر له: صحيح البخارى (۲/ ۸۲۰) رقم (۲۲۰٤)، السنن الكبرى (۱۱۳/٦) رقم (۱۱۹٥٥)، المعاجم الثلاثة للطبرانى بلفظ مسلم في صحيحه، المنتقى لابن الحارود (۱/ ۱٦٦) رقم (٦۱)، سنن ابى داوٗد (۲۷۳/۳) رقم (۳٤۱۰)، سنن ابن ماجه (۲/ ۸۲٤)، رقم (۲٤٦۷)، سنن الترمذى (٦٦٦/۳) رقم (۱۳۸۳)، مسند أحمد بن حنبل (۱۷/۲) رقم (٤٦٦۳)، سنن الدارقطنى (۳۷/۳) رقم (۱٥۳)

۲ـ الموصلى في الاختيار (۸٥/۳)، ابن نجيم في البحر (۲۸۹/۸)، اللكنوى في عمدة الرعاية (٤/ ۲۷)، ملاخسرو في شرح الغرر (۲/ ۳۲٤)، السرخسى في المبسوط (۲۳/ ۲)، الفرغانى في الهداية (٤/ ٤۲٤)، الملا على القارى في شرح النقاية (۲/ ۱۹۷)، الكاسانى في البدائع (٥/ ۲٥٤)، السمرقندى في فتاوى النوازل (٤۲۸)، الغنيمى في اللباب (۲/ ۱۳٥)، الطحاوى في مختصر اختلاف العلماء (٤/ ۲٤)، السهار نفورى في البذل (٤/ ۲٦۰)، العينى في العمدة (۱۸/ ٤٥٥)، الزحيلى في الفقه الإسلامى (٤٦۸٥)، تقى العثمانى في التكملة (۱/ ٤۳۸)، الجزيرى في كتاب الفقه على المذاهب الأربعة (۳/ ۱۳،۷)، الشوكانى في النيل (٦/ ۸)، الكاندهلوى في الأوجز (۱۲/ ٤۰)، النووى في المجموع (۱٤/ ٤۲۱، ٤۲۲)، ابن حزم في المحلى (۷/ ٤۸،٤۷)، ابن قدامه في المغنى (٥/ ٥۸۱).

(٢) عن أبى جعفر قال:

"ما بالمدينة أهل بيت هجرة إلا يزرعون على الثلث والربع." [١]

قد اختاره المشايخ وأقروه في إثبات الجواز للمزارعة. [٢]

(٣) عن طاؤس قال قلت له: يا أباعبدالرحمن! لو تركتَ المخابرة (أى المزارعة) فأنهم يزعمون أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عنها.

فقال أخبرني أعلمهم –يعني ابن عباس– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم ينه عنها ولكنه قال: "لأن يمنح أحدكم أخاه أرضه خير له من أن يأخذ عليها خراجا معلومًا". [٣]

واستدل به على ما نحن فيه اللكنوى[٤] والملا على القارى [٥] والنووى[٦] وغيرهم.

(٤) عن ابى هريرة رضى الله عنه قال: قالت الأنصار للنبى صلى الله عليه وسلم: اقسم بيننا وبين اخواننا النخيل، قال: لا، فقال: تكفوننا المؤونة ونشرككم في الثمرة، قالوا: سمعنا وأطعنا. [٧]

لَمّا أخرجه البخارى في كتاب المزارعة استدل به العلماء على القول بجوازها. [٨]

(٥) أخرج محمد بن حسن (رحمه الله تعالى) آثارا كثيرة في جواز المزارعة، منها:

١ – عن موسى بن طلحة قال: كان ابن مسعود وسعد بن مالك –رضى الله عنهما– يزرعان بالثلث والربع.

٢ – عن على رضى الله عنه أنه قال: لا بأس بالمزارعة بالثلث والربع.

١ـ صحيح البخارى (٨١٩/٢)، ذكره تعليقًا، مصنف ابن أبي شيبة (٣٧٨/٤) رقم (٢١٢٤٦)، مصنف عبدالرزاق (١٠٠/٨) رقم (١٤٤٧٦)

٢ـ ابن قدامه في المغنى (٥٨١/٥)، ابن حجر في الفتح (١١/٥)، النووى في المجموع (٤٠٠/١٤)، تقى العثمانى في التكملة (٤٣٩/١)، الشوكانى في النيل (٩/٦)

٣ـ شرح معانى الآثار (١١٠/٤) رقم (٥٦٣٨)، مسند الحميدى (٢٣٦/١) رقم (٥٠٩)، السنن الكبرى (١٣٤/٦) رقم (١٢٠٧٢)

٤ـ عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية (٢٧/٤)

٥ـ فتح باب العناية بشرح النقاية (١٩٧/٢)

٦ـ المجموع شرح المهذب (٤٢٢/١٤)

٧ـ صحيح البخارى(٨١٩/٢) رقم (٢٢٠٠)

٨ـ تقى العثمانى في التكمله (٤٣٩/١)، الشوكانى في السيل الجرار (٥٨٩/١)

٣- عن طاؤس قال: قدم معاذ اليمن وهم يعطون أرضهم بالثلث والربع فلم يعب عليهم ذلك

٤- عن الضحاک بن مزاحم أن عمر بن الخطاب (رضی الله عنه) كان يكترى الأرض الجرز بالثلث والربع وكان لا يرى بذلک بأسا.

٥- عن عبدالرحمن بن الأسود قال: كنت أزرع ثم أجيء إلى علقمة والأسود فلم ينهيانی عنه. [١]

(٦) صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کا مذہب ''جوازِ مزارعت'' کا تھا جیسے حضرت علی بن ابی طالب، عمار بن یاسر، عبداللہ بن مسعود، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، معاذ وغیرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اسی طرح تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب تھا جیسے حضرت سعید بن مسیب، محمد بن سیرین، عبدالرحمٰن بن ابی لیلی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔ [٢]

(٧) ''اجماع'' سے بھی اس کا جواز ثابت ہے چنانچہ ''ابن قدامہ'' رقمطراز ہیں:

قال أبو جعفر: عامل رسول الله صلى الله عليه وسلم أهل خيبر بالشطر ثم أبوبكر ثم عمر و عثمان وعلى ثم أهلوهم إلى اليوم يعطون الثلث والربع وهذا أمر صحيح مشهور عمل به رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى مات ثم خلفاؤه الراشدون حتى ماتوا ثم أهلوهم من بعدهم ولم يبق بالمدينة اهل بيت إلا عمل به وعمل به أزواج رسول الله صلى الله عليه وسلم من بعده. [٣]

مضمونِ بالا صحاح ستہ میں سے ''سنن ابن ماجہ'' میں سندِ صحیح کے ساتھ مذکور ہے:

عن طاؤس أن معاذ بن جبل أكرى الأرض على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبى بكر وعمر وعثمان على الثلث والربع فهو يعمل به إلى يومک هذا. [٤]

(٨) ''قیاس'' بھی اس کے جواز کا مقتضی ہے چنانچہ فقہاء نے اس کو قیاس علی المضاربۃ کی بناء پر بھی جائز کہا ہے کہ مضاربت کی طرح اسمیں بھی مال اور عمل کے درمیان شرکت کا عقد ہوتا ہے۔ [٥]

١- كتاب الحجة على أهل المدينة (٤/١٦١-١٧٤)

٢- مستفاد من: المجموع شرح المهذب (١٤/٤٢١)، عمدة القارى (١٨/٤٥٥)

٣- المغنى (٥/٥٨١)، وكذا في: شرح البخارى لابن بطال (٦/٤٦٤)، التعليق على التجريد (٧/٣٧١٨)، فيه تصريح بأنه يدل على الإجماع

٤- سنن ابن ماجه (٢/٨٢٣) رقم (٢٤٦٣) قال البوصيرى فى "المصباح" (٢:٤٩): هذا إسناد صحيح رجاله ثقات.

٥- الدر المختار (٩/٤٥٨)، الهداية (٤/٤٢٤)، مجمع الأنهر (٤/١٤٠)، المبسوط للسرخسى (٢٣/١٧)، شرح الوقاية (٤/٢٧)، عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية (٤/٢٧) رقم الحاشية:٥، البحرالرائق (٨/٢٨٩)، فتاوى النوازل (٤٢٨)، اللباب في شرح الكتاب (٢/١٣٥)، اختلاف الفقهاء -لابن جرير الطبرى- (١/١٤٨)، الفقه الإسلامى وأدلته (٤٦٨٥)

(۹) مزارعت کی طرف لوگوں کی احتیاج اور اس پر تعاملِ امت بھی جوازِ مزارعت کے فتویٰ کا مقتضی ہے۔[1]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

أما شرعيتها (أي المزارعة): فهي فاسدة عند أبي حنيفة (رحمه الله تعالى) وعندهما جائزة والفتوى على قولهما.[2]

❷ قال طاهر بن عبدالرشيد البخاري:

قال في الأصل المزارعة فاسدة عند أبي حنيفة (رحمه الله) وكذا المعاملة ...... والمزارعة جائزة على قولهما والفتوى على قولهما.[3]

❸ قال الحصكفي:

ولا تصح –أي المزارعة– عند الإمام لأنها كقفيز الطحان وعندهما تصح وبه يفتى.[4]

❹ قال قاضيخان:

المزارعة فاسدة في قول أبي حنيفة (رحمه الله) وقال صاحباه رحمهما الله تعالىٰ تجوز إذا استجمعت شرائطها والمعاملة على هذا الخلاف أيضًا والفتوى على قولهما لتعامل الناس في جميع البلدان.[5]

❺ وكذا وقع التصريح بالفتوى على قولهما بجواز المزارعة في كثير من الكتب.[6]

١ـ الاختيار لتعليل المختار (٨٦/٣)، الهداية (٤٢٤/٤)، تبيين الحقائق (٢٧٩/٥)، الدرر شرح الغرر (٣٢٤/٢)، شرح النقاية (١٩٨/٢)، شرح الوقاية (٢٧/٤)، شرح ابن ملك على هامش المجمع (٥٠٣)، البحرالرائق (٢٩٠/٨)، مجمع الضمانات (٣١٤/١)، الفقه الإسلامي للزحيلي (٤٦٨٥)، الدر المختار (٤٥٨/٩)، الهندية (٢٣٥/٥)، الدر المنتقى (١٤٠/٤)، جامع الرموز (٢٦٤/٢)، جامع الفصولين (٤٥/٢)، الجوهرة النيرة (٩٩/٢)

٢ـ الفتاوى الهندية (٢٣٥/٥)

٣ـ خلاصة الفتاوى (١٩٠/٤)

٤ـ الدر المختار (٤٥٨/٩)

٥ـ الفتاوى الخانية (١٧٠/٣)

٦ـ البحر الرائق (٢٩٠/٨)، الهداية (٤٢٤/٤)، المختار للفتوى (٨٦،٨٥/٣)، ملتقى الأبحر (١٤٠/٤)، الجوهرة النيرة (٩٩/٢)، مجمع البحرين (٥٠٣)، جامع الفصولين (٤٥/٢)، تبيين الحقائق(٢٧٩/٥)، مجمع الضمانات (٣١٤/١)، كشف الحقائق (٢١٥/٢)، جامع الرموز (٢٦٤/٢)، حاشية الطائي على الكنز –على هامش شرح العيني على الكنز– (١٩٧/٢)، فتاوى النوازل (٤٢٨)، غرر الأحكام (٣٢٤/٢)، النقاية (١٩٨/٢)، التعليق على لامع الدراري (٣٥٤/٢ و ٣٥٥)، تكملة فتح الملهم (٤٣٩/١)، الوقاية (٢٧/٤)، الموسوعة الفقهية الكويتية (٥٠/٣٧)، اللباب في شرح الكتاب (١٣٥/٢)، الترجيح والتصحيح (٣٢٧)، السراجية للأوشي (١٣٦)، الفقه الإسلامي للزحيلي (٤٦٨٥)

[۱۴۵] اختلافی مسئلہ

إذا فسدت المزارعة فالخارج لصاحب البذر فإن كان البذر من قبل رب الأرض فللعامل أجر مثله لا يزاد على مقدار ما شرط له من الخارج (وهذا عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى (۱)) وقال محمد -رحمه الله تعالى-: له اجر مثله بالغا ما بلغ.

مفتی بہ قول:

فتویٰ شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

فقہ کا اصول ہے:

"الساقط لا يعود". (۲)

ایک دفعہ (یعنی بوقتِ عقد) عامل کم پیداوار پر آمادہ ہوکر اس سے زائد مقدار ساقط کرنے پر خود راضی ہو چکا ہے اس لئے اب ساقط شدہ وہ (زائد) مقدار دوبارہ اس کو نہیں ملے گی بلکہ پیداوار کی اسی مقررہ مقدار تک ہی وہ اجرت کا مستحق ہوگا۔ (۳)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ **قال الصاغرجي:**

۱ـ مجمع الأنهر (٤/١٤٤)، جامع الرموز (٢/٢٧٠)، الهداية (٤/٤٢٦)، الجوهرة النيرة (٢/١٠١)، شرح النقاية (٢/٢٠٠)، الدر المنتقى (٤/١٤٤)، مجمع الضمانات (١/٣١٤)، الفقه الإسلامي وأدلته (٤٦٩٩)، اللباب في شرح الكتاب (٢/١٣٧)، حاشية الشرنبلالي على دررالحكام (٢/٣٢٦)

۲ـ قواعد الفقه للبركتي (١/١٨)، الاشباه والنظائر لابن نجيم (١/٣١٨)، شرح القواعد الفقهية (١/١٥٠)

۳ـ انظر له: -بتسهيل وإضافة يسيرة- ما يليك:

مجمع الأنهر (٤/١٤٤)، شرح النقاية (٢/٢٠٠)، الهداية (٤/٤٢٦)، الدرر شرح الغرر (٢/٣٢٦)، رمز الحقائق (٢/١٩٨)، الفقه الإسلامي وأدلته (٤٦٩٩)، اللباب في شرح الكتاب (٢/١٣٧)، الجوهرة النيرة (٢/١٠١)

وإذا فسدت المزارعة فالخارج من الأرض لصاحب البذر لأنه نماء ملكه فإن كان البذر من قبل رب الأرض فللعامل من أجر مثله، لأن رب الأرض استوفى منفعته بعقد فاسد، بشرط أن لا يزيد الأجر للعامل على مقدار ما شرط له من الخارج، لرضائه بسقوط الزيادة وهذا عند أبي حنيفة وأبي يوسف (رحمهما الله تعالى).

وقال محمد (رحمه الله تعالى): له اجر مثله بالغا ما بلغ...... والفتوى على قولهما. [1]

❷ قال الحلبي:

وإن فسدت فالخارج لرب البذر وللآخر أجر مثل عمله أو أرضه ولا يزاد على ما شرط خلافا لمحمد [2](فالقول المقدم فيه راجح على ما صرح به الشامي وهذا لا يخفى)

❸ اعتمد أصحاب المتون على قول الشيخين (رحمهما الله تعالى) وهذا ترجيح له أيضًا:

١ – قال الموصلي:

وإذا فسدت فالخارج لصاحب البذر وللآخر أجر عمله أو أجر أرضه ولا يزاد على قدر المسمّى.[3]

٢ – قال النسفي:

فيكون الخارج.(في الفساد) لرب البذر وللآخر أجر مثل عمله أو أرضه ولم يُزد على ما شرطا. [4]

٣ – قال المحبوبي:

ومتى فسدت فالخارج لرب البذر وللآخر مثل أرضه أو عمله ولا يزاد على ما شرط.[5]

٤ – قال ملا خسرو:

فلو كان رب البذر صاحب الأرض فللعامل أجر مثله لا يزاد على المسمى. [6]

٥ – قال صدر الشريعة الأصغر:

وإن فسدت فالخارج لرب البذر وللآخر أجر مثله ولا يزاد على ما شرط. [7]

---

١ ـ الفقه الحنفي وأدلته (٣/١٦٠، ١٦١)

٢ ـ ملتقى الأبحر (٤/١٤٤)

٣ ـ المختار للفتوى (٣/٨٨)

٤ ـ كنز الدقائق (٤١٤)

٥ ـ الوقاية (٤/٢٩)

٦ ـ غرر [illegible]كام (٢/٣٢٦)

٧ ـ النقاية ([illegible])

٦- قال التمرتاشي:

ومتى فسدت فالخارج لرب البذر وللآخر أجر مثل عمله أو أرضه ولا يزاد على الشرط.[١]

❹ قال الحداد الزبيدي:

قوله: (وإذا فسدت المزارعة فالخارج كله لصاحب البذر) لأنه نماء ملكه. فإن كان البذر من قبل صاحب الأرض، فللعامل أجر مثله لا يزاد علي ما شرط له من الخارج؛ لأنه رضى بسقوط الزيادة، وهذا عندهما. وقال محمد: له أجر مثله بالغا ما بلغ [٢] (فقول الشيخين رحمهما الله تعالى فيه راجح حيث علل المصنف له واهمل تعليل سواه، وهذا ما صرح به الشاميؒ وهو معروف عند اهل الفن).

وكذا في "الكشف" [٣] (حيث مشى مصنفه نحوه وحذا حذوه بأن اتى بتعليل القول الأول وأهمل تعليل القول الثاني).

❺ و الكاسانيؒ قد رجح قول (أبي حنيفة و) أبي يوسف رحمهما الله تعالى بصنيعه إذ أخر دليلهما عن دليل قول محمد رحمه الله تعالى (وبيان ترجيحه قد مر في مواضع عديدة).[٤]

---

[١٤٦] مسئلہ

فإن شرطاه في المزارعة على العامل فسدت.

مفتی بہ قول:

مفتی بہ قول کے موافق صورتِ بالا میں مزارعت فاسد نہیں ہوگی بلکہ یہ عقد صحیح ہوگا۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

عقدِ مذکور کو، لوگوں کے اس پر تعامل کی وجہ سے، صحیح قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ''استصناع'' کو بھی اسی بناء پر جائز وصحیح کہا گیا ہے۔[٥]

١- تنوير الأبصار (٤٦٦/٩)

٢- الجوهرة النيرة (١٠١/٢)

٣- كشف الحقائق (٢١٧/٢)

٤- بدائع الصنائع (٢٦٦/٥)

٥- انظر له: مجمع الأنهر (١٤٣/٤)، الفتاوى الولوالجية (١٥٠/٥)، الاختيار لتعليل المختار (٨٩/٣)، الهداية (٤٢٩/٤)، رد المحتار (٤٧١/٩)، تبيين الحقائق (٢٨٣/٥)، العناية على هامش النتائج (٤٨٧/٩، ٤٨٨)، الدر المنتقى (٤/[illegible])

تاہم نفسِ تعامل کے شریعت میں معتبر ہونے کے بعض شواہد درج ذیل ہیں:

۱– عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

"المسلمون على شروطهم"[1]

۲– عن عبدالله بن مسعود رضى الله عنهما قال:

"ما رأى المسلمون حسنا فهو عندالله حسن"[2]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

فإن شرطاه على العامل فسدت...... وصح اشتراط العمل كحصاد ودياس ونسف (ويسمى بالتذرية أيضًا) على العامل عند الثاني للتعامل وهو الأصح وعليه الفتوى.

قال الشامي:

۱– قوله (فسدت) هذا ظاهر الرواية كما في الخانية ويأتي تصحيح خلافه

۲– قوله (وصح اشتراط العمل) وهذا مقابل ظاهر الرواية الذى قدمه[3]

❷ قال السرخسي:

إذا اشترط رب الأرض على العامل الحصاد فالمزارعة فاسدة...... وروى بشر و ابن سماعة عن أبي يوسفؒ أن العقد لا يفسد بهذا الشرط –إلى أن قال– فقد جوزنا بعض العقود للعرف وإن كان القياس يأباه كالإستبضاع فهذا مثله و هذا هو الصحيح في ديارنا أيضًا[4]

۱ـ سنن ابی داوٗد (۳۳۲/۳) رقم (۳۵۹٦)، وكذا انظر له: السنن الكبرى للبيهقي (١٦٦/٦) رقم (١٢٢٨٠)، المستدرك للحاكم (٥٧/٢) رقم (٢٣٠٩)، سنن الدار قطني (٤٢٦/٣) رقم (٢٨٩٠)، شعب الإيمان (٧٥/٤) رقم (٤٣٤٨)، وقد تقدم تخريجه مع بيان الحكم عليه.

۲ـ المستدرك على الصحيحين للحاكم (٨٣/٣) رقم (٤٤٦٥)، وكذا انظر له: مسند أحمد بن حنبل (٣٧٩/١) رقم (٣٦٠٠)، المعجم الأوسط للطبراني (٥٨/٤) رقم (٣٦٠٢)، المعجم الكبير له (١١٢/٩) رقم (٨٦٠٢) بلفظ "المؤمنون" بدل "المسلمون"، مسند البزار (٢١٣/٥) بلفظ الطبراني في الكبير، قال الهيثمي في مجمع الزوائد (٢١٧/١): رواه أحمد والبزار والطبراني في الكبير ورجاله موثقون.

۳ـ الدر المختار مع رد المحتار (٤٦٩/٩، ٤٧١)

٤ـ المبسوط (٣٦/٢٣، ٣٧)

● قال الحلبي:

وأجر الحصاد والرفاع والدياس والتذرية عليهما بالحصص فإن شرط على العامل فسدت وعن أبي يوسفؒ أنه يصح وهو الأصح وعليه الفتوى. (١)

● قال الموصلي:

وأجرة الحصاد والرفاع والدياس والتذرية عليهما بالحصص ولو شرطا ذلک على العامل لا يجوز وعن أبي يوسفؒ جوازه وعليه الفتوى. (٢)

● قال صدر الشريعة الأصغر:

ونفقة الزرع عليهما بالحصص كأجر الحصاد ونحوه فإن شرط على العامل صح عند أبي يوسفؒ وبه يفتٰى. (٣)

● وكذا في الكتب الأخر. (٤)

١ـ ملتقى الأبحر (١٤٣/٤)

٢ـ المختار للفتوى (٨٩/٣)

٣ـ النقاية (٢٠١/٢)

٤ـ البحرالرائق (٢٩٧/٨)، الكفاية (١٣٧/٩)، مجمع الأنهر (١٤٣/٤)، جامع الرموز (٢٧١/٢)، الهداية (٤٢٩/٤)، الفتاوى الولوالجية (١٥٠/٥)، تبيين الحقائق (٢٨٣/٥)، مجمع الضمانات (٣١٤/١)، حاشية الطحطاوي على الدر المختار (١٤٥/٤)، بدائع الصنائع (٢٦٢/٥)، الجوهرة النيرة (١٠٢/٢)، الفتاوى الخانية (١٨١/٣)، الموسوعة الفقهية (٦٣/٣٧)، الوقاية (٣٠/٤)، شرح ابن ملك على هامش المجمع (٥٠٦)، فتاوى النوازل (٤٢٩).

كتابُ المُسَاقاة

[۱۴۷] اختلافی مسئلہ

قال أبوحنيفة رحمه الله تعالى: المساقاة بجزء من الثمرة باطلة، وقالا: جائزة إذا ذكرا مدة معلومة وسمى جزء من الثمرة مشاعا.

مفتی بہ قول:

مزارعت کی طرح یہاں بھی فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے، تاہم عاقدین اس میں اگر مدت معلومہ کو ذکر نہ بھی کریں تو بھی استحساناً جائز ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن ابن عمرؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عامَل أهل خيبر بشطر ما يخرج منها من ثمر أو زرع. [۱]

هذا صريح في جواز المساقاة لقوله "من ثمر" واستدل به الجصاص الحنفي [۲] والكاساني [۳] والبيهقي [۴] وابن قدامه [۵] والنووي [۶] وغيرهم على جوازها.

۱ـ رواه الجماعة إلا النسائي واللفظ لمسلم (٥/٢٦) رقم (٤٠٤٤) و الطبراني في معاجمه الثلاثة بلفظه وغيرهم كما تقدم في "كتاب المزارعة"ـ

۲ـ شرح مختصر الطحاوي (٣/٣٨٠)

۳ـ بدائع الصنائع (٥/٢٦٩)

٤ـ مختصر الخلافيات (٣/٤٣٦)

٥ـ المغني (٥/٥٥٤)

٦ـ المجموع شرح المهذب (١٤/٣٩٩)

(٢) عن ابن عباس قال افتتح رسول الله صلى الله عليه وسلم خيبر واشترط أن له الأرض وكل صفراء وبيضاء، قال أهل خيبر نحن أعلم بالأرض منكم فأعطناها على أن لكم نصف الثمرة ولنا نصف.

فزعم أنه أعطاهم على ذلك فلما كان حين يصرم النخل بعث إليهم عبدالله بن رواحة فحزر عليهم النخل وهو الذي يسميه أهل المدينة الخرص فقال في ذه كذا وكذا، قالوا: أكثرت علينا يا ابن رواحة.

فقال: فأنا ألي حزر النخل وأعطيكم نصف الذي قلتُ. قالوا: هذا الحق وبه تقوم السماء والأرض قد رضينا أن نأخذه بالذي قلت.[1]

ففي هذا جواز المساقاة كما قال شيخنا العثماني رحمه الله تعالى.[2]

(٣) مساقاۃ کی مشروعیت "اجماع" سے بھی ثابت ہے جیسا کہ امام نوویؒ کے کلام سے واضح ہے، نصّه:

وقد ثبتت المساقاة بالسنة والإجماع فأما السنة فقد مضى حديث ابن عمر المتفق عليه، وأما الإجماع فقد قال أبوجعفر محمد بن علي بن الحسين بن عليّ بن أبي طالب (رضي الله عنهم): عامل رسول الله صلى الله عليه وسلم أهل خيبر بالشطر ثم أبوبكر وعمر وعثمان وعلي (رضي الله عنهم) ثم أهلوهم إلى اليوم يعطون الثلث والربع، وهذا عمل به الخلفاء الراشدون في مدة خلافتهم، واشتهر ذلك فلم ينكره أحد.[3]

(٤) "قیاس" سے بھی اس کا جواز معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضاربت کے مشابہ ہے بایں طور کہ یہاں بھی مضاربت کی طرح ایک طرف سے مال اور دوسری طرف سے عمل ہوتا ہے اور حاصل ہونے والا نفع دونوں عاقدین میں تقسیم ہوتا ہے فتصح كالمضاربة۔[4]

(٥) لوگوں کی اس کی طرف حاجت بھی اس کے جواز کی مقتضی ہے۔[5]

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

المعاملة (وهي لغة في المساقاة) في الأشجار والكرم بجزء من الثمرة فاسدة عند أبي حنيفة

١ـ سنن أبي داوٗد (٣/٢٧٣) رقم (٣٤١٢)، سكت عنه ابوداوٗد.

٢ـ إعلاء السنن (١٧/٥٦)

٣ـ المجموع شرح المهذب (١٤/٤٠٠)، وكذا في المغني (٥/٥٥٤)، مغني المحتاج (٢/٣٢٢)، الفقه الإسلامي للزحيلي (٤٧٠٥)

٤ـ المبسوط للسرخسي (٢٣/١٧)

٥ـ الجوهرة النيرة (٢/١٠٣)، الفقه الإسلامي للزحيلي (٤٧٠٤)، المجموع (٢/٣٢٢، ٣٢٣)

وعندهما جائزة إذا ذكر مدة معلومة وسمى جزأ مشاعا والفتوى على أنه تجوز وإن لم يبين المدة. (١)

❷ قال التمرتاشي والحصكفي:

وهي (أي المساقاة) كالمزارعة حكما وخلافا وشروطا إلا في أربعة اشياء...... والرابع بيان المدة ليس بشرط هنا استحسانا.

قال الشامي: قوله (حكما) وهو الصحة على المفتى به. (٢)

❸...... قال الحلبي:

وهي (أي المساقاة) كالمزارعة حكما وخلافا وشروطا إلا المدة فإنها تصح بلا ذكرها.

قال داماد أفندي: (حكما) حيث يفتى على صحتها......

(تصح بلا ذكرها) أي بلا بيان المدة استحسانا. (٣)

❹ قال القهستاني:

وهي -أي المساقاة- كالمزارعة اختلافا وشرطا وحكما إلا أنها تصح بلا ذكر المدة لأنها معلومة عرفا وفيه إشارة إلى أنها لا تصح عنده وتصح عندهما وبه يفتى. (٤)

❺ قال الزحيلي:

المساقاة عند الحنفية كالمزارعة حكما و خلافا و شروطا ممكنة فيها، فلا يجوز عند أبي حنيفة وزفر -رحمهما الله تعالى- ...... وقال الصاحبان وجمهور العلماء (منهم مالك و الشافعي واحمد): تجوز المساقاة بشروط -إلى أن قال- والفتوى عند الحنفية على قول الصاحبين. ثم قال ليس بيان المدة في المساقاة بشرط استحسانا. (٥)

❻ كذا في الكتب الأخر. (٦)

١ـ الفتاوى الهندية (٥/٢٧٨)

٢ـ الدر المختار مع رد المحتار (٩/٤٧٧، ٤٧٨)

٣ـ ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر (٤/١٤٨)

٤ـ جامع الرموز (٢/٢٧٣)

٥ـ الفقه الإسلامي وأدلته (٤٧٠٤، ٤٧٠٨)

٦ـ الفتاوى السراجية (١٣٧)، الوقاية وشرحه (٤/٣٠، ٣١)، النقاية وشرحه للملاعلى القارى (٢/٢٠٢)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٣٢٨)، رمز الحقائق (٢/١٩٨)، اللباب في شرح الكتاب (٢/١٣٩)

كتابُ النّكاح

[۱۴۸] اختلافی مسئلہ

إن تزوج مسلم ذمية بشهادة ذميين جاز عند أبي حنيفة وأبي يوسف -رحمهما الله تعالى- وقال محمد -رحمه الله تعالى-: لا يجوز إلا أن يُشهِد شاهدين مسلمين.

مفتی بہ قول:

فتویٰ شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) ۱- قوله تعالىٰ ﴿فانكحوا ما طاب لكم من النساء﴾ (۱)

۲- قوله تعالىٰ ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم أن تبتغوا بأموالكم﴾ (۲)

۳- قوله صلى الله عليه وسلم: "تزوّجوا" (۳)

۱۔ سورة النساء، الآية: (۳)

۲۔ أيضًا، الآية (۲٤)

۳۔ هذا طرف الحديث، والحديث ورد بلفظ "تزوّجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأمم" رواه أبوداوٗد في سننه (۱۷٥/۲) رقم (۲۰٥۲) وسكت عنه، وابن حبان في صحيحه (۳٦۳/۹)، رقم (٤۰٥٦)، والبيهقي في السنن الكبرى (۷۱/۷) رقم (۱۳۸٥۷)، والحاكم في المستدرك (۱۷٦/۳) رقم (۲٦۸٥)، وقال هذا حديث صحيح الإسناد ووافقه الذهبي في التلخيص. وقال ابن الملقن في "البدر المنير" (٤۹٥:۷): هذا الحديث له طرق- ثم قال في طريق اولى منها، من حديث معقل بن يسار-: قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد وقال ابن الصلاح: حسن الإسناد. وصححه الحافظ في "الفتح" (۱۱۱:۹) وقال الهيثمي في "المجمع" (۲۹۹:٤): إسناده حسن، وفيه "الانبياء" بدل "الأمم" والمرام متحد.

۴- قوله صلى الله عليه وسلم : "انكحوا" (۱)

کتاب وسنت میں عمومِ نکاح کا بیان ہمارے زیر بحث مسئلہ کا مستدل ہے بایں طور کہ مندرجہ بالا آیات واحادیث بغیر کسی شرط کے مطلق وارد ہوئی ہیں، ہاں! زوجین مسلمین کے نکاح میں شاہدین کے مسلمان ہونے کی شرط اِجماع سے ثابت ہے لہٰذا اب جو مسلم اور ذمیہ کے نکاح میں بھی شرطِ مذکور کا دعویٰ کرے تو اس کے ذمہ دلیل ہے۔ (۲)

(۲) نکاح کے باب میں یہ اصول ہے:

"كل من جاز أن يكون وليا في العقد، جاز أن يكون شاهدا فيه"

اصولِ مذکور کے موافق اس عقد میں چونکہ کافر کا ولی بننا درست ہے لہٰذا وہ اس میں "شاہد" بھی بن سکتا ہے۔ (۳)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الغنيمي:

فإن تزوج مسلم ذمية بشهادة ذميين جاز عند أبي حنيفة وأبي يوسف (رحمهما الله تعالى) ولكن لا يثبت عند جحوده، وقال محمد: لا يجوز اصلًا، قال الاسبيجابي: "الصحيح قولهما"؛ كذا في "التصحيح" (لابن قطلوبغا). (۴)

❷ قال الحلبي:

وصح تزوج مسلم ذمية عند ذميّين خلافا لمحمدٌ (۵)**(ومن المعلوم أن القول المقدم فيه راجح على ما مر بيانه من قبل غير مرة)**

❸ في الهندية:

ولو كان الزوج مسلما والمرأة ذمية فالنكاح ينعقد بشهادة الذميين سواء كانا موافقين لها في الملة (أى الدين) أو مخالفين كذا في السراج الوهاج. (۶) **(ولم يذكر الخلاف في هذه المسألة**

١ـ هذا طرف الحديث أيضًا، معناه معنى ذلك، أما لفظه فهو "انكحوا فانى مكاثر بكم" رواه ابن ماجه في سننه (٥٩٩/١)، رقم (١٨٦٣)، وهذا الإسناد وإن كان ضعيفا لطلحة بن عمرو ولكن قد قال السخاوى في "المقاصد" (٢٦٩/١): "وقد جمعت طرقه في جزء" فبه زال ضعفه وصلح لأن يحتج به.

٢ـ بدائع الصنائع (٥٢٥/٢) وفى الموسوعة الفقهّية (٢٩٦/٤١)، في معرض بيان الدليل "لعموم الادلة من الكتاب والسنة"

٣ـ شرح مختصر الطحاوى للجصاص (٢٧٦/٤، ٢٧٧)، المبسوط للسرخسى (٣٣/٥)، البدائع للكاسانى (٥٢٥/٢)

٤ـ اللباب في شرح الكتاب (١٤٠/٢، ١٤١)

٥ـ ملتقى الأبحر (٤٧٤/١)

٦ـ الفتاوى الهندية (٢٦٧/١)

والموضع معرض البيان فالاكتفاء بقولهما ههنا يدل على ما هو المختار في الباب).

❹ قال قاضي خان:

ويجوز نكاح المسلم الذمية بشهادة الذميين في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى[1] (وهو لم يذكر هنا قول محمدؒ أيضًا مع أنها تمس الحاجة إليه في معرض الخلاف اقتصارًا على ماهو المعتمد عليه في المذهب).

❺ قول الشيخين قول المتون[2] (فاختيار أصحابها في كتبهم المصنفة لبيان ماهو العمدة في المذهب. ترجيح له وهذا ظاهر)

❻ وكذا في الكتب الأخر (حيث أخر مصنفوها، دليل الشيخين فيها وضمنوه جواب دليله وهذا من ترجيح لقولهما على ما عرف من صنيعهم ودأبهم في الراجح عندهم)[3]

---

[۱۴۹] اختلافی مسئلہ

ينعقد نكاح المرأة الحرة البالغة العاقلة برضائها وإن لم يعقد عليها ولىّ عند أبي حنيفةؒ بكرا كانت أو ثيبا، وقالا -رحمهما الله تعالى- : لا ينعقد إلا بإذن وليّ.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے مگر اس (انعقاد کے درست ہونے) میں یہ ضروری ہے کہ وہ نکاح کفو میں ہوا ہو کیونکہ مفتی بہ قول کے موافق غیر کفو میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) ۱- قوله تعالى: ﴿حتى تنكح زوجا غيره﴾[4]

۱ـ الفتاوى الخانية (۱/۳۳۱)

۲ـ المختار للفتوى (۳/۹٦)، كنز الدقائق (۹۷)، الوقاية (۲/۱۰)، النقاية (۱/٥٤۹)، غرر الأحكام (۱/۳۲۹)، تنوير الأبصار (٤/۱۰۱)

۳ـ المبسوط للسرخسي (٥/۳۳)، الهداية (۲/۳۲٦)، تبيين الحقائق (۲/۱۰۰)، البحر الرائق (۳/۱٦۰)، بدائع الصنائع (۲/٥۲٥،٥۲٦)، النهر الفائق (۲/۱۸۳)

٤ـ سورة البقرة، الآية: (۲۳۰)

ب- قوله تعالى: ﴿أن ينكحن أزواجهن﴾[1]

ج- قوله تعالى: ﴿فلا جناح عليهما أن يتراجعا إن ظنا أن يقيما حدود الله﴾[2] والمراد بالتراجع هنا: العقد ابتداء[3]

د- قوله تعالى ﴿وامرأة مومنة إن وهبت نفسها للنبي﴾[4]. والهبة هاهنا النكاح بالإجماع[5]

آیاتِ مذکورہ میں چونکہ نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ عورت خود نکاح کرنے کی مختار و مالک ہے۔[6]

(۲) قوله تعالى: ﴿فلا جناح عليكم فيما فعلن في أنفسهن بالمعروف﴾[7]

آیتِ بالا اس امر پر صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ عورت کا اپنی ذات میں تصرف کرنا جائز ہے[8] چنانچہ اسی موقع پر علامہ موصلیؒ نے لکھا ہے:

"وهي إذا زوجت نفسها من كفء بمهر المثل فقد فعلت في نفسها بالمعروف فلا جناح على الأولياء في ذلك"[9]

(۳) عن ابن عباس -رضي الله عنهما- أن النبي صلى الله عليه وسلم قال:

"الأيم أحق بنفسها من وليها والبكر تستأذن في نفسها وإذنها صماتها"[10]

۱۔ أيضاً، الآية: (۲۳۲)

۲۔ أيضاً، الآية: (۲۳۰)

۳۔ التجريد للقدوري (۴۲۳۹/۹)، شرح مختصر الطحاوي للجصاص (۲۵۷/۴)

۴۔ سورة الأحزاب، الآية: (۵۰)

۵۔ التجريد للإمام القدوري (۴۲۳۹/۹)

٦۔ الكفاية (۴٦/۳)، المبسوط للسرخسي (۱۱/۵)، شرح النقاية (۵٦۵/۱)، التجريد (۴۲۳۹/۹)، الاختيار لتعليل المختار (۱۰۳/۳)

۷۔ سورة البقرة، الآية (۲۳۴)

۸۔ التجريد (۴۲۳۹/۹)، الغرة المنيفة (۱۲۸/۱)، شرح مختصر الطحاوي للجصاص (۲۵۷/۴)

۹۔ الاختيار (۱۰۳/۳)

۱۰۔ صحيح مسلم (۱۰۳۷/۲) رقم (۱۴۲۱)، وكذا انظر: صحيح ابن حبان (۳۹۷/۹) رقم (۴۰۸۷)، موطا مالك (۷۴۹/۳) رقم (۱۹٦۴)، سنن أبي داود (۱۹٦/۲) رقم (۲۰۹۸)، سنن النسائي (۸۴/٦) رقم (۳۲٦۰)، سنن الترمذي (۴۱٦/۳) رقم (۱۱۰۸)، شرح معاني الآثار (۱۱/۳) رقم (۳۹۵۴)

الأيم: هي مراة لا زوج لها بكرا كانت أو ثيبا. [1]

(۴) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

"لا تنكح الأيم حتى تستامر ولا تنكح البكر حتى تستاذن، قالوا: كيف إذنها؟ قال: أن تسكت" [2]

حدیث بالا کے مضمون کے موافق عورت سے جب تک اجازت نہ لی جائے اس وقت تک اس کا نکاح نہ کیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ اصل حق تو عورت کو ہے لہٰذا اپنے اس حق نکاح کی بنیاد پر اگر وہ بغیر ولی کے بھی نکاح کر لے تو نکاح ہو جائے گا۔

(۵) عن أبي سلمة بن عبدالرحمٰن قال:

جاءت امرأة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: يارسول الله! إن أبي أنكحني رجلا وأنا كارهة، فقال: "لا نكاح لک، إذهبي فانكحي من شئت" [3]

(۶) عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:

"ليس للمولى مع الثيب امر اه" [4]

(۷)...... عن عائشة قالت:

جاءت فتاة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله! إن أبي زوجني من ابن أخيه يرفع بي خسيسته (وفي رواية: وأنا كارهة)، فجعلَ الأمرَ إليها، قالت: فإني قد أجزت ما

١ـ غريب الحديث لابن قتيبة (٤٦/٢) واختار هذا المعنى المشايخ الحنفية في كتبهم، منها: المبسوط للسرخسي (١٢/٥)، البحر لابن نجيم (١٩٣/٣)، الكفاية للخُوارَزمي (٤٦/٣)، الحاشية للشلبي على الزيلعي (١١٧/٢)

٢ـ صحيح البخاري (٤٠٦/١٧)، رقم (٦٩٧٠)

٣ـ إعلاء السنن (٦٦/١١)، وقال: "أخرجه سعيد بن منصور (أي في سننه، ١٨٤:١) وهذا مرسل جيد: دراية ٣١٩، ٣٢٠"

٤ـ سنن ابي داوٗد (١٩٦/٢) رقم (٢١٠٢)، وكذا انظر له: سنن النسائي (٨٥/٦) رقم (٣٢٣٦)، صحيح ابن حبان (٣٩٩/٩) رقم (٤٠٨٩)، مسند أحمد (٣٣٤/١) رقم (٣٠٨٧)، سنن الدار قطني (٢٣٩/٣)

قال البيهقي في "مختصر الخلافيات" (١١٤/٤)، والحافظ في "التلخيص الحبير" (٣٥٠/٣)، والعجلوني في "كشف الخفاء" (٢٧٧/١): رواته ثقات. وقال ابن الملقن في "تحفة المحتاج إلى أدلة المنهاج" (٣٦٦/٢):

رواه النسائي وأبوداود وصححه ابن حبان وقال الشيخ تقي الدين في آخر "الاقتراح" هو على شرط الشيخين.

صنع أبي ولكن أردت أن تعلم النساء أن ليس للآباء من الأمر شيء. [1]

قال القدوري في "التجريد" في وجه الدلالة به:

"ولم ينكر صلى الله عليه وسلم ذلک عليها، فلو كان العقد إليه حتى لا يجوز أن يعقد غيره، لم يجز أن يقرّها على هذا القول". [2].

(۸) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے جلیل القدر شخصیات حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا مذہب بھی یہی تھا۔ [3]

نیز بعض تابعین وغیرہ حضرات بھی اسی کے قائل تھے جیسے حضرت حسن بصری، ابن سیرین، قتادہ، شعبی، زہری، موسی بن عبداللہ بن یزید، قاسم بن محمد اوزاعی اور ابن جریج۔ رحمہم اللہ اجمعین۔ وغیرہ [4]

(۹) لڑکی کے بچپن میں باپ کو اس پر دو ولایتیں حاصل ہوتی ہیں:

ایک بضع میں اور دوسری مال میں، لہٰذا بلوغ کے سبب ان میں سے جب ایک ولایت (وهي في المال) لڑکی کی طرف منتقل ہو جاتی ہے تو دوسری بھی لامحالہ منتقل ہو جائے گی۔ [5]

(۱۰) نکاح بھی چونکہ عقد کی ایک نوع ہے اس لیے دیگر عقود (مثلاً بیع واجارہ وغیرہ) کی طرح عورت اپنے اس عقد کی بھی مجاز اور مالک ہوگی۔ [6]

(۱۱) عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

"تخيروا لنطفكم وانكحوا الأكفاء وانكحوا اليهم" [7]

(۱۲) عن علي بن أبي طالب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له:

۱۔ مسند أحمد بن حنبل (۱۳٦/٦) رقم (۲۵۰۸۷)، وكذا انظر له: مسند إسحق بن راهويه (٤٧٤/٣) رقم (۱۳۵۹)، سنن الدارقطني (۲۳۲/۳)

قال البوصيري: هذا إسناد صحيح رجاله ثقات، انظر مصباح الزجاجة (۲۹۲/۱)

۲۔ (٤٢٤٧/٩، ٤٢٤٨)

۳۔ انظر له: المبسوط للسرخسي (۱۲/٥)، الغرة المنيفة (۱۲۸/۱)

٤۔ الغرة المنيفة (۱۲۸/۱)

٥۔ التجريد (٤٢٥١/٩)

٦۔ المرجع السابق (٤٢٥٢/٩)

۷۔ سنن ابن ماجه (٦٣٣/۱) رقم (۱۹٦۸)، السنن الكبرى (۱۳۳/۷) رقم (۱٤۱۳۰)

قال ابن الهمامؒ في "الفتح" (۲۸۱:۳) عن هذا الحديث: ==

"يا علي! ثلاث لا تؤخرها: الصلاة إذا أتت والجنازة إذا حضرت، والأيم إذا وجدت لها كفوا". (1)

قول مفتی بہ کی تخریج

❶ قال ابن البزاز الكردري:

ذكر برهان الأئمة أن الفتوى في جواز النكاح بكرا كانت أو ثيبا على قول الإمام الأعظم رضي الله عنه لقوة دليل الإمام. قال الله تعالى: فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن. (2)

❷ قال قاضي خان:

في ظاهر الرواية عن أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- أنه يجوز النكاح بكرا كانت أو ثيبا زوّجت نفسها كفأ أو غير كفء..... وروي الحسن عن أبي حنيفة أنه يجوز النكاح إن كان كفأ وإن لم يكن كفأ لا يجوز النكاح أصلا واختلفت الروايات عن أبي يوسف والمختار في زماننا للفتوى رواية الحسن رحمه الله تعالى. (3)

"وروي ذلك من حديث عائشة وأنس وعمر من طرق عديدة فوجب ارتقاءه إلى الحجية بالحسن لحصول الظن بصحة المعنى وثبوته عنه صلى الله عليه وسلم، وفي هذا كفاية، ثم وجدنا في شرح البخاري للشيخ برهان الدين الحلبي ذكر أن البغوي قال إنه حسن".

وقال شيخنا العثماني في "الإعلاء" (11: 75) عنه:

"وفي فتح الباري (9: 107) وأخرجه ابن ماجه وصححه الحاكم وأخرجه أبو نعيم من حديث عمر أيضا، وفي إسناده مقال: ويقوى أحد الإسنادين بالآخر 1 هـ قلت: والجملة الأولى ذكرها في "كنز العمال" (8: 344) وعزاه إلى تمام، والضياء المقدسي عن انس مرفوعا، وإسناد الحافظ الضياء صحيح على قاعدة "المتقى" في كنز العمال، وعزاه العلامة السيوطي في "الجامع الصغير" (1: 112) إلى مستدرك الحاكم، وسنن البيهقي وسنن ابن ماجه، ثم صححه بالرمز إلا أن فيه: "فانكحوا الأكفاء" موضع "وانكحوا الأكفاء". انتهى.

---

1 ـ سنن الترمذي (3/387) رقم (1075)

قال ابن الهمام في "الفتح" (3: 281) عنه: "وقول الترمذي فيه لا أرى إسناده متصلا منتف بما ذكرناه من تصحيح الحاكم" وقال الشيخ العثماني في "الإعلاء" (11: 75): "قلت: حسّنه السيوطي في "الجامع الصغير" (1: 118) بالرمز وصحح الحاكم والذهبي كلاهما كما في المستدرك (2: 162)".

2 ـ الفتاوى البزازية (4/118)

3 ـ الفتاوى الخانية (1/335)

❸ قال الحلبي:

نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي وله الاعتراض في غير الكفو وروى الحسن عن الإمام عدم جوازه وعليه فتوى قاضيخان وعند محمد ينعقد موقوفا ولو من كفو (انعقاد نكاح الحرة البالغة ونفاذه بغير إذن ولي القول المقدم فيه راجح كما هو المعروف وأما عدم جوازه في غير الكفو فمصرح بالإفتاء عليه كما ترى)

قال داماد أفندي:

قوله (وعليه فتوى قاضيخان) وهذا أصح وأحوط والمختار للفتوى في زماننا. [1]

❹ قال التمرتاشي والحصكفي:

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي، والأصل أن كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه ومالا فلا، وله أي للولي إذا كان عصبة الاعتراض في غير الكفو ما لم تلد منه ويفتي في غير الكفو بعدم جوازه أصلا وهو المختار للفتوى لفساد الزمان.

قال الشامي:

قوله (وهو المختار للفتوى) وقال شمس الأئمة: وهذا أقرب إلى الإحتياط، كذا في تصحيح العلامة قاسم. [2]

قال القهستاني:

نفذ نكاح حرة مكلفة ولو من غير كفؤ بلا ولي وله الاعتراض هنا وروى عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى بطلانه بلا كفؤ وبه أخذ كثير من مشايخنا كما في المحيط وعليه الفتوى كما في قاضيخان. [3]

❻ كذا في الكتب الأخر. [4]

١ـ ملتقى الأبحر مع شرحه مجمع الأنهر (١/٤٨٨-٤٩٠)

٢ـ الدر المختار مع رد المحتار (٤/١٥٠-١٥٢)

٣ـ جامع الرموز (١/٤٦٤،٤٦٥)

٤ـ النهر الفائق (٢/٢٠٢)، البحرالرائق (٣/١٩٤)، تبيين الحقائق (٢/١١٧)، الفتاوى الهندية (١/٢٩٢)، اللباب في شرح الكتاب (١/١٤٤)، فتاوى النوازل (١٧٤)، شرح الطائي على هامش الرمز (٢/١١٩)، العناية على هامش الفـ (٣/٢٤٨)، الكفاية الملحقة بالفتح (٣/٤٦)، المحيط البرهاني (٣/٩٨)، المبسوط للسرخسي (٥/١٣)، شرح الـ (١/٣٣٥)، شرح الوقاية (٢/٢٠)، شرح النقاية للملا على القاري (١/٥٦٦)، شرح النقاية لفخرالدين على هـ ... القاري (١/٥٦٦)

٧ قد اختار أصحاب المتون قول الإمام (١) وهذا من ترجيح له أيضًا.

٨ شراح المتون وغيرهم أخروا دليل الإمام فيها في كتبهم وهذا يُعَدّ أمارة ترجيح قوله –على ما صرح به الشامي في شرح العقود– (٢)

---

[١٥٠] اختلافی مسئلہ

إن زالت بكارتها بالزنا فهي كذلك (أى في حكم الأبكار في أن سكوتها رضا) عند أبي حنيفة –رحمه الله–، وقالا –رحمهما الله تعالى– : هى في حكم الثيب.

توضیح المقام:

واضح رہے کہ اس صورتِ مختلف فیہا میں زنا سے مخفی زنا مراد ہے جس کی تشہیر نہ ہوئی ہو اور نہ ہی وہ اس کی عادت بن چکا ہو کیونکہ اگر حالتِ تشہیر ہو یا وہ اس کی عادی ہونے کی بدولت کئی بار اس کی مرتکب ہو چکی ہے (اسی طرح اگر اس پر زنا کے سبب حد قائم کی جا چکی ہو) تو بالاتفاق نطق معتبر ہوگا محض سکوت کافی نہ ہوگا۔ (٣)

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

١ـ المختار للفتوى (٣/١٠٢)، كنز الدقائق (١٠٠)، الوقاية (٢/٢٠)، النقاية (١/٥٦٤،٥٦٥)، تنوير الأبصار (/١٥٠)، غرر الأحكام (١/٣٣٤)

الاختيار لتعليل المختار (٣/١٠٣،١٠٤)، تبيين الحقائق (٢/١١٧)، فتح باب العناية (١/٥٦٥)، الهداية (٣٣٥)، المبسوط للسرخسي (٥/١١).

ظر له: الاختيار (٣/١٠٦)، المبسوط للسرخسي (٥/٨)، مجمع الأنهر (١/٤٩٣)، البحر الرائق (٣/٢٠٥)، ة الشرنبلالي على الدرر (١/٣٣٦)، الهندية (١/٢٩٠)، اللباب للغنيمي (٢/١٤٥)، الجوهرة النيرة (٢/١١٧)، ائق (٢/٢٠٧)، شرح النقاية (١/٥٦٨)، عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية (٢/٢٢)

"البكر تستأمر والثيب تشاور قيل يا رسول الله! إن البكر تستحيي، قال: سكوتها رضاها".(۱)

حدیثِ بالا سے معلوم ہوا کہ شارع علیہ السلام نے باکرہ کے سکوت کو جو رضا مندی قرار دیا ہے اس کی علت بکارت نہیں بلکہ شرم و حیاء ہے اور وہ یہاں صرف موجود ہی نہیں بلکہ علی وجہ الأتم موجود ہے، کیونکہ جب وہ ایک مرتبہ شدتِ شہوت کے ہاتھوں مغلوب ہو کر یا کسی زور آور کے مجبور کرنے پر علی سبیل الإکراہ زنا کرا بیٹھی تو اب اس کی شرم اٹھ نہیں جائے گی بلکہ اور زیادہ ہو جائے گی کیونکہ اب عقدِ نکاح کے وقت سکوت کی بجائے ثیبہ کی طرح اس سے بلوانا اس کے زنا کو ظاہر کرنے کے مترادف ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اس سے غایت درجے کا حیاء کرے گی۔(۲)

قولِ مفتی بہ کی تخریج

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وإن زالت بزنا فكذلك عند أبي حنيفةؒ) قال في الهداية: وقال أبويوسف و محمد والشافعي: لا يكتفى بسكوتها، وقال الاسبيجابي: والصحيح قول أبي حنيفة واعتمده النسفي والمحبوبي.(۳)

❷ قال الحلبي:

ومن زالت بكارتها بوثبة أو حيضة أو جراحة أو تعنيس فهي بكر وكذا لو زالت بزنا خفي خلافا لهما(۴) (والقول المقدم فيه راجح كما مر غير مرة)

❸ قال قاضي خان:

وسكوت الثيب لا يكون رضا ولو صارت ثيبا بالوثبة أو بمبالغة الاستنجاء أو بمرور الزمان كان سكوتها رضا وكذا إذا صارت ثيبا بالزنا في قول أبي حنيفةؒ (۵) (فالاقتصار على قول الإمام في معرض بيان الخلاف ترجيح له على ما عرف في موضعه)

۱۔ مسند أحمد بن حنبل (۲/۲۲۹) رقم (۷۱۳۱) إسناده حسن على ما قال محققه شعيب الارنؤوط.

قلت-القائل العبد الضعيف-: ولكن الحديث صحيح كما أخرجه البخاري بغير لفظه في صحيحه (۱۳:۴۵) ولفظه "رضاها صمتها"، وابن حبان بهذا اللفظ في صحيحه (۹:۳۹۴) وكذا ابوعوانه في مستخرجه (۵:۱۱۱)، وابن الجارود في المنتقى (۱:۱۷۸) والنسائي في سننه (۶:۸۵)

۲۔ انظر له (بتسهيل): المبسوط للسرخسي (۵/۷)، الكفاية (۳/۴۸)، فتح باب العناية لملا على القاري (۱/۵۶۸)، البحر الرائق (۳/۲۰۵)، الموسوعة الفقهية (۴۱/۲۷۱)

۳۔ الترجيح والتصحيح (۳۳۶)

۴۔ ملتقى الأبحر (۱/۴۹۳) ۵۔ الفتاوى الخانية (۱/۳۴۲)

● قال الزحيلي:

قال الحنفية: من زنت مرة فقط ولم تحد بالزنا بكر حكما فيكتفي بسكوتها. [1]

● جميع أصحاب المتون اختاروا قول الإمام فيها.[2] وهذا ترجيح له.

● تأخير شراح المتون وغيرهم دليل قول الإمام فيها يدل على كونه راجحا عندهم وهذا معروف عند اهل العلم. [3]

[١٥١] اختلافی مسئلہ

إذا قال الزوج للبكر بلغكِ النكاح فسكتِّ وقالت بل رددت فالقول قولها ولا يمين عليها ولا يُستحلف في النكاح عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- وقالا -رحمهما الله تعالى- : يُستحلف فيه.

مفتی بہ قول:

فتوی اس میں صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے کہ نکاح میں قسم لی جائے گی اور صورتِ بالا میں عورت کا قول معتبر ہونے کے ساتھ ساتھ اس پر قسم بھی لازم ہوگی۔

ف:۔

بطور فائدہ کے یہ واضح رہے کہ مندرجہ بالا مسئلہ دراصل ''کتاب الدعویٰ'' سے متعلقہ ہے[4] (فتأتي مفصلة هناك)

١۔ الفقه الإسلامي وأدلته (٦٧١٦)

٢۔ المختار للفتوى (٣/١٠٦)، كنز الدقائق (١٠٠)، الوقاية (٢/٢٢)، مجمع البحرين (٥١٧)، النقاية (١/٥٦٨)، بداية المبتدى (١/٦٠)، تنوير الأبصار (٤/١٦٢)، غرر الأحكام (١/٣٣٦)

٣۔ مجمع الأنهر (١/٤٩٣)، تبيين الحقائق (٢/١٢٠)، الهداية (٢/٣٣٧)، الاختيار (٣/١٠٦)، شرح النقاية (١/٥٦٨)، بدائع الصنائع (٢/٥٠٩)، المبسوط للسرخسي (٥/٧)

٤۔ تجد هذه الفائدة في الكتب التالية وغيرها: الهداية: (٢/٣٣٨)، شرح مختصر الطحاوى للجصاص (٤/٢٨٩)، فتح القدير (٣/٢٦٥)، رد المحتار (٤/١٦٤)، البحرالرائق(٣/٢٠٦)

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

قسم کھلانے کی صورت میں قسم کھانے سے انکار کرنا گویا خصم کے دعوی کا اقرار کرنا ہے یعنی "نکول" اقرار کے قائم مقام ہے اور یہ امرِ معلوم ہے کہ نکاح کے باب میں اقرار جاری ہوتا ہے لہٰذا جب اقرار جاری ہوتا ہے تو انکار بھی جاری ہوگا اور انکار کی صورت میں منکر سے استحلاف یعنی قسم لی جاتی ہے اس لیے یہاں بھی نکاح میں قسم لی جائے گی اور صورتِ مذکورہ میں عورت پر قسم لازم ہوگی۔ (۱)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الحلبی:

ولو قال الزوج سكتّ وقالت: رددت ولا بينة له فالقول لها وتحلّف عندهما لا عند الإمام.

قال داماد أفندی:

(لا) تحلف (عند الإمام) والمختار للفتوى قولهما ولهذا قدمه. (۲)

قال الحصكفي:

قوله (وتحلف عندهما لا عند الإمام) سيصرح في الدعوى أن على قولهما الفتوى. (۳)

❷ قال التمرتاشي والحصكفي:

قال الزوج للبكر البالغة بلغک النكاح فسكتت وقالت رددت النكاح ولا بينة لهما على ذلک ولم يكن دخل بها طوعا في الأصح فالقول قولها بيمينها على المفتی به.

قال ابن عابدين:

قوله (على المفتی به) وهو قولهما وعنده لا يمين عليه كما سيأتي في الدعوى في الاشياء الستّة. (۴)

❸ قال ابن الهمام:

قوله (وإذا قال الزوج بلغک الخ)...... ولو لم يكن للزوج بينة تذهب من عصمته من غير يمين تلزم به عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى وعندهما عليها، فإن نكلت بقي النكاح عندهما وهي مسألة

۱۔ انظر له (بتسهيل): الهداية (۳/۲۱۲)، المبسوط للسرخسی (۵/۵)، البدائع للكاسانی (۵/۳۴۰)

۲۔ مجمع الأنهر على ملتقى الأبحر (۱/۴۹۴)

۳۔ الدر المنتقى في شرح الملتقى (۱/۴۹۳)

۴۔ الدر المختار مع رد المحتار (۴/۱۶۳،۱۶۴)

الاستحلاف في الأشياء الستّة -إلى أن قال- وسيأتي في الدعوى صورها والفتوى على قولهما فيها.(١)

❹ قال ابن نجيم:

قوله (والقول لها إن اختلفا في السكوت) أى لو قال الزوج بلغك النكاح فسكت وقالت رددت ولا بينة لهما ولم يكن دخل بها فالقول قولها -إلى أن قال- ولم يذكر المصنف أن عليها اليمين للاختلاف، فعند الإمام لا يمين عليها وعندهما عليها اليمين وعليه الفتوى كما سيأتي في الدعوى في الأشياء الستّة. (٢)

❺ قال القهستاني:

وقولها رددت أولى من قوله سكت وتقبل بينته على سكوتها ولا تحلّف هى إن لم يقم الزوج بينة على سكوتها وهذا مما لا يحلّف فيه عنده خلافا لهما وهو المختار كما في المضمرات. (٣)

❻ كذا في الكتب الأخر. (٤)

١ـ فتح القدير (٣/٢٦٣-٢٦٥)

٢ـ البحرالرائق (٣/٢٠٦)

٣ـ جامع الرموز (١/٤٦٣،٤٦٤)

٤ـ الفتاوى الهندية (١/٢٨٩)، حاشية الطحطاوى على الدر (٢/٣٢)، النهر الفائق (٢/٢٠٧)، الفتاوى الخانية (١/٤٠٤)، غواص البحرين (١/٤٦٤)، شرح النقاية لملا على القارى (١/٥٦٩)، حاشية الشرنبلالى على الدرر (١/٣٣٦)، كنز الدقائق (٣١٣)، اللباب في شرح الكتاب (٢/١٤٥)، الجوهرة النيرة (٢/١١٧)، الاختيار لتعليل المختار (٢/١٢٢)، شرح الطائى على الكنز (١/١٢٠)، الفقه الإسلامى وأدلته (٥٩٩٢)، الموسوعة الفقهية (٧/٥٦)

[١٥٢] اختلافی مسئلہ

قال أبو حنيفة -رحمه الله تعالى- (وأبويوسف[١]): يجوز لغير العصبات من الأقارب التزويج مثل الأخت والأم والخالة (وقال محمد: ليس لغير العصبات من الاقارب ولاية التزويج[٢])

توضیح المقام:

واضح رہے کہ یہ اختلاف عصبات نہ ہونے کی صورت میں ہے۔[٣]

مفتی بہ قول:

فتوی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا مذہب بھی یہی تھا۔[٤]

(۲) اس ولایتِ نکاح میں اصل چیز وہ قرابت ہے جو "مُوَلّٰی علیه" کے حق میں شفقت و ہمدردی کی باعث ہو اور اس کا تحقق ہر اس شخص میں ہوتا ہے جو "قرابت" کے ساتھ مختص ہو، چونکہ ماں، بہن اور خالہ وغیرہ میں قرابت کے ساتھ شفقت و ہمدردی بھی جمع ہے اس لیے عصبات کے نہ ہونے کی صورت میں ان لوگوں کے لئے نکاح کرانا جائز ہوگا و هو ما

١ـ قول أبي يوسف فيه مضطرب ، فعلى قول الجمهور وهو الأصح أنه مع أبي حنيفة رحمه الله تعالى، انظر له: البحرالرائق(٣/٢١٨)، تبيين الحقائق (٢/١٢٦)، فتح القدير (٣/٢٧٥)، مجمع الأنهر (١/٤٩٨)، حاشية الطحطاوى على الدر (٢/٣٨، ٣٩)، النهر الفائق (٢/٢١٤)، رمز الحقائق (١/١٢١)، رد المحتار (٤/١٨٤)، الدر المنتقى (١/٤٩٨)

٢ـ تبيين الحقائق للزيلعي (٢/١٢٦) ، حاشية ابن عابدين (٤/١٨٤)

٣ـ راجع له: الاختيار لتعليل المختار (٣/١٠٨)، الجوهرة النيرة (٢/١٢٢)، رد المحتار (٤/١٨٤)، كنز الدقائق (١٠١)، الهداية (٢/٣٤٠)

٤ـ الاختيار لتعليل المختار (٣/١٠٨)

نحن فيه[1]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي:

فإن لم يكن عصبة فالولاية للأم ثم للأخت لأب و ام ا ه

قال الشامي:

قوله (فالولاية للأم الخ) أي: عند الإمام ومعه أبويوسف في الأصح. وقال محمد: ليس لغير العصبات ولاية، وإنما هي للحاكم، والأول الاستحسان والعمل عليه إلا في مسائل، ليست هذه منها، فما قيل من أن الفتوى على الثاني غريب لمخالفته المتون الموضوعة لبيان الفتوى. [2]

❷ قال سراج الدين ابن نجيم:

(وإذا لم يكن عصبة فالولاية للأم ثم الأخت لأب وأم ا ه)...... وهذا عند الإمام -إلى أن قال- ومن ثم كان قول الإمام استحسان وما قاله غيره قياس وقد عرف أن العمل على الاستحسان، إلا في مسائل محصورة، ليس هذا منها فما في "تهذيب القلانس" من أن ما قالاه رواية ابن زياد وعليه الفتوى غريب. [3]

❸ قال الطحطاوي:

(فان لم يكن عصبة فالولاية للأم) هذا قول الإمام والجمهور على أن الثاني معه وهو الأصح قاله الشارح وغيره وقال محمدٌ: ليس لغير العصبات ولاية وإنما هي للحاكم وقول الإمام استحسان وما قاله غيره قياس وقد عرف أن العمل على الإستحسان إلا في مسائل، ليس هذا منها. [4]

❹ كذا في الكتب الأخر. [5]

١ـ انظر له: الاختيار (٣/١٠٩)، مجمع الأنهر (١/٤٩٨)، الهداية (٢/٣٤٠)، المبسوط للسرخسي (٤/٢٢٣)، البحرالرائق (٣/٢١٨)، النهرالفائق (٣/٢١٥)، تبيين الحقائق (٢/١٢٦)، كشف الحقائق (١/١٦٨)

٢ـ رد المحتار (٤/١٨٤)

٣ـ النهر الفائق (٢/٢١٥)

٤ـ حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٢/٣٨،٣٩)

٥ـ البحرالرائق (٣/٢١٨)، مجمع الأنهر (١/٤٩٨)، الفتاوى السراجية (٣٧)

● كذا في "الخانية" [1] و "الملتقى" [2] حيث قُدِّم قولُ الإمام فيهما وهو أمارة المختار في الباب.

● قول الإمام قول المتون[3] وهذا ترجيح له أيضًا.

● قول الإمام استحسان قد صرح به كثير من الشراح وغيرهم (ولا يخفى عليك أن العمل عند الفقهاء على الاستحسان إلا في مسائل معدودة وهي ليست منها) [4]

● وأخر دليل الإمام أصحاب الشروح فيها حتى ضمنوه جواب دليل غيره (وذاك من ترجيح لقول الإمام وهو معروف) [5]

---

[۱۵۳] مسئلہ

الغيبة المنقطعة أن يكون في بلد لا تصل إليه القوافل في السنة إلا مرة واحدة.

قولِ اصح:

قولِ اصح کے موافق "غیبت منقطعہ" کی تعریف یہ ہے کہ جب ولیٔ اقرب ایسی جگہ میں ہو کہ اگر اس کے پہنچنے یا اس کی رائے معلوم کرنے کا انتظار کیا جائے تو کفو والا رشتہ جو اَب میسر ہے وہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ☆

١ـ الفتاوى الخانية (١/٣٥٥)

٢ـ ملتقى الأبحر (١/٤٩٧، ٤٩٨)

٣ـ المختار للفتوى (٣/١٠٨)، كنز الدقائق (١٠١)، الوقاية (٢/٢٧)، النقاية (١/٥٧٢)، تنوير الأبصار (٤/١٨٤)، غرر الأحكام (١/٣٣٨)

٤ـ مجمع الأنهر (١/٤٩٨)، الجوهرة النيرة (٢/١٢٢)، الهداية (٢/٣٤٠)، الدر المنتقى (١/٤٩٨)، تبيين الحقائق (٢/١٢٦)، حاشية الطحطاوى على الدر (٢/٣٩)، المبسوط للسرخسى (٤/٢٢٣)

٥ـ فتح القدير (٣/٢٧٦)، الاختيار (٣/١٠٩)، تبيين الحقائق (٢/١٢٦)

☆...... **فوائد:**

١ – قد اختلف التصحيح والإفتاء في حد "الغيبة المنقطعة" كما ترى في الدر المختار ورد المحتار كليهما (٤:١٨٩) والترجيح لابن قطلوبغا (٣٣٨، ٣٣٩) و مجمع الأنهر (١:٤٩٩)

٢ـ لَمّا وقع "التصحيح" لأقوال شتى فيها و كان القول السالف ذكره (أى فوات الكفو في الانتظار) "أصح" من تلك الأقوال و كذلك الإفتاء عليه "احسن" حسب تصريح الفقهاء والمشايخ، بهذين الأمرين أختير هذا القول من بين أقوال أخر.

مستدلہ:

فقہ کا اصول ہے: "الضرر يزال" (۱)

چونکہ ولیٔ اقرب (باپ وغیرہ) کی ولایت کی بنیاد شفقت پر ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں جبکہ اس کے کفو کا شوہر ہاتھ سے نکل رہا ہو، اب اس ولایت کو باقی رکھنا اس لڑکی کے حق میں شفقت و ہمدردی نہیں بلکہ مضرت ہے، لہٰذا ولیٔ ابعد کے ہاتھ میں اس کی ولایت دے کر ضرر مذکور کو زائل کیا جائے گا۔ (۲)

تخریجہ:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

وللولي الأبعد التزويج بغيبة الأقرب مسافة القصر واختار في الملتقى ما لم ينتظر الكفء الخاطب جوابه واعتمده الباقاني ونقل ابن الكمال أن عليه الفتوى.

قال الشامي:

قوله (مسافة القصر) اختلف في حد الغيبة..... وقال في الذخيرة: الأصح أنه إذا كان في موضع لو انتظر حضوره أو استطلاع رأيه فات الكفء الذى حضر فالغيبة منقطعة، وفى البحر عن المجتبى والمبسوط: أنه الأصح، وفى النهاية: واختاره أكثر المشايخ وصحّحه ابن الفضل وفى الهداية: أنه أقرب إلى الفقه وفى الفتح: أنه الأشبه بالفقه، وفى شرح الملتقى عن الحقائق: أنه أصح الأقاويل، وعليه الفتوى اهـ.

وعليه مشى في الاختيار والنقاية ويشير كلام النهر إلى اختياره، وفى البحر: والأحسن الإفتاء بما عليه أكثر المشايخ. (۳)

❷ قال ابن نجيم:

قوله (وللأبعد التزويج بغيبة الأقرب مسافة القصر) ..... واختلف في حد الغيبة -إلى أن قال- واختار أكثر المشايخ كما في النهاية أنها مقدرة بفوت الكفء الخاطب باستطلاع رأيه،

۱ـ الأشباه والنظائر لابن نجيم (۱/۸۵)، شرح الكوكب المنير (٤/٤٤٢)، شرح القواعد الفقهية (۱/۱۰۵)، غاية الوصول في شرح لب الأصول (۱/۱۵٦)، قواعد الفقه للبركتي (۱/۹۳).

۲ـ مستفاد مما بليك (بإضافة يسيرة): المبسوط للسرخسي (٤/۲۲۲)، بدائع الصنائع (۲/۵۲۱)، الهداية (۲/٤۱۳)، شرح النقاية (۱/۵۷۲)

۳ـ الدر المختار مع رد المحتار (٤/۱۸۹)

وصححه ابن الفضل، وفي الهداية: وهذا أقرب إلى الفقه لأنه لا نظر في إبقاء ولايته حينئذٍ.

وفي المجتبى والمبسوط والذخيرة: وهو الأصح، وفي الخلاصة: وبه كان يفتي الشيخ الإمام الأستاذ..... والحاصل أن التصحيح قد اختلف والأحسن الإفتاء بما عليه أكثر المشايخ.[1]

قال ابن عابدين:

قوله (والأحسن الإفتاء بما عليه أكثر المشايخ) أي من تقدير الغيبة بمدة يفوت فيها الكفء الخاطب. وقال في الفتح: إنه الأشبه بالفقه اهـ. وتقدم ترجيحه عن الهداية ومشى عليه في المنتقى والاختيار والنقاية.[2]

❸ قال السرخسي:

والأصح أنه إذا كان في موضع لو انتظر حضوره أو استطلاع رأيه فات الكفء الذى حضر لها فالغيبة منقطعة وإن كان لا يفوت فالغيبة ليست بمنقطعة.[3]

❹ قال الحلبي والحصكفي:

وللأبعد التزويج إذا كان الأقرب غائبا بحيث لا ينتظر الكفو الخاطب حضوره أو جوابه هذا أصح الأقاويل وعليه الفتوى كذا في الحقائق وقيل مسافة السفر، قال في الكافي: وعليه الفتوى، والمعتمد الأول كما أفاده الباقاني.[4]

❺ كذا في الكتب الأخر.[5]

١ـ البحر الرائق (٣/٢٢٢)

٢ـ منحة الخالق (٣/٢٢٢)

٣ـ المبسوط (٤/٢٢٢)

٤ـ الدر المنتقى (١/٤٩٩)

٥ـ المحيط البرهاني (٣/١٣٠)، حاشية الطحطاوي على الدر (٢/٤٠)، جامع الرموز (١/٤٦٨)، مجمع الأنهر (١/٤٩٩)، الترجيح والتصحيح (٣٣٩،٣٣٨)، الهداية (٢/٣٤١)، الاختيار لتعليل المختار (٣/١١٠)، ملتقى الأبحر (١/٤٩٨) من حيث تقديم هذا القول، بدائع الصنائع (٢/٥٢١)، النهر الفائق (٢/٢١٦)

[۱۵۴] مسئلہ

فإذا تزوجت المرأة بغير كفو فللاولياء أن يفرقوا بينهما.

مفتی بہ قول:

اگر عورت غیر کفو میں نکاح کرلے تو فتویٰ اس پر ہے کہ یہ نکاح درست ہی نہیں ہوا (یعنی اس میں اولیاء کو تفریق و عدمِ تفریق کا اختیار (ويسمى هذا الاختيار ب "الاعتراض" في الفقه) نہیں ہے کیونکہ یہ اختیار تو تب ہوتا جب نکاح درست ہو چکا ہوتا جبکہ یہاں تو نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا)

مستدلہ:

ومن أصول الفقه أنه قد يبتني الحكم على تغير الزمان وفساده، وقد جرى هذا في كثير من المسائل الفقهية كما هو ظاهر.

لہٰذا زمانہ میں اب چونکہ فساد ہے، نہ ہر قاضی انصاف کرتا ہے اور نہ ہر ولی قاضی کے پاس مقدمہ لے جانے کو بحسن وخوبی سرانجام دیتا ہے اور قاضی کے سامنے جا کر اپنے مقدمے کے لیے بیٹھنا بھی ذلت سے کم نہیں ہے لہٰذا اس تمام صورتِ حال کے پیشِ نظر نکاح کے عدمِ انعقاد کا قول کرکے یہ دروازہ ہی بند کر دیا گیا۔ [1]

تخریج:

❶ قال ابن الهمام:

قوله (وإذا زوّجت المرأة نفسها من غير كفء فللأولياء أن يفرقوا بينهما دفعًا للعار عن أنفسهم)...... هذا على ظاهر الرواية، أما على الرواية المختارة للفتوىٰ لا يصح العقد أصلا إذا كانت زوّجت نفسها من غير كفء. [2]

❷ قال ابن نجيم:

قوله (من نكحت غير كفء فرق الولي) لما ذكرناه وهذا ظاهر في انعقاده صحيحا

۱۔ مستفاد مما يلي: الدرالمختار مع رد المحتار (۱۵۲/٤)، البحرالرائق (۱۹٤/۳)، المبسوط للسرخسي (۱۳/٥)، الخانية (۳۳٥/۱)، شرح ابن مالك على هامش المجمع (٥۲۲)، شرح النقاية (٥٦٦/۱)

۲۔ فتح القدير (۲۸۳/۳، ۲۸٤)

وهو ظاهر الرواية عن الثلاثة...... وان المفتىٰ به رواية الحسن عن الإمام من عدم الإنعقاد أصلاً.[1]

❸ قال التمرتاشي والحصكفي:

وله أى للولى إذا كان عصبة الاعتراض في غير الكفء مالم تلد منه ويفتى في غير الكفء بعدم جوازه أصلا وهو المختار للفتوى لفساد الزمان.

قال ابن عابدين:

قوله (وهو المختار للفتوى) وقال شمس الأئمة : وهذا أقرب إلى الاحتياط ، كذا في تصحيح العلامة قاسم؛ لأنه ليس كل ولى يحسن المرافعة والخصومة ولا كل قاض يعدل.[2]

❹ في الهندية:

ثم المرأة إذا زوّجت نفسها من غير كفء صح النكاح في ظاهر الرواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى:..... ولكن للأولياء حق الاعتراض وروى الحسن عن أبي حنيفةؒ أن النكاح لا ينعقد وبه أخذ كثير من مشايخنا رحمهم الله تعالى كذا في المحيط والمختار في زماننا للفتوى رواية الحسن.[3]

❺ قال الملا على القارى:

وله أى للولى الاعتراض هنا أى فيما لوزوجت نفسها من غير كفؤ بأن يطلب من القاضى التفريق بينهما...... وروى بطلانه أى بطلان نكاحه إذا زوّجت نفسها بلا كفؤ روى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله وفى الخانية هذا أصح وأحوط والمختار للفتوى في زماننا.[4]

❻ كذا في الكتب الأخر.[5]

❼ وانظر له تخريج المسألة الثانية من هذا الكتاب –كتاب النكاح– أيضا (نصها: ينعقد نكاح المرأة الحرة البالغة الخ)

١ـ البحر الرائق (٣/٢٢٦)

٢ـ الدر المختار مع رد المحتار (٤/١٥٢)

٣ـ الفتاوى الهندية (١/٢٩٢)

٤ـ شرح النقاية (١/٥٦٥،٥٦٦)

٥ـ الدر المنتقى (١/٥٠٥)، المبسوط للسرخسى (٥/١٣)، النهر الفائق (٢/٢١٨)، اللباب في شرح الكتاب (٢/١٤٨)، حاشية الشلبى على التبيين (٢/١٢٨)، شرح الوقاية (٢/٢٠)، جامع الرموز (١/٤٦٥)، شرح ابن مالك على هامش مجمع البحرين (٥٢٢)، الدرر مع الغرر لملا خسرو (١/٣٣٥)، شرح النقاية لفخرالدين على هامش فتح باب العناية (١/٥٦٦)، الفقه الإسلامى للزحيلى (٦٦٩٨)، الموسوعة الفقهية [illegible]

[۱۵۵] اختلافی مسئلہ

اذا تزوجت المرأة (من كفء[1]) ونقصت من مهر مثلها فللأولياء الاعتراض عليها عند أبي حنيفة (رحمه الله تعالى) حتى يتم لها مهر مثلها أو يفرقها (وقالا: ليس لهم ذلك[2])

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

امرأۂ مذکورہ نے اس عمل سے اپنے اولیاء کے ساتھ عار کو ملحق کر دیا ہے کیونکہ اولیاء مہرِ مثل (یعنی مہر کی زیادتی) پر آپس میں فخر اور اس کی کمی کی صورت میں ایک دوسرے کے سامنے عار محسوس کرتے ہیں لہٰذا انہیں اعتراض کا حق حاصل ہوگا تاکہ وہ اپنے نفوس سے اس عار کو دور کر سکیں۔[3]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الحلبي:

لو نقصت عن مهر مثلها، له أن يفرق إن لم يتم خلافا لهما[4] (فمن المعلوم أن القول المقدم فيه راجح حسب تصريح المصنف نفسه والشامي به)

❷ قال قاضي خان:

نقصت عن مهرها نقصانا فاحشا كان لأوليائها أن يطالبوه بالتبليغ إلى تمام مهر المثل أو بالفسخ[5] (ولم يذكر فيها قولهما والمعرض معرض البيان فالاقتصار على قوله في هذا المقام لكونه

١ـ اللباب في شرح الكتاب (٢/١٤٩)

٢ـ الجوهرة النيرة (٢/١٢٥)، الهداية (٢/٣٤٣)، اللباب في شرح الكتاب (٢/١٤٩)، تبيين الحقائق (٢/١٣٠)، النهر الفائق (٢/٢٢٤)، الترجيح والتصحيح (٣٤١)

٣ـ درر الحكام شرح غرر الأحكام (١/٣٤٠)

٤ـ ملتقى الأبحر (١/٥٠٤)

٥ـ الفتاوى الخانية (١/٣٥١)

راجحا في الباب)

❸ قد اختار أصحاب المتون قول الإمام[1] فهذا ترجيح له أيضًا.

❹ قال التمرتاشي والحصكفي:

ولو نكحت بأقل من مهرها فللولي العصبة الاعتراض حتى يتم مهر مثلها أو يفرق القاضي بينهما دفعًا للعار.

قال الشامي:

قوله (دفعا للعار) أشار إلى الجواب عن قولهما: "ليس للولي الاعتراض" ؛ لأن ما زاد على عشرة دراهم حقها، ومن أسقط حقه لا يعترض عليه، ولأبي حنيفة أن الأولياء يفتخرون بغلاء المهور ويتعيرون بنقصانها فأشبه الكفاءة -بحر- والمتون على قول الإمام[2] (فصنيعه هذا يدل دلالة صريحة على ترجيح قوله)

❺ **كثير من الشراح أخروا فيها دليل الإمام عن دليلهما وأكثرهم -بعد أن أخروا دليله- ضمّنوه جواب دليلهما[3] (فهذا الدأب منهم يدل على ترجيح قوله كما مرّ غير مرة)**

---

[١٥٦] مسئلہ

وإن طلّقها قبل الدخول بها والخلوة فلها المتعة وهي ثلاثة أثواب من كسوة مثلها.

تصحیح الاقوال:

صورتِ بالا میں تین اقوال کی تصحیح کی گئی ہے:

۱۔عورت کی حالتِ یسار واعسار کے اعتبار سے اسے کسوہ ملے گا۔[4]

۱ـ المختار للفتوى (٣/١١٤)، كنز الدقائق (١٠٢)، الوقاية (٢/٣٠)، النقاية (١/٥٧٧)، غرر الأحكام (١/٣٤٠)، تنوير الأبصار (٤/٢٠٩)

٢ـ حاشية ابن عابدين (٤/٢١٠)

٣ـ البحرالرائق (٣/٢٣٦)، تبيين الحقائق (٢/١٣٠)، النهر الفائق (٢/٢٢٤)، الهداية -شرح البداية- (٢/٣٤٣)، رمز الحقائق (١/١٢٢)، مجمع الأنهر (١/٥٠٥)

٤ـ كما في: الهندية (١/٣٠٤)، جامع الرموز (١/٤٧٧)، الترجيح والتصحيح (٣٤٢)

۲۔ مرد کی حالت کے اعتبار سے کسوہ ملے گا۔[1]

۳۔ دونوں کی (یسار و اعسار کی) حالت کی رعایت کرتے ہوئے عورت کو کسوہ دیا جائے گا۔

قولِ اصح و مفتی بہ:

ان تین اقوال میں سے آخری قول اصح و ارجح ہے اور لائقِ فتویٰ ہے۔

مستدلہ:

(۱) **قوله تعالیٰ:**

﴿وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ﴾ الآية[2]

''متعہ'' کے بیان میں آیتِ بالا کے اندر اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا ذکر کیا ہے:

۱ - ﴿عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ﴾

آیت کا یہ جزو اس بارے میں صریح ہے کہ متعہ دینے میں مرد کی حالتِ یسار و اعسار کا اعتبار کیا جائے گا۔

۲ - ﴿مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ﴾

اس میں لفظِ ''معروف'' سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی حالت کا اعتبار کیا جائے کیونکہ اگر ہم اس میں عورت کی حالت کی بجائے مرد کے حال کا اعتبار کریں تو ممکن ہے کہ بعض دفعہ یہ ''بالمعروف'' نہ ہو جیسے کوئی مرد دو عورتوں سے نکاح کرے جن میں سے ایک ''شریفہ'' یعنی معزز خاندان کی ہو اور دوسری ''وضیعہ'' یعنی گھٹیا اور کم تر طبقہ کی ہو پھر یہ ان دونوں کو خلوت و دخول سے پہلے طلاق دے دے تو اس میں متعہ دینے کیلئے اگر ''حالِ رجل'' کا اعتبار کیا جائے تو پھر اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ دونوں عورتیں متعہ پانے میں برابر درجہ کی ہوں حالانکہ یہ لوگوں کے عرف و عادات میں ''منکر'' ہے نہ کہ ''معروف''، لہٰذا یہ خلافِ نص ہو جائے گا اس لیے اس میں ''حالِ امرأۃ'' کا اعتبار کیا جائے گا تا کہ یہ ''معروف'' کے زمرہ و مصداق میں آسکے۔

الحاصل اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا فرمان (**ومتعوهن على الموسع...... بالمعروف**) کا مقتضیٰ یہ ہے کہ متعہ دینے میں مرد و عورت ہر دو کی حالت کا اعتبار کیا جائے۔[3]

(۲) ''متعہ'' کو ''نفقہ'' پر قیاس کیا ہے کہ جیسے عورت کو نفقہ دینے میں قولِ راجح کے موافق زوجین کی حالتِ یسار و اعسار کا

١ـ كما في: الهداية (٢/٣٤٦)، الجوهرة النيرة (٢/١٢٩)، فتاوى النوازل (١٨٢)، الكفاية (٣/٥٥)، الهندية (١/٣٠٤)، الوقاية (٢/٣٦)

٢ـ سورة البقره، الآية (٢٣٦)

٣ـ مستفاد (بتسهيل) من: بدائع الصنائع (٢/٦٠٤)، أحكام القرآن للجصاص (٢/١٤٣، ١٤٤)

اعتبار کیا جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔[1]

تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

وتعتبر المتعة بحالهما كالنفقة، به يفتى

قال الشامي:

قوله (وتعتبر المتعة بحالهما) أی: فإن كانا غنيين فلها الأعلى من الثياب، أو فقيرين فالأدنى، أو مختلفين فالوسط. وما ذكره قول الخصاف. وفی الفتح: إنه الأشبه بالفقه، والكرخي اعتبر حالهما واختاره القدوری، والإمام السرخسی اعتبر حاله وصححه في الهداية.

قال في البحر: فقد اختلف الترجيح والأرجح قول الخصاف؛ لأن الولوالجی صححه وقال: وعليه الفتوی كما أفتوا به في النفقة.[2]

❷ قال الولوالجی:

المتعة: حال من تعتبر فيها، حال المرأة أم حال الرجل؟...... والخصاف اعتبر حالهما والصحيح ما ذكر الخصاف وعليه الفتوی.[3]

❸ قال ابن نجيم:

ولم يذكر المصنف اعتبارها (أی المتعة) بحاله أو بحالها للاختلاف فالكرخی اعتبر حالها...... والإمام السرخسی اعتبر حاله...... والإمام الخصاف اعتبر حالهما قالوا: وهو أشبه بالفقه. وصححه الولوالجی لأن في اعتبار حاله تسوية بين الشريفة والخسيسة وهو منكر بين الناس فقد اختلف الترجيح والأرجح قول الخصاف لأن الولوالجی في فتاواه صححه وقال: وعليه الفتوی.[4]

❹ قال الزحيلی (في ذكر مذهب الحنفية فيها):

١ـ درر الحكام شرح غرر الأحكام (١/٣٤٣)، الفتاوی الولوالجية (١/٣٣١)، الدر المختار (٤/٢٣٥)، الفقه الإسلامی للزحيلی (٦٨٣٤)

٢ـ الدر المختار مع رد المحتار (٤/٢٣٥، ٢٣٦)

٣ـ الفتاوی الولولجية (١/٣٣١)

٤ـ البحر الرائق (٣/٢٥٩)

والمفتى به أن المتعة تعتبر بحال المزوجين كالنفقة.[1]

كذا في الكتب الأخر.[2]

[۱۵۷] اختلافی مسئلہ

وإذا خلا المجبوب بامرأته ثم طلقها فلها كمال المهر عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى (وقالا -رحمهما الله تعالى-: لها نصف المهر[3])

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) قال عمر رضي الله عنه:

"ما ذنبهن إن جاء العجز من قِبَلكم لها الصداق كاملا و العدة كاملة".[4]

اس اثر میں اس طرف اشارہ ہے کہ صورتِ بالا میں عورت مکمل مہر کی مستحق ہوگی (کیونکہ اس میں عورت کا کوئی قصور نہیں ہے عجز مرد کی طرف سے متحقق ہوا ہے)[5]

(۲) مجبوب کے شادی کرنے کی غرض عورت سے استمتاع ہے نہ کہ ایلاج، اورعورت نے اس غرض کیلئے اپنے آپ کو

١ـ الفقه الإسلامي و أدلته (٦٨٣٤)

٢ـ الفتاوى الهندية (١/٣٠٤)، النهر الفائق (٢/٢٣٤)، حاشية الطحطاوي على الدر (٢/٥٢)، حاشية الشرنبلالي على الدرر شرح الغرر (١/٣٤٣)، فتح القدير (٣/٣١٤)، حيث قال: "هو أشبه بالفقه" و كذا في الآتية: تبيين الحقائق (٢/١٤٠)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (١/٣٤٣)

٣ـ الجامع الصغير للإمام محمد (١/١٨٧)، الجوهرة النيرة (٢/١٣٣)، الترجيح و التصحيح (٣٤٥)، الهداية (٢/٣٤٨)، الاختيار (٣/١١٧)، البحرالرائق (٣/٢٧١)، النهر الفائق (٢/٢٤٠)

٤ـ مصنف عبدالرزاق (٦/٢٨٨) رقم (١٠٨٧٣) – قلت: رجاله ثقات معروفون.

٥ـ فتح باب العناية لملا علي القاري (١/٥٨٢)

اس کے حوالے کر دیا ہے الہدایہ ''کلِ بدل'' (یعنی مکمل مہر) کی مستحق ہوگی۔ (1)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال قاسم بن قطلوبغا:

قوله (وإذا خلا المجبوب بامرأته فلها كمال المهر عند أبي حنيفة) قال أبو المعالي في شرحه: وقالا: لها نصف الصداق، والصحيح قوله. (٢)

❷ قال الحلبي:

وإذا خلا بها بلا مانع من الوطى..... لزمه تمام المهر ولو كان خصيا أو عنينا وكذا لو كان مجبوبا خلافا لهما(٣) (فالقول المقدم فيه راجح كما مر غير مرة)

❸ قال قاضي خان:

إن علم الزوج وهو يقدر على وطئها صحت الخلوة وكان عليه كل المهر، خلوة العنين صحيحة وكذا خلوة المجبوب (صحيحة أى يلزم بها كل المهر) عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى (٤) (فاقتصاره على قول الإمام يدل على كونه راجحا عنده كما عرف في موضعه) وكذا في الهندية(٥) حيث اقتصر على قوله.

❹ قول الإمام قول المتون (٦) وهذا ترجيح له أيضًا.

❺ أخر الشراح دليل الإمام فيها (وهذا من ترجيح له كما تقدم) (٧)

١ـ مجمع الأنهر (١/٥١٥)، شرح النقاية (١/٥٨٢)

٢ـ الترجيح والتصحيح (٣٤٥)

٣ـ ملتقى الأبحر (١/٥١٥)

٤ـ الفتاوى الخانية (١/٣٩٨)

٥ـ الفتاوى الهندية (١/٣٠٥)

٦ـ المختار للفتوى (٣/١١٧)، كنز الدقائق (١٠٤)، الوقاية (٢/٣٨)، النقاية (١/٥٨١)، مجمع البحرين (٥٣٤)، غرر الأحكام (١/٣٤٤)

٧ـ البحر الرائق (٣/٢٧١)، تبيين الحقائق (٢/١٤٤)، النهر الفائق (٢/٢٤٠)، رمز الحقائق (١/١٢٥)، الهداية (٢/٣٤٨)، الاختيار (٣/١١٧)، النافع الكبير على هامش الجامع الصغير (١/١٨٦)، شرح النقاية (١/٥٨٢)

[۱۵۸] اختلافی مسئلہ

إذا اجتمع في المجنونة أبوها وابنها فالوليّ في نكاحها ابنها عند أبي حنيفة وأبي يوسف -رحمهما الله تعالى- وقال محمد (رحمه الله تعالى) أبوها.

مفتی بہ قول:

فتویٰ شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

قال عمر بن الخطابؓ: "إذا كان العصبة أحدهم أقرب بأم فهو أحق". [1]

شیخنا علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے اس کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے: اس سے ثابت ہوا کہ ولایتِ نکاح عصبات کو حاصل ہے۔[2] الحاصل ولایتِ تزویج کا مدار "عصوبت" پر ہے اور باپ اور بیٹا جب جمع ہو جائیں تو بیٹا عصبہ ہوتا ہے کیونکہ عصوبت میں بیٹا، باپ پر مقدم ہے۔[3]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ **قال الحلبي:**

وابن المجنونة مقدم على أبيها خلافا لمحمد[4] (فالقول المقدم فيه راجح وقد مر بيانه غير مرة)

١ـ في "إعلاء السنن" (١١/٧٢): رواه الإمام محمد في "كتاب الحجج" (٢٩٣) ثم قال في الحاشية: الأثر المعلق المذكور في المتن محتج به، حيث استدل به المجتهد في غير هذه المسألة.

٢ـ نفس المرجع السابق

٣ـ انظر له: بدائع الصنائع (٢/٥١٩)، الاختيار لتعليل المختار (٣/١٠٩)، الهداية (٢/٣٤١)، تبيين الحقائق (٢/١٢٧)، النهر الفائق (٢/٢١٧)، البحر الرائق (٣/٢٢٤)، رمز الحقائق (١/١٢١)، الفقه الإسلامي للزحيلي (٦٧٠٥)، اللباب في شرح الكتاب (٢/١٥٣)

٤ـ ملتقى الأبحر (١/٤٩٦)

❷ قال قاضي خان:

واختلف أصحابنا في الأب والابن إذا اجتمعا للمجنونة قال أبوحنيفة وأبويوسف (رحمهما الله تعالى) : الإبن أحق بتزويجها وقال محمدؒ: الأب أحق[1] (ولا يخفى على المفتي أن القول المقدم فيه راجح وقد صرح به الشاميؒ في شرح العقود)

❸ قال الأوشي:

ولاية تزويج المجنونة للابن دون الأب. [2]

❹ قد اختار أصحاب المتون قول الشيخين رحمهما الله تعالى[3] وهذا ترجيح له أيضًا.

❺ أخر الشراح وغيرهم دليلهما عن دليل محمدؒ (وهذا ترجيح لقولهما على ما عرف من دأبهم في المختار لَديهم) [4]

---

[١٥٩] اختلافی مسئلہ

إذا كان بالزوج جنون أو جذام أو برص فلا خيار للمرأة عند أبي حنيفة وأبي يوسف –رحمهما الله تعالى– وقال محمد رحمه الله تعالى: لها الخيار.

مفتی بہ قول:

فتوی شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(١) عن ابن جريج قال قلت لعطاء:

فالرجل إن كان به بعض الأربع: جذام أو جنون أو برص أو عفل، قال: ليس لها شيء

١ـ الفتاوى الخانية (٣٥٥/١)

٢ـ الفتاوى السراجية (٣٧)

٣ـ المختار للفتوى (١٠٩/٣)، كنز الدقائق (١٠١)، الوقاية (٢٨/٢)، الغرر مع الدرر (٣٣٨/١)، تنوير الأبصار (١٩٢/٤)

٤ـ البحر الرائق (٢٢٤/٣)، تبيين الحقائق (١٢٧/٢)، النهر الفائق (٢١٧/٢)، رمز الحقائق (١٢١/١)، الهداية (٣٤١/٢)، الاختيار (١٠٩/٣)، البدائع (٥١٩/٢)

هو أحق بها. [1]

(۲) عن الثوري في رجل يحدث به بلاء لا يفرق بينهما هو بمنزلة المرأة لا يرد الرجل ولا ترد المرأة. [2]

(۳) ان عیوب سے عورت پر ''استیفاء مقصود'' کا دروازہ بند نہیں ہوتا البتہ عورت کو اس مرد میں اس قدر رغبت نہیں ہوتی اور اس کے ساتھ رہنے سے ایک گونہ اذیت محسوس کرتی ہے، بہر حال ان امور سے اس کے لئے شرعاً خیار ثابت نہیں ہوتا جیسے اگر وہ شوہر بد اخلاق یا لنجا و لنگڑا وغیرہ ہو (یعنی جس طرح یہ عیوب (بد خلقی وغیرہ) مثبت خیار نہیں اسی طرح زیر بحث مذکورہ عیوب (جذام وغیرہ) بھی نہیں ہوں گے)۔ [3]

علامہ عینیؒ نے اس موقع پر یوں کہا ہے کہ عقدِ نکاح سے مقصود وطی ہے اور یہ مقصود ان عیوب کی موجودگی میں بھی فوت نہیں ہوتا لہٰذا اسے خیار حاصل نہیں ہوگا۔ [4]

(۴) مرد کی طرف سے امر مطلوب، عورت کے لئے مہر کا درست و صحیح کر دینا ہے اور یہ چیز عورت کے ساتھ اس مرد کے وطی کرنے سے متحقق ہو جاتی ہے لہٰذا اس کے ساتھ دیگر عیوب کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ طبیعت پر جس طرح جذام و برص سے گرانی ہوتی ہے اسی طرح بہت ہی بد صورت و بد ہیئت ہونا بھی طبیعت پر گراں گزرتا ہے مگر اس سے عورت کے لئے فسخ عقد کا خیار ثابت نہیں ہوتا اسی طرح یہاں بھی نہیں ہوگا۔ [5]

(۵) صحابہ کرام میں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی یہی تھا۔ [6]

(٦) تابعین میں سے حضرت عطاء نخعی، عمر بن عبد العزیز، اوزاعی، ثوری اور ابن ابی لیلی کا یہی مذہب تھا۔ [7]

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال قاسم بن قطلو بغا:

قوله(و إذا كان بالزوج جنون او جذام أو برص فلا خيار للمرأة عند أبي حنيفة و أبي يوسف)

---

١ ـ مصنف عبدالرزاق (٦/٢٤٩)، رقم (١٠٧٠١)، قلتُ: رجاله ثقات (ابن جريج هو عبدالملك بن عبدالعزيز بن جريج من رجال الجماعة، وعطاء هو ابن أبي رباح التابعي المعروف)

٢ ـ المرجع السابق، رقم (١٠٧٠٠)؛ والثوري هو سفيان بن سعيد بن مسروق الثوري المعروف.

٣ ـ المبسوط للسرخسي (٥/٩٧)

٤ ـ رمز الحقائق (١/١٧٧)

٥ ـ شرح مختصر الطحاوي (٤/٣٧٤)

٦ ـ المجموع شرح المهذب (١٦/٢٦٨)،فتح القدير (٤/٢٧٢)

٧ ـ فتح باب العناية (١/٦٦٤) ،ردالمحتار (٥/١٧٨)

قال الإمام بهاء الدين في شرحه لهٰذا الكتاب: وقال محمد: يفسخ بالجنون والجذام والبرص في الزوج والصحيح قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ. [١]

❷ قال الزحيلي:

أما العيوب الأخرى من جنون أو جذام أو برص أو رتق أو قرن، فلا فسخ للزواج بسببها إن كان بالزوجة، ولا إن كانت بالزوج، ولاخيار للآخر بها، وهٰذا هو الصحيح عند الحنفية. [٢]

❸ قال قاضي خان:

إن وجدت المرأة بزوجها جنونا أو جزا ما أو برصا قال أبو حنيفة وأبويوسف رحمهما الله تعالىٰ: ليس لها حق الفرقة، وقال محمدٌ: لها حق الفرقة[٣] (القول المقدم فيه راجح وقد مر بيانه)

❹ قال الحلبي:

ولاخيار لها إن وجدت به جنونا أو جذاما أو برصا خلافا لمحمد [٤] (ههنا القول المقدم راجح أيضاً كما مرمن قبل)

❺ قال الأوشي:

إذا كان بالزوج جنون أو جذم أو برص فليس للمرأة خيار [٥]

❻ مشى أصحاب المتون على قولهما[٦] وهذا من ترجيحه.

❼ أخر الشراح دليل الشيخين فيه وضمنوه جواب دليل الخصم وهذا ترجيح لقولهما أيضاً حسب ماعرف في أصول الإفتاء. [٧]

١ـ الترجيح والتصحيح (٣٥٠)

٢ـ الفقه الإسلامي وأدلته (٧٠٤٩)

٣ـ الفتاوى الخانية (١/٤١٣)

٤ـ ملتقى الأبحر (٢/١٤١)

٥ـ الفتاوى السراجية (٣٩)

٦ـ المختار للفتوى (٣/١٢٨)، كنزالدقائق (١٤٥)، الوقاية (٢/١٤٣)، النقاية (١/٦٦٤)، غرر الأحكام (١/٤٠٠)، تنوير الأبصار (٥/١٧٨)

٧ـ تبيين الحقائق (٣/٢٥)، الجوهرة النيرة (٢/١٤٤)، الهداية (٢/٤٢٧)، الاختيار لتعليل المختار (٣/١٢٨)، رمز الحقائق (١/١٧٧)، شرح النقاية (١/٦٦٤،٦٦٥)، المبسوط للسرخسي (٥/٩٧)

[١٦٠] اختلافی مسئلہ

إذا سلمت المرأة وزوجها كافر عرض عليه القاضي الإسلام فإن أسلم فهي امرأته وإن أبى عن الإسلام فرّق بينهما وكان ذلك طلاقا بائنا عند أبي حنيفة ومحمد -رحمهما الله تعالىٰ- وقال أبو يسف -رحمه الله تعالىٰ- هو الفرقة بغير طلاق.

مفتی بہ قول:

فتویٰ طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن قتادة عن الحسن قال:

"إذا كان الرجل وامرأته مشركين فأسلمت وأبى أن يسلم بانت منه بواحدة" وقال عكرمة مثل ذلك[١]

(۲) ان الحسن وعمر بن عبدالعزيز قالا: تطليقة بائنة.[٢]

(۳) عن ابن أبي ذئب عن الزهري قال: تفريق الإمام تطليقة.[٣]

(۴) شوہر اسلام قبول کر کے "فامساک بمعروف" کے تحت بیوی کو اپنے نکاح میں روک سکتا تھا لیکن اسلام سے انکار کرنے کی صورت میں وہ امساک بالمعروف سے رک گیا۔

اور "فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ" کے بعد "تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ" (یعنی طلاق دینے) کا درجہ ہے لہٰذا قاضی شوہر کے مجبوب اور عنین ہونے کی طرح یہاں بھی "حکم تسریح" میں اس شوہر کے قائمقام ہو کر اسکی بیوی کو طلاق دے دے گا، فصار التفريق طلاقا[٤]

١ـ مصنف ابن أبي شيبة (٤/١٠٧)، الرقم (١٨٣١٥)، وفي "الاعلاء" (٩٩:١١) وسنده صحيح

٢ـ مصنف ابن أبي شيبة (٤/١٠٦)، الرقم (١٨٣١٤)

٣ـ نفس المصدر (٤/١٠٧)، الرقم (١٨٣١٦)

٤ـ الهداية (٢/٣٦٦)، الاختيار (٣/١٢٦)، تبيين الحقائق (٢/١٧٤)، البحر الرائق (٣/٣٦٨)، النهر الفائق (٢/٢٨٨)، رمز الحقائق (١/١٣٤)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله (وكان ذلك طلاقا عند أبي حنيفة ومحمد) ،قال الإسبيجابي: (وقال أبويوسف : هي فرقة بغير طلاق) والصحيح قولهما. [1]

❷ قال الحلبي:

ولو اسلمت زوجة الكافر أو زوج المجوسية عرض الإسلام على الآخر فإن اسلم والا فرق بينهما فإن أبى الزوج فالفرقة طلاق خلافاً لأبي يوسفؒ. [2](القول المقدم فيه راجح على ما عُرف من قبل في مواضع عديدة)

وقال داماد أفندى:

(فالفرقة طلاق) ولو كان الزوج صغيرا عند الطرفين حتى ينقضى به عدد الطلاق وبه يفتى. [3]

❸ في الهندية:

فان أسلم الزوج وأبت المرأة لم تكن الفرقة طلاقا وان أسلمت المرأة وأبى الزوج وفرق، تكون الفرقة طلاقا عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ كذافى محيط السرخسى [4] (فالا قتصار على ذكر قولهما من غير تعرض لقول الثانیؒ ترجيح لقولهما كما عرف في موضعه)

❹ قال الحصكفي:

وإذا أسلم أحد الزوجين المجوسيين أو امرأة الكتابى عرض الإسلام على الآخر فإن أسلم فبها وإلا فرق بينهما...... والتفريق بينهما طلاق ينقص العدد لوأبى. [5]

❺ اعتمد أصحاب المتون على قول الطرفين [6] وهذا ترجيح له.

١ـ الترجيح والتصحيح (٣٥١)

٢ـ ملتقى الأبحر (١/٥٤٤)

٣ـ مجمع الأنهر (١/٥٤٥)

٤ـ الفتاوى الهندية (١/٣٣٨)

٥ـ الدرالمختار (٤/٣٥٤، ٣٥٥)

٦ـ المختار للفتوى (٣/١٢٦)، كنز الدقائق (١١٠)، الوقاية (٢/٦١)، النقاية (١/٥٩٧)، (هداية المبتدى (١/٦٦)، غرر الأحكام (١/٥٣٥)، تنوير الأبصار (٤/٣٥٥)

⑥ أخر أصحاب الشروح دليلهما عن دليل الثانی ؒ، فبه تبيّن أن قولهما هو المختار عندهم على ما عرف من دأبهم فيها.[1]

[۱۶۱] اختلافی مسئلہ

وإذا خرجت المرأة إلينا مهاجرة جاز لها أن تتزوج في الحال فلا عدة عليها عند أبي حنيفة (وقالا -رحمهما الله تعالىٰ-: عليها العدة[2])

مفتی بہ قول:

فتوی امام ابوحنیفہ ؒ کے قول پر ہے

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) قوله تعالىٰ:

﴿يايها الذين امنوا إذا جاء كم المؤمنات مهاجرات...... لا جناح عليكم أن تنكحوهن إذا اتيتموهن أجورهن ولا تمسكو بعصم الكوافر﴾ الاية[3]

اس آیت کے مندرجہ ذیل دو مقامات سے فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے استدلال کیا ہے:

۱۔ البحرالرائق (۳/۳٦۸)، الهداية (۲/۳٦٦)، الاختيار (۳/۱۲٦)، تبيين الحقائق (۲/۱۷٤)، النهر الفائق (۲/۲۸۸)، رمز الحقائق (۱/۱۳٤)

۲۔ بدائع الصنائع (۲/٥٤۹)، البحر الرائق (۳/۳۷۳) ردالمحتار (٤/۳٦۲)، المبسوط للسرخسي (٥/٥۷)، تبيين الحقائق (۲/۱۷۷)، الهداية (۲/۳٦۷)، الاختيار (۳/۱۲۷)، الهندية (۱/۳۳۸)، الترجيح والتصحيح (۳٥۲)، عمدة الرعاية على هامش شرح الوقايه (۲/٦۲)، فتاوى قاضي خان (۱/۳٦٦)، حاشية الطحطاوى على الدرالمختار (۲/۸٤)، فتح باب العناية (۱/٥۹۸)، النهر الفائق (۲/۲۹۰)، الجوهرة النيرة (۲/۱٤۷)، اللباب في شرح الكتاب (۲/۱٦۰)، رمز الحقائق (۱/۱۳٥)، شرح الطائى على هامش الرمز (۱/۱۳٥)، حاشية الشلبى على الدرر والغرر (۱/۳٥٤)، الموسوعة الفقهية (٤۲/۱۸۹)

۳۔ سورة الممتحنة، الآية (۱۰)

(ا) ﴿لاجناح عليكم ان تنكحوهن﴾

اللہ تعالیٰ نے اس میں مہاجرہ عورت سے، عدت کی قید لگائے بغیر، مطلقا نکاح کرنے کی اجازت دی ہے لہٰذا اب اس پر تقیید عدت، نص پر زیادتی ہوگی جو جائز نہیں ہے۔

(ب) ﴿لا تمسكوا بعصم الكوافر﴾

اللہ تعالیٰ نے اس میں مسلمانوں کو زوج کافر کی عصمت کی وجہ سے نکاح مہاجرہ سے باز رہنے سے منع کیا ہے لہٰذا جو شخص انتظار عدت کی بدولت ان سے نکاح کرنے سے باز رہا تو اس نے عصمت مذکورہ کا تمسک کرلیا حالانکہ یہ تمسک منہی عنہ ہے لہٰذا بلاقضاء عدت نکاح کرلینا جائز ہے۔ [۱]

(۲) عدت نکاح سابق کا اثر ہوتی ہے جو اس نکاح کے احترام وعظمت کو ظاہر کرنے کے لئے واجب کی جاتی ہے اور ہمارے ہاں ملکِ حربی کی کوئی حرمت وعظمت نہیں ہے لہٰذا عدت بھی واجب نہیں ہوگی۔ [۲]

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶...... قال قاسم بن قطلوبغا:

قوله (وإن خرجت المرأة إلينا مهاجرة، جاز أن تتزوج ولاعدة عليها عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى) قال الشيخ جمال الإسلام في شرحه، وقالا: عليها العدة، والصحيح قوله. [۳]

❷ قال قاضي خان:

والمهاجرة لا عدة عليها ولها أن تتزوج للحال في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى وقال صاحباه رحمهما الله تعالى: عليها العدة[۴] (القول المقدم فيه راجح وقد مر بيانه من قبل)

❸ قال الحلبي:

من هاجرت إلينا بانت ولا عدة عليها خلافا لهما[۵] (القول المقدم فيه هو الراجح كما مر غير مرة)

١ـ انظرله: بدائع الصنائع (٢/٥٤٩، ٥٥٠)، المبسوط للسرخسي (٥/٥٧)، شرح النقاية (١/٥٩٨)، تبيين الحقائق (٢/١٧٧)، المحيط البرهاني (٣/٤٦٠)، الجوهرة النيرة (٢/١٤٧)، اللباب في شرح الكتاب (٢/١٦٠)، الموسوعة الفقهية (٤٢/١٨٩)

٢ـ البحر الرائق (٣/٣٧٣)، الهداية (٢/٣٦٧)، الاختيار (٣/١٢٧)، تبيين الحقائق (٢/١٧٧)، النهر الفائق (٢/٢٩٠)، عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية (٢/٦٢)، الموسوعة الفقهية (٤٢/١٨٩)

٣ـ الترجيح والتصحيح (٣٥٢)

٤ـ الفتاوى الخانية (١/٣٦٦)

٥ـ ملتقى الأبحر (١/٥٤٦)

- اعتمد أصحاب المتون قول الإمام[1] وهذا ترجيح له.
- أخر الشراح وغيرهم دليل الإمام عن دليلهما وهذا الدأب منهم يدل على كون قوله راجحا عندهم كما هو المعروف عند أرباب الفن.[2]

١ ـ المختار للفتوى (٣/١٢٧)، كنز الدقائق (١١١)، الوقاية (٢/٦٢)، مجمع البحرين (٥٤٤)، غرر الأحكام (١/٣٥٤)، تنوير الأبصار (٤/٣٦١)، بداية المبتدى (١/٦٦)

٢ ـ الهداية (٢/٣٦٧)، البحر الرائق (٣/٣٧٣)، تبيين الحقائق (٢/١٧٧)، الاختيار لتعليل المختار (٣/١٢٧)، بدائع الصنائع (٢/٥٤٩)، المبسوط للسرخسي (٥/٥٧)، مجمع الأنهر (١/٥٤٦)، المحيط البرهاني (٣/٤٦٠)، شرح النقاية (١/٥٩٨)، النهر الفائق (٢/٢٩٠)، الجوهرة النيرة (٢/١٤٧)

كتابُ الرَّضاع

[۱۶۲] اختلافی مسئلہ

ومدة الرضاع عند أبي حنيفةؒ ثلاثون شهرا وعندهما سنتان.

مفتی بہ قول:

فتوی صاحبینؒ کے قول پر ہے

قول مفتی بہ کا متدل:

(۱) قوله تعالیٰ:

﴿والوالدت يرضعن أولادهن حولين كاملين لمن أراد أن يتم الرضاعة﴾ [۱]

اللہ تعالیٰ نے یہاں پورے دو سالوں کو "تمامِ مدتِ رضاعت" قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ "تمام" ہو جانے کے بعد تو کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔ [۲]

(۲) قوله تعالیٰ:

﴿ وفصاله في عامين ﴾ [۳]

اس آیت کے موافق جب فصال، دو سالوں میں ہے تو یہ امر واضح ہے کہ فصال کے بعد رضاعت نہیں ہوتی لہٰذا مدت رضاعت یہی دو سال ہی ہوگی۔ [۴]

(۳) قوله تعالیٰ:

﴿وحمله وفصاله ثلاثون شهرا﴾ [۵]

۱۔ سورة البقرة، الاية (۲۳۳)

۲۔ بدائع الصنائع (۳/۴۰۲)، المبسوط للسرخسی (۵/۱۳۶)

۳۔ سورة لقمان، الاية (۱٤)

٤۔ المبسوط للسرخسی (۵/۱۳٦)، التبيين للزيلعی (۲/۱۸۲)

۵۔ سورة الأحقاف ، الاية (۱۵)

"حمل" اور "فصال" دونوں کی کل مدت "تیس ماہ" یعنی اڑھائی سال ہے۔ اور حمل کی اُقل مدت چھ ماہ ہے لہٰذا باقی دو سال فصال (یعنی دودھ پلانے کی انتہائی مدت) کے ہیں۔ (۱)

(۴) عن ابن عباسؓ قال:

"لارضاع إلا ماكان في الحولين" (۲)

(۵) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے حضرت عمر، علی، ابن عمر، ابن مسعود، ابن عباس، ابو ہریرۃؓ کے نزدیک مدت مذکور دو سال ہے نیز امی جان حضرت عائشہؓ کے سوا تمام ازواج مطہراتؓ کا مذہب بھی یہی تھا۔ (۳)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحكفي:

هو حولان ونصف عنده وحولان فقط عندهما وهو الأصح وبه يفتي. (۴)

❷ قال داماد أفندي:

وهي أي مدته حولان ونصف أي ثلاثون شهرا من وقت الولادة عند الإمام......وعندهما حولان وهو قول الشافعي وعليه الفتوى. (۵)

۱۔ بدائع الصنائع (۴۰۲/۳)، الاختيار لتعليل المختار (۱۳۲/۳)، الهداية (۳۶۹/۲)، رمز الحقائق (۱۳۶/۱)، تبيين الحقائق (۱۸۲/۲)

۲۔ السنن الكبرى للبيهقي (۴۶۲/۷) رقم (۱۶۰۸۳)، وكذا انظر له: مصنف عبدالرزاق (۴۶۵/۷) رقم (۱۳۹۰۳)، سنن سعيد بن منصور (۲۸۰/۱) رقم، (۹۸۰)،

قال الزيلعي في نصب الراية (۳: ۲۱۰):

قلت: أخرجه الدارقطني في "سننه" عن الهيثم بن جميل عن ابن عيينة عن عمرو بن دينار عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: "لارضاع إلا ماكان في الحولين" انتهى وقال: لم يسنده عن ابن عيينة غير الهيثم بن جميل وهو ثقة حافظ ثم أخرجه موقوفا......قال ابن عدى: والهيثم بن جميل يغلط عن الثقات وأرجو أنه لا يتعمد الكذب وهذا الحديث يعرف به عن ابن عيينة مسند وغير الهيثم يوقفه على ابن عباس انتهى -إلى أن قال- والهيثم بن جميل وثقه الإمام أحمد والعجلى وابن حبان وغير واحد وكان من الحفاظ إلا أنه وهم في رفع هذا الحديث والصحيح وقفه على ابن عباس، هكذا رواه سعيد بن منصور عن ابن عيينه موقوفا. انتهى.

كذا في الدارية (۲: ۶۸) لابن حجر، حيث قال: "وهو (أى وقفه) الصواب"

۳۔ المغنى (۲۰۰/۹)

۴۔ الدرالمختار (۳۸۷/۴)

۵۔ مجمع الانهر (۵۵۲/۱)

❸ قال الحصكفي:

وعندهما حولان من وقت الولادة وعليه الفتوى.[1]

❹ قال القهستاني:

تثبت (أى الرضاعة) بمصة في حولين من وقت الولادة عندهما وعليه الفتوى كما في الحقائق[2]

❺ قال ابن الهمام:

ثم مدة الرضاع ثلاثون شهرا عند أبي حنيفةؒ وقالا: سنتان -إلى أن قال بعد البسط في دلائل الفريقين- فكان الأصح قولهما وهو مختار الطحاوى[3]

❻ كذافى الكتب الأخر[4]

---

[۱۶۳] اختلافی مسئلہ

وإذا اختلط (أى اللبن) بالطعام لم يتعلق به التحريم وإن كان اللبن غالبا عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى-، وقالا -رحمهما الله تعالى-: يتعلق به التحريم.

توضیح الاختلاف:

صورت بالا میں صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی حرمت اس وقت متعلق ہوگی جب دودھ غالب ہو نیز ابھی تک اس کو آگ پر پکایا نہ گیا ہو۔[5]

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے

١ـ الدر المنتقى (١/٥٥٢)

٢ـ جامع الرموز (١/٤٩٨)

٣ـ فتح القدير (٣/٤٢٥)

٤ـ النهر الفائق (٢/٢٩٩، ٣٠٠)، شرح النقاية (١/٦٠٣)، شرح الطائى على الكنز (١/١٣٦)، الترجيح و التصحيح (٣٥٥)، حاشية الشرنبلالى على الدرر والغرر (١/٣٥٥)، حاشية الشلبى على التبيين (٢/١٨٢)، البحر الرائق (٣/٣٨٨، ٣٨٩)

٥ـ انظرله: تبيين الحقائق (٢/١٨٤)، جامع الرموز (١/٥٥٢) فتح باب العناية (١/٦٠٥)، شرح الغرر لملا خسرو (١/٣٥٧)

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) فقہ کا قاعدہ ہے: "العبرة للغالب"[۱]

اس قاعدہ سے فقہاء نے مندرجہ ذیل دو طرح سے استدلال کیا ہے:

۱- کھانا اگر چہ مقدار میں دودھ سے کم ہے مگر بعد از اختلاط، یہ دودھ کی قوت کو سلب کر کے اسے کمزور کر دیتا ہے چنانچہ اب محض اسی پر اکتفاء کر کے بچے کو خوراک نہیں دی جا سکتی لہٰذا دودھ یہاں صورۃً غالب ہونے کے باوجود معنیً مغلوب ہوگا اور کھانا غالب ہوگا۔[۲]

۲- غلبہ کا اصل اعتبار اس وقت ہے جب وہ چیز معدہ میں پہنچے اور ظاہر ہے کہ اس وقت طعام ہی غالب ہوتا ہے۔[۳]

(۲) **من أصول الفقه أنه إذا تغير الشيء تغير حكمه في الغالب وهذا شائع في كثير من المسائل الفقهية كما في كتاب الطهارة والغصب وغيرهما.**

چنانچہ جب کھانے کو دودھ میں ڈالا جاتا ہے تو وہ دودھ کو متغیر کر دیتا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ وہ اس سے پتلا ہو جاتا ہے اور بسا اوقات تو اس سے اس کا رنگ بھی بدل جاتا ہے تو یہ ایسے ہوگیا جیسے آگ نے اس کو بدل دیا ہو (یعنی جس طرح آگ میں پکانے سے اس میں تبدیلی واقع ہونے پر بالاتفاق اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی اسی طرح تبدیلی چونکہ یہاں آ گئی ہے، **فلا تثبت الحرمة ههنا أيضاً**)[۴]

(۳) زیر بحث مسئلہ میں درج ذیل حدیث سے بھی استیناس کیا جا سکتا ہے:

عن مسروق أن عائشة رضي الله عنهما قالت: دخل عليّ النبي صلى الله عليه وآله وسلم وعندي رجل، قال: ياعائشة! من هذا، قلت أخي من الرضاعة، قال: ياعائشة! انظرن من اخوانكن فانما الرضاعة من المجاعة[۵]

اس حدیث کا آخری جملہ "**إنما الرضاعة من المجاعة**" محل استیناس ہے کیونکہ اس کا مقتضی یہ ہے کہ دودھ سے بھوک ختم ہو تو اس دودھ سے رضاعت ثابت ہوگی لہٰذا جب دودھ کو کھانے میں ملا دیا تو اب بھوک کو دور کرنے والا کھانا ہوگا نہ کہ دودھ کیونکہ "کھانا" اس میں اصل ہے لہٰذا زیر بحث صورت میں رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

۱۔ قواعد الفقه للبركتي (۱/ ۱۹)، شرح القواعد الفقهية للزرقا (۱/ ۱۳۳)

۲۔ بدائع الصنائع (۳/ ۴۰۸)، الفقه الإسلامي وأدلته (۷۲٫۸۵)

۳۔ البحر الرائق (۳/ ۳۹۷)

۴۔ المبسوط للسرخسي (۵/ ۱۴۰)

۵۔ متفق عليه، واللفظ للبخاري (۶/ ۵۵۴)، رقم (۲۶۴۷)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال قاضي خان:

وإن كان الطعام مغلوبا باللبن لا تثبت الحرمة عند أبي حنيفةؒ .وقال صاحباه: تثبت الحرمة[1]
(ومن المعلوم أن القول المقدم فيه راجح على ما عرف في موضعه)

❷ قال الحلبي:

واللبن المخلوط بالطعام لايحرم خلافاً لهما عند غلبة اللبن [2] (فالقول المقدم فيه راجح ايضاً حسب تصريح المصنف والشامي كليهما به)

❸ في الهندية:

وإذا اختلط اللبن بالطعام فإن كانت النار قدمست اللبن وأنضجت الطعام حتى تغير فلا يحرم سواء كان اللبن غالبا أو مغلوبا وإن كانت النار لم تمسه فإن كان الطعام غالبا لم تثبت به الحرمة أيضاً وإن كان اللبن غالبا فكذلك عند أبي حنيفةؒ لأنه إذا خلط المائع بالجامد صار المائع تبعا فخرج من أن يكون مشروبا[3] (فالاقتصار فيه على قول الإمامؒ – مع تقويته بذكر الدليل – ترجيح له، وهذا قُدّم بيانه من قبل)

❹ قد اعتمد أصحاب المتون كلهم على قول الإمامؒ[4] وهذا ترجيح له.

❺ أخر أصحاب الشروح وغيرهم دليل الإمام فيه عن دليلهما،[5] وهذ من أمارات ترجيح قوله أيضاً.

١ـ الفتاوى الخانية (١/٤١٨)

٢ـ ملتقى الأبحر (١/٥٥٥، ٥٥٦)

٣ـ الفتاوى الهندية (١/٣٤٤)

٤ـ المختار للفتوى (٣/١٣٤)، كنزالدقائق (١١٣)، الوقاية (٢/٦٨)، مجمع البحرين (٥٤٨)، النقاية (١/٦٠٥)، بداية المبتدى (١/٦٧)، غرر الأحكام (١/٣٥٧)، تنوير الأبصار (٤/٤٠١)

٥ـ الهداية (٢/٣٧١)، تبيين الحقائق (٢/١٨٤)، الاختيار لتعليل المختار (٣/١٣٤)، فتح باب العناية (١/٦٠٥)، المبسوط للسرخسي (٥/١٤٠)، بدائع الصنائع (٣/٤٠٨)

[١٦٤] اختلافی مسئلہ

إذا اختلط لبن امرأتين يتعلق التحريم بأكثرهما عند أبي يوسف -رحمه الله- وقال محمد -رحمه الله-: تعلق بهما التحريم.

مذہب الامام فیہ:

مسئلہ ہذا میں امام ابوحنیفہؒ کی دوروایتیں ہیں: ایک روایت امام ابو یوسفؒ اور دوسری امام محمدؒ کے قول کے موافق ہے۔[1]

مفتی بہ قول:

فتوی امام محمدؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

فقہ کا ضابطہ ہے:

"الجنس لا يغلب الجنس"[2]

صورت مذکورہ میں دونوں دودھ عورت ہی کے ہیں لہذا جنسِ لبن متحد ہوئی اور یہ مسلّم ضابطہ ہے جنس، جنس پر غالب نہیں ہوتی کیونکہ مقصود متحد ہونے کی بدولت کوئی شئی اپنی ہم جنس چیز سے مل کر ہلاک، معدوم نہیں ہوتی بلکہ اسکی قوت و کثرت کا باعث ہوتی ہے لہذا یہاں حرمت کا تعلق دونوں "لبن" کے ساتھ ہوگا۔[3]

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمر تاشي والحصكفي:

وكذا يحرم لبن ميتة ومخلوط بماء أو دواء أو لبن أخرى أو لبن شاة إذا غلب لبن المرأة......

١ـ المبسوط للسرخسي (٥/١٤٠، ١٤١)، فتح القدير (٣/٤٣٤)، مجمع الأنهر (١/٥٥٧)، البناية (٦/٣١١)، حاشية الشرنبلالي على الدرر (١/٣٥٧)، العناية (٣/٤٣٤، ٤٣٥)، الكفاية (٣/٧٧)

٢ـ مستفاد من: غمز عيون البصائر (١/٤٣٣)

٣ـ انظر له: تبيين الحقائق للزيلعي (٢/١٨٥)، الهداية (٢/٣٧١)، المبسوط (٥/١٤٠)، النهر الفائق (٢/٣٠٣)، رمز الحقائق (١/١٣٨).

وعلق محمدؒ الحرمة بالمرأتين مطلقا، قيل: وهو الأصح.

قال الشامي:

قوله: (قيل وهو الأصح) قال في البحر: وهو رواية عن أبي حنيفةؒ . قال في الغاية: وهو أظهر وأحوط. وفي شرح المجمع: قيل إنه الأصح اهـ، وفي الشرنبلالية:

ورجّح بعض المشايخ قول محمدؒ وإليه مال صاحب الهداية لتأخيره دليل محمدؒ كما في الفتح.[1]

❷ في الهندية:

وإذا اختلط لبن امرأتين تعلق التحريم بأغلبهما عندهما وقال محمدؒ: تعلق بهما كيفما كان وهو رواية عن أبي حنيفةؒ وهو أظهر وأحوط هكذا في التبيين ،قيل الأصح قول محمدؒ كذا في شرح مجمع البحرين لابن ملك.[2]

❸ قال داماد أفندى:

(وعند محمدؒ تتعلق الحرمة بهما) لأن الجنس لا يغلب الجنس.....ورجّح بعض المشايخ قول محمدؒ وفي الغاية هو أظهر وأحوط ، وقيل : إنه الأصح.[3]

❹ قال ابن نجيم:

واختلف فيما إذا اختلط لبن امرأة بلبن أخرى والصحيح ثبوت الحرمة فيهما من غير اعتبار الغلبة.[4]

❺ كذا في الكتب الأخر.[5]

---

١ ـ الدر المختار مع ردالمحتار (٣٩٩/٤،٤٠٠)

٢ ـ الفتاوى الهندية (٣٤٤/١، ٣٤٥)

٣ ـ مجمع الأنهر (٥٥٦/١، ٥٥٧)

٤ ـ الأشباه والنظائر (١١٢/١)

٥ ـ البحر الرائق (٣٩٨/٣)، تبيين الحقائق (١٨٥/٢)، حاشية الطحطاوى على الدرالمختار (٩٧/٢)، الدر المنتقى (٥٥٦/١، ٥٥٧)،فتح القدير (٤٣٤/٣)، البناية (٣١١/٦)، الترجيح و التصحيح (٣٥٩)، النهر الفائق (٣٠٣/٢)، رمز الحقائق (١٣٨/١)، حاشية الشر نبلالى على الدرر (٣٥٧/١)

كتابُ الطّلاق

[١٦٥] اختلافی مسئلہ

ويطلقها (أى الحامل) للسنّة ثلاثا يفصل بين كل تطليقتين بشهر عند أبي حنيفة وأبى يوسف (رحمهما الله تعالى) وقال محمد (رحمه الله تعالى): لا يطلقها للسنّة إلا واحدة.

مفتی بہ قول:

فتوی شیخین کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) **عن معمر قال قلت للزهرى: إذا أراد أن يطلقها حاملا ثلاثا، كيف؟ قال: على عدة أقرائها.** [1]

(۲) **عن أشعث عن عامر قال: تطلق الحامل بالأهلة.** [2]

(۳) اس کو "آیسہ" پر قیاس کیا ہے چونکہ حاملہ عورت کو بھی پوری مدت حمل کے دوران بالکل حیض نہیں آتا گویا یہ آیسہ کی طرح ہوگئی اور آیسہ کا حکم یہی ہے جو زیر بحث مسئلہ میں مذکور ہے۔ [3]

قول مفتی بہ کی تخریج:

● **قال الحلبی:**

الآيسة والصغيرة والحامل يطلقن للسنة عند كل شهر واحدة وعند محمد لا تطلق الحامل للسنة إلا واحدة [4]**(فالقول المقدم فيه راجح كما هو مقرر لدى أرباب الافتاء حسب أصوله)**

١ ـ مصنف عبدالرزاق (٦/٣٠٤) رقم (١٠٩٣٢)، قلت: معمر هو ابن راشد الأزدی، من رجال الجماعة والزهری هو محمد بن مسلم، الشهير بابن شهاب الزهری، التابعی المعروف.

٢ ـ مصنف ابن أبی شيبة (٥٧/٤)، الرقم (١٧٧٥٠)

٣ ـ مجمع الأنهر (٦/٢)

٤ ـ ملتقى الأبحر (٥/٢)

❷ في الهندية:

وطلاق الحامل يجوز عقيب الجماع ويطلقها للسنة ثلاثا يفصل بين كل تطلقتين بشهر عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى[1] (فالاقتصار فيه على قولهما ترجيح له كما لا يخفى وقدمر بيانه)

❸ قال ابن الهمام:

قوله(ويطلقها ثلاثا للسنة يفصل بين كل تطلقتين بشهر عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله وقال محمد وزفر رحمهما الله تعالى: لا يطلقها للسنة إلا واحدة) -بعد أن ذكر دلائل الفريقين وبسط الكلام في تأئيد قول الشيخين فقال-: وعلى هذا التقرير سقط مارجح به شارح قولَ محمد رحمه الله تعالى اهـ[2]

❹ قال صدر الشريعة الثاني:

وللموطوءة تفريق الثلاث في أطهار لاوطى فيها فيمن تحيض وأشهر في الآيسة والصغيرة والحامل للسنة ثلاثا في ثلاثة أشهر.[3]

❺ قال التمرتاشي والحصكفي:

وفى ثلاثه أشهر في حق غيرها حسن وسُنىّ.

قال الشامي:

قوله (فى حق غيرها) أى: في حق من بلغت بالسن ولم تردماً أوكانت حاملا أو صغيرة اهـ[4]

❻ أخر أصحاب الشروح دليل قولهما عن دليل محمدٍ وضمنوه جواب دليله ، فهذا ترجيح لقولهما كمامر غير مرة[5]

١ـ الفتاوى الهندية (١/٣٤٩)

٢ـ فتح القدير (٣/٤٦١)

٣ـ شرح الوقاية (٢/٦٩)

٤ـ الدر المختار مع رد المحتار (٤/٤٢٢) .

٥ـ الهداية (٢/٣٧٥)، البحرالرائق (٣/٤٢١)، مجمع الأنهر (٢/٦)، المبسوط للسرخسى (٦/١١) الاختيار لتعليل المختار (٣/١٣٧)

[١٦٦] مسئلہ

وإذا طلّق الرجل امرأته في حال الحيض وقع الطلاق ويستحب له أن يراجعها.

قول مفتی بہ:

حالت حیض کے اندر طلاق دینے کی صورت میں مفتی بہ قول کے موافق مرد کے لئے رجوع کرنا واجب ہے (نہ کہ مستحب)۔

مستدلہ:

(١) **عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما أنه طلّق امرأته وهي حائض على عهد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فسأل عمر بن الخطابؓ رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم عن ذلك، فقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: "مره فليراجعها اھ"** (١)

امر یہاں وجوب کے لئے ہے کہ اسکی حقیقت یہی (وجوب) ہے **فعملنا بحقيقته.** (٢)

(٢) حالت حیض میں طلاق دینا معصیت ہے اور "رفعِ معصیت" واجب ہے تاہم اب جب کہ معصیت واقع ہوچکی ہے اس کا رفع صرف بایں صورت ممکن ہے کہ طلاق (جو کہ معصیت ہے، اس) کے اثر (یعنی عدت) کو اٹھالیا جائے اور وہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ اب وجوباً رجوع کرلیا جائے تاکہ حکمِ عدت مرتفع ہوجائے۔ (٣)

(٣) **عن عمرو بن يحى المازني عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال:**

١ـ متفق عليه واللفظ للبخاري (١٣/٢٤٣) رقم (٥٢٥١)

٢ـ انظرله:فتح القدير (٣/ ٤٦٢،٤٦٣)، البحر الرائق (٣/٤٢٢)

الفائده الجليلة . (الإيراد على الاستدلال المذكور والجواب عنه)ـ:

ذكر" الإمام الحداد الزبيدي" ههنا إيرادا مع الإجابة عنه ينبغي أن ينقل برمته، كي يتيسّر لنا فائدته، نصه:

فإن قيل: الأمر انما أثبت الوجوب على عمرؓ أن يأمر ابنه بالمراجعة، فكيف يثبت وجوب المراجعة بقول عمرؓ؟

قلنا: فعل النائب كفعل المنوب عنه، فصار كأنّ النبي صلى الله عليه وآله وسلم هو الذي أمره بالمراجعة، فثبت الوجوب. (الجوهرة النيرة ٢: ١٦٤، وكذا في الكفاية للخوارزمي ٣: ٨١)

٣ـ العناية (٣/٤٦٣)

" لاضرر ولاضرار "[۱]

حالت حیض میں طلاق واقع ہونیکی صورت میں چونکہ عورت کوطویل عدت کا ضرر اٹھانا پڑتا ہے۔لہٰذا اس ضرر کے ازالہ ودفع کے لئے مرد کووجوبا مراجعت کا حکم صادر کیا جائیگا تاکہ حدیث بالا کے مقتضٰی پر عمل ہوسکے۔[۲]

تخریجہ:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

وتجب رجعتها على الأصح فيه أى في الحيض رفعا للمعصية.

قال الشامي:

قوله (على الأصح) مقابله قول القدورى: إنها مستحبة.[۳]

❷ في الهندية:

والبدعي من حيث الوقت أن يطلق المدخول بها وهي من ذوات الأقراء في حالة الحيض أو في طهر جامعها فيه وكان الطلاق واقعا ويستحب له أن يراجعها والأصح أن الرجعة واجبة.[۴]

❸ قال ابن نجيم:

قوله (فيراجعها)أى وجوبا في الحيض...... ولم يذكر صفتها للاختلاف فاختار القدورى استحبابها لقول محمدؒ في الأصل وينبغي له أن يراجعها فانه لا يستعمل في الوجوب والأصح وجوبها.[۵]

١ـ مؤطا مالك (٤/١٠٧٨) رقم (٢٧٥٨)

هذا مرسل ورواه الحاكم في مستدركه (٢:٦٦) موصولا وقال: هذا حديث صحيح الإسناد على شرط مسلم ولم يخرجاه وقال الذهبي في التلخيص: على شرط مسلم،وقال في الالمام (١:٢٣٧): "حديث صحيح"

وقال السخاوى في المقاصد (١:٧٢٧):"مالك والشافعي عنه عن عمرو ابن يحى المازنى عن أبيه به مرسلا وهو عند أحمد و عبدالرزاق وابن ماجه والطبرانى عن ابن عباس وفى جابر الجعفى وأخرجه ابن أبي شيبة من وجه آخر اقوى عنه والدار قطنى من وجه ثالث وفي الباب عن أبي سعيد وأبي هريرة وأبي لبابة وثعلبة بن أبي مالك وجابر و عائشة" فلذلك قال الزرقاني فى" مختصر المقاصد الحسنة"عنه:حسن.

٢ـ العناية (٣/٤٦٣)

٣ـ الدرالمختار مع رد المحتار (٤/٤٢٤)

٤ـ الفتاوى الهندية (١/٣٤٩)

٥ـ البحرالرائق (٣/٤٢٢)

❹ قال الحداد:

قوله (وإذا طلق امرأته في حال الحيض وقع الطلاق ويستحب له أن يراجعها)الاستحباب قول بعض المشايخ والأصح أنه واجب [١]

❺ قال القهستاني:

(ويرجع) أي يجب رجوعه على الأصح وقيل يستحب. [٢]

❻ كذا في الكتب الأخر [٣]

---

[١٦٧] مسئله

ويقع الطلاق إذا قال نويت به الطلاق.

كشف المرام عن هذا المقام:

قال الحداد الزبيدي:

قوله (ويقع الطلاق إذا قال نويت به الطلاق) يعني المكره والسكران؛ لأن الإكراه والسكر لا يؤثران في الطلاق فإذا أخبر أنه كان قاصدا لذلك فقد أكده فوقع وهذا اختيار الكرخي والطحاوي.

ويحتمل أن الشيخ ترجح قولهما عنده فإذا أفاق السكران وأقر على نفسه أنه نوى الطلاق صدق عند الكرخي والطحاوي ويقع الطلاق حينئذ بالإجماع.

وقال عامة أصحابنا إن صريح الطلاق من السكران من الخمر والنبيذ يوقع الطلاق من غير نية فعلى هذا القول يحتمل أن يكون قوله ويقع الطلاق إذا قال نويت به الطلاق وقع سهوا من الكاتب وفي بعض النسخ: ويقع الطلاق بالكنايات اذا قال نويت به الطلاق وهو صواب؛ لأن الكنايات هي التي تفتقر إلى النية.

١ـ الجوهرة النيرة (٢/١٦٣)

٢ـ جامع الرموز (١/٥٥٧)

٣ـ حاشية الطحطاوى على الدر(٢/١٠٥)، النهرالفائق (٢/٣١٤)، تبيين الحقائق (٢/١٩٣)، الغرر مع الدرر (١/٣٥٩)، الترجيح والتصحيح (٣٦٢،٣٦٣)، شرح الطائى (١/١٣٩)، الهداية (٢/٣٧٦)، الوقاية (٢/٧٠)، رمز الحقائق (١/١٣٩)، الفقه الإسلامى للزحيلى (٦٩٤٩)

وفي بعض النسخ ويقع الطلاق بالكتاب فإن كان كذا فالمراد به إذا كتب طلاق امرأته كتابا مستبينا على لوح أو حائط أو رمل أو ورق الأشجار أو غير ذلک، وهو مستبين إن نوى الطلاق وقع وإن لم ينو لا يقع وقيل المستبين كالصريح وأما إذا كان لا يستبين بأن كتب في الهواء أو على الماء أو على الحديد أو على صخرة صماء لا يقع نوى أو لم ينو بالإجماع وأما إذا كتب على وجه الكتابة والرسالة والخطاب مثل أن يكتب يا فلانة إذا أتاک كتابي هذا فأنت طالق فإنها تطلق بوصول الكتاب إليها ولا يصدق أنه لم ينو الطلاق.[1]

---

[١٦٨] اختلافی مسئلہ

وإن قال لها إن دخلت الدار فأنت طالق واحدة وواحدة فدخلت الدار وقعت عليها واحدة عند أبي حنيفةؒ وقالا: تقع ثنتان.

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ اس میں صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

اصولِ فقہ میں یہ مصرح ہے کہ: "الواو للجمع المطلق"[2]

اس اصول کے پیشِ نظر "واؤ" چونکہ مطلق جمع کیلئے آتی ہے اس لئے صورتِ بالا میں شوہر نے حرفِ واؤ کے ذریعے دوطلاقوں کو جمع کردیا ہے لہٰذا دونوں طلاقیں وجودِ شرط کے وقت اکٹھی واقع ہوجائیں گی جیسا کہ اگر وہ "انت طالق واحدة وواحدة" کی بجائے "انت طالق ثنتين" کہتا تو دوطلاقیں اکٹھی واقع ہوجاتیں۔[3]

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال ابن الهمام:

ولو قال لها أی لغير المدخول بها إن دخلت الدار فأنت طالق واحدة وواحدة فدخلت وقع

١ـ الجوهرة النيرة (١٧٦/٢)

٢ـ اصول الشاشی (١٨٩/١)، كشف الأسرار (١٦١/٢)، تيسير التحرير (٩١/٢)

٣ـ الهداية مع فتح القدير (٥٣/٤)، تبيين الحقائق (٢١٤/٢)، النهر الفائق (٣٥٤/٢)، الاختيار لتعليل المختار (١٤٧/٣)

عليها واحدة عند أبي حنيفة، وقالا ثنتان... وقولهما أرجح. [1]

❷ قال التمرتاشي والحصكفي:

(و) تقع (واحدة إن قدم الشرط)

قال الشامي:

(قوله وتقع واحدة إن قدم الشرط) هذا عنده وعندهما ثنتان أيضا ورجحه الكمال وأقره في البحر. [2]

❸ قال ابن نجيم:

(قوله: إن دخلت الدار فأنت طالق واحدة وواحدة فدخلت يقع واحدة، وإن أخر الشرط فثنتان) بأن قال: أنت طالق واحدة وواحدة إن دخلت الدار وهذا عند أبي حنيفة وقالا يقع ثنتان فيهما...... قال في فتح القدير: قولهما أرجح [3]

❹ قال الزيلعي:

قال -رحمه الله- (إن دخت الدار فأنت طاق واحدة وواحدة فدخلت تقع واحدة وإن أخر الشرط فثنتان) يعني إذا قال لها إن دخلت الدار فأنت طالق واحدة وواحدة فدخلت تطلق طلقة واحدة، ولو أخر الشرط بأن قال أنت طالق واحدة وواحدة إن دخلت الدار فدخلت يقع ثنتان، وهذا عند أبي حنيفة -رحمه الله- وعندهما يقع ثنتان فيهما.

قال الشلبي:

(قوله وعندهما يقع ثنتان) قال الكمال -رحمه الله- وقولهما أرجح. [4]

❺ قال الطحطاوي:

(قوله وتقع واحدة إن قدم الشرط) هذا عنده وعندهما يقع ثنتان فيهما ورجحه الكمال. [5]

---

١ ـ فتح القدير (٤/٥٣)

٢ ـ رد المحتار (٤/٥٠٣)

٣ ـ البحر الرائق (٣/٥١٥)

٤ ـ تبيين الحقائق مع حاشية الشلبي (٢/٢١٤)

٥ ـ حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٢/١٢٩)

كتاب الرجعة

[١٦٩] اختلافی مسئلہ

وإذا انقضت العدة فقال الزوج: قد كنت راجعتها في العدة فصدقته فهي رجعة وإن كذبته فالقول قولها ولا يمين عليها عند أبي حنيفة (وقالا: عليها اليمين [١])

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ اس میں صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

ملحوظۂ مہمہ:

مذکورہ بالا مسئلہ "**مسألة الاستحلاف في الأشياء الستة**" سے معروف وموسوم ہے جو کہ دراصل "کتاب الدعویٰ" سے متعلقہ ہے (كما سبقت الإشارة اليه في كتاب النكاح) لہٰذا اسے اس کے "مستدل" و "تخریج" کے ساتھ وہیں - کتاب الدعویٰ میں - ذکر کیا جائے گا۔ شراحِ حنفیہ نے بھی عموماً اس موقع پر کوئی کلام ذکر کرنے کی بجائے یہی لکھا ہے کہ کتاب الدعویٰ میں یہ مسئلہ مذکور ہے وہیں دیکھ لیا جائے، **كما ترى في الاختيار للموصلي (٣:١٦٣) ومنحة الخالق للشامي (٤:٨٥،٨٦) و التبيين للزيلعي (٢:٢٥٢) وشرح الغرر لملا خسرو (١:٣٨٤) وغير ذلك**

---

١ ـ اللباب في شرح الكتاب (٢/١٨١)

[۱۷۰] اختلافی مسئلہ

وإذا قال الزوج: قد راجعتک فقالت مجیبة له: قد انقضت عدتي لم تصح الرجعة عند أبي حنیفة -رحمه الله تعالی- (وقالا: تصح الرجعة[۱])

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

قول مفتیٰ بہ کا مستدل:

انقضائے عدت کی خبر دینے میں جب عورت کا قول ہی معتبر ہوتا ہے (کیونکہ اس امر میں تو وہی امین ہے اور اسے ہی معلوم ہے کہ اس کا دمِ حیض کب ختم ہو کر انقضائے عدت کا موجب بنا ہے) نیز یہ بھی امر معلوم ہے کہ اس کا قول "قد انقضت عدتي" موجودہ نہیں بلکہ گذشتہ حالت کی خبر ہے تو تقدیرًا انقضائے عدت کی حالت شوہر کے قول "قد راجعتک" پر مقدم ہوگی (کیونکہ عدت ختم ہو جانے کے بعد ہی اس نے بتانا تھا کہ میری عدت تو ختم ہو چکی ہے) تو گویا یہ ایسے ہو گیا کہ پہلے عورت نے کہا: "قد انقضت عدتي" پھر شوہر نے کہا: "قد راجعتک" چنانچہ یہ رجعت درست نہیں ہوگی اس لیے کہ مسلّم اصول ہے کہ عدت ختم ہونے کے بعد رجعت ثابت نہیں ہوتی۔[۲]

قول مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ **فی الفتاوی الهندیة:**

لو قال لها راجعتک فقالت المرأة موصولًا بكلام الزوج انقضت عدتي لم تصح الرجعة في قول أبي حنیفة رحمه الله تعالی وعندهما تصح الرجعة كذا في النهاية والصحيح قول ابي حنيفة رحمه

۱ـ اللباب في شرح الكتاب (۲/۱۸۱)، الاختیار لتعلیل المختار (۳/۱۶۳)، البحرالرائق (۴/۸۶)، المبسوط للسرخسی (۶/۲۴)، تبیین الحقائق (۲/۲۵۲)، خلاصة الفتاوی (۲/۱۱۷)، خلاصة الدلائل فی تنقیح المسائل (۲/۷)، المستخلص علی هامش الكنز (۱۳۱)، الهدایة (۲/۴۰۶)، النهرالفائق (۲/۴۱۵)، شرح الطائی علی الكنز (۱/۱۶۰)، شرح مختصر الطحاوی للجصاص (۵/۱۴۲)، شرح الوقایة (۲/۱۱۱)، الفتاوی الهندیة (۱/۴۷۰)، ردالمحتار (۵/۳۲)

۲ـ شرح مختصر الطحاوی للجصاص (۵/۱۴۲)، وكذا في: المبسوط للسرخسی (۶/۲۴)، درر الحكام لملا خسرو (۱/۳۸۴)

الله تعالى كذا في المضمرات.[1]

❷ قال الحلبي:

ولو قال راجعتک فقالت: مجيبة له انقضت عدتي فالقول لها ولا تصح الرجعة خلافًا لهما

قال الحصكفي:

(ولا تصح الرجعة) وهو الصحيح لمصادفتها انقضاء العدة [2]

❸ قال القهستاني:

(وصدقت) الزوجة (في مضى عدتها) أي في ادعاء ها انقضاء العدة عند إنشائه الرجعة فلو قال راجعتک فقالت: "قد مضت عدتي" لم تصح الرجعة على الصحيح [3]

❹ قال ابن قطلوبغا:

(وإذا قال الزوج قد راجعتک فقالت مجيبة له: قد انقضت عدتي لم تصح الرجعة عند أبي حنيفة) وقالا: تصح، قال الإسبيجابي: والصحيح قول أبي حنيفة. [4]

❺ جميع المتون على قول الإمام[5] فهذا من ترجيح له ايضا.

❻ كذا في الكتب الأخر (حيث أخر مصنفوها دليل الإمام فيها ومنهم من ضمّنه جواب دليلهما فهذا من امارات ترجيح قول الإمام أبي حنيفة كما عرف في موضعه) [6]

١ـ الفتاوى الهندية (٤٧٠/١)

٢ـ الدر المنتقى (٨٣/٢)

٣ـ جامع الرموز (٥٤٤/١)

٤ـ الترجيح والتصحيح (٤١٥/٢)

٥ـ المختار للفتوى (١٦٣/٣)، كنز الدقائق (١٣١)، الوقاية (١١١/٢)، النقاية (٦٣٩/١)، مجمع البحرين (٥٧١)، بداية المبتدى (٧٧/١)، غرر الأحكام (٣٨٤/١)، تنوير الأبصار (٣٢/٥)

٦ـ الاختيار لتعليل المختار (١٦٣/٣)، الهداية (٤٠٦/٢)، المبسوط للسرخسى (٢٤/٦)، تبيين الحقائق(٢٥٢/٢)

[۱۷۱] اختلافی مسئلہ

وإذا قال زوج الأمة بعد انقضاء عدتها: قد كنت راجعتها في العدة فصدقه المولى وكذبته الأمة فالقول قولها عند أبي حنيفة (وقالا: القول قول المولى[۱])

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

رجعت وعدمِ رجعت کا دارومدار عدت پر ہے (کہ بقاءِ عدت کی صورت میں رجعت درست اور انقضاء کی صورت میں غیر معتبر ہوتی ہے) اور عدت کی بقاء وانقضاء کے بارے میں چونکہ بیوی کا قول ہی معتبر ہوتا ہے لہٰذا جو چیز اس عدت پر موقوف ہوگی ظاہر ہے کہ اس کے وقوع وعدمِ وقوع میں بھی بیوی کا قول ہی قابلِ قبول اور معتبر ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ رجعت عدت پر موقوف ہے اور عدت بیوی کے قول پر موقوف ہے لہٰذا رجعت بیوی کے قول پر موقوف ہے۔[۲]

قولِ مفتی بہ کی ترجیح:

① في الفتاوى الهندية:

إذا قال زوج الأمة بعد انقضاء عدتها قد كنت راجعتك وصدقه المولى وكذبته الأمة فالقول قولها عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى وقالا: القول قول المولى كذا في الهداية والصحيح قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى كذا في المضمرات.[۳]

۱۔ بداية المبتدى (۷۷/۱)، تبيين الحقائق (۲۵۳/۲)، رد المحتار (۳۳/۵)، الجوهرة النيرة (۲۰۰/۲)، شرح الوقاية (۱۱۲/۲)، منتهى الأبحر (۸۳/۲)، حاشية الطحطاوى على الدر المختار (۱۲۹/۲)، البحر الرائق (۸۶/۴)، النهر الفائق (۴۱۶/۲)

۲۔ تبيين الحقائق (۲۵۲/۲)، مجمع الأنهر (۸۳/۲)، الهداية (۴۰۶/۲)، رد المحتار (۳۳/۵)، حاشية الطحطاوى على الدر المختار (۱۷۱/۲)، اللباب في شرح الكتاب (۱۸۱/۲)، المبسوط للسرخسي (۲۵/۶)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (۳۸۴/۱)، البحر الرائق (۸۶/۴)، النهر الفائق (۴۱۶/۲)، رمز الحقائق (۱۶۰/۱)

۳۔ الفتاوى الهندية (۴۷۰/۱)

❷ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وإذا قال زوج الأمه بعد انقضاء عدتها. "قد كنت راجعتها في العدة" فصدقه المولى وكذبته الأمة فالقول قولها.) قال الاسبيجابي: وهذا قول أبي حنيفة وزفر. وقالا: القول قول المولى. والصحيح قول أبي حنيفة. [1]

❸ قال الحلبي:

وإن قال زوج الأمة بعد العدة: كنت راجعت فيها فصدقه سيدها وكذبته فالقول لها وعندهما للسيد[2] (القول المقدم فيه راجح علي ما صرح به الشامي في شرح العقود والمصنف في المقدمة)

❹ قول الإمام قول المتون [3] فهذا من ترجيح له ايضا.

❺ كذا في الكتب الأخر (حيث أخر مصنفوها دليل الإمام فيها وبعضهم ضمنوه جواب دليلهما وهذا من امارات ترجيح قول الإمام أبي حنيفةؒ على ما مرّ بيانه غير مرة) [4]

---

[۱۷۲] اختلافی مسئلہ

وإن انقطع الدم لأقل من عشرة أيام لم تنقطع الرجعة حتى تغتسل أو يمضي عليها وقت صلاة أو تتيمم وتصلي عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى وقال محمد رحمه الله تعالى: إذا تيممت المرأة انقطعت الرجعة وإن لم تصل.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

١ـ الترجيح والتصحيح (٣٧٦)

٢ـ ملتقى الأبحر (٢/٨٣)

٣ـ المختار للفتوى (٣/١٦٣)، كنز الدقائق (١٣١)، الوقاية (٢/١١٢)، النقاية (١/٦٣٩)، مجمع البحرين (٥٧١)، غرر الأحكام (١/٣٨٤)، تنوير الأبصار (٥/٣٣)

٤ـ الاختيار لتعليل المختار (٣/١٦٤)، تبيين الحقائق (٢/٢٥٣)، الهداية (٢/٤٠٦)، المبسوط للسرخسي (٦/٢٥)، النهر الفائق (٢/٤١٦)، حاشية الطحطاوى على الدر (٢/١٧١)، الجوهرة النيرة (٢/٢٠٠)

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

پانی کی عدم موجودگی میں تیمم کو طہارتِ مطلقہ کا درجہ حاصل ہے حتیٰ کہ وہ تمام احکام اس سے ثابت ہوتے ہیں جو غسل سے ثابت ہوتے ہیں جیسے جوازِ صلاۃ، دخولِ مسجد، قراءۃِ قرآن اور مسِ مصحف وغیرہ

لہٰذا یہ تیمم غسل کے قائم مقام ہوجائے گا اور ظاہر ہے کہ محض غسل سے جب رجعت منقطع ہوجاتی ہے تو صرف تیمم سے بھی منقطع ہوجائے گی۔[1]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن الهمام:

قال بعد بسط الكلام -فيما وقع فيه الخلاف بين الشيخين رحمهما الله تعالى ومحمد رحمه الله تعالى في مسألة اقتداء المتوضئ بالمتيمم في باب الإمامة (حيث قال محمد: لا يجوز اقتداء المتوضئ به وقالا: يجوز) ومسألة الرجعة في هذه الصورة-: والباقي بعد هذا إنما هو النظر في الترجيح في الخلافين في الحكم، وعندي أن قولهما في الاقتداء أحسن من قول محمد وقول محمد في الرجعة أحسن من قولهما[2]

❷ قال التمرتاشي والحصكفي:

وتنقطع الرجعة إذا طهرت من الحيض الأخير لعشرة أيام مطلقا وإن لم تغتسل ولأقل لا تنقطع حتى تغتسل أو بمضي وقت صلاة أو تتيمم وتصلي اهـ

قال الشامي:

قال في النهر: وتقييد المصنف بالصلاة يومئ إلى اختيار قول الرازي وهذا عندهما وقال محمد تنقطع بمجرد التيمم وهو القياس لأنه طهارة مطلقة ورجحه في الفتح وأقره في البحر والنهر.[3]

❸ قال ابن نجيم:

قوله (أو تتيمم وتصلي) أي لا تنقطع الرجعة عند فقد الماء حتى تتيمم وتصلي به فرضا كان أو غيره ولا يكفي مجرد التيمم عندهما- إلى أن قال بعد ذكر الخلاف في مسألتي الإمامة والرجعة- لكن

١ـ الهداية (٤٠٧/٢)، مجمع الأنهر (٨٣/٢)، البناية (١١٠)، تبيين الحقائق (٢٥٤/٢)، النهر الفائق (٤١٧/٢)، رمز الحقائق (١٦٠/١)، الجوهرة النيرة (٢٠١/٢)

٢ـ فتح القدير (١٥٠/٤)

٣ـ [illegible] مع رد المحتار (٣٥/٥)

محمدا عمل بالاحتياط فيهما وقد رجع في فتح القدير قولهما في الإمامة وقوله في الرجعة[1]- [وقد قال ابن نجيم قبل هذا "هكذا أفاد في فتح القدير بحثا وهو وإن خالف ظاهر المتون لكن المعنى يساعده والقواعد لاتأباه"]

❹ اقتفى سراج الدين ابن نجيم أثر ابن الهمام حيث قال -بعد ذكر الخلاف وتوضيحه- حسب ما قال المحقق الجليل في "فتح القدير" وأقر ترجيحه. [2]

❺ قال العلاء الحصكفي:

(وعند محمد تنقطع بالتيمم وإن لم تصل) ورجحه في الفتح. [3]

---

[۱۷۳] اختلافی مسئلہ

وإذا طلق الرجل الحرة تطليقه أو تطليقتين وانقضت عدتها وتزوجت بزوج آخر فدخل بها ثم عادت إلى الأول عادت بثلاث تطليقات ويهدم الزوج الثاني ما دون الثلاث (من الطلاق) كما يهدم الثلاث عند أبي حنيفة وأبي يوسف -رحمهما الله تعالى- وقال محمد -رحمه الله-: لا يهدم الزوج الثاني ما دون الثلاث. [4]

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ اس میں شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔ (۵)

١ـ البحر الرائق (٨٩/٤)

٢ـ النهر الفائق (٤١٧/٢)

٣ـ الدر المنتقى (٤١٥/٢)

٤ـ الملاحظة: هذه المسألة تسمى "مسألة الهدم". انظر له شرح النقاية لفخر الدين (٦٤٣:١) و ردالمحتار (٥٥:٥)

١ـ ف: يقول العبد الضعيف عفا الله عنه: مال المحقق الكمال ابن الهمام الي ترجيح قول محمد في هذه المسألة، حيث قال في "الفتح" (١٦٥:٤). بعد ما اطال الكلام من الجانبين:ـ "فظهر ان القول ما قاله محمد وباقى الأئمة الثلاثة" وتبعه ابن نجيم في "البحر" (٩٨:٤) وأخوه في "النهر" (٤٢٤:٢) والعلاء الحصكفى في "الدر المنتقى" (٩٢:٢) وداماد أفندي في "المجمع" (٩٢:٢) والشرنبلالي في "حاشيته علي الغرر" (٣٨٧:١). هذا ولكن القول ==

قول مفتی بہ کا مستدل:

(أ) روى محمد عن أبي حنيفةؒ عن حماد بن أبي سليمان عن سعيد بن جبيرؓ قال: كنت جالسا عند عبدالله بن عتبة بن مسعود إذ جاءه رجل أعرابي ليسأله عن رجل طلق امرأته تطليقة أو تطليقتين ثم انقضت عدتها فتزوجت زوجا غيره فدخل بها ثم مات عنها أو طلقها ثم انقضت عدتها وأراد الأول أن يتزوجها على كم هي عنده؟ قال فقال لي: اجبه، ثم قال: ما يقول ابن عباسؓ فيها؟ قال: فقلت له: يهدم الواحدة والثنتين والثلاث، قال: سمعت من ابن عمر فيها شيئا؟ قال: فقلت له: لا، قال إذا لقيته فاسئله، قال: فلقيت ابن عمر رضي الله عنهما فسئلته عنها فقال فيها مثل قول ابن عباس رضي الله عنهما. [1]

(٢) قال ابن عباس[2] وابن عمر[3] وعطاء[4] وشريح[5]: النكاح جديد والطلاق جديد.

(٣) عن علي رضي الله عنه قال إسماعيل وأراه قد رفعه إلى النبي -صلى الله عليه وسلم- أن النبي -صلى الله عليه وسلم- قال: "لعن الله المحلل والمحلل له". [6]

== الذي ينبغي أن يفتي به ويعمل عليه هو قول الشيخين كما صرح به الشامي، بعد اطالة الكلام في هذا البحث من الجانبين، حيث قال: "شرح الملتقى للعلائي وفي الكنز ويهدم الزوج الثاني ما دون الثلاث ومثله في الوقاية وسائر المتون وقد أطال الزيلعي في دليل الإمام رحمه الله تعالى ولا شك أن العمل بما في المتون"- انظر [تنقيح الفتاوى الحامدية (١:٣٣٣)]

١ـ كتاب الآثار (ص ١٢٤، الرقم:٤٦٧)

قال الزيلعيؒ في "نصب الرأية"(٣: ٢٤٠) عنه: "أثر جيد" ونقله الشيخ العثمانيؒ في "الإعلاء" (١١: ٢١٠) وأقره

٢ـ مصنف عبدالرزاق (٦/٣٥٤) رقم (١١٦٢)

٣ـ مصنف عبدالرزاق (٦/٣٥٤) رقم (١١٦٤)

٤ـ مصنف عبدالرزاق (٦/٣٥٤) رقم (١١٦١)

٥ـ مصنف عبدالرزاق (٦/٣٥٤) رقم (١١٥٦)

٦ـ سنن أبي داود (٢/١٨٨) رقم (٢٠٧٨)، وكذا انظر له: سنن ابن ماجه (١/٦٢٣) رقم (١٩٣٦)، المنتقى لابن الجارود (١/١٧٢) رقم ٦٨٤)، المستدرك (٢/٢١٧)رقم (٢٨٠٤) وقال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه ووافقه الذهبي في التلخيص

قال ابن حجر في "التلخيص الحبير" (٣/٣٧٢): أخرجه الترمذي والنسائي من حديث ابن مسعود وصححه ابن القطان وابن دقيق العيد على شرط البخاري:

وفي "الدراية" (٢/٧٣): حديث لعن الله المحلل والمحلل له الترمذي والنسائي عن ابن مسعودؓ ورواته ثقات ولأبي داود والترمذي وابن ماجة وأحمد عن علي نحوه وفيه الحارث الأعور وعن جابر وفيه مجالد بن سعيد ==

بعض فقہاء نے اس سلسلہ میں حدیث بالا سے استیناس [1] کیا ہے بایں طور کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو "محلل" کا نام دیا ہے یعنی حلِ جدید (نئے سرے سے حلت) کو ثابت کرنے والا۔ تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ زوجِ ثانی ان تمام طلاقوں کو ہدم کردے جو پہلے شوہر نے دی ہیں کیونکہ جب تین طلاقوں کو وہ (بالاتفاق) ہدم کردیتا ہے تو ان سے کم کو بدرجۂ اولیٰ ہدم کردے گا۔ [2]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

وإذا طلق امرأته طلقة أو طلقتين وانقضت عدتها وتزوجت بزوج آخر ودخل بها ثم طلقها وانقضت عدتها ثم تزوجها الأول عادت إليه بثلاث تطليقات ويهدم الزوج الثاني الطلقة والطلقتين كما يهدم الثلاث كذا في الاختيار شرح المختار وهو الصحيح كذا في المضمرات. [3]

== ولابن ماجة عن عقبة بن عامر رفعه ألا أخبركم بالتيس المستعار قالوا بلى قال هو المحلل لعن الله المحلل والمحلل له ورواته موثقون وفي الباب عن ابن عباس أخرجه ابن ماجة وعن أبي هريرة نحوه أخرجه أحمد والبزار وأبو يعلى وإسحاق وابن أبي شيبة في مسانيدهم ورجاله موثقون

قال ابن الملقن في "البدر المنير" (٦١٢/٧): هذا الحديث مرويّ من طرق:

إحداها: من حديث ابن مسعود رضي الله عنه وعليه اقتصر صاحب "المهذّب" (و) هو حديث صحيح، رواه الترمذيّ، -والنّسائيّ- وقال: حسن صحيح

قال الزيلعي في "نصب الراية" (٢٣٧/٣):

قلت: روي من حديث ابن مسعود ومن حديث علي ومن حديث جابر ومن حديث عقبة بن عامر ومن حديث أبي هريرة ومن حديث ابن عباس [أحاديث مختلفة]: فحديث ابن مسعود: أخرجه الترمذي والنسائي -إلى ان قال- قال الترمذي: حديث حسن صحيح

١۔ يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

كنت كتبت هنا "استدلال" في موضع "استيناس" فلما نظر فضيلة الشيخ الفقيه عبدالمجيد دين بورى حفظه الله تعالى وأطال ظله علينا -رئيس الجامعة الإسلامية بنورى تاؤن كراتشي- بعض هذه المسودة بنظر الإصلاح فافادني بتبديله ب "استيناس" كما ثبت الأن . وهذا كله بوفور شفقته عليّ فجزاه الله تعالى عنى من الجزاء فى الدنيا والآخرة ما يجزى من الاصاغر للأكابر وما يليق بشأنهم.

٢۔ الغرة المنيفة (١٥٤/١)

٣۔ الفتاوى الهندية (٤٧٥/١)

❷ قال ابن قطلوبغا:

(وإذا طلق الحرة تطليقةً أو تطليقتين وانقضت عدتها وتزوجت بزوج آخر ثم عادت إلى الأول عادت بثلاث تطليقاتٍ، ويهدم الزوج الثاني ما دون الثلاث من الطلاق. وقال محمدٌ: لا يهدم ما دون الثلاث.) قال أبو المعالي: وهو قول الشافعي، والصحيح قولنا. [1]

❸ قال الشامي (في الإجابة عن سوال من هذا النوع):

(سئل) في رجل طلق زوجته المدخول بها طلقتين لا غير ثم بعد انقضاء عدتها بثلاث حيض كوامل تزوجت بزيد ثم طلقها زيد بعد الدخول بها ثم بعد انقضاء عدتها منه تزوجت بالزوج الأول وطلقها طلقة واحدة رجعية ويريد الزوج مراجعتها إلى عصمته فهل له ذلك؟

(الجواب): نعم! ونكاح الزوج الثاني يهدم أي يبطل ما دون الثلاث من الطلقات أيضا أي كما يهدم حكم الثلاث إجماعا لأنه إذا هدم الثلاث في حق الحرة والثنتين في حق الأمة فما دونها أولى خلافا لمحمد وباقي الأئمة فعندهم لا يهدم فمن طلقت دونها أي الثلاث وعادت إليه أي الأول بعد زوج آخر عادت إلي الأول بثلاث عندهما وعنده أى عند محمد بما بقي من الثلاث والخلاف مقيد بما إذا دخل بها فإن لم يدخل لا يهدم اتفاقا وانتصر الكمال لمحمد بما يطول ثم قال فظهر أن القول ما قاله وهو الحق وأقره في البحر والنهر شرح الملتقى للعلائي وفي الكنز ويهدم الزوج الثاني ما دون الثلاث ومثله في الوقاية وسائر المتون وقد أطال الزيلعي في دليل الإمام رحمه الله تعالى ولا شك أن العمل بما في المتون. [2]

❹ قال الحلبي:

والزوج الثاني يهدم ما دون الثلاث أيضًا خلافًا لمحمد [3] (ومن المعلوم أن القول المقدم فيه راجح كما عرفت سابقا في مواضع عديدة)

❺ قال التمرتاشي والحصكفي:

(والزوج الثاني يهدم بالدخول) فلو لم يدخل لم يهدم اتفاقا. قنية (ما دون الثلاث أيضا) أي كما يهدم الثلاث إجماعا لأنه إذا هدم الثلاث فما دونها أولى خلافا لمحمد.

قال الشامي –بعد بسط الكلام في المرام–:

١ـ الترجيح والتصحيح (٣٧٩)

٢ـ تنقيح الفتاوى الحامدية (١/٣٣٣)

٣ـ ملتقى الأبحر (٢/٩١)

لكن المتون على قول الإمام وأشار في متن الملتقى إلى ترجيحه ونقل ترجيحه العلامة قاسم عن جماعة من أصحاب الترجيح ولم يعرج على ما قاله شيخه في الفتح وكذا لم يعرج عليه في مواهب الرحمن مع أنه كثيرا ما يتبع صاحب الفتح في ترجيحه. [۱]

❻ كذا في الكتب الأخر (حيث أخر مصنفوها دليل الشيخين فيها وبعضهم ضمنوه جواب دليل محمد، وهذا من أمارات ترجيح قولهما كما في شرح العقود للشامي) [۲]

---

[۱۷۴] مسئلہ

إذا قال لامرأته أنت علي حرام سئل عن نيته... وإن قال: أردت به التحريم أو لم أرد به شيئا فهو يمين يصير بها موليا

مفتیٰ بہ قول:

صورتِ بالا میں مفتیٰ بہ قول کے موافق ایلاء کی بجائے طلاق کے وقوع کا حکم لگایا جائے گا۔

مستدل:

عن عبدالله بن مسعودؓ قال: ما رأى المسلمون حسنًا فهو عند الله حسن. [۳]

۱ـ الدر المختار مع رد المحتار (٥/٥٦،٥٥)

۲ـ الاختيار لتعليل المختار (٣/١٦٦)، بدائع الصنائع (٣/٢٠١)، الهداية (٢/٤١٠)، تبيين الحقائق (٢/٢٦٠،٢٥٩) -وقد أطال الزيلعي فيه الكلام في تأييد قول الشيخين -رحمهما الله تعالى- فأجاد وأفاد، ثم أتي بالأجوبة عن دليل محمد -رحمه الله تعالى- بما تطمئن به القلوب وترتاح به الصدور.

۳ـ بعضهم رفعوه والصحيح أنه موقوف على ما ترى فيما يليك ومع ذلك هو حسن:

أخرجه الحاكم في "المستدرك" (٣/٨٣) برقم (٤٤٦٥) وقال: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه ووافقه الذهبي في التلخيص. والهيثمي في "مجمع الزوائد (١/٤٢٨)" برقم (٨٣٢) وقال: رواه أحمد والبزار والطبراني في الكبير ورجاله موثقون، وأحمد في "مسنده" (١/٣٧٩) برقم (٣٦٠٠) وقال شعيب الأرنؤوط في تعليقه عليه: إسناده حسن. وقال السخاوي في "المقاصد الحسنة" ص: (٥٨١): وهو موقوف حسن وكذا أخرجه البزار والطيالسي والطبراني وأبو نعيم في ترجمة ابن مسعود من الحلية بل هو عند البيهقي في الاعتقاد من وجه آخر عن ابن مسعود. وقال الفتني في "تذكرة الموضوعات" (ص:٩١): موقوف حسن على ابن مسعود. وقال العجلوني في "كشف الخفاء" (٢/١٨٨): وقال الحافظ ابن عبدالهادي مرفوعا عن أنس بإسناد ساقط والأصح وقفه على ابن مسعود. وقال الزيلعي فى "نصب الراية" (٤/١٣٣) قلت: غريب مرفوعا، ولم أجده إلا موقوفا على ابن مسعود، وله طرق: ثم أتى بطرقه فهو حسن عنده ، ومع ذلك قد تقدم تخريجه.

نیز فقہ کا اصول ہے: "العادة محكمة"[1]

یعنی حکم شرعی میں عرف وعادت کو معتبر قرار دیا گیا ہے۔

اسی کو علامہ شامی نے اصولِ افتاء میں اپنی معروف کتاب "شرح عقود رسم المفتی" میں جامع ومانع الفاظ میں مختصراً یوں بند کیا ہے:

والعرف في الشرع له اعتبار

لذا عليه الحكم قد يدار[2]

مذکورہ بالا اصول کے تناظر میں "انت علی حرام" کا عرف میں بکثرت طلاقِ بائن کے معنی میں مستعمل ہونے کی بناء پر مندرجہ بالا مسئلہ میں طلاق کے وقوع کا ہی حکم لگایا جائے گا۔[3]

تخریج:

❶ في الهندية:

إذا قال الرجل لامرأته أنت علي حرام ... وإن قال أردت التحريم أو لم أرد به شيئا فهو يمين يصير به موليا ومن المشايخ من يصرفه إلى الطلاق من غير نيته للعرف قال صاحب الكتاب يأتي في الأيمان وعليه الفتوى كذا في غاية السروجي[4]

❷ قال الحلبي:

وإن قال لها: أنتِ عليّ حرام كانَ موليًا إن نوى التحريم أو لم ينوِ شيئًا ... والفتوى وقوع الطلاق به وإن لم ينوِ.

قال داماد أفندي:

(والفتوى) اليوم على (وقوع الطلاق به) أي بقوله أنت علي حرام. (وإن لم ينو) وهو قول

١ـ الأشباه والنظائر لابن نجيم (١/٩٣)...... ثم قال فی ذيله شرحا له: واعلم أن اعتبار العادة والعرف يرجع إليه في الفقه في مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلك اصلًا. شرح القواعد الفقهية للزرقا (١/١٢٤)، شرح الكوكب المنير (٤/٤٤٨)، قواعد الفقه للبركتي (١/١٩)

٢ـ ص:٣٧

٣ـ انظر له: فتح القدير (٤/١٨٥)، فتاوى النوازل (٢١٢)، الاختيار (٣/١٧١)، تبيين الحقائق (٢/٢٦٧)، الدر المنتقى (٢/١٠١)، الوقاية (٢/١٢٣)، الدر المختار (٥/٨٠)، مجمع الأنهر (٢/١٠٠)، الدرر شرح الغرر (١/٣٨٩)

٤ـ الفتاوى الهندية (١/٤٨٧)

المتأخرين لغلبة الاستعمال بالعرف وعليه الفتوى كما في أكثر المعتبرات [1]

❸ قال التمرتاشي والحصكفي:

(قال لامرأته: أنت علي حرام) ونحو ذلك كانت معي في الحرام (إيلاء إن نوى التحريم، أو لم ينو شيئا)... ويفتى بأنه طلاق بائن وإن لم ينوه لغلبة العرف.

قال الشامي:

(قوله: قال لامرأته: أنت علي حرام إيلاء إن نوى التحريم إلخ) أقول: هكذا عبارة المتون هنا. وعبارتها في كتاب الأيمان: كل حل علي حرام فهو على الطعام والشراب والفتوى على أنه تبين امرأته من غير نية. وذكر في الهداية هناك أنه ينصرف إلى الطعام والشراب للعرف فإنه، يستعمل فيما يتناول عادة، فيحنث إذا أكل، أو شرب ولا يتناول المرأة إلا بالنية، وإذا نواها كان الإيلاء، ولا تصرف اليمين عن المأكول والمشروب، وهذا كله جواب ظاهر الرواية: ثم ذكر اختيار المشايخ المتأخرين أنه تبين امرأته بلا نية. –الى أن قال– والفتوى على قول المتأخرين بانصرافه إلى الطلاق البائن. [2]

❹ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وإن قال أردت التحريم أو لم أرد به شيئا فهو يمين يصير بها موليا)

قال في الهداية: ومن المشايخ من يصرف لفظ التحريم إلى الطلاق من غير نية لحكم العرف، قال الإمام المحبوبي: وبه يفتى، وقال نجم الأئمة في شرحه لهذا الكتاب: قال أصحابنا المتأخرون: الحلال علي حرام، أو أنت علي حرام، أو حلال الله علي حرام، أو كل حلال علي حرام– طلاق بائن، ولا يفتقر إلى النية؛ للعرف. حتى قالوا في قول محمد (إن نوى يمينًا فهو يمين، ولا تدخل امرأته إلا بالنية، وهو على المأكول والمشروب): إنما أجاب به على عرف ديارهم، أما في عرف بلادنا فيريدون تحريم المنكوحة فيحمل عليه. ا هـ. وفي مختارات النوازل: وقد قال المتأخرون: يقع به الطلاق من غير نية، لغلبة الاستعمال بالعرف، وعليه الفتوى، ولهذا لا يحلف به إلا الرجال [3]

❺ قال المحبوبي:

وأنت علي حرام إن نوي به الطلاق فبائنة ... وإن نوي التحريم أو لم ينو شيئا فإيلاء وقيل هو

١ـ مجمع الأنهر (٢/ ١٠٠)

٢ـ الدر المختار مع حاشية ابن عابدين (رد المحتار) (٥/ ٧٧)

٣ـ الترجيح والتصحيح (٣٨٣)

وكل حل علي حرام طلاق بلا نية للعرف وبه يفتى [1]

❻ كذا في الكتب الأخر [2]

١ـ الوقاية (٢/١٢٣، ١٢٢)

٢ـ فتاوى النوازل (٢١٢)، النهر الفائق (٢/٤٣٤، ٤٣٣)، الدر المنتقى (٢/١٠٠)، شرح النقاية لملا علي القاري (١/٦٤٧)، شرح النقاية لفخر الدين (١/٦٤٧)، جامع الرموز (١/٥٥٤)، العناية (٤/١٨٧)، البناية (٧/١٦٦)، الفتاوى البزازية (٤/٩٠)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (١/٣٨٨، ٣٨٩)

كتاب الخلع

[١٧٥] اختلافی مسئلہ

إن قالت: طلقني ثلاثا بألف فطلقها واحدة فعليها ثلث الألف وإن قالت: طلقني ثلاثا على ألف فطلقها واحدة فلا شيء عليها عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى وقالا رحمهما الله تعالى: عليها ثلث الألف.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(١) **عن عبدالرزاق عن الثوري: إن قالت له أعطيك ألف درهم على أن تطلقني ثلاثا فإن طلق ثلاثا كان له ألف درهم وإن طلق واحدة أو اثنتين لم يكن له شيء وهو أحق بها.** [١]

(٢) "باء" عوض کیلئے آتی ہے اور روزمرہ کے معاملات میں عوض اپنے معوض پر تقسیم ہوتا رہتا ہے جبکہ "علیٰ" یہاں شرط کیلئے ہے [٢]

١ـ مصنف عبدالرزاق (٦/٤٩٣) رقم (١١٨٠٦)

٢ـ ف: يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

لا يسعني أن اتجاوز هذا المكان ولا أذكر هنا ما قال فيه ابن قدامة الحنبلي -ردًا لما قال مشايخنا من ورود "على" في معني الشرط، حيث قال: "لا نسلم أن على للشرط فانها ليست مذكورة في حروفه وانما معناها ومعنى الباء واحد". انظر: (المغنى ٨/٢٠٥)- والاجابة عنه.

وهذا الذى قاله ابن قدامة فيه نظر ظاهر، فآتي اليك بشاهد غير واحد -من الكتاب العزيز والفرقان الحميد- ملتقطا من كتب ائمتنا الحنفية وهو يظهر وينادي بأعلى النداء أن كلمة "على" قد وردت في معنى الشرط:

قال الله تعالى: ﴿حقيق على أن لا أقول على الله إلا الحق﴾ [الأعراف:١٠٥]، أي بشرط أن لا أقول، وقال تعالى ﴿يبايعنك على أن لا يشركن بالله شيئا﴾ [الممتحنه:١٢]، أي بشرط أن لا يشركن. انظر: المبسوط للسرخسي (٦/١٧٥) والاختيار للموصلي (٣/١٧٤)، والعناية للبابرتي (٤/٢٠٤)

اور مشروط اجزاء شرط پر منقسم نہیں ہوا کرتا اس لئے عورت پر کوئی مال واجب نہیں ہوگا۔ (۱)

اسی کو ملک العلماء امام کاسانیؒ نے ذرا سہل انداز میں یوں تعبیر کیا ہے:

''علی'' کلمہ شرط ہے لہٰذا تین طلاقوں کا وجود، وجوب اَلف کیلئے شرط ہوگا اور ایک طلاق بعض شرط ہے تاہم حکم جب کسی شرط کے ساتھ متعلق ہو تو وہ بعض شرط کے وجود سے ثابت نہیں ہوتا چنانچہ جب اس نے تین طلاقیں نہیں دیں تو شرط نہیں پائی گئی، لہٰذا شوہر اَلف میں سے کسی چیز کا مستحق نہیں ہوگا۔ (۲)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

(فإن قالت طلقني ثلاثا على ألف فطلقها واحدة فلا شيء عليها عند أبي حنيفة) .. وقالا: عليها ثلث الألف، والصحيح قوله (٣)

❷ قال الزحيلي:

وإن قالت له: (طلقني ثلاثًا بألف) فطلقها واحدة، فعليها ثلث الألف؛... أما لو قالت: (طلقني ثلاثًا على ألف) فطلقها واحدة، فلا شيء عليها عند أبي حنيفة، وتقع طلقة رجعية؛ لأن كلمة (على) للشرط، والمشروط لا يتوزع على أجزاء الشرط، بخلاف الباء، لأنه للعوض، وهذا هو الصحيح عند الحنفية. وقال الصاحبان والشافعية: عليها ثلث الألف، (٤)

❸ قال الحلبي:

ولو قالت طلقني ثلاثًا بألف فطلق واحدة فله ثلث الألف وبانت وفي "على" يقع رجعيًا بلا شيء وعندهما كالباء (٥) (ومن المعلوم أن القول المقدم فيه راجح –وهو هنا قول أبي حنيفة– كما عرفت سابقا في عدة مواضع)

١ـ الاختيار لتعليل المختار (٣/١٧٤)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (١/٣٩١)، مجمع الأنهر (٢/٨٣)، اللباب في شرح الكتاب (٢/١٨١)، النافع الكبير (٢١٤١)، ردالمحتار (٥/١٠٠)، رمز الحقائق(١/١٩٧)، الهداية (٢/٤١٥)، الفقه الإسلامي وأدلته (٧٠٢٤)، شرح النقاية لفخرالدين (١/٦٥٠)، شرح الوقاية (٢/١٢٥)

٢ـ بدائع الصنائع (٣/٢٤٠)

٣ـ الترجيح والتصحيح (٣٨٦)

٤ـ الفقه الإسلامي وأدلته (٧٠٢٤)

٥ـ ملتقى الأبحر (ص: ١٠٦)

● في الهندية:

في الفتاوى الكبرى لو قالت طلقني ثلاثا بألف فطلقها واحدة فعليها ثلاثة آلاف ولو قالت طلقني ثلاثا على ألف فطلّقها واحدة فلا شيء عليها عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى ويملك الرجعة[1]

(فالاقتصار فيه علي قول الإمام وعدم التعرض لقولهما –في معرض البيان– يدل على ترجيح قوله رحمه الله تعالى على ما عرف في أصول الإفتاء)

● قال الأوشي:

قالت: طلقني ثلاثًا بألف درهم فطلقها واحدة وقعت بائنة بثلث الألف؛ ولو قالت: طلقني ثلاثًا على ألف درهم والمسألة بحالها فهي رجعية بغير شيء.[2]

● قول الإمام قول المتون[3] فهذا من ترجيح له أيضا.

● قد أخر أصحاب الشروح دليل الإمام فيها وبعضهم ضمنوه جواب دليلهما وذاك من ترجيح لقول الإمام عندهم –وقد سبق بيانه–[4]

١ـ الفتاوى الهندية (١/٤٩٦)

٢ـ الفتاوى السراجية (٤٥)

٣ـ المختار للفتوى (٣/١٧٤)، كنز الدقائق (١٣٧)، الوقاية (٢/١٢٤)، النقاية (١/٦٥٠)، غرر الأحكام (١/٣٩١)، تنوير الأبصار (٥/٩٩)

٤ـ الاختيار لتعليل المختار (٣/١٧٤)، تبيين الحقائق (٢/٢٧١)، اللباب في شرح الكتاب (٢/١٩٠)، المبسوط للسرخسي (٦/١٧٤)، الهداية (٢/٤١٥)، شرح الوقاية –أيد صاحبه قول الإمام خير تأييد– (٢/١٢٥)، مجمع الأنهر (٢/١٠٦)، الجوهرة النيرة (٢/٢١٩)

[۱۷۶] اختلافی مسئلہ

والخلع والمبارأة يسقطان كل حق لكل واحد من الزوجين على الآخر مما يتعلق بالنكاح عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقال أبويوسف رحمه الله تعالى: المبارأة تسقط والخلع لا يسقط وقال محمد -رحمه الله تعالى-: لا تسقطان إلا ما سماه.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن أبي العلاء عن قتادة قال: ليس للمختلعة والمبارئة نفقة.[۱]

(۲) عن الحسن أنه كان يقول: ليس للمختلعة ولا المطلقة ثلاثا سكنى ولا نفقة[۲]

(۳) عن إبراهيم البصري عن الشعبي سئل عن المختلعة لها نفقة؟ فقال: كيف ينفق عليها وهو يأخذ منها[۳]

(۴) مبارأة، براءة سے باب مفاعلہ کا مصدر ہے اور برأت کا مطلب ہے ''سقوط''۔ لہٰذا یہاں جانبین (یعنی زوجین) کے درمیان عقدِ نکاح (جس سے اب وہ دونوں ''مبارأة'' کے ذریعے بری ہونا چاہتے ہیں) سے متعلقہ تمام حقوق ساقط ہو جائیں گے؛ اسی طرح لفظِ ''خلع'' بھی مکمل جدائی وعلیحدگی کی خبر دیتا ہے وہ اس طرح کہ ''خلع النعل'' (پورے طور پر جوتے اتارنا) اور ''خلع العمل'' (مکمل طور پر کام سے الگ اور جدا ہونا) اسی سے ماخوذ ہیں لہٰذا یہاں بھی ''خلع'' سے دونوں کے مابین مکمل طور پر جدائی اور علیحدگی واقع ہو جائے گی کہ اب دونوں میں سے کسی ایک کیلئے دوسرے سے عقدِ نکاح (جس سے وہ دونوں اب لفظِ ''خلع'' کے ذریعے نکل کر بالکل ایک دوسرے سے الگ ہونا چاہتے ہیں) سے متعلقہ کسی حق کا مطالبہ روا نہیں ہوگا تا کہ ''خلع'' (یعنی ایک دوسرے سے بالکل جدا ہو جانے کے مفہوم) کا تحقق ہو سکے۔[۴]

۱۔ مصنف ابن أبي شيبة (۱۲۳/٤) رقم (۱۸٤۹۹)

۲۔ مصنف ابن أبي شيبة (۱۲۲/٤) رقم (۱۸٤۹۸)

۳۔ مصنف ابن أبي شيبة (۱۲۲/٤) رقم (۱۸٤۹۷)

٤۔ مستفاد مما يليك: المبسوط للسرخسي (٦: ۱۹۰)، الهداية (۲: ٤۱٦)، البدائع (۳: ۲۳۸)، التبيين (۲: ۲۷۲)، الاختيار (۱۷٥/۳)، الموسوعة الفقهية الكويتية (۱۹: ۲۳٦)

(۵) خلع سے مقصود یہ ہے کہ نکاح کی بدولت حقوقِ نکاح میں پیدا ہو جانے والے جھگڑے کو ختم کیا جا سکے کیونکہ اگر وہ دونوں حقوق کی ادائیگی پر متفق ہوتے تو خلع کی نوبت ہی نہ آتی تو معلوم ہوا کہ ان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ خلع کے ذریعے ان کے ایک دوسرے پر حقوقِ مذکورہ ساقط کر دیے جائیں لہٰذا جب خلع ہو جائے گا تو ان کے یہ حقوقِ نکاح بھی ساقط ہو جائیں گے کہ خلع سے ان کا مقصود یہی تھا۔[1]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

والخلع والمبارأة يسقطان كل حق لكل واحد من الزوجين على الأخر مما يتعلق بالنكاح (عند أبي حنيفة) وقال أبويوسف في المبارأة مثل ذلك، وفي الخلع لا يسقط به إلا ما سميا، وقال محمد: لا يسقط فيهما إلا ما سميا، والصحيح قول أبي حنيفة.[2]

❷ قال الشامي:

وفي متن الملتقى والمبارأة كالخلع يسقط كل منهما كل حق لكل واحد من الزوجين على الأخر مما يتعلق بالنكاح فلا تطالب بمهر، ولا نفقة ماضية مفروضة، ولا يطالب هو بنفقة عجلها، ولم تمض مدتها، ولا بمهر سلمه، وخلع قبل الدخول اهـ.

أقول: وبه علم أن المذكور في الفتاوى رواية رابعة، والصحيح ما نقلناه عن هذه الشروح والمتون من براءة كل منهما مطلقا بلا رجوع لأحد على الأخر بشيء من المهر خلافا لما استظهره المؤلف.[3]

❸ قال قاضي خان:

وإن كان الخلع بلفظ المبارأة فالجواب عند أبي حنيفةؒ ما ذكرنا في الخلع عنده وعند محمدؒ الجواب فيه أيضًا ما ذكرنا في الخلع عنده وعند أبي يوسفؒ الجواب في المبارأة ما ذكرنا في الخلع عند أبي حنيفة –رحمه الله–[4] (فقول أبي حنيفةؒ فيه راجح لكونه مقدما في الذكر وهو مما لا يخفى على المفتي).

❹ قال الحلبي:

والمبارأة كالخلع ويسقط كل منهما كل حق لكل واحد من الزوجين على الأخر مما يتعلق بالنكاح فلا تطالب هي بمهر ولا نفقة ماضية مفروضة ولا هو بنفق عجلها ولم تمض مدتها ولا بمهر

١ـ الموسوعة الفقهية المقارنه۔التجريد۔ للقدوری (٤٧٧٢:٩)

٢ـ الترجيح والتصحيح (٣٨٧،٣٨٨)

٣ـ منحة الخالق على هامش البحر الرائق (١٤٧/٤)

٤ـ الفتاوى الخانية (٥٢٩/١)

سلمه وخلع قبل الدخول وعند محمد لا يسقط إلا ما سماه فيهما وأبو يوسف مع الإمام في المبارأة ومع محمد في الخلع [1] (ومن المعلوم ان القول المقدم فيه راجح كما عرفت سابقا غير مرة)

- في الفتاوى الهندية:

ويسقط الخلع والمبارأة كل حق لكل واحد على الأخر مما يتعلق بالنكاح [2] (ولم يذكر فيه ايّ اختلاف –وان كانت المسألة مختلف فيها– فهذا لكونه مختارا في الباب).

- اختار أصحاب المتون قول الإمام [3] وهذا من ترجيح له أيضا.
- كذا في الكتب الأخر (حيث أخر مصنفوها دليل الإمام فيها وبعضهم ضمنوه جواب دليلهما، وهذا من أمارات ترجيح قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى كما عرف في موضعه) [4]

١ـ ملتقى الأبحر (٢/١٠٩، ١١٠، ١١١)

٢ـ الفتاوى الهندية (١/٤٨٨)

٣ـ المختار للفتوى (٣/١٧٥)، كنز الدقائق (١٣٧،١٣٨)، الوقاية (٢/١٢٩)، النقاية (١/٦٥٠)، غررالأحكام (١/٣٩٢)، تنوير الأبصار (٥/١٠٤-١٠٦)، بداية المبتدى (١/٨٠)

٤ـ الاختيار لتعليل المختار (٣/١٧٥)، تبيين الحقائق (٢/٢٧٢)، المبسوط للسرخسى (٦/١٧٤)، الهداية (٢/٤١٦)، بدائع الصنائع (٣/٢٣٨)

كتاب الظهار

[۱۷۷] اختلافی مسئلہ

وإن أعتق نصف عبد مشترك عن الكفارة وضمن قيمة باقيه فأعتقه لم يجز عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى وقال أبويوسف ومحمد رحمهما الله تعالى: يجزيه إن كان المعتق موسرا وإن كان معسرا لم يجز.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أعتق شركا له في عبد فكان له مال يبلغ ثمن العبد قوم العبد قيمة عدل فأعطى شركاءه حصصهم وعتق عليه وإلا فقد عتق منه ما عتق. (۱)

حدیث بالا کے خط کشیدہ جملہ سے معلوم ہوا کہ عتق، متجزی ہے۔ چنانچہ مُظاہر نے یہاں شروع میں آدھا غلام (نصف رقبہ) کو آزاد کیا ہے (اور ظاہر ہے کہ نصف رقبہ کو رقبہ نہیں کہتے) اور ادھر دوسرے نصف میں نقصان متحقق ہو گیا ہے کیونکہ اب اس نصف میں رقیت کو باقی رکھنا دشوار ہو گیا ہے پھر ضمان کے ذریعے یہی ملکِ ناقص منتقل ہو کر اس مُظاہر کے پاس آئی ہے تو گویا مظاہر نے پورے اور کامل غلام کی بجائے تھوڑے سے نقص کے ساتھ غلام (رقبہ) کو آزاد کیا ہے جبکہ کفارہ کیلئے کامل رقبہ کا اعتاق ضروری ہے لہٰذا یہ عتق، کفارہ کیلئے کافی نہیں ہوگا۔ (۲)

۱۔ رواه البخاري (۸۹۲/۲) والمسلم (۳۷۹/۱٤)، وابن حبان (۱۵۵/۱۰) في صحاحهم، والطحاوي في شرح معاني الآثار (۱۰٦/۳) والمالك في الموطا (۱۱۲۱/۵)

۲۔ المبسوط للسرخسي (۱۳،۱۲/۷)، الهداية (۴۲۰/۲)، تبيين الحقائق (۹/۳)، شرح النقاية لفخر الدين (٦۵٤/۱)، رمز الحقائق (۱۷۱/۱)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (۳۸٤/۱)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وإن أعتق نصف عبدٍ مشركٍ وضمن قيمة باقيه وأعتقه لم يجز عند أبي حنيفة، وعندهما: يجوز) وهذه من فروع تجزئ العتق، وقد قال الإمام الإسبيجابي فيه الصحيح قول أبي حنيفة. [1]

❷ قال الحلبي:

ولو حرر نصف عبد مشترك وضمن باقيه لا يجوز خلافًا لهما [2] (القول المقدم فيه راجح علي ما صرح به الشامي في شرح العقود والمصنف في المقدمة وهو معروف)

❸ في الهندية:

ولو كان عبد بين اثنين أعتق أحدهما نصيبه عن كفارته لا يجوز عنها عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى سواء كان موسرا أو معسرا[3] (فالاقتصار فيه علي قول الإمام وعدم التعرض لقولهما -في معرض البيان- يدل علي ترجيح قوله رحمه الله تعالى علي ما عرف في أصول الإفتاء) وكذا في شرح النكت لابي النصر العتابي. [4]

❹ مشي أصحاب المتون على قول الإمام[5] وهذا من ترجيح له أيضا.

❺ كذا في الكتب الأخر (حيث أخر مصنفوها دليل الإمام فيها، وهذا من أمارات ترجيح قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى كما عرف في موضعه) [6]

١ـ الترجيح والتصحيح (٣٩١)

٢ـ ملتقى الأبحر (٢/١٢١)

٣ـ الفتاوى الهندية (١/٥١٠)

٤ـ (١/٦٥)

٥ـ المختار للفتوى (لم يتعرض صاحبه لنفس هذه المسألة، نعم! أتى بنظيرها في حق الإمام -رحمه الله تعالى- في المتن وبنفسها في الشرح)، كنز الدقائق (١٤٠)، الوقاية (٢/١٣٢)، النقاية (١/٦٥٤)، مجمع البحرين (٥٨٥)، غررالأحكام (١/٣٩٤)، تنوير الأبصار (٥/١٣٩)

٦ـ تبيين الحقائق (٣/٩)، الهداية (٢/٤٢٠)، المحيط البرهاني (٤/٣٥)، تحفة الفقهاء (٢/٣٤٤)

[١٧٨] اختلافی مسئلہ

وإن أعتق نصف عبده عن كفارته ثم جامع التي ظاهر منها ثم أعتق باقيه لم يجز عند أبي حنيفة، (وعندهما: يجزيه)[١]

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

قوله تعالى:

﴿وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَاءِ هِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّا﴾.[٢]

سابقہ مسئلہ کے مستدل میں حدیث مذکور کے آخری جملہ "فقد عتق منه ما عتق" سے عتق کا متجزی ہونا معلوم ہوا اور آیتِ بالا سے ثابت ہوا کہ کفارہ کا رقبہ (''رقبہ'' کا اطلاق مکمل رقبہ پر ہوتا ہے) وطی سے قبل آزاد کردیا جائے جبکہ حدیث شریف کے جملۂ مذکورہ کی رو سے غلام شروع میں صرف آدھا آزاد ہوا تھا اور متجزی ہونے کی بدولت باقی آدھا وطی کے بعد آزاد ہوا تھا چنانچہ وطی سے قبل مکمل غلام ("رقبة") آزاد نہیں ہوسکا جو آیت کا مقتضیٰ تھا اس لیے کفارہ بھی ادا نہیں ہوگا۔[٣]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ **قال ابن قطلوبغا:**

قوله: (وإن أعتق نصف عبده عن كفارته ثم جامع التي ظاهر منها ثم أعتق باقيه لا يجوز). قال في الهداية: عند أبي حنيفة، لأن الإعتاق يتجزأ عنده وقد قدمنا تصحيح الإسبيجابي لقول الإمام في تجزئ الإعتاق.[٤]

١۔ تبيين الحقائق (٣/١٠)

٢۔ المجادلة (٣)

٣۔ تبيين الحقائق (٣/٩، ١٠)، الجوهرة النيرة (٢/٢٣١)، مجمع الأنهر (٢/١٢٢)، اللباب فی شرح الكتاب (٢/١٩٤)، الهداية (٢/٤٢٠)، البحر الرائق (٤/١٧٦)، جامع الرموز (١/٥٦٣)، ردالمحتار (٥/٣٢)، شرح الغرر (١/٣٩٤)، شرح الوقاية (٢/١٣٣)، شرح النقاية لفخر الدين (١/٦٥٤)، التفسيرات الأحمدية (٦٨٧)

٤۔ الترجيح والتصحيح (٣٩١)

❷ قال الحلبي:

ولو حرر نصف عبد مشترك وضمن باقيه لا يجوز خلافًا لهما وكذا لو حرر نصف عبده ثم جامع المظاهر منها ثم حرر باقيه[1] (فالقول المقدم فيه راجح – وهو قول الإمام هنا – كما صرح به الشامي في شرح العقود والمصنف في المقدمة وهو معروف)

❸ في الهندية:

إذا أعتق نصف الرقبة ثم أعتق نصفها الآخر قبل أن يجامعها جاز عن الكفارة وبعد ما جامعها لا يجوز عنها عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى [2] (فالاقتصار فيه علي قول الإمام وعدم التعرض لقولهما –في معرض البيان– يدل على ترجيح قوله رحمه الله تعالى على ما عرف في أصول الإفتاء)

❹ وكذا في "شرح النكت" للعتابي[3] و "شرح الغرر" لملا خسرو[4]؛ حيث اقتصرا فيه على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى

❺ قد علل الشيخ الافغاني قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى في هذه المسألة وأهمل تعليل سواه[5] (فهذا ترجيح لقوله رحمه الله تعالى حسب تصريح الشامي به)

❻ المتون على قول الإمام رحمه الله تعالى[6] وهذا ترجيح له أيضا.

١ـ ملتقى الأبحر (٢/١٢١، ١٢٢)

٢ـ الفتاوى الهندية (١/٥٠٩، ٥١٠)

٣ـ (١/٦٥)

٤ـ (١/٣٩٤)

٥ـ كشف الحقائق (١/٢٢٠)

٦ـ المختار للفتوى (٣/١٨٠)، كنز الدقائق (١٤٠)، الوقاية (٢/١٣٣)، النقاية (١/٦٥٤)، غرر الأحكام (١/٣٩٤)، تنوير الأبصار (٥/١٣٩)، بداية المبتدى (١/٨٢)

[۱۷۹] اختلافی مسئلہ

فإن جامع التي ظاهر منها في خلال الشهرين ليلا عامدًا أو نهارًا ناسيًا استأنف الصوم عند أبي حنيفة ومحمد -رحمهما الله تعالى- (وقال أبويوسفؒ: لا يستأنف[۱]).

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

قوله تعالى: ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّتَمَاسَّا﴾. [۲]

آیت مذکورہ میں حکم یہ بیان ہوا ہے کہ مظاہر اس طرح مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے کہ درمیان میں کوئی "تماس ومسیس" متخلل نہ ہوتا کہ "متتابعین" کا مقتضی متحقق ہو سکے لہٰذا جب مظاہر نے ان دو ماہ کے دوران ہی جماع کر لیا تو آیتِ بالا کے حکم پر عمل نہ ہو سکا چنانچہ کفارہ بھی ادا نہ ہوا۔ الغرض اب نئے سرے سے صفتِ مذکورہ کے ساتھ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے۔[۳]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن نجيم:

قوله (فإن وطىء فيهما ليلا أو يوما ناسيا أو أفطر استأنف الصوم) أي وطىء المظاهر منها عند أبي حنيفة ومحمد وقال أبو يوسف: الشرط عدم فساد الصوم فلو جامعها ليلا أو نهارا ناسيا لا يستأنف والصحيح قولهما لأن المأمور به صيام شهرين متتابعين لا مسيس فيهما فإذا جامعها في خلالهما لم يأت بالمأمور به. [۴]

۱ـ الهداية (۲/۴۲۱)، تبيين الحقائق (۳/۱۰)، الجوهرة النيرة (۲/۲۳۲)، رمز الحقائق (۱/۱۷۲)، اللباب في شرح الكتاب (۲/۱۹٤)، شرح الوقاية (۲/۱۳۳)، شرح النقاية (۱/٦٥٥)، الترجيح والتصحيح (۳۹۲)

۲ـ المجادلة (٤)

۳ـ البحر الرائق (٤/۱۷۸)، مجمع الأنهر (۲/۱۲۳)، الاختيار (۳/۱۸۰)

٤ـ البحر الرائق (٤/۱۷۸)

❷ قال ابن قطلوبغا:

(فإن جامع التي ظاهر منها في خلال الشهرين ليلا عامدًا أو نهارًا ناسيًا استأنف الصوم عند أبي حنيفة و محمد -رحمهما الله-) قال في زاد الفقهاء: وقال أبويوسف والشافعي: لا يستأنف؛ والصحيح: قولنا. [١]

❸ قال الحلبي:

فإن وطأها فيهما ليلًا عمدًا أو نهارًا ناسيًا استأنف خلافًا لأبي يوسف [٢] (فالقول المقدم فيه راجح كما مرّ غير مرة)

قال داماد أفندي:

(خلافا لأبي يوسف) أي قال: الشرط عدم فساد الصوم فلو وطئها ليلا أو نهارا ناسيا لا يستأنف والصحيح قولهما لأن المأمور به صيام شهرين متتابعين لا مسيس فيهما اهـ [٣]

❹ اختار أصحاب المتون قول الإمام[٤] فهذا من ترجيح له أيضا.

❺ قد أخر أصحاب الشروح دليل الطرفين رحمهما الله تعالى فيها عن دليل الثاني رحمه الله تعالى، وهذا من امارات ترجيح قولهما -كما عرف في موضعه- [٥]

١ـ الترجيح والتصحيح (٣٩٢)

٢ـ ملتقى الأبحر (٢/٢٢، ١٢٣)

٣ـ مجمع الأنهر (٢/١٢٣)

٤ـ المختار للفتوى (٣/١٨٠)، كنز الدقائق (١٤١)، الوقاية (٢/١٣٣)، النقاية (١/٦٥)، غرر الأحكام (١/٣٩٤)، تنوير الأبصار (٥/١٤٢)

٥ـ الهداية (٢/٤٠٠)، اللباب في شرح الكتاب (٢/١٩٤)، شرح الوقاية (٢/١٢٥)

كتاب اللعان

[۱۸۰] اختلافی مسئلہ

وإذا التعنا فرق القاضي بينهما، وكانت الفرقة تطليقةً بائنةً عند أبي حنيفة ومحمدٍ رحمهما الله تعالى، وقال أبويوسف رحمه الله تعالى: يكون تحريما مؤبدا.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) حضرت عویمر عجلانیؓ اور ان کی بیوی کے درمیان لعان کا قصہ صحیح بخاری[1] وغیرہ متعدد کتبِ احادیث[2] میں مذکور ہے۔ اس میں لعان ہو جانے کے بعد حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ منقول ہے:

قال عويمرؓ: كذبت عليها يا رسول الله إن امسكتها، فطلقها ثلاثا. [3]

لہٰذا لعان کے بعد زوج کی طرف سے طلاق دینا "سنة المتلاعنين" ٹھہرا کیونکہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے لعان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ان

۱۔ (۹/۹۸)، الرقم (۷۳۰٤)

۲۔ صحیح ابن حبان (۱۰/۱۱٦) رقم (٤۲۸٤)، وكذا انظر له: المعجم الكبير للطبراني (٦/۱۱٦) برقم (٥٦۸۲)، سنن الدارقطني (٤/٤۱۸) رقم (۳۷۰۹)، السنن الصغرى للبيهقي (۳/۱٤۳) رقم (۲۷٤۷)، السنن الكبرى له (۷/٦٥٤) الرقم (۱٥۳۱۰)، معرفة السنن والآثار له (۱۱/۱۳۹) الرقم (۱٥۰٦٥)، شرح معاني الآثار (٤/۱٥٥) الرقم (٥٦۸۹)، سنن الدارمي (۲/۲۰۱) الرقم (۲۲۲۹)

۳۔ أخرجه البخاري في صحيحه (۱۳:۲٥۱) برقم (٥۲٥۹) وكذا مسلم في صحيحه (٤:۲۰٥) برقم (۳۸۱٦) و ابن حبان في صحيحه (۱۰:۱۱٦) برقم (٤۲۸٤) والبيهقي في السنن الكبرى (۷:٦٥٤) برقم (۱٥۳۱۰) والدارمي في السنن (۲:۲۰۱) برقم (۲۲۲۹)

تین طلاقوں کا نفاذ بھی فرمادیا لہٰذا ہر ملاعن کیلئے ضروری ہوا کہ وہ طلاق دے چنانچہ جب وہ خود طلاق دینے سے باز رہے تو قاضی تفریق میں اس کے قائم مقام ہو جائے گا اور یہ (تفریق ہی پھر) طلاق ہوگی جیسا کہ "مسئلۂ عنین" اس کی واضح وروشن نظیر ہے۔[1]

(۲) ہر وہ فرقت جو شوہر کی طرف سے واقع ہو وہ طلاق شمار ہوتی ہے کما یبرز لک من الآثار التالية:

۱ – عن إبراهيم، قال: كل فرقة كانت من قبل الرجل فهي طلاق[2]

۲ – عن حماد، قال: كل فرقة كانت من قبل الرجل فهي تطليقة وكل فرقة من قبل المرأة فليست بشيء[3]

(۳) یہ فرقت چونکہ قاضی کی تفریق سے واقع ہوئی ہے، اس لئے یہ طلاق کے حکم میں ہوگی جیسا کہ عنین میں ہوتا ہے۔[4]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال داماد أفندي:

(وإذا تلاعنا فرق الحاكم بينهما)... (وهو) أي التفريق (طلقة بائنة) على الصحيح فيجب العدة مع النفقة والسكنى هذا عند الطرفين[5]

❷ قال القهستاني:

(ثم) أى بعد اللعان (يفرق القاضى بينهما)... (فتبين بطلقة) على الصحيح[6]

❸ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وكانت الفرقة تطليقة بائنة عند أبي حنيفة ومحمد، وقال أبو يوسف: تحريم مؤبد) قال الإسبيجابي: والصحيح قولهما.[7]

❹ قال الحلبي:

۱ـ بدائع الصنائع (۳/۳۹۰)

۲ـ مصنف ابن أبي شيبة (۴/۱۰۹) الرقم (۱۸۳۴۳)

۳ـ مصنف عبدالرزاق (۶/۴۸۶) الرقم (۱۱۷۶۹)

۴ـ الجوهرة النيرة (۲/۲۳۸)

۵ـ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر (۲/۱۳۳)

۶ـ جامع الرموز (۱/۵۶۹)

۷ـ الترجيح والتصحيح (۳۹۶)

وإذا تلاعنا فرق الحاكم بينهما وهو طلقة باينة خلافًا لأبي يوسف[1] (ومن المعلوم أن القول المقدم فيه راجح كما عرفت سابقا في مواضع عديدة)

٥ مشي أصحاب المتون على قول الطرفين[2] وهذا ترجيح له أيضا

٦ كذا في الكتب الأخر (حيث أخر مصنفوها دليل الطرفين فيها، وذاك ترجيح لقولهما عندهم لما عرف من دأبهم في الراجح والمختار لديهم فيها)[3]

---

[١٨١] اختلافی مسئلہ

وإذا نفى الرجل ولد امرأته عقيب الولادة، أو في الحال التي تقبل التهنئة فيها أو تبتاع له آلة الولادة صح نفيه (عند أبي حنيفةؒ) ولاعن به، وإن نفاه بعد ذلك لاعن وثبت النسب. وقال أبويوسفؒ و محمدؒ: يصح نفيه في مدة النفاس

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

ولادت کے موقع پر شوہر کا مبارکباد قبول کرنا، آلاتِ ولادت کی خریداری کرنا اور بچے کی پیدائش کے بعد اس کی نفی نسب سے سکوت کرنا: یہ تمام امور اس اقرار پر دال ہیں کہ بچہ اسی کا ہے۔ اور یہ اصول ہے کہ اقرار کے بعد انکار قبول نہیں ہوتا۔۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آثار سے بھی یہ ظاہر ہے۔ لہٰذا ان امور کے وقوع کے بعد شوہر کی نفی غیر صحیح اور اس سے قبل صحیح و معتبر ہوگی وهو ما نحن فيه۔[4]

(١) عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه: أنه قضى في رجل أنكر ولد امرأته وهو في بطنها ثم

١۔ ملتقى الأبحر (١٣٢/٢)

٢۔ المختار للفتوى (١٨٥/٣)، كنز الدقائق (١٤٣)، الوقاية (١٣٩/٢)، النقاية (٦٥٨/١)، تنوير الأبصار (١٥٩/٥)

٣۔ الاختيار لتعليل المختار (١٨٥/٣)، الهداية (٤٢٤/٢)، بدائع الصنائع (٣٩٠/٣) --وقد قام هنا الكاساني في تاييد قول الطرفين خير قيام واحسنه

٤۔ مستفاد مما يليك: المبسوط للسرخسي (٥١/٧)، تبيين الحقائق (٢٠/٣)، عمدة الرعاية (١٤٠/٢)

اعترف بـه وهـو في بطنها حتى إذا ولد أنكره فأمر به عمر بن الخطاب رضى الله عنه فجلد ثمانين جلدة لفريته عليها ثم ألحق به ولدها. [1]

(٢) عـن بـن جـريـج أنه بلغه أن شريحا قال في الرجل يقر بولده ثم ينكر يلاعن فبلغ ذلك عمر بن الخطاب فكتب إليه أن إذا أقر به طرفة عين فليس له أن ينكر. [2]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الحصكفى:

ولو نفي الزوج الولد عند التهنئة أو ابتياع آلة الولادة صح نفيه ولاعن به وإن نفى بعد ذلك لاعن لوجود القذف ولا ينتفي نسب الولد وعندهما يصح النفي في مدة النفاس، والصحيح قول الإمام [3]

❷ قال القهستانى:

ومـن نـفـى الـولـد زمان التهنئة أو شراء الة الولادة صح نفيه ومن نفاه بعده لا يصح نفيه ولاعن فيهما وهذا عنده وهو الصحيح. [4]

❸ قال ابن قطلوبغا:

قـولـه: (وإذا نـفـى الـرجـل ولـد امـرأتـه عـقيب الولادة، أو في الحال التي تقبل التهنئة وتبتاع آلة الولادة، صح نفييه ولاعن به، وإن نفاه بعد ذلك لاعن ويثبت النسب. وقال أبويوسف و محمدٌ: يجوز نفيه في مدة النفاس) قال أبوالمعالي: الصحيح قول أبي حنيفة. [5]

❹ قال الطحطاوى :

(قوله: وبعده لا) أي إن نفاه بعد زمان الابتياع والتهنئة لا ينتفي عنده وهو الصحيح. [6]

١ـ أخرجه البيهقي في السنن الكبرى (٧/٤١١) بالرقم (١٥٧٦٣)، والدارقطني في السنن (٤/٢٠٩): بالرقم (٣٣٤٢) وقال الحافظ في التلخيص الحبير (٣/٤٩٥): إسناده حسن

٢ـ مصنف عبدالرزاق (٧/١٠٠) بالرقم (١٢٣٧٥)

٣ـ الدر المنتقى (٢/١٣٦)

٤ـ جامع الرموز (١/٥٧٢)

٥ـ الترجيح والتصحيح (٣٩٧)

٦ـ حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٢/٢٠٨)

٥ كذا في الكتب الأخر.[١]

٦ اختار أصحاب المتون قول الإمام[٢] وهذا ترجيح له أيضا.

٧ قد أخر أصحاب الشروح وغيرهم دليل الإمام فيه وذاك من ترجيح لقول الإمام عندهم حسب ما عرف من صنيعهم في المختار لديهم.[٣]

١ ـ ملتقى الأبحر (١٣٥/٢)، حيث قدم قول الإمام فيه

مجمع الأنهر (١٣٦/٢)، لمّا ردّ فيه قولهما بالاجابة عما استدلا به في تاييد قول الإمام رحمه الله تعالى قد مال الي ترجيح قوله بصنيعه كما لا يخفى،

الفتاوى الهندية (٥١٨/١)، حيث اطلق المسألة -على قول الإمام- ولم يذكر أيّ خلاف فيه،

الفتاوى السراجية (٤٦)، وقد اطلقها هو أيضا على حذو الهندية

٢ ـ المختار للفتوى (١٨٦/٣)، كنز الدقائق (١٤٤)، الوقاية (١٤٠/٢)، النقاية (٦٦١/١)، غرر الأحكام (٣٩٨/١، ٣٩٩)، تنوير الأبصار (١٦٣/٥، ١٦٤)

٣ ـ الاختيار لتعليل المختار (١٨٦/٣)، تبيين الحقائق (٢٠/٣) المبسوط للسرخسي (٥١/٧)، بدائع الصنائع (٣٩١/٣)، الهداية (٤٢٦/٢)

كتاب العدة

[۱۸۲] اختلافی مسئلہ

وإذا ورثت المطلقة في المرض فعدتها أبعد الأجلين عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- (ومحمدٌ معه، وقال أبويوسف -رحمه الله-: عدتها ثلاث حيض[1])

توضیح المقام:

واضح رہے کہ یہاں مطلقہ سے مراد بائنہ یا مغلظہ ہے نہ کہ رجعیہ کیونکہ اس کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ بالاتفاق یہ عدتِ وفات گزارے گی۔[2]

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

جب میراث کے حق میں نکاح باقی ہے تو عدت کے حق میں بدرجۂ اولیٰ باقی ہوگا کیونکہ عدت ان احکام میں سے ہے جن میں احتیاط کا پہلو پیشِ نظر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں ''ابعد الاجلین'' والی عدت واجب ہوگی۔[3] چنانچہ اثرِ ذیل میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

عن عكرمة أنه قال: لو لم يبق من عدتها إلا يوم واحد، ثم مات، ورثته

۱۔ الهداية (۲/٤۲۹)، المبسوط للسرخسي (٦/٤۳)، الترجيح والتصحيح (٤٠٠)، البحر الرائق (٤/۲۳۱)، الجوهرة النيرة (۲/۲٤٦)، الاختيار لتعليل المختار (۳/۱۸۹)، النهر الفائق (۲/٤۷۹)، الدر المنتقى (۲/۱٤۷)، مجمع الأنهر (۲/۱٤٦)، الدرالمختار (٥/۱۹٥)، رمز الحقائق (۱/۱۷۸)، الفقه الإسلامي وأدلته (۷۱۹۰، ۷۱۹۱)

۲۔ الهداية (۲/٤۲۹)، الجوهرة النيرة (۲/۲٤٦)، جامع الرموز (۱/٥۸۱)، مجمع الأنهر (۲/۱٤٥)، شرح الطائي على الكنز (۱/۱۷۸)

۳۔ مجمع الأنهر (۲/۱٤٦)

واستأنفت عدة المتوفى عنها. [1]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ **قال ابن قطلوبغا:**

قوله: (وإذا ورثت المطلقة في المرض فعدتها أبعد الأجلين) إما أربعة أشهر وعشرة أيام أو ثلاث حيض.

قال جمال الإسلام في شرحه: وهذا قول أبي حنيفة ومحمد (رحمهما الله تعالى)، وقال أبويوسفؒ: عدتها ثلاث حيض، والصحيح قولهما. [2]

❷ **قال قاضي خان:**

والحرة المطلقة إذا مات زوجها في العدة إن كان الطلاق رجعيا تنقلب عدتها عدة الوفاة و إن كانت مبتوتة فإن كانت لاترث زوجها لا تنقلب عدتها عدة الوفاة وإن كانت ترث تجمع بين الحيض والأشهر. [3]

❸ **قال الحلبي:**

ومن طلقت في مرض موت رجعيًا كالزوجة وإن بائنًا بأبعد الأجلين وعند أبي يوسفؒ كالرجعي [4] **(القول المقدم فيه راجح علي ما صرح به الشامي في شرح العقود والمصنف نفسه في المقدمة وهو معروف).**

❹ **في الهندية:**

إذا طلق امرأته ثم مات فإن كان الطلاق رجعيا انتقلت عدتها إلى الوفاة سواء طلقها في حالة المرض أو الصحة وانهدمت عدة الطلاق وإن كان بائنا أو ثلاثا فإن لم ترث بأن طلقها في حالة الصحة لا تنتقل عدتها وإن ورثت بأن طلقها في حالة المرض ثم مات قبل أن تنقضي العدة فورثت اعتدت بأربعة

١ـ مصنف ابن أبي شيبة (د/٢٢٧) الرقم (١٩٤١٨)

قلت: أبوداود هو سليمان بن داود بن الجارود -صاحب مسند أبى داود الطيالسى، لا سنن أبى داود- هو من رجال مسلم، و حبيب هو ابن يزيد الأنماطى المعروف بحبيب بن أبى حبيب الحرمى -لا تنحط مرتبته عن حيّز مقبول-، و عمرو هو ابن هرم الأزدى ثقة، وعكرمة هو أبوعبدالله مولى ابن عباس ثقة.

٢ـ الترجيح والتصحيح (٤٠٠)

٣ـ الفتاوى الخانية (١/٥٥١)

٤ـ ملتقى الأبحر (٢/١٤٦، ٤٥٠)

أشهر وعشرة أيام فيها ثلاث حيض حتى أنها لو لم توف المدة الأربعة الأشهر والعشر ثلاث حيض تكمل بعد ذلك وهذا قول أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالى [1] (فالاقتصار فيه على قولهما وعدم التعرض لقوله -في معرض البيان- يدل على ترجيح قولهما رحمهما الله تعالى علي ما عرف في أصول الإفتاء)

٥ لما كان قولهما استحسانا وقوله قياسا (كما صرح به الزيلعي في "التبيين" ٣: ٢٩، وابن نجيم في "النهر" ٢: ٤٧٩، والعيني في "الرمز" ١: ١٧٨) فالترجيح لقولهما إذ الاستحسان مقدم على القياس- إلا في مسائل معدودة وهي ليست منها- كما لا يخفى على المفتي.

٦ قول الطرفين قول المتون[2] فهذا من ترجيح له أيضا.

٧ قد أخر أصحاب الشروح دليل الطرفين فيه وبعضهم ضمنوه جواب دليله (وذاك ترجيح لقولهما عندهم وقد مر بيانه غير مرة). [3]

١ـ الفتاوى الهندية (١/ ٥٣٠)

٢ـ المختار للفتوى (٣/ ١٨٩)، كنز الدقائق (١٤٦)، الوقاية (٢/ ١٤٨)، النقاية (١/ ٦٧٥)، غررالأحكام (١/ ٤٠٢)، تنوير الأبصار (٥/ ١٩٥)، بداية المبتدى (١/ ٨٥)

٣ـ الاختيار لتعليل المختار (٣/ ١٨٩)، الهداية (٢/ ٤٢٩)، تبيين الحقائق (٣/ ٢٩)، شرح النقاية (١/ ٦٧٥)، البحرالرائق (٤/ ٢٣١)، النهر الفائق (٢/ ٤٧٩)، رمز الحقائق (١/ ١٧٨)

[١٨٣] اختلافی مسئلہ

وإذ طلق الرجل امرأته طلاقا بائنا ثم تزوجها فی عدتها وطلقها قبل أن يدخل بها فعليه مهر كامل وعليها عدة مستقبلة (عند أبی حنيفة وأبی يوسف رحمهما الله تعالیٰ[١])، وقال محمد رحمه الله تعالیٰ: لها نصف المهر وعليها إتمام العدة الأولى.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(١) عن الشعبی؛ فی الرجل يطلق امرأته تطليقة بائنة، ثم يتزوجها فی عدتها، ثم يطلقها قبل أن يدخل بها، قال: لها الصداق، وعليها عدة مستقبلة.[٢]

(٢) عن إبراهيم: لها الصداق كاملا، وعليها العدة كاملة.[٣]

(٣) یہ عورت وطیٔ اول کی بدولت اپنے زوج کے قبضہ میں مقید ہے جبکہ اس وطی کا اثر بھی ابھی تک باقی ہے (یعنی عدت)، چنانچہ عدت ہی کی حالت میں جب شوہر نے اس مذکورہ عورت سے دوبارہ نکاح کیا تو چونکہ وہ اس کی عدت میں تھی یعنی اثرِ نکاح کے بقاء کی بناء پر گویا نکاح من وجہ باقی تھا تو یہی نکاحِ اول، نکاحِ ثانی کے قبضہ کے قائمقام ہو گیا اور بعض قواعدِ فقہیہ کی رُو سے چونکہ نکاحِ اوّل میں صحبت ہو جانے سے نکاحِ ثانی میں صحبت شمار کر لی جاتی ہے اس لیے اس نکاحِ ثانی میں

١ـ بداية المبتدی (١/٨٥)، شرح الوقاية (٢/١٥١)، مجمع الأنهر (٢/١٥٠)، شرح النقاية (١/٦٧٢)، جامع الرموز (١/٥٨٥)، البحر الرائق (٤/٢٤٩)، رمز الحقائق (١/١٨٠)، تبيين الحقائق (٣/٣٣)، اللباب في شرح الكتاب (٢/٢٠٦)، الفقه الإسلامي وأدلته (٧١٩٣)

٢ـ مصنف ابن أبی شيبة (٥/١٢٦) رقم (١٨٨٥١)

قلت: رجاله رجال الجماعة عدا اشعث فإنه لم يرو له البخاری وأبوداود منها، اسمٰعيل هو ابن زكريا بن مرة الخلقانی وأشعث هو ابن سوار الكندی والشعبی هو عامر بن شراحيل المعروف)

٣ـ مصنف ابن أبی شيبة (٥/١٢٦) رقم (١٨٨٥٣)

اگرچہ طلاق صحبت سے پہلے دے دی گئی ہے مگر توضیحِ ماسبق کے اعتبار سے وہ بعد از وطی واقع ہوئی ہے اور جو طلاق وطی کے بعد ہو ظاہر ہے کہ اس میں زوج پر مہرِ تام اور زوجہ پر مستقل عدت واجب ہوتی ہے لہٰذا یہاں بھی ایسے ہی ہوگا۔ (1)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله (وإذا طلق الرجل امرأته طلاقا بائنا ثم تزوجها في عدتها وطلقها قبل أن يدخل بها فعليه مهر كامل وعليها عدة مستقبلة عند أبي حنيفة وأبي يوسف. وقال محمد: لها نصف المهر وعليها إتمام العدة الأولى) قال الإسبيجابي: الصحيح قولهما. (٢)

❷ قال الحلبي:

وإن نكح معتدته من باين ثم طلقها قبل الدخول لزم مهر كامل وعدة مستأنفة وعند محمدؒ نصف مهر وإتمام العدة الأولى (٣) (القول المقدم فيه راجح حسب تصريح العلامة الشامي به كما لا يخفى، وقد مر بيانه غير مرة)

❸ قد علل سراج الدين ابن نجيم في هذه المسألة قول الشيخين –رحمهما الله تعالى– وأهمل تعليل سواه. (٤) فهذا ترجيح لقولهما على ما عرف في أصول الإفتاء وقد سبق بيانه.

❹ مشى أصحاب المتون على قول الشيخين (٥) وهذا من ترجيح له ايضا.

❺ قد أخر الشارحون دليل الشيخين فيه عن دليل محمدؒ –في مصنفاتهم– وهذا ترجيح لقولهما عندهم لما عرف من دأبهم في الراجح فيها. (٦)

١ـ مستفاد مما يليك (بتسهيل وإضافة يسيرة):

الهداية (٢/٤٣١)، تبيين الحقائق (٣/٣٣،٣٤)، البحرالرائق (٤/٢٤٩)، اللباب فى شرح الكتاب (٢/٢٠٦)، حاشية الطحطاوى علي الدر المختار (٢/٢٢٥)، مجمع الأنهر (٢/١٥٠)، النهر الفائق (٢/٤٨٥)، رمز الحقائق (١/١٨٠)

٢ـ الترجيح والتصحيح (٤٠٤)

٣ـ ملتقى الأبحر (٢/١٥١)

٤ـ النهر الفائق (٢/٤٨٥)

٥ـ كنز الدقائق (١٤٧)، الوقاية (٢/١٥١)، النقاية (١/٦٧٢)، غرر الأحكام (١/٤٠٣،٤٠٤م)، تنوير الأبصار (٥/٢١٢)

٦ـ الهداية (٢/٤٣١)، البحرالرائق (٤/٢٤٩)، تبيين الحقائق (٣/٣٣)، رمز الحقائق (١/١٨٠)

[۱۸۴] اختلافی مسئلہ

وإذا ولدت المعتدة ولدا لم يثبت نسبه عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- إلا أن يشهد بولادتها رجلان أو رجل وامرأتان إلا أن يكون هناك حبل ظاهر أو اعتراف من قبل الزوج فيثبت النسب من غير شهادة وقال أبويوسف و محمد -رحمهما الله تعالى-: يثبت في الجميع بشهادة امرأة واحدة

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

مذکورہ عورت کی عدت اس کے وضعِ حمل کا اقرار کرنے سے پوری ہوگئی ہے لہٰذا اب ابتداءً قضاء کے ذریعے سے اس کے نسب کو ثابت کرنے کی ضرورت ہے، ظاہر ہے کہ وہ حجتِ کاملہ کے بغیر تو ثابت نہیں ہوگا (اور حجتِ کاملہ یہی ہے کہ دو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں)۔ (۱)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال قاضي خان:

وإن جحدت الورثة الولادة لا تثبت الولادة ولا النسب إلا بشهادة رجلين أو رجل وامرأتين في قول أبي حنيفة وقال صاحباه: يثبت بشهادة القابلة (۲) (القول المقدم فيه راجح -وهو قول الإمام ههنا- كما صرح به الشامي في شرح العقود والمصنف في المقدمه)

❷ قال الحلبي:

ولا تثبت ولادة المعتدة إلّا بشهادة رجلين أو رجل وامرأتين وعندهما تكفي شهادة امرأة واحدة وإن كان حبل ظاهر أو اعترف الزوج به تثبت بمجرد قولها فلا احتياج إلى الشهادة وعندهما لابدّ من

۱۔ البنايه مع الهداية (۷/۳۲۳)، الاختيار لتعليل المختار (۳/۱۹٦)، البحر الرائق (٤/۲۷۱)، تبيين الحقائق (۳/٤۳)، رمزالحقائق (۱/۱۸۳)، النهر الفائق (۲/٤۹٥)، الفقه الإسلامی وأدلته (۷۲٥۳)

۲۔ الفتاوی الخانية (۱/٥٥۷)

شهادة امرأة [١] (ومن المعلوم أن القول المقدم فيه راجح كما عرفت سابقا في مواضع عديدة)

❸ في الهندية:

وإن كانت معتدة من طلاق بائن أو من وفاة فجاء ت بولد إلى سنتين فأنكر الزوج الولادة أو الورثة بعد وفاته وادعت هي فإن لم يكن الزوج أقر بالحبل ولا كان الحبل ظاهرا لا يثبت النسب إلا بشهادة رجلين أو رجل وامرأتين في قول أبي حنيفة رحمة الله عليه وإن كان الزوج قد أقر بالحبل أو كان الحبل ظاهرا فالقول قولها في الولادة وإن لم تشهد لها قابلة في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى [٢] (فالاقتصار فيه علي قول الإمام وعدم التعرض لقولهما –في معرض البيان– يدل على ترجيح قوله رحمه الله تعالي على ما عرف في أصول الإفتاء)

❹ قال الاوشي:

المطلقة طلاقا بائنا أو رجعيا إذا جاء ت بالولد لا يثبت النسب إلا بشهادة رجلين أو رجل وامرأتين [٣] (ولم يذكر فيه أيّ اختلاف –وإن كانت المسألة مختلف فيها– فهذا لكونه مختارا في الباب)

❺ كذا في الكتب الأخر (حيث اخر مصنفوها دليل الإمام فيها، وهذا من أمارات ترجيح قول أبي حنيفة كما عرف في موضعه) [٤]

❻ اعتمد قول الإمام الموصليُّ والنسفي والمحبوبي وملا خسرو والتمرتاشي [٥]، هذا لكونه راجحا عندهم.

١ـ ملتقى الأبحر (١٦٢،١٦١/٢)

٢ـ الفتاوى الهندية (٥٣٨/١)

٣ـ الفتاوى السراجية (٤٨)

٤ـ الاختيار لتعليل المختار (١٩٦/٣)، الهداية (٤٣٦/٢)، البحر الرائق (٢٧١/٤)، تبيين الحقائق (٤٣/٣)، بدائع الصنائع (٣٤٣/٣)

٥ـ انظر على ترتيب اللف والنشر: المختار للفتوى (١٩٦/٣)، كنز الدقائق (١٤٩،١٥٠)، الوقاية (١٦٠/٢)، غرر الأحكام (٤٠٧/١)، تنوير الأبصار (٢٤٢/٥)

كتاب النفقات

[١٨٥] اختلافی مسئلہ

وإن أسلفها (الزوج) نفقة سنة ثم مات لم يسترجع منها بشيء (عند أبي حنيفة وأبي يوسف –رحمهما الله تعالى– [١])
وقال محمد: يحتسب لها نفقة ما مضى وما بقي للزوج.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(١) عن إبراهيم أن عمر بن الخطاب قال: "من وهب هبة لغير ذي رحم يقبضها فهو أحق بها أن يرجع فيها ما لم يثب عليها أو يستهلك أو يموت أحدهما. [٢]

(٢) حدثنا صالح قال ثنا حجاج بن إبراهيم قال ثنا يحي عن الحجاج عن الحكم عن إبراهيم عن عمر: مثله –يعني: مثل حديثه الذي ذكرنا في الفصل الذي قبل هذا الفصل– وزاد "ويستهلكها أو يموت أحدهما"

قال الطحاوي: فجعل عمر رضي الله عنه استهلاك الهبة يمنع واهبها من الرجوع فيها وجعل

١ـ شرح الوقاية (٢/١٧٥)، بداية المبتدى (١/٨٩)، شرح ابن ملك على هامش مجمع البحرين (٢٠٢)، رد... (٣١٩/٥)، خلاصة الفتاوى (٢/٥٧)، الفقه الإسلامي وأدلته (٧٣٦٤)، فتاوى النوازل (٢٢٦)، بدائع الصنائع (٣/٤٣٨)، جامع الرموز (١/٦٥٢)، مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر (٢/١٨٤)، الفتاوى الهندية (١/٥٥١)، الجوهرة النيرة (٢/٢٦٨)، اللباب في شرح الكتاب (٢/٢١٤)

٢ـ مصنف عبدالرزاق (٩/١٠٧) الرقم (١٦٥٢٨)

قلت: رجاله ثقات (الحجاج هو ابن أرطاة –وهو موثق كما تقدم غير مرة–، والحكم هو ابن عتيبة الكندي –من رجال الجماعة–، وإبراهيم هو النخعي المعروف).

موت أحدهما يقطع ما للواهب فيها من الرجوع أيضا.[1]

(٣) عن عبدالله بن عمرو بن أمية عن أبيه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ما أعطي الرجل امرأته فهو صدقة[2]

ف: الرجوع في الصدقة كالرجوع في الهبة كما سيأتي من قول الإمام الجصاص.

(٤) عن عبدالله بن عمرو بن أمية الضمري، عن أبيه، عن جده، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من أعطى امرأته عطية، فهو له صدقة"، فقال عمر: لتأتيني بمن يشهد على هذه، فقال: عائشة سمعت هذا، فأرسلوا إلى عائشة، فقالت: صدق، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ذلک.[3]

فقال الجصاص -في شرحه على مختصر الطحاوى (٣٣/٤)- بعد إيراده: فلما لم يصح الرجوع في الصدقة، لم يصح في الهبة الرجوع، إذ كانت بمثابة الصدقة.

(٥) عن طاوس ان ابن عمر وابن عباس رفعاه إلى النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال "لا يحل للرجل أن يعطي العطية فيرجع فيها إلا الوالد فيما يعطي ولده"[4]

مذکورہ بالا احادیث وآثار سے دو امور معلوم ہوئے:

ا۔ واہب اور موہوب لہ میں سے کسی ایک کی موت کے بعد دوسرا شخص شئ موہوب میں رجوع نہیں کرسکتا

۲۔ زوجہ کو کوئی چیز ہبہ کردینے کے بعد زوج کیلئے اس میں رجوع کرنا درست نہیں

الغرض مسئلہ ہذا میں شوہر نے بیوی کو جو دیا ہے وہ صلہ اور ہبہ ہے اور عورت کا اس پر قبضہ متحقق ہوکر یہ تام ہوگیا ہے لہٰذا احادیث وآثار سے ثابت شدہ امور بالا کے تناظر میں شوہر اب اس میں رجوع نہیں کرسکتا۔

نیز اگر یہی نفقہ بغیر استہلاک کے ہلاک ہوجائے تو بالاجماع شوہر کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا۔[5]

١ـ شرح معانى الآثار -الطحاوي- (٨٣/٤) الرقم (٥٣٨٨)

٢ـ مسند أحمد بن حنبل (١٧٩/٤) الرقم (١٧٦٥٤)؛ هذا الحديث صحيح لغيره وإن كان نفس هذا الإسناد ضعيف لضعف محمد بن أبي حميد، على ما قال شعيب الأرنؤوط فى تعليقه عليه

٣ـ معرفة الصحابة لأبى نعيم الأصبهانى (١٥٠/٣) الرقم (٩٠٨)

٤ـ رواه الخمسة وصححه الترمذي -(نيل الأوطار:٨١/٦) وكذا أخرجه أحمد فى مسنده برقم (٢١١٩) فقال عنه محققه أحمد شاكر: إسناده صحيح، وشعيب الأرنؤوط: إسناده حسن رجاله ثقات رجال الشيخين غير عمرو بن شعيب فقد روى له أصحاب السنن وهو صدوق.

٥ـ انظر له (مع تسهيل وإضافة يسيرة):

الاختيار لتعليل المختار (٧/٤) شرح مختصر الطحاوى للجصاص (٣٣/٤)، شرح الوقاية (١٧٥/٢)، ==

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

(ولا ترد) النفقة والكسوة (المعجلة) بموت أو طلاق عجلها الزوج أو أبوه ولو قائمة به يفتى.

قال الشامي:

(قوله عجلها الزوج أو أبوه) لما في الولوالجية وغيرها أبو الزوج إذا دفع نفقة امرأة ابنه مائة ثم طلقها الزوج ليس للأب أن يسترد ما دفع؛ لأنه لو أعطاها الزوج والمسألة بحالها لم يكن له ذلك عند أبي يوسف وعليه الفتوى. [1]

❷ في الهندية:

ولا ترد النفقة المعجلة ولو قائمة لموت أحدهما أو تطليقه إياها عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى وعليه الفتوى. [2]

❸ قال ابن الهمام:

(قوله وما بقي للزوج) فترده، وكذا ترد قيمة المستهلك ولا ترد قيمة الهالك بالاتفاق والفتوى على قولهما. [3]

❹ قال الحلبي:

ولو عجل لها النفقة أو الكسوة لمدة ثم مات أحدهما قبل تمامها فلا رجوع عليها خلافا لمحمد.

قال داماد أفندي:

قوله: (فلا رجوع عليها) أي لا يسترد شيء منها عند الشيخين وجعله الولوالجي وأصحاب الفتاوى قول أبي يوسف وقالوا الفتوى عليه. [4]

== الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار) (٣١٩/٥)، الهداية (٤٤٤/٢)، بدائع الصنائع (٤٣٨/٣)، تبيين الحقائق (٥٧/٣)، البحر الرائق (٣٢٣/٤)، رمز الحقائق (١٨٨/١)، الجوهرة النيرة (٢٦٨/٢)، اللباب في شرح الكتاب (٢١٤/٢)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٤١٥/١)

١ـ الدر المختار مع رد المحتار (٣١٩/٥)

٢ـ الفتاوى الهندية (٥٥١/١)

٣ـ فتح القدير (٣٥٥/٤)

٤ـ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر (١٨٤/٢)

❺ قال ابن نجيم:

(قوله ولا ترد المعجلة) أي لا ترد النفقة المعجلة بموت أحدهما ونحوه بأن عجل لها نفقة شهر بعد فرض القاضي أو التراضي، ثم مات أحدهما أطلقه فشمل ما إذا كانت قائمة أو هالكة فإن كانت هالكة فلا ترد شيئا اتفاقا وإن كانت قائمة أو مستهلكة فكذلك عندهما، وقال محمد: يحتسب لها نفقة ما مضى وما بقي فهو للزوج –الى أن قال– والفتوى على قولهما. [1]

❻ كذا في الكتب الأخر. [2]

❼ اختار أصحاب المتون قول الشيخين –رحمهما الله تعالى–[3] وهذا ترجيح له أيضًا.

❽ قد أخر أصحاب الشروح وغيرهم دليل الشيخين فيه وذاك ترجيح لقولهما عندهم كما عرفت سابقا. [4]

---

[۱۸٦]مسئلہ

وتجب نفقة الابنة البالغة والابن الزمن على أبويه أثلاثًا: على الأب الثلثان، وعلى الأم الثلث.

مفتی بہ قول:

مفتی بہ قول کے موافق ان دونوں کا مکمل نفقہ باپ کے ذمہ ہوگا، ماں پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

توضیح المقام:

واضح رہے کہ یہاں ''بنتِ بالغہ'' سے مراد وہ ہے جو غیر متزوجہ اور معسرہ (تنگدست) ہو یعنی اس کے پاس اپنا ذاتی

١ـ البحر الرائق (٤/٣٢٣، ٣٢٢)

٢ـ خلاصة الفتاوى (٢/٥٧)، الفتاوى التاتارخانية (٤/١٥٠)، الدر المنتقى (٢/١٨٣،١٨٤)، الترجيح والتصحيح (٤١٣)، حاشية الشلبي على تبيين الحقائق (٣/٥٦)، النهر الفائق (٢/٥١٤)، شرح الطائي على الكنز (١/١٨٨)

٣ـ المختار للفتوى (٤/٧)، كنز الدقائق (١٥٣)، الوقاية (٢/١٧٥)، النقاية (١/٦٨٨)، غرر الأحكام (١/٤١٥)، تنوير الأبصار (٥/٣١٩)، بداية المبتدى (١/٨٩)

٤ـ الاختيار لتعليل المختار (٤/٧)، الهداية (٢/٤٤٤)، بدائع الصنائع (٣/٤٣٨)، تبيين الحقائق (٣/٥٧)، رمز الحقائق (١/١٨٨)، البحر الرائق (٤/٣٢٣)

کوئی مال نہ ہو، اسی طرح ''ابن زمن'' سے مراد بھی معسر ہے، ورنہ ان کے اپنے مال میں سے ان پر خرچ کیا جائے گا۔ ان کا نفقہ باپ کے ذمہ نہیں ہوگا۔ [۱]

مستدلہ:

(۱) **قوله تعالى: [وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن]** [۲]

آیت بالا اس پر دال ہے کہ ''کل نفقہ'' باپ کے ذمہ ہے۔ [۳]

(۲) **قوله تعالى: [فإن أرضعن لكم فاٰتوهن أجورهن] – إلى قوله– [وإن تعاسرتم فسترضع له أخرى]** [۴]

مندرجہ بالا نصِ قرآنی کی بناء پر رضاعت کا خرچہ باپ کے ذمہ ہے۔ یعنی ''ولد'' جب تک رضاعت کا محتاج ہے باپ اس کی مؤنتِ رضاعت کا بندوبست کرے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب تک ''ولد'' کی حاجت برقرار رہے گی کفایت باپ کے ذمہ رہے گی لہٰذا یہاں بھی خرچہ باپ کے ذمہ ہی ہوگا۔ [۵]

(۳) **قول النبي صلى الله عليه وسلم لهند:**

"خذي ما يكفيك –أى من مال أبي سفيان– وولدك بالمعروف" [۶]

حدیث بالا میں مذکورہ اصول کے تحت باپ پر (اس کے اپنے مال میں سے) بنتِ بالغہ- غیر متزوجہ- کا نفقہ بھی واجب ہوگا کیونکہ قبل از زواج وہ ''صغیرہ'' کے بمنزلہ ہے کہ جس طرح بچپن میں وہ اپنی ضرورت کے بقدر باپ کے مال میں سے نفقہ کی محتاج تھی اسی طرح بلوغ کے بعد بھی محتاج ہے بلکہ اب پہلے سے زیادہ ہے (کہ اب پردہ کی وجہ سے باہر نکلنا بھی ممتنع

۱۔ مستفاد مما يليك:

الفتاوى التاتارخانية (۱۷۲/٤)، خلاصة الفتاوى (٦٦/٢)، جامع الرموز (٦١٥/١)، شرح الوقاية (١٨٣/٢)، شرح النقاية (٦٩٤/١)

٢۔ البقره (٢٣٣)

٣۔ الهداية شرح البداية (٤٤٩/٢)، دررالحكام شرح غرر الأحكام (٤١٩/١)

٤۔ الطلاق:٦

٥۔ المبسوط للسرخسي (١٨٥/٥)

٦۔ صحيح البخاري (٢٠٥٢/٥) رقم (٥٠٤٩)، وكذا انظر له: صحيح مسلم (١٣٣٨/٣) رقم (١٧١٤)، صحيح ابن حبان (٦٨/١٠) رقم (٤٢٥٥)، سنن أبي داود (٣١٣/٣) رقم (٣٥٣٤)، سنن ابن ماجه (٧٦٩/٢) رقم (٢٢٩٣)، سنن النسائي (٢٤٦/٨) رقم (٥٤٢٠)، مسند أحمد بن حنبل (٣٩/٦) رقم (٢٤١٦٣)

ہے)۔[1]

تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

(وكذا) تجب (لولده الكبير العاجز عن الكسب) كأنثى مطلقا وزمن... (لا يشاركه) أي الأب ولو فقيرا (أحد في ذلك كنفقة أبويه وعرسه) به يفتى

قال الشامي:

(قوله به يفتى) راجع إلى مسألة الفروع، ومقابله ما روي عن الإمام أن نفقة الولد على الأب والأم أثلاثًا. [2]

وقال الطحطاوى فيه ما قاله الشامي. [3]

❷ وقال المحبوبي:

ونفقة البنت بالغة والابن زمنا على الأب خاصة ، به يفتي. [4]

❸ وتبعه (أى المحبوبى) الحلبي وأقره. [5]

❹ قال ابن نجيم:

(قوله ولا يشارك الأب والولد في نفقة ولده وأبويه أحد)... وأطلق في قوله "في نفقة ولده" فشمل الصغير والكبير الزمن وفي رواية أن نفقة الكبير تجب على الأبوين أثلاثا باعتبار الإرث بخلاف الصغير والظاهر الأوّل. [6]

قال الشامي:

(قوله: والظاهر الأول) أي ظاهر الرواية كما نقله الرملي عن الشيخ قاسم قال: وقال المحبوبي وبه يفتى ومشى عليه النسفي وصدر الشريعة. [7]

١ـ المبسوط للسرخسى (١٨٥/٥)

٢ـ الدر المختار مع رد المحتار (٣٤٨/٥،٣٤٩)

٣ـ حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٢٧٤/٢)

٤ـ الوقاية (١٨٣/٢)

٥ـ ملتقى الأبحر (١٩٤/٢)

٦ـ البحر الرائق (٣٥٣/٤ـ٣٥٦)

٧ـ منحة الخالق على هامش البحر (٣٥٧/٤)

❺ قال السرخسي:

إذا لم يكن لها زوج فهي بمنزلة الصغيرة ونفقتها في صغرها على الوالد لحاجتها، فكذلك بعد بلوغها ما لم تتزوج -وقال بعد كثير- وإن كانوا ذكورا بالغين لم يجبر الأب على الإنفاق عليهم لقدرتهم على الكسب، إلا من كان منهم زمنا، أو أعمى، أو مقعدا، أو أشل اليدين لا ينتفع بهما، أو مفلوجا، أو معتوها فحينئذ تجب النفقة على الوالد لعجز المنفق عليه عن الكسب. [1]

❻ في الهندية:

ونفقة الإناث واجبة مطلقا على الأباء ما لم يتزوجن إذا لم يكن لهن مال كذا في الخلاصة؛ ولا يجب على الأب نفقة الذكور الكبار إلا أن الولد يكون عاجزا عن الكسب لزمانة أو مرض. [2]

❼ كذا في الكتب الأخر. [3]

---

[۱۸۷] اختلافی مسئلہ

وإذا كان للابن الغائب مال قضي عليه بنفقة أبويه، وإن باع أبواه متاعه في نفقتهما جاز عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى (وقالا: لا يجوز [4])

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

١ـ المبسوط للسرخسی (٥/١٨٥،٢٢٣)

٢ـ الفتاوی الهندية (١/٥٦٣)

٣ـ تبيين الحقائق (٣/٦٤)، حاشية الشلبي على التبيين (٣/٦٤)، النهر الفائق (٢/٥٢١)، خلاصة الفتاوى (٢/٦٦)، الفتاوى الخانية (١/٤٤٥)، الترجيح والتصحيح (٤١٧)، شرح النقاية لفخر الدين (١/٦٩٤)، بدائع الصنائع (٣/٤٤٤)، الفقه الإسلامي وأدلته (٧٣٥٧)

٤ـ ملتقى الأبحر (١/٢٠١)، الهداية (٢/٤٥٠)، الفتاوى الخانية (١/٤٤٩)، الاختيار لتعليل المختار (٤/١٣)، خلاصة الدلائل -لحسام الدين الرازی- (٢/٧٩)، شرح النقاية (١/٦٩٧)، شرح النقاية لفخر الدين (١/٦٩٧)، جامع الرموز (١/٦١٤)، شرح ابن ملك على مجمع البحرين -على هامشه- (٦٠٥)، تبيين الحقائق (٣/٦٥)، البحرالرائق (٤/٣٦١،٣٦٢)، النهرالفائق (٢/٥٢٣)، رمز الحقائق (١/١٩١)، الجوهرة النيرة (٢/٢٧٩)

قول مفتی بہ کا مستدل:

باپ کو اپنے "ولدِ غائب" کے مال کی حفاظت کی ولایت حاصل ہے کیونکہ جب وصی کو یہ ولایت حاصل ہوتی ہے تو باپ کو بدرجۂ اولیٰ حاصل ہوگی اس لئے کہ باپ میں وصی کی نسبت شفقت وخیر خواہی زیادہ ہوتی ہے۔ اور منقولہ اشیاء کو بیچ کر ان کا پیسہ محفوظ کر لینا اس مال کی حفاظت کی قبیل میں سے ہے کیونکہ عدمِ بیع کی صورت میں اس چیز کے تلف ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے جبکہ پیسہ میں یہ اندیشہ کم ہے۔

الغرض جب یہ بیع جائز ہو کر عوض میں ثمن حاصل ہوگئی تو یہ ثمن چونکہ والدین کے حق (یعنی نفقہ) کی جنس میں سے ہی ہے لہٰذا ان کیلئے شرعاً جائز ہے کہ وہ اس میں سے اپنے نفقہ کے بقدر رقم اٹھا کر اپنا حق وصول کر لیں۔ [1]

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال قاضي خان:

ولا يباع على الغائب ماله لأجل النفقة إلا للأبوين فإنهما يبيعان عروض الابن الغائب في نفقتهما في قول أبي حنيفة، وعندهما لا يجوز للأبوين بيع العروض للغائب لأجل النفقة كما لا يجوز بيع العقار في قولهم. [2] (فالقول المقدم فيه راجح –وهو قول الإمام هنا – كما صرح به الشامي في شرح العقود والمصنف في المقدمة وهذا لا يخفى)

❷ قال الحلبي:

وللأب بيع عرض ابنه لنفقته لا بيع عقاره ... ولا للأم بيع ماله لنفقتها وعندهما لا يجوز للأب أيضا [3] (فالقول المقدم فيه راجح كما عرفت سابقا في مواضع عديدة)

❸ في الهندية:

وإذا كان للغائب عن الوالدين أو الولد أو الزوجة مال من جنس حقوقهم فأنفقوا على أنفسهم جاز ولم يضمنوا ... فأما إذا لم يكن من جنس حقهم فأرادوا أن يبيعوا شيئا من مال الغائب لنفقتهم

١ـ درر الحكام شرح غرر الأحكام (١/٤٢٠)؛ الاختيار لتعليل المختار (٤/١٣)، الهداية شرح البداية (٢/٤٥٠)، شرح النقاية (١/٦٩٧)، مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر (٢/٢٠١)، حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٢/٢٨٠)، الدر المنتقى (٢/٢٠٢)، شرح الوقاية (٢/١٨٦)، تبيين الحقائق (٣/٦٥)، البحر الرائق (٤/٣٦١، ٣٦٢)، النهر الفائق (٢/٥٢٣)

٢ـ الفتاوى الخانية (١/٤٤٨)

٣ـ ملتقى الأبحر (٢/٢٠٠، ٢٠١)

أجمعوا على أن سوى الولد المحتاج لم يملك بيع عقار الغائب ولا بيع عروضه بالنفقة وأما الأب المحتاج فيملك بيع المنقول بالنفقة استحسانا ولا يملك بيع العقار إلا إذا كان الولد الغائب صغيرا وهذا قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى. [1] (فالاقتصار فيه علي قول الإمام وعدم التعرض لقولهما –في معرض البيان– يدل على ترجيح قوله رحمه الله تعالى علي ما عرف في أصول الإفتاء وقد صرح به ابن نجيم وغيرُه)

❹ كذا قال ابن العلاء الأنصارى [2]

❺ قول الإمام فيها استحسان وقولهما قياس. ومن المعلوم عند المفتين أن الاستحسان مقدم على القياس في باب الترجيح، إلا في مسائل معدودة. لمّا لم تكن هذه المسألة من تلك المسائل فقول الإمام فيها راجح. وقد صرح كثير من الفقهاء المصنفين بكون قوله استحسانا وقولهما قياسا على ما يليك قول بعضهم:

(أ): قال التمرتاشي والحصكفي:

(يبيع الأب) ؛ لأن له ولاية التصرف (لا الأم) ولا بقية أقاربه ولا القاضي إجماعا (عرض ابنه الكبير الغائب لا الحاصل إجماعا (لا عقاره)

قال الشامي:

(قوله؛ لأن له ولاية التصرف)... ثم إن ما ذكر هنا قول الإمام وهو الاستحسان. وعندهما وهو القياس أن المنقول كالعقار لانقطاع ولاية الأب بالبلوغ. [3]

قال الطحطاوى:

قوله: (يبيع الأب عرض ابنه الكبير) هذا استحسان وهو قول الإمام والقياس أن لا يجوز كالعقار وهو قولهما. [4]

(ب): قال المرغيناني:

وإذا كان للابن الغائب مال قضي فيه بنفقة أبويه وقد بينا الوجه فيه وإذا باع أبوه متاعه في نفقته جاز عند أبي حنيفة رحمه الله وهذا استحسان وإن باع العقار لم يجز وفي قولهما لا يجوز في ذلك كله

١ـ الفتاوى الهندية (١/٥٦٣)

٢ـ الفتاوى التاتارخانية (٤/١٧٤)

٣ـ حاشية ابن عابدين على الدر المختار (٥/٣٧٤،٣٧٣)

٤ـ حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٢/٢٨٠)

وهو القياس.[١]

(ج): قال ابن نجيم:

(قوله وصح بيع عرض ابنه لا عقاره للنفقة) والقياس أن لا يجوز له بيع شيء وهو قولهما؛ لأنه لا ولاية له لانقطاعها بالبلوغ ولهذا لا يملك حال حضرته ولا يملك البيع في دين له سوى النفقة، والمذكور في المختصر هو الاستحسان وهو قول الإمام رحمه الله.[٢]

(د): قال الزيلعي:

ولا يجوز له أن يبيع العقار، وهو استحسان، وهذا عند أبي حنيفة، والقياس أن لا يجوز، وهو قولهما.[٣]

(ر): وغيرهم.[٤]

٦ اختار جميع أصحاب المتون قول الإمام[5] فهذا من ترجيح له ايضا.

٧ كذا في الكتب الأخر -حيث أخر مصنفوها دليل الإمام فيها عن دليلهما وهذا من أمارات ترجيح قول أبي حنيفة كما عرف في موضعه-[٦]

١ـ الهداية (٢/٤٥٠)

٢ـ البحر الرائق (٤/٣٦٢،٣٦١)

٣ـ تبيين الحقائق (٣/٦٥)

٤ـ الحصكفي في "الدر المنتقى" (٢/٢٠٢)، داماد أفندي في "مجمع الأنهر" (٢/٢٠١)، الموصلي في "الاختيار لتعليل المختار" (٤/١٣)، العيني في "رمز الحقائق" (١/١٩١)، القهستاني في "جامع الرموز" (١/٦١٤)، ملا علي القاري في "شرح النقاية" (١/٦٩٧)، سراج الدين ابن نجيم في "النهر الفائق" (٢/٥٢٣)

٥ـ المختار للفتوى (٤/١٣)، كنز الدقائق (١٥٥)، الوقاية (٢/١٨٦،١٨٥)، النقاية (١/٦٩٧)، مجمع البحرين (٦٠٥)، غرر الأحكام (١/٤٢٠)، تنوير الأبصار (٥/٣٧٤،٣٧٣)، بداية المبتدي (١/٩٠)

٦ـ الهداية شرح البداية (٢/٤٥٠)، الاختيار لتعليل المختار (٤/١٣)، البحر الرائق (٤/٣٦١، ٣٦٢)، تبيين الحقائق (٣/٦٥)، النهر الفائق (٢/٥٢٣)، شرح النقاية (١/٦٩٧)

كتاب العَتاق

[١٨٨] اختلافی مسئلہ

وإن قال لغلام لا يولد مثله لمثله: "هذا ابني"، عتق عليه عند أبي حنيفة -رحمه الله-، وعندهما: لا يعتق.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

فقہ کا اصول ہے:

"إعمال الكلام أولى من إهماله".[١]

صورتِ مبحوث عنہا میں چونکہ حقیقت پر عمل کرنا متعذر رہے اور اس کا "مجازِ متعین" بھی موجود ہے لہٰذا اصولِ مذکورہ کی روشنی میں اس مجاز پر عمل کرنا ضروری ہوگا تا کہ ایک عاقل شخص کے کلام کو لغو و مہمل قرار دینے سے محفوظ کرلیا جائے گویا کہ آقا نے یوں کہا ہے کہ یہ آزاد ہے جب سے میں اس کا مالک ہوا ہوں کیونکہ بنوت، حریت کو مستلزم ہے۔[٢]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الفتاوى الهندية:

رجل قال لعبده هذا ابني أو قال لجاريته هذه ابنتي إن كان المملوك يصلح والدا له وهو مجهول النسب يثبت النسب ويعتق العبد سواء كان العبد أعجميا جليبا أو مولدا وإن كان العبد يصلح ولدا له لكنه معروف النسب يعتق العبد في قولهم ولا يثبت النسب وإن كان العبد لا يصلح ولدا له لا

١ـ الأشباه والنظائر لابن نجيم (١/١٣٥)، درر الحكام شرح مجلة الأحكام (١/٥٣)، شرح القواعد الفقهية، للزرقا (١/١٨٤)، قواعد الفقه للبركتي (١/١٤)

٢ـ مستفاد من: الغرة المنيفة (١/١٩٠)، الاختيار لتعليل المختار (٤/٢٠)، المبسوط للسرخسي (٦٧/٧)، تبيين الحقائق (٦٩/٣)، البحر الرائق (٤/٢٤٣)، الهداية (٢/٤٥٣)

يثبت النسب ويعتق العبد في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى؛ وهو الصحيح كذا في الزاد. [1]

● قال ابن العلاء الأنصارى:

وإذا قال لعبده: "هذا ابني" ومثله يولد لمثله عتق العبد، سواء كان معروف النسب أو كان مجهول النسب، وإن كان مثله لا يولد لمثله عتق العبد عند أبي حنيفة رحمه الله... وفي "الزاد": والصحيح قول أبي حنيفة. [2]

● قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وإن قال لغلام لا يولد مثله لمثله: "هذا ابني"، عتق عند أبي حنيفة، وقال أبويوسف و محمد -رحمهما الله تعالى-: لا يعتق) قال الإسبيجابي في شرحه: الصحيح قول أبي حنيفة. [3]

● قال قاضي خان:

رجل قال لعبده هذا ابني أو قال لجاريته هذه ابنتي إن كان المملوك يصلح والدا له وهو مجهول النسب يثبت النسب ويعتق العبد سواء كان العبد أعجميا جليبا أو مولدا وإن كان العبد يصلح ولدا له لكنه معروف النسب يعتق العبد في قولهم ولا يثبت النسب وإن كان العبد لا يصلح ولدا له لا يثبت النسب ويعتق العبد في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى وقال صاحباه: لا يعتق [4] (القول المقدم فيه راجح حسب تصريح العلامة الشامي به كما لا يخفى).

● قال الحلبي:

ولو قال هذا ابني أو أبي عتق بلا نية وكذا هذه أمي وعندهما لا يعتق إن لم يصلح أن يكون ابنا له أو أبا له أو أما. [5] (ومن المعلوم أن القول المقدم فيه راجح كما عرفت سابقا في عدة مواضع) [5]

● مشى أصحاب المتون على قول الإمام [6] وهذا ترجيح له ايضا.

١ـ الفتاوى الهندية (٦/٢)

٢ـ الفتاوى التاتارخانية (٢٠٣/٤)

٣ـ الترجيح والتصحيح (٤٢٢)

٤ـ الفتاوى الخانية (٥٧٢/١)

٥ـ ملتقى الأبحر (٢١٢،٢١١/٢)

٦ـ المختار للفتوى (٢٠/٤)؛ إطلاقه -أي قوله "هذا ابنى"- فيه يشمل من يصلح ولدا ومن لا يصلحه. انظر "الاختيار لتعليل المختار" (٢٠/٤)، كنزالدقائق (١٥٦)؛ إطلاقه -اى قوله "هذا ابنى"- يشمل من يولد مثله لمثله ومن لا يولد مثله له. انظر "النهر الفائق" (٧/٣)، الوقاية (١٩٠/٢)، النقاية (٧٠٣/١)، مجمع البحرين (٦٧٦)، غررالأحكام (٤٠٣/١)، تنوير الأبصار (٣٩٩/٥)، بداية المبتدى (٩١/١)

❼ كذا في الكتب الأخر (حيث اخر مصنفوها دليل الإمام فيها وبعضهم ضمنوه جواب دليلهما، وهذا من امارات ترجيح قول ابي حنيفة كما عرف في موضعه) (١)

[١٨٩] اختلافی مسئلہ

وإذا أعتق المولى بعض عبده عتق ذلك البعض، ويسعى في بقية قيمته لمولاه عند أبي حنيفة –رحمه الله تعالى– وقالا: يعتق كله.

مفتی بہ قول:

فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

اس کے مستدل میں محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں کئی صفحات پر محیط مفصل کلام کیا ہے جو دیکھنے کے لائق ہے، تاہم اس قولِ مفتیٰ بہ کے مستدل کی اصل اور بنیاد یہ ہے کہ اعتاق متجزی ہے۔ لہٰذا یہ اعتاق صرف اتنے حصے پر ہی منحصر ہوگا جتنا حصہ آزاد ہوا ہے مکمل غلام آزاد نہیں ہوگا جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث سے واضح ہے:

(١) عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أعتق شركا له في عبد فكان له مال يبلغ ثمن العبد قوم العبد قيمة عدل فأعطى شركاءه حصصهم وعتق عليه وإلا فقد عتق منه ما عتق. (٢)

قال المحقق ابن الهمام بعده: أفاد (هذا الحديث) تصور عتق البعض فقط. (٣)

(٢) عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من أعتق نصيبا أو شقيصا في

١ـ الهداية شرح البداية (٢/٤٥٣)، الاختيار لتعليل المختار (٤/٢٠)، البحر الرائق (٤/٢٤٣)، تبيين الحقائق (٣/٦٩)، شرح النقاية (١/٧٠٣)، المبسوط للسرخسي (٧/٦٧)، بدائع الصنائع (٤/٤٧٤)

٢ـ صحيح البخاري (٢/٨٩٢) رقم (٢٣٨٦)، وكذا انظر له: صحيح مسلم (١٤/٣٧٩) رقم (٢٠٣٨)، صحيح ابن حبان (١٠/١٥٥) رقم (٩٤٣١٦)، سنن ابن ماجه (٢/٨٤٤) رقم (٢٥٢٨)

٣ـ فتح القدير (٤/٤١٨)

مملوک فخلاصه عليه في ماله إن كان له مال وإلا قوم عليه فاستسعي به غير مشقوق عليه. [1]

قال المحقق فی "الفتح" بعده: أفاد عدم سراية العتق إلى الكل بمجرد عتق البعض وإلا لكان قد خلص قبل تخليص المعتق هذا هو الظاهر. [2]

(۳) عن أبي هريرة رضی الله عنه قال قال النبی –صلی الله عليه وسلم– : من أعتق شقيصا فی مملوکه فعليه أن يعتقه كله [3]، وأخرج أبو داود فی موضع: "فعليه عتقُه كلّه". [4] وفي رواية: "وجب عليه أن يعتق ما بقی". [5]، وفي رواية: "كلف عتق ما بقي". [6]

قال الموصلی بعد سرد هذه الروايات: ولو عتق بنفس الإعتاق لما وجب عليه إعتاقه ولما کلف ذلک، لأن إعتاق المعتق محال. [7]

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

(أعتق بعض عبده) ولو مبهما (صح) ولزمه بيانه (ويسعى فيما بقي) وإن شاء حرره ... (وقالا) من أعتق بعضه (عتق كله) والصحيح قول الإمام.

قال الشامی:

(قوله والصحيح قول الإمام إلخ)وكذا نقل العلامة قاسم تصحيحه عن أئمة التصحيح، وأيده في

١ـ صحيح البخاری (٢/٨٩٣) رقم (٢٣٩٠)، وكذا انظر له: صحيح مسلم (١٤/٢١٢) رقم (٣٨٤٦)، صحيح ابن حبان (١٠/١٥٧) رقم (٤٣١٩)، سنن أبی داود (٤/٣٧) رقم (٣٩٤٠)، سنن الترمذی (٣/٦٣٠) رقم (١٣٤٨)، سنن النسائی الكبرى (١/١٣٢) رقم (٢١٧)

٢ـ فتح القدير (٤/٤١٨)

٣ـ سنن أبی داود (٤/٣٧) الرقم (٣٩٣٩)، سكت عنه أبوداود

٤ـ سنن أبی داود (٢/٤١٩) الرقم (٣٩٤٣)، وكذا فی صحيح مسلم (٥:٩٥) رقم (٤٤١٦)

٥ـ السنن الكبرى للبيهقی (١٠/٢٧٧) الرقم (٢١٨٨٢) ثم قال البيهقی: رواه البخاری فی الصحيح عن مسدد ، مسند أبي عوانة (٣/٢٢٥) رقم (٤٧٥٣)، سنن الدارقطنی (٤/١٢٣)، معرفة الصحابة لأبي نعيم الأصبهاني (١٢/٢٠٢) رقم (٣٨٥٣)

٦ـ مسند أبي عوانة (٣/٢٢٣) الرقم (٤٧٤٣)

٧ـ الاختيار لتعليل المختار (٤/٢٣)

فتح القدير بالمعنى وبالسمع، ومنه حديث الصحيحين "من أعتق شركا له في عبد فكان له مال يبلغ ثمن العبد قوم عليه قيمة عدل فأعطى شركاءه حصصهم وعتق العبد عليه، وإلا فقد عتق منه ما عتق" أفاد تصور عتق البعض فقط إلخ. (١)

❷ في الفتاوى الهندية:

من أعتق بعض عبده سواء كان ذلك البعض معينا كربعك حر أو لا كبعضك أو جزء منك أو شقص غير أنه يؤمر بالبيان لم يعتق كله عند الإمام وقالا: يعتق كله ويسعى فيما بقي من قيمته لمولاه عنده كذا في النهر الفائق.

والصحيح قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى هكذا في المضمرات. (٢)

❸ قال ابن العلاء الأنصاري:

وإذا أعتق بعض العبد بأن أعتق نصفه أو ثلثه أو ربعه فهذا على وجهين: إما إن كان العبد كله له أو كان العبد مشتركًا بينه وبين غيره؛ فإن كان العبد كله له فعلى قول أبي حنيفة رحمه الله: يعتق قدر ما أعتقه ويبقى الباقي رقيقًا، إن شآء أعتقه وإن شاء استسعاه... وقال أبويوسف و محمد رحمهما الله. يعتق كله، ولا سبيل له على العبد. وفى "الزاد": والصحيح قول أبي حنيفة. (٣)

❹ قال الحلبي:

ومن أعتق بعض عبده صح وسعى في باقيه ... وقالا يعتق كله ولا يسعى.

قال الحصكفي:

قوله: (وقالا يعتق كله): والصحيح قول أبي حنيفة. (٤)

❺ قال القهستاني:

إن اعتق بعض عبده صح وسعى فيما بقى وهو كالمكاتب بلا رد إلى الرق لو عجز ... هذا كله عند أبي حنيفة وهو الصحيح كما في المضمرات. (٥)

---

١ ـ الدر المختار مع رد المحتار (٥/٤١٥، ٤١٦)

٢ ـ الفتاوى الهندية (٢/٩)

٣ ـ الفتاوى التاتارخانية (٤/٢٣٦)

٤ ـ الدرالمنتقى (٢/٢٢٢)

٥ ـ جامع الرموز (١/٦٢٢، ٦٢٣)

❻ كذا في الكتب الأخر.[1]

❼ إعتمد أصحاب المتون المعتبرة على قول الإمام[2] فهذا من ترجيح له أيضا.

❽ أخر الشارحون دليل الإمام فيه وبعضهم ضمنوه جواب دليلهما وهذا لكون قوله مختارا وراجحا عندهم كما عرف من صنيعهم فيه.[3]

---

[۱۹۰] اختلافی مسئلہ

وإذا كان العبد بين شريكين فأعتق أحدهما نصيبه عتق، فإن كان (المعتق) موسرا فشريكه بالخيار: إن شاء أعتق، وإن شاء ضمن شريكه قيمة نصيبه، وإن شاء استسعى العبد، وإن كان المعتق معسرا فالشريك بالخيار: إن شاء أعتق نصيبه، وإن شاء استسعى العبد، وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى: ليس له إلا الضمان مع اليسار، والسعاية مع الإعسار.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

قول مفتی بہ مجموعی طور پر درج ذیل خیارات پر مشتمل ہے:

۱۔ الترجيح والتصحيح (۴۲۲)، ملتقى الأبحر (۲/۲۲۱،۲۲۳)؛ حيث قدم قول الإمام فيه، فتح القدير (۴/۴۱۶۔۴۱۹)؛ أطال المحقق ابن الهمام فيه الكلام، وبالبسط حقق المرام -كما هو دأبه من بين علماء الانام- ، فمال إلى ترجيح قول الإمام؛ كما يظهر لكل من طالعه بالإلمام؛ ولقد أشار إليه "الشامي" من الفقهاء الأعلام.

۲۔ المختار للفتوى (۴/۲۳)، كنز الدقائق (۱۵۷)، الوقاية (۲/۱۹۶)، مجمع البحرين (۶۸۰)

۳۔ الاختيار لتعليل المختار (۴/۲۳)، الهداية (۲/۴۵۷)، شرح الوقاية (۲/۱۹۶)، تبيين الحقائق (۳/۷۴)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (۲/۷)

١ ـ الإعتاق:

عتق چونکہ متجزی ہے لہٰذا شریکِ ثانی باقی ماندہ غلام کا مالک ہو کر اس کو آزاد کرنے کا مجاز ہوگا کہ یہ اس کا اپنے حصے کی ملکیت میں تصرف ہے جو بلا تردد جائز ہے۔[١] اور تجزی عتق "ماقبل میں مذکور حدیثِ بخاری" کے اس آخری جملہ سے ثابت ہے: "فقد عتق منه ما عتق"[٢]

٢ ـ الضمان (في اليسار):

عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أعتق شركا له في عبد فكان له مال يبلغ ثمن العبد قوم العبد قيمة عدل فأعطي شركاء ه حصصهم ا هـ.[٣]

٣ ـ استسعاء العبد:

أ- (في الإعسار)

عن ابي هريرةؓ عن النبي -صلى الله عليه وسلم- قال: "من أعتق شقصا له في عبد فخلاصه في ماله إن كان له مال فإن لم يكن له مال استسعى العبد غير مشقوق عليه".[٤]

حدیثِ بالا سے معلوم ہوا کہ اگر معتِق کے پاس مال نہ ہو (یعنی وہ معسر ہو) تو غلام سعایت کرے گا۔

ب- (في اليسار):

علامہ زیلعی[٥]، عینی[٦]، داماد أفندی[٧]، ابن نجیم[٨] اور مرغینانی[٩] -رحمہم اللہ تعالی- وغیرہ مشائخ نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ "یسارِ معتِق" بھی استسعاءِ عبد سے مانع نہیں ہے؛ وہ اس طرح کہ شریکِ ثانی کے حصے کی مالیت

١ ـ مستفاد من "شرح مختصر الطحاوى للجصاص" -بتسهيل- (٢٨٤/٨)

٢ ـ صحيح البخارى (٨٩٢/٢) الرقم (٢٣٨٦)، وكذا انظر له: صحيح مسلم (٣٧٩/١٤) الرقم (٢٠٣٨)، صحيح ابن حبان (١٥٥/١٠) الرقم (٩٤٣١٦)، سنن ابن ماجه (٨٤٤/٢) الرقم (٢٥٢٨)

٣ ـ صحيح البخارى (٨٩٢/٢) الرقم (٢٣٨٦)، وكذا انظر له: صحيح مسلم (٢١٢/٤) الرقم (٣٨٤٣)، سنن أبى داود (٤٠/٤) الرقم (٣٩٤٢)، صحيح ابن حبان (١٥٥/١٠) الرقم (٤٣١٦)

٤ ـ رواه الجماعة واللفظ لمسلم (٢١٢/٤) الرقم (٣٨٤٦) وكذا في صحيح ابن حبان (١٥٧/١٠) الرقم (٤٣١٩) ومسند أحمد بن حنبل (٤٢٦/٢) الرقم (٩٤٩٨)

٥ ـ تبيين الحقائق (٧٥،٧٤/٣)

٦ ـ رمز الحقائق (١٩٤/١)

٧ ـ مجمع الأنهر (٢٢٥/٢)

٨ ـ البحر الرائق (٣٩٧/٤)

٩ ـ الهداية (٤٥٨/٢)

''عبدِ مذکور'' کے پاس محبوس ہے لہٰذا یہ شریک، غلام کو اس مالیت کا ضامن بنا کر اس سے یہ قیمت وصول کرے گا، یہ ایسے ہے جیسا کہ اگر ہوا نے زید کا کپڑا اڑا کر کسی رنگریز کے رنگ میں ڈال دیا جس سے وہ کپڑا رنگین ہو گیا یعنی وہ رنگ زید کے کپڑے میں لگ گیا تو اب مالکِ ثوب (زید) پر رنگریز کے رنگ کی قیمت ادا کرنا واجب ہے خواہ زید موسر ہو یا معسر، لہٰذا یہی حکم اس مسئلہ میں بھی ہوگا کہ عبدِ مذکور پر شریکِ ثانی کے حصے کی قیمت ادا کرنا واجب ہوگا، لیکن اگر یہ غلام فقیر ہو تو پھر شریکِ ثانی اس سے استسعاء (کمائی) کرا کے اپنے حصہ کی مالیت وصول کر لے گا۔

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (إذا كان العبد بين شريكين وأعتق أحدهما نصيبه عتق، فإن كان المعتق موسرًا فشريكه بالخيار: إن شاء أعتق، وإن شاء ضمن شريكه قيمة نصيبه، وإن شاء استسعى العبد، وإن كان معسرًا فالشريك بالخيار: إن شاء أعتق، وإن شاء استسعى العبد، وقال أبو يوسف ومحمد: ليس له إلا الضمان مع اليسار، والسعاية مع الإعسار) قال جمال الإسلام في شرحه: الصحيح قول أبي حنيفة، ومشى عليه البرهاني والنسفي وغيرهما. [1]

❷ قال الحلبي:

وإن أعتق شريك نصيبه منه فللآخر أن يعتق أو يدبر أو يكاتب أو يستسعي والولاء لهما أو يضمن المعتق لو موسرا ويرجع به المعتق على العبد والولاء له وقالا: ليس للآخر إلا الضمان مع اليسار والسعاية مع الاعسار [2] (القول المقدم فيه راجح علي ما صرح به الشامي في شرح العقود والمصنف في المقدمة كما تقدم بيانه)

❸ في الفتاوى الهندية:

وإذا كان العبد بين شريكين فأعتق أحدهما نصيبه عتق فإن كان موسرا فشريكه بالخيار إن شاء أعتق، وإن شاء ضمن شريكه، وإن شاء استسعى العبد ... وإن كان معسرا فكذلك إلا أنه لا يضمن كذا في خزانة المفتين [3] (ولم يذكر فيه ايّ اختلاف –وإن كانت المسألة مختلف فيها– واقتصر على ذكر قول الإمام من غير ذكر اسمه فهذا كله لكونه مختارا في الباب، كما لا يخفى)

١ـ الترجيح والتصحيح (٤٢٣)

٢ـ ملتقى الأبحر (٢/٢٢٣- ٢٢٥)

٣ـ الفتاوى الهندية (٢/٩)

④ اعتمد قول الإمام أبي حنيفةؒ، "الموصلي"[1]، و"النسفي"[2]، و "التمرتاشي"[3]، و "ملا خسرو"[4]، وهذا لكونه راجحا عندهم على ما تقرر في الأصول.

⑤ أخر الشارحون دليل الإمام فيه وبعضهم ضمنوه جواب دليلهما وهذا من أمارات ترجيح قول أبي حنيفةؒ كما عرف في موضعه.[5]

---

[۱۹۱] اختلافی مسئلہ

وإذا شهد كل واحد من الشريكين على الأخر بالحرية (عتق كله[6]، و) سعى العبد لكل واحد منهما في نصيبه موسرين كانا أو معسرين عند أبي حنيفةؒ وقالا: إذا كانا موسرين فلا سعاية عليه وإن كانا معسرين سعى لهما وإن كان أحدهما موسرا والأخر معسرا سعى للموسر ولم يسع للمعسر.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

یہاں شریکین میں سے ہر ایک کا دوسرے کے بارے میں یہ گمان ہے کہ اس نے اپنا حصہ آزاد کر دیا ہے لہٰذا اب اس پر ضمان آئے گا یا پھر سعایت ہوگی، یعنی یہاں دو صورتیں ہیں:

اول: ایک شریک دوسرے شریک کو ضمان دے۔

دوم: غلام دونوں کو سعایت کر کے دے۔

---

١ ـ المختار للفتوى (٤/٢٥)

٢ ـ كنز الدقائق (١٥٧)

٣ ـ تنوير الأبصار (٥/٤١٨، ٤١٩)

٤ ـ غرر الأحكام (٢/٥٧٨)

٥ ـ البحر الرائق (٤/٣٩٧)، الهداية (٢/٤٥٨)، شرح النقاية (١/٧٠٧)، تبيين الحقائق (٣/٧٤)، رمز الحقائق (١/١٩٤)

٦ ـ اللباب فى شرح الكتاب (٣/١٠)، الترجيح والتصحيح (٤٢٣)، خلاصة الدلائل لحسام الدين الرازى (٢/٨٩)

پہلی صورت متعذر ہے کیونکہ شریکِ آخر اس کا منکر ہے چنانچہ انکار کی بدولت ضمان کا وجوب محال ہے۔
اب صرف سعایت والی صورت ہی باقی رہ گئی لہٰذا عبد مذکور دونوں کیلئے سعایت کرے گا یعنی یہ غلام دونوں کو پیسے کما کر دے گا گویا کہ غلام مکاتب بن گیا اور ''کتابت'' کے باب میں قاعدہ یہ ہے کہ ''عبدِ مکاتب'' کا مولی موسر ہو یا معسر، دونوں قسم کے مولی کو یہ سعایت کر کے مالِ کتابت ادا کرتا ہے لہٰذا یہاں بھی یہ غلام مطلقاً دونوں آقاؤں کیلئے - ان کے حصے کے بقدر - سعایت کرے گا۔ (۱)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وإذا شهد كل واحد من الشريكين على الأخر بالحرية؛ الخ) قال الإمام المحبوبي أبو المعالي في شرحه: الصحيح قول أبي حنيفة. (۲)

❷ قال الحلبي:

ولو شهد كل منهما بإعتاق شريكه سعى لهما في حظهما والولاء بينهما كيف ما كانا وقالا: يسعى للمعسرين لا للموسرين ولو أحدهما موسرا والأخر معسرا يسعى للموسر فقط (۳) (القول المقدم فيه راجح -وهو قول الإمام هنا- علي ما صرح به الشامي في شرح العقود والمصنف في المقدمة وهو معروف عند أرباب الإفتاء).

❸ في الفتاوى الهندية:

وإذا شهد أحد الشريكين على الأخر بإعتاق بأن كان العبد بين رجلين فشهد أحدهما على صاحبه يجوز إقراره على نفسه ولم يجز على صاحبه ولا يعتق نصيب الشاهد ولا يضمن لصاحبه ويسعى العبد في قيمته بينهما موسرين كانا أو معسرين في قول أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- واقتصر هنا على قول الإمام ترجيحا له، كما تقدم ؛ ثم ذكر بعد قليل- وإن شهد كل واحد منهما على صاحبه وأنكر الأخر يحلف كل واحد منهما على دعوى صاحبه وإذا تحالفا سعى العبد لكل واحد منهما نصف قيمته

---

۱ ـ مستفاد مما يليك -بتسهيل وإضافة يسيرة-:

اللباب في شرح الكتاب (۳/۱۰)، الجوهرة النيرة (۲/۲۹۲)، الهداية (۲/٤٥۹)، البحرالرائق (٤/٤۰۰)، مجمع الأنهر (۲/۲۲٥)

۲ ـ الترجيح والتصحيح (٤۲٤)

۳ ـ ملتقى الأبحر (۲/۲۲٥)

في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى ولا فرق عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى بين حال اليسار والإعسار كذا في البدائع وهو الصحيح كذا في المضمرات.[1]

● اختار النسفي[2]، والتمرتاشي[3]، وملا خسرو[4] قول الإمام لا غير. هذا لكونه مختارا وراجحا عندهم -كما تقدم-.

١ـ الفتاوى الهندية (٢/ ١٦)
٢ـ كنز الدقائق (١٥٧، ١٥٨)
٣ـ تنوير الأبصار (٥/ ٤٢١)
٤ـ غرر الأحكام (٢/ ٨)

كتاب المكاتب

[۱۹۲] اختلافی مسئلہ

وإن اشترى ذا رحمٍ محرمٍ منه لا ولاد له لم يدخل في كتابته عند أبي حنيفة –رحمه الله–، (وقالا: يدخل. (١))

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

مکاتب درحقیقت کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا (اسی لیے اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہوتا ہے خواہ خزانہ اس کے پاس موجود ہو نیز وہ ہبہ کا مالک بھی نہیں بنتا اور بیوی کو خرید لے تو نکاح نہیں ٹوٹتا) البتہ وہ کسب کی صلاحیت اور قدرت رکھتا ہے گویا مکاتب ''فقیرِ کاسب'' ہوا اور ولادت والی رشتہ داری میں صلہ رحمی کیلئے محض یہ قدرت ہی کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص صرف قادر علی الکسب ہو اس سے اس کے والدین اور اولاد کے نفقہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے خواہ وہ فی نفس الوقت فقیر ہو جبکہ والدین و اولاد کے علاوہ کے معاملہ میں محض یہ قدرت کافی نہیں ہوتی ہے جب تک نفس الامر میں یسار متحقق نہ ہو چنانچہ بھائی (جس کے ساتھ قرابتِ ولادت نہیں ہوتی) کا نفقہ صرف موسر بھائی پر واجب ہوتا ہے۔ جو بھائی ''فقیرِ کاسب'' ہو اس پر نہیں ہوتا۔ یعنی محض قدرتِ کسب اور امکانِ یسار یہاں کافی نہیں۔

تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ ولادت وغیر ولادت والی قرابتوں میں فرق ہے لہٰذا حکم میں بھی فرق ہوگا، چنانچہ ولادت والے رشتہ دار کی خریداری پر وہ اس کی کتابت میں داخل ہو جائے گا (کہ ان کا باہمی تعلق بہت قریب کا ہوتا ہے اور عسر

١ـ الجوهرة النيرة (٢/٣١١)، المبسوط للسرخسي (٢٥/١٠٤)، اللباب في شرح الكتاب (٣/ ١)، الهداية (٣/٣٢٧)، مجمع الأنهر (٤/١١)، ردالمحتار (٩/١٧٥)، حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٤/٥٦)، الاختيار لتعليل المختار (٤/٢١)، شرح الوقاية (٣/٣١٩،٣٢٠)، شرح الطائي على الكنز (٢/١٦٣)، دررالحكام شرح غررالأحكام (٢/٢٧)، تبيين الحقائق (٥/١٥٩)، البحرالرائق (٨/٨٧)، كشف الحقائق (٢/١٧٠)، رمز الحقائق (٢/١٦٣)، المحيط البرهاني (٦/٥٩١)

ویسر میں ان میں سے ایک کا نفقہ دوسرے پر واجب ہوتا ہے لہٰذا صلہ رحمی کے پیش نظر یہاں بھی وہ عبدِ مشتریٰ اس کے ساتھ مکاتبت میں داخل ہو جائے گا) اور غیر ولادت والی قرابت کی صورت میں اس مکاتبت کا تحقق نہیں ہوگا کہ وہ اس سے یکسر مختلف ہے حتیٰ کہ بھائی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، والدین کو دینا جائز نہیں، اسی طرح بھائی کی مطلقہ سے نکاح درست ہے اور والد کی مطلقہ سے درست نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ (١)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الحلبي:

ولـو اشترى ذا رحم محرم غير الولاد لا يدخل خلافا لهما (٢) (القول المقدم فيه راجح حسب تصريح العلامة الشامي به كما لا يخفى على المفتي)

❷ في الفتاوى الهندية:

وإذا اشترى أخاه أو أخته أو ذا رحم محرم منه سوى الوالدين والمولودين نحو العم والعمة وأشباههما ففي الاستحسان لا يتكاتبون عليه حتى كان له بيعهم وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى. (٣)

(فالاقتصار فيه علي قول الإمام وعدم التعرض لقولهما -في معرض البيان- يدل على ترجيح قوله رحمه الله تعالى علي ما عرف في أصول الإفتاء).

❸ قال الأوشي:

المكاتب إذا اشترى أخاه أو أخته أو عمه أو خاله لا يكاتب عليه عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى (٤) (اقتصر المصنف العلام على قول الإمام لكونه مختارا في الباب وراجحا عنده، كما لا يخفى)

❹ قول الإمام -رحمه الله تعالى- فيها استحسان. ومن المعلوم عند أرباب الافتاء أن الاستحسان وجه من وجوه الترجيح، إلا في مسائل معدودة؛ وهي ليست منها فقول الإمام فيها راجح. وقد وقع التصريح بكون قوله استحسانا في كتب عديدة. (٥)

١ـ مجمع الأنهر (١١/٤)، البحر الرائق (٨٧/٨)، تبيين الحقائق (١٥٩/٥)، الهداية (٣٢٧/٣)، ردالمحتار (١٧٥/٩)، حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٥٦/٤)، اللباب في شرح الكتاب (١٩/٣)، البناية (٢٠٦/١٣)، شرح الوقاية (٣٢٠/٣)، كشف الحقائق (١٧٠/٢)، دررالحكام شرح غررالأحكام (٢٧/٢)

٢ـ ملتقى الأبحر (١٠/٤)

٣ـ الفتاوى الهندية (٩/٥)

٤ـ الفتاوى السراجية (٥٢)

٥ـ منها: جامع الرموز (٦٤٥/١)، الفتاوى الهندية (٩/٥)، الترجيح والتصحيح (٤٣٠)

● ذكر الشيخ الأفغاني -رحمه الله تعالى- الخلاف في هذه المسألة بين الإمام وصاحبيه، ثم علل قوله وأهمل دليلهما [1] (فهذا يدل على ترجيح قول أبي حنيفة، كما تقرر في الأصول)

● اختار أصحاب المتون المعتبرة وغيرهما قول الإمام[2] وهذا ترجيح له أيضا.

● قد أخر الشارحون دليل الإمام فيه وذاک من ترجيح لقول الإمام عندهم، كما تقدم بيانه. [3]

[۱۹۳] اختلافی مسئلہ

وإذا عجز المكاتب عن نجم نظر الحاكم في حاله، فإن كان له دين يقضيه، أو مال يقدم عليه، لم يعجل بتعجيزه، وانتظر عليه اليومين أو الثلاثة (ولا يزيد على ذلك[4])، وإن لم يكن له وجه وطلب المولى تعجيزه عجّزه الحاكم وفسخ الكتابة، (هذا عند أبي حنيفة و محمد[5]-رحمهما الله تعالى-) وقال أبويوسفؒ: لا يعجزه حتى يتوالى عليه نجمان.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

١ـ كشف الحقائق (٢/١٧٠)

٢ـ المختار للفتوى (٤/٢١)، كنز الدقائق (٣٧٦)، الوقاية (٣/٣١٩)، مجمع البحرين (٦٩٦)، غرر الأحكام (٢/٢٧)، تنوير الأبصار (٩/١٧٥)

٣ـ الهداية (٣/٣٢٧)، البحرالرائق (٨/٨٧)، تبيين الحقائق (٥/١٥٩)، شرح الوقاية (٣/٣٢٠)، رمز الحقائق (٢/١٦٣)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٢٧)، رد المحتار (٩/١٧٥)، حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٤/٥٦)

٤ـ الجوهرة النيرة (٢/٣١١)، الهداية (٣/٣٣٦)، البحرالرائق (٨/١٠٧)، تبيين الحقائق (٥/١٦٩)، الجامع الصغير للشيباني (١/٤٥٨)، شرح النقاية (١/٧٢٤)، المختار للفتوى (٤/٤٤)، مجمع الأنهر (٤/٢٤)، رمز الحقائق (٢/١٦٧)

٥ـ بداية المبتدي (١/١٩٧)، البحرالرائق (٨/١٠٧)، الجوهرة النيرة (٢/٣١١)، تبيين الحقائق (٥/١٦٩)، شرح الوقاية (٣/٣٣٠)، جامع الرموز (١/٦٤٣)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٣١)، مجمع الأنهر (٤/٢٤)، رد المحتار (٩/١٨٩)، النافع الكبير للكنوي (١/٤٥٨)، بدائع الصنائع (٣/٦٠٧)، خزانة الفقه للسمرقندي (١٥٣)، رمز الحقائق (٢/١٦٧)، اللباب في شرح الكتاب (٣/١٩)، شرح ابن ملك على مجمع البحرين -على هامشه-(٦٩٩)

قول مفتی بہ کا مستدل:[1]

فقہ کا اصول ہے:

"العبرة للغالب." [2]

اکثر وغالب اوقات میں چونکہ تین دن کے اندر عذر ظاہر ہو جاتا ہے اس لیے پھر تین دن کی مدت کو ہی اظہارِ عذر کیلئے مقرر کر دیا گیا جیسا کہ مدعیٰ علیہ کو مدعی کے دعویٰ کی مدافعت اور مدیون کو دَین کی ادائیگی کیلئے تین دن کی مہلت دی جاتی ہے اسی طرح شرطِ خیار اور امہالِ مرتد میں تین دن کی مدت مقرر ہے، وغیرہ وغیرہ۔

چونکہ یہاں فسخِ کتابت کا سبب متحقق ہو چکا ہے- اور وہ سبب اس مکاتب کا عجز ہے کہ جب وہ ایک قسط کی ادائیگی سے عاجز آ چکا ہے تو دو قسطوں کی ادائیگی سے بدرجۂ اولیٰ عاجز ہوگا- لہٰذا اگر آقا فسخِ عقد کا مطالبہ کرے (کیونکہ اس کو قسط نہیں ملی جبکہ عقدِ مذکور سے اس کا مقصود مال ہی تھا) تو حاکم اسے عاجز قرار دے کر اس کا عقدِ کتابت فسخ کر دے گا، البتہ اس میں دو تین دن کی مہلت ناگزیر ہے تاکہ وہ دوڑ دھوپ کر کے یہ قسط ادا کر دے کہ اس میں جانبین کا فائدہ اور ہمدردی ہے لہٰذا یہ مدت کوئی تاخیر شمار نہیں ہوگی تاہم اس مدت کے گزرنے کے بعد عدمِ ادا کی صورت میں قاضی تعجیز وفسخ کا حکم صادر کر دے گا۔ [3]

١ـ ف: يقول العبد الضعيف عفى عنه:

بعضهم ذكروا هنا أثرا صريحا عن ابن عمر رضي الله عنهما في تاييد قول الطرفين، وهو: "عن ابن عمر رضي الله عنهما أن مكاتبة له عجزت عن أداء نجم واحد فردها -اى في الرق-"، كالمرغيناني في الهداية (٣/٣٣٧)، والموصلي في "الاختيار" (٤/٤٤)، وابن نجيم في "البحر" (٨/١٠٨)، والزيلعي في "التبيين" (٥/١٧٠)، والكاساني في "البدائع" (٣/٦٠٨)، والعيني في "الرمز" (٢/١٦٧)، وداماد أفندى في "المجمع" (٤/٢٤)، وغيرهم.

ولكني لم أذكره ههنا؛ لأن الإمام الزيلعي لم يقبل هذا الأثر وعزاه إلى الغرابة، حيث قال:

"قوله: (روي عن ابن عمر أن مكاتبة له عجزت عن نجم، فردها، قلت: غريب، وروى ابن أبي شيبة في مصنفه حدثنا وكيع، وابن أبي زائدة عن أبان بن عبدالله البجلي عن عطاء أن ابن عمر كاتب غلاما له على ألف دينار، فأداها إلا مائة، فرده في الرق [واقول -القائل هو العبد الضعيف-: كذا أخرجه البيهقي في "السنن الكبرى" (١٠/٣٤١)، برقم (٢٢٢٧٥]. انتهى"، انظر: نصب الراية (٤/١٤٦)، وقال العسقلاني: "لم أجده": انظر: الدراية (٢/١٩٢)

٢ـ قواعد الفقه للبركتي (١/١٩)، درر الحكام شرح مجلة الأحكام (١/٤٥)، شرح القواعد الفقهية للزرقا (١/١٣٣)

٣ـ الهداية (٣/٣٣٦،٣٣٧)، جامع الرموز (١/٦٤٣)، الاختيار لتعليل المختار (٤/٤٤)، مجمع الأنهر (٤/٢٤)، البحر الرائق (٨/١٠٧)، تبيين الحقائق (٥/١٦٩،١٧٠)، شرح النقاية (١/٧٢٤)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٣١)، الجوهرة النيرة (٢/٣١١)، اللباب في شرح الكتاب (٣/١٩)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

(مكاتب عجز عن أداء) نجم (إن كان له مال سيصل إليه لم يعجزه الحاكم إلى ثلاثة أيام) لأنها مدة ضربت لإبلاء الأعذار (وإلا عجزه) الحاكم في الحال (وفسخها بطلب مولاه أو فسخ مولاه برضاه)

قال الشامي:

قوله: (وإلا عجزه إلخ) أي إن لم يرج له مال وهذا عندهما، وهو الصحيح. [1]

قال الطحطاوي:

قوله: (أو فسخ مولاه برضاه) بعد أن عجزه وقال أبو يوسف: لا يعجزه حتى يتوالى عليه نجمان -إلى أن قال- وفي القهستاني عن المضمرات: الصحيح قولهما. [2]

❷ في الفتاوى الهندية:

إذا عجز المكاتب عن نجم نظر الحاكم في حاله فإن كان له دين يقبضه أو مال يقدم عليه لم يعجل بتعجيزه وانتظر عليه اليومين والثلاثة نظرا للجانبين والثلاثة هي المدة التي ضربت لإبلاء الأعذار فلا يزاد عليه فإن لم يكن له وجه طلب المولى تعجيزه عجز وفسخ الكتابة وهذا عند أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالى كذا في الهداية وهو الصحيح هكذا في المضمرات. [3]

❸ قال الحلبي:

إذا عجز المكاتب عن نجم فإن رجي له حصول مال لا يعجل الحاكم بتعجيزه ويمهل يومين أو ثلاثة وإلا عجزه وفسخ الكتابة إن طلب سيده أو عجزه سيده برضاه وعند أبي يوسف لا يعجز ما لم يتوال عليه نجمان.

قال داماد أفندي:

قوله: (وعند أبي يوسف لا يعجز) أي لا يحكم الحاكم بعجزه (ما لم يتوال عليه نجمان) لقول علي رضي الله تعالى عنه إذا توالى على المكاتب نجمان رد إلى الرق والأثر فيما لا يدرك بالقياس كالخبر ولهما ما روي عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما أن مكاتبا له عجز عن نجم فرده إلى الرق

١ـ حاشية ابن عابدين على الدر المختار (٩/١٨٩، ١٩٠)

٢ـ حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٤/٦١)

٣ـ الفتاوى الهندية (٥/١٧)

-إلى أن قال- وفي المضمرات أن الصحيح قولهما. [1]

قال الحصكفي:

قوله: (وعند أبي يوسف لا يعجز ما لم يتوال عليه نجمان) والصحيح الأول كما في المضمرات. [2]

❹ قال القهستاني:

(إذا عجز عن نجم إن كان له وجه سيصل لا يعجزه الحاكم إلى ثلاثة أيام وإلا عجزه) الحاكم عندالطرفين. وقال أبويوسف: لا يعجزه حتى يتوالى نجمان. والأول هو الصحيح كما في المضمرات. [3]

❺ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وإذا عجز المكاتب عن نجم نظر الحاكم في حاله، فإن كان له دين يقتضيه، أو مال يقدم إليه، لم يعجل بتعجيزه، وانتظر عليه اليومين والثلاثة، وإن لم يكن له وجه وطلب المولى تعجيزه عجزه وفسخ الكتابة، وقال أبويوسف: لا يعجزه حتى يتوالى عليه نجمان). قال جمال الإسلام في شرحه: الصحيح قول أبي حنيفة و محمد. [4]

❻ المتون على قول الطرفين[5] وهذا ترجيح له ايضا.

❼ كذا في الكتب الأخر [6] (حيث أخر مصنفوها دليل الطرفين فيها، وضمنوه جواب دليل أبي يوسف - وهذا الكاساني منهم، قد أجاب عن دليله إجابة حسنة - وذاك كله ترجيح لقولهما عندهم حسب ما عرف من صنيعهم في المختار لديهم).

١ـ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر (٤/٢٤)

٢ـ الدر المنتقى في شرح الملتقى (٤/٢٤)

٣ـ جامع الرموز (١/٦٤٣)

٤ـ الترجيح والتصحيح (٤٣٠)

٥ـ المختار للفتوى (٤/٤٤)، كنز الدقائق (٣٨٠)، الوقاية (٣/٣٣٠)، النقاية (١/٧٢٤)، غرر الأحكام (٢/٣١)، تنوير الأبصار (٩/١٨٩)

٦ـ الاختيار لتعليل المختار (٤/٤٤)، مجمع الأنهر (٤/٢٤)، الهداية (٣/٣٣٧)، بدائع الصنائع (٣/٦٠٨)، البحر الرائق (٨/١٠٨)، تبيين الحقائق (٣/١٧٠)، رمز الحقائق (٢/١٦٧)

[١٩٤] اختلافی مسئلہ

وإن دبر مكاتبته صح التدبير ولها الخيار: إن شاء ت مضت على الكتابة، وإن شاء ت عجزت نفسها وصارت مدبرة، فإن مضت على كتابتها فمات المولى ولا مال له فهي بالخيار: إن شاء ت سعت في ثلثي مال الكتابة أو ثلثي قيمتها عند أبي حنيفةؒ . (وقالا: تسعى في الأقل منهما. [1]**)**

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔ [2]

١ـ الجامع الصغير للشيباني مع النافع الكبير (٢٥٣/١)، بداية المبتدى (١٩٥/١)، المبسوط للسرخسي (١٩٦/٧)، شرح الوقاية (٣٢٢/٣)، مجمع البحرين (٦٩٥)، حاشية الشرنبلالي على الدرر والغرر (٢٨/٢)، مجمع الضمانات (٤٤٠/١)، ملتقى الأبحر (١٦/١)، رد المحتار (١٨١/٩)، حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٥٨/٤)، الفتاوى الهندية (١١/٥)، تبيين الحقائق (١٦٣/٥)، البحر الرائق (٩٤/٨)، كشف الحقائق (١٧٣/٢)، رمز الحقائق (١٦٤/٢)، الجوهرة النيرة (٣١٦/٢)

٢ـ يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

قد وقع الاختلاف هنا في ترجيح قول من القولين المذكورين في الكتب الفقهية المعتمد عليها؛

إذ صرح ابن قطلوبغا بالافتاء فيه على قول أبي حنيفة، حيث قال: "الفتوى فيه على قول الإمام" انظر: الترجيح والتصحيح له (٤٣٥)، وكذلك قول الإمام راجح عند الحلبي -على ما يترشح من دأبه في المختار عنده -انظر: ملتقى الأبحر (١٥/٤، ١٦)؛ على حين أنه قال الشامي في ردّ المحتار (١٨١/٩) والطحطاوى في حاشيته على الدر المختار (٥٨/٤) والشرنبلالي في حاشيته على الدرر والغرر (٢٨/٢) في قول الصاحبين: "وهو الأظهر".

ومع ذلك الاختلاف الرئيسي هو بين ابن قطلوبغا والطرابلسي إذ نقل ابن عابدين والطحطاوى ترجيح قولهما عن "المواهب"؛ حيث قال ابن عابدين الشامي: "وقولهما أظهر . كما في المواهب"، وقال الطحطاوى: "وهو الأظهر، كما في المواهب ." والمراد بالمواهب "مواهب الرحمن في مذهب النعمان"، لإبراهيم بن موسى الطرابلسي ولعل الشرنبلالي نقله عنه ايضا، بغير تصريح الإحالة اليه؛ لانه متاخر عن صاحبه قرنا من الزمان ومع هذا قوله يساوي قولهما -اى الشامي والطحطاوى- فيه، حيث قال في قول الصاحبين: "وهو الأظهر". ==

قول مفتی بہ کا مستدل:

اعتاق چونکہ امر تجزی ہے (کما ثبت من حدیث صحیح البخاری وقد تقدم تخریجہ) لہٰذا اس مکاتبہ کا ایک ثلث تو متجزی و الگ ہو کر آزاد ہو جائے گا پھر صرف دو ثلث رقیق باقی رہ جائیں گے اور اسے دو بدل کے عوض حریت کے

== فلمّا وقع الاختلاف في ترجيح أحد القولين المذكورين احتجنا إلى تعيين القول الراجح منهما للإفتاء والعمل به، فهو عندي قول الإمام الأعظم أبي حنيفة رحمه الله تعالى لا ما ذهب إليه العلامة قاسم ابن قطلوبغا وترجيحا لما قاله- في ضوء ما استفدت من أصول الإفتاء التي وضعها خاتمة المحققين ابن عابدين الشامي، عند ما تعارض التصحيحان، في كتابه الممتع النّافع الشهير في هذا الفن "شرح عقود رسم المفتي" بعد إمعان النظر وإطالة الفكر فيها، على ما يلي:

١ـ إذا كان أحد القولين المصححين بلفظ الفتوى والآخر بغيره فالقول المصحح بلفظ الفتوى راجح، وتصحيح ابن قطلوبغا فيها بلفظ الفتوى كما تقدم.

٢ـ "إذا كان أحدهما في المتون والآخر في غيرها فالترجيح لما في المتون"، وقول الإمام قد اختاره أصحاب المتون كالنسفي في "الكنز" (٣٧٧)، والمحبوبي في "الوقاية" (٣/٣٢٢)، والحلبي -على وفق دأبه- في "الملتقى" (٤/١٥)، وملا خسرو في "الغرر" (٢/٢٨)، والتمرتاشي في "التنوير" (٩/١٨١). والموصلي -صاحب "المختار"-، وصدر الشريعة الأصغر -صاحب "النقاية"- لم يتعرضا هذه المسألة رأسا؛ وأما ابن الساعاتي صاحب "مجمع البحرين"- والمرغيناني -صاحب "بداية المبتدى"- فكل واحد منهما وإن أتى بالقولين ولكنه قدم قول الإمام على قولهما.

٣ـ "إذا كان أحدهما قول الإمام الأعظم والآخر قول بعض أصحابه يقدم قول الإمام"؛ فقد صحح ابن قطلوبغا قول الإمام والطرابلسي قول تلميذيه، فالترجيح لما ذهب إليه العلامة قاسم.

ومع ذلك أن لابن قطلوبغا من مكانة، في العلم والفضل والفقه، ما ليست للطرابلسي. إنه من أجل تلامذة المحقق الكمال ابن الهمام -فشاع ذكره وانتشر صيته بفقهه في العالم- فلا يحجب شأنه في الفقه عن أحد، فضلًا عن تقدمه قرنا على الطرابلسي إذ هو من أعلام القرن التاسع توفي سنة ٨٧٩هج والطرابلسي من علماء القرن العاشر حيث توفي سنة ٩٢٢هج، فهو من كبار الحنفية الذين يرجع إليهم كما ترى في كلام الأعلام الجهابذة عنه فيما يأتي:

(أ): قال ابن عابدين:

في [شرح عقود رسم المفتي (ص:٢٥)]:

ابن الهمام بلغ رتبة الاجتهاد وكذلك نفس العلامة قاسم من أهل تلك الكتيبة.

وفي [رد المحتار: (١/١٢٩)]:

انتهت إليه رئاسة مذهب أبي حنيفة.

دوراستوں کا استحقاق حاصل ہے:

اول: مدبرہ ہونے کی بناء پر وہ فوراً آزاد ہوجائے

دوم: مکاتبہ کے اعتبار سے بدلِ کتابت ادا کرنے کے بعد ذرا دیر سے آزاد ہو

لہٰذا اسے ان میں اختیار دیا جائے گا، کیونکہ تفاوتِ ناس کی بدولت ان دونوں میں سے ہر ایک کا اپنا ایک مستقل فائدہ ہے۔ بسا اوقات آدمی قلیل معجّل کی بجائے کثیر مؤجل کو اختیار کر لیتا ہے لہٰذا مکاتبہ مذکورہ کو بھی اس میں اختیار دیا جائے گا کہ وہ اپنی طبیعت وحالت کے موافق جس کو چاہے اختیار کرلے۔[1]

قول مفتی بہ کی تخریج:

● قال ابن قطلوبغا:

==

(ب): قال الشوكاني في [البدر الطالع (٤٦/٢)]:

وصار المشار إليه في الحنفية ولم يخلف بعده مثله

(ج): قال السخاوي في [الضوء اللامع: ١٨٨،١٨٧/٦)]:

وهو إمام علامة قوي المشاركة في فنون واسع الباع في استحضار مذهبه وكثير من زواياه وخباياه متقدم في هذا الفن.

(د): واقتفى اللكنوى اثر السخاوى، فقال فى [التعليقات السنية على الفوائد البهية: (ص:٩٩)]:

كان إماما علامة قوى المشاركة في فنون واسع الباع في استحضار مذهبه متقدما في هذا الفن ... وله تصانيف كثيرة. انتهى

أقول أخيرا مستعينا بالله جل شأنه: بهذا كله ظهر لي أن تصحيح ابن قطلوبغا مقدم على تصحيح الطرابلسي من ترجيح قول الإمام الأعظم أبي حنيفة رحمه الله تعالى فيه؛ فليكن هو المعتمد في الباب، لدى أرباب الإفتاء وأولى الألباب، فإن كان صوابا فمن الله العليم الوهاب، وإن كان خطأ فمني ومن الشيطان ذى العذاب، وأستعيذ منه برب أولى النهى والأقصاب، وعليه أتوكل وإليه أناب

١۔ شرح الوقاية(٣٢٣/٣)، الهداية (٣٢٩/٣، ٣٣٠)، المبسوط للسرخسي(١٩٦/٧)، الجوهرة النيرة (٣١٦/٢، ٣١٧)

يقول العبد الضعيف —عفا الله عنه—:

ولقد وقع التصحيف من الكُتّاب في هذا الموضع من الجوهرة (١١٦/٢) ط: المطبعة الخيرية، و (٣١٧/٢) ط:مكتبة رحمانية باكستان؛ و (١٩٠/٢) ط: قديمى كتب خانه بكراتشي باكستان؛ حيث صحفوا المعجل بالمؤجل وكذا عكسه، كما ترى في عبارته: "وقد تلقاه جهتا حرية ببدلين مؤجل بالتدبير ومعجل بالكتابة". وصوابه: "معجل بالتدبير ومؤجل بالكتابة". كما هو ظاهر على وفق ما في الهداية (٣٣٠/٣) وشرح الوقاية (٣٢٣/٣).

قوله: (فهي بالخيار: إن شاء ت سعت في ثلثي مال الكتابة أو ثلثي قيمتها عند أبي حنيفة) وقالا: تسعى في الأقل منهما... الفتوى فيه على قول الإمام كما نقلته عن الأئمة الأعلام.[1]

❷ قال الحلبي:

وإن دبر مكاتبه صح ومضى عليها أو عجز نفسه، وصار مدبرا فإن مضى عليها فمات سيده معسرا يسعى في ثلثي البدل أو في ثلثي قيمته وعندهما يسعى في الأقل من ثلثي كل منهما[2] (القول المقدم فيه راجح -وهو قول الإمام ههنا- على ما صرح به الشامي في شرح العقود والمصنف في المقدمة وهذا ما تقدم بيانه).

❸ ذكر الشيخ الأفغاني -رحمه الله تعالى- الخلاف في هذه المسألة بين الإمام وصاحبيه، ثم علّل قوله وأهمل دليلهما[3] (فهذا يدل على ترجيح قول أبي حنيفة، كما تقرر في أصول الإفتاء).

❹ اعتمد قول الإمام أبي حنيفة: النسفي[4]، والمحبوبي[5]، والتمرتاشي[6]، وملا خسرو[7]؛ وهذا لكونه راجحا عندهم على ما عرف في الأصول.

١ـ الترجيح والتصحيح (٤٣٥)

٢ـ ملتقى الأبحر (٤/١٥، ١٦)

٣ـ كشف الحقائق (٢/١٧٢)

٤ـ كنز الدقائق (٣٧٧)

٥ـ الوقاية (٣/٣٢٢)

٦ـ تنوير الأبصار (٩/١٨١)

٧ـ غرر الأحكام (٢/٢٨)

كتاب الولاء

[١٩٥] اختلافی مسئلہ

ومن تزوج من العجم بمعتقة العرب فولدت له أولادا فولاء ولدها لمواليها عند أبي حنيفة و محمد -رحمهما الله تعالى- وقال أبويوسف -رحمه الله تعالى- يكون ولاء أولادها لأبيهم.

توضیح المقام:

واضح رہے کہ مسئلہ بالا میں اختلاف مطلقا ''معتقہ'' کے بارے میں ہے۔خواہ وہ معتقۃ العرب ہو یا معتقۃ العجم، لہذا ''العرب'' کی قید اتفاقی ہے۔(۱)

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتیٰ بہ کا مستدل:

فقہ کا معروف اصول ہے:

''الضعیف لا یعارض القوي'' (۲)

١ـ تبيين الحقائق (١٧٧/٥)، مجمع الأنهر (٣٢/٤)، الهداية (٣٤٤/٣)، البحرالرائق (١٢٠/٨)، الجوهرة النيرة (٣٢٠/٢)، الترجيح والتصحيح (٤٣٨)، دررالحكام شرح غرر الأحكام (٣٤/٢)، رد المحتار (٢٠٥/٩)، حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٦٨/٤)، شرح ملا مسكين على الكنز.

٢ـ المبسوط للسرخسي (١٧٠/٢)، الهداية (٣٤٣/٣)، وهذا الأصل لا يحتاج -لشهرته- إلى إحالة أو استناد إلى كتاب من كتب اصول الفقه، بحصوص هذا اللفظ، أما معناه فقد ثبت فيها، منها:

(أ) كشف الأسرار شرح أصول البزدوي (٧٧/٣): وفيه: لا مقابلة بين الضعيف والقوي بل يترجح القوي

(ب) الإحكام في أصول الأحكام للآمدي (١٤٧/٣): وفيه: لا يقع الأضعف في مقابلة الأقوى

(ج) حاشية العطار على شرح الجلال المحلي (٢٣٨/١): وفيه: إن هذا الدليل أقوى فلا يعارضه الضعيف

اولادِ مذکورہ کی ولاء کو لینے میں یہاں دو چیزیں باہم معارض ہیں:

(ا)- ''ولاء عتاقہ'': اس کا تقاضا یہ ہے کہ ''الولاء لمن أعتق'' کے تحت یہ ولاء ان کی معتقہ والدہ کے موالی کو دی جائے۔

(ب)-''باپ کا نسب'': اس کا مطالبہ ومقتضیٰ یہ ہے کہ جس طرح ان اولاد کا نسب اس باپ سے ثابت کیا جاتا ہے اسی طرح ولاء کا مستحق بھی اسے قرار دیا جائے۔ اب ان دونوں کی ذاتی کیفیت وحالت ملاحظہ ہو۔

ولاء عتاقہ ایک مستحکم وقوی شی ہے کہ شرعاً بھی اس کو معتبر قرار دیا گیا ہے یہاں تک کہ اس میں کفاءت معتبر ہوتی ہے چنانچہ عرب کی معتقہ عورت، عجم کے معتق مرد کا کفو نہیں ہے۔

اور ادھر باپ چونکہ عجمی ہے اور عجم کے حق میں نسب کا معاملہ ضعیف ہے کیونکہ وہ اپنا نسب ضائع کر چکے ہیں بلکہ ان کے نسب کا یہ عالم ہے کہ خود ان کے مابین نسب میں کفاءت معتبر نہیں ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ ولاء عتاقہ قوی چیز ہے اور عجمیوں کا نسب ضعیف ہے، چنانچہ مذکورہ بالا اصول کے تناظر میں ضعیف چونکہ قوی کے معارض نہیں ہوسکتا لہٰذا ولاءِ مذکورہ ''ولاء عتاقہ'' کے تحت ماں کے موالی کو ملے گی۔ [1]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ **قال ابن قطلوبغا:**

قوله: (ومن تزوج من العجم بمعتقة من العرب فولدت له أولادا فولاء ولدها لمواليها عند أبي حنيفة)

الهداية: وهو قول محمد أيضا، وقال أبويوسف: حكم أبيه وحكمه سواء.

وقال جمال الإسلام في شرحه: الصحيح قولهما. [2]

❷ **قال الحلبي:**

ولو تزوج عجمي له مولى موالاة أو لا معتقة فولدت منه فولاء الولد لمواليها، وعند أبي يوسف حكمه حكم أبيه. [3] **(ومن المعلوم ان القول المقدم فيه راجح كما عرفت سابقا).**

❸ **في الفتاوى الهندية:**

حر عجمي نكح معتقة ولم يعتقه أحد فولدت فولاء ولدها لمواليها وكذا إن كان الأب والى

١ـ الهداية (٣/٣٤٣)، اللباب في شرح الكتاب (٣/٢٤)، المبسوط للسرخسي (٨/٨٨،٨٩)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٣٤)، حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٤/٦٨)، كشف الحقائق (٢/١٧٩)، رمز الحقائق (٢/١٦٩)، مجمع الأنهر (٤/٣٢)، تبيين الحقائق (٥/١٧٧)

٢ـ الترجيح والتصحيح (٤٣٨)

٣ـ ملتقى الأبحر (٤/٣١،٣٢)

رجلا وهذا قول أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالى [١] (فالاقتصار فيه على قول الطرفين وعدم التعرض لقوله -في معرض البيان- يدل على ترجيح قولهما رحمهما الله تعالى على ما عرف في أصول الإفتاء)

❹ قال ابن نجيم:

قال رحمه الله: (عجمي تزوج معتقة فولدت فولاء ولدها لمواليها وإن كان له ولاء الموالاة) يعني وإن كان للأب ولاء الموالاة، وهذا عند أبي حنيفة ومحمد، وقال أبويوسف حكم الأب حكم أبيه في الوجهين... وإن كان مولى الموالاة فولدت منه فهو مولى لموالي الأم عندهما. وقال أبويوسف الولد مولى لموالي الأب لهما أن ولاء العتق أقوى من موالي الموالاة؛ لأن ولاء العتق لا يحتمل الفسخ وولاء الموالاة يحتمل الفسخ فرجح الأكد الأقوى على الأضعف وإن كان أعجميا وهي مسألة المتن. [٢] -فاكتفى به الشارح العلام ولم يعلل قول أبي يوسف. فبهذا علم أن قولهما قد ترجح عنده على ما تقرر في الأصول-.

❺ وكذا حذا الأفغاني حذو ابن نجيم، وأتى بتعليل قول الطرفين فقط بعد أن ذكر الخلاف المذكور وأهمل دليل الإمام الثاني ، فهذا كله يدل على ترجيح قولهما عنده، كما تقدم. [٣]

❻ اعتمد قول الطرفين، النسفي [٤] والمحبوبي [٥] والتمرتاشي [٦] وملا خسرو [٧]، وهذا لكونه راجحا عندهم على ما تقرر في الأصول.

❼ قد أخر أصحاب الشروح دليل الطرفين فيه مضمنين جواب دليل أبي يوسف، وذاك ترجيح لقولهما عندهم وقد سبق بيانه. [٨]

١ـ الفتاوى الهندية (٢٨/٥)

٢ـ البحرالرائق (١١٩/٨، ١٢٠)

٣ـ كشف الحقائق (١٧٩/٢)

٤ـ كنز الدقائق (٣٨٣، ٣٨٤)

٥ـ الوقاية (٣٣٥/٣)

٦ـ تنوير الأبصار (٢٠٥/٩)

٧ـ غرر الأحكام (٣٤/٢)

٨ـ الهداية (٣٤٣/٣)، تبيين الحقائق (١٧٧/٥)، المبسوط للسرخسي (٨٨/٨، ٨٩)، رمز الحقائق (١٦٩/٢)، مجمع الأنهر (٣٢/٤)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٣٤/٢)، حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٦٨/٤)

كتاب الجنايات

[١٩٦] اختلافی مسئلہ

شبه العمد عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى : أن يتعمد الضرب بما ليس بسلاح، ولا ما أجري مجراه، وقالا رحمهما الله تعالى:... وشبه العمد: أن يتعمد ضربه بما لا يقتل به غالبا.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:(١)

اوّلاً یہاں چند امور کا ذکر موزوں ہے جو مستدلات ذیل کیلئے توطیہ وتمہید کی حیثیت کے حامل ہیں:

ا- قتلِ عمد میں قصاص (قَوَد) واجب ہوتا ہے اور شبہ عمد میں دیت (اَرش)، یعنی - بالفاظِ دیگر - جہاں قَوَد کا حکم ہو وہ قتل، قتلِ عمد ہوگا اور جس قتل کے بارے میں دیت واَرش کا حکم وہ، وہ شبہ عمد ہوگا۔ وہذا کلہ ظاہر

ب- قتلِ خطاً، شبہ عمد کے معنی میں آتا ہے۔(٢)

١ـ قد ذكر الإمام الجصاص وشيخنا العثماني -رحمه الله تعالى- دلائل الإمام فيه بالبسط والتفصيل مع التحقيق والتدقيق. انظر "شرح مختصر الطحاوى للجصاص "(٥/٤١٨-٤٢٣) و "إعلاء السنن" (١٨/٨٣-٨٩) فينبغي لباحثٍ لفتُ النظر إليها. وعلى عكس ذلك ما استدل به الصاحبان والشافعي -رحمهم الله تعالى- من الأحاديث والآثار وغير ذلك، قد أجاب عنها الإمام القدوري في كتابه الجامع "التجريد" (١١/٥٥١٠ـ٥٥١٩) والجصاص في "شرح مختصر الطحاوى" (٥/٤٢٣ـ٤٢٦) بأجوبة مفصلة محققة تنشرح بها الصدور وترتضي بها العقول.

٢ـ إعلاء السنن (١٨/٨٣)

ج۔ جس چیز سے عموماً آدمی مرجاتا ہو (اور دھاری دار نہ ہو[1]) صاحبینؒ کے نزدیک اس کا شمار قتلِ عمد میں ہوتا ہے لہٰذا وہاں قوَد کا حکم ہوگا جبکہ امام صاحبؒ کے نزدیک وہ شبہ عمد ہی کہلاتا ہے بشرطیکہ وہ کوئی متفرّق الأ جزاء دھار دارشی نہ ہو، چنانچہ اس میں دیت کا حکم صادر کیا جائے گا۔[2]

(۱) عن عقبة بن أوس عن عبدالله (بن عمرو) أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ألا وإن قتيل الخطأ شبه العمد كان بالسوط والعصا مأة من الإبل، أربعون في بطونها أولادها.[3]

۱۔ نبّهني إلى زيادة ما في الهلالين فضيلة الشيخ المفتي الموقر حميدالله جان حفظه الله تعالى (رئيس دارالافتاء بالجامعة الأشرفية في لاهور سابقا) لمّا سرّح نظره على بعض هذه المسودة وأفادني بآرائه القيّمة الجليلة في أثناء تاليفه فجزاه الله تعالى عني جزاء جزيلا خيرا وافيًا في عالَمي الفناء والبقاء.

۲۔ شرح مختصر الطحاوي للجصاص (٤١٧/٥، ٤١٨)

۳۔ سنن النسائي (٤١/٨)، الرقم (٤٧٩٣)

(أ) قال ابن حجر في "التلخيص الحبير" (٤٧/٤، ٤٨):

رواه أبوداود والنسائي وابن ماجه، من حديث عبدالله بن عمرو، وصححه ابن حبان، وقال ابن القطان: هو صحيح ولا يضره الاختلاف.

(ب) قال الزيلعي في "نصب الراية" (٤٩٢/٤):

روي من حديث عبدالله بن عمرو ومن حديث ابن عمر ومن حديث ابن عباس:

-فحديث عبدالله بن عمرو: أخرجه أبوداود والنسائي وابن ماجه عن خالد الحذاء عن القاسم بن ربيعة عن عقبة بن أوس عن عبدالله بن عمرو بن العاص أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ألا إن دية الخطأ شبه العمد ما كان بالسوط والعصا مأة من الإبل: منها أربعون في بطونها أولادها انتهى. ورواه ابن حبان في "صحيحه" في النوع الثالث والأربعين من القسم الثالث قال في "التنقيح": وعقبة بن أوس وثقه ابن سعد والعجلي وابن حبان وقد روى عنه محمد بن سيرين مع جلالته والقاسم وثقه أبوداود وابن المديني وابن حبان انتهى. وأخرجه النسائي أيضا عن خالد عن القاسم عن عقبة بن أوس عن رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وأخرجه أيضا عن خالد عن القاسم عن عقبة أن النبي صلى الله عليه وسلم مرسلا وأخرجه الدار قطني في "سننه- في الحدود" عن أيوب السختياني عن القاسم بن ربيعة عن عبدالله بن عمرو مرفوعا نحوه لم يذكر فيه عقبة بن أوس قال ابن القطان في "كتابه": هو حديث صحيح من رواية عبدالله بن عمرو بن العاص ولا يضره الاختلاف الذي وقع فيه وعقبة بن أوس بصري تابعي ثقة انتهى.

– وأما حديث ابن عمر: فأخرجه أبوداود والنسائي وابن ماجه عن علي بن زيد بن جدعان عن القاسم بن ربيعة عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطب يوم الفتح بمكة فكبر ثلاثا ثم قال: لا إله إلا الله وحده صدق وعده ونصر عبده وهزم الأحزاب وحده إلا ان كل مأثرة كانت في الجاهلية من دم أو مال تحت قدمي إلا ما كان ==

وجہِ استدلال یہ ہے کہ ''عصا'' اپنے اطلاق کی بدولت ''بڑے عصا'' کو بھی شامل ہے۔[1]

(۲) حدثنا إبراهيم بن المستمر. ثنا الحر بن مالک العنبري. ثنا مبارک بن فضالة عن الحسن عن

==

من سقاية الحاج وسدانة البيت ثم قال: ألا إن دية الخطأ شبه العمد ما كان بالسوط والعصا مائة من الإبل: منها أربعون في بطونها أولادها انتهى . ورواه أحمد والشافعي وإسحاق بن راهويه في "مسانيدهم" ورواه ابن أبي شيبة وعبدالرزاق في "مصنفيهما" ومن طريق عبد الرزاق رواه الطبراني في "معجمه" والدارقطني في "سننه" قال ابن القطان في "كتابه": وهو حديث لا يصح لضعف علي بن زيد انتهى.

–وأما حديث ابن عباس: فرواه إسحاق بن راهويه في "مسنده" أخبرنا عيسى بن يونس ثنا إسماعيل بن مسلم عن عمرو بن دينار عن طاوس عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "شبه العمد قتيل الحجر والعصا فيه الدية مغلظة من أسنان الإبل مختصر وقد تقدم قريبا.

(ج) قال الشوكاني في "نيل الاوطار" (۱۰۱/۷):

وقد صححه ابن حبان وقال ابن القطان هو صحيح ولا يضره الاختلاف.

(د) قال ابن الملقن في "البدر المنير" (۳۵۹/۸):

أخرجها ابن حبان في "صحيحه" بنحو من لفظ أبي داود والنسائي، وقال ابن القطان في "علله": هو صحيح ولا يضره الاختلاف.

۱۔ تبيين الحقائق (۱۰۰/٦)، الاختيار لتعليل المختار (۲۸/۵،۲۹)، البحرالرائق (۱۲/۹)، حاشية الطحطاوى على الدر المختار (۲۵۹/٤)، الفقه النافع (ص:۱۳۵٤، الفقرة: ۱۱۱۱)، التجريد (۵۵۰۳/۱۱،۵۵۰٤)، العناية (۲۳۰/۱۰)، الكفاية (۷۱/۱۰)، البناية (۳۵٦/۱۵)، رمز الحقائق (۲۳٤/۲)، خلاصة الدلائل لحسام الدين الرازى (۱۲۲/۲)

فائدة مهمة:

أتى شيخ شيوخنا العثماني –رحمه الله تعالى– في شرح هذا الحديث بكلام رائع في توجيهه وتأييد لقول الإمام، فأنقل ما قاله بأسره:

قلت: المراد من السوط والعصا هو ما يستعمل لغير القتل أيضا، سواء استعمل للقتل أيضا أم لا، فيشمل العصا الكبير والحجر الكبير، كما يدل عليه حديث: 'لا قود إلا بالسيف"، وقال أبويوسف و محمد: هو على العصا الصغير الذي لا يقتل مثله۔ وتاويل أبي حنيفةؒ أشبه؛ لكونه مؤيدا بالمعقول والمنقول.

أما المنقول فقوله: "لا قود إلا بالسيف"۔ وأما المعقول فهو أن العصا الكبير كما يستعمل للقتل يستعمل لغير القتل أيضا، فلما قال القاتل: ما أردت القتل، فلا يكذب له هناك، فيقبل قوله، ويجعل خطأ شبه العمد. اهـ

أبي بكرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: (لاقود إلا بالسيف). [1]

(٣) سفيان عن جابر عن أبي عازب عن النعمان بن بشير قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لكل شيء خطأ إلا السيف ولكل خطأ أرش. [2]

(٤) ثنا قيس بن الربيع عن أبي حصين عن إبراهيم بن بنت النعمان بن بشير عن النعمان بن بشير أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كل شيء سوى الحديدة خطأ ولكل خطأ أرش. [3]

(٥) عن الحسن قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قتيل السوط والعصا شبه عمد. [4]

١ـ سنن ابن ماجه (٢/٨٨٩)الرقم (٢٦٦٨)، وكذا رواه ابن ماجة من طريق سفيان عن جابر عن أبي عازب عن النعمان بن بشير أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: (لاقود إلا بالسيف)

قال الشيخ العثماني -رحمه الله تعالى- بعد أن أطال الكلام فيه:

فلا وجه لرد رواية مبارك بن فضالة أيضا، وإعلال البيهقي له ان كان من جهة تدليس مبارك بن فضالة، فالتدليس ليس بجرح عندنا، وإن كان من جهة ضعف مبارك فالأكثرون على توثيقه كما يتضح من "التهذيب" . بالجملة الحديث حجة، مرسلا كان أو مسندا من أبي بكرة، أو من النعمان بن بشير أو من كليهما. (إعلاء السنن: ١٨/٨٤)

٢ـ مسند أحمد بن حنبل (٤/٢٧٢) الرقم (١٨٤١٩)، وكذا انظر له: سنن الدارقطني (٣/١٠٦)، السنن الكبرى للبيهقي (٨/٤٢) الرقم (١٦٤٠٣)، مصنف ابن أبي شيبة (٥/٣٤٨) الرقم (٢٦٧٧٢)، مصنف عبدالرزاق (٩/٢٧٣) الرقم (١٧١٨٢)

قال الإمام الجصاص فيه:

فإن طعنوا فيه من جابر الجعفي، وأنه قد تكلم فيه . قيل له: قد وثقه سفيان الثوري وحمل عنه قوم ثقات جلة . (شرح مختصر الطحاوي له : ٥/٤١٨)

٣ـ السنن الكبرى (٨/٤٢) الرقم (١٥٧٦١)

يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

فإن طعنوا فيه من قيس بن الربيع بأنه ضعيف أو ليس بحجة أو غير ذلك. (حيث قال البيهقي -مثلا- بعد ذكر دليلنا هذا: "وقيس ضعيف في الحديث، ليس بحجة" انظر "مختصر خلافيات البيهقي ٤:٣٤٢")

قيل له: وثقه الثوري وشعبة، وقال أبوالوليد الطيالسي: "كان قيس بن الربيع ثقة حسن الحديث".

وقال سفيان بن عيينة: "ما رأيت رجلا بالكوفة أجود حديثا منه". انظر (تهذيب الكمال ٢٤:٣٠، وتهذيب التهذيب ٨:٣٥١)

٤ـ مصنف ابن أبي شيبة (٥/٣٤٨) الرقم (٢٦٧٦٧)

وهذا مرسل كما قال الزيلعي (نصب الراية: ٤/٣٩٢)؛ والمرسل حجة عندنا.

(٦) عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قتل في عميا أو رميا تكون بينهم بحجر أو سوط أو بعصا فعقله عقل خطأ ومن قتل عمدا فقود يده. [١]

(٧) عن المغيرة بن شعبة: أن امرأة قتلت ضرتها بعمود فسطاط فأتي فيه رسول الله –صلى الله عليه وسلم– فقضى على عاقلتها بالدية وكانت حاملا فقضى في الجنين بغرة. [٢]

وجہِ استدلال یہ ہے کہ ''عمودِ فسطاط'' سے عموماً آدمی مرجاتا ہے اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں دیت لازم فرمائی قصاص واجب نہیں کیا چنانچہ معلوم ہوا کہ اس طرح کا قتل ''شبہ عمد'' کہلائے گا۔ [٣]

(٨) عن ابن جريج حدثنا عبدالكريم عن عليؓ وابن مسعودؓ قالا: إن العمد السلاح وشبه العمد الحجر والعصا ويغلظ شبه العمد الدية ولا يقتل منه. [٤]

(٩) عن علي –رضى الله عنه– قال: شبه العمد الضربة بالخشبة أو القذفة بالحجر العظيم والدية أثلاث. [٥]

١ـ سنن النسائي (٣٩/٨) الرقم (٤٧٨٩)، وكذا انظر له: السنن الكبرى (٢٥/٨) الرقم (١٥٦٦٢)، المعجم الكبير للطبراني (٢٢٠/٩) الرقم (١٠٦٩٢)، سنن أبي داود (٣٢٣/٤) الرقم (٤٥٩٣)، سنن الدارقطني (٩٣/٣)، مصنف عبدالرزاق (٢٧٩/٩) الرقم (١٧٢٠٣)

قال الطحاوي:

فطعن طاعن في هذا الحديث، فقال: قد روى هذا الحديث عن عمرو من هو أثبت من سليمان بن كثير، وهو سفيان بن عيينة فذكر ما قد حدثنا يونس قال: حدثنا سفيان، عن عمرو، عن طاوس مثله، ولم يذكر النبي صلى الله عليه وسلم، ولا ابن عباس فكان جوابنا له في ذلك بتوفيق الله عزوجل وعونه: أن سفيان قد كان يحدث به هكذا بأخرة، وقد كان يحدث به قبل ذلك، كما حدث به سليمان بن كثير، ولو إختلفا، لكان سليمان مقبول الرواية، ثبتا فيها، مما لو روى حديثا، فتفرد به، لكان مقبولا منه، وإذا كان كذلك كان فيما زاده على غيره في حديث مقبولة زيادته فيه عليه.

(شرح مشكل الآثار: ٤١٥/١٢، الرقم: ٤٩٠٠)

٢ـ صحيح مسلم (١١١/٥) الرقم (٤٤٨٨)

٣ـ شرح مختصر الطحاوى للجصاص (٤٢٠/٥)

٤ـ كنز العمال (٢٠٤/١٥) الرقم (٤٠٣٦٩)

قال شيخنا العثماني:

عبدالكريم –الجزري– عن علي وابن مسعود (رضى الله عنهما) منقطع، ولكن لا ضير؛ فإن المرسل عندنا حجة، لاسيما في مقام التأييد والتقوية، فتدبر. (إعلاء السنن: ٨٥/١٨)

٥ـ مصنف ابن أبي شيبة (٣٤٨/٥) الرقم (٢٦٧٦٢)، مصنف عبدالرزاق (٢٨٠/٩) الرقم (١٧٢٠٥)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

وشبه العمد أن يتعمد الضرب بما ليس بسلاح ولا ما جرى مجرى السلاح عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى وقال أبو يوسف و محمد (رحمهما الله تعالى) إذا ضربه بحجر عظيم أو خشبة عظيمة فهو عمد وشبه العمد أن يتعمد ضربه بما لا يقتل به غالبا والصحيح قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى كذا في المضمرات. [1]

❷ قال التمرتاشي والحصكفي:

(و) الثاني (شبهه وهو أن يقصد ضربه بغير ما ذكر) أي بما لا يفرق الأجزاء ولو بحجر وخشب كبيرين عنده خلافا لغيره.

قال الشامي:

(قوله خلافا لغيره) أي للإمامين -أي أبي يوسف و محمد- والأئمة الثلاثة فإنه عمد عندهم لما مر من تعريفه عندهم ... ويفتى بقوله كما في التتمة اهـ. [2]

❸ قال ابن قطلوبغا:

قوله (وشبه العمد عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى: أن يتعمد الضرب بما ليس بسلاح، ولا ما أجري مجرى السلاح إلخ)

قال الإمام بهاء الدين المنسوب إلي إسبيجاب في شرحه: الصحيح قول أبي حنيفة. وفي الكبرى: الفتوى في شبه العمد على ما قاله أبوحنيفة. [3]

❹ قال القهستاني:

(وشبه العمد ضربه قصدا بغير ما ذكر)... وشبه العمد عندهما بما لا يقتل غالبا -إلى أن قال- ويفتى بقوله كما في التتمة. [4]

١ـ الفتاوى الهندية (٦/٢،٣)

٢ـ الدر المختار مع رد المحتار (١٠/١٥٩،١٦٠)

٣ـ الترجيح والتصحيح (٤٤١)

٤ـ جامع الرموز (٢/٥٩٣)

❺ مشى أصحاب المتون على قول الإمام[1] وهذا ترجيح له ايضا.

❻ أخر الشارحون دليل الإمام فيه وأكثرهم ضمنوه جواب دليلهما وهذا ترجيح لقوله عندهم كما عرف في موضعه.[2]

١ ـ المختار للفتوى (٢٨/٥)، كنز الدقائق (٤٤٨)، الوقاية (٩٥/٤)، النقاية (٤٦٣/٢)، غرر الأحكام (٩٠/٢)، تنوير الأبصار (١٥٩/١٠)

٢ ـ الاختيار لتعليل المختار (٢٨/٥، ٢٩)، الهداية (٥٥٥/٤)، شرح النقاية (٤٦٤/٢، ٤٦٥)، البحر الرائق (١٢/٩)، تبيين الحقائق (١٠٠/٦)، رمز الحقائق (٢٣٤/٢)

كتاب الديات

[١٩٧] اختلافی مسئلہ

ودية شبه العمد عند أبي حنيفة وأبي يوسف مائة من الإبل أرباعا: خمس وعشرون بنت مخاض، وخمس وعشرون بنت لبون، وخمس و عشرون حقة، وخمس وعشرون جذعة، (وقال محمد: أثلاثا: ثلاثون جذعة، وثلاثون حقة، وأربعون ثنية، كلها خلفات في بطونها أولادها. [١])

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں شیخین -رحمہما اللہ تعالی- کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(١) عن علقمة والأسود قال عبدالله -هو إبن مسعود رضى الله عنه- في شبه العمد خمس وعشرون حقة وخمس وعشرون جذعة وخمس و عشرون بنات لبون وخمس و عشرون بنات مخاض. [٢]

١ـ الهداية (٥٧٧/٤)، الأصل المعروف بالمبسوط للشيباني (٤٥٠/٤)، المبسوط للسرخسي (٧٦/٢٦)، الفقه النافع (ص:١٣٦٩، الفقرة: ١١٢٩)، الجوهرة النيرة (٣٤١/٢)، التجريد (٥٦٩٥/١١)، ملتقى الأبحر (٣٤٠/٤)، الاختيار لتعليل المختار (٣٩/٥)، الفتاوى الولوالجية (٣٢٤/٥)، تحفة الفقهاء (١٠٧/٣)، خلاصة الدلائل لحسام الدين الرازى (١٣٥/٢)، البحر الرائق (٧٦/٩)، شرح الوقاية (١١٤/٤)، تبيين الحقائق (١٢٦/٦)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (١٠٣/٢)، رمز الحقائق (٢٤٣/٢)، شرح النقاية (٤٨٥/٢)، كشف الحقائق (٢٨٠/٢)، اللباب فى شرح الكتاب (٣٦/٣)، جامع الرموز (٦٠٩/٢)، الترجيح والتصحيح (٤٤٩)، الموسوعة الفقهية الكويتية (٥١/٢١)، النتف في الفتاوى (٦٦٦/٢)

٢ـ سنن أبى داود (٣١١/٤) الرقم (٤٥٥٤)،سكت عنه أبوداود والمنذري، وكذا انظر له: السنن الكبرى للبيهقي (٦٩/٨) الرقم (١٦٥٥٣)، مصنف ابن أبى شيبة (٣٤٧/٥) الرقم (٢٦٧٥٥) ==

یہ اگرچہ صورۃً موقوف ہے مگر حکماً مرفوع ہے کیونکہ مقادیر کے سلسلہ میں آراء کو کوئی دخل نہیں ہے۔ [1]

(٢) حدثنا يوسف عن أبيه عن أبي حنيفة عن حماد عن إبراهيم عن ابن مسعود رضى الله عنه قال في شبه العمد أربعا خمس وعشرون لبون. [2]

(٣) حدثنا عبدالله بن أحمد بن حنبل ثنا محمد بن بكار ثنا أبو معشر عن صالح بن أبى الأخضر عن الزهرى عن السائب بن يزيد -رضى الله عنه- قال:

كانت الدية على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم مائة من الإبل أربعة أسنان خمسة وعشرين حقة وخمسة وعشرين جذعة وخمسة وعشرين بنات لبون وخمسة وعشرين بنات مخاض. [3]

==

تنبيه:

يعارضه ما روى عبدالله بن عمرو و زيد بن ثابت -رضى الله عنهما- وغيرهما أن دية شبه العمد ثلاثون حقة، وثلاثون جذعة، وأربعون خلفة . فانظر لوجوه ترجيح قول عبدالله بن مسعود: إعلاء السنن (١٨/١٤٧) وبدائع الصنائع (٦/٣٠٤)؛ فقد قاما فيه خير قيام.

١ـ إعلاء السنن (١٨/١٤٧)، شرح النقاية (٢/٤٨٦)

٢ـ كتاب الآثار برواية أبي يوسف (١/٢١٩) الرقم (٩٦٦)

٣ـ المعجم الكبير (٧/١٥٠) الرقم (٦٦٦٤)، وكذا انظر له: المطالب العالية لإبن حجر (٩/١٨٦) الرقم (١٩٠٩) بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث (٢/٥٧٢) الرقم (٥٢٦)، الديات لإبن أبي عاصم (١/٣٢)

يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

من رجاله محمد بن بكار هو محمد بن بكار بن الرّيّان الرصافى وأبو معشر هو نجيح بن عبدالرحمن السندى وصالح هو اليمامي والزهرى هو الزهرى المعروف . أما "أبومعشر" و "صالح" منهم فضعّفهما الهيثميُّ فى "مجمع الزوائد" (٦:٣٢٥). قلت -القائل العبد الضعيف-: "أبومعشر" و "صالح" كلاهما ليسا بضعيفين شديدين بل هما ممن يعتبر به كما قال أحمد بن حنبل عن الأول: "ولكن أكتب حديثه، أعتبر به" (كما فى تهذيب التهذيب لابن حجر ١٠:٣٧٥، وتهذيب الكمال للمزى ٢٩:٣٢٥، و تاريخ بغداد ١٥:٥٩١، ومغانى الأخيار ٣:١١٣، وسير أعلام النبلاء ٧:٤٣٧) وقال ابن حجر عن الثاني: "ضعيف يعتبر به" وروى له أصحاب السنن الأربعة أيضًا (كما فى تقريب التهذيب ٢:٢٧١). فذكرتهُ ههنا للإعتبار وقد يصلح له.

واضح رہے کہ صحابی کا قول "كان الأمر في عهد النبي صلى الله عليه وسلم كذا" مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔[1]

وجہِ استدلال کی رُو سے اتنی بات تو ظاہر ہے کہ اس روایت میں قتلِ خطأ کی دیت مرادنہیں ہے کیونکہ قتلِ خطأ میں اخماساً دیت واجب ہوتی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ اس سے شبہ عمد کی دیت مراد ہے۔[2]

(۴) **أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن إبراهيم قال:**

ما أصيب من ذلک من شيء عمدا ففيه القصاص وما لم يستطع فيه القصاص ففيه الدية، فإن كان خطأ فخمسة أسنان من الإبل، وإن كان شبه العمد فأربعة اسنان من الإبل.[3]

(۵) **عن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم، عن أبيه، عن جده -رضي الله عنه- أن النبي -صلى الله عليه وسلم- كتب إلى أهل اليمن ... فذكر الحديث، وفيه: "وإن في النفس الدية مائة من الإبل".**[4]

وفي رواية: "وفي النفس المؤمنة مائة من الإبل".[5]

اس سے مراد یہ ہے کہ اس میں سے جو ادنیٰ ہو وہ دیا جائے اور قولِ مفتیٰ بہ کے موافق ذکر کردہ مقدار ادنیٰ ہی ہے۔[6]

نیز حدیث بالا کا مقتضیٰ سو اونٹوں کی ادائیگی ہے لہٰذا اگر ہم اس میں خَلِفات (یعنی حاملہ اونٹنیوں) کا حکم دیں-جیسا کہ امام محمدؒ کا قول ہے-تو سو کے عدد پر زیادتی لازم آئے گی کیونکہ "حمل" بھی من وجہ ایک مستقل ذات ہے۔[7]

تاہم امام جصاصؒ نے اس کی وجہِ استدلال میں یہ رقم فرمایا ہے کہ اس حدیث کا عموم "كل ما يقع عليه الإسم"

١ـ إعلاء السنن (١٨/١٤٨)

٢ـ المبسوط للسرخسي (٢٦/٧٧)، البحر الرائق (٩/٧٦)، الفتاوى الولوالجية (٥/٣٢٤)، التجريد (١١/٥٦٩٦)، مجمع الأنهر (٤/٣٤١)، رمز الحقائق (٢/٢٤٣)، تبيين الحقائق (٦/١٢٦)، كشف الحقائق (٢/٢٨٠)، الاختيار لتعليل المختار (٥/٣٩)

٣ـ كتاب الآثار برواية محمد الشيباني (ص: ١٤٣) الرقم (٥٥٧)

٤ـ المستدرك على الصحيحين (١/٥٥٢) الرقم (١٤٤٧)، وصححه الحاكم، وكذا انظر له: صحيح ابن حبان (١٤/٥٠١) الرقم (٦٥٥٩)، سنن النسائي (٨/٤٢٨) الرقم (٤٨٦٨) المؤطا- رواية محمد بن الحسن- (٣/٣) الرقم (٦٦٢)، السنن الكبرى (٤/٨٩) الرقم (٧٥٠٧)، سنن الدارمي (٢/٢٥٣) الرقم (٢٣٦٥)، معرفة السنن والآثار للبيهقي (١٣/٢٤٤) الرقم (٥١٤١)، السنن الصغرى (٦/٤٣٣) الرقم (٢٤١٧)

٥ـ أخرجه البيهقي في الصغير (٦/٤٨٧) برقم (٢٤٦٧) والكبير (٨/١٠٠) باب دية أهل الذمة.

٦ـ المبسوط للسرخسي (٢٦/٧٧)، مجمع الأنهر (٤/٣٤١)، شرح النقاية (٢/٤٨٥)

٧ـ بدائع الصنائع (٦/٣٠٤)، تبيين الحقائق (٦/١٢٦)، كشف الحقائق (٢/٢٨٠)، الاختيار لتعليل المختار (٥/٣٩)

کا مقتضی ہے چنانچہ ہم نے اس میں دیت کو اُرباعاً واجب کیا ہے کیونکہ اس مقدار کے وجوب پر سب متفق ہیں، اور ہم نے اس پر (اونٹوں کی عمر کے اعتبار سے) زیادتی واجب نہیں کی اس لیے کہ عموم اس کے منافی ہے۔[1]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله (ودية شبه العمد عند أبي حنيفة وأبي يوسف مائة من الابل أرباعا. الخ)

قال الاسبيجابي: وهذا قول عبدالله بن مسعود، وعن عمر وزيد: ثلاثون حقة وثلاثون جذعة وأربعون مابين ثنية إلى بازل عام، كلها خلفة في بطونها أولادها، وهو قول محمد والشافعي. والصحيح قول عبدالله بن مسعود (وهو قول أبي حنيفة وأبي يوسف).(٢)

❷ قال الكاساني:

ودية شبه العمد أرباع عندهما: خمس وعشرون بنت مخاض، وخمس وعشرون بنت لبون، وخمس وعشرون حقه، وخمس وعشرون جذعة، وهو مذهب عبدالله بن مسعود رضى الله عنه.

وعند محمد: أثلاث: ثلاثون حقه، وثلاثون جذعة. وأربعون مابين ثنية إلى بازل عامها كله خلفة، وهومذهب سيدنا عمر، وزيد بن ثابت رضى الله عنهما.

وعن سيدنا على رضى الله عنه أنه قال: في شبه العمد أثلاث ثلاثة وثلاثون حقة، وثلاثة وثلاثون جذعة، وأربعة وثلاثون خلفة. والصحابة رضى الله عنهم متى اختلفت في مسألة على قولين أو ثلاثة يجب ترجيح قول البعض على البعض، والترجيح ههنا لقول ابن مسعود رضى الله عنه . (وهو مذهب أبي حنيفة وأبي يوسف)[3]

❸ قال الحلبي:

الدية المغلظة من الإبل مائة أرباعاً، بنات مخاض وبنات لبون وحقاق وجذاع من كل خمس وعشرين، وعند محمد : ثلاثون حقة وثلاثون جذعة وأربعون ثنية كلها خلفات في بطونها أولادها.[4]

(ومن المعلوم أن القول المقدم فيه راجح كما عرفت سابقا في مواضع عديدة)

١ـ شرح مختصر الطحاوى للجصاص (٥/٤٢٩)

٢ـ الترجيح والتصحيح (٤٤٩)

٣ـبدائع الصنائع (٦/٣٠٤)

٤ـ ملتقى الأبحر (٤/٣٤١،٣٤٠)

❹ في الهندية

وفي شبه العمد تجب المائة أرباعا عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ خمس وعشرون ابنة مخاض وخمس وعشرون ابنة لبون وخمس وعشرون حقة وخمس وعشرون جذعة كذا في المحيط (١) (فالاقتصار فيه على قول الشيخين وعدم التعرض لقول محمد لكون قولهما مختارا في الباب وراجحا عند أولي الألباب).

❺ كذا في الكتب الأخر. (٢)

❻ والمتون على قول الشيخين رحمهما الله تعالىٰ (٣) وهذا ترجيح له أيضا.

❽ أخر الشارحون وغيرهم دليل الشيخين فيه وضمنه أكثرهم جواب دليل محمد وهذا ترجيح لقولهما عندهم كما عرف في موضعه. (٤)

---

[١٩٨] اختلافی مسئلہ

ولا يثبت الدية إلا من هذه الأنواع الثلاثة (أي الإبل والذهب والفضة) عند أبي حنيفة –رحمه الله تعالىٰ– وقالا –رحمهما الله تعالىٰ–: منها ومن البقر مائتا بقرة ومن الغنم ألفا شاة ومن الحلل مائتا حلة كل حلة ثوبان.

مفتی بہ قول:

فتوی اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

---

١ ـ الفتاوى الهندية (٦/٢٤)

٢ ـ خلاصة الفتاوى (٤/٢٤٥)، لسان الحكام (١/٣٩٦)، خلاصة الدلائل لحسام الدين الرازي (٢/١٣٥)، فتاوى النوازل (٤٤٥)، الفتاوى السراجية (١٤٥)

٣ ـ المختار للفتوى (٥/٣٩)، كنز الدقائق (٤٥٨)، الوقاية (٤/١١٤)، النقاية (٢/٤٥٨)، غرر الأحكام (٢/١٠٣)، تنوير الأبصار (١٠/٢٣٥)، بداية المبتدى (١/٢٤٤)

٤ ـ المبسوط للسرخسي (٢٦/٧٧)، الهداية (٤/٥٧٨،٥٧٧) تبيين الحقائق (٦/١٢٦)، الاختيار لتعليل المختار (٥/٤٠،٣٩)، مجمع الأنهر (٤/٣٤١)، الفتاوى الولوالجية (٥/٣٢٤)، البحر الرائق (٩/٧٦)، كشف الحقائق (٢/٢٨٠)، رمز الحقائق (٢/٢٤٣)

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم، عن أبيه، عن جده رضى الله عنه أن النبي صلى الله عليه وآله وسلم كتب إلى أهل اليمن...... فذكر الحديث،وفيه : وإن في النفس الدية مائة من الإبل.[۱]

(۲) أخبرنا أبو حنيفة عن الهيثم عن عامر الشعبي عن عبيدة السلماني عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال: على أهل الورق من الدية عشرة آلاف درهم وعلى أهل الذهب ألف دينار.[۲]

۱۔ المستدرك على الصحيحين(۵۵۲/۱) الرقم (۱۴۴۷) وصححه الحاكم، وكذا انظر له: صحيح ابن حبان (۵۰۱/۱۴)،الرقم (۶۵۵۹)، سنن النسائي (۴۲۸/۸) الرقم (۴۸۶۸)، المؤطا۔ رواية محمد بن الحسن۔(۳/۳)، الرقم (۶۶۲)، السنن الكبرىٰ (۸۹/۴)، الرقم (۷۵۰۷)سنن الدارمي (۲۵۳/۲)الرقم (۲۳۶۵)، معرفةالسنن والآثار للبيهقي (۲۴۴/۱۳) الرقم (۵۱۴۱)، السنن الصغرى (۴۳۳/۶) الرقم (۲۴۱۷)

۲۔ كتاب الآثار برواية محمد بن الحسن (ص: ۱۴۲) الرقم (۵۵۴)، وكذا انظر له: مصنف ابن أبي شيبة (۳۴۴/۵) الرقم(۲۶۷۲۷)، مصنف عبدالرزاق (۲۹۲/۹) الرقم (۱۷۲۶۳)، كتاب الخراج لأبي يوسف (۱۶۹/۱،۱۶۸)، السنن الكبرىٰ (۸۰/۸) الرقم (۱۵۹۶۵) معرفة السنن والآثار للبيهقي (۲۳۴/۱۳) الرقم (۵۱۳۲)

ف: قلت: –القائل العبد الضعيف عفا الله عنه–:

(أ) يعارضه ماورد فيه اثنا عشر الفا من الدراهم –كما روى عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وآله وسلم جعل الدية اثني عشر ألفا، أخرجه أصحاب السنن الأربعة وكذا ابن أبي شيبة في مصنفه برقم(۲۷۲۶۱)، وروى عكرمة أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قضى بالدية اثني عشر ألفا، رواه ابن أبي شيبة في مصنفه برقمين:(۲۷۲۷۰)و(۲۸۱۸۱) – وأتى الشيخ العثماني في إثبات عشرة آلاف والإجابة عن اثني عشر ألفا، بكلام محقق مفصل قد أحاط جميع زواياه فاحتوى ثلاث صفحات. [إعلاء السنن: (۱۵۶/۱۸۔ ۱۵۸)] إن شئت التفصيل فراجعه.

(ب) قال الإمام الجصاص:

فإن قيل: في هذالحديث أنه جعل على أهل البقر مائتي بقرة، وعلى أهل الشاة الشاة، وعلى أهل الحلل الحلل. . . . لايرى أخذ شيء من ذلك في الديات إلا بالتراضي، ولم يكن محجوجا بقضية عمر، كذلك الزيادة على عشرة آلاف.

قيل له: لأن تقديره الدية من الدرهم على جهة تقويم الإبل، كتقديرها من الدنانير، إذهما أثمان الأشياء وبهما تقوم المستهلكات. وأما الشاة والبقر والحلل فغير جائز أن يكون على جهة التقدير لقيمة الإبل، لأن هذه الأصناف لا تقوم بها المستهلكات. فدل على أنه أخذها برضا العاقلة عن الدراهم والدنانير، كمن له على آخر دراهم فيأخذ منها عروضا.

فإن قيل: فقد روى عن عمر أنه جعل الدية اثني عشر ألفا.

قيل له: لم يبين في الخبر من أي الأوزان أوجبها: اثني عشر ألفا، وتصحيح الخبر يوجب أن يكون اثني عشر ألفا وزن ستة، فيكون عشرة آلاف وزن سبعة، لأن الدراهم كانت مختلفة، بعضها: وزن ستة، وبعضها وزن سبعة . انتهى [شرح مختصر الطحاوي للجصاص: (۴۰۷/۵،۴۰۸)]

مصنف عبدالرزاق کی روایت میں " أن عمر قضى على أهل الورق ا ھ" کے الفاظ ہیں الغرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقدار دیت میں دس ہزار درہم کا فیصلہ فرمایا اور اس کا صدور ونفاذ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی موجودگی میں ہوا جبکہ ان میں سے کسی نے بھی اس کے خلاف کسی حدیث کے ذریعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر نکیر نہیں کی کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کے خلاف اگر کوئی حدیث اس سلسلہ میں ہوتی تو ان حضرات کے علم میں ہوتی اور ان سے مخفی نہ رہتی نیز وہ اس کے ذریعے ضرور نکیر کرتے۔

مزید برآں یہ اصول ہے کہ مقادیر رائے سے نہیں بیان کی جاتیں چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دس ہزار درہم کی مقدار کا منقول ہونا اور اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ان کے ساتھ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ گویا یہ تمام حضرات حضور علیہ السلام سے اس مقدار کی روایت وثبوت پر متفق ہیں[1]

(۳) کسی چیز کی "تقدیر" صرف اس شیء سے درست ہے جو معلوم المالیت ہو جبکہ گائے، بکری اور کپڑے مجہول المالیت ہیں یہی وجہ ہے کے ان چیزوں سے تلف شدہ اشیاء کے ضمان کا اندازہ بھی نہیں لگایا جاتا۔ لہٰذا "تقدیر" صرف دراہم ودنانیر کے ذریعہ صحیح ہوگی کہ ان کی قیمت ومالیت معلوم ہے تاہم "ابل" بھی اگرچہ مجہول المالیت ہیں مگر ان کے ذریعہ "تقدیر" چونکہ آثار مشہورہ میں وارد ہوئی ہے اور دیگر اشیاء کے متعلق وارد نہیں ہوئی اس لیے "ابل" کے ذریعے تقدیر دیت صحیح ودرست ہے۔[2]

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي

الدية (في الخطاء أخماس منها ومن ابن مخاض أو ألف دينار من الذهب أو عشرة آلاف درهم من الورق) وقال شافعي: اثنا عشر ألفا وقالا: منها ومن البقر مائتا بقرة، ومن الغنم ألف شاة ومن الحلل مائتا حلة ا ھ۔

قال الشامي:

قوله (وقالا: منها) أي من الثلاثة الماضية: وهي الإبل والدنانير والدراهم ومن البقر الخ، فتجوز عندهما من ستة أنواع وعند الإمام من الثلاثة الأول فقط - إلى أن قال- والصحيح ما ذهب إليه الإمام كما في المضمرات۔[3]

❷ قال ابن قطلوبغا:

١۔ المبسوط للسرخسي (٧٨/٢٦) وكذا في الموسوعة الفقهية الكويتية (٥٨/٢١)

٢۔ البحر الرائق (٧٨/٩)، الهدايه (٥٧٩/٤)، حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٢٨٩/٤)، تبيين الحقائق (١٢٨/٦)، شرح الوقاية (١١٤/٤)، الفقه على المذاهب الأربعة (٣٢٣/٥)

٣۔ الدر المختار مع رد المحتار (٢٣٦/١٠)

قـوله:(ولا تثبت الدية إلا من هذه الأنواع الثلاثة عند أبي حنيفة، وقالا: من البقر مائتا بقرة، ومن الغنم ألفا شاة،ومن الحلل مائتا حلة، كل حلة ثوبان) . قال الإمام جمال الإسلام في شرحه: إن الصحيح قول أبي حنيفة.[1]

❸ قال القهستاني:

(الدية) عنده واحدة من الثلاثة (من الذهب ألف دينار) أي مثقال مضروب (ومن الفضة عشرة آلاف درهم) بوزن سبعة (ومن الإبل مائة)وعندهما وفي رواية عنه واحدة من الستة: ثلاثة مذكورة ومن الغنم ألفان ومن كل البقر والحلل مائتان......والصحيح ماذهب إليه الإمام كما في المضمرات[2]

❹ قال الزحيلي:

رأى أبي حنيفة ومالك، والشافعي في مذهبه القديم : ان الدية تجب في واحد من ثلاثة أنواع: الإبل، والذهب، والفضة ويجزئ دفعها من أي نوع......ورأى أبي حنيفة هو الصحيح في مذهبه.[3]

❺ قال الموصلي:

الدية المغلظة خمس وعشرون بنت مخاض ومثلها بنت لبون وحقاق وجذاع. وغير المغلظة عشرون ابن مخاض ومثلها بنات مخاض وبنات لبون وحقاق وجذاع،أو ألف دينار أو عشرة آلاف درهم، ولا تجب الدية من شيء آخر.[4]

❻ كذا في الكتب الأخر.[5]

❼ أخر الشارحون وغيرهم دليل الإمام فيه و بعضهم ضمنوه جواب دليلهما وهذا لكون قوله مختارا وراجحا عندهم كماعرف من صنيعهم فيها.[6]☆

١ـ الترجيح والتصحيح (٤٥٠)

٢ـ جامع الرموز (٦٠٨/٢)

٣ـ الفقه الإسلامي وأدلته (٥٧٠٦، ٥٧٠٧)

٤ـ المختار للفتوى(٤٠/٥)

٥ـ الدر المنتقى (٣٤٣/٤)، غرر الأحكام (١٠٣/٢)

٦ـ الهداية (٥٧٩/٤)، البحر الرائق (٧٨/٩)، تبيين الحقائق (١٢٧/٦)، بدائع الصنائع (٣٠٣/٦)، الاختيار لتعليل المختار (٤٠/٥)، شرح الوقاية (١١٤/٤)، الفتاوى الولوالجية (٣٢٥/٥)

☆**ملحوظة:** يبتنى الاختلاف المذكور-عند شيخنا العثمانيّ- على الأولوية أي"لا تثبت الدية عند أبي حنيفةّ على وجه الأولوية إلا من هذه الأنواع الثلاثة" فالمعنى عنده أنه لا خلاف لأبي حنيفة في المسألة وإنما قوله قولهما. انظر: إعلاء السنن(١٨: ١٥٩)

[۱۹۹] مسئلہ

ولا قصاص في بقية الشجاج.

مفتی بہ قول:

مفتی بہ قول کے موافق - موضحہ کی طرح - بقیہ ان تمام شجاج میں بھی قصاص واجب ہے جو موضحہ سے پہلے ہیں (یعنی: حارصہ، دامعہ، دامیہ، باضعہ متلاحمہ اور سمحاق)۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

قوله تعالىٰ: [والجروح قصاص](۱)

ان بقیہ شجاج میں چونکہ قصاص ممکن ہے لہٰذا عمومِ آیتِ بالا کے مقتضیٰ کے موافق ان میں، قصاص کے امکانِ استیفاء کی بدولت، وجوبِ قصاص کا حکم ہوگا۔

تاہم استیفاءِ مذکور کی صورت وتفصیل یہ ہے کہ یہاں قاطع اور مقطوع کے زخموں میں مساوات و برابری کا اعتبار کرنا ممکن ہے کیونکہ ان میں نہ تو کوئی ہڈی توڑنا پڑتی ہے نیز ان کے معمولی ہونے کا سبب ہلاکت کا خوف بھی نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے لہٰذا یہاں قصاص لیا جائیگا اور اس کا طریقہ کار یہ ہوگا:

مقطوع کے زخم کی گہرائی کو اول ایک سلائی سے ناپ لیا جائے پھر اس گہرائی کے بقدر ایک دھار دار لوہا تیار کر کے اس قاطع کی بھی اتنی مقدار کاٹ دی جائے۔ اس طرح قصاص متحقق ہو جائے گا۔(۲)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمر تاشي والحصكفي:

(ولا قصاص) في جميع الشجاج (إلا في الموضحة عمدا) ومالا قود فيه يستوى العمد

۱۔ [المائدة: ٤٥]

۲۔ الاختيار لتعليل المختار (٥/٤٢)، البحر الرائق (٩/٩٠)، رمز الحقائق (٢/٢٤٦)، تحفة الفقهاء (٣/١٠٦)، الدر المختار (١٠/٢٤٩)، تبيين الحقائق (٦/١٣٣)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/١٠٥)، الفقه على المذاهب الأربعة (٥/٣١٦)، المبسوط للسرخسي (٢٦/٧٤)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٦/٣٨٩)، الهداية (٤/٥٨٤)، الفقة الإسلامي وأدلته (٥٧٦٢).

والخطأ فيه لكن ظاهر المذهب وجوب القصاص فيما قبل الموضحة أيضا ذكره محمد فى الأصل وهو الأصح درر ومجتبى وابن الكمال وغيرها لإمكان المساواة، بأن يسبر غورها بمسبار ثم يتخذ حديدة بقدره فيقطع.

قال الشامي:

(قوله وهو الأصح) وفى الكافى هو الصحيح لظاهر قوله تعالىٰ-[والجروح قصاص] (المائدة: ٤٥). ويمكن اعتبار المساواة. معراج. وبه أخذ عامة المشايخ. تتار خانية.[1]

قال الطحطاوى:

قوله (ذكره محمد فى الأصل) وبه أخذ عامة المشايخ[2]

❷ فى الهندية:

ولا قصاص فى غير الموضحة وهذا رواية الحسن عن أبى حنيفة - رحمه الله تعالىٰ - وفى ظاهر الرواية يجب القصاص فيما دون الموضحة ذكره محمد - رحمه الله تعالىٰ - فى الأصل، وهو الأصح.[3]

❸ قال ابن نجيم:

قال - رحمه الله - (ولا قصاص فى غير الموضحة)، لأنه لايمكن اعتبار المساواة فيه، لأن مادون الموضحة ليس له حد ينتهي اليه السكين وما فوقها كسر العظم ولا قصاص فيه لقوله - عليه الصلاة والسلام - "لا قصاص في العظم" وهو رواية الحسن عن أبى حنيفة - رحمه الله - وفى ظاهر الرواية يجب القصاص فيما دون الموضحة ذكره محمد - رحمه الله - فى الأصل وهو الأصح.[4]

❹ قال العيني:

(ولا قصاص فى بقيه الشجاج لأنه لا يمكن اعتبار المساواة فيها)أى فى بقيه الشجاج.(لأنه لاحد ينتهي السكين إليه) فلا يوجد المساواة (ولأن فيما فوق الموضحة كسر العظم ولا قصاص فيه) أى فى العظم. (وهذه) أى المذكور. (رواية عن أبى حنيفة - رحمه الله -) رواها الحسن عنه وبه قال الشافعي وأحمد - رحمهما لله.

---

١ - الدر المختار مع رد المحتار (١٠/٢٤٩)

٢ - حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٤/٢٨٣)

٣ - الفتاوى الهندية (٦/٢٨)

٤ - البحر الرائق (٩/٩٠)

(وقال محمد ـ رحمه الله ـ في الأصل)أي "المبسوط" (وهو ظاهر الرواية يجب القصاص فيما قبل الموضحة أي دون الموضحة في الأثر كا لسمحاق ونحوه.

وفي "الكافي"، هذا هو الصحيح، لظاهر قوله تعالىٰ [والجروح قصاص]، [المائدة: ٤٥].
ويمكن اعتبار المساوة كما ذكره في المتن.[١]

٥ قال الزيلعي:

قال ـ رحمه الله ـ (ولا قصاص في غير الموضحة)،لأنه لا يمكن اعتبار المساواة فيه، لأن مادون الموضحة ليس له حد ينتهي إليه السكين وما فوقها كسر العظم ولا قصاص فيه لقوله ـ عليه الصلاة والسلام ـ "لا قصاص في العظم" وهذا رواية الحسن عن أبي حنيفة ـ رضي الله عنه ـ وفي ظاهر الرواية يجب القصاص فيما دون الموضحة ذكره محمد ـ رحمه الله ـ في الأصل وهو الأصح.[٢]

٦ كذا في الكتب الأخر (حيث صحح مصنفوها -بالتصريح- وجوب القصاص فيما قبل الموضحة)[٣]

٧ كذ في الكتب الأخر (حيث ذكر مصنفوها أن القول بوجوب القصاص فيما قبل الموضحة من الشجاج هو ظاهر الرواية)[٤] ومن المعلوم،مما تقرر في أصول الإفتاء، أن الفتوى على ظاهر الرواية إلّا في الوجهين، وهما مفقودان هنا.

---

١ ـ البناية شرح الهداية (١٦/٣٩)

٢ ـ تبيين الحقائق (٦/١٣٣)

٣ ـالدر المنتقى (٤/٣٤٨)، شرح النقاية (٢/٤٩٦)، دررالحكام شرح غررالأحكام (٢/١٠٥)، رمزالحقائق (٢/٢٤٦)

٤ ـ العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية(٢/٢٥٤)، الهداية (٤/٥٨٤)، مجمع الأنهر (٤/٣٤٨)، الترجيح والتصحيح (٤٥٣)، الفتاوى الهندية (٦/٢٨)، البحرالرائق (٩/٩٠)، رمزالحقائق (٢/٢٤٦)، تبيين الحقائق (٦/١٣٣)، درر الحكام شرح غررالأحكام (٢/١٠٥)، شرح النقاية (٢/٤٩٦)، الدر المنتقى (٤/٣٤٨)، المبسوط للسرخسي (٢٦/٧٤)، الفقه على المذاهب الأربعة (٥/٣١٦)، الفقه الإسلامي وأدلته (٦٢/٥٧)

[۲۰۰] اختلافی مسئلہ

ومن قطع إصبع رجل أخرى إلى جنبها ففيهما الأرش ولا قصاص فيه عند أبي حنيفة (وقالا: عليه القصاص في الأولى والأرش في الثانية. (۱))

مفتی بہ قول:

فتوی اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(أ) قوله تعالى: ﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ﴾ (۲) الآية

(ب) حدثنا أبو بكر قال حدثنا جرير عن مغيرة عن إبراهيم قال ما كان من جرح من العمد لا يستطاع فيه القصاص فهو على الجارح في ماله دون عاقلته. (۳)

ایک مسلمہ اصول و مضمون ہے جو آیتِ بالا اور اثرِ مذکور سے بھی ظاہر ہے کہ قصاص لینے میں اول مماثلت کو پیش نظر رکھا جاتا ہے اگر مماثلت ممکن نہ ہو تو پھر دیت وأرش کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

لہٰذا صورت بالا میں قصاص واجب نہیں ہے کیونکہ یہاں مماثلت معدوم ہے اس لئے کہ دوسرے آدمی کی انگلی کو اس طرح کاٹنا کہ وہ ساتھ والی انگلی کو بھی شل کر دے ناممکن ہے۔ (۴)

۱۔ الاختيار لتعليل المختار (٥/٤٥)، بدائع الصنائع (٦/٣٨٤)، الهداية (٤/٥٨٨)، البحرالرائق (٩/٩٧)، الجوهرة النيرة (٢/٣٥٠)، ملتقى الأبحر (٤/٣٥٣)، تبيين الحقائق (٦/١٣٦)، اللباب في شرح الكتاب (٣/٤٢)، خلاصة الدلائل (٢/١٥٠)، شرح الوقاية (٤/١٢٠)، كشف الحقائق (٢/٢٨٦)، مجمع البحرين (٦٢٤)، ردالمحتار (١٠/٢٥٣)، رمزالحقائق (٢/٢٤٧)، حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٤/٢٧٣)

۲۔ [المائدة: ٤٥]

۳۔ مصنف ابن أبي شيبة (٥/٤٠٤) الرقم (٢٧٤١٣)

٤۔ مجمع الأنهر (٤/٣٥٣)، خلاصه الدلائل (٢/١٥٠، ١٤٩)، الفقه النافع (ص: ١٣٧٨، الفقره ١١٣٩)

قول مفتی بہ کی تخریج

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله:(ومن قطع إصبع رجل فشلت أخرى إلى جنبها ففيهما الأرش ولا قصاص فيه عند أبي حنيفة) قال الإسبيجابي: وعندهما يجب القصاص (أي في الأولى) وهو قول زفر والشافعي،والصحيح قول أبي حنيفة.[1]

❷ قال الحلبي:

ولا قصاص في أصبع قطعت فشلت أخرى وعندهما يقتص في المقطوعة وتجب الدية في الأخرى. [2] (القول المقدم فيه راجح ـ وهو قول الإمام هنا ـ كما صرح به الشامي في شرح العقود والمصنف في المقدمة).

❸ قال ابن الشحنة:

وإذا قطع أصبعًا فشلت أخرى ففيها الأرش. [3] (فأطلق الجواب ولم يذكر فيه ایّ اختلاف ـ وإن كانت المسألة مختلف فيها ـ فهذا لكونه مختارا في الباب كما لا يخفى).

❹ ذكر أبو القاسم السمر قندی ـ رحمه الله تعالى ـ الخلاف في هذه المسألة بين الإمام وصاحبيه، ثم علّل قوله وأهمل دليلهما. [4] (فهذا يدل على ترجيح قول أبي حنيفة، كما تقرر في أصول الإفتاء).

❺ اختار أصحاب المتون قول الإمام[5] وهذا ترجيح له أيضا.

❻ كذا في الكتب الأخر. (حيث أخر مصنفوها دليل الإمام فيها وضمنوه جواب دليلهما، وهذا من امارات ترجيح قول أبي حنيفة كما عرف في موضعه). [6]

---

١ ـ الترجيح والتصحيح (٤٥٤)

٢ ـ ملتقى الأبحر (٤/٣٥٣)

٣ ـ لسان الحكام (١/٣٩٦)

٤ ـ الفقه النافع (ص: ١٣٧٨، الفقره:١١٣٩)

٥ ـ المختار للفتوى (٥/٤٥)، كنز الدقائق (٤٦١)، الوقاية (٤/١٢٠)، غرر الأحكام (٢/١٠٧)، تنوير الأبصار (١٠/٢٥٣)، بداية المبتدى (١/٢٦٤).

٦ ـ الاختيار لتعليل المختار (٥/٤٥)، بدائع الصنائع (٤/٣٨٤)، تبيين الحقائق (٦/١٣٦)

[۲۰۱] اختلافی مسئلہ

ومن شج رجلا فالتحمت الجراحة ولم يبق لها أثر ونبت الشعر سقط الأرش عند أبي حنيفة، وقال أبو يوسف: عليه أرش الألم.[۱] ... وقال محمد: عليه أجرة الطبيب.[۲]

مفتی بہ قول:

فتوی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔[۳]

۱۔وهو حكومة عدل؛ كما في:

بداية المبتدى (۲٤٦/۱)، البحرالرائق (۹۹/۹)، ملتقى الأبحر (۳٥٥/٤)، الجوهرة النيرة (۳٥۱/۲)، شرح الوقاية (۱۲۱/٤)، حاشية الشرنبلالي على الدرر والغرر (۱۰۸/۲)، الدرالمختار (۲٥٥/۱۰)، الفتاوى الهندية (٥/٦)، مجمع الضمانات (۱۷۱/۱)، تحفة الفقهاء (۱۱۳/۳)، رمز الحقائق(۲٤۷/۲)، شرح الطائي على الكنز (۲٤۷/۲)، العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية (۲٥٥/۲)، تبيين الحقائق (۱۳۸/٦)، كشف الحقائق (۲۸٦/۲).

وفي شرح الطحاوي فسر قول أبي يوسف -رحمه الله-: "عليه أرش الألم" بأجرة الطبيب والمداواة فعلى هذا لا خلاف بين أبي يوسف ومحمد رحمهماالله؛ كما نقله الزيلعي في التبيين (۱۳۸/٦)، والحصكفي في الدر المختار (۱۰/۲٥٦، ۲٥٥)، ودامادأفندي في مجمع الأنهر (۳٥٦/٤)، وابن نجيم في البحر (۹۹/۹)، والعيني في الرمز(۲٤۷/۲) ، والشامي في العقود الدرية (۲٥٥/۲).

۲۔ وثمن الدواء أيضا؛ كما في:

الهداية (٥۹۰/٤)، الدر المختار (۲٥٥/۱۰)، مجمع الضمانات (۱۸۱/۱)، شرح الوقاية (۱۲۱/٤)، الفتاوى الهندية (٥/٦)، كشف الحقائق (۲۸٦/۲)، الجوهرة النيرة (۳٥۱/۲)، اللباب في شرح الكتاب(٤۳/۳).

۳۔ يقول العبد الضعيف عفاالله عنه:

ويجوز للمفتي أن يفتي بقول محمد في حادثة خصوصية، بأجرة الطبيب وثمن الدواء، نظرا إلى أحوال هذا الزمان. لقد قال خاتمة المحققين الشامي:

قال في العيون: لا يجب عليه شيء قياسا وقالا: يستحسن أن تجب حكومة عدل مثل أجرة الطبيب وهكذا كل جراحة برئت اھ ملخصا من تصحيح العلامة قاسم.

قال السائحاني: ويظهرلي رجحان الاستحسان لأن حق الأدمي مبني على المشاححة اھ۔ وفي البزازية لاشيء عليه عند محمد وهذا قياس قول الإمام أيضا، وفي الاستحسان الحكومة وهو قول الثاني۔ قال الفقيه الفتوى على قول محمد أنه لا شيء عليه إلا ثمن الأدوية (ردالمحتار: ۲٥٥/۱۰)، هذا ما ظهر لي والله تعالى أعلم بالصواب.

قول مفتی بہ کا مستدل:

(١) كان شريح يقول إذا جبرت فليس فيها شيء [١]

(٢) اَرش تو عیب کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے (جو صورت ہذا میں اس نشان کی وجہ سے شخصِ مشجوج کو لاحق ہوا تھا) اور وہ عیب یہاں بالکل زائل ہوگیا ہے حتی کہ بال اگ آئے ہیں لہٰذا جب موجبِ اَرش باقی نہیں رہا تو ارش بھی ساقط ہوجائیگا۔ [٢]

نیز منافع ہمارے ہاں -حنفیہ کے نزدیک- بذات خود متقوم نہیں ہوتے بلکہ عقد (جیسے اجارہ یا مضاربت کا صحیح عقد) یا شبہ عقد (جیسے مثلاً ان دونوں کا ہی عقد فاسد) سے ان میں تقوم پیدا ہوتا ہے جبکہ یہاں جانی کے حق میں ان میں سے کوئی ایک شیء بھی نہیں پائی گئی لہٰذا وہ کسی چیز (ارش وغیرہ) کا ضامن بھی نہیں ہوگا۔ [٣]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

(أو التحم شجه أو) التحم (جرح) حاصل ذلك (بضرب ولم يبق) له (أثر) فإنه لا شيء فيه.

قال الشامي:

(قوله فإنه لا شيء فيه) أي عندالإمام كنبات السن. وفي البرجندي عن الخزانة: والمختار قول أبي حنيفة. [٤]

❷ قال العلاء الحصكفي:

(ولو شج رجلاً فالتحمت ونبت الشعر ولم يبق لها أثر يسقط الأرش) كنبات السن. (وعند أبي يوسف يجب أرش الألم، وهو حكومة عدل) باعتبار آلام لحقته (وعند محمد) تجب (أجرة الطبيب) وثمن الدواء -إلى أن قال- والمختار قول أبي حنيفة [٥]

١۔ مصنف عبدالرزاق (٩/٣٨٩)، الرقم (١٧٧٢٥)

٢۔ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٦/٤٠١)، الهداية (٤/٥٩٠)، الاختيارلتعليل المختار (٥/٤٨)، البحرالرائق (٩/٩٩)، تبيين الحقائق (٦/١٣٨)، شرح الوقاية (٤/١٢٠)، درر الحكام شرح غررالأحكام (٢/١٠٨) رمز الحقائق (٢/٢٤٧) كشف الحقائق (٢/٢٨٦)، الجوهرة النيرة (٢/٣٥١)، تحفة الفقهاء (٣/١١٣)

٣۔ البحر الرائق (٩/٩٩)، تبيين الحقائق (٦/١٣٨)، الهداية (٤/٥٩٠)

٤۔ الدرالمختار مع ردالمحتار (١٠/٢٥٥)

٥۔ الدرالمنتقى (٤/٣٥٥)

❸ قال الحلبي:

ولو شج رجلا فالتحمت ونبت الشعر ولم يبق لها أثر يسقط الأرش وعند أبي يوسف يجب أرش الألم، وهو حكومة عدل، وعند محمد أجرة الطبيب.[1] (ومن المعلوم أن القول المقدم فيه راجح كما عرفت سابقا في مواضع عديدة).

❹ قال ابن الشحنة:

ولو شجه فالتحمت ونبت الشعر سقط الأرش.[2] (عدم التعرض لذكر الاختلاف فيه يدل على أن هذا هو المختار والراجح عنده في الباب).

❺ ذكر المرغيناني دلائلهم أولا ثم أجاب عن دلائلهما تأييدا لقول الإمام.[3]

❻ ذكر الشيخ الأفغاني ـ رحمه الله تعالى ـ الخلاف في هذه المسألة بين أئمتنا الثلاثة، وعلل لقول الإمام فقط مُهمِلا دليلهما (فهذا يدل على ترجيح قول أبي حنيفة، كما تقرر في أصول الإفتاء).[4]

❼ قول الإمام قول المتون[5] فهذا س ترجيح له أيضا.

❽ أخر الشارحون دليل الإمام فيه وبعضهم ضمنوه جواب دليلهما وهذا لكون قوله مختارا وراجحا عندهم كم عرف من صنيعهم فيه.[6]

---

١ ـ ملتقى الأبحر (٤/٣٥٥)

٢ ـ لسان الحكام (١/٣٩٧)

٣ ـ الهداية (٤/٥٩٠)

٤ ـ كشف الحقائق (٢/٢٨٦)

٥ ـ المختار للفتوى (٥/٤٨)، كنزالدقائق (٤٦٢)، الوقايه (٤/١٢٠)، غرر الحكام (٢/١٠٨)، تنوير الأبصار (١٠/٢٥٥)

٦ ـ الهداية (٤/٥٩٠)، البحر الرائق (٩/٩٩)، مجمع الأنهر (٤/٣٥٥) ، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٦/٤٠١)، تبيين الحقائق (٦/١٣٨)

[۲۰۲] مسئلہ

والسائق ضامن لما أصابت بيدها أو برجلها (والمراد: النفحة.[۱])

مفتی بہ قول:

مفتی بہ قول کے موافق جانور کے نفحۂ رجل کی وجہ سے جونقصان ہو، سائق اس کا ضامن نہیں ہوگا جیسا کہ راکب اور قائد نہیں ہوتے فالسائق فيه كا لقائد والراكب۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن أبي هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال الرجل جبار [۲] قال الإمام الزيلعي

۱ـ الجوهرة النيرة (۲/۳۵۵)، الهداية (٤/٦۰۲)

۲ـ سنن ابی داؤد (٤/۳۲۲) الرقم (٤٥٩٤)، وكذا انظر له: المعجم الصغير ـ للطبراني ـ(۲/۳۹)، الرقم (۷٤۲)، المعجم الأوسط له ـ(٥/١٥٦) الرقم (٤٩٢٩)، السنن الكبرى للبيهقي (٨/٣٤٣)، الرقم (١٨١٤٥)، سنن الدار قطني (١٥٢/٣)، مسند أبي عوانة (١٥٩/٤)، الرقم (٦٣٧١)، مصنف ابن أبي شيبة (٩/٢٧٠) الرقم (٢٧٩٣٨)، مصنف عبدالرزاق (٩/٤٢٣)،الرقم (١٧٨٧٣).

قال العيني في البناية (١٦/١١٥):

هـذا الحديث أخرجه أبو داؤد والنسائي ـ رحمهما الله ـ عن سفيان بن حسين، عن الزهري، عن سعيد بن المسيب، عن أبي هريرة –رضي الله تعالىٰ عنه –، عن النبي – صلى الله عليه وسلم – قال: (الرجل جبار) ، وقال الخطابي: تكلم الناس في هذا الحديث قيل إنه غير محفوظ وسفيان بن حسين معروف بسوء الحفظ.

قلت –القائل العيني–: اشتشهد به البخاري ـ رحمه الله ـ وأخرج له مسلم ـ رحمه الله ـ في المقدمة، ورواه محمد ـ رحمه الله ـ في كتاب "الآثار" أخبرنا أبو حنيفة، حدثنا حماد، عن إبراهيم النخعي –رحمهم الله– ، عن النبي ـ صلى الله عليه وآله وسلم ـ: "العجماء جبار والقليب جبار والرجل جبار والمعدن جبار وفي الركاز الخمس" وهو معضل.

يقول العبد الضعيف عفاالله عنه:

وكذا أخرجه عبدالرزاق عن ابن عيينه عن أبي فروة قال سمعت الشعبي يقول:"الرجل جبار" – في المصنَّف له: (٩/٤٢٣)، الرقم (١٧٨٧٤)– ومن رجاله ابن عيينة هو سفيان بن عيينة وأبو فروة هو عروة بن الحارث وكلاهما ثقة (من رجال الصحيحين)، وهذا ظاهر.

معناه النفحة بالرجل.(١)

(٢) قوله تعالى: [لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا](٢)

اسی بناء پر ہمارے فقہاء حنفیہ کا یہ اصول ہے:

"لايجوز تكليف مالا يطاق".(٣)

زیر بحث مسئلہ میں چونکہ (منہ پر لگام کی طرح) اس دابہ کے رجل پر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے ذریعے سائق اس نفحہ سے اسے باز رکھ سکے لہٰذا اس سے تحرز ناممکن ہوا کیونکہ سائق کی قدرت سے یہ خارج ہے چنانچہ مذکورہ اصول کے موافق سائق کو اس کے ضمان کا مکلف بھی نہیں بنایا جائیگا۔(٤)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

ولا يضمن (أي الراكب) ما نفحت برجلها أو ضربت بذنبها، والجواب فيما إذا كان قائدا لها نظير الجواب فيما إذا كان راكبا عليها. وأما السائق، فهل يضمن بالنفحة؟ اختلف المشايخ فيه: منهم من قال: يضمن و إلى هذا ذهب الشيخ أبوالحسن القدوري و جماعة من مشايخ العراق، ومنهم من قال: لا يضمن، وإلى هذا القول مال مشايخنا هكذا في الذخيرة، والصحيح: أن السائق لا يضمن النفحة كذا في الكافي.(٥)

❷ قال القهستاني:

(ضمن الراكب ما أتلفه دابته لا ما نفحت برجلها أو ذنبها)...... (والسائق والقائد) والمرتدف

١ ـ تبيين الحقائق (٦/ ١٥٠)

٢ ـ [البقرة : ٢٨٦]

٣ ـ كشف الأسرار للبزدوي(١/ ٢٨٢)، حيث قال:

أصل اشتراط القدرة قوله تعالى: [لا يكلف الله نفسا إلا وسعها] [البقرة: ٢٨٦] أي طاقتها وقدرتها أي لا يأمرها بماليس في طاقتها وثبت بالنص أن القدرة شرط لصحة الأمر واعلم أن الأمة قداختلفوا في جواز التكليف بالممتنع وهو المسمى بتكليف مالا يطاق فقال أصحابنا لا يجوز ذلك عقلا ولهذا لم يقع شرعا وقالت الأشعرية إنه جائز عقلا واختلفوا في وقوعه والأصح عدم الوقوع.

٤ ـ مستفاد مما يلي ـ بزيادة يسيرة ـ: تبيين الحقائق (٦/ ١٥٠)، الهداية (٤/ ٦٠٢)، رمزالحقائق (٦/ ٢٥٢)، الاختيار لتعليل المختار (٥/ ٥٢)، كشف الحقائق (٢/ ٢٩٣)، مجمع الضمانات (١/ ١٨٦)، رد المحتار (١٠/ ٢٨٤)

٥ ـ الفتاوى الهندية (٦/ ٥٠)

(كالراكب) فى الضمان بالكل إلا النفحة على ما قال مشايخنا وذهب مشايخ العراق إلى أن السائق يضمن بالنفحة أيضا وفى الأصل ما يدل على القولين والأول الصحيح كما فى الكفاية.[1]

❸ قال التمرتاشي والحصكفي:

(لا) يضمن الراكب (ما نفحت برجلها) أو ذنبها سائرة...... (وضمن السائق والقائد ماضمنه الراكب) وصحح في الدرر أنه مطرد ومنعكس.

قال الطحطاوى:

(قوله انه مطرد ومنعكس) والحاصل أن كل موضع يضمن فيه الراكب يضمن فيه السائق والقائد وكل موضع لايضمن فيه الراكب لا يضمن فيه السائق والقائد ومقابل الصحيح ما فى مختصر القدورى أن السائق ضامن لما أو طأت بيدها أو رجلها[2]

قال الشامي:

(قوله انه مطرد و منعكس) أى كل ما يضمن فيه الراكب يضمن فيه السائق والقائد ومالا فلا وخالف القدورى فى السائق، فذكر أنه يضمن ألنفحة بالرجل، لأنه بمرأى عينه فيمكنه الاحتراز، وعليه بعض المشايخ، وأكثرهم على أنه لا يضمن إذ ليس فيها ما يمنعها عن النفحة، فلا يمكنه الاحتراز بخلاف القدم، لأنه يمكنه كبحها بلجامها، كما فى شرح المجمع وما صححه فى الدرر هو قول الأكثر وصححه فى الهداية والملتقى وغيرهما[3]

❹ قال الحلبى والحصكفي:

(يضمن الراكب ماوطئت دابته......لاما نفحت برجلها أو ذنبها) ......(ويضمن القائد) كل (مايضمنه الراكب وكذا السائق) والمرتدف فى الضمان بالكل سواء(فى الأصح) وهذا الحكم مطرد ومنعكس فى الصحيح. (وقيل يضمن) السائق (النفحة أيضا) لأنه يراها ويمكنه التحرز عنها، والقائد لايراها ولايخفى أن هذا الفرق غير مؤثر ـ أى فى تمكن الاحتراز ـ فلذا كان الصحيح أنه كالقائد.[4]

❺ قال ملا خسرو:

(ضمن السائق) للدابة (والقائد لها ما أصابت بيدها لا برجلها)أى فى كل صورة يضمن فيها

١ـ جامع الرموز (٢/٦٢٨)

٢ـحاشيه الطحطاوى على الدرالمختار (٤/٢٩٤)

٣ـ حاشية ابن عابدين على الدر المختار (١٠/٢٨٤)

٤ـ االدر المنتقى (٤/٣٧٤)

الراكب يضمن فيها السائق والقائد..... وهذا الحكم مطرد ومنعكس في الصحيح.

وذكر القدوری أن السائق يضمن النفحة برجل.....وعليه بعض المشايخ وأكثرهم على الأول.

قال الشرنبلالي:

(قوله وأكثرهم على الأول) قال الشيخ أكمل الدين يريد مشايخ ماوراء النهر فمحصله أنه لا ضمان على القائد في النفحة اتفاقا وخالف القدورى في السائق والصحيح أنه كالقائد كما قدمه المصنف وفي المواهب والجوهرة أنه الأصح.[1]

٦ كذا في الكتب الأخر [2]

٧ وعليه المتون كذلك.[3]

---

[۲۰۳] مسئلہ

وفي يد العبد نصف قيمته،لايزاد على خمسة آلاف إلا خمسة.

مفتی بہ قول:

مفتی بہ قول کے موافق غلام کے ہاتھ میں اس کی کل قیمت میں سے نصف قیمت لازم ہوگی خواہ وہ جتنی بھی بنے اگرچہ " خمسة آلاف إلا خمسة" سے وہ زائد ہی ہو۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) قال عبدالرزاق سمعت أباحنيفة يحدث عن حماد عن إبراهيم قال ما كان من جراحات العبد

۱۔ الدرر شرح الغرر مع حاشية الشرنبلالي (۲/۱۱۲)

۲۔ الهداية (٤/٦٠٢)، الكفاية (١٠/١١٢)، الترجيح والتصحيح (٤٥٦)، مجمع الضمانات (١/١٨٦،١٨٥)، ملتقى الأبحر (٤/٣٧٤)، الجوهرة النيرة (٢/٣٥٥)،معين الحكام فيما يتردد بين الخصمين من الأحكام(١/٢٤١)، المبسوط للسرخسي(٢٦/١٩٠)، تبيين الحقائق مع حاشيه الشلبي عليه (٦/١٥٠) العقود الدرية في تنفيح الفتاوى الحامدية(٢/٢٥٩)، الفتاوى السراجية (١٤٢)، كشف الحقائق (٢/٢٩٣)، الفقه الإسلامي وأدلته (٥٧٨٣).

۳۔ المختار للفتوى (٥/٥٢)، كنزالدقائق (٤٦٦)، الوقاية (٤/١٢٨) ، النقاية (٢/٥٠٨)، مجمع البحرين (٦٣١)، غرر الأحكام (٢/١١٢)، تنوير الأبصار (١٠/٢٨٤).

دون النفس فعلى مثل منزلة ديه الحر في يده نصف ثمنه.(١)

(٢) قال الإمام الجصاص:

روى نحوه (أى نحوما قلنا من القول المفتى به)عن عمر وعلى وابن عباس –رضى الله عنهم–(٢)

(٣) غلام کی حیثیت ایک مال کی سی ہے اور مالیت والی کسی چیز کی جب کوئی قیمت واجب ہوتی ہے تو خواہ وہ جتنی بھی بنے ادا کرنی ہوتی ہے لہٰذا یہاں غلام کے ہاتھ میں بھی اسکی نصف قیمت کی ادائیگی ضروری ہوگی خواہ جس مقدار کو پہنچ جائے

تاہم غلام کا مال ہونا نیز اس کی (اپنی کل) قیمت کے اعتبار سے اس میں دیت کا واجب ہونا (خواہ وہ دیتِ حر سے متجاوز ہی ہو جائے کیونکہ مالیت والی چیز کی کوئی خاص ومحدود قیمت نہیں ہوا کرتی) مندرجہ ذیل آثار وشواہد سے مؤید ہے (اور آثارِ ذیل میں سے زہری اور ابن مسیّب جیسے کبار تابعین کا قول بھی ہمارے (احناف کے) نزدیک قولِ صحابی کی طرح مستقل حجت ہے۔ کما فی الإعلاء ۱۹:۱۳۲ و المنار مع نور الأنوار، ص:۲۳۰):

(أ) عن معمر عن الزهرى قال ثمنه ما بلغ انما هو مال.(٣)

(ب) عن قتادة عن بن المسيب قال: دية المملوك ثمنه ما بلغ وإن زاد على دية الحر.(٤)

(ج) عن بن جريج قال: قال لى عبدا لكريم عن على وبن مسعود و شريح: ثمنه وإن خلف دية الحر.(٥)

(د) عن سعيد بن المسيب أنه كان يقول: عقل العبد فى ثمنه مثل عقل الحر فى ديته.(٦)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ فى الهندية:

وفى يد العبد قيمته لا يزاد على خمسة آلاف إلا خمسة كذا فى الهداية وهذا خلاف ظاهر

١۔ مصنف عبد الرزاق (١٠/٨) الرقم (١٨١٦٨)

٢۔ شرح مختصر الطحاوى للجصاص (٣٦٨/٥)

يقول العبد الضعيف عفا الله عنه: لعله أراد بذلك ما أخرجه البيهقي عن الأحنف بن قيس عن عمر وعلى رضى الله عنهما فى الحر يقتل العبد قالا ثمنه ما بلغ. ثم صححه، حيث قال: وهذا إسناد صحيح۔[السنن الكبرى: (٣٧/٨)، باب العبد يقتل فيه قيمته بالغة مابلغت]۔ وتبعه على المتقى وأخرجه فى "كنز العمال (١٣٨/١٥) رقم (٤٠١٧٦)" من رواية البيهقى وغيره وعزاه إلى الصحة. وقد أخرج البيهقى فى موضع آخر منه أيضا برقم (١٦٣٧٧): عن سعيد بن المسيب عن عمر رضى الله عنه فى العبد يصاب قال: قيمته بالغة ما بلغت.

٣۔ مصنف عبدالرزاق (١٠/١٠) الرقم (١٨١٧٥)

٤۔ مصنف عبدالرزاق (٩/١٠) الرقم (١٨١٧٤)

٥۔ مصنف عبدالرزاق (١٠/١٠) الرقم (١٨١٧٦)

٦۔ السنن الكبرى للبيهقى (١٠٤/٨)، الرقم (١٦٧٩٢)

الرواية وفى المبسوط يجب نصف قيمته بالغة ما بلغت في الصحيح من الجواب كذا فى الكفاية وهكذا في النهاية والكافي.[١]

❷ قال التمرتاشي والحصكفي:

(ففي يده نصف قيمته) بالغة ما بلغت في الصحيح.

قال الطحطاوى:

قوله: (بالغة مابلغت في الصحيح). ذكر في النهاية شرح الهداية أنه ظاهر الرواية وهو الصحيح من الجواب.[٢]

❸ قال السرخسي:

فأما طرف المملوك فقد بينا أن المعتبر فيه المالية فقط. (ألا ترى) أنه لايضمن بالقصاص ولا بالكفارة فلهذا قال: كان الواجب فيه القيمة بالغة ما بلغت.[٣]

❹ قال ملا خسرو:

(ففي يده) أي إتلاف يد القن يلزم (نصف قيمة) كما في دية الحر (بالغة مابلغت في الصحيح).[٤]

❺ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وفي يد العبد نصف قيمته لا يزاد على خمسة آلاف إلا خمسة دراهم)......المذكور في الكتاب رواية محمد، والصحيح تجب بالغة مابلغت حتى إذا اكانت قيمة اليد تساوى عشرة آلاف تجب، وإن كانت عشرة آلاف ديه الحر.[٥]

❻ كذا في الكتب الأخر.[٦]

١ـ الفتاوى الهندية (٦/٧٥)

٢ـ حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٤/٣٠١)

٣ـ المبسوط للسرخسى (٢٧/٣٢)

٤ـ دررالحكام شرح غررالأحكام (٢/١١٧)

٥ـ الترجيح والتصحيح (٤٥٩)

٦ـ مجمع الأنهر (٤/٣٩٠)، الكفاية (١٠/١٢٢)، حاشية الشلبى على التبيين (٦/١٦٢)، العناية المذيلة بفتح القدير (١٠/٣٨٢)، شرح الطائى على الكنز (٢/٢٥٦)، البناية (١٦/١٦٣)، الدر المنتقى (٤/٣٩٠).

باب القسامة

[۲۰۴] اختلافی مسئلہ

ولا یدخل السکان فی القسامة مع الملاک عند أبی حنیفة (وھو قول محمد، وقال أبو یوسف رحمه الله: ھو علیھم جمیعا.[۱])

مفتی بہ قول

فتویٰ اس میں طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) فقہ کا اصول ہے:

"الغرم بالغنم"[۲]

اس بقعۂ زمین کا غنم (یعنی شفعہ) مالکان کے ساتھ خاص ہے لہٰذا اس کا غرم (یعنی قسامت ودیت) بھی انہی لوگوں سے متعلق ہوگا۔(۳)

(۲) اس محلّہ۔جس میں مقتول پایا گیا ہے۔ کی نصرت اور حفاظت اس کے باشندوں کی بجائے درج ذیل وجوہ کی بناء پر مالکان کے ساتھ مختص ہے:

(أ) سکان اسکو اپنی جگہ اور علاقہ سمجھتے ہی نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اپنا سکنیٰ بدلتے رہتے ہیں آج یہاں رہائش پذیر ہیں تو کل اسکو ترک کر کے کسی اور جگہ کو ٹھکانہ بنالیں گے اور اس سے بے تعلق ہو جائیں گے لہٰذا ان کی بنسبت مالکان کا

۱۔ الھدایة (٤/٦٢٥)، الفتاوی الولوالجیة (٥/٢٨٨)، بدائع الصنائع (٦/٣٦١)، البحر الرائق (٩/١٩٥)، مجمع الأنھر فی شرح ملتقی الأبحر (٤/٤٠٣)، تبیین الحقائق (٦/١٧٣)، مجمع الضمانات (١/١٧٥)، تحفة الفقھاء (٣/١٣٤،١٣٥)، المبسوط للسرخسی (٢٦/١١٢)، الفقه الإسلامی وأدلته (٥٨٢٠)، شرح الوقایة (٤/١٤٣)، رمز الحقائق (٢/٢٦٠)، شرح النقایة (٢/٥٢١)، جامع الرموز(٢/٦٣٩)، الدرر شرح الغرر(٢/١٢٢).

۲۔ قواعد الفقه للبرکتی (١/٢٠)، تیسیر التحریر (٢/٤٣٧)،شرح التلویح علی التوضیح(٢/٢٥)

۳۔ مجمع الأنھر فی شرح ملتقی الأبحر(٤/٤٠٣)

سکنیٰ ''اَلزم'' اوران کا قرار ''اَدوم'' ہوا۔

(ب) مالکان کو اس محلّہ کے ساتھ ''اختصاصِ ملک'' حاصل ہے جبکہ سکان کو ''اختصاصِ ید''۔ اور ظاہر ہے کہ اول، ثانی سے اقوی ہے۔

لہٰذا حقیقی تدبیر اور حفاظت ونصرت کا تعلق انہی مالکان سے ہی ہوگا چنانچہ شخص مقتول کی حفاظت وحمایت میں تقصیر (کوتاہی) بھی انہی سے متحقق ہوگی۔ لہٰذا قسامت ودیت صورت بالا میں سکان کی بجائے مالکان پر واجب ہوگی۔(۱)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال السرخسی:

فالقسامة، والدية على أهل الخطة دون السكان، والمشترين.(۲)

❷ قال الحلبی:

والقسامة على الملاک دون السكان. وعند أبي يوسف على الجميع . (۳) **(القول المقدم فيه راجح حسب تصريح العلامة الشامي والمصنف نفسه به وهذا لايخفى).**

❸ فی الهندية:

ولا يدخل السكان فی القسامة مع الملاک عند أبي حنيفة ومحمد۔ رحمهما الله تعالىٰ۔ (۴) **(فالاقتصار فيه على قول الطرفين وعدم التعرض لقوله۔ فی معرض البيان۔ يدل على ترجيح قولهما رحمهماالله تعالىٰ على ماعرف فی أصول الإفتاء).**

❹ قال الأوشی:

ولا يدخل السكان مع الملاک فی القسامة وهی أهل الخطة وإن كان واحدا دون المشترين

۱۔ مستفاد ممايلي ۔بتسهيل۔:

الهداية (۶۲۵/۴)، الجوهرة النيرة (۳۶۷/۲)، اللباب فی شرح الكتاب (۵۲/۳)، الاختيار لتعليل المختار (۶۲/۵)، بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع (۳۶۱/۶)، المبسوط للسرخسی (۱۱۲/۲۶)، شرح الوقاية (۱۴۳/۴)، شرح النقاية لفخر الدين (۵۲۱/۲)، مجمع الأنهر (۴۰۳/۴)، خلاصة الدلائل لحسام الدين الرازی (۱۶۷،۱۶۸/۲)، الفقه الإسلامی وأدلته (۵۸۲۰)، دررالحكام شرح غرر الأحكام (۱۲۲/۲)

۲۔ المبسوط (۱۱۲/۲۶)

۳۔ ملتقی الأبحر (۴۰۳/۴)

۴۔ الفتاوی الهندية (۷۸/۶)

إذا وجد فى المحلة.[1]

❺ قال ابن الشحنة:

القسامة على أهل الخطة لا على السكان ولا على المشترين.[2]

❻ اختار أصحاب المتون قول الطرفين[3] وهذا ترجيح له أيضا.

❼ قد أخر أصحاب الشروح دليل الطرفين فيها وجميعهم ضمنوه جواب دليله وذاك ترجيح لقولهما عندهم على ماتقرر فى الأصول.[4]

١ ـ الفتاوى السراجية (١٤٦)

٢ ـ لسان الحكام (١/٣٩٧)

٣ ـ كنزالدقائق (٤٧٣)، الوقاية (٤/١٤٣)، النقاية (٢/٥٢١)، غررالأحكام (٢/١٢٢)، تنوير الأبصار (١٠/٣٢٨).

٤ ـ الهداية (٤/٦٢٥)، البحرالرائق (٩/١٩٥)، تبيين الحقائق (٦/١٧٣)، الاختيار لتعليل المختار (٥/٦٢)، المبسوط للسرخسى (٢٦/١١٢)، بدائع الصنائع (٦/٣٦١)، مجمع الأنهر (٤/٤٠٣)، درر الحكام شرح غرر الأحكام(٢/١٢٢)

كتاب المعاقل

مسئلہ

لايزاد الواحد على أربعة دراهم، فى كل سنة درهم ودانقان، وينقص منها.

ملحوظہ:

یہ مسئلہ (مذکورہ بالاعبارت کے موافق) صحیح اور مفتی بہ ہے۔محل اشکال اور لائق تصحیح نہیں ہے۔(۱)

---

١ ـ يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

لقد وقع فى بعض النسخ من "المختصر" للقدورى ههنا: لايزاد الواحد على أربعة دراهم فى كل سنة وينقص منها" فهذه العبارة فيها نوع من تسامح وتليق بتصحيها . فلذلك أورد عليها المرغينانى فى "الهداية (٤: ٦٣٢)، والزيلعى فى" التبيين " (٦: ١٧٨) ، وابن قطلوبغا فى "الترجيح والتصحيح" (٤٦٤) ، وابن نجيم فى "البحر" (٩: ٢٠٦).

وإليك نص المرغينانى منهم: قال: وتقسم عليهم فى ثلاث سنين لا يزاد الواحد على أربعة دراهم فى كل سنة وينقص منها" قال رضى الله عنه كذا ذكره القدورىؒ فى مختصره، وهذا إشارة إلى أنه يزاد على أربعة من جميع الدية، وقد نص محمدؒ على أنه لا يزاد على كل واحد من جميع الدية فى ثلاث سنين على ثلاثة أو أربعة فلا يؤخذ من كل واحد فى كل سنة إلا درهم أو درهم و ثلاث درهم وهو الأصح انتهىٰ

قلت ـ القائل العبد الضعيف ـ: "درهم وثلاث درهم" معناه درهم ودانقان كما ترى فى " المختصر" المذكور، اذ درهم واحد يساوى ستة دوانق.

أما النسخة المتداولة فى ديارنا ـ ديار الهند والباكستان ـ فالعبارة فيها: " لايزاد الواحد على أربعةدراهم، فى كل سنة درهم ودانقان، وينقص منها" كما ذكرته فى المتن، فلا إشكال عليها ولا حاجة إلى تصحيحها . ورأيتُ بعده أن هذه النسخة قد قامت بطِباعتها "مؤسسةالريان" ببيروت ـ لبنان ـ أيضاً، من الطبعة الأولى ١٤٢٦هـ.

كتاب الحدود

[٢٠٥] اختلافی مسئلہ

ومن أتى امرأة في الموضع المكروه أو عمل عمل قوم لوط فلا حد عليه عند أبي حنيفة. ويعزّر وقالا -رحمهما الله تعالى- : هو كالزنا (فيحد حدالزنا.[١])

مفتی بہ قول:

فتوی اس میں امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(١) قال أبو نضرة: سئل ابن عباس: ماحد اللوطي؟ قال: ينظر أعلى بناء في القرية فيرمى به منكسا ثم يتبع الحجارة.[٢]

(٢) عن محمد بن المنكدر وصفوان بن سليم: أن خالد بن الوليد كتب إلى أبي بكر الصديق رضي الله عنه في خلافته يذكر له أنه وجد رجلا في بعض نواحي العرب ينكح كما تنكح المرأة وأن أبا بكر رضي الله عنه جمع الناس من أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فسألهم عن ذلك فكان من أشدهم يومئذ قولا علي بن أبي طالب رضي الله عنه قال: إن هذا ذنب لم تعص به أمة من الأمم إلا أمة واحدة صنع الله بها ما قد علمتم نرى أن نحرقه بالنار فاجتمع رأى أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وآله وسلم - على أن يحرقه بالنار فكتب أبو بكر رضي الله عنه إلى خالد بن

١ـ تبيين الحقائق (٣/١٨٠)، المبسوط للسرخسي (٩/٧٧) رمز الحقائق للعيني (١/٢٢٦) البحر الرائق (٥/٢٧)، النهر الفائق (٣/١٣٩)

٢ـ السنن الكبرى (٨/٢٣٢) الرقم (١٦٨٠١)، وكذا انظر له: مصنف ابن أبي شيبة (٥/٤٩٦)، الرقم (٢٨٣٣٧)، معرفة السنن والآثار للبيهقي (١٣/٤٧٣)، الرقم (٥٣٢٨).

قال الحافظ في "الدراية" (٢:١٠٣): بإسنادٍ صحيح

الوليد يأمره أن يحرقه بالنار.[1]

(۳) قوله تعالیٰ:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ اھ.[2]

زیرِ نظر مسئلہ میں عملِ مذکور (لواطت) چونکہ زنا نہیں ہے اس لئے قرآن مجید میں مذکور حدِ زنا بھی اس پر قائم نہیں ہوگی۔ اس کے زنا نہ ہونے کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ زنا کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔[3]

۲۔ اسکو معنیٔ زنا میں بھی شمار نہیں کیا جاسکتا یعنی یہ زنا کے مثل بھی نہیں ہے۔[4]

۳۔ اس کے حکم میں صحابہ کرام -رضی اللہ عنہم اجمعین- کا اختلاف ہے جیسا کہ آثار مذکورہ وغیرہ سے واضح ہے۔[5]

---

١ ـ السنن الكبرى للبيهقي (٨/٢٣٢)، الرقم (١٧٤٨٤)، معرفة السنن والآثار له (١٣/٤٧٥)، الرقم (٥٣٣٠)

يقول العبد الضعيف عفاالله عنه: وإن كان هذا مرسلا ولكنه مقبول عندنا ـ معشر الحنفية ـ

٢ ـ النور :(٢)

٣ـ قد عرّفه غير واحد من أئمتنا الحنفية ولكن ضبطه ملك العلماء الإمام الكاساني ضبطا جيدا وأتى بحدٍ جامع مانع، فأنقله بنصّه:

فهو اسم للوطء الحرام فى قبل المرأة الحية فى حالة الاختيار فى دار العدل ممن التزم أحكام الإسلام العاري عن حقيقة الملك وعن شبهته، وعن حق الملك وعن حقيقة النكاح وشبهته وعن شبهة الاشتباه فى موضع الاشتباه فى الملك والنكاح جميعا. (بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع:٥: ٤٨٦)

٤ ـ قال الزيلعي:

ولا يمكن إلحاقه بالزنا بطريق الدلالة لأن شرط الدلالة أن يكون مثلا له واللواطة ليست بمثل الزنا لأن في اللواطة قصورا دون الزنا ألا ترى أن الداعي في الزنا من الجانبين ويؤدي إلى اشتباه النسب وإفساد الفراش وإهلاك البشر باعتبار أنه يفضي إلى ولد ليس له أب يقوم بتربيته وتثقيفه فيكون هالكا وليس شيء من هذه الأشياء بموجود في اللواطة وهي أندر وقوعا لكون الداعي فيها من جانب واحد ولم يشابه إلا في الحرمة وذلك لا يجوز الإلحاق به ألا ترى أن البول مثل الخمر في الحرمة ولا يلحق بها في حق وجوب الحد على شاربه لقصور فيه فكذا هنا لأجل قصوره امتنع الإلحاق به. (تبيين الحقائق: ٣:١٨١)

وقال المرغيناني: ولا هو في معنى الزناء لأنه ليس فيه إضاعة الولد واشتباه الأنساب (الهداية: ٢:٥٠٨)

٥ ـ قال السرخسي:

ثم اختلف الصحابة -رضي الله عنهم- في هذه المسألة فالمروي عن أبي بكر الصديق -رضي الله عنه- أنهما يحرقان بالنار وبه أمر في السبعة الذين وجدوا على اللواطة، وكان علي -رضي الله عنه- يقول: يجلدان إن كانا غير محصنين ويرجمان إن كانا محصنين، وكان ابن عباس -رضي الله عنهما- يقول: يعلى أعلى الأماكن من القرية ثم يلقى منكوسا فيتبع بالحجارة وهو قوله تعالى [فجعلنا عاليَها سافِلَها وأمطرنا عليهم حجارة] (الحجر:٧٤) الآية، وكان ابن الزبير -رضي الله عنه- يقول يحبسان في أنتن المواضع حتى يموتا نتنا. (المبسوط للسرخسي: ٩:٧٩)

اگر یہ زنا ہوتا تو اسکی حد کے بارے میں صحابہ کا باہمی اختلاف واقع نہ ہوتا کیونکہ زنا کی حد تو قرآن وسنت میں منصوص علیہ ہے اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں ہے۔(۱)

صحابہ کرامؓ کا اختلاف ہی اس امر کی دلیل ہے کہ اس فعل کا شرعی حکم تعزیر ہے کیونکہ اختلاف واجتہاد کا محل تعزیر ہے نہ کہ حد، نیز حدود کی تعیین میں اجتہاد کو ذرا بھی دخل نہیں ہے کہ اجتہاد تو تعزیرات میں ہوسکتا ہے۔(۲)

۴۔ازروئے لغت بھی یہ زنا نہیں ہے کہ یہ دونوں الگ الگ نام سے موسوم ہیں اور یہ اشتراک کے منافی ہے جیسے حمار اور فرس دو علیحدہ علیحدہ نام ہیں۔(۳)

چنانچہ ان دونوں میں سے ہر ایک کا منفرد نام ہونا ان کے باہم متغایر ہونے کی جلی دلیل ہے۔(۴)

اور تغایرِ اسم حکم پر اثر انداز ہوتا ہے جیسے مختلس اور منتہب میں قطعِ ید کا حکم نہیں ہے۔ جبکہ سارق میں یہ واجب ہے۔(۵)

(۵) ''حدِ زنا'' کی اغراض اس میں مفقود ہیں۔(۶)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ **قال ابن قطلوبغا:**

قوله: (من أتى امرأته في الموضع المكروه الخ) قال جمال الإسلام في شرحه: الصحيح قول

١ ـ الاختيار لتعليل المختار (٤/٩٦)

٢ ـ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٥/٤٨٧)

٣ ـ انظر الاختيار للموصلي (٤/٩٦)، وقال السرخسي في "المبسوط" (٩/٧٨): هذا الفعل ليس بزنا لغة، ألا ترى أنه ينفي عنه هذا الاسم باثبات غيره؟ فيقال: لاط وما زنى، وكذلك أهل اللغة فصلوا بينهما قال القائل:

من كف ذات حر في زي ذي ذكر...... لها محبان لوطي وزناء.

٤ ـ تبيين الحقائق (٣/١٨١)

٥ ـ المبسوط للسرخسي (٩/٧٨)

٦ ـ قال السرخسي:

ثم هذا الفعل دون الفعل في القبل في المعنى الذي لأجله وجب حد الزنا من وجهين:

أحدهما، أن الحد مشروع زجرا وطبع كل واحد من الفاعلين يدعو إلى الفعل في القبل وإذا آل الأمر إلى الدبر كان المفعول به ممتنعا من ذلك بطبعه فيتمكن النقصان في دعاء الطبع إليه، والثاني: أن حد الزنا مشروع صيانة للفراش، فإن الفعل في القبل مفسد للفراش ويتخلق الولد من ذلك الماء لا والد له ليؤد به فيصير ذلك جرما يفسد بسببه عالم، وإليه أشار -صلى الله عليه وسلم- في قوله "وولد الزنا شر الثلاثة". وإذا آل الأمر إلى الدبر ينعدم معنى فساد الفراش.

(المبسوط له: ٧٩:٩)

أبي حنيفة. [1]

❷ قال الحلبي:

ومن وطئ أجنبية فيما دون الفرج يعزر وكذا لو وطأها في الدبر أو عمل عمل قوم لوط وعندهما يحد.

قال داماد أفندي:

(أو عمل عمل قوم لوط) فإنه يعزر ولا يحد عند الإمام (وعندهما يحد)، -إلى أن قال- والصحيح قول الإمام. [2]

❸ قال قاضي خان:

ولو جامع اجنبية في دبرها أو غلاما في دبره قال أبوحنيفة: يعزر أشد التعزير ولا حد عليه. وقال صاحباه: عليهما الحد. [3] (القول المقدم فيه راجح حسب تصريح العلامة الشامي ونفس المصنف به كما تقدم).

❹ اختار السمرقندي [4] والأوشي [5] والموصلي [6] والنسفي [7] والمحبوبي [8] والتمرتاشي [9] وملا خسرو [10] قول الإمام لكونه راجحا في الباب عندهم كما لا يخفى.

❺ أخر الشارحون دليل الإمام فيه ومعظمهم ضمنوه جواب دليلهما وهذا ترجيح لقوله عندهم كما عرف في موضعه. [11]

١ـ الترجيح والتصحيح (٤٧٠)

٢ـ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر (٢/٣٥٠)

٣ـ الفتاوى الخانية (٣/٤٦٩)

٤ـ فتاوى النوازل (٢٥٨)

٥ـ الفتاوى السراجية (٦٠)

٦ـ المختار للفتوى (٤/٩٥)

٧ـ كنز الدقائق (١٨٣)

٨ـ الوقاية (٢/٢٨٩)

٩ـ تنوير الأبصار (٦/٤٣)

١٠ـ غرر الأحكام (٢/٦٦)

١١ـ الهداية (٢/٥٠٨)، بدائع الصنائع (٥/٤٨٧)، المبسوط للسرخسي (٩/٧٨،٧٩)، تبيين الحقائق (٣/١٨٠)، الاختيار لتعليل المختار (٤/٩٦)، شرح الوقاية (٢/٢٨٩)، مجمع الأنهر (٢/٣٥٠)، شرح النقاية (٢/٣٨٥)، النهر الفائق (٣/١٤٠)، رمز الحقائق (١/٢٢٦)

باب حد القذف

[۲۰۶] اختلافی مسئلہ

والتعزير: أكثره تسعة وثلاثون سوطا (عند أبي حنيفة و محمد -رحمهما الله-[1]). وأقله ثلاث جلدات. وقال أبو يوسفؒ: يبلغ بالتعزير "خمسة وسبعين سوطا[2]".

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن النعمان بن بشير قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من بلغ حدا في غير حد فهو

۱ـ المبسوط للسرخسي (۳٦/۲٤)، فتح القدير للكمال ابن الهمام (۳۳۳/۵)، تحفة الفقهاء (۱٤۸/۳)، البناية (۵۰۱/۸)، مجمع البحرين (٦٦۱)، شرح ابن ملك على مجمع البحرين -على هامشه- (٦٦۱)، الترجيح والتصحيح (٤۷٤)، مجمع الأنهر (۳۷٦/۲)، الهداية (۵۲۲/۲)، حاشية الشلبي على التبيين (۲۰۹/۳)، الجوهرة النيرة (٤۰۱/۲)، النافع الكبير شرح الجامع الصغير -على هامشه- (۲۸۷/۱)، الفقه الإسلامي وأدلته (۵۳۳٦)، مختصر الطحاوي مع شرحه للجصاص (۲۰٦/٦)

قلت: وذكر غير واحد -كما ترى في الكتب التالية- أن قول محمد فيه مضطرب؛ ففي بعض الكتب مع أبي حنيفةؒ، وفي بعضها مع أبي يوسف.

الفتاوى التاتارخانية (۹۸/۵)، بدائع الصنائع (۵۳۵/۵)، تبيين الحقائق (۲۰۹/۳)، حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٤۱۰/۲)، شرح النقاية (۳۹٦/۲)، جامع الرموز (۵۳۳/۲)، شرح النقاية لفخر الدين (۳۹٦/۲)، النهر الفائق (۱۷۱/۳)

ولكن صرح العيني في "البناية" (۵۰۱/۸) والشلبي في "حاشيته على التبيين" (۲۰۹/۳) أن قول محمد -رحمه الله- في ظاهر الرواية مع أبي حنيفة -رحمه الله تعالى-

۲ـ قلت: هذا هو ظاهر الرواية عنه وفي رواية عنه تسعة وسبعون سوطا كما في الشروح.

من المعتدين.» (١)

(٢) أخبرنا مسعر بن كدام قال: أخبرني الوليد بن عثمان عن الضحاک بن مزاحم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من بلغ حدا في غير حد فهو من المعتدين." (٢)

چونکہ چالیس کوڑے حدود میں سے سب سے ادنیٰ حد ہے (اور وہ غلام کی حدِ قذف ہے) اور حدیثِ بالا کی رُو سے تعزیر کی سزا مقدارِ حد سے کم ہونی چاہئے۔ اس لیے اس میں سے ایک کوڑا کم کر کے تعزیر کی انتہائی سزا اُنتالیس کوڑے مقرر کر دی گئی۔ (٣)

(٣) أخبرنا أبو حنيفةؒ قال حدثنا الهيثم بن أبي الهيثم عن عامر الشعبي قال: لا يبلغ بالتعزير أربعون جلدة. (٤)

(٤) قال (مغيرة): كتب عمر بن عبدالعزيز: أن لا يبلغ في التعزير أدنى الحدود أربعين سوطا. (٥)

١ـ أخرجه البيهقي في السنن الكبرى (٥٦٧/٨) برقم (١٧٥٨٤) وقال: والمحفوظ هذا الحديث مرسل.

قال المحقق ابن الهمام:

ذكر البيهقي أن المحفوظ أنه مرسل، وأخرجه عن خالد بن الوليد عن النعمان بن بشير، ورواه ابن ناجية في فوائده: حدثنا محمد بن حصين الأصبحي، حدثنا عمر بن علي المقدمي، حدثنا مسعر عن خالد بن الوليد بن عبدالرحمن عن النعمان بن بشير قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من بلغ" الحديث، ورواه محمد بن الحسن في كتاب الآثار مرسلا فقال: أخبرنا مسعد بن كدام قال: أخبرني أبو الوليد بن عثمان عن الضحاك بن مزاحم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "من بلغ" الحديث . -ثم قال-: والمرسل عندنا حجة موجبة للعمل وعند أكثر أهل العلم. (فتح القدير: ٣٣٣/٥)؛ وكذا في نصب الراية للزيلعي: (٣٥٧/٣).

٢ـ كتاب الآثار برواية محمد بن الحسن الشيباني (ص:١٥٥، رقم: ٦١٠)، السنن الكبرى للبيهقي (٥٦٧/٨) الرقم (١٧٥٨٥)

قال شيخنا العثماني:

رواه الإمام محمد في "كتاب الآثار" هكذا منقطعا، والوليد هذا لم أجده، لكنه ثقة على القاعدة المذكورة مرارا، وبقية رجاله محتج بهم لا سيّما وقد احتجّ به الإمام المجتهد محمد، قال محمد: "فأدنى الحد أربعون فلا يبلغ في التعزير أربعون جلدة. قال: وهذا قول أبي حنيفةؒ وقولنا" اهـ (إعلاء السنن: ٦٤٣،٦٤٢/١١)

٣ـ المبسوط للسرخسي (٣٦/٢٤) والهداية (٥٢٢/٢) وغيرهما.

٤ـ كتاب الآثار برواية محمد بن الحسن الشيباني (ص: ١٥٥، رقم:٦٠٩)، وفي مصنف ابن أبي شيبة (٥٥٠/٥) الرقم (٢٨٨٧٢) مثله من طريق آخر.

٥ـ السنن الكبرى للبيهقي (٥٦٨/٨) الرقم (١٧٥٨٦)، معرفة السنن والآثار له (٦٩/١٣) الرقم (١٧٥٠٣)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الشلبي:

وقال أبويوسف يبلغ بالتعزير خمسة وسبعون سوطا هذا لفظ القدوري في مختصره وهو ظاهر الرواية عن أبي يوسف -إلى أن قال- وما قاله أبوحنيفة أشبه بالصواب عندي لتيقن الأقل. [1]

❷ قال البابرتي:

(فإذا تعذر تبليغه حدا فأبوحنيفة و محمد نظرا إلى أدنى الحد) وهو حد العبد في القذف (فصرفاه إليه وذلك أربعون فنقصا منه سوطا) وهذا -أى قول أبي حنيفة و محمد بنقصان سوط من أربعين- حق لأن من اعتبر حد الأحرار فقد بلغ حدا وهو حد العبد، والتنكير في الحديث ينافيه. [2]

❸ قال الشامي:

(قوله أكثره تسعة وثلاثون سوطا)... قال أبويوسف: أكثره في العبد تسعة وثلاثون سوطا؛ وفي الحر خمسة وسبعون سوطا وبه نأخذ اهـ فعلم أن الأصح قول أبي يوسف. بحر. قلت: يحتمل أن قوله وبه نأخذ ترجيح للرواية الثانية عن أبي يوسف على الرواية الأولى لكون الثانية هي ظاهر الرواية عنه، ولا يلزم من هذا ترجيح قوله على قولهما الذي عليه متون المذهب مع نقل العلامة قاسم تصحيحه عن الأئمة، ولذا لم يعول الشارح على ما في البحر. [3]

وكذا قال في منحة الخالق، ففيه:

ولا يلزم من ذلك أن يكون هذا ترجيحا لقوله على قول الإمام الذي عليه متون المذهب. [4]

❹ قال ابن الشحنة:

واختيار التعزير إلى القاضي من واحد إلى تسع وثلاثين وهذا عندهما وهذا في الفتاوى. [5]

❺ في الهندية:

وأكثره تسعة وثلاثون سوطا. [6] (ولم يذكر فيه أيّ اختلاف فعدم التعرض لذكر الاختلاف فيه

١ـ حاشية الشلبي على التبيين (٣/٢٠٩، ٢١٠)

٢ـ العناية شرح الهداية (٥/٣٣٣)

٣ـ حاشية ابن عابدين على الدر المختار (٦/٩٦)

٤ـ منحة الخالق على هامش البحر (٥/٨٠)

٥ـ لسان الحكام (١/٤٠١)

٦ـ الفتاوى الهندية (٢/١٦٧)

يدل على أن هذا هو المختار والراجح في الباب كما لا يخفى).

⑥ قال قاضي خان:

ولا يبلغ التعزير أربعين سوطا في قول أبي حنيفة -رحمه الله تعالى-. [1] (اقتصر المصنف العلام على قول الإمام لترجيحه عنده، وهذا ظاهر).

⑦ قال الكاساني:

وذلك تسعة وثلاثون في قول أبي حنيفة عليه الرحمة، وعند أبي يوسف خمسة وسبعون -ثم أتى بدلائلهما وأخر دليل الإمام فيه حتي أيد ما ذهب إليه الإمام، فقال- لأن في الحمل على هذا الحد (أي حد العبد) أخذا بالثقة والاحتياط؛ لأن اسم الحد يقع على النوعين، فلو حملناه على ما قاله أبوحنيفة يقع الأمن عن وعيد التبليغ؛ لأنه لا يبلغ، ولو حملناه على ما قاله أبويوسف- لا يقع الأمن عنه؛ لاحتمال أنه أراد به حد المماليك فيصير مبلغا غير الحد- الحد؛ فيلحقه الوعيد فكان الاحتياط فيما قاله أبوحنيفة -رحمه الله تعالى- والله تعالى الموفق. [2]

⑧ كذا في الكتب الأخر. [3]

⑨ مشى اصحاب المتون على قول الطرفين وهذا ترجيح له أيضا. [4]

١ـ الفتاوى الخانية (٣/٤٧٤)

٢ـ بدائع الصنائع (٥/٥٣٥)

٣ـ ملتقى الأبحر (٢/٣٧٥، ٣٧٦)؛ حيث قدم قولهما فيه.

فتاوى النوازل (٢٦١)؛ حيث اختار السمرقندي فيه قولهما لا غير.

الفتاوى السراجية (٦١)؛ حذا صاحبها حذو السمرقندي، واعتمد قولهما فيه

فتح القدير للكمال ابن الهمام (٥/٣٣٥)؛ مال المحقق إلى ترجيح قول الطرفين بتقوية ما احتجا به وردّ ما استدل به غيرهما

٤ـ المختار للفتوى (٤/٩٧)، كنز الدقائق (١٩١)، الوقاية (٢/٣٠٨)، النقاية (٢/٣٩٦)، غرر الأحكام (٢/٧٥)، تنوير الأبصار (٦/٩٦)

[۲۰۷]مسئلہ

وأقله(أي أقل التعزير) ثلاث جلدات.

قول مختار-عندالمشائخ-:

متون تو اسی قول مذکور پر ہیں مگر اصحاب شروح وغیرہ دیگر فقہاء نے اسے قبول نہیں کیا اور مشائخ کے حوالہ سے یہ قول اختیار کیا ہے کہ اقلِ تعزیر قاضی کی صوابدید کے سپرد ہے کہ وہ جس میں مصلحت و بہتری جانے اسے نافذ کردے حتی کہ اگر وہ کسی وقت صرف ایک کوڑے کے ذریعہ ہی زجر کو کافی سمجھے تو اسی پر اکتفاء کرلے۔

مستدلہ:

چونکہ مختلف اشخاص کی طبائع مختلف ہوتی ہیں اس لیے ہر ایک کے مناسب حال اُقل تعزیر کو تجویز کیا جائیگا جو اسکی تأدیب وزجر کے لیے کفایت کرسکے کہ بسا اوقات ایک کوڑا بھی بعض افراد کے لئے کافی ووافی ہوجاتا ہے اور بعض مرتبہ تحصیل مقصود کے لئے تین سے زائد کوڑے ناگزیر ہوتے ہیں۔[1]

تخریجہ:

❶ قال الشامي:

(قوله وأقله ثلاثة) أي أقل التعزير ثلاث جلدات وهكذا ذكره القدوري، فكأنه يرى أن ما دونها لا يقع به الزجر، وليس كذلك بل يختلف ذلك باختلاف الأشخاص، فلا معنى لتقديره مع حصول المقصود بدونه فيكون مفوضا إلى رأي القاضي يقيمه بقدر ما يرى المصلحة فيه على ما بينا تفاصيله، وعليه مشايخنا رحمهم الله تعالى.[2]

❷ قال الطحطاوي:

(قوله وأقله ثلاثة) هذا رأي القدوري وذكر مشايخنا أن أدناه على ما يراه الإمام حتى لو رأي أنه ينزجر بسوط واحد اكتفى به.[3]

١۔مستفاد ممايلي (بتسهيل واضافة يسيرة): تبيين الحقائق (٣/٢١٠)، حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٢/٤١٠)، الاختيار لتعليل المختار (٤/٩٧)، مجمع الانهر ٢/٣٨٦)

٢۔ حاشية ابن عابدين على الدر المختار (٦/٩٦)، وكذا في تبيين الحقائق للزيلعي (٣/٢١٠)ورمز الحقائق للعيني (١/٢٣٦)

٣۔ حاشية الطحطاوي على الدرالمختار(٢/٤١٠)

٣ في الهندية:

وأقله ثلاث جلدات وذكر مشايخنا أن أدناه على مايراه الإمام يقدر بقدر ما يعلم أنه ينزجر به.[١]

٤ قال ابن العلاء الأنصاری:

وهـذا الإختـلاف في أقصى التعزير، فأما أدناه مفوض إلى رأي القاضي يقيم بقدر ما يرى من المصلحة فيه.[٢]

٥ قال المرغيناني:

ثم قدر الأدنى في "الكتاب" بثلاث جلدات لأن مادونها لايقع به الزجر، وذكر مشايخنا أن أدناه على مايراه الإمام يقدره بقدر مايعلم أنه ينزجر، لأنه يختلف باختلاف الناس.[٣]

٦ قال الشرنبلالی:

(قوله وإنما قال أقله ثلاثة لأن مادونها لا يقع به الزجر) أي لمن يناسبه لما قد علمت أنه ليس لازما لاختلافه باختلاف الناس.[٤]

٧ كذا في الكتب الأخر.[٥]

---

١ ـ الفتاوی الهندية (٢/١٦٧)

٢ ـ الفتاوی التاتار خانية (٥/٩٨)

٣ ـ الهداية (٢/٥٢٣)

٤ ـ حاشية الشرنبلالی علی الدرر والغرر (٢/٧٥)

٥ ـ مجمع الأنهر (٢/٣٧٦)، النهر الفائق (٣/١٧٢)، فتاوی النوازل (٢٦١)، شرح الطائی علی الكنز (١/٢٣٦)، الموسوعة الفقهية (١٢/٢٦٧).

كتاب السرقة وقطاع الطريق

[۲۰۸]مسئلہ

إذا سرق البالغ العاقل عشرة دراهم، أو ما قيمته عشرة دراهم ، مضروبة كانت أو غير مضروبة، من حرز لا شبهة فيه ، وجب عليه القطع.

مفتی بہ قول:

مفتی بہ قول کے موافق دراہم مذکورہ کا مضروبہ ہونا شرط ہے چنانچہ غیر مضروبہ کی صورت میں قطعِ ید واجب نہیں ہوگا۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

فقہ کے اصول ہیں:

(أ)- في إطلاق الاسم اعتبار العرف. (۱)

(ب)- مطلق التسمية يتصرف إلى ماهو المعروف بالعرف. (۲)

عرف میں اسم درہم کا اطلاق مضروبہ پر ہوتا ہے اس لئے مسئلہ بالا میں -قواعد مذکورہ کی بناء پر- دس مضروبہ درہم کی شرط عائد کی جائیگی۔ (۳)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن العلاء الأنصاري:

وتعتبر عشرة دراهم مضروبة......وروى الحسن عن أبي حنيفة ما يدل على أن المضروبة وغير

۱۔ قواعد الفقه للبركتي (۱/۹٦)

۲۔ المرجع السابق (۱/۱۲۳)

۳۔ انظرله (بتسهيل):

الهداية (۲/۵۲٤، ۵۲۵)، الجوهرة النيرة (۲/٤۰۵)، دررالحكام شرح غرر الأحكام (۲/۷۸)، اللباب في شرح الكتاب (۳/۷٤)، الفقه الإسلامي وأدلته (۵٤۳۵،٦:۳٦)

المضروبة في ذلك على السواء وفي " الكافي " والأول أصح.[1]

❷ في الهندية:

أقل النصاب في السرقة عشرة دراهم مضروبة بوزن سبعة جياد ، كذا في العتابية. فإذا سرق تبرا، وزنه عشرة دراهم، أو متاعا قيمتة عشرة دراهم غير مضروبة، فانه لا قطع فيه على الصحيح.[2]

❸ قال السرخسي:

ثم في ظاهر الرواية المعتبر عشرة دراهم من النقرة المضروبة حتى روى ابن رستم عن محمد رحمهما الله تعالى إذا سرق نقرة لا تساوى عشرة دراهم مضروبة فلا قطع عليه ، وروى الحسن عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالى أن المعتبر عشرة دراهم من النقد الغالب بعد أن تكون الفضة فيها غالبة على الغش، وأما ما يغلب عليه الغش فهو من الفلوس لا من الدراهم، والأول أصح.[3]

❹ قال الزيلعي:

(وقوله مضروبة) إشارة إلى أنه إذا سرق فضة غير مضروبة وزنها عشرة أو أكثر وقيمتها أقل من عشرة مضروبة لا يقطع ...... وقيل المضروبة وغير المضروبة فيه سواء والأول أصح.[4]

❺ قال المرغيناني:

قال: "واذا سرق العاقل البالغ عشرة دراهم أو ما يبلغ قيمته عشرة دراهم مضروبة من حرز لا شبهة فيه وجب عليه القطع"......واسم الدراهم يطلق على المضروبة عرفا فهذا يبين لك اشتراط المضروب كما قال في الكتاب[5] وهو ظاهر الرواية وهو الأصح ، رعاية لكمال الجناية حتى لو سرق

١ـ الفتاوى التاتار خانية (٥/١١٢،١١٣)

٢ـ الفتاوى الهندية (٢/١٧٠)

٣ـ المبسوط للسرخسي (٩/١٣٨)

٤ـ تبيين الحقائق(٣/٢١٢)

٥ـ يقول العبد الضعيف عفاالله عنه:

قوله:" كما قال في الكتاب" (والمراد بالكتاب هنا مختصر القدوري كما ذكرالبابرتي في العناية شرح الهداية:٥/٣٤٢، والخوارزمي في الكفاية شرح الهداية:٥/٧٥، وغيرهما) ولكن قد تسامح المصنف في هذا النقل. اذ لم يقله الإمام القدوري في "المختصر"، كما ترى في كلام العيني في البناية (٩/٨)، والغنيمي في اللباب(٣/٧٤)، فإليك نص العيني بحروفه :

"وقال الأترازي: في نقل المصنف عن القدوري نظر، لأن الشيخ أبا نصر ذكر ذلك في الشرح الكبير۔ ==

عشرة تبرا (أي غير مضروبة) قيمتها أنقص من عشرة مضروبة لا يجب القطع.[١]

قال الخوارزمي والبابرتي والعيني -شراح الهداية-:

قوله (وهو الأصح): احتراز عما روى الحسن عن أبي حنيفة ما يدل على أن المضروبة وغير المضروبة في ذلك سواء.[٢]

❻ قال الولوالجي:

وأما تقدير النصاب في السرقة بالعشرة -إلى أن قال في حاصل الكلام- والأصح: أن المعتبر عشرة دراهم من النقرة المضروبة خالصا.[٣]

❼ كذا في الكتب الأخر.[٤]

❽ وعليه جميع المتون.[٥]

== وهو تلميذ القدوري. رواية المختصر، ولم يقيد بالمضروبة، بل أثبت الرواية بقوله: مضروبة أو غير مضروبة، ثم قال: أما قول صاحب الكتاب عشرة دراهم مضروبة أو غير مضروبة فهو قول أبي حنيفة -رحمه الله- ثم قال: وروى بشر عن أبي يوسف -رحمه الله- وابن سماعة عن محمد- رحمه الله- فيمن سرق عشرة دراهم تبرا لايقطع-" انتهى والله أعلم بالصواب. اللهم إلا أن يقال: يمكن أن وقعت له نسخة كماذكر، أو أراد بالكتاب كتاب الإمام محمد، فإنه فيه كذلك، هذا ما أفاده ابن قطلوبغا.

١- الهداية (٢/٥٢٤، ٥٢٥)

٢- الكفاية (٥/٧٥)، العناية (٥/٣٥٧)، البناية (٩/٨)- بنشر على ترتيب اللف- واللفظ للأول.

٣- الفتاوى الولوالجية (٢/٢٦٨)

٤- البحر الرائق (٥/٨٥)، النهر الفائق (٣/١٧٣)، الدر المختار مع رد المحتار (٦/١٣٤،١٣٥)، الجوهرة النيرة (٢/٤٠٥)، اللباب في شرح الكتاب(٣/٧٤)، شرح النقاية (٢/٤٠٠)، رمز الحقائق (١/٢٣٧)، شرح الطائي على الكنز (١/٢٣٧)، غرر الأحكام مع درر الحكام (٢/٧٧،٧٨)، ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر (٢/٣٧٨،٣٧٩)، شرح النقاية لفخر الدين (٢/٤٠٠)، الفتاوى السراجية (٦٢)، فتاوى النوازل (٢٦٢)، الفقه النافع (ص ٨١٣،الفقرة:٥٤٥)، لسان الحكام(١/٤٠١)، شرح مختصر الطحاوي للجصاص (٦/٢٥٧)، الفقه على المذاهب الأربعة (٥/١٤١)، الموسوعة الفقهية الكويتية (٢٤/٣١٣)، الفقه الإسلامي وأدلته (٥٤٣٥،٥٤٣٦)

٥- المختار للفتوى (٤/١١٠)، كنز الدقائق (١٩١، ١٩٢)، الوقاية (٢/٣١٥)، النقاية (٢/٤٠٠)، مجمع البحرين (٢٦٣)، غرر الأحكام (٢/٧٧)، تنوير الأبصار مع الدر (٦/١٣٤، ١٣٥)، بداية المبتدى (١/١١٠)

كتاب الصيد والذبائح

[٢٠٩] اختلافی مسئلہ

والعروق التي تقطع في الذكاة أربعة: الحلقوم، والمرئ، والودجان. فإذا قطعها حل الأكل. و إن قطع أكثرها فكذلك عند أبي حنيفة، وقال أبويوسف ومحمد -رحمهماالله تعالى-: لابد من قطع الحلقوم والمرئ وأحد الودجين. (١)

مفتی بہ قول:

فتوی اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کے قول پر ہے۔

قول مفتی کا بہ مستدل:

(١) ١٠-حدثنا أبو خالد الأحمر عن ابن جريج عمن حدثه عن رافع بن خديج، قال: سألت رسول

١-قال ابن قطلوبغا: قال في الجواهر: هذا قول القدوري. فأما المشهور في كتب أصحابنا أن هذا قول أبي يوسف وحده- وكذا قال الزاهدى وصاحب الهداية. انتهى. [الترجيح والتصحيح:٤٩٥]

وأما محمد فروى عنه أنه لا بد من قطع أكثر كل واحد من هذه الأربعة؛ كما في تبيين الحقائق (٥/٢٩١)، والبحر الرائق (٨/٣١٠)، وحاشية الطحطاوى على الدر المختار (٤/١٥١)، والمبسوط للسرخسى (١٢/٢)، والمحيط البرهانى (٦/٧٩)، والجوهرة النيرة (٢/٤٣٨)، وشرح النقاية (٢/٢٥٤)، ورمز الحقائق (٢/٢٠١)، وملتقى الأبحر(٤/١٥٨)،وتحفة الفقهاء(٣/٦٨)، والاختيارلتعليل المختار (٥/١٢)، وتقريرات الرافعى (٩/٤٩٣)، وبدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٤/١٥٧)، والنافع الكبير شرح الجامع الصغير (١/٤٧٢)، وخلاصة الدلائل (٢/٢٣٨)، وفتاوى النوازل (٣٣٠)، والفقه النافع (ص:٩٦٢، الفقرة ٦٨٩)، الفتاوى الولوالجية (٣/٧٠)، والفتاوى السراجية (٨٧)، وشرح ابن ملك على مجمع البحرين- على هامشه- (٨١٢)، وجامع الرموز (٢/٣٤١)، والهداية (٤/٤٣٦)، والموسوعة الفقهية الكويتية (٨/١٨٤)، والفقة الإسلامى وأدلته (٢٨٦٥)

الله صلى الله عليه وسلم عن الذبح بالليطة، فقال:"كل ما أفرى الأوداج، إلا سنا أو ظفرا". [1]

٢-عن مالک أنه بلغه أن عبدالله بن عباس كان يقول: "ما فرى الأوداج فكلوه."[2]

٣- حدثنا أبو خالد الأحمر عن حجاج عن حماد عن إبراهيم عن بن مسعود قال: كل ما أفرى الأوداج إلا سن أو ظفر". [3]

٤- وقال ابن جريج عن عطاء: "والذبح قطع الأوداج". [4]

روایات بالا میں ''اوداج'' جمع کا لفظ ہے اور جمع کا کم از کم عدد تین ہے۔ [5]

(۲) فقہ کا کثیر الاستعمال معروف ضابطہ ہے:

"للأكثر حكم الكل"[6]

کل چار رگیں ہیں۔ ان میں سے اکثر کا اطلاق تین پر ہی ہوگا۔ لہٰذا جب ذابح نے کوئی بھی تین رگیں کاٹ دیں تو قاعدہ مذکور کے موافق گویا اس نے تمام رگیں کاٹ دیں اور وہ ذبیحہ حلال ہوگیا۔ [7]

(۳) ذبح کا مقصود ہے: ''دم مسفوح کا بہانا اور روح نکالنے میں جلدی کرنا'' اور یہ مقصد تین رگوں کے کاٹنے سے حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ سانس یا خوراک کی نالی کٹ جانے کے بعد جانور زندہ نہیں رہتا اور ودجین میں سے ایک کے قطع سے ہی خون باہر نکل جاتا ہے الغرض ذبح میں محض تین رگوں کے قطع پر اکتفاء درست ہے اور ذبیحہ حلال ہوگا۔ [8]

١- قال الزيلعي في نصب الراية (٤/١٨٦)، رواه ابن أبي شيبة في مصنفه . وتبعه العثماني في الإعلاء (١٧/٨٠) وقال: قلت: فيه من لم يسم ولكنه غير مضر عندنا؛ لأنه من التابعين والغالب فيهم الخير فالغالب أنه ثقة.

٢- موطأ مالك (٣/٦٩٩)، الرقم (١٧٨٧)

قلت: وإن كان هذا "بلاغا" ولكن بلاغ مثله مقبول عندنا.

٣- مصنف ابن أبي شيبة (٤/٢٥٥) الرقم (١٩٨٢٧)

٤- صحيح البخاري (١٤/٣٦): باب النحر والذبح

٥- التجريد (١٢/٦٣٠٤)، رد المحتار (٩/٤٩٣)، الفقه الإسلامي وأدلتة (٢٨٦٤)

٦- انظرله مصدرا: درر الحكام شرح مجلة الأحكام (٤/١٧٢)، تيسير التحرير (٢/٢٧٣)، شرح التلويح على التوضيح (٢/٣١٥)

٧- مأخوذ ممایلی - بتسهیل -:

بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٤/١٥٨)، الدر المختار (٩/٤٩٣)، البحر الرائق (٨/٣١٠)، إعلاء السنن (١٧/٨٠)، الدر المنتقى (٤/٣٥٥)، خلاصة الدلائل (٢/٢٣٨)، شرح الوقاية (٤/٣٣) شرح النقاية (٢/٢٥٤)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (١/٢٧٧)، الفقه النافع (ص: ٩٦١، الفقره: ٦٨٩)، مجمع الأنهر (٤/١٥٨)، الفتاوى الهندية (٥/٢٨٧)، رمز الحقائق (٢/٢٠١)، شرح الطائي على الكنز (٢/٢٠١)

٨- الهداية (٤/٤٣٦)، الاختيار لتعليل المختار (٥/١٢)، تبيين الحقائق (٥/٢٩١)، كشف الحقائق (٢/٢٢١)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

والعروق التي تقطع في الذكاة أربعة...... فإن قطع كل الأربعة حلت الذبيحة، وإن قطع أكثرها فكذلك عند أبي حنيفة ـ رحمه الله تعالى ـ، وقالا: لا بد من قطع الحلقوم المرىء وأحد الودجين، والصحيح قول أبي حنيفة ـ رحمه الله تعالى ـ لما أن للأكثر حكم الكل، كذا في المضمرات.[1]

❷ قال الحلبي والحصكفي:

(ويكفي قطع ثلاثة منها أيًا كانت) إذ الأكثر كالكل (وعند محمد لا بد من قطع أكثر كل واحد منها وهو رواية عن الإمام) لأن كل واحد أصل بنفسه (وعند أبي يوسف لا بد من قطع الحلقم والمريء وأحد الودجين. وقيل) قائله القدوري (محمد معه) أيضا......لكن الصحيح الأول.[2]

❸ قال ابن قطلوبغا:

قوله:(وان قطع أكثرهما فكذلك عند أبي حنيفة، وقال أبو يوسف ومحمد: لا بد من قطع الحلقوم والمرئ وأحد الودجين)......قال في زاد الفقهاء: الصحيح قول أبي حنيفة.[3]

❹ قال القهستاني:

(وحل) الذبح (بقطع أي ثلاث منها) أي الأربعة عنده وبقطع الأولين وأحد الأخرين عند أبي يوسف ـ رحمه الله تعالىٰ ـ وبقطع أكثر كل واحد منها عند محمد ـ رحمه الله تعالىٰ:......والأول أصح.[4]

❺ قال ملا خسرو:

(وعروقه الحلقوم والمرىء والودجان وحل بقطع ثلاث منها).

قال الشرنبلالي:

قوله: (وحل بقطع ثلاث منها) هو الصحيح.[5]

١ ـ الفتاوى الهندية (٥/٢٨٧)

٢ ـ الدرالمنتقى(٤/١٥٨)

٣ ـ الترجيح والتصحيح (٤٩٥)

٤ ـ جامع الرموز (٢/٣٤٢)

٥ ـ حاشية الشر نبلالي على الدرر والغرر (١/٢٧٧)

❻ كذا في الكتب الأخر.[1]

❼ مشى أصحاب المتون على قول الإمام ترجيحاله.[2] كما هو ظاهر.

❽ أخر الشارحون وغيرهم دليل الإمام فيه وهذا ترجيح لقوله عندهم كماعرف في موضعه.[3]

---

[٢١٠] اختلافی مسئلہ

ويكره أكل لحم الفرس عند أبي حنيفة(وقالا: لايكره[4])

توضیح المقام:

صحیح قول کے موافق -وهو ظاهر الرواية- امام صاحبؒ کے نزدیک کراہت سے یہاں مراد مکروہ تنزیہی ہے۔[5]

١ـ ملتقى الأبحر (١٥٨/٤)حيث قدم قول الإمام فيه.

إعلاء السنن (٨٠/١٧)، حيث قال المؤلف بعد أن ذكر الخلاف: وقول أبي حنيفة هو الأقرب.

تحفة الملوك (٢١٨/١)؛ حيث اختار المصنف قول الإمام لا غير (بأن قال " ولا بد من قطع ثلاثة منها أيها كانت"، واكتفى به)

٢ـ المختار للفتوى (١٢/٥)، كنزالدقائق (٤١٧،٤١٨)، الوقاية (٣٣/٤)، النقاية (٢٥٤/٢)، غرر الأحكام (٢٧٧/١)، تنوير الأبصار (٤٩٣/٩)

٣ـ الهداية (٤٣٦/٤)، الاختيار لتعليل المختار (١٢/٥)، البحرالرائق (٣١٠/٨)، الفتاوى الولوالجية (٧١/٣)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (١٥٨/٤)

٤ـ التجريد للقدورى (٦٣٧٥/١٢)،بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (١٤٩/٤)، الفتاوى الولوالجية (٥٦/٣)، خلاصة الدلائل لحسام الدين الرازى (٢٤٣/٢)، ملتقى الأبحر (١٦٢/٤)، الفقه النافع (ص:٩٧٢، الفقره:٦٩٩)، خلاصه الفتاوى (٣٠٤/٤)، الغرة المنيفة (١٧٤/١)

٥ـ قلت:

قد اختلفوا في تفسير الكراهة؟ قال بعضهم: كراهة التحريم، وقال بعضهم: كراهة التنزيه . ففى ظاهر الرواية كراهة التنزيه وهو الصحيح على ما قال ابن قطلوبغا في الترجيح والتصحيح (٤٩٧)، وداماد أفندى في مجمع الأنهر (١٦٢/٤)، والحصكفى في الدر المنتقى (١٦٢/٤)، والملا على القارى في شرحه على النقاية (٢٦٣/٢)، وكذا فخر الدين في شرحه عليه (٢٦٢/٢)، وملا خسرو في دررالحكام شرح غررالأحكام (٢٨٠/١)، والزحيلى في الفقه الإسلامى وأدلته (٢٥٩٤).

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) حدثنا عبدالله حدثنی أبي ثنا يزيد بن عبد ربه ثنا بقية بن الوليد حدثني ثور بن يزيد عن صالح بن يحى بن المقدام بن معدي كرب عن أبيه عن جده عن خالد بن الوليد قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أكل لحوم الخيل والبغال والحمير. (۱)

۱۔ مسند أحمد بن حنبل (٨٩/٤) الرقم (١٦٨٦٣)،وكذا انظر له: سنن أبي دواد (٤١٣/٣) الرقم (٣٧٩٢)، سنن النسائي (٢٠٢/٧)الرقم (٤٣٣٢)، سنن ابن ماجه (١٠٦٦/٢)، الرقم (٣١٩٨)، السنن الكبرى (٣٢٨/٩)الرقم (١٩٢٣٠)،شرح معاني الآثار (٢١٠/٤)الرقم (٥٩٣٧)، سنن الدار قطني (٢٨٧/٤)

يقول العبد الضعيف عفاالله عنه:

فطعن الطاعنون في مذهب الإمام أبي حنيفة (بكراهة لحوم الخيل) من عدة جوانب وجهات شتى، خاصة من النقد على مستدله الرئيسي بحديث خالد بن الوليد هذا، فأجاب عنه القدوري في التجريد (٦٣٧٦/١٢)، والعيني في البناية (٣٢٢/١٤)، والجصاص في شرحه على مختصر الطحاوي (٢٩١،٢٩٠/٧) وغيرهم. أما شيخ شيوخنا العثماني فأجاب في الإعلاء (١٤٣/١٧۔١٥٢) بغاية البسط والتفصيل وأشبع البحث فيه بما لا مزيد عليه فأثبت قوة مذهب الإمام أبي حنيفة فيها وأيده بالأحاديث والآثار (من شاء فليراجع) ولقد قام في كله خير قيام تطمئن به القلوب وتنشرح به الصدور وترتضي به العقول ۔جزاه الله عنا أحسن الجزاء۔ فها أنا أقتبس بعض ما سلكه في هذا البحث القيم من الجواهر –من مواضع شتى–:

(أ)وبهذا ظهر قوة مذهب أبي حنيفة، واندفع طعن طاعنين أنه ترك حديثا صحيحا، وعمل بالحديث الضعيف، وظهر أيضا أن نظر أبي حنيفة في الحديث أوسع وأدق. (ص: ١٤٧)

(ب) قال العبد الضعيف ۔ القائل العثماني ۔: قال العيني في "البناية" وفي "العمدة" وأصله لصاحب "الجوهر النقي": سندحديث خالد ۔ رضي الله عنه ۔ جيد، ولهذا أخرجه أبو داود، وسكت عنه فهو حسن عنده وقال النسائي: وأخبرنا إسحاق بن ابراهيم أخبرني بقية حدثني ثور بن يزيد عن صالح فذكره بسنده، وقد صرح فيه بقية بالتحديث عن ثور، وثورحمصي، أخرج له البخاري وغيره، وبقية إذا صرح بالتحديث كان السند حجة. قاله ابن معين وأبو زرعة، والنسائي، وغيرهم، خصوصا إذا كان الذي حدث عن بقية شاميا.

قال ابن عدي: إذا روى بقية عن أهل الشام فهو ثبت، وصالح، وذكره ابن حبان ۔رحمه الله۔ في الثقات، وأبو يحى ذكره الذهبي في" الكاشف" وقال: وثق وأبوه المقدام بن معد يكرب صحابي فهذا سند جيد كما ترى. (ص:١٤٨) ==

(۲) قال محمد أخبرنا أبوحنيفة عن الهيثم عن ابن عباس رضی الله عنهما أنه كره لحم الفرس.[1]

(۳) عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الخيل لثلاثة: لرجل أجر ولرجل ستر وعلى رجل وزر.[2]

وجہ استیناس یہ ہے کہ اگر گھوڑا کھانے کے لئے بھی ہوتا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے: الخیل لأربعة: لرجل أجر ولرجل ستر ولرجل طعام وعلى رجل وزر.[3]

(۴) قوله تعالیٰ :

﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً.﴾ الآية.[4]

آیت بالا میں اللہ تعالیٰ نے گھوڑے کے منافع میں سے صرف سواری اور زینت کا ذکر فرما کر اس سے متعلقہ احسان جتلایا ہے ان منافع میں کھانے کا ذکر نہیں ہے اگر کھانا بھی گھوڑے کے تخلیقی مقاصد اور منافع میں سے ہوتا تو اس کا تذکرہ بھی ضرور کیا جاتا۔ جیسا کہ باری تعالیٰ نے ''انعام'' کے سلسلہ میں ''اکل'' کا تذکرہ بھی امتناناً کیا ہے: وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ (النحل:۵) اسی طرح ایک اور جگہ ہے: اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ (غافر: ۷۹). کیونکہ کسی چیز کے متعلق احسان جتلاتے ہوئے اس کے اعلیٰ منافع کو ترک کر کے ادنیٰ منافع بیان کرنا حکیم کی حکمت کے خلاف ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی حکیم ذات کا اس موقعِ امتنان پر ''اکل'' (جو اعظم المنافع اور بقاء نفوس کا سبب ہے) کا ذکر نہ کرنا اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ ''اکل'' گھوڑے کے مقاصد اور منافع میں سے نہیں ہے لہٰذا

==

(ج) ولله در أبي حنيفة ما أدق نظره في الجمع بين الأحاديث وتنزيلها منازلها؟ فتراه قال بتحريم لحوم الحمر والبغال، وحكم بنجاستها، لما تواتر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه حرمها، ولم يصح عنه في خلافه شيء وكره لحم الفرس ولم يقل: إنه حرام لما ثبت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه رخص في لحوم الخيل وجاء عنه أنه نهى عنها، وقد عرفت أنه لم ينفرد بذلك، بل له سلف فيه عن ابن عباس وبه قال الحكم بن عتيبة ومالك بن أنس رضي الله عنهم.

والعجب من الجمهور أنهم يحتجون بحديث خالد و بحديث عكرمة بن عمار عن يحى بن أبي كثير عن أبي سلمة عن جابر على حرمة البغال، ولا يحتجون بهما على حرمة لحوم الخيل.(ص: ١٥٢)

١ـ كتاب الآثار برواية الشيباني (ص:١٩٦، رقم: ٨١٨)

٢ـ صحيح البخاري (٣١٤/٧) الرقم (٢٨٦٠)، وكذا انظر له: صحيح ابن خزيمة (٣١/٤) الرقم (٢٢٩١)، سنن الترمذي (١٧٣/٤) الرقم (١٦٣٦)، مختصر الأحكام مستخرج الطوسي على جامع الأحكام (٦١/٣)، الرقم (١٣٨٣)

٣ـ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (١٥٠/٤)

٤ـ النحل:(٨)

اس کا کھانا درست نہیں ہوگا۔ [1]

(۵) گھوڑا چونکہ جہاد میں دشمنوں کو ڈرانے اور بھگانے کا آلہ ومؤثر ذریعہ ہے اس لئے اس کا کھانا احتراماً مکروہ ہے کیونکہ اس کے فقدان وقلت سے آلہ جہاد کی تقلیل لازم آئیگی جو کی درست نہیں ہے۔ [2]

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ **قال قاضي خان:**

يكره لحم الخيل في قول أبي حنيفة -رحمه الله تعالىٰ- خلافا لصاحبيه. [3] **(القول المقدم فيه راجح -وهو قول الإمام هنا- كما صرح به الشامي في شرح العقود والمصنف في المقدمة وهو معروف لدى أرباب الإفتاء)**

❷ **قال الحلبي:**

ويكره الغراب الأبقع والغداف والرخم والبغاث والخيل تحريماً في الأصح وعندهما لايكره الخيل. [4] **(ومن المعلوم أن القول المقدم فيه راجح أيضا كما عرفت سابقا في مواضع عديدة).**

❸ **قال التمرتاشي والحصكفي:**

(ولا يحل ذو ناب يصيد بنابه)......(والخيل) وعندهما، والشافعي تحل. وقيل إن أبا حنيفة رجع عن حرمته -أي إلى كراهته- قبل موته بثلاثة أيام وعليه الفتوى.

قال الشامي:

(قوله وعليه الفتوى) فهو مكروه كراهة تنزيه، وهو ظاهر الرواية كمافي كفاية البيهقي وهو

١۔ المبسوط للسرخسي (١١/٢٣٤)، الهداية (٤/٤٤٠،٤٤١)، الجوهرة النيرة (٢/٤٤٥)، الغرة المنيفة (١/١٧٤)، حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٤/١٥٦)، الفقه النافع (ص:٩٧٣،الفقرة: ٦٩٩)، الاختيار لتعليل المختار (٥/١٦)، رمز الحقائق (٢/٢٠٢)، شرح النقاية لفخر الدين (٢/٢٦٢)، كشف الحقائق (٢/٢٢٣)، اللباب في الجمع بين السنة والكتاب (٢/٦٢٢)، التجريد للقدوري (١٢/٦٣٧٥)

قلت: أو رد على الا ستدلال بالنمط المذكور من هذه الآية الشريفة۔ على كراهة لحوم الخيل۔ من البعض فأجاب عنه العيني في البناية (١٤/٣٢٠،٣٢١) والقدوري في التجريد (١٢/٦٣٧٥)، فليلاحظ.

٢۔ الهداية (٤/٤٤١)، الجوهرة النيرة (٢/٤٤٥).

٣۔ الفتاوى الخانية (٣/٣٥٨)

٤۔ ملتقى الأبحر (٤/١٦٢)

الصحيح على ما ذكره فخر الإسلام وغيره.[1]

④ في الموسوعة الفقهية:

وذهب الحنفية -وعليه الفتوى عندهم- وهو قول ثان للمالكية إلى حل أكلها مع الكراهة التنزيهية.[2]

⑤ قال ابن قطلوبغا:

قوله:(ويكره أكل لحم الفرس عند أبي حنيفة) قال القاضي الإمام الإسبيجابي: الصحيح أنها كراهة تنزيه -إلى أن قال- ورجحو دليل الإمام، واختاره المحبوبى والنسفي و الموصلي وصدر الشريعة.[3]

⑥ وكذا اقتصر ابن الشحنة [4] والسمر قندى [5] كلاهما فيه على قول الإمام لكونه راجحا عندهما كما لا يخفى.

⑦ اختار أصحاب المتون قاطبة قول الإمام[6] وهذا ترجيح له أيضا.

⑧ قد أخر أصحاب الشروح دليل الإمام فيه وبعضهم ضمنوه جواب دليلهما وذاك ترجيح لقوله عندهم وقد مربيانه غير مرة.[7]

١ـ الدر المختار مع رد المحتار (٥٠٨/٩)

٢ـ الموسوعة الفقهية الكويتية (٢١١/٣٥)

٣ـالترجيح والتصحيح (٤٩٧)

٤ـ لسان الحكام (٣٨١/١)

٥ـ فتاوى النوازل (٣٣٢)

٦ـ المختار للفتوى (١٥/٥)، كنزالدقائق (٤١٩)، الوقاية (٣٦/٤)، النقاية (٢٦٢/٢)، مجمع البحرين (٧١٣)، غرر الأحكام (٢٨٠/١)، تنوير الأبصار (٥٠٨/٩)، بداية المبتدى (٢١٩/١)

٧ـ الهداية (٤٤٠/٤،٤٤١)، المبسوط للسرخسي (٢٣٤/١١)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (١٤٩/٤ـ ١٥١)، الاختيار لتعليل المختار (١٦/٥)، رمزالحقائق (٢٠٢/٢)، الجوهرة النيرة (٤٤٥/٢)

[۲۱۱]مسئلہ

وإذا ذبح مالا يؤكل لحمه طهر جلده ولحمه إلا الآدمي والخنزير.

مفتی بہ قول:

مفتی بہ قول کے موافق ذبح سے غیر مأکول اللحم کا گوشت پاک نہیں ہوتا۔ (۱)

قول مفتی بہ کا مستدل:

فقہ کا ضابطہ ہے:

"الضرورات تقدر بقدرها" (۲)

ذبحِ مذکور کو، حاجت وضرورت کی بناء پر، جلد کے لئے مطہّر قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس چمڑے میں یا اس چمڑے کے اوپر نماز پڑھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی طرح سردی، گرمی کے بچاؤ اور سترعورت کے لئے بسا اوقات اس کی احتیاج ہوتی ہے جبکہ گوشت کی تطہیر کی ضرورت نہیں ہے (اس لیے کہ اس کی طہارت سے مقصود یہ ہوگا کہ اس کا کھانا حلال ہو کیونکہ گوشت سے غرض ''اکل'' ہوتی ہے حالانکہ اس کا کھانا بالکل حلال نہیں ہے) لہٰذا طہارت کا حکم بھی نہیں لگایا جائیگا۔

الغرض قاعدہ مذکورہ کے موافق یہاں ضرورت چونکہ فقط تطہیر جلد کی ہے اور اس کے لحم کو طاہر قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے کما مرّ، لہٰذا صورت بالا میں صرف جلد کی طہارت کا حکم ہوگا۔ (۳)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

(وذبح مالا يؤكل يطهر لحمه وشحمه وجلده) تقدم في الطهارة ترجيح خلافه (إلا الآدمي

۱۔ قلت:

قد اختلف التصحيح فيه: صحح بعضهم ما قال به القدوري. أما أصح ما يليق بالافتاء في هذالباب -في ضوء كتب الفتاوى- فهو ما ذكرته في ذيل "مفتى به قول"؛ كما سترى في تخريجه.

۲۔ مجلة الأحكام العدلية (۱/۱۸)

۳۔مستفاد من رد المحتار (۱/۳۹۷)

والخنزير) كما مر.قال الشامي:

قوله: (تقدم في الطهارة ترجيح خلافه) وهو أن اللحم لا يطهر بالذكاة والجلد يطهر بها اهـ.

أقول : وهما قولان مصححان، وبعدم التفصيل جزم في الهداية والكنز هنا،نعم التفصيل أصح ما يفتى به.[1]

❷ قال التمرتاشي والحصكفي – في كتاب الطهارة –:

(وما) أي إهاب (طهر به) بدباغ (طهر بذكاة) على المذهب (لا) يطهر (لحمه على) قول (الأكثر إن) كان (غيرمأكول)هذا أصح ما يفتى به وإن قال"في الفيض: الفتوى على طهارته.

قال الشامي:

(قوله هذا أصح مايفتى به) أفاد أن مقابله مصحح أيضا، فقد صححه في الهداية والتحفة والبدائع، ومشى عليه المصنف في الذبائح كالكنز والدرر، والأول مختار شراح الهداية وغيرهم، وفي المعراج أنه قول المحققين –إلى أن قال– والحاصل أن ذكاة الحيوان مطهرة لجلده ولحمه إن كان الحيوان مأكولا، وإلا فإن كان نجس العين فلا تطهر شيئا منه، وإلا فإن كان جلده لا يحتمل الدباغة فكذلك، لأن جلده حينئذ يكون بمنزلة اللحم، وإلا فيطهر جلده فقط، والآدمي كالخنزير فيما ذكر تعظيما له.[2]

❸ قال الشرنبلالي:

وتطهر الذكاة الشرعية جلد غير المأكول دون لحمه على أصح ما يفتى به.

ثم قال شرحا له:

(على أصح ما يفتى به) من التصحيحين المختلفين في طهارة لحم غير المأكول وشحمه بالذكاة الشرعية للاحتياج إلى الجلد.[3]

❹ قال الزيلعي:

وما يطهر بالدباغ يطهر بالذكاة؛ لأنها أبلغ في ازالة الرطوبة والدماء من الدباغ، وقال كثير من المشايخ: يطهر جلده بها ولا يطهر لحمه كما لا يطهر بالدباغ وهو الصحيح.[4]

١ـ الدر المختار مع رد المحتار (٥١٣/٩)

٢ـ الدر المختار مع رد المحتار (٣٩٦/١، ٣٩٧)

٣ـ مراقي الفلاح (١٦٩)

٤ـ تبيين الحقائق (٢٦/١)

❺ قال الشلبي:

(قوله: في المتن: وذبح مالا يؤكل لحمه يطهر لحمه وجلده) قال في باب المياه من النهاية في هذه الرواية نوع ضعف والصحيح أن اللحم لا يطهر بالذكاة وكذا في معراج الدراية وغيرهما اهـ[1]

❻ قال ابن نجيم:

قال -رحمه الله- (وذبح مالايؤكل لحمه وجلده إلا الآدمي والخنزير)...... وفي رواية لا يطهر بالذكاة لحم مالا يؤكل لحمه والجلد يطهر هو الصحيح وقد مر في كتاب الطهارة اهـ[2]

❼ قال ملا خسرو:

(الإهاب يطهر بالدباغ إلا الخنزير والآدمي. وما يطهر به - أي بالدباغ - يطهر بالذكاة بخلاف لحمه في الصحيح)

قال الشرنبلالي:

(قوله: بخلاف لحمه في الصحيح) أقول اختلف التصحيح في هذه المسألة وما ذكره المصنف أصح تصحيح يفتى به فيها.[3]

❽ كذا في الكتب الأخر.[4]

١ـ حاشية الشلبي على التبيين (٥/٢٩٦)

٢ـ البحر الرائق (٨/٣١٤)

٣ـ حاشية الشرنبلالي على الدرر (١/٢٤)

٤ـ الدر المنتقى (١/٥١)، تبيين الحقائق (٥/٢٩٦)، الترجيح والتصحيح (٤٩٧)، حاشية الطحطاوي على الدر المختار (١/١١٣)، رمز الحقائق (٢/٢٠٣)، شرح الطائي على الكنز - بهامش الرمز - (٢/٢٠٣)، الفقه الإسلامي وأدلته (٢٥٤)

كتاب الأضحية

[۲۱۲]مسئلہ

الأضحية واجبة.....عن نفسه وعن ولده الصغير

مفتی بہ قول:

مفتی بہ قول کے موافق والد پراس کے چھوٹے (نابالغ) بچے کی طرف سے قربانی واجب نہیں ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

قال الله تعالى: ﴿وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى﴾ (۱) و ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ﴾ (۲)

قربانی ''قربت محضہ'' ہےاور آیات بالا سے یہ ضابطہ معلوم ہوا کہ انسان پر کسی دوسرے کی وجہ سے کوئی قربت و عبادت واجب نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ غلام اور بالغ بیٹے کی طرف سے قربانی واجب نہیں ہوتی، لہٰذا یہاں چھوٹے بچے کی طرف سے بھی اس کے باپ پر قربانی واجب نہیں ہوگی۔

باقی رہا یہ کہ پھر صدقہ فطر نابالغ کی طرف سے باپ پر کیوں واجب ہوجاتا ہےتو اس کا جواب یہ ہے کہ دیگر نصوص کی بناء پر صدقہ فطر کو اصول مذکور سے استثناء حاصل ہے جبکہ قربانی کا حکم اپنے اصلی ضابطہ کے ماتحت رہا کیونکہ اس کے بارے میں کوئی نصوص واستثناء نص میں منقول نہیں ہے۔

نیز یہ کہ صدقہ فطر میں سبب وجوب ہی دراصل وہ ذات ہے جوانسان کی کفالت میں ہو (یعنی اس کا خرچہ اس کے ذمہ ہو) نیز اس انسان کو اس پر ولایت بھی حاصل ہو اور یہ دونوں امور (کفالت وولایت) ولد صغیر میں موجود ہیں لہٰذا یہاں صدقہ فطر کے وجوب کا سبب متحقق ہوجانے کے باعث صدقہ فطر واجب ہوگا برخلاف اضحیہ کے، کہ وہ قربت محضہ ہے چنانچہ صغیر کی طرف سے واجب نہیں ہوگی۔ (۳)

۱۔ [النجم: ۳۹]

۲۔ [البقرة: ۲۸٦]

۳۔ مستفاد مما يلي:

بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٤/١٩٧)، الهداية (٤/٤٤٤)، تبيين الحقائق (٦/٣)، الجوهرة النيرة (٢/٤٥٠)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (١/٢٦٧)، شرح ابن ملك على مجمع البحرين-على هامشه- (٧١٤)، كشف الحقائق (٢/٢٢٥)، الفقه الإسلامي وأدلته (٢٧١٢)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

(فتجب)... (عن نفسه لا عن طفله) على الظاهر، بخلاف الفطرة.

قال الشامي:

(قوله على الظاهر) قال في الخانية: في ظاهر الرواية أنه يستحب ولا يجب، بخلاف صدقة الفطر. وروى الحسن عن أبي حنيفة يجب أن يضحى عن ولده وولد ولده الذى لا أب له، والفتوى على ظاهر الرواية.[١]

قال الطحطاوی:

(قوله على الظاهر) أي من الرواية والفتوى عليه.[٢]

❷ قال قاضي خان:

وليس على الرجل أن يضحى عن أولاده الكبار...... وفى الولد الصغير عن أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- روايتان: فى ظاهر الرواية يستحب ولا يجب بخلاف صدقة الفطر وروى الحسن عن أبى حنيفة رحمه الله تعالى أنه يجب أن يضحى عن ولده الصغير وولده وولد ولده الذى لاأب له والفتوى على ظاهر الرواية.[٣]

❸ قال المرغيناني:

وتجب عن نفسه لأنه أصل في الوجوب عليه على ما بيناه وعن ولده الصغير لأنه في معنى نفسه فيلحق به كما في صدقة الفطر وهذه رواية الحسن عن أبي حنيفة رحمهما الله وروى عنه أنه لاتجب عن ولده وهو ظاهر الرواية.[٤]

قال البابِرتي:

قوله (لاتجب عن ولده) يعنى سواء كان صغيرا أو كبيرا إذا لم يكن له ماله وهو ظاهر الرواية. وعليه الفتوى. وروى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله أنها تجب عليه.[٥]

١ـ الدر المختار مع رد المحتار (٩/٥٢٤)

٢ـ حاشية الطحطاوی على الدر المختار (٤/١٦١)

٣ـ الفتاوى الخانية (٣/٣٤٥)

٤ـ الهداية (٤/٤٤٤)

٥ـ العناية شرح الهداية المذيلة بنتائج الأفكار (٩/٥٢٣)

قال العيني:

قوله: (وهو ظاهر الرواية) أي هذا هو ظاهر الرواية عن أبي حنيفة قال قاضي خان: وعليه الفتوى.[1]

❹ قال ملا خسرو:

(وتجب)...... (لنفسه) متعلق بتجب (لا طفله) أي لا تجب عليه لأولاده الصغار.

قال الشرنبلالي:

(قوله: أي لا تجب عليه لأولاده الصغار) أقول ويستحب في ظاهر الرواية وعليه الفتوى كما في فتاوى قاضي خان.[2]

❺ قال الزحيلي:

وفي ظاهر الرواية عند الحنفية، وهو الأظهر لدى بعضهم وعليه الفتوى: أن الأضحية تستحب ولا تجب عن الولد الصغير، وليس للأب أن يفعله من مال الصغير.[3]

❻ كذا في الكتب الأخر، وفي بعض منها اقتصر مصنفوها على التصريح بكونه ظاهر الرواية للعلم بأن الفتوى على ظاهر الرواية على ما تقرر في الأصول.[4]

❼ واختاره النسفي، والمحبوبي، والتمرتاشي، وملاخسرو،[5] وهذا لكونه راجحا عندهم كما لا يخفى.

---

١ ـ البناية شرح الهداية (١٤/ ٣٥١)

٢ ـ درر الحكام شرح غرر الأحكام مع حاشية الشر نبلالي (١/ ٢٦٧)

٣ ـ الفقه الإسلامي وأدلته (٢٧١٢)

٤ ـ الفتاوى الهندية (٥/ ٢٩٣)، الفتاوى السراجية (٨٨)، الفتاوى الولوالجية (٣/ ٨٢)، الكفاية (٩/ ١٤٧)، الترجيح والتصحيح (٤٩٩)، بدائع الصنائع (٤/ ١٩٧)، المبسوط للسرخسي (١٢/ ١٢)، مجمع الانهر (٤/ ١٦٧)، تبيين الحقائق (٦/ ٣)، المحيط البرهاني (٦/ ٨٦)، الجوهرة النيرة (٢/ ٤٥٠)، شرح النقاية (٢/ ٢٦٨)، شرح ابن ملك -على هامش المجمع- (٧١٤)، رمز الحقائق (٢/ ٢٠٤) شرح الطائي على الكنز (٢/ ٢٠٤)، الفقه على المذاهب الأربعة (١/ ٦٤٤)

٥ ـ كنز الدقائق (٤٢٠)، الوقاية (٤/ ٣٨)، ملتقى الأبحر (٤/ ١٦٦، ١٦٧)، تنوير الأبصار (٩/ ٥٢٤)، غرر الأحكام (١/ ٢٦٧)، بنشر على ترتيب اللف.

[۲۱۴]مسئلہ

وإن بقي الأكثر من الأذن والذنب جاز.

مفتی بہ قول

مفتی بہ قول کے موافق اگر کان یا دم تہائی سے زائد کٹ جائے تو قربانی جائز نہیں ہے۔[1] اگر چہ ان کا اکثر حصہ باقی ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

اس مسئلہ کی بنیاد یہ ہے کہ ان اعضاء کا اگر زیادہ حصہ جاتا رہے تو قربانی جائز نہیں ہے اور اگر کم حصہ ضائع ہو جائے تو قربانی جائز ہے یعنی مقدار کثیر کا ذہاب مانعِ اضحیہ ہے اور قلیل مقدار مانع نہیں ہے۔

مفتی بہ قول کی رو سے ''ثلث'' اور اس سے کم کی مقدار، قلیل ہے (جو مانع جواز نہیں ہے اور ثلث سے زائد مقدار، کثیر ہو کر مانع اضحیہ ہے) کیونکہ شریعت نے ورثاء کی رضا مندی کے بغیر میت کے مال میں ''ثلث'' کے بقدر تنفیذ وصیت کو جائز قرار دیا ہے اور اس سے زائد میں اجازت نہیں دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ''ثلث''، قلیل مقدار ہوتی ہے جس میں بدون رضائے ورثاء بھی مال دوسروں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور اس سے زائد کی مقدار کو شرع کی نظر میں ''مقدار کثیر'' سمجھا جاتا ہے۔[2]

١۔ يقول العبد الضعيف عفاالله عنه:

قد وقع التسامح هنا في بعض الكتب الفقهية باللغة الأردية المتداولة فينا۔ في شبه القارة الهندية۔ في أثناء بيان المسائل الراجحة والمعمول بها في الأضحية، حيث ذكر فيها ''اگر تہائی حصہ یا تہائی سے زائد کٹ جائے تو قربانی جائز نہیں'' لأن كون الأكثر من الثلث من "القدر الكثير المانع" سديد ومسلّم ولكن "الثلث" قد اعتبره الفقهاء من "القليل (غير المانع)" في ضمن بيان القول الصحيح -وهو ظاهرالرواية- في هذا الباب؛ كما سترى في تخريجه.

٢۔ انظرله:

بدائع الصنائع (٤/٢١٤، ٢١٥)، الهداية (٤/٤٤٨، ٤٤٧)، المبسوط للسرخسي (١٢/١٦)، مجمع الأنهر (٤/١٧٢)، البحرالرائق (٨/٣٢٤)، تبيين الحقائق (٦/٦)، الجوهرة النيرة (٢/٤٥٤)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

ولو ذهب بعض هذه الأعضاء دون بعض من الأذن والألية والذنب والعين ذكر في الجامع الصغير إن كان الذاهب كثيرا يمنع جواز التضحية، وإن كان يسيرا لا يمنع، واختلف أصحابنا بين القليل والكثير فعن أبي حنيفة ـ رحمه الله تعالى ـ أربع روايات، وروى محمد ـ رحمه الله تعالى ـ عنه في الأصل وفى الجامع أنه إذا كان ذهب الثلث أو أقل جاز، و إن كان أكثر لايجوز، والصحيح أن الثلث وما دونه قليل وما زاد عليه كثير، وعليه الفتوى.(١)

❷ قال الشلبى:

(قوله: وعن أبي حنيفة الخ)..... والصحيح أن الثلث ، وما دونه قليل، وما زاد عليه كثير، وعليه الفتوى. وقال في الجوهرة: والأظهر أن عند أبي حنيفة أن الثلث في حد القليل، وما زاد عليه في حد الكثير. وقال الكرماني في مناسكه فإن كان الفائت من العين الواحدة أو الأذن الواحدة الثلث أو الأقل جاز عند أبي حنيفة، وإن كان أكثر منه لايجوز، وهوالأصح. (٢)

❸ قال قاضي خانْ:

والصحيح أن الثلث ومادونه قليل وما زاد عليه كثير وعليه الفتوى.(٣)

❹ قال التمرتاشي:

(لا بالعمياء والعوراء والعجفاء)..... (ومقطوع أكثر الأذن أو الذنب أو العين)

قال الشامي:

(قوله ومقطوع أكثر الأذن إلخ) في البدائع: لو ذهب بعض الأذن أو الألية أو الذنب أو العين. ذكر في الجامع الصغير إن كان كثيرا يمنع، وإن يسيرا لا يمنع. واختلف أصحابنا في الفاصل بين القليل والكثير؟ فعن أبي حنيفة أربع روايات . روى محمد عنه في الأصل والجامع الصغير أن المانع ذهاب أكثر من الثلث، وعنه أنه الثلث ، وعنه أنه الربع، وعنه أن يكون الذاهب أقل من الباقي أو مثله اهـ بالمعنى. والأولى هي ظاهر الرواية وصححها في الخانية حيث قال: والصحيح أنه الثلث، وما دونه

١ـ الفتاوى الهندية (٥/٢٩٨)

٢ـ حاشية الشلبى على التبيين (٦/٦)

٣ـ الفتاوى الخانية (٣/٣٥٤)

قليل، وما زاد عليه كثير وعليه الفتوى. اهـ

ومشى عليها في مختصر الوقاية والإصلاح.[1]

٥ قال العيني:

(وإن قطع من الذنب أو الأذن أو العين أو الألية الثلث أو أقل) أي من الثلث (أجزأه و إن كان أكثر) أي من الثلث (لم يجزه) وفي بعض النسخ لا يجوز (لأن الثلث تنفذ فيه الوصية من غير رضا الورثة فاعتبر قليلا) وهو رواية هشام عن محمد قال الصدر الشهيد: وهو الأصح؛ لأنه ظاهر الرواية.[2]

٦ قال الحصكفي:

وفي شرح لابن سلطان: الثلث وما دونه قليل، وما زاد عليه كثير هو الصحيح وعليه الفتوى.[3]

٧ قال ملا خسرو:

(لا العمياء والعوراء) أي ذات عين واحدة (والعجفاء) بحيث لا مخ في عظامها (وعرجاء لا تمشي إلى المنسك ومقطوع يدها أو رجلها وما ذهب الأكثر من ثلث أذنها أو ذنبها أو عينها أو أليتها) وقيل: الثلث ، وقيل: الربع وعندهما إن بقى أكثر من النصف أجزأه.

قال الشرنبلالي:

(قوله: وما ذهب الأكثر من ثلث أذنها...... الخ) رواية الجامع الصغير والأصل وهو ظاهر الرواية. وقال قاضي خان الصحيح أن الثلث وما دونه قليل وما زاد عليه كثير وعليه الفتوى اهـ.[4]

٨ كذا في الكتب الأخر.[5]

٩ لـمّا كان هذا القول(أى الأكثر من الثلث هو الكثير المانع) ظاهر الرواية –كما في عدة من الكتب–[6] فهو من ترجيح له أيضا حسبما عرف في الأصول.

١ـ الدر المختار مع رد المحتار (٩/٥٣٦)

٢ـ البناية شرح الهداية (١٤/٣٧٦)

٣ـ الدر المنتقى (٤/١٧٢)

٤ـ حاشية الشرنبلالي على الغرر (١/٢٦٩)

٥ـ حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٤/١٦٥)، لسان الحكام (١/٣٨٨)، المبسوط للسرخسي ١٢/١٥،١٦) الفقه على المذاهب الأربعة (١/٦٤٥)، الفقه الإسلامي وأدلته (٢٧٢٧،٢٧٣٠)

٦ـ منها: المبسوط للسرخسي (١٢/١٥)، وتحفة الفقهاء (٣/٨٥) ومجمع الأنهر (٤/١٧٢)، وشرح النقاية لفخر الدين (٢/٢٧١) ، ورد المحتار (٩/٥٣٦)، ودرالحكام شرح غررالأحكام (١/٢٦٩)وغيرها.

كتاب الأيمان

[۲۱۴] مسئلہ

ومن حلف بغير الله عزوجل لم يكن حالفا،
كالنبي عليه السلام، والقرآن والكعبة.

مفتی بہ قول:

ہمارے زمانہ میں مفتی بہ قول کے موافق قرآن کی قسم کھانے سے حالف ہو جائیگا۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

قال الشامي في الأصول:

والعرف في الشرع له اعتبار
لذا عليه الحكم قد يدار [۱]

دراصل یمین کا مدار اور اسکی بنیاد عرف پر قائم ہے اور قرآن کے ذریعے قسم کھانا چونکہ عربوں کے ہاں نیز عصور متقدمہ میں متعارف نہیں تھا اب جبکہ (عصر حاضر میں) لوگوں میں یہ قسم متعارف ہو چکی ہے لہٰذا اصول مذکورہ کے پیش نظر اب حلف بالقرآن سے قسم منعقد ہو جائیگی کیونکہ اس باب میں عرفِ سلف کی بجائے ہر زمانے کا اپنا عرف معتبر ہے۔ [۲]

قول مفتی بہ کی تخریج:

ملحوظة أساسية:

يقول العبد الضعيف -عفا الله عنه-: والمتون على أنها لا تكون اليمين بالقرآن. [۳] ولكن لمّا

۱۔شرح عقود رسم المفتي (ص:۳۷)

۲۔ مستفاد من مجموعة ما يلي:

فتاوى النوازل (۲۳۸)، المبسوط للسرخسي (۷/۲٤)، الدر المنتقى (۲/۲٦۹)، مجمع الأنهر (۲/۲٦۹)، جامع الرموز (۱/٦٥٤)، الموسوعة الفقهية (۷/۲٥٦)، فتح القدير (٥/٦٤)، كشف الحقائق (۱/۲٥۷).

۳۔ المختار للفتوى (٤/٥٥)، كنز الدقائق (۱٦٥)، الوقاية (۲/۲۳٤)، النقاية (۱/۷۲۹)، مجمع البحرين (۷۲۰ مع شرح ابن ملك)، غرر الأحكام (۲/٤۰)، تنوير الأبصار (٥/٥۰۳)، بداية المبتدى (۱/۹٦)، ملتقى الأبحر (۲/۲٦۹).

كانت اليمين تدور مع العرف وتبتني عليه في انعقادها وعدمه -كما صرح به جماعة جلّة من فقهائنا[١]- قرر المتأخرون من المشايخ الحنفية أنها في زماننا هذا تنعقد به لأنها قد جرت العادة به في عرفنا فصار الحلف به متعارفا الآن بين الناس ، كما سترى في السطور التالية:

❶ في الهندية:

قال: محمد-رحمه الله تعالىٰ- في الأصل لو قال: والقرآن لا يكون يمينا ذكره مطلقا، والمعنى فيه، وهو أن الحلف به ليس بمتعارف فصار كقوله: وعلم الله، وقد قيل هذا في زمانهم أما في زماننا فيكون يمينا، وبه نأخذ ، ونأمر، ونعتقد، ونعتمد، وقال: محمد بن مقاتل الرازى لو حلف بالقرآن قال: يكون يمينا، وبه أخذ جمهور مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ كذا في المضمرات.[٢]

❷ قال ابن الهمام:

قال: (وكذ إذا حلف بالقرآن؛ لأنه غير متعارف)..... ثم لا يخفى أن الحلف بالقرآن الآن متعارف فيكون يمينا كما هو قول الأئمة الثلاثة.[٣]

❸ قال العينى:

وعندى لو حلف بالمصحف أو وضع يده عليه وقال: "وحق هذا" فهو يمين ولا سيما في هذا الزمان الذى كثرت فيه الأيمان الفاجرة ورغبة العوام في الحلف بالمصحف.[٤]

❹ قال الأفغاني:

ولا يخفى تعارف الحلف بالقرآن الآن فيكون يمينا لأنه كلام الله، فظهر منه أن المعتبر في كل وقت عرفه لا عرف السلف.[٥]

❺ في الموسوعة الفقهية:

المعتمد في مذهب الحنفية: أن الحلف بالقرآن يمين؛ لأن القرآن كلام الله تعالىٰ الذى هو

١ـ نحو الفقيه أبي الليث السمرقندى في فتاوى النوازل (٢٣٨) والحصكفى في الدر المنتقى (٢/٢٦٩)، والدرالمختار (٥/٥٠٣) والشرنبلالى في حاشيته على الغرر (٢/٤٠)، والسرخسي في المبسوط (٧/٢٤) وغيرهم.

٢ـ الفتاوى الهندية (٢/٥٣)

٣ـفتح القدير (٥/٦٤)

٤ـ رمزالحقائق (١/٢٠٥)

٥ـ كشف الحقائق (١/٢٥٧)

صفته الذاتية، وقد تعارف الناس الحلف به، والأيمان تبنى على العرف.[1]

❻ كذا في الكتب الأخر.[2]

[۲۱۵] اختلافی مسئلہ

وقال أبو حنيفة: إذا قال "وحقّ الله" فليس بحالف. (وهو قول محمد رحمه الله وإحدى الروايتين عن أبي يوسف رحمه الله، وعن أبي يوسف في رواية أخرى: أنه يكون يمينا[3])

مفتی بہ قول:

فتوی اس میں طرفین رحمہما اللہ تعالی کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

عن عبدالله —هو ابن عمر— رضی الله عنه أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "من كان حالفا فليحلف بالله أو ليصمت".[4] ومن وجه آخر له: "الا من كان حالفا فلا يحلف إلا بالله".[5]

اول یہ واضح ہو کہ "حق" جب "اللہ" کی طرف مضاف ہو تو اس سے اللہ تعالی کی اطاعت اور عبادت مراد ہوتی ہے کیونکہ طاعات وعبادات اس کے حقوق میں سے ہیں جیسا کہ حدیث ذیل سے بھی یہ امر ثابت وواضح ہے:

عن معاذ بن جبل قال قال النبی صلی الله علیه وسلم "يامعاذ! أتدری ما حق الله علی

١ـ الموسوعة الفقهية الكويتية (٧/٢٥٦)

٢ـ حاشية الطحطاوي على الدرالمختار (٢/٣٢٩)، مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر (٢/٢٧٠)، الفقه على المذاهب الأربعة (٢/٦٧،٦٨)، الفقه الإسلامي وأدلته (٢٤٦٣).

٣ـالفتاوى التاتار خانية (٤/٢٩١)، الفتاوى الخانية (٢/٣)، الفتاوى الشامية (٥/٥١٦)، البحرالرائق (٤/٤٨٢)، بدائع الصنائع (٣/١٤)، مجمع الأنهر (٢/٢٧٣)، الهداية (٢/٤٧٨)، شرح النقاية لفخر الدين (١/٧٣١)، الاختيار لتعليل المختار (٤/٥٦)، الفقه الإسلامي وأدلته (٢٤٦٤،٢٤٦٥)، الموسوعة الفقهية الكويتية(٧/٢٥٦).

٤ـ أخرجه الشيخان: البخاري في (٧/٨)، برقم (٢٦٧٩)، والمسلم في (٥/٨٠)، برقم (٤٣٤٦)، واللفظ للأول.

٥ـ متفق عليه: واللفظ للبخاري في صحيحه (٩/٤١٧) الرقم (٣٨٣٦).

العباد؟" قال: الله ورسوله أعلم. قال: "أن يعبدوه ولا يشركوا به شيئا". (١)

تو معلوم ہوا کہ "حق اللہ" سے مراد اس کی عبادت ہے اور ظاہر ہے کہ عبادت نہ "اللہ تعالیٰ" کا اسم ہے اور نہ اسکی صفت، نیز اصل یہ ہے کہ چیز اپنی ذات کی بجائے اپنے غیر کی طرف مضاف ہوتی ہے، بہر حال یہ غیر اللہ کی قسم ہوئی اور احادیث بالا کی رو سے چونکہ غیر اللہ کی قسم جائز نہیں ہوتی لہٰذا یہ قسم بھی نہیں ہوگی۔

مزید برآں یہ بھی مستفاد ہوا کہ گویا اس نے "وحقّ الله لا أفعل كذا" کی جگہ یوں کہا "والعباداتِ لا أفعل كذا"، ظاہر ہے کہ اس سے قسم نہیں ہوتی۔ الغرض "وحقّ الله" سے آدمی حالف نہیں ہوتا (٢)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

ولو قال: "وحقّ الله" لا يكون يمينا عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ وهو إحدى الروايتين عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ وهو الصحيح. (٣)

❷ قال ابن قطلوبغا:

قوله (وقال أبو حنيفة: إذا قال وحقّ الله فليس بحالف) وهو قول محمد و إحدى الروايتين عن أبي يوسف، وعنه رواية أخرى: أنه يكون يمينا؛ قال الاسبيجابي: والصحيح قول أبي حنيفة رضي الله عنه، وعليه مشى الأئمة كما هو الرسم. (٤)

❸ قال القهستاني:

(وحقّ الله) ليس بيمين على الصحيح. (٥)

١ـ متفق عليه: صحيح البخاري (١٨/٣٧٤)، الرقم (٧٣٧٣)، صحيح مسلم (١/٤٣) الرقم (١٥٢) واللفظ للأول.

٢ـ انظرله مايلي:

بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٣/١٤)، المبسوط للسرخسي (٨/١٣٤)، شرح النقاية لفخر الدين (١/٧٣١)، شرح مختصر الطحاوي للجصاص (٧/٣٩٤،٣٩٥)، المحيط البرهاني في الفقه النعماني (٤/٢٠٠)، الجوهرة النيرة (٢/٤٦٥)، التجريد (١٢/٦٤٠٨)، الهداية (٢/٤٧٨)، خلاصة الدلائل لحسام الدين الرازي (٢/٢٥٧،٢٥٨)، الفتاوى الولوالجية (٢/١٥٥)، فتاوى النوازل (٢٤١)، مجمع الأنهر (٢/٢٧٣)، البحر الرائق (٤/٤٨٢)، الاختيار لتعليل المختار (٤/٥٦)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٤١)، الموسوعة الفقهية الكويتية (٧/٢٥٦)

٣ـ الفتاوى الهندية (٢/٥٢)

٤ـ الترجيح والتصحيح (٥٠٥،٥٠٦)

٥ـ جامع الرموز (١/٦٥٩)

● قال ابن العلاء الأنصارى:

ولو قال: "وحقّ الله لاأفعل كذا" لم يكن يمينا في قول أبي حنيفة ومحمد، واحدى الروايتين عن أبي يوسف رحمهم الله. هكذا ذكر القدوري في "شرحه" وهو الصحيح. (١)

● قال ابن الهمام:

(قوله: ولهما أنه) أي حق الله (يراد به طاعة الله إذ الطاعات حقوقه) وصار ذلك متبادرا شرعا وعرفا حتى كأنه حقيقة حيث لا يتبادر سواه إذ يعلم أنه لا يحظر من ذكره وجوده وثبوت ذاته، والحلف بالطاعات حلف بغيره وغير صفته فلا يكون يمينا، والمعدود من الأسماء الحسنى هوالحق المقرون باللام، وبهذا الوجه من التقرير اندفع ترجيح بعضهم القول بأنه يمين. (٢)

● قال ابن الشحنة:

وحقّ الله لا يكون يمينا في الصحيح. (٣)

● كذا في الكتب الأخر. (٤)

● اعتمد قول الطرفين، الموصلي والنسفي والمحبوبي وصدر الشريعة الأصغر والتمرتاشي وملا خسرو(٥) ترجيحا له كما هو ظاهر.

● قد أخر أصحاب الشروح دليل الطرفين فيها عن دليل الثاني -رحمه الله تعالى- (٦) وذاك ترجيح لقولهما عندهم، وقد سبق بيانه.

١ـ الفتاوى التاتار خانية (٤/٢٩١)

٢ـ فتح القدير (٥/٦٦)

٣ـ لسان الحكام (١/٣٤٦)

٤ـ خلاصة الفتاوى (٢/١٢٦) المحيط البرهاني في الفقه النعماني (٤/٢٠٠)،

تبيين الحقائق (٣/١١١): حيث أيد قولهما بالإجابة عما استدل به الثاني -رحمه الله تعالى-

ملتقى الأبحر (٢/٢٧٣)، حيث قدم قولهمافيه.

الفتاوى الخانية (٢/٣): حيث قدم قولهما فيه.

تحفة الفقهاء (٢/٢٩٨): حيث جعل قولهما ظاهر الرواية.

٥ـ المختار للفتوى (٤/٥٦)، كنزالدقائق (١٦٥)، الوقاية (٢/٢٣٦)، النقاية (١/٧٣١)، تنويرالأبصار (٥/٥١٦)، غررالأحكام (٢/٤١)

٦ـ الهداية (٢/٤٧٨)، الاختيار لتعليل المختار (٤/٥٦)، بدائع الصنائع (٣/١٤)

[۲۱۶] مسئلہ

وكفارة اليمين:... وإن شاء كسا عشرة مساكين كل واحد ثوباً فما زاد، وأدناه ما يجوز فيه الصلاة اھ

توضیح المقام:

قول مذکور امام محمدؒ کا قول ہے جب کہ شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ادنیٰ کسوہ وہ ہے جو بدن کے اکثر حصہ کے لئے ساتر ہو۔[1] وهو الصحيح كما سيأتي

مفتی بہ قول:

مفتی بہ قول کے موافق ہر مسکین کو کم از کم اتنا کپڑا دے جو اس کے اکثر بدن کو چھپا دے کہ وہ لوگوں میں کپڑے پہنا ہوا شمار ہو سکے (محض ما یجوز فیہ الصلاۃ کی مقدار کافی نہیں ہے)۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

قوله تعالى:

﴿فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ﴾ الأية.[2]

اللہ تعالیٰ نے یہاں کسوہ کو مطلق ذکر کیا ہے اور اسکی کوئی مقدار بیان نہیں کی۔ البتہ اس کا ظاہر اس امر کا مقتضی ہے کہ اسے اتنے کپڑے کا مالک بنا دیا جائے جس کے پہننے سے لوگ یہ سمجھیں کہ اس نے کپڑے پہنے ہوئے ہیں کیونکہ آیت سے مقصود بھی یہی ہے کہ مسکین کو اتنا کسوہ تو دیا جائے جس سے وہ لوگوں میں اس حالت میں جا سکے کہ وہ کپڑے پہنا ہوا شمار ہو جیسے چوغہ یا کوئی بڑی چادر وغیرہ جب کہ اقل بدن کے لئے ساتر کپڑا یا محض شلوار وغیرہ پہنے سے عرف میں ننگا شمار کیا جاتا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ ایسے ہی کپڑے پہنے بغیر آ گیا ہے لہٰذا "او کسوتھم" کا اسے مصداق نہیں بنایا جا سکتا۔ الغرض آیت بالا میں

١- تبيين الحقائق (٣/١١٢)، رمز الحقائق (١/٢٠٦)، الهداية (٢/٤٧٩)، مجمع الأنهر (٢/٢٩٥)، الدرر شرح الغرر (٢/٤١)، وغيرها.

٢- [المائدة: ٨٩]

کسوہ سے "اکثر بدن کے لئے ساتر کپڑا جس سے وہ لوگوں میں مکتسی شمار ہو سکے" مراد ہے، واللہ اعلم (۱)

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الزيلعي:

قال –رحمه الله– (وكفارته تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين كهما في الظهار (أو كسوتهم بما يستر عامة البدن)...... وقوله[أو كسوتهم] [المائده: ٨٩] بما يستر عامة البدن أي كسوة عشرة مساكين بثوب يستر عامة الجسد وهو بيان أدنى الكسوة وهذا عند أبي حنيفة وأبي يوسف رضى الله عنهما والمروى عن محمد رحمه الله أن أدناه ما يجوز به الصلاة حتى يجوز السراويل عنده –الى أن قال– والصحيح الأول لأن لا بسه يسمى عريانا في العرف. (٢)

❷ قال ملا خسرو:

(أو كسوتهم) بحيث يكون (لكل) من تلك العشرة (ثوب يستر عامة بدنه فلم يجز السراويل)؛لأن لا بسه يسمى عريانا في العرف (هو الصحيح) المروى عن أبي حنيفة وأبي يوسف لا ماروى عن محمد أن أدناها ما يجوز فيه الصلاة.(٣)

❸ قال الحلبي:

أو كسوتهم كل واحد ثوبا يستر عامة بدنه هو الصحيح فلايجزىء السراويل.

قال داماد أفندى:

قوله: (يستر عامة بدنه) أي أكثره وهو أدناه

قوله: (فلا يجزئ السراويل) وفي المبسوط أدنى الكسوة ما تجوز فيه الصلاة وهو مروى عن محمد، فتجوز السراويل على هذه الرواية، وعنه أنه للرجل يجوز وللمرأة لايجوز ، لكن ظاهر الرواية ما في المتن. (٤)

❹ في الهندية:

وعن أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهماالله تعالى ان أدنى الكسوة ما يستر عامة بدنه حتى لا

١ـ مستفاد من مجموعة ما يلي:

بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٤/٢٦٥) ، أحكام القرآن للجصاص (٤/١٢١)، فتح القدير للكمال ابن الهمام (٥/٧٧)، مجمع الأنهر (٢/٢٦٥)

٢ـ تبيين الحقائق (٣/١١٢)

٣ـ درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٤١)

٤ـ ملتقى الأبحر مع شرحه مجمع الأنهر (٢/٢٦٥)

يجوز السراويل وهو صحيح.[1]

٥ قال العيني:

(أوكسوتهم) أي أو كسوة عشرة مساكين (بما) أي بثوب (يستر عامة البدن) وهذا أدناه عندهما وعند محمد أدناه ماتجوز به الصلاة حتى تجوز السراويل عنده لأنه لابس شرعا...... والصحيح الأول.[2]

٦ قال المرغيناني:

قال: "كفارة اليمين عتق رقبة يجزى فيها ما يجزى في الظهار وإن شاء كسا عشرة مساكين كل واحد ثوبا فما زاد وأدناه ما يجوز فيه الصلاة ثم المذكور في الكتاب في بيان أدنى الكسوة مروى عن محمد وعن أبي يوسف وأبي حنيفة رحمهما الله أن أدناه ما يستر عامة بدنه حتى لايجوز السراويل وهو الصحيح لأن لا بسه يسمى عريانا في العرف.[3]

قال ابن الهمام:

قوله: (وعن أبي حنيفة وأبي يوسف أن أدناه ما يستر عامة بدنه الخ) ...... قال الطحاوى: إذا دفع إلى المرأة فلابد من خمار مع الثوب لأن صلاتها لا تصح دونه، وهذا يشابه الرواية التى عن محمد في دفع السراويل أنه للمرأة لا يكفى، وهذا كله خلاف ظاهر الجواب.

وإنما ظاهر الجواب ما يثبت به اسم المكتسي وينتفى عنه اسم العريان ، وعليه بنى عدم إجزاء السراويل لا صحة الصلاة وعدمها فإنه لا دخل له في الأمر بالكسوة، إذ ليس معناه إلا جعل الفقير مكتسيا على ما ذكرنا.[4]

٧ كذا في الكتب الأخر.[5]

٨ اختار أصحاب المتون قولهما[6] فهذا من ترجيح له أيضا.

---

١ ـ الفتاوى الهندية(٢/٦١)

٢ ـ رمز الحقائق (١/٢٠٦)

٣ ـ الهداية (٢/٤٧٩)

٤ ـ فتح القدير شرح الهداية (٥/٧٧)

٥ ـ الترجيح والتصحيح (٥٠٧)، الدر المختار مع رد المحتار (٥/٥٢٤)، شرح ابن ملك على مجمع البحرين –على هامشه– (٧١٨)، شرح النقاية لملا على القارى (١/٧٣٣)، شرح النقاية لفخر الدين (١/٧٣٣)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٤/٢٦٥)، التفسيرات الأحمدية (٣٦٣،٣٦٤)، الفقه الإسلامى وأدلته (٢٥٨٢)، الموسوعة الفقهية الكويتية (٣٤/٢٥٦)، الفقه على المذاهب الأربعة (٢/٧٦).

٦ ـ كنز الدقائق (١٦٦)، الوقاية (٢/٢٣٦)، النقاية (١/٧٣٣)، غررالأحكام (٢/٤١)، تنويرالأبصار (٥/٥٢٤).

[۲۱۷] مسئلہ

فإن قال "كل حلال عليّ حرام" فهو على الطعام والشراب، إلا أن ينوي غير ذلك.

ملحوظہ:

مذکورہ بالا قول ظاہر الروایۃ ہے اور ہمارے دیار اور زمانے میں یہی صحیح اور مفتیٰ بہ ہے۔[1]

١ـ يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

القول المذكور -في هذا المختصر- هو ظاهر الرواية كما عرفت ولكن لمّا كان عرف أهل بلخ وسمر قند فيه أنهم يريدون به الطلاق، كما يريدون به الطعام والشراب، أفتى مشايخهما فيه بوقوع الطلاق بهذا اللفظ من غير نية لغلبة العرف في استعمال هذا اللفظ في اليمين لإرادة الطلاق. فبذلك نُقِل الإفتاء عليه في الهداية (٢/ ٤٨٠)، والدر المختار (٥/ ٥٣٤)، والفقه النافع (ص:٧٥٩، الفقرة: ٤٩٤)، والبحر الرائق (٤/ ٤٩٤)، وملتقى الأبحر (٢/ ٢٧٤)، وغيرها؛ إلا أن صدَرَ الإفتاء بهذا لعرف ديارهم إذ لا يحلف به عندهم إلا الرجال كما قاله الحصكفي في الدر المختار (٥/ ٥٣٤، ٥٣٥)؛ بينما لم يتعارف هذا اللفظ به في ديارنا -ديار الباكستان عامة و "بنجاب" منها خاصة؛ لأني من أهلها- على ما علمتُ، إذ إنه لهم يختص عندنا بالرجال ويحلف به الرجال والنساء بل يحلف به من الرجال مَن لم يتزوج كما يحلف به المتزوج فالعرف عندنا فيه غير ما عُرِف عندهم، فلذا لم يقع الطلاق به في هذه الديار ما لم ينوه. بل لم يكن ذلك العرف في بعض أمكنة وأزمنة أخرى أيضا حيث ذكر الإمام البزدوي في مبسوطه:

"هكذا قال بعض مشايخ سمرقند ولم يتضح لي عرف الناس في هذا؛ لأن من لا امرأة له يحلف به كما يحلف ذو الحليلة ولو كان العرف مستفيضا في ذلك لما استعمله إلا ذو الحليلة". (انظر: حاشية الشرنبلالي على الدرر (٢/ ٤٢)، وفتح القدير للكمال ابن الهمام (٥/ ٨٥)، وغيرهما)

وكذلك أهل ديار المحقق ابن الهمام -ديار مصرَ- لم يتعارف هذا اللفظ عندهم بهذا المعنى أي قد اختلف عرفهم فيه عن أهل بلخ وسمرقند؛ إذ قال نفسه في "فتح القدير" (٥: ٨٦): "واعلم أن مثل هذا اللفظ لم يتعارف في ديارنا".

والحاصل من هذا كله أن العرف هو المعتبر في انصراف هذه الألفاظ -من أية لغة كانت- إلى معنى بلانية. (فإن لم يتعارف فالأمر معوّل على نيته.) فلذلك ما اتفق أصحاب المتون على قول واحد فيه جزما بل قد اختلفوا فيه: منهم من [illegible]ار وقوع الطلاق به بلا نية كملّا خسرو في "الغرر" (٢: ٤٢)، والتمرتاشي في "التنوير" (٥: ٥٣٤)، ==

== والحلبي في "الملتقى" (٢:٢٧٤)، ومنهم من اعتبر النية فيه واختار ما قاله القدوري في مختصره هذا كالنسفي في "الكنز" (١٦٦)، والموصلي في "المختار" (٤:٥٨)، وابن الساعاتي في "المجمع" (٧٢١) ثم عبّر قول وقوع الطلاق به بلا نية بصيغة التمريض إشارة إلى ضعفه، والمرغيناني في "البداية" (١:٩٧) وبعد ذلك آل الأمر إلى أصحاب الشروح والفتاوى فذكروا في كتبهم -مما يعتمد عليها- وقوع الطلاق بهذا اللفظ بلا نية لغلبة العرف في استعماله أولاً ثم أتوا بقول صحيح في هذا الباب، مما حققه البزدوي فيها، أن لا يخالَف ظاهر الرواية -وهو قول المتقدمين- فيما لم ينو به الطلاق أي لا يفتى بوقوع الطلاق في غير النية، وليكن لفت النظر الآن إلى ما يلي من عباراتهم:

(أ) في فتح القدير للكمال ابن الهمام (٥/٨٥):

(وهذا كله جواب ظاهر الرواية ومشايخنا) أي مشايخ بلخ كأبي بكر الإسكاف وأبي بكر بن أبي سعيد والفقيه أبي جعفر (قالوا يقع به الطلاق منجزا لغلبة الاستعمال) في الطلاق فينصرف إليه من غير نية، وبه أخذ الفقيه أبو الليث. قال المصنف: وعليه الفتوى. وقال البزدوي في مبسوطه: هكذا قال مشايخ سمرقند، ولم يتضح لي عرف الناس في هذا لأن من لا امرأة له يحلف به كما يحلف ذو الحليلة، ولو كان العرف مستفيضا في ذلك لما استعمله إلا ذو الحليلة، فالصحيح أن يقيد الجواب في هذا ويقول إن نوى الطلاق يكون طلاقا، فأما من غير دلالة فالاحتياط أن يقف الإنسان فيه ولا يخالف المتقدمين. واعلم أن مثل هذا اللفظ لم يتعارف في ديارنا بل المتعارف فيه حرام عليّ كلامُك ونحوه كأكل كذا ولبسه دون الصيغة العامة.

(ب) في الفتاوى الهندية (٢/٥٦،٥٥):

ولو قال: كل حل علي حرام فهو على الطعام والشراب إلا أن ينوي غير ذلك ... قيل: يجعل طلاقا بلا نية وهو اختيار مشايخ سمرقند وقال بعض مشايخنا -رحمه الله تعالى- لم يتضح لي عرف الناس في هذا فالصحيح أن نقيد الجواب ونقول إن نوى الطلاق يكون طلاقا وأما من غير دلالة فالاحتياط أن يتوقف المرء فيه ولا يخالف المتقدمين.

(ج) في حاشية الشرنبلالي على الدرر (٢/٤٢):

(قوله: والفتوى على أنه تبين امرأته ... إلخ) قال البزدوي في مبسوطه: هكذا قال بعض مشايخ سمرقند ولم يتضح لي عرف الناس في هذا؛ لأن من لا امرأة له يحلف به كما يحلف ذو الحليلة ولو كان العرف مستفيضا في ذلك لما استعمله إلا ذو الحليلة فالصحيح أن يقيد الجواب في هذا ونقول إن نوى الطلاق يكون طلاقا فأما من غير دلالة فالاحتياط أن يقف الإنسان فيه ولا يخالف المتقدمين ا هـ.

(د) في البحر الرائق (٤/٤٩٤):

(قوله: والفتوى على أنه تبين امرأته من غير نية) لغلبة الاستعمال كذا في الهداية ... وقال البزدوي في مبسوطه: هكذا قال بعض مشايخ سمرقند ولم يتضح لي عرف الناس في هذا ا هـ. ==

قال ابن عابدين (في حاشيته "منحة الخالق" عليه):

(قوله: وقال البزدوي في مبسوطه إلخ) قال الرملي في حاشيته على المنح أقول: ما بحثه جيد موافق لكلام المتقدمين ويحمل كلام صاحب الهداية وغيره على ما إذا لم يكن الاستعمال مشتركا فيه، وفي غيره أما إذا كان مشتركا تعين موافقة المتقدمين وأقول: أكثر عوام بلادنا لا يقصدون بقولهم: أنت محرمة علي، أوحرام علي أو حرمتك علي إلا حرمة الوطء المقابلة لحله ولذلك أكثرهم يضرب مدة لتحريمها ولا يريد قطعا إلا تحريم الجماع إلى هذه المدة ولا شك أنه يمين موجب للإيلاء تأمل؛ فقلّ من حقق هذه المسألة على وجهها وانظر إلى قولهم لا نقول لا تشترط النية لكن يجعل ناويا عرفا فهو صريح في اعتبار العرف فإن لم يكن العرف كذلك بل كان مشتركا تعين اعتبار النية وتصديق الحالف كما هو مذهب المتقدمين. انتهى.

وأخيرا أقول مستعينا بالله عزوجل: هذا ما ظهر لي. والله تعالى أعلم بالصواب، وعلمه أتم.

توثيقه من دار الإفتاء بجامعة دارالعلوم بكراتشي (رقم الفتوى : ۱۴۴۱/۱):

بسم الله الرحمن الرحيم

الجواب حامداً ومصليًا ومسلمًا

نوثق الورق المرفق ونوافق كاتبه فيما وصل اليه من ان ايقاع الطلاق مطلقا بقول الزوج كل حلال على حرام يحتاج الى النية لانه لم يتعارف به الطلاق فى ديارنا فلا يقع به الطلاق ما لم ينو به الزوج۔

والعبارات التى ذكر فيها حكم الطلاق مطلقا من غير احتياج الى النية مبنية على ما اذا تعورف به الطلاق كما ذكر صريحا فى بعض العبارات الفقيهة.

الاختيار لتعليل المختار (۱/۴۲)

ولو قال: كل حلال عليّ حرام فهو على الطعام والشراب إلا أن ينوي غيرهما

البحر الرائق (۴/۳۱۸)

قوله (كل حل علي حرام فهو على الطعام والشراب) والقياس أن يحنث كما فرغ لأنه باشر فعلا مباحا وهو التنفس ونحوه وهذا قول زفر وجه الاستحسان أن المقصود وهو البر لا يحصل مع اعتبار العموم وإذا سقط اعتباره ينصرف إلى الطعام والشراب للعرف فإنه يستعمل فيما يتناول عادة فيحنث إذا أكل أو شرب ولا يتناول المرأة إلا بالنية

البحر الرائق (۴/۳۱۸)

(والفتوى على أنه تبين امرأته من غير نية) لغلبة الاستعمال كذا في الهداية

وقال البزدوي في مبسوطه هكذا قال بعض مشايخ سمرقند ولم يتضح لي عرف الناس في هذا لأن من لا امرأة له يحلف به كما يحلف ذو الحليلة ولو كان العرف مستفيضا في ذلك لما استعمله إلا ذو الحليلة فالصحيح أن يقيد الجواب في هذا فنقول إن نوى الطلاق يكون طلاقا فأما من غير دلالة فالاحتياط أن يقف الإنسان فيه ولا يخالف المتقدمين

البحر الرائق (٣١٩/٤)

والحاصل أن المعتبر في انصراف هذه الألفاظ عربية كانت أو فارسية إلى معنى بلا نية التعارف فيه فإن لم يتعارف سئل عن نيته

اللباب في شرح الكتاب (٣٥٣/١)

ومن حرم على نفسه شيئاً مما يملكه لم يصر محرماً لعينه، وعليه إن استباحه كفارة يمين، فإن قال "كل حلال علي حرام" فهو على الطعام والشراب،

اللباب في شرح الكتاب (٣٥٣/١)

ومن حرم على نفسه شيئًا مما يملكه لم يصر محرماً لعينه، وعليه إن استباحه كفارة يمين، فإن قال "كل حلال علي حرام" فهو على الطعام والشراب، إلا أن ينوي غير ذلك.

بدائع الصنائع (١٦٩/٣)

أما إذا أضافه إلى الأنواع كلها بأن قال كل حلال علي حرام فإن لم تكن له نية فهو على الطعام والشراب خاصة استحسانا ... وجه الاستحسان أن هذا عام لا يمكن العمل بعمومه لأنه لا يمكن حمله على كل مباح من فتح عينه وغض بصره وتنفسه وغيرها من حركاته وسكناته المباحة ... فلم يمكن العمل بعموم هذا اللفظ فيحمل على الخصوص وهو الطعام والشراب باعتبار العرف والعادة لأن هذا اللفظ مستعمل فيهما في العرف ... نوى مع ذلك اللباس أو امرأته فالتحريم واقع على جميع ذلك

شرح فتح القدير (٩٠/٥)

ولو قال كل حلال علي حرام فهو على الطعام والشراب إلا أن ينوي غير ذلك فإذا أكل أو شرب حنث ولا يحنث بجماع زوجته ... وجه

الاستحسان أن المقصود وهو البر لا يحصل مع اعتبار العموم والظاهر أنه لم يعقد للحنث ابتداء أي لا يكون الغرض من عقد اليمين الحنث فكان ذلك قرينة صارفة عن صرافة العموم وإذا سقط اعتباره ينصرف إلى الطعام والشراب للعرف فإنه أي هذا اللفظ يستعمل فيما يتناول عادة وهو الطعام والشراب

الجوهرة النيرة (٥/٣٢٨)

وإن قال: كل حلال عليّ حرام فهو على الطعام والشراب إلا أن ينوي غير ذلك) فائدته أن امرأته لا تدخل في يمينه إلا أن ينويها فإذا نواها كان إيلاء ولا تصرف من المأكول والمشروب وكذا اللّباس لا يدخل في يمينه إلّا أن ينويه وإن قال: كل حلالٍ على حرام ينوي امرأته كان عليها وعلى الطعام والشراب لأن الطعام والشراب يلزمه بظاهر اللفظ وتحريمَ المرأة يلزمه بنيته

مجمع الأنهر (٢/٢٧٣)

وقوله كل حلال علي حرام يحمل على الطعام والشراب إلا أن ينوي غير ذلك وإن نوى امرأته وحدها صدق ولا يحنث بالأكل والشرب قال مشايخنا هذا في عرفهم أما في عرفنا يكون طلاقا عرفا ويقع بغير نية لأنهم تعارفوه فصار كالصريح وعن هذا قال والفتوى على أنه تطلق امرأته بلا نية لغلبة الاستعمال حتى لو قال لم أنو به الطلاق لا يصدق قضاء.

والله تعالى اعلم بالصواب

[التاريخ: ١٠-٠٦-١٤٣٣ه

الموافق ٠٢-٠٥-٢٠١٢م

رقم الفتوى: ١/١٤٤١]

[۲۱۸] مسئلہ

ومن نذر نذرا مطلقا فعليه الوفاء به، وإن علّق نذرا بشرط فوجد الشرط فعليه الوفاء بنفس النذر. وروى أن أبا حنيفة رجع عن ذلك وقال: إذا قال "إن فعلت كذا فعليّ حجة، أو صوم سنة، أو صدقةُ ما أملِكه"، أجزأه من ذلك كفارة يمين، وهو قول محمد.

مفتیٰ بہ قول:

نذرِ مطلق کا تو یہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہے البتہ مفتیٰ بہ قول کے موافق نذرِ معلّق میں قولِ مذکور کی بجائے تفصیلِ ذیل ہے:

اگر اس نذر کو شرطِ مطلوب کے ساتھ معلّق کیا ہے (جیسے إن شفى الله مريضي فعليّ صوم شهر) تو وجودِ شرط کے وقت نفسِ نذر کو پورا کرنا لازم ہوگا۔

اور اگر اسے شرطِ غیر مطلوب سے معلّق کیا ہو (جیسے إن زنيتُ فعليّ كذا) تو حانث ہونے پر اسے اختیار ہوگا: خواہ کفارۂ یمین دے یا نذر پوری کرے۔ دونوں طرح درست ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

أ- عن عائشة رضي الله عنها، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من نذر أن يطيع الله فليطعه، ومن نذر أن يعصيه فلا يعصه". (۱)

ب- عن عقبة بن عامر عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- قال "كفارة النذر كفارة اليمين". (۲)

حدیثِ اول سے معلوم ہوا کہ نذر کا ایفاء ضروری ہے اور ثانی کا مقتضیٰ یہ ہے کہ کفارۂ یمین سے یہ نذر مطلقاً ساقط ہو جائے لہٰذا دفعِ تعارض کیلئے حدیثِ اول کو نذرِ منجز اور ثانی کو معلّق پر محمول کیا جائے گا اور شرطِ مطلوب کے ساتھ معلّق نذر چونکہ من کل وجہ نذر ہوتی ہے اس لیے نذرِ منجز کے ساتھ ملحق ہو کر اس کا حکم بھی حدیثِ اول کے تابع ہوگا (۳) اور شرطِ غیر مطلوب کے معلّق نذر، من وجہ یمین اور من وجہ نذر ہوتی ہے اس لیے ایفائے نذر کے ساتھ ساتھ حدیثِ ثانی کی رو سے اس میں تکفیر

۱۔ صحيح البخارى (۸/۱٤۲) رقم (٦٦٩٦)

۲۔ صحيح مسلم (۵/۸۰) رقم (٤٣٤٢)

۳۔ مستفاد من فتح القدير لابن الهمام (۵/۸۹) والنهر الفائق (۳/٦۲) بتسهيل

(کفارۂ یمین) بھی درست ہوگا۔ اس (تقسیم وتوضیح) پر امام برہان الدین نے مفصل اور سیر حاصل گفتگو کی ہے من شاء فلیراجع۔[1]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الحلبي:

ومن نذر نذرًا مطلقًا أو معلقًا بشرط يريده كإن قدم غائبي ووجد لزمه الوفاء ولو علقه بشرط لا يريده كإن زنيت خير بين الوفاء والتكفير هو الصحيح. [2]

قال داماد آفندي:

قوله: (هو الصحيح) رواية ودراية ... في أكثر المعتبرات هذا هو المذهب الصحيح المفتى به. [3]

قال الحصكفي:

(هو) أي التفصيل المذكور (الصحيح) رواية ودراية. وهو المذهب كما في التنوير وغيره، خلافا لما في القهستاني وغيره من ترجيح إرجاع ضمير هو التكفير فقط، فتنبه. [4]

❷ **قال التمرتاشي والحصكفي:**

(ومن نذر نذرا مطلقا أو معلقا بشرط وكان من جنسه واجب وهو عبادة مقصودة ووجد

١ـ قال في المحيط البرهاني في الفقه النعماني (٢/٣٢٠):

وجه قول أبي حنيفة الآخر: إن النذر المعلق بشرط لا يريد كونه يمين من وجه ، نذر من وجه، يمين باعتبار الشرط؛ لأن الشرط مرغوب عنه فرارًا عما يلزمه جميعًا لله تعالى على الخلوص كالشرط في اليمين بالله مرغوب عنه فرارًا عما يلزمه من الكفارة جميعًا لله تعالى على الخلوص نذر باعتبار الجزاء؛ لأن معلق الشرط صوم، أو صلاة، أو حج كما في النذر المعلق بشرط يريد كونه، وكان نذرًا من وجه يمينًا من وجه علق أحدهما على الآخر؛ لأن اليمين إنما يتم بالشرط والجزاء جميعًا، والجمع بين الوجهين متعذر؛ لأن أحدهما يوجب الكفارة، والآخر يوجب الوفاء بالمسمى، والجمع بين الكفارة والمسمى متعذر؛ لأن العقد واحد فلا يلزمه موجبان وإذا تعذر الجمع بين الوجهين والبعض من هذا، والبعض من ذلك متعذر أيضًا، وجب التوفير (أو التنجيز) ، وهذا بخلاف ما لو علق النذر بشرط يريد كونه، فإنه نذر من كل وجه باعتبار الجزاء والشرط جميعًا؛ لأن الشرط مرغوب فيه، والشرط باليمين بالله مرغوب عنه خوفًا عما يلزمه من الكفارة حقًا لله تعالى، بخلاف ما نحن فيه، وبخلاف النذر المرسل (أي المطلق)؛ لأنه ليس فيه معنى اليمين أصلًا، والله أعلم.

٢ـ ملتقى الأبحر (٢/٢٧٤،٢٧٥)

٣ـ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر (٢/٢٧٥)

٤ـ الدر المنتقى في شرح الملتقى (٢/٢٧٥)

الشـرط) المعلق به (لزم الناذر)... (ثم إن) المعلق فيه تفصيل فإن (علقه بشرط يريده كإن قدم غائبي) أو شفـي مريضي (يوفي) وجوبا (إن وجد) الشرط (و) إن علقه (بما لم يرده كإن زنيت بفلانة) مثلا فحنث (وفى) بنذره (أو كفر) ليمينه (على المذهب)

قال الطحطاوى:

(قوله على المذهب) قال في الإيضاح والإصلاح: وهو الصحيح رواية ودراية. [1]

قال الشامي:

(قـولـه ثـم إن الـمـعلق إلخ) اعلم أن المذكور في كتب ظاهر الرواية أن المعلق يجب الوفاء به مـطـلـقا: أي سواء كان الشرط مما يراد كونه أي يطلب حصوله كإن شفى الله مريضي أو لا كإن كلمت زيـدا أو دخـلـت الـدار فـكـذا، وهـو الـمسمى عند الشافعية نذر اللجاج وروي عن أبي حنيفة التفصيل الـمـذكـور هـنا وأنه رجع إليه قبل موته بسبعة أيام وفي الهداية أنه قول محمد وهو الصحيح. اهـ. ومشى عـلـيـه أصـحـاب الـمتون كالمختار والمجمع ومختصر النقاية والملتقى وغيرها، وهو مذهب الشافعي، وذكر في الفتح أنه المروي في النوادر وأنه مختار المحققين. [2]

❸ قال المحبوبي:

ومـن نـذر نـذرا مطلقا أو معلقا بشرط يريده كإن قدم غائبي فوُجد وفى وبما لم يرده كإن زنيت وفي أو كفّر هو الصحيح. [3]

❹ قال السرخسي:

ولـو جـعـل عـلـيـه حجة أو عمرة أو صوما أو صلاة أو صدقة، أو ما أشبه ذلك مما هو طاعة إن فـعـل كـذا فـفعل لزمه ذلك الذي جعله على نفسه، ولم يجب كفارة اليمين فيه في ظاهر الرواية عندنا، وقـد روي عـن مـحـمـد -رحـمـه الله تعالى- قال: إن علق النذر بشرط يريد كونه، كقوله: إن شفى الله مـريضي، أو رد غائبي لا يخرج عنه بالكفارة، وإن علق بشرط لا يريد كونه كدخول الدار ونحوه، يتخير بيـن الـكـفارة وبين عين ما التزمه ... وروي أن أبا حنيفة -رحمه الله تعالى- رجع إلى التخيير أيضا، فإن عبـد الـعـزيـز بـن خـالد الترمذي -رضي الله عنه- قال: خرجت حاجا فلما دخلت الكوفة قرأت كتاب

١ـ حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٢/ ٣٤٠)

٢ـ رد المحتار على الدر المختار (٥/ ٥٤٢)

٣ـ الوقاية (٢/ ٢٤٠)

النذور والكفارات على أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- ، فلما انتهيت إلى هذه المسألة ، فقال: قف فإن من رأيي أن أرجع، فلما رجعت من الحج إذا أبو حنيفة -رحمه الله تعالى- قد توفي، فأخبرني الوليد بن أبان -رحمه الله- أنه رجع عنه قبل موته بسبعة أيام، وقال: يتخير وبهذا كان يفتي إسماعيل الزاهد -رحمه الله- . قال (أي السرخسي) -رضي الله عنه-: وهو اختياري أيضا لكثرة البلوى في زماننا. [1]

⑤ في الهندية:

من نذر نذرا مطلقا فعليه الوفاء به ... وقد روي عن محمد -رحمه الله تعالى- قال: إن علق النذر بشرط يريد كونه كقوله إن شفى الله مريضي أو رد غائبي لا يخرج عنه بالكفارة كذا في المبسوط. ويلزمه عين ما سمى كذا في فتاوى قاضي خان.

وإن علق بشرط لا يريد كونه كدخول الدار أو نحوه يتخير بين الكفارة وبين عين ما التزمه وروي أن أبا حنيفة -رحمه الله تعالى- رجع إلى التخيير أيضا وبهذا كان يفتي إسماعيل الزاهد قال: -رضي الله تعالى عنه- وهو اختياري أيضا كذا في المبسوط. وهذا التفصيل هو الصحيح كذا في الهداية. [2]

⑥ قال علاؤ الدين ابن عابدين:

قال في الهداية: ومن نذر نذرا مطلقا فعليه الوفاء -ثم ذكر عبارة الهداية متضمنة التفصيل المذكور برمتها حتى وصل إلى قوله:- وهذا التفصيل هو الصحيح ا هـ.

وعليه مشى في متن مجمع البحرين والدرر والغرر، وأفتى به إسماعيل الزاهد ومشايخ بلخ وبعض مشايخ بخارى، واختاره شمس الأئمة والقاضي المروزي. وقال في البزازية: وعليه الفتوى. وقال في الفيض: والمفتى به ما رويناه عن أبي حنيفة من رجوعه، وقد أوضح المسألة العلامة الشرنبلالي في رسالة سماها (تحفة التحرير وإسعاف الناذر الغني والفقير بالتخيير على الصحيح والتحرير) فليراجعها من رام ذلك. [3]

⑦ قال ملا خسرو:

*(نذر مطلقا أو معلقا بشرط يريده فوجد وفى أو بما لا يريده كإن زنيت وفى أو كفر وبه يفتى)

١ـ المبسوط للسرخسي (٨/١٣٥)

٢ـ الفتاوى الهندية (٢/٦٥)

٣ـ قره عيون الأخيار (١١/٥٩)

يعني إن علق نذره بشرط لا يريد ثبوته كالزنا ونحوه فحنث يتخير بين الكفارة وبين الوفاء بما التزم، وهو قول الشافعي في الجديد: وروي أن أبا حنيفة رجع إليه قبل موته بسبعة أيام، وبه كان يفتي الإمام شمس الأئمة السرخسي وغيره من كبار الفقهاء. [١]

❽ كذا في الكتب الأخر. [٢]

١ ـ غرر الأحكام مع شرحه درر الحكام (٢/٤٣)

٢ ـ الفتاوى التاتارخانية (٥/٣١)، الفتاوى البزازية (٤/٢٧١)، فتاوى قاضي خان (٢/٦، ٧)، الفتاوى السراجية (٥٨)، فتاوى النوازل (٢٤٢، ٢٤٣)، الهداية (٢/٤٨٠، ٤٨١)، فتح القدير (٥/٨٨)، الترجيح والتصحيح (٥٠٩)، المحيط البرهاني (٢/٣١٩، ٣٢٠)، لسان الحكام (١/٣٤٨).

[۲۱۹] اختلافی مسئلہ

إن حلف أن لا يأكل رطبا فأكل بسرا مذنّبا حنث عند أبي حنيفة -رحمه الله- (ومحمد، وقال أبويوسف: لا يحنث[1])

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ اس میں طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

''بسر مذنب'' اس کھجور کو کہتے ہیں جس کے نچلے حصے میں کچھ رُطب ہو لہٰذا اس کو کھانے والا ''رطب'' کو بھی کھانے

١ـ المبسوط للسرخسي (١٨٤/٨)، الأصل المعروف بالمبسوط للشيباني (٣٠٥/٣)، الترجيح والتصحيح (٥١١)، الفتاوى التاتارخانية (٣٧٨/٤)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٩٧/٣)، المحيط البرهاني في الفقه النعماني (٢٩٥/٤)، تبيين الحقائق (١٢٦/٣)، شرح النقاية (٧٤٨/١)، شرح النقاية لفخر الدين (٧٤٨/١)، جامع الرموز (٦٨٤/١)، حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٣٥٢/٢).

تنبيه: يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

وقع في بعض الكتب -كالهداية (٤٨٤/٢) وملتقى الأبحر (٢٩١/٢) وغيرهما- هنا قول محمد مع قول أبي يوسف، ولكن الصحيح أنه مع أبي حنيفة كما ذكرت.

قال المحقق في فتح القدير (١١٢/٥):

(حنث عند أبي حنيفة، وقالا: لا يحنث) هكذا ذكر المصنف الخلاف، وأكثر كتب الفقه المعتبرة مثل المبسوط وشروحه وكافي الحاكم وشرح الطحاوي للإسبيجابي وشروح الجامعين والإيضاح والأسرار والمنظومة وغيرها مما يغلب ظن خطأ خلافه ذكر فيها قول محمد مع أبي حنيفة رحمهما الله.

وقال العيني في البناية (٢٢١/٨): والنسخ المعتبرة تشهد بأنه (أي محمدا) مع أبي حنيفة.

وقال الزيلعي في التبيين (١٢٦/٣): وجعل في الهداية قول محمد مع أبي يوسف -رحمه الله- وذكره في المبسوط والإيضاح والأسرار وشروح الجامع الكبير والصغير والمنظومة مع أبي حنيفة.

وقال ابن نجيم في البحر (٥٣٧/٤): وفي أكثر الكتب المعتبرة أن محمدا مع أبي حنيفة.

وقال ملا علي القاري في شرح النقاية له (٧٤٨/١): جعل صاحب الهداية قول محمد مع قول أبي يوسف وفي أكثر الكتب أنه مع أبي حنيفة.

والا شمار ہوگا کیونکہ کھانے میں بسر کی طرح رطب والا حصہ بھی مقصود ہے اگر چہ وہ قلیل مقدار میں ہے مگر حنث کیلئے اتنی مقدار بھی کافی ہے اس لیے کہ اگر یہ شخص بسر سے صرف یہ رطب والا حصہ الگ کر کے کھالے تو پھر حانث ہو جائے گا۔اسی طرح اس کو بسر کے ساتھ کھا جانے کی صورت میں بھی یہی حکم ہوگا۔ (۱)

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (من حلف لا يأكل رطبا، فأكل بسرا مذنِّبا حنث عند أبي حنيفة) قال جمال الإسلام: وهو قول محمد. وقال أبو يوسف: لا يحنث. والصحيح قولهما. (٢)

❷ قال الحلبي:

وفي لا يأكل بسرا فأكله رطبا لا يحنث، ولو أكل مذنبا حنث وكذا لو أكله بعد ما حلف لا يأكل رطبا وقالا: لا يحنث فيهما. (٣) (القول المقدم فيه راجح كما صرح به الشامي في شرح العقود والمصنف في المقدمة وهذا لا يخفى).

❸ قال قاضي خان:

ولو حلف أن لا يأكل رطبا فأكل بسرا مذنبا أو حلف أن لا ياكل بسرا فأكل رطبا فيه بسر كان حانثا في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى. (٤) (اقتصر المصنف العلّام على قول الطرفين لكونه مختارا في الباب وراجحا عنده، كما هو المعروف لدى أهل الفن).

❹ في الهندية:

إذا حلف لا يأكل رطبا فأكل بسرا فيه شيء من الرطب حنث عندهما. (٥) (فالإقتصار فيه علي قولهما وعدم التعرض لقول أبي يوسف -في معرض البيان- يدل على ترجيح قولهما رحمهما الله تعالى

١ـ مستفاد مما يلي:

الهداية (٢/٤٨٤)، البحر الرائق (٤/٥٣٧)، النافع الكبير شرح الجامع الصغير (١/٢٥٨)، المبسوط للسرخسي (٨/١٨٤)، تبيين الحقائق (٣/١٢٧)، رد المحتار (٥/٥٩٣)

٢ـ الترجيح والتصحيح (٥١٠،٥١١)

٣ـ ملتقى الأبحر (٢/٢٩٠،٢٩١)

٤ـ الفتاوى الخانية (٢/٧٦)

٥ـ الفتاوى الهندية (٢/٨٢)

علي ما عرف في أصول الإفتاء).

٥ قد اختار أصحاب المتون قول الطرفين[١] وهذا من ترجيح له أيضا.

٦ وأخر الشارحون وغيرهم دليل الطرفين فيه وضمّنه معظمهم جواب دليل الثاني رحمه الله تعالى[٢] وهذا ترجيح لقولهما عندهم كما عرف في موضعه.

١ـ كنز الدقائق (١٦٩)، الوقاية (٢/٢٥٥)، النقاية (١/٧٤٨)، مجمع البحرين (٧٢٩)، غرر الأحكام (٢/٥١)، تنوير الأبصار (٥/٥٩٣)

٢ـ الهداية (٢/٤٨٤)، المبسوط للسرخسي (٨/١٨٤)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٣/٩٧)، تبيين الحقائق (٣/١٢٧)، البحر الرائق (٤/٥٣٧)، شرح النقاية (١/٧٤٨)، المحيط البرهاني في الفقه النعماني (٤/٢٩٥)

[۲۲۰] اختلافی مسئلہ

ولو حلف أن لا يشرب من دجلة فشرب منها بإناء لم يحنث حتى يكرع منها كرعا عند أبي حنيفة (وقالا: يحنث[1])

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

(۱) عن جابر بن عبدالله: أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم دخل علی رجل من الأنصار ومعه صاحب فسلم النبی صلی الله علیه وسلم وصاحبه فرد الرجل وقال: بأبي انت وأمي في ساعة حارة فقال له: "إن كان عندک ماء بات هذه الليلة في شنة فاسقناه وإلا كرعنا".[2]

زیرِ بحث صورت میں "الشرب من دجلۃ" کی حقیقت (یعنی حقیقی معنی) یہ ہے کہ یہ پینا بطریقِ "کرع" ہو اور یہ حقیقت، مستعملہ بھی ہے جیسا کہ حدیثِ بالا اس پر شاہد ہے نیز بہت سارے لوگ (جیسے چرواہے اور اہلِ بوادی وقریٰ وغیرہ) اسی طرح پانی پیتے ہیں۔ فقہ کا یہ قاعدہ ہے جو اصول کی کتب میں مذکور ہے کہ کسی کلام کی حقیقت جب تک مستعملہ رہے/مہجورہ نہ ہو جائے اس وقت تک اس کو مجاز پر ترجیح حاصل ہے خواہ وہ مجاز، متعارف کی حد تک پہنچ چکا ہو۔[3] مزید برآں برتن سے پینا اس کا مجازی معنی ہے لہٰذا اگر یہ کرع اور اِناء دونوں طرح سے حانث ہو (کیونکہ اِناء سے حانث ہونے کی صورت میں کرع

۱ـ المبسوط للسرخسي (۸/۱۸۷)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (۳/۱۰۶)، الجوهرة النيرة (۲/۴۸۱)، الاختيار لتعليل المختار (۴/۷۰)، الفتاوى الهندية (۲/۹۵)، مجمع الأنهر (۲/۲۹۹)، الهداية (۲/۴۸۷)، تحفة الفقهاء (۲/۳۲۲)، تبيين الحقائق (۳/۱۳۴)، البحر الرائق (۴/۵۵۰)، رمز الحقائق (۱/۲۱۲)، خلاصة الدلائل (۲/۲۶۸)، كشف الحقائق (۱/۲۶۵)، شرح النقاية (۱/۷۴۵)، مجمع البحرين (۷۳۱)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (۲/۵۰)، الفقه النافع (ص: ۷۶۵، الفقرة: ۵۰۲)، الفقه الإسلامي وأدلته (۲۵۲۹).

۲ـ صحيح ابن حبان (۱۲/۱۳۴) رقم (۵۳۱۴)، صحيح البخاری (۱۴/۱۹۰) رقم (۵۶۱۳) وغيرهما واللفظ لأول الذكر

۳ـ قال أبوبكر السرخسي في كتابه الشهير في الأصول المسمى ب"تمهيد الفصول في الأصول" المعروف ب"أصول السرخسي" (۱/۱۸۴):

==

سے بدرجۂ اولیٰ حانث ہوگا جیسا کہ سب اس کے قائل ہیں) تو اس سے ''جمع بین الحقیقۃ والمجاز'' لازم آئے گا جو کہ بہر صورت ممتنع ہے۔[1]

(۲) **قولہ تعالیٰ:**

﴿فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّىْ إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ﴾ الأية.[2]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دریا سے چلّو لے کر پینا ''شرب من النہر'' نہیں ہے چنانچہ صورتِ مذکورہ میں بھی چلّو یا برتن کے ذریعہ پینے سے حانث نہیں ہوگا۔[3]

==

"اللفظ متى كان له حقيقة مستعملة ومجاز متعارف فعلى قول أبي حنيفة مطلقه يتناول الحقيقة المستعملة دون المجاز وعلى قولهما مطلقه يتناولهما باعتبار عموم المجاز"؛ وكذا في أصول البزدوي (۷٦/۱)، وأصول الشاشي (۵۰/۱، ۵۱)، وشرح التلويح على التوضيح (۱۷۹/۱)، ونور الأنوار (۱۱۷)، ودرر الحكام في شرح مجلة الأحكام (٤۹/۱).

وقال دامادأفندي في مجمع الأنهر (۲۹۹/۲):

"وهي (أي الحقيقة) مستعملة فمنعت المصير إلى المجاز وإن كان متعارفا اهـ"؛ وكذا في الهداية (٤۸۷/۲) والبحر الرائق (٤/۵۵۰).

۱ـ مستفاد مما يلي: المبسوط للسرخسي (۱۸۷/۸)، فتح القدير لابن الهمام (۱۲۷/۵)، الفتاوى الولوالجية (۱۸٦/۲)، الهداية (٤۸۷/۲)، البحر الرائق (٤/۵۵۰)، تبيين الحقائق (۱۳٤/۳)

۲ـ [البقرة: ۲٤۹]

۳ـ قال الجصاص في "أحكام القرآن" له (۱٦۷/۲):

قوله عزوجل: "فمن شرب منه فليس مني ومن لم يطعمه فإنه مني إلا من اغترف" يدل على أن الشرب من النهر إنما هو الكرع فيه ووضع الشفة عليه لأنه قد كان حظر الشرب وحظر الطعم منه إلا لمن اغترف غرفة بيده وهذا يدل على صحة قول أبي حنيفة فيمن قال إن شربت من الفرات فعبدي حر أنه على أن يكرع فيه وإن اغترف منه أو شرب بإناء لم يحنث لأن الله قد كان حظر عليهم الشرب من النهر وحظر مع ذلك أن يطعم منه واستثنى من الطعم الاغتراف فحظر الشرب باق على ما كان عليه فدل على أن الاغتراف ليس بشرب منه.

يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

هذا وإن كان لا يصلح أن يستدل به -كما تعقبه المحقق في "الفتح" (۵:۱۲۷، ۱۲۸)- ولكنه لا جرم يصلح ان يستأنس به.

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (ولو حلف لا يشرب من دجلة فشرب منها بإناء لم يحنث حتى يكرع منها كرعا في قول أبي حنيفة). قال العلامة بهاء الدين في شرحه: وقال أبويوسف و محمد: يحنث، والصحيح قول أبي حنيفة. [١]

❷ قال الحلبي:

وفي لا يشرب من دجلة لا يحنث بشربه منها بإناء ما لم يكرع خلافا لهما. [٢] (ومن المعلوم أن القول المقدم فيه راجح كما عرفت سابقا في مواضع عديدة).

❸ قال قاضي خان:

ولو حلف أن لا يشرب من الفرات فشرب منه كرعا كرعا كان حانثا في قولهم وإن أخذ الماء بآنية أو اغترف أو سقاه غيره لا يحنث في قول أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالى. [٣] (فالإقتصار فيه علي قول الإمام وعدم التعرض لقولهما –في معرض البيان– يدل علي ترجيح قوله رحمه الله تعالي علي ما عرف في أصول الإفتاء).

❹ قال الجزيري:

وإذا حلف لا يشربه من شيء يمكن الكرع فيه أي تناول الماء بفمه كالنهر والترعة والحوض فإنه لا يحنث إذا أخذ منه بكفه أو بإناء وشرب، وإنما يحنث إذا كرع فيه ما لم ينو عدم الشرب منه مطلقًا فإنه يحنث بالشرب منه على أي حال. [٤]

❺ مشى أصحاب المتون على قول الإمام [٥] وهذا ترجيح له أيضا.

❻ أخر الشارحون وغيرهم دليل الإمام فيه وضمّنه بعضهم جواب دليلهما (وهذا ترجيح لقوله

١ـ الترجيح والتصحيح (٥١١)

٢ـ ملتقى الأبحر (٢/٢٩٩،٣٠٠)

٣ـ الفتاوى الخانية (٢/٦٧)

٤ـ الفقه على المذاهب الأربعة (٢/٩٦)

٥ـ المختار للفتوى (٤/٧٠)، كنز الدقائق (١٧١)، الوقاية (٢/٢٥٣)، النقاية (١/٧٤٥)، غرر الأحكام (٢/٥٠)، تنوير الأبصار (٥/٦١٥)، بداية المبتدى (١/١٠٠).

عندهم كما لا يخفى وقد مر بيانه غير مرة.) [1]

[۲۲۱]مسئلہ

وإن حلف لا يكلم فلانا فكلمه وهو
بحيث يسمع إلا أنه نائم حنث.

مفتی بہ قول:

مفتی بہ قول کے موافق نائم کے ساتھ بات کرنے سے اگر وہ اس کی آواز سے جاگ جائے تو پھر حانث ہوگا ورنہ محض اس کے کان میں آواز کے پہنچ جانے سے وہ حانث نہیں ہوگا۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

ہر عام و خاص اس سے آگاہ ہے کہ تکلم شخصِ حاضر کے ساتھ ہوتا ہے، غائب کے ساتھ نہیں ہوتا، اسی طرح کوئی انسان نائم کے ساتھ متکلم نہیں کہلاسکتا کیونکہ نائم بھی بمنزلہ غائب کے ہے (الا یہ کہ وہ اس کی بات سن کر جاگ جائے تو پھر حکمِ حاضر میں ہوجانے کی بدولت اس کے ساتھ کلام متحقق ہوجائے گا)۔ [2]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ **قال التمرتاشي والحصكفي:**

(حلف لا يكلمه فناداه وهو نائم فأيقظه) فلو لم يوقظه لم يحنث، وهو المختار

قال الشامي:

(قوله هو المختار) خلافا لما ذكره القدوري من أنه يحنث إذا كان بحيث يسمع اهـ. [3]

قال الطحطاوي:

١ـ الهداية (٢/٤٨٧)، المبسوط للسرخسي (٨/١٨٧)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٣/١٠٦)، تبيين الحقائق (٣/١٣٤)، البحرالرائق (٤/٥٥٠)، مجمع الأنهر (٢/٢٩٩)، الفتاوى الولوالجية (٢/١٨٦)، الفقه النافع (ص:٧٦٥، الفقرة: ٥٠٢)، كشف الحقائق (١/٢٦٥).

٢ـ مستفاد من تحفة الفقهاء (٢/٣٣٢) والمبسوط للسرخسي (٩/٢٢) بتسهيل وإضافة يسيرة.

٣ـ الدر المختار مع رد المحتار (١٠/٦٢٣)

(قوله هو المختار) وذلك أنه إذا لم ينتبه كان كما إذا ناداه من بعيد، وهو بحيث لا يسمع صوته. ومقابله ما للقدوري أنه لا يشترط الإيقاظ.[1]

❷ قال سراج الدين ابن نجيم:

(لا يكلمه فناداه وهو نائم فأيقظه أو إلا بإذنه فأذن له ولم يعلم فكلمه حنث) في الوجهين أما الأوّل فلأنه كلمه ووصل كلامه إلى سمعه ولذا شرط أن يوقظه وأفهم به أنه لو لم يوقظه لم يحنث وهو الذي عليه مشايخنا وهو المختار خلافا لما ذكره القدوري من أنه يحنث إذا كان بحيث يسمع اهـ.[2]

❸ قال السرخسي:

ولو حلف لا يكلم فلانا... لو ناداه وهو نائم فأيقظه حنث وهذا ظاهر وقع في بعض نسخ الأصل فناداه أو أيقظه وهذا إشارة إلى أنه وإن لم ينتبه بندائه فهو حانث؛ لأنه أوقع صوته في أذنه ولكنه لم يفهم لمانع، والأظهر أنه لا يحنث.[3]

❹ قال الزيلعي:

قال -رحمه الله- (لا يكلمه فناداه وهو نائم فأيقظه أو إلا بإذنه فأذن له ولم يعلم فكلمه حنث) أي لو حلف لا يكلم فلانا فناداه وهو نائم فنبهه أو حلف لا يكلمه إلا بإذنه فأذن له ولم يعلم الحالف بالإذن حنث أما الأول فلأنه كلمه وأسمعه فيحنث ولو لم يوقظه ذكر القدوري أنه إذا كان بحيث يسمع لو لم يكن نائما يحنث يعني بحيث يسمع لو أصغى أذنه... والمختار الأول.[4]

❺ قال ملا خسرو:

(حنث في لا يكلمه إن كلمه نائما فأيقظه) لأنه كلمه وأسمعه فيحنث ولو لم يوقظه ذكر القدوري أنه إن كان بحيث يسمع لو لم يكن نائما وأصغى إليه أذنه يحنث والمختار الأول.

قال الشرنبلالي:

(قوله والمختار) هو الأول قال في البرهان وهو الأظهر.[5]

❻ قال الحلبي:

وفي لا يكلمه فكلمه بحيث يسمع وهو نائم حنث إن أيقظ وقيل مطلقا.

١ـ حاشية الطحطاوى علي الدر المختار (٢/٣٥٩)

٢ـ النهر الفائق (٣/٨٨)

٣ـ المبسوط للسرخسي (٩/٢٢)

٤ـ تبيين الحقائق (٣/١٣٦)

٥ـ غرر الأحكام مع شرحه درر الحكام وحاشية الشرنبلالى عليه (٢/٥٦)

قال داماد أفندي:

قوله: (نائم حنث إن أيقظه)، وهو رواية المبسوط وعليه مشايخنا، وهو المختار. وفي التحفة، وهو الصحيح. [1]

قال الحصكفي:

قوله: (وفي لا يكلمه فكلمه بحيث يسمع وهو نائم حنث إن أيقظ) ولو لم يوقظه لم يحنث هو الصحيح. [2]

❼ في الهندية:

لو حلف لا يكلم فلانا فناداه الحالف من بعيد فإن كان بحيث لا يسمع صوته لا يحنث وإن كان البعد بحيث يسمع صوته يحنث وكذا لو كان المحلوف عليه نائما فناداه الحالف فإن أيقظه حنث وإن لم يوقظه ذكر الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسي -رحمه الله تعالى-: الصحيح أنه لا يحنث هكذا في شرح الجامع الصغير لقاضي خان وهو الذي عليه مشايخنا رحمهم الله تعالى وهو المختار كذا في النهر الفائق. [3]

❽ قال العيني:

(لا يكلمه فناداه وهو نائم فأيقظه أو إلا بإذنه فأذن له ولم يعلم فكلمه حنث) في الوجهين جميعا أما الأول فلأنه كلمه وأسمعه فيحنث ولو لم يوقظه ذكر القدوري أنه إذا كان بحيث يسمع لو لم يكن نائما يحنث والمختار الأول. [4]

❾ كذا في الكتب الأخر. [5]

❿ واختاره النسفي، والمحبوبي، وصدر الشريعة الأصغر، وابن الساعاتي، والتمرتاشي، وملا خسرو. [6] وهذا لكونه راجحا عندهم على ما تقرر في الأصول.

١ ـ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر (٢/٣٠٣)

٢ ـ الدر المنتقى في شرح الملتقى (٢/٣٠٣)

٣ ـ الفتاوى الهندية (٢/٩٧)

٤ ـ رمز الحقائق (١/٢١٣)

٥ ـ تحفة الفقهاء (٢/٣٣٢)، البحر الرائق (٤/٥٥٧)، الهداية (٢/٤٨٨)، الفتاوى التاتارخانية (٤/٣٢١)، شرح الطائي علي الكنز (٢/٢١٣)، العناية (٥/١٣٤)، الفقه الإسلامي وأدلته (٦/٢٥٠٠).

٦ ـ كنز الدقائق (١٧١)، الوقاية (٢/٢٦)، النقاية (١/٧٥٥)، مجمع البحرين (٧٣٣)، تنوير الأبصار (٥/٦٢٣)، غرر الأحكام (٢/٥٦)

[۲۲۲] اختلافی مسئلہ

وكذلك (أي كالزمان -وهو على ستة أشهر- كما مر آنفا) "الدهر" عند أبي يوسف و محمد. (رحمهما الله)

توضیح المقام:

واضح رہے کہ مسئلہ بالا میں صحیح قول کے موافق ''الدہر'' (معرف باللام) کی صورت میں ہمارے ائمہ ثلاثہ کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ اس سے بالاتفاق اَبدی مدت یعنی عمر بھر کا زمانہ مراد ہے۔ بلکہ یہاں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ میں اختلاف ''دھر'' (اسمِ منکّر) کی صورت میں ہے کہ اگر کسی نے کہا: "لا أكلم فلانا دهرًا" تو اس میں صاحبینؒ کا یہی مذکورہ بالا مذہب ہے (کہ چھ ماہ کی مدت مراد ہوگی) اور امام صاحبؒ سے اس بارے میں ''دھر'' سے تعیینِ مدت کی بجائے بطریقِ توقف یہ قول منقول ہے: إذا قال "دهرًا" لا أدري ما هو۔

الحاصل امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے موافق اس میں ''دھر'' سے کوئی مدتِ معیّنہ مراد لینے کی بجائے حالف کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا اور عدمِ نیت کی صورت میں امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے توقف ہے یعنی کوئی حکم منقول نہیں ہے۔[1]

---

١ ـ انظر له:

فتح القدير (١٤٥/٥)، بدائع الصنائع (٨١/٣)، مجمع الأنهر (٣٠٨/٢)، اللباب للميداني (١١٧/٣)، حاشية الشرنبلالي على الدرر (٥٩/٢)

تنبيه هام:

إنما توقُّفُ إمامنا الأعظم رحمه الله تعالى فيه من الكمال -لا من النقصان كما طعن فيه بعض الطاعنين- فسترى من كلام مشايخنا نبذة منه في السطور التالية:

(أ)- قال السرخسي في "المبسوط" (١٧/٩):

وأبوحنيفة -رحمه الله تعالى- يقول: قد علمت بالنص أن الحين بعض الدهر، ولم أجد في تقدير الدهر شيئا نصا ونصب المقادير بالرأي لا يكون وإنما يعتبر العرف فيما لم يرد نص بخلافه فلهذا توقف ولا عيب عليه في ذلك، ألا ترى أن ابن عمر -رضي الله عنه- لما سئل عن شيء فقال: لا ادري حين لم يحضره جواب ثم قال: طوبى لابن عمر سئل عما لا يدري فقال: لا أدري؟ وقيل إنما قال: لا أدري؛ لانه حفظ لسانه عن الكلام في معنى الدهر ==

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

روى ابن حزم من طريق يحي بن سعيد القطان عن سفيان الثوري حدثني طارق بن عبدالرحمن عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال: "الحين ستة أشهر". [1] ثم قال -القائل ابن حزم-: وهو قول سعيد بن جبير، والشعبي. أقول -القائل العبد الضعيف-: وهو قول عليّ[2] وعكرمة[3] أيضا.

== فقد جاء في الحديث عن النبي -صلى الله عليه وسلم- أنه قال "لا تسبوا الدهر فإن الله هو الدهر" معناه أنه خالق الدهر، وفي حديث آخر "أن النبي --صلى الله عليه وسلم- قال فيما يؤثر عن ربه: استقرضت من عبدي فأبي أن يقرضني، وهو يسبّني ولا يدري فسب الدهر ويقول: وادهراه وإنما أنا الدهر" حديث فيه طول فلهذه الآثار الظاهرة حفظ لسانه وقال: لا أدري ما الدهر. وهو كما روي "أن النبي -عليه الصلوة والسلام- سئل عن خير البقاع فقال: لا أدري حتى أسأل جبريل، فسأل جبريل فقال: لا أدري حتى أسأل ربي، فصعد إلى السماء ثم نزل وقال: سألت ربي عن ذلك فقال: خير البقاع المساجد، وخير أهلها من يكون أول الناس دخولا وآخرهم خروجا"

فعرفنا أن التوقف في مثل هذا يكون من الكمال لا من النقصان.

(ب)- قال الكاساني في "البدائع" (٨٢،٨١/٣):

إنه توقف في المنكر لا في المعرف أو لم يعرف حقيقة معناه لغة فتوقف فيه، والتوقف فيما لا يعرف لعدم دليل المعرفة ولتعارض الأدلة وانعدام ترجيح البعض على البعض أمارة كمال العلم وتمام الورع.

(ج) - قال ابن الهمام في "الفتح" (١٤٥/٥):

وإنما توقفه في المنكر لأن استعمالاته لم تثبت على الأنحاء الثلاثة المديد والقصير والوسط، فلم يدر بما ذا يقدر، وتقديره بالمتيقن وهو أقل ما ينطلق عليه اسم الزمان فيه من الاستبعاد ما تقدم ولم يثبت توقيت فيه زائد عليه فلزم التوقف... وتوقفه دليل فقهه ودينه وسقوط اعتباره نفسه، رحمنا الله به.

(د) - قال سراج الدين ابن نجيم في "النهر" (٩٣/٣):

قال (أي ابو حنيفة): لا أدرى ما هو وهو أول دليل على نهاية كماله إذ قد ثبت هذا عن الجناب الرفيع صلى الله عليه وسلم وعن جبريل أيضا.

١ـ المحلى بالآثار (٣٢٠/٦)

قال شيخنا العثماني في "الإعلاء" (٤٢٩/١١) عنه:

"والسند المذكور صحيح، وطارق بن عبدالرحمن من رجال الجماعة صدوق (تقريب ٩١)".

٢ـ أخرجه البيهقي في السنن الكبرى (٦١/١٠) برقم (٢٠٥١٠)

٣ـ أخرجه البيهقي في السنن الكبرى (٦٢/١٠) برقم (٢٠٥١٣)، وابن أبي شيبة في مصنفه (١٠٠/٣) برقمين: (١٢٤٧١) و (١٢٤٧٦).

''دھر'' کا لفظ بھی ''حِین'' کی طرح استعمال ہوتا ہے چنانچہ ''ما رأیتک منذ حینٍ'' اور ''ما رأیتک منذ دھرٍ'' ایک ہی معنی میں بولے جاتے ہیں۔

الغرض جب اس کا استعمال ''حِین'' کی طرح ہوا تو آثارِ مذکورہ کی رو سے ''حین'' کا اطلاق چھ ماہ کی مدت پر ہوتا ہے لہٰذا یہاں بھی ''دھر'' سے یہی مدت مراد ہوگی۔ (١)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الحصكفي:

(وإن قال الدهر أو الأبد فهو على العمر ولو قال: "دهرا" فقد توقف الإمام وعندهما هو كالزمان)... وغير خاف أنه إذا لم يرد عن الإمام شئ في مسألة وجب الإفتاء بقولهما. (٢)

❷ وقال الحصكفي في الدر المختار كما قال في شرحه على الملتقى من التصريح بالإفتاء على قول الصاحبين. (٣)

❸ قال الطائي:

(و "دهرٌ" مجمل.) أي غير مفسر عند الإمام؛ حيث قال : لا أدري ما هو... وقالا: هو ستة أشهر وبه يفتى. (٤)

❹ قال سراج الدين ابن نجيم: (و "دهر" مجمل) أى غير مفسر عند الإمام، حيث قال: لا أدرى ما هو... وقالا: إنه كالحين لأنه استعمل استعماله فإن قولك ما رأيتك منذ ذهر ومنذ يومٍ واحدٌ، وغير خاف أنه إذا لم يرد عن الإمام شئ في مسألة وجب الإفتاء بقولهما. (٥)

❺ قال الشامي:

وحيث لم يوجد له اختيار ... فقول يعقوب هو المختار

ثم محمد فقوله الحسن ... ثم زفر وابن زياد الحسن (٦)

فبذلك قولهما هو المختار فيه.

١۔ البحرالرائق (٤/ ٥٧٠)، الهداية (٢/ ٤٩٠)، تبيين الحقائق (٣/ ١٤٠)

٢۔ الدر المنتقى (٢/ ٣٠٦،٣٠٧)

٣۔ الدر المختار (٥/ ٦٣٨)

٤۔ شرح الطائى على الكنز (٢/ ٢١٤)

٥۔ النهر الفائق (٣/ ٩٣)

٦۔ شرح عقود رسم المفتى (١٨)

[۲۲۴،۲۲۳] اختلافی مسئلہ

ولو حلف أن لا يكلمه الأيام فهو على عشرة أيام عند أبي حنيفة وقال أبويوسف و محمد: هو على أيام الأسبوع. ولو حلف أن لا يكلمه الشهور فهو على عشرة أشهر عند أبي حنيفة وقال أبويوسف و محمد: هو على اثني عشر شهرا.

مفتی بہ قول:

فتویٰ ان دونوں مسئلوں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

''الأیام'' اور ''الشهور'' میں سے ہر ایک معرّف باللام جمع کا صیغہ ہے، اس لیے خاص ''صیغۂ جمع'' کے ساتھ ذکر کیے جانے والے تمام اعداد میں سے (استغراقِ معہود کی بدولت) انتہائی و آخری عدد لیا جائے گا اور وہ ''دس'' ہے کیونکہ دس تک ''أیام'' جمع کا لفظ مستعمل ہے اسکے بعد صیغۂ جمع ختم ہو جاتا ہے اور مفرد کا صیغہ استعمال ہونا شروع ہو جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے: ثلاثة أيام ...... عشرة أيام پھر دس کے بعد کہا جاتا ہے: **أحد عشر يوما وعشرون يومًا وماة يومٍ والف يومٍ**۔ اسی قیاس پر ''الشهور'' کو بھی سمجھ لیں، کہا جاتا ہے: **عشرة أشهر/ شهور و أحد عشر شهرا وألف شهر**۔ (1)

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ **قال ابن قطلوبغا:**

قوله: (وإن حلف لا يكلمه الأيام فهو على عشرة أيام عند أبي حنيفة وقال أبويوسف ومحمد: الأيام: الأسبوع، ولو حلف لا يكلمه الشهور فهو على عشرة أشهر عند أبي حنيفة وقال أبويوسف ومحمد: اثنا عشر شهرا).

قال جمال الإسلام: الصحيح قول أبي حنيفة. (2)

❷ **قال الحصكفي:**

۱۔ البحر الرائق (٤/٥٧٠)، الهداية شرح البداية (٢/٤٩٠)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٣/٨٣)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٥٩)، مجمع الأنهر (٢/٣٠٨)، حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٢/٣٦٤)، النهر الفائق (٣/٩٤)

۲۔ الترجيح والتصحيح (٥١٥)

(ولـو قـال أيـامـا أو شهـورا أو سنين فعلى ثلاثة) من كل صنف بلا خلاف لأنه أقل الجمع (وإن عـرّف فـعـلى عشرة كأيام كثيرة) عنده فيهما (وقالا) يقع (على جمعة) أي أسبوع (في الأيام و) يقع على (سنة في الشهور و) يقع على (العمر في السنين) ، والصحيح قول الإمام كما في المضمرات.[1]

❸ قال داماد أفندي:

(وإن عـرف) أي قال لا أكلمه الأيام أو الشهور أو السنين (فعلى عشرة كأيام كثيرة)؛ لأنه جمع معرف فينصرف إلى أقصى ما يذكر من الجمع، وهو العشرة عند الإمام هو الصحيح.[2]

❹ قال القهستاني:

(وأيـام كثيرة والأيام) والجُمع (والشهور) والسنون والدهور والأزمنة (عشرة) منها عنده وهو الصحيح كما في المضمرات.[3]

❺ في الهندية:

ولـو حلف لا يكلمه الشهور فهو على عشرة أشهر عند أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالى –ثم قال بعد أسـطر عديدة– إن حلف لا يكلمه الأيام فهو على عشرة أيام عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى.[4] (فالاقتصار فيهـما علي قول الإمام وعدم التعرض لقولهما –في معرض البيان– يدل على ترجيح قوله رحمه الله تعالي علي ما عرف في أصول الإفتاء).

❻ قال الجزيري:

وإذا قـال: واللّٰه لا أكلم فلانًا أيامًا كثيرة أو قال: لا أكلمه الأيام أو الشهور أو السنين أو الجمع أو الأزمنة فإن يمينه تنصرف إلى عشرة من كل نوع.[5]

❼ اختار أصحاب المتون قول الإمام فيهما[6] وهذا ترجيح له أيضا.

❽ أخـر الشـارحون وغيرهم دليل الإمام فيهما وضمن بعضهم جواب دليلهما (وهذا ترجيح لقوله عندهم كما عرف في موضعه).[7]

١ـ الدر المنتقى (٢/٣٠٨)

٢ـ مجمع الأنهر (٢/٣٠٨)

٣ـ جامع الرموز (١/٧٥٧)

٤ـ الفتاوى الهندية (٢/١٠٥ و ١٠٦)

٥ـ الفقه على المذاهب الأربعة (٢/١٠٩)

٦ـ المختار للفتوى (٤/٦٦)، كنز الدقائق (١٧٣)، الوقاية (٢/٢٧٠)، النقاية (١/٧٦٠)، غرر الأحكام (٢/٥٩)، تنويرالأبصار (٥/٦٣٩،٦٤٠)

٧ـ الهداية شرح البداية (٢/٤٩٠)، وكذا انظر له: البحر الرائق (٤/٥٧٠)، تبيين الحقائق (٣/١٤٠)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٣/٨٣)، الاختيار لتعليل المختار (٤/٦٧)، الفقه النافع (ص:٧٧٤، الفقرة: ٥١١)، النهر الفائق (٣/٩٤)

كتاب الدعوى

[۲۲۵] اختلافی مسئلہ

فإن قال (المدعي) : "لي بيّنة حاضرة" وطلب اليمين لم يستحلف عند أبي حنيفة (وقال أبويوسف: يستحلف. ومحمد مع أبي حنيفة في رواية ومع أبي يوسف في أخرى. (۱)

توضیح المقام:

واضح رہے کہ اختلافِ مذکور صرف اس صورت میں ہے جب گواہ شہر میں موجود ہوں کیونکہ اگر شہر سے باہر ہوں تو بالا جماع قسم لی جائے گی اسی طرح اگر قاضی کی مجلس میں موجود ہوں تو بالا جماع قسم نہیں لی جائے گی۔ (۲)

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم – في قصة الكندي والحضرمي، لمّا أتياه يختصمان وقد ادّعى الحضرمي عليه في الأرض – للحضرمي: "ألك بينة". قال: لا. قال: "فلك يمينه". (۳)

حدیثِ بالا سے معلوم ہوا کہ یمین، بیّنہ نہ ہونے کے وقت حجت ہوتی ہے، چونکہ یہاں بیّنہ موجود ہے اس لئے مدعی

۱۔ تبيين الحقائق (۴/۳۰۰)، مجمع الأنهر (۳/۳۵۳)، البحر الرائق (۷/۳۵۸)، شرح النقاية (۲/۳۴۳)، الهداية (۳/۲۱۰)، جامع الرموز (۲/۴۷۵)، الفتاوى الهندية (۳/۳۲۵)، الجوهرة النيرة (۲/۴۹۸)، المحيط البرهاني في الفقه النعماني (۸/۲۵).

۲۔ تبيين الحقائق (۴/۳۰۰)، شرح النقاية (۲/۳۴۳)، مجمع الأنهر (۳/۳۵۳)، الدر المنتقى (۳/۳۵۳)، الدر المختار (۸/۳۴۹)، رمز الحقائق (۲/۱۰۶)، الجوهرة النيرة (۲/۴۹۹).

۳۔ متفق عليه واللفظ لمسلم (۱/۸۶) رقم (۳۷۵)

علیہ سے قسم نہیں لی جائے گی۔ [1]

(۲) بیّنہ- حجت ہونے میں-یمین سے اَقوی ہے کمالا یخفی لہٰذا حجتِ اقوی کے ہوتے ہوئے حجتِ ادنی کی طرف رجوع کرنا درست نہیں ہے جیسا کہ عمل بالنص کے اِمکان کے وقت عمل بالقیاس کی گنجائش نہیں ہوتی۔ [2]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وإن قال: "لي بيّنة حاضرة" وطلب اليمين لم يستحلف عند أبي حنيفة).

قال في الهداية: معناه حاضرة في المصر وقال أبويوسف رحمه الله يستحلف، ومحمد مع أبي يوسف فيما ذكره الخصاف ومع أبي حنيفة فيما ذكر الطحاوي. وقال جمال الإسلام: الصحيح قول أبي حنيفة. [3]

❷ قال الحصكفي:

(فإن قال المدعي لي بيّنة حاضرة) أي في المصر (وطلب يمين خصمه لا يحلف) خلافا لهما والصحيح قوله كما في المضمرات وغيرها. [4]

❸ قال داماد أفندى:

(فإن قال المدعي لي بيّنة حاضرة) في المصر (وطلب يمين خصمه لا يحلف) عند الإمام وهو الصحيح كما في المضمرات وغيرها. [5]

❹ قال القهستاني:

(وإن قال) المدعي (لي بيّنة حاضرة) في المصر أو في المجلس (وطلب حلف الخصم لا يحلف) الخصم عنده ويحلف عند أبي يوسف رحمه الله تعالى في الصورتين وقول محمد رحمه الله تعالى مضطرب والأول الصحيح كما في الزاد. [6]

١ـ خلاصة الدلائل لحسام الدين الرازى (٢/٢٨١، ٢٨٢)، الاختيار لتعليل المختار (٢/١٢١)، فتاوى النوازل (٣٩٨).

٢ـ هذا ما أفاده السمرقندي في الفقه النافع (ص: ١١٩١، الفقرة: ٩٤٥).

٣ـ الترجيح والتصحيح (٥٢٠)

٤ـ الدر المنتقى (٣/٣٥٣)

٥ـ مجمع الأنهر (٣/٣٥٣)

٦ـ جامع الرموز (٢/٤٧٥)

٥ قال السمرقندي:

وإن قال: "لي بيّنة حاضرة" في المصر لم يستحلف عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى؛ لأن اليمين مرتبة على فقد البينة.[١] (اقتصر المصنف العلّام على قول الإمام والحجة له لكونه مختارا في الباب وراجحا عنده، كما لا يخفى).

٦ اختار أصحاب المتون قاطبةً قول الإمام[٢] وهذا ترجيح له أيضا.

٧ قد أخر أصحاب الشروح وغيرهم دليل الإمام فيه.[٣] وذاك من ترجيح لقول الإمام عندهم حسب ما عرف من صنيعهم في المختار لديهم.

---

[٢٢٦] اختلافی مسئلہ

وإن كانت الدعوى نكاحا لم يستحلف المنكر عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى. ولا يستحلف في النكاح، والرجعة، والفيء في الإيلاء، والرق، والاستيلاد، والنسب، والولاء، والحدود، واللعان. وقالا: يستحلف في ذلك كله، إلا في الحدود واللعان.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

أ- حدثنا محمد بن يحيى حدثنا عمرو بن أبي سلمة أبوحفص التنيسي عن زهير عن ابن جريج عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا ادعت المرأة طلاق زوجها

---

١ ـ فتاوى النوازل (٣٩٨)

٢ ـ المختار للفتوى (٢/١٢١)، كنز الدقائق (٣١٣،٣١٤)، الوقاية (٣/٢٠٧،٢٠٨)، النقاية (٢/٣٤٣)، مجمع البحرين (٧٤٦)، غرر الأحكام (٢/٣٣٥)، تنوير الأبصار (٨/٣٤٩)، بداية المبتدى (١/١٦٤)، ملتقى الأبحر (٣/٣٥٢،٣٥٣)

٣ ـ الهداية شرح البداية (٣/٢١٠)، تبيين الحقائق (٤/٣٠٠)، البحر الرائق (٧/٣٥٨)، بدائع الصنائع (٥/٣٣٩)، الاختيار لتعليل المختار (٢/١٢١)، رمز الحقائق (٢/١٠٦)، المحيط البرهاني في الفقه النعماني (٨/٢٥).

فجاءت على ذلك بشاهد عدل استحلف زوجها، فإن حلف بطلت شهادة الشاهد، وإن نكل فنكوله بمنزلة شاهد آخر وجاز طلاقه. [1]

اس حدیث میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مدعیٰ علیہ کے نکول کو مدعی کیلئے دوسرے گواہ کے قائم مقام قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ "نکول" اقرار کے قائم مقام ہے۔ [2]

(ب)– عن عبدالله بن عوف من أهل فلسطين قال: أمرت امرأة وليدة لها أن تضطجع عند زوجها، فحسب أنها جاريته، فوقع عليها وهو لا يشعر. فقال عثمان بن عفان: "أحلفوه لما شعر، فإن أبى أن يحلف فارجموه، وإن حلف فاجلدوه مائة جلدة، واجلدوا امرأته مائة جلدة، واجلدوا الوليدة الحد". [3]

اثرِ مذکور میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے قسم سے انکار کو اقرار کا درجہ دے کر حکم صادر فرمایا۔ نیز امام طحاویؒ نے اس کے ذیل میں لکھا ہے کہ حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ (یعنی نکول کو بمنزلۂ اقرار شمار کرکے حکم دینے) کی کسی صحابی نے نہ مخالفت کی اور نہ ہی اس پر کوئی انکار کیا۔ [4]

(ج)– عن بن أبي مليكة عن بن عباس أنه أمره أن يستحلف امرأة فأبت أن تحلف فألزمها ذلك. [5]

اس اثر میں عورت کے انکارِ قسم کو اقرارِ دعویٰ جانا گیا ہے اسی لیے تو اس پر وہ لازم فرمادیا۔

روایاتِ بالا سے معلوم ہوا کہ "نکول" اقرار کے قائم مقام ہے کما عرفته بالوضوح۔ چنانچہ اشیاءِ مذکورہ میں

١۔ سنن ابن ماجه (١/٦٥٧) رقم (٢٠٣٨)، سنن الدار قطني (٤/١٦٦).

قال البوصيري في مصباح الزجاجة (٢/١٢٥): هذا إسناد حسن رجاله ثقات.

قال شيخنا العثماني في "الإعلاء" (١٥/٣٩٥):

رواه ابن ماجه في سننه والدارقطني بهذا السند هكذا بلفظه وسنده إلى عمرو بن شعيب صحيح على شرط البخاري، فإن محمد بن يحي هو الذهلي الإمام الحافظ الحجة أخرج له الجماعة إلا مسلم وعمرو بن أبي سلمة من رجال الجماعة صدوق، وثقه ابن سعد ويونس وغيرهما. وزهير هو ابن محمد التميمي من رجال الجماعة ثقة، وابن جريج من رجال الجماعة لا يسأل عنه.

٢۔ إعلاء السنن (١٥/٣٩٦)

٣۔ شرح مشكل الآثار (١٥/١٧٧، ١٧٨) رقم (٥٩٣٣)

٤۔ شرح مشكل الآثار (١٥/١٧٨)، نصب الراية (٤/١٢٦).

٥۔ مصنف ابن أبي شيبة (٤/٤٢٩) رقم (٢١٧٩٨)

قلت: رجاله ثقات (حفص هو ابن غياث النخعي، ابن جريج هو عبدالملك بن عبدالعزيز القرشي وابن أبي مليكة هو عبدالله بن عبيدالله القرشي).

مدعیٰ علیہ کو قسم کھلانے کی صورت میں اس کا قسم سے انکار کرنا مدعی کے دعویٰ کا اقرار ہوگا اور چونکہ ان اشیاء میں اقرار جاری ہوتا ہے-کما ہو ظاہر-تو لامحالہ انکار بھی جاری ہوگا۔اور انکار کے وقت مدعیٰ علیہ/منکر سے قسم لی جاتی ہے لہٰذا یہاں بھی ان اشیاء میں قسم لی جائے گی۔

تاہم ایک امر قابلِ لحاظ ہے کہ اقرارِ مذکور میں چونکہ من وجہٍ شبہ ہے اور قاعدہ ہے کہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں اس لیے ''حدود'' اور ''لعان (کہ وہ بھی از قبیلِ حدود ہے)'' میں قسم نہیں لی جائے گی۔ [1]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

(ولا تحليف في نكاح ورجعة وفيء إيلاء واستيلاد ورق ونسب وولاء وحد ولعان) والفتوى على أنه يحلف المنكر في الأشياء السبعة، ومن عدها ستة ألحق أمومية الولد بالنسب أو الرق.

والحاصل أن المفتى به التحليف في الكل إلا في الحدود ومنها حد قذف ولعان فلا يمين إجماعا.

قال علاؤ الدين الشامي:

قوله: (والفتوى الخ) هو قول الصاحبين. [2]

❷ قال الزيلعي:

(ولا يستحلف في نكاح ورجعة وفيء واستيلاد ورق ونسب وولاء وحد ولعان وقال القاضي الإمام فخر الدين) -رحمه الله تعالى- (الفتوى على أنه يستحلف المنكر في الأشياء الستة) يعني في هذه الأشياء التي عدها سوى الحد واللعان وهو قولهما. [3]

❸ قال الحلبي:

ولا يحلف في نكاح ورجعة وفيء وإيلاء واستيلاد ورق ونسب وولاء، وعندهما يحلف وبه يفتى، ولا في حد ولعان.

قال داماد أفندي:

(وبه) أي بقول الإمامين (يفتى) كما في قاضي خان وهو اختيار فخر الإسلام علي البزدوي معللا بعموم البلوى. [4]

١ـ الهداية (٣/٢١٢)، الاختيار لتعليل المختار (٢/١٢٢)، اللباب في شرح الكتاب (٣/١٢٦)

٢ـ تكلمة رد المحتار (١١/٥٦٤)

٣ـ تبيين الحقائق (٤/٢٩٦، ٢٩٧)

٤ـ ملتقى الأبحر مع شرحه مجمع الأنهر (٣/٣٥٠، ٣٥١)

❹ قال ابن الهمام:

(وقال أبويوسف ومحمد: يستحلف في ذلك كله إلا في الحدود واللعان) فتقرر أنه لا يستحلف في الحدود واللعان

على قولهم جميعا، وإنما اختلافهم في الأشياء السبعة الباقية. وفي الكافي قال القاضي فخر الدين في الجامع الصغير: والفتوى على قولهما. [1]

❺ قال ابن قاضي سماونه:

ولو ادعت نكاحا أو ادعاه فلا حلف عند ح (أي أبي حنيفة) رحمه الله تعالى خلافا لهما... ولا يحلف عنده أيضا في رجعة وفيء إيلاء ورق وولاء ونسب وأمومة ولد وعندهما يحلف وبقولهما يفتي. [2]

❻ قال الموصلي:

قال: (ولا يستحلف في النكاح والرجعة والفيء في الإيلاء والرق والاستيلاد والنسب والولاء والحدود) وقالا: يستحلف فيها إلا الحدود واللعان -إلى أن قال- واختار الفقيه أبو الليث الفتوى على قولهما لعموم البلوى. [3]

❼ قال الميداني:

(وقالا: يستحلف) المنكر (في ذلك كله، إلا في الحدود)؛ لأن النكول عندهما إقرار، والإقرار يجري في هذه الأشياء، لكنه إقرار فيه شبهة، والحدود تندرئ بالشبهات، والفتوى على قولهما كما نقله في التصحيح عن "قاضيخان" و "الفتاوى الكبرى" و "التتمة" و "الخلاصة" و "مختارات النوازل" و "الزوزني" في "شرح المنظومة" و "فخر الإسلام" عن "البزدوي" و "النسفي" في "الكنز" و "الزيلعي" في شرحه. [4]

❽ كذا في الكتب الأخر. [5]

١ـ فتح القدير (٨/١٨٩)

٢ـ جامع الفصولين (١٤١، ١٤٢)

٣ـ الاختيار لتعليل المختار (٢/١٢٢)

٤ـ اللباب في شرح الكتاب (٣/١٢٦)

٥ـ الفتاوى الهندية (٤/١٥)، البحر الرائق (٧/٣٥٥)، الترجيح والتصحيح (٥٢١، ٥٢٢)، حاشية السعدي جلبي على العناية (٨/١٨٩)، الجوهرة النيرة (٢/٥٠٢)، حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٣/٢٩٧)، كنز الدقائق (٣١٣)، شرح النقاية (٢/٣٤٢)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٣٣٣، ٣٣٤)، جامع الرموز (٢/٤٧٣)، فتاوى قاضيخان (٢/٤٢٩)، شرح النقاية لفخر الدين (٢/٣٤٢)، الفقه الإسلامي وأدلته (٥٩٩٠، ٥٩٩٢)، الموسوعة الفقهية الكويتية (١/٢٣٨)

[۲۲۷] اختلافی مسئلہ

ومن ادّعى قصاصا على غيره فجحد استُحلف فإن نكل عن اليمين فيما دون النفس لزمه القصاص وإن نكل في النفس حُبِس حتى يقرّ أو يحلف (وهذا عند أبي حنيفة.[۱]) وقال أبويوسف و محمد–رحمهما الله–: يلزمه الأرش فيهما.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

اعضاءِ انسانی میں مال والا معاملہ کیا جاتا ہے یعنی یہ بمنزلۂ اموال ہیں اسی لیے ان اعضاء کو بعض دفعہ کسی حاجت و ضرورت (جیسے آپریشن یا موذی سرایت کر جانے والے زخم وغیرہ) کی وجہ سے کاٹ دیا جاتا ہے اور کاٹنے والے پر جب اس کی اجازت سے کاٹا ہو ضمان بھی نہیں آتا۔ نیز جس طرح مال سے جان کی حفاظت کی جاتی ہے اسی طرح ان اعضاء کو بھی نفوس کی حفاظت کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ الغرض جب یہ مال کی طرح ہوئے تو جس طرح مال میں "بذل" جاری ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح ان میں بھی "بذل" جاری ہوگا چنانچہ قسم سے انکار کی صورت میں مدعی علیہ کے عضو کو قصاصاً کاٹ دیا جائے گا برخلاف انسانی جان کے، کہ اس میں چونکہ "بذل" جاری نہیں ہوتا (کیونکہ یہ نہایت محترم و مصون ہے اور اس کی حیثیت مال کی سی نہیں ہے) اس لیے اس میں قصاص کا حکم بھی نہیں دیا جائے گا۔ بہر حال جب جان کا قصاص لینا ممتنع ہوگیا اور مدعی علیہ پر قسم ایک واجبی حق ہے تو اس حق کی بدولت مدعی علیہ کو (اقرار یا حلف تک) قید کر دیا جائے گا جیسا کہ "قسامت" میں ہوتا ہے کہ اگر اہلِ

۱۔ البحر الرائق (۷/۳۵۷)، مجمع الأنهر (۳/۳۵۲)، الجوهرة النيرة (۲/۵۰۵)، الهداية (۳/۲۱۳)، تبيين الحقائق (۴/۲۹۹)، فتاوى النوازل (۳۹۹)، حاشية الطحطاوى على الدر المختار (۳/۲۹۹)، اللباب في شرح الكتاب (۳/۱۲۹)، رمز الحقائق (۲/۱۰۶)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (۲/۳۳۵)، الدر المنتقى (۳/۳۵۲)، شرح الوقاية (۳/۲۰۷)، شرح النقاية لفخر الدين (۲/۳۴۳).

محلہ قسم کھانے سے انکار کردیں تو انہیں قسم کھانے یا قاتل کا پتہ بتانے تک قید کردیا جاتا ہے۔ [1]

ف:۔ ''بذل'' ایک اصطلاحی لفظ ہے جو انکار عن الیمین کی ایک صورت ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مدعی علیہ اللہ تعالیٰ کے نام کی تعظیم کی وجہ سے قسم کھانے سے انکار کرتا ہے حالانکہ فی الواقع وہ چیز اسی کی ہوتی ہے اس طرح قسم سے تعظیماً انکار کرکے وہ اپنی ہی چیز ''بذل'' (یعنی سخاوت) کے ذریعے مدعی کو دے دیتا ہے، واضح رہے کہ یہ مدعی کے دعویٰ کے حق ہونے کا اقرار نہیں کرتا مگر از راہِ تعظیمِ اسمِ خداوندا اپنی چیز سے دستبردار ہو جاتا ہے۔

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وإن نكل عن اليمين فيما دون النفس لزمه القصاص وإن نكل في النفس حُبِس حتى يقرّ أو يحلف وقال أبويوسف و محمد: لزمه الأرش فيهما.)

وعلى قول الإمام مشى الأئمة المصححون. [2]

❷ قال الحلبي:

وفي القصاص فإن نكل في النفس حبس حتى يقر أو يحلف وفيما دونها يقتص، وعندهما يضمن الأرش فيهما. [3] **(القول المقدم فيه راجح -وهو قول الإمام هنا- حسب تصريح العلامة الشامي والمصنف نفسه به كما لا يخفى).**

❸ **اعتمد أصحاب المتون على قول الإمام أبي حنيفة -لكونه راجحا عندهم على ما تقرر في الأصول- كما ترى في السطور الآتية:**

قال الموصلي: ويستحلف في القصاص ، فإن نكل اقتص منه في الأطراف، وفي النفوس يحبس حتى يحلف أو يقر. [4]

١ـ مجمع الأنهر (٣٥٢/٣)، فتح القدير مع الهداية (٢٠٠/٨)، شرح النقاية لفخر الدين (٣٤٣/٢)، خلاصة الدلائل لحسام الدين الرازى (٢٨٩/٢)، البحر الرائق (٣٥٧/٧)، تبيين الحقائق (٣٠٠/٤)، الاختيار لتعليل المختار (١٢٣/٢)، شرح الوقاية (٢٠٧/٣)، دررالحكام شرح غرر الأحكام (٣٣٥/٢)، فتاوى النوازل (٣٩٩)، الفقه النافع (ص: ١١٩٨، الفقرة: ٩٥٤)، الدرالمنتقى (٣٥٢/٣)، رمز الحقائق (١٠٦/٢)، اللباب في شرح الكتاب (١٢٩/٣)، النافع الكبير شرح الجامع الصغير (٣٨٩/١).

٢ـ الترجيح والتصحيح (٥٢٦)

٣ـ ملتقى الأبحر (٣٥٢/٣)

٤ـ المختار للفتوى (١٢٢/٢)

قال النسفي: و(يستحلف) جاحد القود فإن نكل في النفس حبس حتى يقر أو يحلف وفيما دونه يقتص.[1]

قال المحبوبي: وكذا (يحلف) منكر القود فإن نكل في النفس حبس حتى يقر أو يحلف وفيما دونه يقتص.[2] وبهذا اللفظ قال الآخرون منهم.[3]

④ ذكر الشيخ الأفغاني -رحمه الله تعالى- الخلاف في هذه المسألة بين الإمام وصاحبَيه، فعلل لقوله واهمل دليلهما.[4] (فهذا يدل على ترجيح قول أبي حنيفة، كما عرف في موضعه من الأصول وقد سبق بيانه).

⑤ أخر الشارحون -ممن يعتمد عليهم- دليل الإمام فيه.[5] (وذاك ترجيح لقوله عندهم لما عرف من دأبهم في الراجح لديهم، وقد تقرر هذا في أصول الإفتاء.)

---

[۲۲۸] اختلافی مسئلہ

وإن كانت دار في يد رجل ادّعاها اثنان أحدهما جميعَها والآخر نصفها وأقاما البينة فلصاحب الجميع ثلاثة أرباعها ولصاحب النصف ربعها عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى وقالا: هي بينهما أثلاثا.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

۱۔ كنز الدقائق (٣١٣)

٢۔ الوقاية (٣/٢٠٧)

٣۔ النقاية (٢/٣٤٣)، غرر الأحكام (٢/٣٣٥)، تنوير الأبصار (٨/٣٤٩)

٤۔ كشف الحقائق (٢/١٠٧)

٥۔ الهداية شرح البداية (٣/٢١٣)، البحر الرائق (٧/٣٥٧)، تبيين الحقائق (٤/٣٠٠)، الاختيار لتعليل المختار (٢/١٢٣)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٣٣٥)، الدر المنتقى (٣/٣٥٢)، رمز الحقائق (٢/١٠٦)، الجوهرة النيرة (٢/٥٠٥)

قول مفتی بہ کا مستدل:

عن أبي موسى: أن رجلين ادعيا بعيرا فأقام كل واحد منهما شاهدين فقسمه النبي صلى الله عليه وسلم بينهما (أي نصفين كما هو ظاهر وفي روايات أخرى أيضا ستراها في الهامش). (1)

اول یہ واضح ہو کہ اس گھر کا نصف حصہ ''مدعی بجمیع'' کے حق میں بلا تنازع محفوظ ہے کیونکہ دوسرا مدعی صرف نصف کا دعویٰ کررہا ہے۔ لہٰذا اب صرف ''نصف دار'' متنازع فیہ ٹھہرا اوران دونوں میں سے ہرایک اس حصہ میں برابر کا دعویٰ دار ہے۔ چنانچہ حدیثِ بالا کی رُو سے۔ جبکہ دونوں اس کو لینا چاہتے ہیں۔ اس نصف کوان دونوں میں برابر تقسیم کردیا جائے گا۔ اس طرح

١ـ المستدرك للحاكم (٤/١٠٧) رقم (٧٠٣٢)

قال الحاكم: هذا الحديث أيضا صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه

وقال الذهبي في التلخيص: على شرط البخاري ومسلم

وكذا أخرجه أبو داود في "سننه" (٢/٣٣٤) برقم (٣٦١٥)، وابن أبي شيبة في "مصنفه" (٦/١٦) برقم (٢٩١١٩)، وعبدالرزاق في "مصنفه" (٨/٢٧٦) برقم (١٥٢٠٢).

قال الإمام الزيلعي في "نصب الراية" (٤/١٣٧):

فيه أحاديث مسندة عن أبي موسى وأبي هريرة وجابر بن سمرة -رضي الله عنهم-:

فحديث أبي موسى: أخرجه أبو داود عن همام عن قتادة به وكذلك رواه أحمد في "مسنده" والحاكم في "المستدرك في الأحكام" وقال: صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه انتهى. وقال المنذري: رجال إسناده كلهم ثقات ولفظهم عن همام عن قتادة عن سعيد بن أبي بردة عن أبيه عن جده أبي موسى الأشعري أن رجلين ادعيا بعيرا على عهد النبي صلى الله عليه وسلم فبعث كل واحد منهما شاهدين فقسمه النبي صلى الله عليه وسلم بينهما نصفين انتهى.

وأما حديث أبي هريرة: فرواه إسحاق بن راهويه في "مسنده" ومن طريقه ابن حبان في "صحيحه" في النوع السادس والثلاثين من القسم الخامس أخبرنا عبدالصمد ثنا حماد بن سلمة عن قتادة عن النضر بن أنس عن بشير بن نهيك عن أبي هريرة أن رجلين ادعيا دابة فأقام كل واحدمنهما شاهدين فقضى بها رسول الله صلى الله عليه وسلم بينهما نصفين انتهى

وأما حديث جابر بن سمرة: فرواه الطبراني في "معجمه" حدثنا إبراهيم بن محمد بن عوف الحمصي ثنا محمد بن مصفى حدثنا سويد بن عبدالعزيز عن الحجاج بن أرطأة عن سماك بن حرب عن تميم بن طرفة عن جابر بن سمرة أن رجلين اختصما إلى النبي صلى الله عليه وسلم في بعير فأقام كل واحد منهما شاهدين بأنه له فجعله النبي صلى الله عليه وسلم بينهما انتهى.

''مدعی جمیع'' تین چوتھائی اور ''مدعی نصف'' ایک چوتھائی حصے کا حق دار قرار پائے گا۔ (1)

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وإذا كانت الدار في يد رجل ادعى اثنان أحدهما ادعى جميعها والآخر نصفها وأقاما البينة فلصاحب الجميع ثلاثة أرباعها ولصاحب النصف ربعها عند أبي حنيفة، وقال أبويوسف ومحمد: هي بينهما أثلاثا) واختار قوله -أي قول أبي حنيفة- البرهاني والنسفي وغيرهما. (2)

❷ قال الحلبي:

وإن ادعى أحد خارجين نصف دار والآخر كلها فالربع للأول، وعندهما الثلث والباقي للآخر. (3)

(القول المقدم فيه راجح -وهو قول الإمام هنا- كما صرح به الشامي في شرح العقود والمصنف في المقدمة، وهذا لا يخفى).

❸ قال النسفي:

دار في يد آخر ادعى رجل نصفها وآخر كلها وبرهنا فللأول ربعها والباقي للآخر. (4)

❹ قال ملا خسرو:

ادعى أحد خارجين نصف دار والآخر كلها وبرهنا فالربع للأول والباقي للثاني. (5)

❺ لقد أخر شارح النقاية العلام ملّا على القارى فيه دليل الإمام عن دليل صاحبَيه. (6) فهذا ترجيح منه لقول أبي حنيفة رحمه الله تعالى كما عرف في أصول الإفتاء.

١ـ البحر الرائق (٤١٧/٧)، الهداية (٢٣٠/٣)، مجمع الأنهر (٣٨٣/٣)، شرح الوقاية (٢٢٤/٣)، تبيين الحقائق (٣٢٣/٤)، شرح النقاية (٣٥٤/٢)، الدر المنتقى (٣٨٣/٣)، رد المحتار (٣٨٥/٨)، جامع الرموز (٤٩٢/٢)، خلاصة الدلائل (٢٩٣/٢)، الدر المختار (٣٨٥/٨)، رمز الحقائق (١١٣/٢)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٣٤٨/٢)، كشف الحقائق (١١٦/٢)، الجوهرة النيرة (٥٠٩/٢).

٢ـ الترجيح والتصحيح (٥٢٩)

٣ـ ملتقى الأبحر (٣٨٣/٣)

٤ـ كنز الدقائق (٣٢٠، ٣٢١)

٥ـ غرر الأحكام (٣٤٨/٢)

٦ـ فتح باب العناية (٣٥٤/٢)

● إذا لم يرد تصريح بتصحيح أحد القولين أصلا -كما وقع في هذه المسألة[1]- فالعمل إذن بما في المتون، على ما قال الشامي.[2] وهنا المتون على قول الإمام فلذا هو يليق بالعمل والإفتاء فيها.

---

[۲۲۹] اختلافی مسئلہ

وإن هلك المبيع ثم اختلفا في الثمن لم يتحالفا عند أبي حنيفة وأبي يوسف -رحمهما الله تعالى- والقول قول المشتري في الثمن (مع يمينه[3])، وقال محمد -رحمه الله تعالى-: يتحالفان ويفسخ البيع على قيمة الهالك.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

(۱) في بعض حديث ابن مسعود أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا اختلف المتبايعان والسلعة قائمة ولا بينة لأحدهما تحالفا.[4]

۱ـ حيث ذكر أصحاب الشروح والفتاوى فيها مجرد الخلاف بين الإمام والصاحبين ولم يأتوا بتصحيح قول أحد منهما كابن نجيم في البحر الرائق (۷/۴۱۷)، والزيلعي في تبيين الحقائق (۴/۳۲۳) والحصكفي في الدر المختار (۸/۳۸۵)، وداماد أفندى في مجمع الأنهر (۳/۳۸۳) والعيني في رمز الحقائق (۲/۱۱۳)، وطاهر بن عبدالرشيد البخاري في خلاصة الفتاوى (۴/۱۱۳)، والمرغيناني في الهداية (۳/۲۳۰) وتبعه المشايخ في الفتاوى الهندية (۴/۹۰) وأقروه، وغيرهم.

۲ـ مقدمة رد المحتار (۱/۱۷۱)

۳ـ فتاوى النوازل (۴۰۱)، المبسوط للسرخسي (۱۳/۳۰)، بدائع الصنائع (۵/۳۸۹)، الجوهرة النيرة (۲/۵۱۴)، كنز الدقائق (۳۱۶)، ملتقى الأبحر (۳/۳۶۲)، شرح الوقاية (۳/۲۱۴).

۴ـ "إعلاء السنن" (۱۵/۴۳۸) عن "المغني" للموفق ابن قدامة (۴/۲۸۷) وقال بعد أن ذكره: قال (أي الموفق): قال أحمد: ولم يقل فيه والمبيع قائم إلا يزيد بن هارون. قال أبو عبدالله: وقد أخطأ رواة الحلف عن المسعودي لم يقولوا هذه الكلمة ولكنها في حديث معن ا هـ. ==

حدیثِ بالا سے معلوم ہوا کہ تحالف اس وقت ہوگا جب سلعہ قائم ہو (یعنی مبیع موجود ہو) صورتِ بالا میں چونکہ وہ ہلاک ہوگیا ہے لہٰذا تحالف بھی نہیں ہوگا۔

(۲) عن ابن عباس رضي الله عنهما أن النبي -صلى الله عليه وسلم- قال: "البيّنة على المدعي واليمين على المدعى عليه". [۱]

زیر بحث مسئلہ میں مشتری مدعیٰ علیہ (منکر) ہے کیونکہ بالاتفاق مبیع اس کو مکمل طور پر سپرد کردیے جانے کے بعد اس کی مِلک میں آچکی ہے اور یہ بائع پر کسی چیز کا دعویٰ نہیں کررہا بلکہ بائع کی جانب سے زیادتی ثمن کا اس پر دعویٰ ہے لہٰذا یہ مشتری "من يجبر على الخصومة" کا عین مصداق ہونے کی بناء پر مدعیٰ علیہ ومنکر ٹھہرا اور بائع چونکہ منکر نہیں ہے (بلکہ وہ تو زیادتیٔ ثمن کے اِثبات کا مدعی ہے) لہٰذا اس پر قسم نہیں آئے گی بلکہ صرف مشتری پر آئے گی جو کہ اس زائد ثمن کا انکار کررہا ہے چنانچہ اس میں اسی کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔ [۲]

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وإن هلك المبيع ثم اختلفا لم يتحالفا عند أبي حنيفة وأبي يوسف وجعلا القول قول المشتري. وقال محمد: يتحالفان، ويفسخ البيع على قيمة الهالك.)

قال جمال الإسلام: والصحيح قولهما. [۳]

== قلت -القائل العثماني-: لم يتفرد به فقد وافقه عليها أبو حنيفة وابن أبي ليلى وغيرهما كما مر، وقد تأيد ثبوت التحالف بإجماع فقهاء أهل المدينة عليه، وقال صاحب "التنقيح": والذي يظهر أن حديث ابن مسعود بمجموع طرقه له أصل بل هو حديث حسن يحتج به لكن في لفظه اختلاف والله أعلم (زيلعي). انتهى.

قلت -القائل العبد الضعيف عفا الله عنه- : قال ابن الملقن في "البدر المنير" (٦/٥٩٩):

قال الرافعي: وجاء في رواية أخرى: "إذا اختلف المتبايعان والسلعة قائمة ولا بيّنة لأحدهما تحالفا" وهذه الرواية وردت من طرق: -ثم استوعب طرقا عديدة-.

١ـ السنن الكبرى للبيهقي (١٠/٢٥٢) رقم (٢١٧٣٥)

الحديث معروف جدا ومحتج به. لقد تداوله الفقهاء وحسّنه المحققون. من شاء تحقيقه فليراجع إعلاء السنن (١٥/٣٥٠-٣٥٤) وخلاصة البدر المنير (٢/٤٤٩)، وغير ذلك، وقد تقدم من بيانه أيضا.

٢ـ انظر له: المبسوط للسرخسي (١٣/٣١)، رمز الحقائق (٢/١٠٩)، الاختيار لتعليل المختار (٢/١٣٠)

٣ـ الترجيح والتصحيح (٥٣١)

❷ قال الحلبي:

ولا بعد هلاك المبيع وحلف المشتري، وعند محمد يتحالفان ويفسخ وتلزم القيمة.

قال داماد أفندى:

(ولا) تحالف لو اختلفا في قدر الثمن (بعد هلاك) كل (المبيع) في يد المشتري؛ لأنه لو هلك في يد البائع تحالفا على القائم عندهم (وحلف المشتري) عند الشيخين، على الصحيح. [١]

قال الحصكفي:

(ولا) إذا اختلفا في قدر الثمن (بعد هلاك) كل (المبيع) في يد المشتري على الصحيح. [٢]

❸ قال القهستاني:

ولا يتحالفان بعد الاختلاف في قدر الثمن (بعد هلاك) كل (المبيع) في يد المشتري على الصحيح، لا تحالف بعد القبض ويتحالفان عند محمد ويفسخ العقد على قيمة الهلاك. [٣]

قال أفندي الغزاني:

قوله: (عند محمد) مقابله قوله على الصحيح. [٤]

❹ في مجلة الأحكام:

إذا اختلف المتبايعان بعد أن تلف المبيع في يد المشتري أو حدث فيه عيب مانع للرد لا يجري التحالف ويحلف المشتري فقط. [٥]

❺ في الهندية:

إن هلك المبيع ثم اختلفا لم يتحالفا عند أبي حنيفة وأبي يوسف -رحمهما الله تعالى- والقول قول المشتري. [٦] (فالإقتصار فيه علي قول الشيخين ترجيح له وقد تقدم بيانه غير مرة.)

❻ المتون على قول الشيخين. [٧] وهذا ترجيح له أيضا.

١ـ مجمع الأنهر (٣/٣٦٢)

٢ـ الدر المنتقى (٣/٣٦٢)

٣ـ جامع الرموز (٢/٤٨٤)

٤ـ غواص البحرين على هامش جامع الرموز (٢/٤٨٤)

٥ـ مجلة الأحكام العدلية (١/٣٦٣)، المادة (١٧٨٢)

٦ـ الفتاوى الهندية (٤/٣٣)

٧ـ المختار للفتوى (٢/١٣٠)، كنز الدقائق (٣١٦)، الوقاية (٣/٢١٣)، النقاية (٢/٣٤٨)، غرر الأحكام (٢/٣٤٠)، تنوير الأبصار (٨/٣٦٠)

⑦ أخر الشارحون وغيرهم دليل الشيخين فيه وضمنه بعضهم جواب دليل محمد. [1] وهذا ترجيح لقولهما عندهم كما عرف في موضعه.

---

[٢٣٠] اختلاف في مسئله

وإن هلك أحد العبدين ثم اختلفا في الثمن لم يتحالفا عند أبي حنيفة (والقول قول المشتري مع يمينه، [2]) إلا أن يرضى البائع أن يترك حصة الهالك [3]، وقال أبو يوسف: يتحالفان ويفسخ البيع في الحيّ وقيمة الهالك وهو قول محمد. [4]

---

١ ـ الهداية شرح البداية (٣/٢١٨)، المبسوط للسرخسي (٣١/١٣)، البحر الرائق (٣٧٨/٧)، تبيين الحقائق (٤/٣٠٧)، بدائع الصنائع (٣٨٩/٥)، مجمع الأنهر (٣/٣٦٣)، شرح الوقاية (٣/٢١٤)، شرح النقاية (٣٤٩/٢)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٣٤٠)، الفقه النافع (ص: ١٢٠٧، الفقرة: ٩٦٢)، شرح النقاية لفخر الدين (٣٤٨/٢)، رمز الحقائق (٢/١٠٩)

٢ ـ فتاوى النوازل (٤٠١)، الجوهرة النيرة (٥١٤/٢)، تكملة رد المحتار (١١/٦٠٤)، حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٣/٣٠٤)، لسان الحكام (١/٢٣٨)، المحيط البرهاني في الفقه النعماني (٤٤٦/٦)

٣ ـ فحينئذ يتحالفان ويترادان الحي ولا شيء للبائع غير ذلك، نص عليه في "الجوهرة النيرة" (٥١٤/٢) وغيره

ملحوظة:

يقول العبد الضعيف عفاالله عنه: وإن كان قد تُكلم في أن هذا الاستثناء ينصرف إلى التحالف أو إلى يمين المشتري؟ ولكن الأمر المنقح فيه من عدة كتب معتبرة أنه ينصرف إلى التحالف كما ذُكر. انظر مثلا تبيين الحقائق (٤/٣٠٩) والدر المختار مع تكملة رد المحتار (١١/٦٠٥) ومجمع الأنهر (٣/٣٦٣، ٣٦٤) وغيرها

٤ ـ وذُكر في "الجامع الصغير" للإمام محمد (١/٣٤٠) غير ماذكر فيه من قولهما، حيث قال:

وقال أبو يوسف رحمه الله: القول قول المشتري في الهالك ويتحالفان على الباقي (أي الحيّ) ويترادان، وقال محمد رحمه الله: يتحالفان عليهما (فيرد الحي) وعلى المشترى قيمة الهالك.

وقال المرغيناني في الهداية (٣: ٢١٩) كذلك إذ قال: قال أبو يوسف رحمه الله: يتحالفان في الحي ويفسخ العقد في الحي والقول قول المشتري في قيمة الهالك وقال محمد رحمه الله يتحالفان عليهما ويرد الحي وقيمة الهالك،

وكذا في عدد من المعتبرات نحو بدائع الصنائع (٥/٣٩٠)، فتاوى النوازل (٤٠١)، مجمع البحرين (٧٥١)، الاختيار لتعليل المختار (٢/١٣٠)، شرح النقاية (٣٤٩/٢)، الترجيح والتصحيح (٥٣٢)، جامع الرموز (٤٨٥/٢)، لسان الحكام (١/٢٣٨).

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

تحالف اس امر کے ساتھ مشروط ہے کہ قبضہ کے بعد سِلعہ (جو سامان بیچا جارہا ہے) موجود بھی ہو اور سلعہ کا اِطلاق ''جمیع مبیع'' پر ہوتا ہے - جو کہ یہاں دونوں غلاموں کے مجموعہ سے عبارت ہے- لہٰذا جب اس کا کچھ حصہ ہلاک ہوگیا تو سلعہ کے فقدان کی وجہ سے تحالف بھی نہیں ہوگا (کیونکہ تحالف کے نتیجے میں عقد فسخ ہوجاتا ہے جس سے مشتری پر مکمل مبیع، بائع کو واپس کرنا لازم ہوتا ہے جبکہ یہاں مبیع مکمل موجود ہی نہیں ہے تو ردّ کیسے ہوگا اس لئے یہاں تحالف کے متعذر ہونے کے سبب اس کا حکم بھی نہیں دیا جائے گا) البتہ اگر بائع ہلاک شدہ غلام کو عقد سے بالکل نکال دینے پر راضی ہوجائے کہ اس پر گویا عقد ہوا ہی نہیں تھا، تو اس وقت ''جمیع مبیع'' یہی حاضر غلام ہوگا، تو پھر اس صورت میں ''سلعہ'' کے وجود کی وجہ سے تحالف درست ہوگا کما مرّ۔

اور مشتری کا قول مع الیمین معتبر ہونے کی وہی دلیل ہے جو سابق میں گزری کہ زائد ثمن کے انکار کی وجہ سے یہ ''منکر'' ٹھہرا لہٰذا حدیث مشہور کی وجہ سے یمین اسی پر آئے گی کما ھو ظاھر۔ (۱)

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وإن هلك أحد العبدين ثم اختلفا في الثمن لم يتحالفا عند أبي حنيفة إلا أن يرضى البائع أن يترك حصة الهالك. وقال ابويوسف: يتحالفان، ويفسخ البيع في الحي وقيمة الهالك. وهو قول محمد.) قال الإسبيجابي : والصحيح قول أبي حنيفة. (۲)

❷ قال الحلبي:

ولا (أي تحالف) بعد هلاك بعضه إلا أن يرضى البائع بترك حصة الهالك. وعندهما يتحالفان، ويرد الباقي. والقول للمشتري في حصة الهالك عند أبي يوسف، وتلزم قيمته عند

۱ـ مستفاد مما يلي بتلخيص و تسهيل:
رد المحتار (۳٦۱/۸)، خلاصة الدلائل (۲۹۸/۲)، المبسوط للسرخسي (۲۰۲/۱۲)، بدائع الصنائع (۳۹۰/۵)، تبيين الحقائق (۳۰۸/٤)

۲ـ الترجيح والتصحيح (۵۳۱، ۵۳۲)

محمد.[1] (ومن المعلوم أن القول المقدم فيه راجح كما عرفت سابقا في مواضع عديدة).

❸ في الهندية:

رجل اشترى عبدين صفقة واحدة وقبضهما فمات أحدهما واختلفا في الثمن قال أبو حنيفة –رحمه الله تعالى–: القول قول المشتري مع اليمين إلا أن يشاء البائع أن يأخذ الحي ولا شيء له ا هـ.[2]

(فالإقتصار فيه علي قول الإمام وعدم التعرض لقولهما –في معرض البيان– يدل على ترجيح قوله رحمه الله تعالي علي ما عرف في أصول الإفتاء).

❹ ذكر الشيخ الأفغاني –رحمه الله تعالى– الخلاف في هذه المسألة بين أئمتنا الثلاثة، ثم علّل لقول أبي حنيفة وأهمل دليل كليهما.[3] (فهذا يدل على ترجيح قول الإمام رحمه اللّٰه تعالى، كما تقرر في الأصول.)

❺ اختار أصحاب المتون قول الإمام فيها.[4] وهذا ترجيح له أيضا ولا يخفى.

❻ قد أخر الشارحون دليل الإمام فيه.[5] وهذا لكون قوله مختارا وراجحا عندهم كما عرف في موضعه.

١ـ ملتقى الأبحر (٣/٣٦٣، ٣٦٤)

٢ـ الفتاوى الهندية (٤/٣٣)

٣ـ كشف الحقائق (٢/١١٠)

٤ـ المختار للفتوى (٢/١٣٠)، كنز الدقائق (٣١٦)، الوقاية (٣/٢١٤)، النقاية (٢/٣٤٩)، غرر الأحكام (٢/٣٤١)، تنوير الأبصار (٨/٣٦٠، ٣٦١)

٥ـ الهداية شرح البداية (٣/٢١٩)، وبدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٥/٣٩٠)، المبسوط للسرخسي (١٢/٢٠٢)، شرح النقاية (٢/٣٤٩)، الاختيار لتعليل المختار (٢/١٣١)، تبيين الحقائق (٤/٣٠٨)، رمز الحقائق (٢/١٠٩)

[۲۳۱] اختلافی مسئلہ ☆

وإذا اختلف الزوجان في (قدر) المهر ... وإن لم تكن لهما بينة تحالفا عند أبي حنيفة ولم يفسخ النكاح، ولكن يحكّم مهر المثل. فإن كان مثل ما اعترف به الزوج أو أقل قضي بما قال الزوج وإن كان مثل ما ادعته المرأة أو أكثر قضي بما ادعته المرأة وإن كان مهر المثل أكثر مما اعترف به الزوج وأقل مما ادعته المرأة قضي لها بمهر المثل (وهو أيضا قول محمد. وقال أبويوسف: القول قول الزوج ما لم يأت بشيء مستنكر جدا.[۱])

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ اس میں طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

فقہ کا قاعدہ ہے:

☆ بعضهم ذكروا هذه المسألة في كتاب النكاح لمناسبتها به كما ترى في المبسوط للسرخسي (٦٥/٥) وبدائع الصنائع (٦٠٥/٢) والهداية (٣٥٦/٢) والمحيط البرهاني (١٠٤/٣) وشرح الوقاية (٤٨/٢) وملتقى الأبحر (٥٢٨/١) والفتاوى الهندية (٣١٩/١، ٣٢٠)

١ـ المبسوط للسرخسي (٦٥/٥)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٦٠٥/٢)، المحيط البرهاني (١٠٤/٣)، الترجيح والتصحيح (٥٣٢)، الجوهرة النيرة (٥١٥/٢)، الهداية (٣٥٦/٢)، تبيين الحقائق (١٥٠/٢)، فتاوى قاضيخان (٣٩٩/١)، فتاوى النوازل (١٨٥)، لسان الحكام (٣٢٠/١)، معين الحكام فيما يتردّد بين الخصمين من الأحكام (١٠٢/١)

خلاصة الاختلاف:

قال الكاساني في "البدائع" (٦٠٥/٢): والحاصل أن أبا حنيفة، ومحمدا يحكّمان مهر المثل، ويُنهيان الأمر إليه، وأبويوسف لا يحكمه بل يجعل القول قول الزوج مع يمينه إلا أن يأتي بشيء مستنكر.

"من ساعده الظاهر فالقول له" (۱)

اس قاعدہ سے معلوم ہوا کہ شریعت میں دعاوی کے اندر اس شخص کا قول معتبر ہوتا ہے ظاہر حال جس کے موافق ہو اور اس کا شاہد ہو۔ اور صورتِ بالا میں ظاہرِ حال اس شخص کے حق میں شاہد ہوگا جس کا قول مہرِ مثل کے موافق ہو کیونکہ لوگ باہمی رواج میں شوہر کے قول اور اس کی رضا کی بجائے مہرِ مثل کی بنیاد پر مہر مقرر کرتے ہیں، عورت اور اس کے اولیاء بھی مہرِ مثل سے کم مقدار پر رضامند نہیں ہوتے چنانچہ زوجین میں سے مہرِ مثل جس کا شاہد ہو ظاہرِ حال بھی اسی کا شاہد ہوگا لہٰذا صورتِ ہذا میں مہرِ مثل کو ہی حَکَم مقرر کیا جائے گا۔ (۲)

نیز نکاح کے باب میں موجبِ اصلی، مہرِ مثل ہے اس کو صرف اس وقت چھوڑا جاتا ہے جب جانبین کسی ایک خاص مقدار پر باہم رضامند ہو جائیں ورنہ اصلی موجب، مہرِ مثل ہی ہے لہٰذا مقدارِ مہر میں اختلاف پڑ جانے کے وقت موجبِ اصلی کی طرف رجوع کرنا واجب ہوگا (اور وہ مہرِ مثل ہے کما عرفت) چنانچہ زوجین کے اختلافِ مذکور کے وقت اسی مہرِ مثل کو ہی حَکَم

==

المراد بالمستنكر:

(أ) الاختلاف في تفسيره:

نعم! قد اختلفوا في المراد به على أقوال، منها:

قال الإمام خواهر زاده: هو أن يدعي مهرا لا يتزوج مثلها عليه عادة كما لو ادعى النكاح على مائة درهم ومهر مثلها ألف.

قال الحسن بن زياد رحمه الله تعالى: المستنكر أن يكون مهر مثلها عشرة آلاف درهم والرجل يدعي النكاح بعشرة.

قال سعيد بن معاذ المروزي: المستنكر أن يقول الرجل تزوجتها بخمر أو خنزير.

قيل: هو أن يدعي ما دون عشرة دراهم لأن ذلك مستنكر في الشرع.

وقال بعضهم: المستنكر ما دون نصف المهر فإذا جاوز نصف المهر لم يكن مستنكرا.

[تجد هذه الأقوال في "المبسوط للسرخسي" (٦٦/٥)، وبدائع الصنائع (٦٠٥/٢)، والخانية (٣٩٩/١)، والمحيط البرهاني (١٠٤/٣)، والجوهرة النيرة (٥١٥/٢)]

(ب) بيان القول الصحيح منها:

قال قاضيخان في فتاواه (٣٩٩/١) -بعد أن ذكر أقوالا فيه-: المستنكر أن يدعي الزوج النكاح بما لا يتزوج مثلها (أي مثل تلك المرأة) به عادة وعليه الاعتماد. وقال السرخسي في "المبسوط" له (٦٦/٥): وهو الأصح، وقال الكاساني في "البدائع" (٦٠٥/٢) وأبو المعالي برهان الدين في "المحيط" (١٠٤/٣) كلاهما: وهو الصحيح من التفسير.

١ـ قواعد الفقه (١٢٩/١) رقم (٣٥٢)

٢ـ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٦٠٥/٢)

مقرر کردیا جائے گا۔ [1]

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

(الفصل الثاني عشر في اختلاف الزوجين في المهر).. إذا لم تكن لهما بينة فإنهما يتحالفان أولا فإذا حلفا يحكم مهر المثل عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى قال الشيخ الإمام الأجل شمس الأئمة السرخسي: وهو الأصح هكذا في المحيط. وهو الصحيح، كذا في محيط السرخسي. [2]

❷ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (تحالفا عند أبي حنيفة ولم يفسخ النكاح ا هـ.)

قال جمال الإسلام: وهو أيضا قول محمد، وقال أبويوسف: القول قول الزوج ما لم يأت بشئ مستنكر جدا. والصحيح قولهما. [3]

❸ قال أبو المعالي برهان الدين:

نوع منه في اختلاف الزوجين في المهر:

إذا ادعت المرأة أن المهر ألفان وادعى الزوج أنه ألف درهم، فأيهما أقام البيّنة قبلت بينته، فإن أقاما البينة فالبينة بينة المرأة، لأنها تثبت زيادة في المهر، وإن لم يكن لهما بينة فإنهما لا يتحالفان عندنا. هكذا ذكر في "الأصل". بعد هذا قال أبويوسف رحمه الله: القول قول الزوج إلا أن يأتي بشيء مستنكر جدًّا -إلى أن قال- صححوا (أي المشايخ) ما ذكر في "الأصل"؛ لأنه إنما يصار إلى التحالف إذا لم يكن ترجيح قول أحدهما على الآخر بشهادة الظاهر له وإذا كان مهر المثل يشهد لأحدهما فالظاهر شاهد له فلا يصار إلى التحالف. [4]

❹ قال قاضي خان:

إذا اختلف الزوجان في قدر المهر حال قيام النكاح عند أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالى يحكم مهر المثل فإن شهد لأحدهما كان القول قوله مع اليمين على دعوى الآخر... وقال أبويوسف

١ـ المبسوط للسرخسي (٥/٦٥)، خلاصة الدلائل (٢/٢٩٩)

٢ـ الفتاوى الهندية (١/٣١٩، ٣٢٠)

٣ـ الترجيح والتصحيح (٥٣٢)

٤ـ المحيط البرهاني (٣/١٠٤،١٠٥)

رحمه الله تعالى القول قول الزوج في الوجوه كلها إلا أن يأتي بشيء مستنكر.[1] (القول المقدم فيه راجح حسب تصريح العلامة الشامي والمصنف نفسه به كما هو ظاهر).

❺ قال الحلبي:

وإن اختلفا في قدر المهر فالقول لها إن كان مهر مثلها كما قالت أو أكثر وله إن كان كما قال أو أقل وإن كان بينهما تحالفا ولزم مهر المثل وفي الطلاق قبل الدخول القول لها إن كانت متعة المثل كنصف ما قالت أو أكثر وله إن كانت كنصف ما قال أو أقل وإن كانت بينهما تحالفا لزمت المتعة وعند أبي يوسف القول له قبل الدخول وبعده إلا أن يذكر ما لا يتعارف مهرا لها.[2] (ولا يخفى أن القول المقدم فيه راجح حسب ما عرف في الأصول).

❻ قال الجزيري:

الحنفية قالوا: الاختلاف في المهر على ثلاثة أحوال:

الحال الثاني: أن يختلفا في قدر الصداق -وقال بعد أن أتى بتفصيله-: وحاصل ذلك أنه إذا لم تكن لأحدهما بينة تثبت دعواه تحالفا، فإن حلف أحدهما، ونكل الآخر قضي بدعوى الحالف. وإن حلفا معًا قضي بمهر المثل، وإن أقاما بينة معًا قضي بمهر المثل.[3]

❼ اعتمد أصحاب المتون على قول الطرفين.[4] وهذا ترجيح له أيضا كما تقدم.

❽ أخر المرغيناني[5] والكاساني[6] والسمرقندي[7] دليلهما عن دليل الثاني رحمه الله تعالى، لكون قولهما راجحا عندهم وهذا لا يخفى.

١ـ فتاوى قاضيخان (١/٣٩٩)

٢ـ ملتقى الأبحر (١/٥٢٨)

٣ـ الفقه على المذاهب الأربعة (٤/١٥١، ١٥٢)

٤ـ المختار للفتوى (٢/١٣٢)، كنز الدقائق (٣١٧)، الوقاية (٢/٤٨)، غرر الأحكام (١/٣٤٧)، تنوير الأبصار (٢/٣٦٢، ٣٦٣) و (٤/٢٩٠، ٢٩١)

٥ـ الهداية (٢/٣٥٦)

٦ـ بدائع الصنائع (٢/٣٠٥)

٧ـ العقد النافع (ص ١٢١٠، الفقرة: ٩٦٤)

[۲۳۲] اختلافی مسئلہ

وإذا اختلف المولى والمكاتب في مال الكتابة لم يتحالفا عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى (والقول قول المكاتب مع يمينه،[1]) وقالا: يتحالفان وتفسخ الكتابة.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(أ) عن ابن أبي الزناد عن أبيه عن الفقهاء الذين ينتهي إلى قولهم من أهل المدينة : **كانوا يقولون إذا** تبايع الرجلان بالبيع واختلفا في الثمن **احتلفا جميعا فأيهما نكل لزمه القضاء فإن حلفا جميعا كان القول** ما قال البائع وخير المبتاع إن شاء اخذبذلك الثمن وإن شاء ترك. **وروينا عن شريح أنه قال: فإن نكلا عن اليمين ترادا البيع.** [2]

(ب) في حديث ابن مسعود : أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا اختلف المتبايعان والسلعة قائمة ولا بينة لأحدهما تحالفا. [3]

نصوص مذکورہ میں ''تحالف'' بیع میں وارد ہوا ہے کما رأیتہ۔

تحالف چونکہ نص سے –علی خلاف القیاس– ''بیع'' کے باب میں مذکور ہوا ہے اور ''کتابت'' بیع کی طرح نہیں

١ـ الفتاوى الهندية (٤/٣٥)، البحر الرائق (٧/٣٧٩)، نتائج الأفكار (٨/٢٤٦)، الجوهرة النيرة (٢/٥١٦)، مجمع الأنهر (٣/٣٦٧)، البناية (١٢/١٨٩)، المحيط البرهاني (٤/١٥٤)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٣٤١)، شرح ابن ملك على مجمع البحرين –على هامشه– (٧٥٢).

٢ـ أخرجه البيهقي في السنن الكبرى (٥/٣٣٤) برقم (١٠٥٩٦)

قال شيخنا العثماني في "الإعلاء" (١٥/٤٣٧): قلت: سند صحيح صالح للاحتجاج به.

٣ـ ذكره الموفق ابن قدامة في "المغني" (٤/٢٨٧). انتهى.

قال الإمام الزيلعي في "نصب الراية" (٤/١٣٣): وقال صاحب "التنقيح": والذي يظهر أن حديث ابن مسعود بمجموع طرقه له أصل بل هو حديث حسن يحتج به لكن في لفظه اختلاف. قلت: وقد تقدم بيانه.

ہے۔ لہٰذا جو نص خاص ''بیع'' کے باب میں وارد ہوئی ہے اس کا حکم کتابت میں جاری نہیں ہوگا۔ اس لیے مولی اور مکاتب پر زیر بحث مسئلہ میں تحالف نہیں آئے گا۔ (۱)

اور مکاتب کا قول مع الیمین معتبر ہونا بالکل ظاہر ہے کہ وہ زائد رقم کا منکر ہے چنانچہ مدعیٰ علیہ ہونے کے سبب یمین کا مورد ہے۔

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وإذا اختلف المولى والمكاتب في مال الكتابة لم يتحالفا عند أبي حنيفة والقول قول المكاتب وقال أبويوسف ومحمد: يتحالفان وتفسخ الكتابة) وقوله هو المعوّل عليه في الباب عند النسفي، وهو أصح الأقاويل والاختيارات عند المحبوبي. (٢)

❷ قال الحلبي:

وإن اختلفا في قدر بدل الكتابة لا يتحالفان والقول للعبد، وقالا يتحالفان وتفسخ. (٣)(القول المقدم فيه راجح حسب تصريح الشامي والمصنف به كما عرفت غير مرة).

❸ قال الكاساني:

ولو اختلف المولى والمكاتب في قدر البدل أو جنسه، بأن قال المولى: كاتبتك على ألفين أو على الدنانير، وقال العبد: كاتبتني على ألف أو على الدراهم.

فالقول قول المكاتب في قول أبي حنيفة الآخر، سواء كان قد أدى عن بدل الكتابة شيئا أو كان لم يؤد وكان يقول أولا يتحالفان ويترادان كالبيع؛ لأن في المكاتبة معنى المبادلة، ثم رجع وقال: قول المكاتب؛ لأنه المستحق عليه ومتى وقع الاختلاف في قدر المستحق أو جنسه فالقول قول المستحق عليه في الشرع كما في سائر الديون، ولأن القياس يمنع التحالف لما نذكر في كتاب البيوع إن شاء الله تعالى إلا أن الشرع ورد بخلاف القياس في البيع وأنه مبادلة المال بالمال مطلقا والكتابة بخلافه فلم تكن في معنى البيع فلا يقاس عليه، والله عزوجل أعلم. (٤) (صنيعه هذا كله يدل على ترجيح قول أبي

١ـ المحيط البرهاني في الفقه النعماني (٤/١٥٤)، اللباب في شرح الكتاب (٣/١٣٨)، الفقه النافع (ص:١٢١١، الفقرة: ٩٦٥)

٢ـ الترجيح والتصحيح (٥٣٣)

٣ـ ملتقى الأبحر (٣/٣٦٦)

٤ـ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٣/٦٠٨)

حنيفة رحمه الله تعالى عنده كما لا يخفى).

❹ إذا لم يرد تصريح بتصحيح أحد القولين أصلا –كما وقع في هذه المسألة، على ما ترى في كتب الشروح والفتاوى– فالعمل إذن بما في المتون، على ما قال الشامي.[1] وهنا المتون على قول الإمام فلذا هو يليق بالعمل والإفتاء فيها.

❺ اختار أصحاب المتون قول الإمام.[2] وهذا ترجيح له أيضا.

❻ أخر الشارحون وغيرهم دليل الإمام فيه.[3] وهذا ترجيح لقوله عندهم كما عرف في موضعه.

١ـ مقدمة رد المحتار (١/١٧١)

٢ـ المختار للفتوى (٢/١٣٣)، كنز الدقائق (٣١٦)، الوقاية (٣/٢١٥)، غرر الأحكام (٢/٣٤١)، تنوير الأبصار (٨/٦٠٥)

٣ـ الهداية شرح البداية (٣/٢٢٢)، البحر الرائق (٧/٣٧٩)، تبيين الحقائق (٤/٣١٠)، الاختيار لتعليل المختار (٢/١٣٣)، الفقه النافع (ص: ١٢١١، الفقرة: ٩٦٥)، رمز الحقائق (٢/١٠٩)، المحيط البرهاني في الفقه النعماني (٤/١٥٤)

[۲۳۳] اختلافی مسئلہ ☆

وإذا اختلف الزوجان في متاع البيت ... فإن مات أحدهما واختلف ورثته مع الآخر فما يصلح للرجال والنساء فهو للباقي منهما (مع يمينه. [1])؛ (وهذا قول أبي حنيفة. [2]) وقال أبو يوسف: يدفع إلى المرأة ما يجهز به مثلها والباقي للزوج. [3]

مفتی بہ قول:

فتوی اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

☆ بعضهم ذكروا هذه المسألة في كتاب النكاح لمناسبتها به؛ كما ترى في المبسوط للسرخسي (٥/٢١٣)، وبدائع الصنائع (٢/٦١١)، والفتاوى الهندية (١/٣٢٩)، والمحيط البرهاني (٣/١٦٤)

١ـ مجمع الأنهر (٣/٣٦٨)، الدر المنتقى (٣/٣٦٧)، رمز الحقائق (٢/١١٠)، والنافع الكبير شرح الجامع الصغير (١/٢٤٠)، شرح الوقاية (٣/٢١٦)، جامع الرموز (٢/٤٨٦)، غرر الأحكام (٢/٣٤٣)، شرح النقاية لفخر الدين (٢/٣٥٠)، الفقه الإسلامي وأدلته (٦٨٢٧).

٢ـ المبسوط للسرخسي (٥/٢١٣)، الجوهرة النيرة (٢/٥١٦)، الترجيح والتصحيح (٥٣٤)، الهداية (٣/٢٢٣)، تبيين الحقائق (٤/٣١٢)، مجمع الأنهر (٣/٣٦٨)، الفقه النافع (ص: ١٢١١، الفقرة: ٩٦٧)، الدر المنتقى (٣/٣٦٧)، جامع الرموز (٢/٤٨٦)، شرح الوقاية (٣/٢١٦)، حاشية الشرنبلالي على الدرر والغرر (٢/٣٤٣)، شرح النقاية (٢/٣٥٠)، قرة عيون الأخيار (١١/٦١٥)، الفقه الإسلامي وأدلته (٦٨٢٧).

٣ـ بيان قول محمد فيها:

وما يصلح لهما فعلى قول محمد رحمه الله هو للرجل إن كان حيا ولورثته إن كان ميتا - أي لا للمرأة - [المحيط البرهاني في الفقه النعماني (٣/١٦٥)، الترجيح والتصحيح (٥٣٤)، الفتاوى الهندية (١/٣٢٩)، المبسوط للسرخسي (٥/٢١٤)، الجوهرة النيرة (٢/٥١٦)، ملتقى الأبحر (٣/٣٦٨)، حاشية الشرنبلالي على الدرر والغرر (٢/٣٤٣)، جامع الرموز (٢/٤٨٦)، مجمع البحرين (٧٥٢)، بداية المبتدي (١/١٦٧)، الفقه النافع (ص: ١٢١٢، الفقرة: ٩٦٧)، الاختيار لتعليل المختار (٢/١٣٣)، فتاوى النوازل (٢٥٣)، الفقه الإسلامي وأدلته (٦٨٢٧)]

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(١) عن أبي حنيفة عن حماد، عن إبراهيم، أنه قال في الرجل إذا مات: فما كان في البيت من متاع الرجال فهو للرجال، وما كان متاع النساء فهو للمرأة، وما كان من متاع الرجال والنساء فهو للباقي بعد منهما.[١]

(٢) قال محمد أخبرنا أبوحنيفة عن حماد عن إبراهيم قال: إذا اختلفوا في متاع البيت فما كان يكون للرجال فهو للرجل وما كان يكون للنساء فهو للمرأة وما كان يكون للرجال والنساء فهو للباقي منهما وإن مات الرجل فهو للمرأة وإن ماتت المرأة فهو للرجل.[٢]

(٣) (أ) أبوحنيفة عن هيثم الصيرفي عن الشعبي عن جابر: أن رجلين اختصما إلى النبي -صلى الله عليه وسلم- في ناقة فقال كل واحد منهما نتجت هذه الناقة عندي وأقام بينة فقضى بها رسول الله -صلى الله عليه وسلم- للذي هي في يديه.[٣]

(ب) عن شريح قال اختصم إليه رجلان في فرس ادعياها جميعا وهي في يد أحدهما فأقام كل واحد منهما بينة أنه نتجها فقال شريح الناتج أحق من العارف وجعلها للذي هي في يديه.[٤]

روایاتِ بالا میں متنازع فیہ شئی کے اندر اس شخص کے حق میں فیصلہ کیا گیا جس کا اس پر قبضہ تھا گو وہ بیّنہ کے بعد ہی تھا تاہم اتنا امر تو ضرور اس سے ثابت ہوا کہ قبضہ کو باقاعدہ ایک حیثیت دے کر فیصلہ صاحبِ ید کے حق میں کیا گیا۔

چنانچہ مذکورہ بالا مسئلہ میں بھی قبضہ کو بنیاد ٹھہرا کر ''حَی (زندہ)'' کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا کیونکہ قبضہ زندہ شخص کا ہوتا ہے مردے کا کوئی قبضہ نہیں ہوتا اس لیے صورتِ ہذا میں ''متاعِ مشکل'' زوجین میں سے جو زندہ ہو اس کو دے

١۔ الآثار لأبي يوسف (ص: ١٥٧) رقم (٧٢٠)

٢۔ أخرجه محمد في "الحجة على أهل المدينة" (٤/٤٤) وكذا في "كتاب الآثار له" (ص: ١٧٠) رقم (٦٩١) بمعناه

٣۔ السنن الكبرى للبيهقي (١٠/٢٥٦) رقم (٢١٧٥٨).

فيه زيد بن نعيم. قال عنه ابن التركماني في "الجوهر النقي" (١٠/٢٥٦) وابن القطان في "بيان الوهم والإيهام في كتاب الأحكام" (٣/٥٥١): لا يعرف حاله.

قلت: أما مجهول الحال -إذا كان من القرون الثلاثة المشهود لها بالخير- فروايته مقبولة على أصلنا. فلمّا كان زيد بن نعيم هذا، كذلك (إذ هو من أصحاب محمد بن الحسن الشيباني كما في "الطبقات السنية" للغزي ١:٢٨٩ وتوفي محمد سنة ١٨٧هـ)، لا تضرنا جهالته هذه.

٤۔ مصنف عبدالرزاق (٨/٢٧٧) رقم (١٥٢٠٦)

دیا جائے گا۔[1]

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وإذا اختلف الزوجان في متا ع البيت فما يصلح للرجال فهو للرجل، وما يصلح للنساء فهو للمرأة، وما يصلح لهما فهو للرجل. فإن مات أحدهما واختلف ورثته مع الآخر، فما يصلح للرجال والنساء فهو للباقي منهما، وهذا قول أبي حنيفة وقال أبويوسف: يدفع إلى المرأة ما يجهز به مثلها والباقي للزوج.) قال الإسبيجابي: والصحيح قول أبي حنيفة. [2]

❷ أفتى "الشامي" على قول الإمام فيه كما ترى في إجابته عن سوال من هذا النوع:

(سئل) في رجل مات عن زوجة وعن أولاد بالغين من غيرها اختلفوا معها في شيء معين صالح للزوجين فلمن القول من الفريقين؟

(الجواب): القول في ذلك لزوجة مع يمينها قال في التنوير من باب التحالف وإن مات احدهما واختلف وارثه مع الحي في المشكل الصالح لهما فالقول فيه للحي. [3]

❸ قال قاضيخان:

فصل في اختلاف الزوجين في متاع البيت:

ولو مات الرجل وبقيت المرأة ووقع الاختلاف بين المرأة ووارث الرجل فما يكون للرجال عادة كان القول فيه قول الوارث والباقي للمرأة وإن ماتت المراة وبقي الرجل فما يكون للنساء فالقول في ذلك قول وارث المرأة والباقي وهو المشكل للحي منهما وهو الرجل قال أبويوسف رحمه الله تعالى الحكم بعد موت أحدهما هو الحكم في حياتهما. [4] (ولا يخفى أن القول المقدم فيه راجح حسبما ف في

١ ـ أما الاستدلال بالقول "لأن اليد للحيّ دون الميت" فسترى فى الكتب التالية وما سواه من الاستدلال بالجهة المذكورة فهو ما برز لى، والله أعلم بالصواب. البحرالرائق (٧/٣٨٤)، مجمع الأنهر (٣/٣٦٨)، الهداية (٣/٢٢٣)، شرح النقاية (٢/٣٥٠)، جامع الرموز (٢/٤٨٦)، الاختيار لتعليل المختار (٢/١٣٣)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٣٤٣)، الفقه النافع (ص:١٢١١، الفقرة: ٩٦٧)، الجوهرة النيرة (٢/٥١٦)، الموسوعة الفقهية الكويتية (٣٦/٦٤).

٢ ـ الترجيح والتصحيح (٥٣٤)

٣ ـ العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية (٢/١١)

٤ ـ الفتاوى الخانية(١/٤٠١)

موضعه، وقد علمته من قبل.)

❹ قال الحلبي:

وإن اختلف الزوجان في متاع البيت فالقول لها فيما صلح لها، وله فيما صلح له، أولهما، وبعد موت أحدهما القول في المحتمل للحي، وعند أبي يوسف كذلك في الزائد على جهاز مثلها، وفي جهاز مثلها لها أو لورثتها، وعند محمد للرجل أو لورثته. [١](ومن المعلوم أن القول المقدم فيه راجح وتقدم بيانه في مواضع عديدة).

❺ في الموسوعة الفقهية:

وإذا اختلف أحدهما وورثة الآخر فما يصلح لأحدهما فهو كاختلافهما، فما كان خاصا بالرجال فهو للرجل أو لورثته، وما يصلح للنساء فهو لها أو لورثتها.

أما ما يصلح لهما فقد اختلف الفقهاء فقال الحنفية: هو للحي منهما لأنه لا يد للميت. [٢] (لمّا أطلق هذا القول في بيان مذهب الحنفية، عُلم منه أنه هو المذهب المختار عندهم).

❻ ذكر القهستاني الخلاف المذكور وأتى بتعليل قول أبي حنيفة فقط وأهمل تعليل ما سواه. [٣] فهذا يدل على ترجيح قوله عنده، كما عرفت سابقا.

❼ قول الإمام قول المتون. [٤] فهذا من ترجيح له أيضا.

❽ أخر السرخسي[٥] والكاساني[٦] دليل الإمام فيه ترجيحا له، وهذا ظاهر.

---

١ ـ ملتقى الأبحر (٣/٣٦٧، ٣٦٨)

٢ ـ الموسوعة الفقهية الكويتية (٣٦/٦٤)

٣ ـ جامع الرموز (٢/٤٨٦)

٤ ـ المختار للفتوى (٢/١٣٢،١٣٣)، كنز الدقائق (٣١٨)، الوقاية (٣/٢١٦)، النقاية (٢/٣٥٠)، غرر الأحكام (٢/٣٤٣)، تنوير الأبصار (٨/٣٦٥)

٥ ـ المبسوط له (٥/٢١٥)

٦ ـ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٢/٦١١)

[٢٣٤] اختلافی مسئلہ

وإذا باع الرجل الجارية فجاءت بولد ... وإن ماتت الأم فادّعاه (أي الولدَ) البائعُ وقد جاءت به لأقل من ستة أشهر يثبت النسب منه في الولد وأخذه البائع ويرد الثمن كله في قول أبي حنيفة وقالا: يرُد حصةَ الولد ولا يرد حصة الأم.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

مذکورہ بچے کا نسب بائع سے ثابت ہونے سے ظاہر ہوگیا کہ اس نے یہ ام ولد باندی بیچی تھی اور ام ولد کی بیع باطل ہے لہٰذا جب جبکہ یہ مشتری کے پاس ہلاک ہوگئی تو اس کی وجہ سے مشتری پر کوئی ضمان نہیں آئے گا کیونکہ ام ولد کی مالیت غیر متقوم ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ عقد تو درکنار غصب میں بھی اس کی وجہ سے ضمان نہیں آتا (گویا کہ یہ صورت ہذا میں بحیثیت امانت مشتری کے پاس تھی) لہٰذا بائع پوری قیمت واپس کرے گا۔[1]

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

(هو) (ويرد الثمن كله في قول أبي حنيفة، وقال أبويوسف ومحمد: يرد حصة الولد، ولا يرد حصه الأم) وعلى قول الإمام مشى الأئمة الأعلام كالنسفي والمحبوبي والموصلي وصدر الشريعة.[2]

❷ قال طاهر بن عبدالرشيد البخاري:

رجل باع أمة له وبها حبل فقال البائع: ليس هذا الحبل مني وهو من غيري فولدت عند

---

(١) تبيين الحقائق (٤/٣٣٠)، رمز الحقائق (٢/١١٧)، الجوهرة النيرة (٢/٤١٨)، بدائع الصنائع (٥/٢٧٣)، اللباب في شرح الكتاب (٢/١٤٠)، الهداية (٣/٢٢٣)، مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر (٣/٣٨٩)

(٢) الترجيح والتصحيح (٥٣٥)

المشتري لأقل من ستة أشهر فادعاه البائع جازت دعوته وردت الجارية والولد إليه ولو ادعاه البائع ثم ماتت الأم أو أعتقها المشتري فعتقه باطل ويردها إلى البائع ويصير في الموت قسمتها ويرجع بجميع الثمن على البائع.[1]

❸ قال الحلبي:

ولدت مبيعة لأقل من نصف سنة منذ بيعت فادعاه البائع فهو ابنه وهي أم ولده ويفسخ البيع ويرد الثمن، وإن ادعاه المشتري مع دعوته أو بعدها، وكذا لو ادعاه بعد موت الأم أو عتقها، ويرد حصته من الثمن في العتق وكل الثمن في الموت، وقالا: حصته فيهما.[2] (القول المقدم فيه راجح -وهو قول الإمام هنا- كما عرفت غير مرة).

❹ في الهندية:

ولو ماتت الأم ثم ادعى البائع نسب الولد صحت دعوته ويرد البائع جميع الثمن في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى.[3]

(فالاقتصار فيه علي قول الإمام وعدم التعرض لقولهما -في معرض البيان- يدل على ترجيح قوله رحمه الله تعالي علي ما عرّف في أصول الإفتاء).

❺ قال ملا خسرو:

يثبت النسب من البائع إن ماتت الأم فادعاه البائع وقد ولدت للأقل ويأخذه ويسترد المشتري كل الثمن.[4] (ولم يذكر فيه اي اختلاف -ون كانت المسألة مختلف فيها- فهذا لكونه مختارا في الباب، وهو ظاهر).

❻ إذا لم يرد تصريح بتصحيح أحد القولين أصلا -كما وقع في هذه المسألة- فالعمل إذن بما في المتون، علي ما قال الشامي.[5] وهنا المتون على قول الإمام (كما سبقت الإشارة إليه في كلام ابن قطلوبغا) فلذا هو يليق بالعمل والإفتاء فيها

❼ أخر الإمام الولوالجي دليل الإمام فيها.[6] فهذا ترجيح لقوله عنده على ما عرف في الأصول.

١ـ خلاصة الفتاوى (٤/١٠٥)

٢ـ ملتقى الأبحر (٣/٣٨٨، ٣٨٩)

٣ـ الفتاوى الهندية (٤/١١٥)

٤ـ درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/١٠٣)

٥ـ تقدم تخريجه

٦ـ الفتاوى الولوالجية (٤/٢١١)

كتاب الشهادات

[٢٣٥] اختلافی مسئلہ

وقال أبوحنيفة رحمه الله تعالى: يقتصر الحاكم على ظاهر عدالة المسلم إلا في الحدود والقصاص فإنه يسأل عن الشهود وإن طعن الخصم فيهم يسأل عنهم وقال أبويوسف ومحمد رحمهما الله تعالى: لابد أن يسأل عنهم (في سائر الحقوق[1]) في السر والعلانية.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر ہے کہ صرف حدود وقصاص ہی نہیں بلکہ تمام حقوق میں قاضی شہود کی عدالت کے متعلق تحقیق کرے گا۔[2]

قول مفتی بہ کا مستدل:

احادیث وآثار کا ذخیرہ اس پر شاہد ہے کہ فیصلے کی بنیاد حجت پر ہے اور یہ حجت عادل آدمیوں کی شہادت کا نام ہے

١۔ ملتقى الأبحر (٢٦٣/٣)، الجوهرة النيرة (٥٢٣/٢)، اللباب في شرح الكتاب (١٤٤/٣)، الفتاوى الخيرية (٤٠/٢)، الهداية شرح البداية (١٦٣/٣)، شرح النقاية (٣١٣/٢)، كنز الدقائق (٢٨٨)، جامع الرموز (٤٢٠/٢)

٢۔ قال ابن قطلوبغا في الترجيح والتصحيح (ص: ٥٣٨):

قال الإمام أبوبكر الرازي: هذا اختلاف عصر وزمان لا اختلاف حجة وبرهان.

وقال في الجواهر: وإنما يقتصر لظاهر العدالة لأن أبا حنيفة من التابعين، فلا يكون فشو الكذب موجودا. فأما في عصر أبي يوسف ومحمد فإن الكذب قد فشا فلا يكتفى بظاهر العدالة فهذا بناء على اختلاف العصر وكذا نقل الإسبيجابي وصاحب الينابيع. قلت: وكذا في مجمع الأنهر (٢٦٣/٣)، حاشية الطحطاوى علي الدر المختار (٢٣٢/٣)، تبيين الحقائق (٢١١/٤)، رمز الحقائق (٧٨/٢)، فتح القدير (٣٥٣/٧)، الفقه الإسلامي وأدلته (٦٠٣٩)

و ذكر الكاساني في "البدائع" (٤٠٥/٥، ٤٠٦) أن هذا الاختلاف اختلاف زمان لا اختلاف حقيقة عند بعض مشايخنا ومنهم من حقق الخلاف.

چنانچہ قاضی اول عدالتِ شہود کی مکمل تحقیق کرائے گا پھر اس تحقق عدالت کی بناء پر فیصلہ صادر کرے گا۔

مزید برآں اس تفتیش وتحقیقِ کامل میں قضائے قاضی کے نقض و بطلان سے حفاظت بھی مضمر ہے کیونکہ بعد میں عدالتِ شہود پر جرح ثابت ہونے سے فیصلہ باطل ہوجاتا ہے۔ الحاصل تمام حوادث میں صحیح و مستحکم فیصلے کے اصدار کیلئے عدالتِ شہود کی مکمل تحقیق لابدی ہے۔[1]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

لابد أن يسأل القاضي عن الشهود في السر والعلانية في سائر الحقوق طعن الخصم أم لا عند أبي يوسف و محمد –رحمهما الله تعالى–، وعند أبي حنيفة –رحمه الله تعالى– يقتصر على ظاهر العدالة في المسلم حتى يطعن المشهود عليه إلا في الحدود والقصاص فإنه يسأل في السر ويزكي في العلانية فيهما بالإجماع طعن الخصم أو لم يطعن والفتوى على قولهما في هذا الزمان هكذا في الكافي.[2]

❷ قال قاضي خان:

ولا يقضي القاضي بظاهر العدالة في قول أبي يوسف و محمد رحمهما الله تعالى ويسأل عن الشهود طعن الخصم في الشهود أو لم يطعن. وقال أبو حنيفة رحمه الله تعالى إن كان المدعي به حقا يثبت مع الشبهات كان له أن يقضي بظاهر العدالة ما لم يطعن الخصم في الشهود والفتوى على قولهما.[3]

❸ قال التمرتاشي والحصكفي:

(ولا يسأل عن شاهد بلا طعن من الخصم إلا في حد وقود، وعندهما يسأل في الكل) إن جهل بحالهم. بحر. (سرا وعلنا به يفتى)

قال الشامي:

(قوله به يفتى) مرتبط بقوله وعندهما يسأل في الكل.[4]

❹ قال ابن نجيم:

(قوله وسأل عن الشهود سرا وعلنا في سائر الحقوق) أي وسأل القاضي عنهم في السر والعلانية وهو قول أبي يوسف و محمد ... وقال أبو حنيفة يقتصر الحاكم على ظاهر العدالة في المسلم

١ ـ البحر الرائق (٧/١٠٦)، البناية مع الهداية (١١/٣٥١)، تبيين الحقائق (٤/٢١٠)، الفقه الإسلامي و أدلته (٦٠٣٩)

٢ ـ الفتاوى الهندية (٣/٥٢٧)

٣ ـ الفتاوى الخانية (٢/٤٦٢)

٤ ـ الدر المختار مع رد المحتار (٨/٢٠٤)

ولا يسأل القاضي عن الشهود بلا طعن الخصم ... وهذا اختلاف عصر وزمان والفتوى على قولهما في هذا الزمان.[1]

٥ قال الرملي:

لا يقتصر الحاكم على ظاهر عدالة المسلم بل لا بد أن يسأل عنها سرا وعلانية في جميع الحقوق وسائر الحوادث طعن الخصم أو لم يطعن على ما عليه الفتوى.[2]

٦ قال الحلبي:

ولا يسأل قاض عن شاهد بلا طعن الخصم إلا في حد و قود. وعندهما يسأل في سائر الحقوق سرا وعلنا وبه يفتي في زمانا.

قال داماد أفندي:

(وبه) أي بقول الإمامين (يفتى في زماننا) لأن الفساد في هذا العصر أكثر كما في أكثر المعتبرات.[3]

٧ **كذا في الكتب الأخر.[4]**

٨ **وقول الصاحبين اختاره أصحاب المتون أيضا.[5]**

---

١ ـ البحر الرائق (١٠٦/٧)

٢ ـ الفتاوى الخيرية (٤٠/٢)

٣ ـ ملتقى الأبحر مع شرحه مجمع الأنهر (٢٦٣/٣)

٤ ـ تبيين الحقائق (٢١١،٢١٠/٤)، فتاوى النوازل (٣٩٤)، الهداية شرح البداية (١٦٣/٣)، الترجيح والتصحيح (٥٣٩)، الجوهرة النيرة (٥٢٣/٢)، اللباب في شرح الكتاب (١٤٤/٣)، فتح القدير (٣٥٢/٧)، شرح الوقاية (١٥٤/٣)، شرح النقاية (٣١٣/٢)، رمز الحقائق (٧٨/٢)، شرح الطائي على الكنز (٧٨/٢)، كشف الحقائق (٧٧،٧٦/٢)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٣٧٢/٢)، درر الحكام في شرح مجلة الأحكام (٤٨/١)، الفقه الإسلامي وأدلته (٦٠٣٩)

٥ ـ المختار للفتوى (١٥٢/٢)، كنز الدقائق (٢٨٨)، الوقاية (١٥٤/٣)، النقاية (٣١٣/٢)، مجمع البحرين (٧٦٩)، ... الأحكام (٣٧٣،٣٧٢/٢)، تنوير الأبصار (٢٠٤/٨)

[٢٣٦] اختلافی مسئلہ

ويعتبر اتفاق الشاهدين في اللفظ والمعنى عند أبي حنيفة، فإن شهد أحدهما بألف والآخر بألفين لم تقبل شهادتهما عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقال أبويوسف و محمد رحمهما الله تعالى: تقبل بالألف (إذا كان المدعي يدعي الألفين[١] -أي الأكثر-[٢])

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

اس شہادت میں دونوں گواہان اپنی گواہی میں لفظاً و معنیً باہم مختلف ہیں۔ لفظاً تو بالکل ظاہر ہے کہ لفظِ ''ألف''، ''ألفين'' کا غیر ہے اور معنیً اول تو اس وجہ سے کہ معنیٰ خود لفظ سے ہی مستفاد ہوتا ہے جب لفظ مختلف ہوا تو لامحالہ معنیٰ بھی مختلف ہوگا کما ھو ظاہر، نیز یہ کہ تثنیہ کا مفہوم و مراد، مفرد کے مفہوم سے یکسر مختلف بلکہ اس کا غیر ہوتا ہے۔

الغرض جب شاہدین کے جملوں میں لفظ و معنیٰ ہر اعتبار سے اختلاف ثابت ہوگیا تو یہ مستقل دو جملے ہوئے جن میں سے ہر جملے پر صرف ایک گواہ (یعنی خود وہ متکلم) ہوا اور ظاہر ہے کہ دعاوی میں ایک گواہ سے شہادت تام نہیں ہوتی لہٰذا ان کی

١ـ الفتاوى الهندية (٣/٤٠٥)، الجوهرة النيرة (٢/٥٣٤)، تبيين الحقائق (٤/٢٣٠)، الاختيار لتعليل المختار (٢/١٥٦)، الهداية شرح البداية (٣/١٧٣)، الموسوعة الفقهية الكويتية (٢٦/٢٤٦)

فائدة هذا القيد الاحترازي:

قال ابن الهمام في فتح القدير (٧/٣٠٧):

قوله (إذا كان المدعي يدعي ألفين) بخلاف ما لو كان يدعي ألفا لا يقضى بشيء اتفاقا لأنه أكذب شاهد الألفين إلا إن وفق فقال كان لي عليه ألفان فقضاني ألفا أو أبرأته من ألف والشاهد لا يعلم بذلك فحينئذ يقضى له بالألف.

٢ـ الدر المنتقى (٣/٢٨٦)، شرح النقاية (٢/٣٢٣)، الفقه النافع (ص: ١١٧٠، الفقرة: ٩٣١)

شہادت کو رَد کر دیا جائے گا۔[1]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

- في الهندية:

شهد أحدهما بألف والآخر بألفين لم تقبل بشيء عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- وعندهما تقبل على الألف إذا كان المدعي يدعي الألفين، وعلى هذا المائة والمائتان والطلقة والطلقتان والطلقة والثلاث، كذا في الهندية.

والصحيح قول أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- كذا في المضمرات.[2]

- قال ابن قطلوبغا:

قوله: (ويعتبر اتفاق الشاهدين في اللفظ والمعنى عند أبي حنيفة).

قال الإسبيجابي: والصحيح قول أبي حنيفة.[3]

- قال التمرتاشي والحصكفي:

وكذا تجب مطابقة الشهادتين لفظا ومعنى بطريق الوضع لا التضمن... ولو شهد أحدهما بألف والآخر بألفين أو مائة ومائتين أو طلقة وطلقتين أو ثلاث ردّت.

قال الطحطاوى:

قوله (ردّت) هذا هو المذهب.[4]

- قال الحصكفي:

(وكذا شُرط اتفاق الشاهدين لفظا ومعنى) (فلا تقبل لو شهد أحدهما بألف أو مائة أو طلقة والآخر بألفين أو بمائتين أو بطلقتين أو ثلاث) (وعندهما تقبل على الأقل) عند دعوى الأكثر -إلى أن قال- والصحيح قوله كما في المضمرات.[5]

١ـ المحيط البرهاني في الفقه النعماني (٨/٤٦٨)، الهداية شرح البداية (٣/١٧٤)، الاختيار لتعليل المختار (٢/١٥٦)، الجوهرة النيرة (٢/٥٣٤)، الفقه الإسلامي وأدلته (٦٠٤٧)

٢ـ الفتاوى الهندية (٣/٥٠٣،٥٠٤)

٣ـ الترجيح والتصحيح (٥٤٢)

٤ـ حاشية الطحطاوى علي الدر المختار (٣/٢٥٦)

٥ـ الدر المنتقى (٣/٢٨٦)

● قال القهستاني:

وشرط للقبول موافقة الشهادة الدعوى كاتفاق الشاهدين لفظا ومعنى عند أبي حنيفة فترد الشهادة عنده من أحدهما في ألف والآخر ألفين... وتقبل عندهما على الألف -إلى أن قال- والصحيح قوله كما في المضمرات.[1]

● قال الزحيلي:

وأما الاختلاف في القدر: فهو أن يدعي رجل على آخر ألفي درهم، ويثبت ادعاءه بالبينة، فيشهد له شاهد بألفين، والآخر بألف، فلا تقبل الشهادة عند أبي حنيفة؛ لأنه يشترط اتفاق الشاهدين باللفظ والمعنى -إلى أن قال- وهذا هو الصحيح.[2]

● قول الإمام قول المتون.[3] فهذا من ترجيح له أيضا.

● أخر الشارحون وغيرهم دليل الإمام فيه وضمنه بعضهم جواب دليلهما.[4] وهذا لكون قوله مختارا وراجحا عندهم كما عرف من صنيعهم فيه.

---

[۲۳۷] اختلافی مسئلہ

وقال أبو حنيفة رحمه الله تعالى في شاهد الزور: أشهره في السوق ولا أعزره وقالا رحمهما الله تعالى: نوجعه ضربا ونحبسه.

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتیٰ بہ کا مستدل:

(۱) قال محمد أخبرنا أبو حنيفة عن الهيثم بن أبي الهيثم عمن حدثه عن شريح قال: إذا أخذ شاهد

١ـ جامع الرموز (٢/٤٣٨، ٤٣٩)

٢ـ الفقه الإسلامي وأدلته (٧٠٤٧)

٣ـ المختار للفتوى (٢/١٥٦)، كنز الدقائق (٢٩٤)، الوقاية (٣/١٦٧)، النقاية (٢/٣٢٣)، غرر الأحكام (٢/٣٨٤)، تنوير الأبصار (٨/٢٤٧،٢٤٨)

٤ـ الهداية شرح البداية (٣/١٧٤)، الاختيار لتعليل المختار (٢/١٥٦)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٥/٤١٩)، المحيط البرهاني في الفقه النعماني (٨/٤٦٨)، الفقه النافع (ص: ١١٧٠، الفقرة: ٩٣١).

زور فإن كان من أهل السوق بعث به إلى السوق فقال لرسوله: قل لهم: إن شريحا يقرئكم السلام ويقول: إنا وجدنا هذا شاهد زور فاحذروه وإن كان من العرب أرسل به إلى مجلس قومه أجمع ما كانوا فقال للرسول مثل ما قال في المرة الأولى. (١)

مستدلِ مذکور میں احناف کے ہاں اس عملِ تشہیر کے اندر قاضی شریح کی اتباع دراصل صحابہ رضی اللہ عنہم کی اتباع ہے کیونکہ ''شریح'' صحابہؓ کے زمانہ میں قاضی تھے اور اس طرح کی تشہیر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر مخفی نہیں رہ سکتی، اس سب کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے اس پر نکیر منقول نہیں لہٰذا ایک تو یہ بمنزلہ اجماع ہوگیا دوسرے یہ بطریقِ ضرورۃ صحابہؓ کی ہی اتباع ہوگئی کما ہو ظاہر۔ (٢)

(٢) صورتِ بالا میں مقصود (جو کہ زجر ہے) تشہیر سے ہی حاصل ہو جاتا ہے بلکہ بسا اوقات اس کو لوگوں کے ہاں مار سے بھی زیادہ سخت سمجھا جاتا ہے لہٰذا اسی پر اکتفاء کیا جائے گا۔

نیز ''ضرب'' میں اگرچہ زجر زیادہ ہے لیکن ایک گونہ اس میں نقصان بھی ہے کہ یہ لوگوں کے لئے رجوعِ شہادت سے مانع بن جاتی ہے چنانچہ اس پہلو پر نظر ڈالتے ہوئے بھی زجر میں تخفیف واجب ہے۔ (٣)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ **في الهندية:**

١ـ كتاب الآثار بروايته: (ص: ١٦٢) رقم (٦٤٤)

قال شيخنا العثماني في "الإعلاء" (١٥/١٥٩):

قلت: شيخ الهيثم مجهول وهو غير مضر عندنا لا سيما واحتجاج المجتهد بحديثٍ تصحيحٌ له. وقد روي من طريق أخرى موصولة وقال ابن أبي شيبة [في مصنفه: (٤/٥٥٠) برقم (٢٣٠٤٤)] : حدثنا وكيع قال حدثنا سفيان عن أبي الحصين قال كان شريح يبعث بشاهد الزور إلى مسجد قومه أو إلى سوقه ويقول إنا قد زيفنا شهادة هذا . وفي لفظ [برقم (٢٣٠٤٥)]: يكتب اسمه عنده فإن كان من العرب بعث به إلى مسجد قومه وإن كان من الموالي بعث به إلى سوقه يعلمهم ذلك منه . وهذا سند صحيح متصل فإن أبا حصين عثمان بن عاصم الأسدي الكوفي روى عن جابر بن سمرة وابن الزبير وابن عباس وأنس وأبي سعيد الخدري وزيد بن أرقم وأبي عبدالرحمن السلمي وأبي وائل وسويد بن غفلة وغيرهم ومثله لا يفوته شريح.

٢ـ درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٣٩١)، تبيين الحقائق (٤/٢٤٢)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٥/٤٣٧)، المبسوط للسرخسي (١٦/١٤٥)، الموسوعة الفقهية الكويتية (٢٦/٢٥٦).

٣ـ البحر الرائق (٧/٢١٢)، خلاصة الدلائل (٢/٣١٩)، الهداية في شرح البداية المبتدي (٣/١٨٠)، الاختيار لتعليل المختار (٢/١٥٦)، الفقه الإسلامي وأدلته (٦٠٥٧، ٦٠٥٨)

شاهد الزور يعزر إجماعا اتصل القضاء بشهادته، أو لم يتصل قال أبو حنيفة –رحمه الله تعالى– تعزيره تشهير فقط هكذا في الكافي. فإن كان سوقيا يبعث به القاضي إلى أهل سوقه وقت الضحوة أجمع ما كانوا، وإن لم يكن سوقيا يبعث إلى محلته أجمع ما كانوا ويقول أمين القاضي إن القاضي يقرئكم السلام ويقول إنا وجدنا هذا شاهد زور فاحذروه وحذروا الناس، كذا في المحيط. ولا يضرب عند أبي حنيفة –رحمه الله تعالى– وعليه الفتوى. [1]

❷ قال الأوشي:

شاهد الزور يشتهر في السوق. إنا وجدنا شاهد زور فاحذروه واحذروا الناس عنه ولا يضرب عند أبي حنيفة وعليه الفتوى وقالا: يضرب وجيعا ويحبس تأديبا. [2]

❸ قال التمرتاشي والحصكفي:

(من ظهر أنه شهد بزور عزر بالتشهير) وعليه الفتوى. سراجية. وزادا: ضربه وحبسه.

قال علاؤ الدين الشامي:

قوله: (بالتشهير وعليه الفتوى) أي لا بالضرب وهو قول الإمام لأنه كان يقول تعزيره تشهيره قال في السراجية: والفتوى على قوله. [3]

❹ قال السمرقندي:

وقال أبوحنيفة رحمه الله تعالى شاهد الزور أشهره في السوق ولا أعزره لأن المقصود حصل بالتشهير وقال أبويوسف و محمد رحمهما الله تعالى: يوجعه ضربا ويحبسه تاديبا له. والأصح قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى. [4]

❺ قال الحلبي:

من علم أنه شهد زورا شهّر ولا يعزّر وعندهما يوجع ضربا ويحبس.

قال داماد أفندي:

(شهّر) فقط (ولا يعزّر) عند الإمام وعليه الفتوى كما في السراجية. [5]

١ـ الفتاوى الهندية (٣/٥٣٣،٥٣٤)

٢ـ الفتاوى السراجية (١٢٧)

٣ـ تكملة رد المحتار (١١/٣٠٤)

٤ـ الفقه النافع (ص: ١١٧٤، الفقرة: ٩٣٦)

٥ـ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر (٣/٣٠٤)

قال الحصكفي:

(... وعندهما يوجع ضربا ويحبس) تأديبا، ويفتى بقوله. [1]

❻ كذا في الكتب الأخر. [2]

❼ مشى أصحاب المتون على قول الإمام،[3] ترجيحا له، كما هو ظاهر.

❽ أخر الشارحون دليل الإمام فيه ومعظمهم ضمنوه جواب دليلهما. [4] **وهذا ترجيح لقوله عندهم كما عرف في موضعه.☆**

١ـ الدر المنتقى في شرح الملتقى (٣٠٤/٣)

٢ـ جامع الرموز مع غواص البحرين (٤٤٥،٤٤٤/٢)، شرح الطائى علي الكنز (٨٩/٢)، الترجيح و التصحيح (٥٤٦)

٣ـ المختار للفتوى (١٥٦/٢)، كنز الدقائق (٢٩٧)، الوقاية (١٧٤/٣)، النقاية (٣٢٦/٢)، غرر الأحكام (٣٩١/٢)، تنوير الأبصار (٣٠٢/١١)

٤ـ المبسوط للسرخسي (١٤٥/١٦)، الهداية في شرح بداية المبتدى (١٨٠/٣)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٤٣٧/٥)، الاختيار لتعليل المختار (١٥٦/٢)، تبيين الحقائق (٢٤١/٤)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٣٩١/٢)، رمز الحقائق (٨٩/٢)ـ

☆ **إيقاظ :**

يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

قال ابن الهمام في "الفتح" (٤٤٢/٧-٤٤٣):

(لهما ما روي أن عمر رضي الله تعالى عنه ضرب شاهد الزور أربعين سوطا) ... والحق أنه ينتهض عليه -أي على أبي حنيفة- لأنه ينفي ضربه وهما يثبتانه اهـ

فكأنّ ابن الهمام مال بقوله المذكور إلى ترجيح قول الصاحبين كما قال ابنُ نجيم، في "البحر" (٢١٢/٧): "ورجح في فتح القدير قولهما وقال: إنه الحق."، وغيره. ولكن قال علاؤ الدين الشامي في تكملة رد المحتار (٣٠٤/١١) -بعد أن نقل قولَ صاحب البحر المذكور-: قال المولى عبدالحليم: أقول: ولا يلزم من كون قولهما حقا أن يرجح على قوله، بل قوله هو الحق ولهذا كان الفتوى عليه.

باب الرجوع عن الشهادة

[۲۳۸] اختلافی مسئلہ

وإن شهد رجل وعشر نسوة... فإن رجع الرجل والنساء فعلى الرجل سدس الحق وعلى النساء خمسة أسداس الحق عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى وقالا رحمهما الله تعالى: على الرجل النصف وعلى النسوة النصف.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہے کہ شہادت کے باب میں عورتوں کے ساتھ جب مرد مل جائیں تو ان میں سے ہر دو عورتیں ایک مرد کے بمنزلہ ہوتی ہیں:

(أ) قال تعالى: ﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ﴾ إلى قوله ﴿أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرٰى﴾ (1)

۱۔ (البقرة: ۲۸۲)

قال الجصاص في شرحه على مختصر الطحاوى (۱٦٨/٨):

ودلالة هذه الآية على صحة ما ذكرنا من وجهين:

أحدهما: قوله: "فإن لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان"، ومعناه والله اعلم: فإن لم يكن الشهيدان رجلين فالشهيدان رجل وامرأتان؛ لأنه معلوم أنه ليس المراد: فإن لم يوجد رجلان فرجل وامرأتان ؛ لأنه لا خلاف أن وجود الرجلين لا يسع قبول شهادتين معهما، فدل على أن المعني فيه ما وصفنا.

فتضمن هذا اللفظ الدلالة على إطلاق اسم الشهيد على المرأتين فثبت أن حكم كل ثنتين منهن حكم رجل فوجب أن يكون الضمان عليهن على قدر ذلك.

==

(ب) عن عبدالله بن عمر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال –في بعض الحديث–: "أما نقصان العقل (أي في النساء) فشهادة امرأتين تعدل شهادة رجل"،[1] وفي رواية "أليس شهادة المرأة مثل نصف شهادة الرجل"،[2] وفي رواية بلفظ "شهادة امرأتين منكن بشهادة رجل".[3]

مضمونِ بالا کے پیشِ نظر صورتِ مذکورہ میں گویا کل چھ مردوں نے گواہی دی لہٰذا ضمان بھی ان کے مابین چھ حصوں کے اعتبار سے تقسیم ہوگا چنانچہ ایک مرد کے ذمہ ایک سدس اور دس عورتوں (جو پانچ مردوں کے بمنزلہ ہیں) کے ذمہ پانچ سدس ہونگے۔[4] ☆

== والوجه الآخر من دلالة الآية على صحة ما ذكرنا: قوله: "أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى"، فقرئ على وجهين: بالتخفيف والتشديد.

حدثنا عبدالباقي بن قانع قال: حدثنا أبوعبيد مؤمل الصيرفي قال: حدثنا أبويعلى البصري قال: الأصمعي عن أبي عمرو بن العلاء قال: من قرأ "فتذكر إحداهما الأخرى": مخففة: أراد أنه تُجعل شهادتهما بمنزلة شهادة ذَكَر، ومن قرأ: "تذكّر": أراد من جهة الذِكر.

فدلت قراءة التخفيف على أن كل امرأتين بمنزلة رجل، لما تضمنه معنى الآية على ما ذكرنا عن أبي عمرو.

١ـ صحيح مسلم (١/٦١) رقم (٢٥٠)، وكذا انظر له: سنن ابن ماجه (٢/١٣٢٦) رقم (٤٠٠٣)، السنن الكبرى للبيهقي (١٠/١٤٨) رقم (٢١٠٣٤)، شعب الإيمان (١/٦١) رقم (٢٩)، معرفة السنن والآثار للبيهقي (١٥/٤١٦) رقم (٦٠٦٤)

٢ـ صحيح البخارى (١/٣١٤) رقم (٣٠٤)، وكذا انظر له: صحيح ابن حبان (١٣/٥٤) رقم (٥٧٤٤)، صحيح ابن خزيمة (٣/٢٦٨) رقم (٢٠٤٥)، السنن الكبرى للبيهقي (١/٣٠٨) رقم (١٥٢٩)، شرح السنة للبغوي (١/٣٧) رقم (١٩)

٣ـ صحيح ابن خزيمة (٢/١٠١) رقم (١٠٠٠)، سنن الترمذي (٥/١٠) رقم (٢٦١٣)

٤ـ شرح مختصر الطحاوي للجصاص (٨/١٦٨)، المبسوط للسرخسي (١٦/١٨٧،١٨٨)، بدائع الصنائع (٥/٤٣٤)، قرة عيون الأخيار (١١/٣٢٠)، تبيين الحقائق (٤/٢٤٦)، الاختيار لتعليل المختار (٢/١٦٥)، الهداية (٣/١٨٢)، البحر الرائق (٧/٢٢٣)، مجمع الأنهر (٣/٣٠١)، المحيط البرهاني في الفقه النعماني (٨/٥٤٢)، اللباب في شرح الكتاب (٣/١٥٤)، شرح الوقاية (٣/١٧٦)، شرح النقاية لفخر الدين (٢/٣٢٨)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٣٩٢)، شرح ابن ملك على هامش مجمع البحرين (٧٧٨)، خلاصة الدلائل (٢/٣٢١).

☆ تقوية الاستدلال:

قال السرخسي في المبسوط (١٦/١٨٨):

ودليل صحة هذا الكلام أن حكم الشهادة كحكم الميراث، وفي الميراث عند كثرة البنات مع الابن يجعل كل اثنتين كابن واحد ولم يجعل حالة الاختلاط كحالة انفراد البنات فعند الانفراد لا يزاد لهن على الثلثين، ثم عند الاختلاط يجعل كل اثنتين كابن، فكذلك في الشهادة، وهذا؛ لأن النقصان على أدنى العدد في الشهادة يمنع القضاء. فأما الزيادة على النصاب معتبر في أن القضاء يكون بشهادة الكل فبكثرة النساء عند وجود الرجل يزداد النصاب، ويكون القضاء بشهادة الكل على أن كل امرأتين كرجل واحد فعند الرجوع كذلك يقضي بالضمان.

قول مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الحصكفي:

وإن رجع الكل فعلى الرجل سدس وعليهن خمسة أسداس عنده، وعندهما عليه نصف وعليهن نصف، وعلى الأول المعول. [1]

❷ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (فإن رجع الرجل والنساء فعلى الرجل سدس الحق وعلى النسوة خمسة أسداس الحق عند أبي حنيفة وقال أبويوسف ومحمد: على الرجل النصف وعلى النسوة النصف).

• وعلى قول الإمام مشى الإمام المحبوبي ، النسفي وغيرهما. [2]

❸ قال الحلبي:

وإن رجع الكل فعلى الرجل سدس وعليهن خمسة أسداس، وعندهما عليه نصف وعليهن نصف. [3] (القول المقدم فيه راجح –وهو قول الإمام هنا– كما صرح به الشامي في شرح العقود والمصنف في المقدمة وهذا قد عرفته غير مرة)

❹ قال الأوشي:

شهد رجل وعشر نسوة ثم رجعوا فعلى الرجل سدس المال وعليهن خمسة أسداس المال. [4]

(اقتصر المصنف العلام على هذا القول ولم يذكر فيه ايّ اختلاف –وان كانت المسألة مختلف فيها– فهو يدل على أن هذا هو المختار والراجح عنده في الباب).

❺ اكتفى الشارح الأفغاني بذكر دليل الإمام في هذه المسألة ولم يعلل قول صاحبَيه. فبهذا علم أن قول أبي حنيفة فيها قد ترجح عنده على ما تقرر فى أصول الإفتاء. [5]

---

١ ـ الدر المنتقى (٣٠١/٣)

٢ ـ الترجيح والتصحيح (٥٤٨)

٣ ـ ملتقى الأبحر (٣٠١/٣)

٤ ـ الفتاوى السراجية (١٢٦)

٥ ـ كشف الحقائق (٨٩/٢)

❻ اعتمد قول الإمام أبي حنيفة: الموصلي [١]، والنسفي [٢]، والتمرتاشي [٣]؛ هذا لكونه راجحا عندهم كما عرف في الأصول.

❼ قد أخر اصحاب الشروح دليل الإمام فيها عن دليلهما. [٤] وهذا ترجيح لقوله عندهم وقد مرّ بيانه غير مرة.

١ ـ المختار للفتوى (٢/١٦٤)

٢ ـ كنز الدقائق (٢٩٨،٢٩٩)

٣ ـ تنوير الأبصار (٨/٢٦٧)

٤ ـ الهداية (٣/١٨٢)، المبسوط للسرخسي (١٦/١٨٧)، البحر الرائق (٧/٢٢٣)، تبيين الحقائق (٤/٢٤٦)، الاختيار لتعليل المختار (٢/١٦٥)، شرح الوقاية (٣/١٨٦)، شرح النقاية لفخر الدين (٢/٣٢٨)، كشف الحقائق (٢/٨٩)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٣٩٢)، الفقه النافع (ص:١١٨٣، الفقرة: ٩٣٩)، رمز الحقائق (٢/٩٠)، اللباب في شرح الكتاب (٣/١٥٤)

كتاب آداب القاضي

[۲۳۹] مسئلہ

ویحبسه شهرین أو ثلاثة ثم یسأل عنه.

مفتی بہ قول:

مفتی بہ قول کے موافق حبس کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں ہے بلکہ یہ قاضی کی رائے کے سپرد ہے۔

مستدلہ:

(۱) عن أبي جعفر أن عليّا رضي الله عنه قال: إنما الحبس حتى يتبين للإمام فما حبس بعد ذلك فهو جور. (۱)

(۲) حبس سے مقصود یہ ہے کہ مدیونِ مذکور اس حبس سے تنگ آ کر قضاءِ دَین میں جلدی کرے اور ظاہر ہے کہ اس میں مختلف لوگوں کی طبائع مختلف ہوتی ہیں کہ بعض لوگوں پر حبسِ قلیل بھی گراں گزرتا ہے اور وہ جلدی اداءِ دَین پر اُتر آتے ہیں جبکہ بعض دیگر کیلئے حبسِ کثیر لابدی ہوتا ہے حتی کہ بعض آدمیوں پر مالِ قلیل کی ادائیگی سے بھی زمنِ طویل کا حبس زیادہ آسان ہوتا ہے۔ اس لئے معاملہ ہذا کو قاضی کی رائے کے سپرد کیا جائے گا وہ اپنی صوابدید کے موافق جس شخص کو۔ اس کی حالت وتحمل کے پیشِ نظر۔ جس قدر محبوس رکھنا چاہے رکھے۔ (۲)

تخریجہ:

❶ قال قاضیخان:

وإذا حبسه القاضي شهرين أو ثلاثة يسأل عنه وفي بعض المواضع ذكر أربعة أشهر والصحيح أنه ليس بمقدر بل هو مفوض إلى رأي القاضي. (۳)

۱۔ السنن الكبرى (٦/٥٣) رقم (١١٠٧٤)، سكت عنه البيهقي وابن التركماني.

۲۔ انظر له: البحر الرائق (٦/٤٨٠، ٤٨١)، رد المحتار (٨/٧٤)، المبسوط للسرخسي (٥/٨٨، ٩٠)، الجوهرة النيرة (٢/٥٤٩)، شرح النقاية (٢/٣٠٠)، لسان الحكام (١/٢٢٥)

۳۔ فتاوی قاضیخان (١/٤٣٧)

❷ قال التمرتاشي والحصكفي:

(فيحبسه) حينئذ (بما رأى) ولو يوما، وهو الصحيح.

قال الشامي:

(قوله: هو الصحيح) ... ومقابله رواية تقديره بشهرين أو ثلاثة وفي رواية بأربعة وفي رواية بنصف حول.[1]

❸ قال ابن نجيم:

وقوله "بما رأى": أي لا تقدير لمدة حبسه، وإنما هو مفوض إلى رأي القاضي لأنه للضجر والتسارع لقضاء الدَين وأحوال الناس فيه متفاوتة وقدره في كتاب الكفالة بشهرين أو ثلاثة، وفي رواية الحسن بأربعة وفي رواية الطحاوي بنصف الحول.

والصحيح ما ذكره المصنف كما في البزازية فلو رأى القاضي إطلاقه بعد يوم فظاهر كلامهم أن له ذلك قال في المحيط إن شاء يسأل عنه قبل مضي شهر اهـ.[2]

❹ في الهندية -بعد ذكر الأقوال في تقديره-:

وكثير من المشايخ -رحمهم الله تعالى- قالوا: ليس في هذا تقدير لازم، كذا في الذخيرة. والصحيح أنه مفوض إلى رأي القاضي.[3]

❺ قال الحلبي:

ويحبسه مدة يغلب على ظنه أنه لو كان له مال لأظهره هو الصحيح وقيل شهرين أو ثلاثة،

قال داماد أفندي:

(هو الصحيح) وذلك يختلف باختلاف الشخص والزمان والمكان والمال فلا معنى لتقديره وما جاء من التقدير بشهرين أو ثلاثة أو أربعة أو خمسة أو ستة أو شهر اتفاقي وليس بتقدير حتما (وقيل) يخبسه (شهرين أو ثلاثة) والصحيح الأول لما بيناه.[4]

---

١ ـ الدر المختار مع رد المحتار (٨/٧٤)

٢ ـ البحر الرائق (٦/٤٨٠،٤٨١)

٣ ـ الفتاوى الهندية (٣/٤١٥)

٤ ـ ملتقى الأبحر مع شرحه مجمع الأنهر (٣/٢٢٥)

❻ كذا في الكتب الأخر. [1]

❼ وعليه المتون كذلك. [2]

---

[٢٤٠] مسئلہ

ويجب أن يقرأ الكتاب عليهم ليعرفوا ما فيه، ثم يختمه (بحضرتهم، [3]) ويسلمه إليهم.

توضیح المقام (مع سرد الاختلاف):

شرائطِ مذکورہ (قاضیؒ کاتب کا شہود کے روبرو خط کو پڑھنا، ان کی موجودگی میں اس کو سربمہر کرنا اور پھر اسے ان کے حوالے کرنا) طرفینؒ کے مذہب کے موافق ہیں اور قاضی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ان میں سے کوئی چیز بھی شرط نہیں ہے۔ صرف اتنی بات شرط ہے کہ ان شہود کو اس بات کا گواہ بنادے کہ یہ خط قاضی کا ہے۔ [4]

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

مستدلہ:

اس تمام تر شہادت سے مقصود یہ ہے کہ مکتوب الیہ قاضی کو بطریقِ یقین یہ معلوم ہو جائے کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہے

١ـ الفتاوى الولوالجية (٣٧/٤)، الاختيار لتعليل المختار (٩٦/٢، ٩٧)، الترجيح والتصحيح (٥٥٣)، الهداية شرح البداية (١٤٥/٣)، المبسوط للسرخسي (٨٨/٥)، شرح الوقاية (١٢٦/٣)، شرح النقاية (٣٠٠/٢)، جامع الرموز (٤٠٠/٢)، مجمع البحرين (٧٤١)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٤٠٧/٢)، لسان الحكام (٢٢٥/١)، معين الحكام (١٩٨/١).

٢ـ المختار للفتوى (٩٦/٢)، كنز الدقائق (٢٧٨)، الوقاية (١٢٦/٣)، النقاية (٣٠٠/٢)، مجمع البحرين (٧٤١)، غرر الأحكام (٤٠٧/٢)، تنوير الأبصار (٧٤/٨)

٣ـ ذُكِرَ هنا هذا اللفظ من قول القدوري في الجوهرة النيرة (٥٥١/٢) واللباب في شرح الكتاب (١٦٣/٣) والهداية (١٤٧/٣)

٤ـ جامع الرموز (٤٠٥/٢)، الهداية (١٧٤/٣)، ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر (٢٣١/٣، ٢٣٢)، شرح الوقاية (١٢٩/٣)، شرح الطائى على الكنز (٦٨/٢، ٦٩)

اور یہ غرض فقط شرطِ مذکور سے بھی حاصل ہوجاتی ہے فیکتفی به۔[1]

تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

(وقرأ) الكتاب (عليهم) أو أعلمهم بما فيه (وختم عندهم) أي عند شهود الطريق (وسلم الكتاب إليهم بعد كتابة عنوانه في باطنه)... واكتفى الثاني -رحمه الله تعالى- بأن يشهدهم أنه كتابه وعليه الفتوى كما في العزمية عن الكفاية.[2]

❷ قال المرغيناني:

قال: "ويجب أن يقرأ الكتاب عليهم ليعرفوا ما فيه أو يعلمهم به" لأنه لا شهادة بدون العلم "ثم يختمه بحضرتهم ويسلمه إليهم" كي لا يتوهم التغيير، وهذا عند أبي حنيفة و محمد رحمهما الله، ... وقال أبويوسف رحمه الله آخرا: شيء من ذلك ليس بشرط، والشرط أن يشهدهم أن هذا كتابه وختمه وعن أبي يوسف أن الختم ليس بشرط أيضا فسهّل في ذلك لما ابتلي بالقضاء وليس الخبر كالمعاينة. واختار شمس الأئمة السرخسي رحمه الله تعالى قول أبي يوسف رحمه الله.[3]

قال ابن الهمام:

قوله: (وقال أبويوسف رحمه الله آخرا: ... وهذا اختيار شمس الأئمة السرخسي) ولا شك عندي في صحته فإن الفرض إذا كان عدالة الشهود -وهم حملة الكتاب- فلا يضره كونه غير مختوم مع شهادتهم أنه كتابه.[4]

❸ قال الحلبي:

ويقرؤه على من يشهدهم عليه ويعلمهم بما فيه وتكون أسماؤهم داخلة ويختمه بحضرتهم ليحفظوا ما فيه ويسلّمه إليهم، وأبويوسف لم يشترط شيئا من ذلك سوى إشهادهم أنه كتابه لما ابتلي بالقضاء واختار السرخسي قوله وليس الخبر كالعيان.

قال الحصكفي:

١ـ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٥/٤٤٦)، الفقه الإسلامي وأدلته (٥٩٥١)

٢ـ الدر المختار (٨/١٤٩-١٥١)

٣ـ الهداية (٣/١٤٧)

٤ـ فتح القدير (٧/٢٧٤)

قوله: (واختار السرخسي قوله وليس الخبر كالعيان) إذ ابتلاؤه به عيان وعليه الفتوى. [1]

❹ قال ملا خسرو:

(وقرأه على من أشهدهم أو يعلمهم به وكتب أسماء هم وأنسابهم فيه وتاريخ الكتاب وختمه عندهم وسلمه إليهم) لئلا يتوهم التغيير وهذا عند أبي حنيفة و محمد (وأبويوسف لم يشترط ذكر اسم المكتوب إليه ونسبه) بل جوز أن يكتب ابتداء إلى كل من يصل إليه كتابي هذا من القضاة (ولا القراءة عليهم وختمه) فسهل في ذلك حين ابتلي بالقضاء وليس الخبر كالمعاينة (وعليه المتأخرون). [2]

❺ قال الطائي:

(وقرأ) الكتاب (عليهم) وجوبا وأعلمهم به (وختم عندهم) أي عند شهود الطريق (وسلم) الكتاب (إليهم)... واكتفى أبويوسف بأن يشهدهم أنه كتابه وعليه الفتوى. [3]

❻ كذا في الكتب الأخر. [4]

١ـ ملتقى الأبحر مع شرحه الدر المنتقى (٣/٢٣١، ٢٣٢)

٢ـ غرر الأحكام مع درر الحكام (٢/٤١٣)

٣ـ شرح الطائي علي الكنز (٢/٦٨،٦٩)

٤ـ الترجيح والتصحيح (٥٥٤)، شرح الوقاية (٣/١٢٩)، البحر الرائق (٧/٦)، تبيين الحقائق (٤/١٨٤، ١٨٥)، الجوهرة النيرة (٢/٥٥١)، مجمع البحرين (٧٤٤)

كتاب القسمة

[۲۴۱] اختلافی مسئلہ

وأجرة القُسّام على عدد رؤوسهم عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقالا رحمهما الله تعالى: على قدر الأنصباء.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قول مفتی بہ کا مستدل:

اُجرت ''عمل'' کا بدل اور عوض ہے۔ اور عملِ قاسم سب کے حق میں یکساں ہے لہذا اُجرت بھی ان پر برابر منقسم ہوگی۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ قاسم کا عمل حصص کی تمییز (ان کو الگ الگ کرنا) ہے اور ''تمییز'' عملِ واحد ہے کیونکہ تمییز القلیل من الکثیر وہ بعینہ تمییز الکثیر من القلیل ہی ہے کما لایخفی اور ظاہر ہے کہ شئی واحد میں تفاوت ایک امرِ محال ہے چنانچہ جب ''عمل'' (جو کہ تمییز ہے اور اُجرت کی بنیاد ہے) متفاوت نہ ہوا تو اجرت بھی لامحالہ متفاوت نہیں ہوگی بلکہ سب پر برابر برابر تقسیم ہوگی۔ (۱)

قولِ مفتی بہ کی تخریج

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وأجرة القُسّام على عدد رؤوسهم عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقالا رحمهما الله

۱۔ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٤٦٥/٥)، الفقه الإسلامي وأدلته (٤٧٦١)

وكذا في الكتب التالية ولكن بإيجاز:

الهداية (٤١٢/٤)، البحر الرائق (٢٧٠/٨)، الجوهرة النيرة (٥٥٥/٢)، تبيين الحقائق (٢٦٦/٥)، اللباب في شرح الكتاب (١٦٨/٣)، شرح الوقاية (٢٠/٤)، رد المحتار (٤٢٦/٩)، حاشية الطحطاوي على الدرالمختار (١٣٤/٤)، كشف الحقائق (٢٠٩/٢)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٤٢١/٢)

تعالى: على قدر الأنصباء.) قال الإسبيجابي: الصحيح قول أبي حنيفة. [1]

❷ قال الحصكفي:

(وهو) أي ما يقدر (على عدد الرؤوس) عنده (وعندهما على قدر السهام) والأول الصحيح فإن المعقود عليه هو التمييز لا غير كما في المضمرات وغيرها. [2]

❸ قال الشامي في جواب سوال عن هذا -كما ترى في ما يلي-:

(سئل)... هل تكون أجرة القسام على عدد الرء وس؟

(الجواب): نعم وهذا عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- وقال أبويوسف و محمد رحمهما الله تعالى على قدر الأنصباء. قال في تصحيح القدوري قال الإسبيجابي الصحيح قول أبي حنيفة وعليه مشى النسفي والمحبوبي وغيرهما ا هـ. ومثله في شرح المنتقى للعلائي نقلا عن المضمرات وعليه اقتصر صاحب التنوير وبه أفتى غير واحد. [3]

❹ قال القهستاني:

(وهو) أي أجر القاسم عنده يقسم (على عدد الرؤوس) أي رؤوس المتقاسمين وعندهما على قدر أنصبائهم والأول الصحيح. [4]

❺ قال الحلبي:

وهو على عدد الرؤوس وعندهما على قدر السهام. [5] (ومن المعلوم أن القول المقدم فيه راجح وتقدم بيانه في مواضع عديدة).

❻ قول الإمام قول المتون. [6] فهذا من ترجيح له أيضا.

❼ أخر الشارحون دليل الإمام فيه ومعظمهم ضمنوه جواب دليلهما. [7] وهذا ترجيح لقوله عندهم كما عرف في موضعه.

١ـ الترجيح والتصحيح (٥٦٠)

٢ـ الدر المنتقى (١٢٦/٤)

٣ـ العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية (١٧٩،١٧٨/٢)

٤ـ جامع الرموز (١٠١/٢)

٥ـ ملتقى الأبحر (١٢٦/٤)

٦ـ المختار للفتوى (٧٨/٢)، كنز الدقائق (٤٠٨)، الوقاية (١٩/٤)، النقاية (٨٧/٢)، غرر الأحكام (٤٢١/٢)، تنوير الأبصار (٤٢٦/٩)

٧ـ الهداية (٤١٢/٤)المبسوط للسرخسي (٦/١٥)، البحر الرائق (٢٧٠/٨)، تبيين الحقائق (٢٦٦/٥)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٤٦٥/٥)، شرح الوقاية (٢٠/٤)، شرح النقاية (٨٧/٢)، الاختيار لتعليل المختار (٧٨/٢)، رد المحتار (٤٢٦/٩)، حاشية الطحطاوى على الدر المختار (١٣٤/٤)

[۲۴۲] اختلافی مسئلہ

وإذا حضر الشركاء عند القاضي وفي أيديهم دار أو ضيعة وادّعوا أنهم ورثوها عن فلان لم يقسمها القاضي عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى حتى يقيموا البينة على موته وعدد ورثته، وقالا رحمهما الله تعالى: يقسمها باعترافهم.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

فقہ کا اصول ہے:

"إقرار المقر إنما يثبت في حقه خاصة." (۱)

تقسیم مذکور دراصل "قضاء علی المیت" (میت کے خلاف فیصلہ کرنا) ہے کیونکہ قبل از تقسیم ترکہ میت کی ملکیت پر باقی رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر تقسیم سے پہلے پہلے ترکہ میں کچھ زیادتی پیدا ہو جائے (جیسے کوئی درخت تھا اور وہ پھل دار ہو گیا یا کسی جانور یا باندی نے بچہ جن دیا وغیرہ وغیرہ) تو اس زیادتی میں تنفیذِ وصیت اور قضاءِ دیون دونوں درست ہیں جبکہ تقسیم کے بعد یہ درست نہیں ہوں گے۔

الغرض جب تقسیم سے قبل یہ ترکہ میت کی ملک پر باقی ہے تو یہ تقسیم گویا قضاء علی المیت ہوئی اور شرکاءِ حاضرین کا یہ اقرار مذکورہ بالا اصولِ فقہ کی رو سے ان کے غیر (اور وہ یہاں مورِث/میت ہے) کے حق میں ثابت نہیں ہوگا۔

لہٰذا یہاں بینہ کا قائم کرنا ضروری ہوگا کیونکہ دوسرے کے خلاف فیصلہ کرنے کے لئے "بیّنہ" ہی ہوتی ہے (نہ کہ اقرار، کہ وہ تو صرف مقر کے حق میں مؤثر ہوتا ہے کما تقدم)۔ (۲)

۱ـ قواعد الفقه للبركتي (۱/٦۱) رقم (٤۳)

۲ـ انظر له:

مجمع الأنهر (٤/۱۲۷)، البحر الرائق (۷/۲۷۰)، بدائع الصنائع (٥/٤۷۱)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (۲/٤۲۲)، الهداية (٤/٤۱۳)، تبيين الحقائق (٥/۲٦٦)، الاختيار لتعليل المختار (۲/۷۹)، الجوهرة النيرة (۲/٥٥٦)، شرح النقاية (۲/۹۰)، رد المحتار (۹/٤۲۹)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وإذا حضر الشركاء عند القاضي وفي أيديهم دارٌ أو ضيعةٌ ادّعوا أنهم ورثوها عن فلان لم يقسمها القاضي عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى حتى يقيموا البيّنة على موته وعدد ورثته، وقال أبويوسف و محمد رحمهما الله تعالى: يقسمها باعترافهم، ويَذْكُر في كتاب القسمة أنه قسمها بقولهم).

قال الإمام جمال الإسلام: الصحيح قول أبي حنيفة. [1]

❷ قال القهستاني:

(فإن ادعوا إرثه) أي العقار (عن فلان لا) يقسم (حتى برهنوا على موته) أي فلان (و) على (عدد ورثته) وقالا: يقسم بمجرد الإقرار كما في النهاية وغيره والأول الصحيح كما في المضمرات. [2]

❸ قال قاضي خان:

قوم حضروا وطلبوا من القاضي قسمة العقار قال ابوحنيفة رحمه الله تعالى: لا يقسم ما لم يقيموا البينة على الوفاة وعلى عدد الورثة وعلى أن العقار في أيديهم ميراث عن أبيهم وقال صاحباه رحمهما الله تعالى: القاضي يقسم. [3]

(القول المقدم فيه راجح -وهو قول الإمام هنا- كما صرح به الشامي في شرح العقود والمصنف في المقدمة وهو معروف لدى أرباب الإفتاء).

❹ قال الحلبي:

ولا يقسم عقار بين الورثة بإقرارهم ما لم يبرهنوا على الموت وعدد الورثة، وعندهما يقسم. [4] (ولا يخفى أن القول المقدم فيه راجح حسبما عرف في الأصول).

❺ قال الأوشي:

إذا طلبت الورثة من القاضي قسمة العقار وقالوا هذا ورثنا عن أبينا لم يقسم القاضي بينهم حتى يقيموا البينة على موته وعدد ورثته عند أبي حنيفة. [5](اقتصر المصنف العلّام على قول الإمام لكونه

١ـ الترجيح والتصحيح (٥٦٠)

٢ـ جامع الرموز (٢/١٠٥، ١٠٦)

٣ـ الفتاوى الخانية (٣/١٤٨)

٤ـ ملتقى الأبحر (٤/١٢٧)

٥ـ الفتاوى السراجية (١١٠)

مختارا في الباب وراجحا عنده، كما لا يخفى).

٦ اختار أصحاب المتون قول الإمام.(١) وهذا ترجيح له أيضا.

٧ قد أخر أصحاب الشروح دليل الإمام فيه.(٢) وذاك من ترجيح لقول الإمام عندهم كما تقدم بيانه فيما مر.

---

[٢٤٣] اختلافی مسئلہ

قال أبوحنيفة رحمه الله تعالى: لا يقسم الرقيق ولا الجواهر وقال أبو يوسف ومحمدٌ رحمهما الله تعالى: يقسم الرقيق.

ملحوظہ:

یہ تقسیم صرف اس وقت ممنوع ہے جب شرکاء میں سے ''کل'' کی بجائے ''بعض'' کی جانب سے تقسیم کا مطالبہ ہو۔ یعنی بعض شرکاء تقسیم کرانا چاہتے ہوں اور بعض دیگر اس تقسیم کے حق میں نہ ہوں تو اس وقت قاضی (ان بعض کے مطالبہ کی بناء پر) جبراً یہ تقسیم نہیں کرے گا البتہ اگر سب شرکاء اس میں باہم رضامند ہوں تو پھر یہ تقسیم ممنوع نہ ہوگی کما ھو ظاہر۔(٣)

توضیح الاختلاف:

تقسیمِ غلام میں اختلاف مذکور صرف اس صورت میں ہے جب اکیلے غلام ہوں یعنی ان کے ساتھ ''عروض'' میں سے کوئی شیٔ نہ ہو چنانچہ اگر غلام کے ساتھ دوسری کوئی قابلِ تقسیم شیٔ ملا دی گئی ہو تو بالاتفاق اس غلام میں بھی تبعاً تقسیم جائز ہوگی کیونکہ بعض اشیاء مقصوداً تو ثابت نہیں ہوتیں لیکن تبعاً للغیر ان کا ثبوت متحقق ہو جاتا ہے کما لا یخفی۔

١ـ المختار للفتوى (٢/٧٩)، كنز الدقائق (٤٠٨)، الوقاية (٤/٢٠)، النقاية (٢/٨٩، ٩٠)، غرر الأحكام (٢/٤٢١)، تنوير الأبصار (٩/٤٢٩)

٢ـ الهداية (٤/٤١٣)، بدائع الصنائع (٥/٤٧١)، البحر الرائق (٧/٢٧٠، ٢٧١)، تبيين الحقائق (٥/٢٦٦)، شرح النقاية (٢/٩٠)، الاختيار لتعليل المختار (٢/٧٩)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٤٢٢)، ردالمحتار (٩/٤٢٩)

٣ـ الجوهرة النيرة (٢/٥٥٧)، النقاية مع شرحه لفخر الدين (٢/٨٨)، شرح ابن ملك على مجمع البحرين -على هامشه- (٧٨٤)، المختار للفتوى (٢/٨٠)، تبيين الحقائق (٥/٢٦٩)، رمز الحقائق (٢/١٩٤)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٤٢٣)، فتاوى النوازل (٣٨٩)

نیز یہ بھی کہ وہ (اکیلے) غلام صرف مذکر یا صرف مؤنث ہوں کیونکہ مذکر اور مؤنث دونوں کے مخلوط ہونے کے وقت بالإجماع ان کی تقسیم نہیں ہوگی کیونکہ انسانوں میں مذکر اور مؤنث بلا خلاف دو مختلف جنسیں ہیں۔ (۱)

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(أ) عن جابر وأنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لصوت أبي طلحة في الجيش خير من ألف رجل. (۲)

دو آدمیوں کے مابین تفاوت، دو جنسوں کے باہمی تفاوت سے کہیں زیادہ ہوتا ہے کیونکہ ہر انسان باطنی اوصاف (جیسے علم، فہم، تحمل، دانائی، صوت، مہارت، شجاعت اور رشاقت وغیرہ) میں دوسرے انسان سے یکسر مختلف ہوتا ہے لہٰذا یہ جنسِ مختلف کی طرح ہوگیا۔ اور بسا اوقات ایک آدمی اپنی ہی جنس کے ہزار آدمیوں سے بہتر ہوتا ہے جیسا کہ حدیثِ بالا سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور ایک شاعر نے بھی اسے یوں قلمبند کیا ہے:

ولم أر أمثال الرجال تفاوتًا
إلى الفضلِ حتى عُدَّ ألفٌ بواحد

الغرض تفصیلِ بالا کی روشنی میں انسان جب مختلف الاجناس اشیاء کی طرح ہوگئے تو ان میں جبراً تقسیم بھی درست نہیں ہوگی جیسا کہ اجناسِ مختلفہ میں نہیں ہوتی۔ (۳)

(ب) قال عبدالله بن عمر –رضي الله عنهما– سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إنما

۱۔ البحر الرائق (۸/۲۷۵)، الفتاوى الهندية (۵/۲۰۶)، الفتاوى الخانية (۳/۱۵۰)، تبيين الحقائق (۵/۲۷۰)، رمز الحقائق (۲/۱۹٤)

۲۔ المستدرك للحاكم (۳/۳۹۷) رقم (۵۵۰۳)

قال الذهبي في التلخيص: رواته ثقات على شرط مسلم

۳۔ خلاصة الدلائل لحسام الدين الرازي (۲/۳٤۰)، ردالمحتار (۹/٤۳۳)

وكذا في الكتب التالية ولكن بالإيجاز:

الهداية (٤/٤۱۵)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (۲/٤۲۳)، شرح الوقاية (٤/۲۲)، شرح النقاية لفخرالدين (۲/۸۸)، فتاوى النوازل (۳۸۹)

الناس كالإبل المائة لا تكاد تجد فيها راحلة". [1]

امام جصاصؒ نے قدرے منفرد اسلوب سے زیرِ بحث مسئلہ کے مستدل کو یوں بیان کیا ہے:

تقسیم ''بطریقِ مساوات حقوق دینے'' کا نام ہے اور غلاموں میں یہ برابری ناممکن ہے کیونکہ بنی آدم کے مابین تفاوت پایا جاتا ہے پھر اس پر حدیثِ بالا ''انما الناس كالإبل الخ'' سے استیناس کیا ہے اور شعرِ مذکور بھی اس پر پیش کیا ہے۔ اس کے بعد کہا ہے کہ جب معاملہ اس طرح ہے یعنی ان میں مساوات ممکن نہیں تو بر بنائے عدمِ مساوات ان (غلاموں) کی تقسیم بھی درست نہیں ہوگی۔ [2]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وقال أبوحنيفة: لا يقسم الرقيق ولا الجواهر لتفاوته وقال أبويوسف ومحمدٌ: يقسم الرقيق)

قال الإمام بهاؤ الدين في شرحه: الصحيح قول أبي حنيفة. [3]

❷ قال الحلبي:

ولا الجواهر ولا الحمام ولا البئر ولا الرحى ولا الثوب الواحد ولا الحائط بين دارين إلا برضاهم، وكذا الرقيق خلافا لهما. [4] (القول المقدم فيه راجح حسب تصريح الشامي والمصنف به كما عرفت غير مرة).

❸ قال قاضي خان:

وإن كان الكل ذكورا أو إناثا وليس مع الرقيق شئ آخر فطلب بعض الورثة قسمته وأبى البعض أو أبى أحد الورثة لا يقسم بينهم في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى ولا يجبرهم على ذلک وقال

١ـ صحيح البخاري (٦١/٣٣٢) رقم (٦٤٩٨) وكذا فيما يلي بغير لفظه:

صحيح ابن حبان (١٤/٤٦) رقم (٦١٧٢)، صحيح مسلم (٧/١٩٢) رقم (٦٦٦٣)، مسند أحمد بن حنبل (٢/٧) رقم (٤٥١٦)، السنن الكبرى للبيهقي (٩/١٩) رقم (١٨٢٤٦)، سنن ابن ماجه (٢/١٣٢١) رقم (٣٩٩٠)، سنن الترمذي (٥/١٥٣) رقم (٢٨٧٢)، مسند الطيالسي (١/٢٥٩) رقم (١٩١٤)، مسند عبد بن حميد (١/٢٣٨) رقم (٧٢٤)، مصنف عبدالرزاق (١١/٢٤٦) رقم (٢٠٤٤٧)

٢ـ شرح مختصر الطحاوی له (٨/٤٧٤)

٣ـ الترجيح والتصحيح (٥٦٢)

٤ـ ملتقى الأبحر (٤/١٢٩، ١٣٠)

صاحباه رحمهما الله تعالى: يقسم ويجبرهم على القسمة. [1] (ولا يخفى أن القول المقدم فيْه راجح حسبما عرف في الأصول وتقدم بيانه في مواضع عديدة.)

❹ قال السمرقندي:

ولا يقسم الرقيق والجواهر لتفاوتهما إلا بتراضيهم لأن التفاوت في الآدمي فاحش. [2] (اقتصر المصنف العلّام على هذا القول ولم يذكر فيه ايّ اختلاف –وان كانت المسألة مختلف فيها– فهو يدل على أن هذا هو المختار والراجح عنده في الباب، ومزيدا أيّده بذكر الدليل له).

❺ قال الأوشي:

الرقيق والجواهر والحمام والرحى لا يقسم بطلب أحدهم. [3] (عدمُ التعرض لذكر الاختلاف فيه وجزمُ هذا القولِ في موضع الخلاف بالاقتصار عليه يدلّان على أن هذا هو المختار والراجح عنده في الباب).

❻ قال الأفغاني:

(ولا يقسم الجنسين)... (والجواهر والرقيق) لتفاوتهما وقالا: يقسم الرقيق. [4] (فاكتفى به الشارح النحرير ولم يعلل قولهما. فبهذا علم أن قوله قد ترجح عنده على ما تقرر في أصول الإفتاء).

❼ إختار أصحاب المتون قول الإمام. [5] وهذا ترجيح له أيضا كما عرفته.

❽ قد أخر أصحاب الشروح دليل الإمام فيه وأكثرهم ضمنوه جواب دليلهما. [6] (وذاك من ترجيح لقوله عندهم وقد مرّ بيانه غير مرة).

١ـ الفتاوى الخانية (٣/١٥٠)

٢ـ فتاوى النوازل (٣٨٩)

٣ـ الفتاوى السراجية (١١١)

٤ـ كشف الحقائق (٢/٢١٠)

٥ـ المختار للفتوى (٢/٨٠)، كنز الدقائق (٤١٠)، الوقاية (٤/٢٢)، النقاية (٢/٨٨)، مجمع البحرين (٧٨٤)، غرر الأحكام (٢/٤٢٣)، تنوير الأبصار (٩/٤٣٣)

٦ـ الهداية (٤/٤١٥)، تبيين الحقائق (٥/٢٦٩)، البحر الرائق (٨/٢٧٥)، بدائع الصنائع (٥/٤٦٩)، الاختيار لتعليل المختار (٢/٨٠)، رمز الحقائق (٢/١٩٤)، شرح الوقاية (٤/٢٢)، شرح النقاية (٢/٨٩)، شرح النقاية لفخر الدين (٢/٨٨)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٤٢٣)

[۲۴۴] اختلافی مسئلہ

وإذا كانت دُورٌ مشتركةٌ في مصرٍ واحدٍ قسمت كل دار على حدتها في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقالا رحمهما الله تعالى: إن كان الأصلح لهم قسمة بعضها في بعضٍ قسمها.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

''دُور'' اگرچہ نفسِ سکنی کے اعتبار سے جنسِ واحد ہوتے ہیں مگر وجوہِ سکنی ومقاصد کے لحاظ سے اجناسِ مختلفہ میں شمار ہوتے ہیں۔

اور مقاصد کے اعتبار سے۔ جبکہ ''دُور'' میں مقاصد ہی مطلوب ومعتبر ہوتے ہیں۔ ان میں چونکہ تفاوتِ فاحش پایا جاتا ہے مثلاً محلِ وقوع، پڑوسی اور مسجد وبازار کے قرب وغیرہ کے بدلنے سے مکان کی حیثیت وقیمت بدل جاتی ہے لہٰذا یہ اجناسِ مختلفہ کے بمنزلہ ہوگئے اس لیے ہر گھر کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کیا جائے گا ورنہ ان کی تقسیم میں برابری نہیں ہوسکے گی۔ (۱)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وإن كانت دور مشتركة في مصر واحد قسمت كل دار على حدتها في قول أبي حنيفة، وقال أبويوسف ومحمد: إن الأصلح لهم قسمة بعضها في بعض قسمها).

قال الإسبيجابي: الصحيح قول أبي حنيفة. (۲)

۱ـ مستفاد مما يلي:

مجمع الأنهر (۴/ ۱۳۰)، البحر الرائق (۸/۲۷۶)، الهداية شرح البداية (۴/۴۱۵)، تبيين الحقائق (۵/ ۲۷۰)، الاختيار لتعليل المختار (۲/ ۸۱)، شرح النقاية لفخر الدين (۲/ ۸۹)، كشف الحقائق (۲/ ۲۱۱)، فقه الإسلامي وأدلته (۴۷۵۱، ۴۷۵۲)

۲ـ الترجيح والتصحيح (۵۶۳)

❷ قال داماد أفندي:

(والدور) المشتركة بين الاثنين أو أكثر كلها (في مصر واحد يقسم كل) واحدة (على حدته) إلا بتراضي الشركاء عند الإمام وهو الصحيح. [١]

● قال القهستاني:

(ودور) أو أقرحة أو كروم (مشتركة) ولو في مصر قسم كل عند أبي جنيفة رحمه الله تعالى وهو الصحيح كما في المضمرات. [٢]

❹ قال الزحيلي:

أما إذا كانت الدور المشتركة في بلد واحد، فتقسم أيضًا عند أبي حنيفة كل دار على حدة؛ لأن الدور أجناس مختلفة، لاختلاف المقاصد باختلاف المحالّ (المواقع) والجيران، والقرب من المسجد والماء والسوق مثلًا، فلا يمكن التعديل في القسمة وإنما تقسم قسمة تفريق، ولا يضم بعض الأنصبة إلى بعض، إلا إذا تراضوا. وهذا هو الصحيح عند الحنفية. [٣]

❺ قال الحلبي:

والدور في مصر واحد يقسم كل على حدته وقالا: إن كان الأصلح قسمة بعضها في بعض جاز. [٤] (ولا يخفى أن القول المقدم فيه راجح حسبما عرف في موضعه وقد تقدم بيانه قبلُ).

❻ كذا في الكتب الأخر. [٥]

❼ مشى أصحاب المتون على قول الإمام ترجيحا له. [٦] كما هو ظاهر

❽ أتى الشارحون بتأخير دليل الإمام فيه. [٧] وهذا ترجيح لقوله عندهم كما عرفت.

١ـ مجمع الأنهر (٤/١٣٠)

٢ـ جامع الرموز (٢/١٠٤)

٣ـ الفقه الإسلامي وأدلته (٤٧٥١، ٤٧٥٢)

٤ـ ملتقى الأبحر (٤/١٣٠)

٥ـ الفتاوى الخانية (٣/١٥٠، ١٥١)؛ حيث قدّم قول الإمام فيها

فتاوى النوازل (٣٨٩)؛ حيث اقتصر على قول الإمام في معرض الخلاف

كشف الحقائق (٢/٢١١)؛ حيث علّل قول الإمام فقط وأهمل تعليل ما سواه

٦ـ كنز الدقائق (٤١٠)، الوقاية (٤/٢٢)، النقاية (٢/٨٩)، غرر الأحكام (٢/٤٢٣)، تنوير الأبصار (٩/٤٣٥)

٧ـ الهداية شرح البداية (٤/٤١٥)، البحر الرائق (٨/٢٧٦)، تبيين الحقائق (٥/٢٧٠)، شرح النقاية لفخر الدين (٢/٨٩)، الاختيار لتعليل المختار (٢/٨١)

[۲۴۵] اختلافی مسئلہ

وإن استُحِقّ بعضُ نصيبِ أحدهما بعينه لم تفسخ القسمة عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى ورجع بحصة ذلك من نصيب شريكه، وقال أبويوسف رحمه الله تعالى: تفسخ القسمة.

تصحیح الاختلاف:

ذكر الإمام القدوري هنا الاختلاف في استحقاق بعضٍ بعينه. والصحيح أن الاختلاف في استحقاق بعض شائعٍ (أي غير معيّنٍ) من نصيب أحدهما فأما في استحقاق بعضٍ معينٍ لا تفسخ القسمة بالإجماع ولو استحق بعضٌ شائعٌ في الكل تفسخ بالاتفاق. فهذه ثلاثة أوجه. والوجه الأول هو مسألة الكتاب. و محمد رحمه الله مع أبي حنيفة رحمه الله على الأصح. (۱)

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

صحتِ تقسیم کا انحصار معنیٔ ’’اِفراز‘‘ (حصے مکمل طور پر الگ کر دینا) کے تحقق پر ہے لہٰذا جس تقسیم میں ’’افراز‘‘ موجود ہوگا وہ تقسیم صحیح و نافذ ہوگی اور جہاں یہ معدوم ہوگا وہ تقسیم غیر صحیح اور قابلِ فسخ ہوگی۔

صورتِ بالا میں معنیٔ ’’افراز‘‘ معدوم نہیں ہوا یہی وجہ ہے کہ ابتداءً بھی اس طرز پر تقسیم جائز ہے بایں طور کہ شروع میں گھر کے دو حصے کر لئے جائیں: مقدم اور مؤخر۔ پھر نصفِ مقدم کو شریکین اور ثالث کے مابین مشترک قرار دیا جائے اور نصفِ مؤخر کو فقط شریکین میں مشترک رکھا جائے۔

پھر شریکین اسے آپس میں اس طرح تقسیم کر لیں کہ شریکین کا مقدم حصہ اور مؤخر میں سے صرف چوتھائی حصہ ان دونوں میں سے ایک شریک کیلئے ہو۔

۱۔ الهداية (٤/٤٢٠) بشيء يسير من تغيير وزيادة

وكذا في البحر الرائق (٨/٢٨٤)، تبيين الحقائق (٥/٢٧٤)، رمز الحقائق (٢/١٩٦)، فتاوى النوازل (٣٩٠) والدرالمختار (٩/٤٤٢)

چنانچہ جب اس طرح ابتداءً تقسیم جائز ہے تو بلا شبہ انتہاءً بھی جائز ہوگی اور معنیٔ افراز کا ثبوت چونکہ اس زیرِ بحث تقسیم میں پایا گیا ہے لہٰذا یہاں فسخ تقسیم کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ بلکہ یہ جزءِ معین کے استحقاق کی طرح ہوگیا ہے اور اس میں بالاتفاق عدمِ فسخ کا حکم ہے کما عرفت، اس لئے یہاں بھی عدمِ فسخ کا حکم ہوگا۔ [1]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وإذا استحق بعض نصيب أحدهما بعينه لم تفسخ القسمة عند أبي حنيفة ورجع بحصة ذلك من نصيب شريكه، وقال أبو يوسف: تفسخ القسمة).

قال في الهداية وشرح الزاهدي: ذكر المصنف الاختلاف في استحقاق بعض بعينه، وهكذا ذكر في الأسرار، والصحيح أن الاختلاف في استحقاق بعض شائع من نصيب أحدهما... ولم يذكر قول محمد. وذكره أبو سليمان مع أبي يوسف، وأبو حفص مع أبي حنيفة، وهو الأصح. وهكذا ذكره الإسبيجابي، قال: والصحيح قولهما. [2]

❷ قال الحلبي:

ولو استحق بعض معين من نصيب البعض لا تفسخ ويرجع بقسطه في حظ شريكه، وكذا في الشايع وعند أبي يوسف تفسخ. [3] (القول المقدم فيه راجح حسب تصريح الشامي والمصنف به وقد عرفته غير مرة).

❸ قال التمرتاشي والحصكفي:

(وإن استحق بعض معين من نصيبه لا تفسخ القسمة اتفاقا) على الصحيح (وفي استحقاق بعض شائع في الكل تفسخ) اتفاقا (وفي) استحقاق (بعض شائع من نصيبه لا تفسخ) جبرا خلافا للثاني (بل) المستحق منه (يرجع) بحصة ذلك (في نصيب شريكه) إن شاء أو نقض القسمة دفعا لضرر التشقيص. [4]

١ـ انظر له (بتسهيل):

الهداية (٤/ ٤٢٠)، البحر الرائق (٨/ ٢٨٤)، الاختيار لتعليل المختار (٢/ ٨٤)، كشف الحقائق (٢/ ٢١٣)

٢ـ الترجيح والتصحيح (٥٦٦)

٣ـ ملتقى الأبحر (٤/ ١٣٥)

٤ـ الدر المختار (٩/ ٤٤٢)

❹ قال الأوشي:

دار بين رجلين اقتسماها... ولو استحق نصف ما في يد أحدهما معلوما أو مشاعا فالمستحق عليه إن شاء أبطل القسمة وإن شاء رجع على صاحبه بحصته من ذلك.[1] (الاقتصار عليه –في معرض الخلاف– أمارة ترجيحه عنده؛ كما لا يخفى وسبق بيانه).

❺ لما كان محمد رحمه الله فيها مع أبي حنيفة رحمه الله على الأصح[2]، فالترجيح لقولهما (أي لقول الطرفين)؛ لأنه لا خلاف في الأخذ بقول الإمام إذا وافقه أحدهما، على ما قال الشامي.[3]

❻ اعتمد قول الطرفين، النسفي والمحبوبي وصدر الشريعة الأصغر والتمرتاشي وملا خسرو.[4] وهذا لكونه راجحا عندهم على ما تقرر في الأصول.

❼ قد أخر أصحاب الشروح دليل الطرفين فيه وبعضهم ضمنوه جواب دليله.[5] وذاك ترجيح لقولهما عندهم على ما عرفت.

١ـ الفتاوى السراجية (١١١)

٢ـ قد وقع التصريح بمعيّته مع الإمام على القول الأصح في ما يلي من الكتب المعتبرة:

البحر الرائق (٨/٢٨٤)، الهداية (٤/٤٢٠)، المحيط البرهاني في الفقه النعماني (٧/٣٧٣)، تبيين الحقائق (٥/٢٧٤)، مجمع الأنهر (٤/١٣٥)، الدر المنتقى (٤/١٣٥)، رمز الحقائق (٢/١٩٦)، الجوهرة النيرة (٢/٥٦٢)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٤٢٥)، شرح النقاية (٢/٩٢)، مجمع البحرين (٧٨٥)، شرح الوقاية (٤/٢٥)

٣ـ في شرح عقود رسم المفتي (ص: ٢٠)

٤ـ بنشر على ترتيب اللف: كنز الدقائق (٤١٢)، الوقاية (٤/٢٥)، النقاية (٢/٩٢)، تنوير الأبصار (٩/٤٤٢)، غرر الأحكام (٢/٤٢٥)

٥ـ الهداية (٤/٤٢٠)، تبيين الحقائق (٥/٢٧٤)، البحر الرائق (٨/٢٨٤)، كشف الحقائق (٢/٢١٣)، الاختيار لتعليل المختار (٢/٨٤).

كتاب الإكراه

[۲۴۶] اختلافی مسئلہ

وإن أكره على الزنا وجب عليه الحد عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، إلا أن يكرهه السلطان. وقالا رحمهما الله تعالى: لا يلزمه الحد.

توضیح الاختلاف:

''اکراہ'' سے ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بالاتفاق حد لازم نہیں ہوتی۔ اختلاف اس میں ہے کہ شرعاً ''اکراہ'' متحقق کب ہوتا ہے؟

امام صاحبؒ کے نزدیک اکراہ صرف بادشاہ کی جانب سے ہی متحقق ہوسکتا ہے چنانچہ غیرِ سلطان کی صورت میں اکراہ کے عدمِ تحقق کی بناء پر حد لگائی جائے گی اور صاحبینؒ کے ہاں ہر متغلب صاحبِ قدرت شخص سے اکراہ پایا جاسکتا ہے خواہ وہ بادشاہ ہو یا نہ ہو لہٰذا اس میں حد نہیں لگے گی۔

تاہم مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے کہ غیرِ سلطان سے اکراہ کا تحقق عندالإمامؒ متعذر اور عندالصاحبینؒ ممکن ہے۔ (1)

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

''اکراہ'' میں جو معتبر اور مؤثر نکتہ ہے وہ ہلاکت کا خوف ہے ظاہر ہے کہ اس میں بادشاہ وغیر بادشاہ کا کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ جو شخص زور آور ہو اور اپنی دھمکی کو پورا کردینے پر قادر بھی ہو تو اس کی طرف سے خوفِ ہلاکت پایا جاتا ہے بلکہ یوں کہیے کہ یہ امر غیر بادشاہ میں تو ''اظہر'' ہے کیونکہ شخصِ مذکور دھمکی دینے کے بعد اپنے مخاطَب سے امرِ مطلوب کے حصول میں جلد بازی سے کام لیتا ہے تاکہ بادشاہ وغیرہ کو پتہ نہ چل جائے جس سے میری اپنی جان ہی خطرے میں پڑ جائے اور اس کو

١ ـ مستفاد مما يلي: شرح الوقاية (٣/٣٤٣)، البحرالرائق (٥/٣١)، فتاوى قاضي خان (٣/٤٦٨، ٤٦٩) وغيرها

میرے ہاتھ سے چھڑالیا جائے اس لیے مخاطب سے مطلوبہ امر کے حصول میں تھوڑی دیر ہو جانے سے بھی اپنی دھمکی جلد ہی واقع کر دیتا ہے۔

جبکہ بادشاہ خود صاحبِ امر واقتدار ہوتا ہے اسے کسی کا خوف نہیں ہوتا اس لیے وہ دھمکی دینے کے بعد عجلت کی بجائے تحمل وتمکنت کے ساتھ اس سے وہ کام کراسکتا ہے۔ چنانچہ بادشاہ کی دھمکی سے- جو کہ عجلت کی بجائے اناءت (ٹھہراؤ) کے ساتھ مخاطب سے کام کراسکتا ہے- جب اکراہ متحقق ہوجاتا ہے تو متغلب قادر سے بدرجۂ اولی اس کا ثبوت پایا جائے گا۔

الغرض تفصیلِ بالا کی روشنی میں جب غیرِ سلطان سے اکراہ کا تحقق عین ممکن ہوا تو صورتِ بالا میں حدِ زنا بھی قائم نہیں کی جائے گی۔ (1)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الأوشي:

إذا أكره السلطان على الزنا فزنى لم يحدّ ولو كان المكره غير السلطان فعند أبي حنيفة رحمه الله تعالى يحد وقالا: لا، وعليه الفتوى. (2)

❷ في الهندية:

من أكرهه السلطان حتى زنى فلا حد عليه. وكان أبوحنيفة -رحمه الله تعالى- أولا يقول: يحد. ثم رجع فقال: لا يحد. وإن أكرهه غير السلطان قال أبويوسف و محمد -رحمهما الله تعالى-: لا يحد كذا في فتح القدير. وعليه الفتوى كذا في السراجية. (3)

❸ قال قاضي خان:

لا يتحقق (الإكراه) إلا من السلطان في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى وفي قول صاحبيه رحمهما الله تعالى يتحقق من كل متغلب يقدر على تحقيق ما هدد به وعليه الفتوى. (4)

❹ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وإن أكرهه على الزنا وجب عليه الحد عند أبي حنيفة، إلا أن يكرهه السلطان).

١ـ مأخوذ مما يلي:

تبيين الحقائق (١٨٥/٣)، المبسوط للسرخسي (٥٩/٩)، البحر الرائق (٣١/٥)، الهداية (٥١٠/٢)

٢ـ الفتاوى السراجية (٦٠)

٣ـ الفتاوى الهندية (١٥٠/٢)

٤ـ الفتاوى الخانية (٤٨٣/٣)

.... وقال أبويوسف و محمد: لا يلزمه الحد؛ لأن الإكراه يتحقق من غيره، وعليه الفتوى.

قال القاضي الإمام فخر الدين قاضيخان: الإكراه لا يتحقق إلا من السلطان في قول أبي حنيفة. وفي قول صاحبيه يتحقق من كل متغلب يقدر على تحقيق ما هدد به، وعليه الفتوى. وفي الحقائق: والفتوى على قولهما. [1]

❺ قال الشامي:

(قوله ولا بالزنا بإكراه) هذا ما رجع إليه الإمام، وكان أولا يقول إن الرجل يحد؛ لأنه لا يتصور إلا بانتشار الآلة، وهو آية الطواعية، بخلاف المرأة فلا تحد إجماعا، وأطلق فشمل الإكراه من غير السلطان على "قولهما المفتى به" من تحققه من غيره، وهو اختلاف عصر وزمان. [2]

❻ قال الحلبي:

ولو أكره على الزناء ففعل حد ما لم يكرهه السلطان وعندهما لا حد عليه وبه يفتي. [3]

❼ قال ابن الهمام:

(فإن أكرهه غير السلطان حد عند أبي حنيفة) لعدم تحقق الإكراه من غيره فكان مختارا في الزنا... (وقال أبويوسف و محمد: لا يحد لتحقق الإكراه من غير السلطان)... قال المشايخ: وهذا اختلاف عصر وزمان، ففي زمن أبي حنيفة ليس لغير السلطان من القوة ما لا يمكن دفعه بالسلطان، وفي زمنهما ظهرت القوة لكل متغلب فيفتى بقولهما. [4]

❽ كذا في الكتب الأخر. [5]

١ـ الترجيح والتصحيح (٥٧١، ٥٧٢)

٢ـ رد المحتار (٦/ ٤٦)

٣ـ ملتقى الأبحر (٤/ ٤٨)

٤ـ فتح القدير (٥/ ٢٦٠، ٢٦١)

٥ـ خلاصة الفتاوى (٤/ ٢٠٧)، البحر الرائق (٥/ ٣١)، الكفاية (٥/ ٥٦)، البناية (٨/ ٤١٥)، الدر المنتقى (٤/ ٣٩)، تبيين الحقائق (٣/ ١٨٥)، النافع الكبير شرح الجامع الصغير (١/ ٢٨١، ٢٨٢)، الفقه الإسلامي وأدلته (٤٤٤٩)

كتاب السير

[۲۴۷] اختلافی مسئلہ

ولا يفادى بالأسارى عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقالا رحمهما الله تعالى: يفادى بهم أسارى المسلمين.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) (أ) قوله تعالى: [فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ] [۱]

(ب) قوله تعالى: [فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ] [۲]

آیاتِ بالا سے معلوم ہوا کہ قتلِ مشرکین فرض ہے لہٰذا اس فریضہ کو مُفاداۃ (ادلہ بدلہ سے قیدی رہا کرنا) سے ترک نہیں کیا جائے گا جبکہ اس فرض کو سرانجام دینے پر قدرت بھی حاصل ہو۔ [۳]

(۲) قوله تعالى:

[قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ... حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ] [۴]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو امور میں سے ایک امر لازم فرمایا ہے: قتلِ کفار یا جزیہ۔ چنانچہ ان کفار کو واپس کرنا حکمِ آیت کو ساقط کرنا ہے۔ [۵]

۱۔ [التوبه:۵]

۲۔ [الأنفال: ۱۲]

۳۔ المبسوط للسرخسي (۱۰/۱۳۹)، الفتاوى الولوالجية (۲/۲۸۷)، بدائع الصنائع (۶/۹۵)، الاختيار لتعليل المختار (۴/۱۳۳)، الموسوعة الفقهية الكويتية (۳۲/۶۲)

۴۔ [التوبة: ۲۹]

۵۔ شرح مختصر الطحاوی للجصاص (۷/۱۵۹)

(۳) قوله تعالی: [وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ] [1]

ارشادِ مذکور میں حکم دیا گیا ہے کہ ان کو قتل کرو یہاں تک کہ فتنہ (کفر) ختم ہو جائے جبکہ ان کو واپس کرنے کی صورت میں تو فتنہ اور بڑھے گا جو کہ آیتِ بالا کے مقتضیٰ کے خلاف ہے۔ [2]

(۴) فقہ کا قاعدہ ہے:

"يتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام". [3]

کافر قیدی رہا کر کے مسلمان قیدی کو چھڑانے کی صورت میں بہر جانب ضرر پایا جاتا ہے کافر کو واپس کرنے میں ضرر ظاہر ہے کہ اس میں مسلمانوں کی طرف سے کفار کی اعانت ہے جس سے یہ قیدی دوبارہ ہم مسلمانوں سے لڑیں گے اور دوسری طرف ایک مسلمان قیدی کا کفار کی اذیتوں میں مبتلا رہنا ایک مستقل ضرر ہے تاہم یہ ایک خصوصی نوعیت کا ضرر ہے جس کا اثر صرف فردِ واحد یعنی اس کی ذات تک محدود ہے جبکہ کفار کو واپس کرنے کا ضرر سب مسلمانوں کو محیط ہے کہ یہی کفار وہاں پہنچنے کے بعد پھر ان کے ساتھ مل کر تمام مسلمانون کو قتل (کر کے ان کی سلطنتوں پر قابض آ کر ملحدانہ نظام نافذ) کرنے کا اقدام کریں گے۔

چنانچہ اصولِ مذکور کے تناظر میں اُس ضررِ خاص کا تحمل کر کے اِس عام وشائع ضرر کے دفع کرنے کو ترجیح دی جائے گی۔ [4]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

ولا تجوز مفاداة أساراهم بأسارانا عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- كذا في الكافي وهكذا في المتون، والصحيح قول أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- كذا في الزاد. [5]

١۔ [البقرة: ١٩٣]

٢۔ شرح مختصر الطحاوي للجصاص (١٥٩/٧)

٣۔ درر الحكام في شرح مجلة الأحكام (٤٠/١)، رقم المادة (٢٦)، وكذا في قواعد الفقه للبركتي (١٣٩/١) رقم القاعدة (٣٩٨)

٤۔ الموسوعة الفقهية الكويتية (٦٢/٣٢)

وتجد معنى نفس هذا المضمون في الكتب الآتية أيضا:

البحر الرائق (١٤٠/٥)، الهداية شرح البداية (٥٥٢/٢)، الجوهرة النيرة (٥٨١/٢)، الاختيار لتعليل المختار (١٣٣/٤)، رمز الحقائق (٢٤٨/١)، كشف الحقائق (٣٠٩/١)، اللباب في شرح الكتاب (١٨٧/٣)

٥۔ الفتاوى الهندية (٢٠٦/٢)

❷ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (ولا يفادى بالأسارى عند أبي حنيفة، وقال أبويوسف ومحمدٌ: يفادى بهم أسارى المسلمين).

قال الإسبيجابي: الصحيح قول أبي حنيفة. (١)

❸ قال الحصكفي:

(ويجوز) الفداء (بالأسارى عندهما) وعند الشافعي يجوز المنّ والفداء. والصحيح قول أبي حنيفة كما في الزاد. (٢)

❹ قال داماد أفندي:

(ويجوز) الفداء (بالأسارى) أي بأسارى المسلمين (عندهما) تخليصا للمسلم، وهو قول الشافعي ولا يجوز عند الإمام؛ لأن في المفاداة تكثير سواد الكفرة، وفي الترك رجاء إسلامهم. قال الإسبيجابي: والصحيح قول الإمام. (٣)

❺ قال القهستاني:

و (نفي) فداء هم أي إطلاقهم بدل هو إما مال وذا لا يجوز في المشهور... وإما أسير مسلم وذا لا يجوز عنده ويجوز عندهما. والأول الصحيح كما في الزاد. (٤)

❻ كذا في التاتارخانية عن الزاد. (٥)

❼ أخر الشارحون وغيرهم دليل الإمام فيه. (٦) وذلك لكون قوله مختارا وراجحا عندهم كما عرف من صنيعهم في هذا الباب.

١ـ الترجيح والتصحيح (٥٧٦،٥٧٧)

٢ـ الدر المنتقى (٢/٤٢٣)

٣ـ مجمع الأنهر (٢/٤٢٣)

٤ـ جامع الرموز (٢/٥٦٣)

٥ـ الفتاوى التاتارخانية (٥/١٩٤)

٦ـ المبسوط للسرخسي (١٠/١٣٩)، الهداية شرح البداية (٢/٥٥٢)، بدائع الصنائع (٦/٩٥)، الاختيار لتعليل المختار (٤/١٣٣)، الفتاوى الولوالجية (٢/٢٨٧)، رمز الحقائق (١/٢٤٨)

[۲۴۸] اختلافی مسئلہ

ولا يجوز أمان العبد المحجور عليه عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى إلا أن يأذن له مولاه في القتال، وقال أبويوسف و محمد -رحمهما الله تعالى-: يصح أمانه.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) قوله تعالى: ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ﴾ (۱)

امام سرخسیؒ نے آیت بالا سے قولِ راجح پر بطریقِ ذیل استدلال کیا ہے:

اس آیت میں مذکور ہے کہ وہ کسی ''شئی'' پر قادر نہیں ہوا اور اَمان بھی ایک ''شئی'' ہے چنانچہ وہ امان پر بھی قادر نہیں ہوگا۔ واضح رہے کہ یہ عام ہے اس میں دعویٰ تخصیص درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ مثل ''اصنام'' کے واسطے ذکر کی ہے اور ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی کسی ''شئی'' پر قادر نہیں ہوتا۔ (۲)

اور امام جصاصؒ نے آیتِ مذکورہ سے اس طرح استدلال کیا ہے:

یہ بات تو معلوم ہے کہ اس آیت میں ''نفیٔ قدرت'' مراد نہیں ہے کیونکہ ''حقیقتِ قدرت'' میں رقیت کا کوئی اثر و مداخلت نہیں ہے لہٰذا ''نفیٔ مِلک'' ہی مراد ہوگی چنانچہ از جہتِ عموم یہ ثابت ہوا کہ ''عبد'' امان کا مالک نہیں ہوتا۔ (۳)

(۲) عبدِ مذکور جہاد کا اہل نہیں ہے اس لیے اس کا امان دینا (جو کہ امورِ جہاد میں سے ہے) بھی درست نہیں ہوگا، اس کی عدمِ اہلیت اس طرح ہے کہ جہاد جان سے ہوتا ہے یا مال سے، اور عبد اپنی جان کا مالک ہی نہیں ہے اسی طرح بطریقِ اولیٰ مال کا مالک بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ اہلِ جہاد میں سے نہ ہوا۔ (۴)

۱۔ [النحل: ۷۵]

۲۔ المبسوط للسرخسي (۷۱/۱۰)

۳۔ شرح مختصر الطحاوی للجصاص (۱۹۵/۷)

٤۔ المبسوط للسرخسی (۷۱/۱۰)

(۳) امن دینا مسلمانوں پر بطریقِ ولایت ایک طرح کا تصرف ہے جبکہ غلام کو کسی قسم کی ولایت حاصل نہیں ہوتی چنانچہ اسے "امان" کا اختیار بھی نہیں ہوگا۔ (۱)

(۴) امان، مانعِ قتال ہے اور "عبد" بذاتِ خود قتال کا مختار نہیں ہے لہٰذا اس سے "منع" کا مجاز بھی نہیں ہوگا جیسا کہ غلام بذاتِ خود جب شراء کا مالک نہیں ہے تو بیع کا مالک بھی نہیں ہوتا اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔ (۲)

(۵) امان بھی باقی عقود کی طرح ایک عقد ہے اور زیرِ بحث غلام "عبدِ مجور" ہے۔ یہ اصول ہے کہ مجور علیہ غلام کا عقد درست نہیں ہوتا جیسا کہ بیع وغیرہ میں۔ لہٰذا اس کا امان دینا بھی صحیح نہیں ہوگا۔ (۳)

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (ولا يصح أمان العبد عند أبي حنيفة إلا أن يأذن له مولاه في القتال، وقال أبويوسف و محمد: يصح أمانه). قال الإمام جمال الإسلام: وذكر الطحاوي قول أبي يوسف مع أبي حنيفة. وصحح قول لبي حنيفة. (۴)

❷ قال الأوشي:

ولا يصح أمان عبد محجور عن القتال. (۵) (لم يتعرض المصنف العلام للاختلاف فيه واقتصر عليه كما ترى. فهذا كله أمارة ترجيحه؛ كما لا يخفى وسبق بيانه)

❸ قال قاضي خان:

ولا يجوز أمان المسلم التاجر في دار الحرب... ولا أمان العبد الذي يكون مع المولى للخدمة. وقال محمد رحمه الله تعالى: يجوز أمانه. (٦) (ومن المعلوم البديهي أن القول المقدم فيه راجح كما عرفته سابقا في مواضع عديدة).

❹ قال الحلبي:

ولغا أمان ذمي أو أسير أو تاجر عندهم وكذا أمان من أسلم ثمه ولم يهاجر أو مجنون أو صبي أو

۱۔ شرح مختصر الطحاوی للجصاص (۱۹۵/۷)

۲۔ شرح مختصر الطحاوی للجصاص (۱۹٦/۷)

۳۔ اللباب في شرح الكتاب (۱۹۰/۳)، خلاصة الدلائل لحسام الدين الرازى (۳٦۵/۲)، الفقه الإسلامى وأدلته (۵۸٦۵)

٤۔ الترجيح والتصحيح (۵۷۸،۵۷۷)

۵۔ الفتاوی السراجية (٦۵)

٦۔ فتاوی قاضيخان (۵٦٤/۳)

عبد غير مأذونين بالقتال وعند محمد يجوز أمانتهما وأبويوسف معه في رواية. [1] (الأمر فيه كالأمر في "الخانية" في باب الترجيح؛ فالقول المقدم فيه راجح أيضا).

❺ إذا لم يرد تصريح بتصحيح أحد القولين أصلا –كما وقع في هذه المسألة، نظرًا إلى كتب الفتاوى،– فالعمل إذن بما في المتون، على ما قال الشامي. [2] وهنا المتون على قول الإمام [3]، فلذا هو يليق بالعمل والإفتاء فيها.

❻ أخر الشارحون وغيرهم دليل الإمام فيه وجُلّهم ضمّنوه جواب دليلهما. [4] وهذا ترجيح لقوله عندهم كما عرف في موضعه.

❼ عبّر السرخسي مذهب أبي حنيفة فيه عند ذكر دليله بقوله "حجتنا"، فيترشح من استخدامه ضمير المتكلم مع الغير هنا (أي "نا") أنه قد ترجح عند السرخسي قول الإمام أبي حنيفة رحمه الله تعالى. [5]

---

[۲۴۹] اختلافی مسئلہ

وإذا أبق عبد المسلم فدخل إليهم فأخذوه لم يملكوه عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى. وقالا رحمهما الله تعالى: ملكوه.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(١) عن ابن عمر رضي الله عنه: أن غلاما لابن عمر أبق إلى العدو، فظهر عليه المسلمون، فرده

١ـ ملتقى الأبحر (٢/٤٢٠)

٢ـ في مقدمة رد المحتار (١/١٧١)

٣ـ المختار للفتوى (٤/١٣١)، كنز الدقائق (٢٠١)، الوقاية (٢/٣٤٦)، النقاية (١/٤٢٧)، غرر الأحكام (١/٢٨٥)، تنوير الأبصار (٦/٢١٧،٢١٨)

٤ـ الهداية شرح البداية (٢/٥٥٠،٥٥١)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٦/٧٢)، المبسوط للسرخسي (١٠/٧١)، تبيين الحقائق (٣/٢٤٨)، شرح النقاية (١/٤٢٨)، الاختيار لتعليل المختار (٤/١٣١)، الفقه النافع (ص:٨٥١، الفقرة: ٥٧٩)، رمز الحقائق (١/٢٤٨)

٥ـ انظر المبسوط له (١٠/٧١)

رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى ابن عمر ولم يقسم.[1]

(۲) عبدِ آبق جب دار الإسلام سے چلا گیا تو آقا کو جو اس پر ملکیت اور قبضہ حاصل تھا وہ (دار الإسلام سے نکلنے سے) زائل ہو گیا اور جب یہ زائل ہوا تو اس کی اپنی عصمت - جو باعتبارِ آدمیت اس کو حاصل تھی - ظاہر ہو گئی یعنی اس کو اپنی ذات پہ اب خود اختیار اور قبضہ حاصل ہو گیا چنانچہ وہ وہاں بذاتِ خود معصوم و محترم ہو گیا اور خود مختار ہونے کی وجہ سے احرار کے بمنزلہ ہو گیا۔ اور اب وہ ملک کا محل باقی نہیں رہا کیونکہ آزاد مملوک نہیں ہوا کرتا لہٰذا دار الحرب والے اس کے مالک نہیں بنیں گے۔[2]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال القهستاني:

(لا) يملكون بالاستيلاء التام (حرنا وأتباعه)... (وعبدنا الآبق) القن الخارج منا إليهم فأخذه المالك بلا شئ إلا أن يقسم فإن الإمام حينئذ يعطي قيمته من بيت المال وهذا عنده وأما عندهما فيملكونه. والصحيح هو الأول كما في المضمرات.[3]

❷ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وإذا أبق عبدٌ لمسلم فدخل إليهم فأخذوه لم يملكوه عند أبي حنيفة. وإن ند إليهم بعيرٌ فأخذوه ملكوه).

قال في زاد الفقهاء: وقالا: يملكون العبد أيضا، والصحيح قوله.[4]

❸ قال الحصكفي:

(ولا يملكون عبدا ابق إليهم) خلافا لهما... (فيأخذه مالكه) مجانا مطلقا، ولو (بعد القسمة مجانا أيضا لكن يعوض عنه) أي يعطي الإمام قيمته (من بيت المال) عن أبي حنيفة وهو الصحيح.[5]

١ـ سنن أبي داود (٣/٦٤) رقم (٢٦٩٨)

ف: إنما المنبجي رحمه الله تعالى استدل به على ما نحن فيه، في كتابه المستطاب "اللباب في الجمع بين السنة والكتاب" (٢: ٧٩٠)

٢ـ انظر له: مجمع الأنهر (٢/٤٤٧) وشرح الوقاية (٢/٣٥٩)، وكذا: البحر الرائق (٥/١٦٥)، الهداية شرح البداية (٢/٥٦٧، ٥٦٨)، النهر الفائق (٣/٢٢٦)، الاختيار لتعليل المختار (٤/١٤٣)، كشف الحقائق (١/٣١٧)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (١/٢٩٠)، رد المحتار (٦/٢٦٠)، حاشية الطحطاوى علي الدر المختار (٢/٤٥٦)، اللباب في شرح الكتاب (٣/١٩١)

٣ـ جامع الرموز (٢/٥٧٠)

٤ـ الترجيح والتصحيح (٥٧٨)

٥ـ الدر المنتقى (٢/٤٤٧، ٤٤٦)

❹ قال الأوشي:

دابة نـدّت إلـى أهل الحرب وأحرزوها في دارهم ملكوها بخلاف العبد إذا أبق إليهم. [1] (جزمُ هذا القولِ في موضع الخلاف أمارة ترجيحه على ما عرفت).

❺ في الهندية:

وإذا أبق عبد لمسلم فدخل إليهم، فأخذوه لم يملكوه عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى. [2] (إنما الاقتصار عليه لكونه ظاهر الرواية –والمعمول به– لما عُلم من مقدمتها[3]).

❻ قدّم قاضي خان [4] والحلبي [5] قول الإمام فيها ترجيحًا له، كما هو ظاهر جدا.

❼ اختار أصحاب المتون قاطبةً قول الإمام.[6] وهذا ترجيح له أيضا.

❽ أتـى الشـارحون وغيرهم بتأخير دليل الإمام فيه. [7] وكثيـر مـنهم ضمنوه جواب دليلهما فهذا ترجيح لقوله عندهم كما تقدم لک بيانه.

١ـ الفتاوى السراجية (٦٦)

٢ـ الفتاوى الهندية (٢/٢٣١)

٣ـ أي مقدمة الهندية (١/٣)

٤ـ الفتاوى الخانية (٣/٥٦٨)

٥ـ ملتقى الأبحر (٢/٤٤٦)

٦ـ المختار للفتوى (٤/١٤٣)، كنز الدقائق (٢٠٦)، الوقاية (٢/٣٥٩)، النقاية (٢/٤٤٢)، مجمع البحرين (٨٠٥)، غررالأحكام (١/٢٩٠)، تنوير الأبصار (٦/٢٥٩،٢٦٠)

٧ـ الهداية شرح البداية (٢/٥٦٧)، المبسوط للسرخسي (١٠/٥٥،٥٦)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٦/١٠٨)، البحر الرائق (٥/١٦٥)، تبيين الحقائق (٣/٢٦٤)، شرح الوقاية (٢/٣٥٩)، شرح النقاية (٢/٤٤٢)، الاختيار لتعليل المختار (٤/١٤٣)، الفقه النافع (ص:٨٥٥، الفقرة: ٥٨٣)، شرح النقاية لفخر الدين (٢/٤٤٢)، حاشية الطحطاوى علي الدر المختار (٢/٤٥٦)، النهر الفائق (٣/٢٢٦)

[٢٥٠] اختلافی مسئلہ

للفارس سهمان وللراجل سهمٌ عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى وقالاً رحمهما الله تعالى: للفارس ثلاثة أسهمٍ.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل☆:

(١) عن مجمع بن جارية الأنصارى وكان أحد القراء الذين قرءوا القرآن قال: شهدنا الحديبية مع رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فلما انصرفنا عنها إذا الناس يهزون الأباعر فقال بعض الناس لبعض ما للناس قالوا أوحى إلى رسول الله -صلى الله عليه وسلم-. فخرجنا مع الناس نوجف فوجدنا النبي -صلى الله عليه وسلم- واقفا على راحلته عند كراع الغميم فلما اجتمع عليه الناس قرأ عليهم ﴿إنا فتحنا لک فتحا مبينا﴾ فقال رجل: يارسول الله! أفتح هو؟ قال: "نعم والذى نفس محمد بيده إنه لفتح". فقسمت خيبر على أهل الحديبية فقسمها رسول الله -صلى الله عليه وسلم- على ثمانية عشر سهما وكان الجيش ألفا وخمسمائة فيهم ثلاثمائة فارس فأعطى الفارس سهمين وأعطى الراجل سهما. (١)

☆ ملحوظة:

إن شئت مستدلاته ببسطها فارجع إلى "إعلاء السنن" (١٦٩/١٢) ستر تاح به غاية الارتياح، لقد أطنب شيخنا رحمه الله تعالى الكلامَ فيه إطنابا يشفي كل عليل ويروي كل غليل وأتى بإحدى عشرة رواية صحيحة من الأحاديث والآثار مع تحقيق الإسناد -كما هو دأبه فيه- مع بسط المقال المحقّق عنها محتويا على ٢١ صفحةً؛ فجزاه الله تعالى عنا خير الجزاء.

١ـ أخرجه الحاكم في "المستدرك" (١٤٣/٢) رقم (٢٥٩٣) وقال: هذا حديث كبير صحيح الإسناد ولم يخرجاه وأقره عليه الذهبي في التلخيص. وأبوداود في "السنن" (٢٨/٣) رقم (٢٧٣٨) واللفظ له وقال:

قال أبوداود: حديث أبى معاوية -أي المقدم في الباب الذى يليه "سهمان الخيل"- أصح والعمل عليه وأرى الوهم فى حديث مجمع أنه قال ثلاثمائة فارس وكانوا مائتى فارس.

==

(٢) حدثنا أبوبكر النيسابوري نا يونس بن عبدالأعلى نا ابن وهب أخبرني عبدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يسهم للخيل للفارس سهمين وللراجل سهما."[١]

(٣) حدثنا أبوبكر النيسابوري نا أحمد بن منصور نا أبوبكر بن أبي شيبة نا أبو أسامة وابن نمير قالا:

==

يقول العبد الضعيف عفاالله عنه:

(أ) -قال شيخنا السهارنفوري في "بذل المجهود" (٤/٤٦، ٤٧):

قلت: وفي قول أبي داود تضعيف للحديث ولم يأت عليه بدليل . وذكر الزيلعي أن ابن القطان قال في "كتابه": وعلة هذا الحديث الجهل بحال يعقوب بن مجمع ولا يعرف روى عنه غير ابنه وابنه "مجمع" ثقة . فضعف ابن قطان هذا الحديث بجهالة يعقوب بن مجمع لأنه لم يعرف بأنه روى عنه غير ابنه . قلت: لكن قال الحافظ: روى عنه ابنه مجمع وابن أخيه إبراهيم بن إسماعيل بن مجمع وعبدالعزيز بن عبيد بن صهيب . ذكره ابن حبان في الثقات فارتفع الجهالة وثبت التوثيق ثم إنه تكلم الإمام الشافعي في مجمع بن يعقوب . قال في "الخلاصة": قال الشافعي : شيخ لا يعرف . قال الحافظ: روى عنه يونس بن محمد المؤدب ويحيى بن حسان واسماعيل بن أبي أويس والقعنبي وقتيبة و محمد بن عيسى بن الطباع وغيرهم، فمن كان رواته بهذا العدد فكيف يكون مجهولا؟ ثم عن ابن معين والنسائي: ليس به بأس. وقال أبوحاتم: لا بأس به. وقال ابن سعد: كان ثقة. وقد تقدم عن ابن القطان أنه قال في بيان علة يعقوب: "وابنه مجمع ثقة" فوثقه ابن القطان نصًا.

وقال في "الجوهر النقي": حديث مجمع بن جارية وفي سنده مجمع بن يعقوب فحكي عن الشافعي أنه قال شيخ لا يعرف . قلت: هذا الحديث أخرجه الحاكم في "المستدرك" وقال: هذا حديث كبير صحيح الإسناد ومجمع بن يعقوب معروف . قال صاحب الكمال: روى عنه القعنبي ويحيى الوحاظي واسماعيل بن أبي أويس ويونس المؤدب وأبوعامر العقدي وغيرهم. وقال ابن سعد: توفي بالمدينة وكان ثقة وقال أبوحاتم وابن معين: ليس به بأس وروى له أبوداود والنسائي ١ هـ. ومعلوم أن ابن معين إذا قال "ليس به بأس" فهو توثيق انتهى. وكذا قال الحافظ شمس الدين الذهبي، في تلخيصه بعد تخريج الحديث، "صحيح".

(ب) -قال المنبجي في "اللباب في الجمع بين السنة والكتاب" (٢:٧٨٨): فإن قيل: قال أبوداود: "حديث أبي معاوية أصح، والعمل عليه . يعني: أن رسول الله [صلى الله عليه وسلم] أعطى الفرس سهمين وأعطى صاحبه سهما- قال: وأرى الوهم في حديث مجمع أنه قال: ثلاثمائة فارس وإنما كانوا مائتي فارس".

قيل له: هذا لا يقدح في الحديث، لأنه لا يلزم من وهمه في بعض الحديث وهمه في جميعه. والله اعلم

١- سنن الدار قطني (٤/١٠٦)، تابعه ابن أبي مريم وخالد بن عبدالرحمن عن العمري، وقال شيخنا في "الإعلاء" (١٢/١٧٤): وسنده صحيح على شرط مسلم.

نـا عبيـدالـلـه عن نافع عن بن عمر: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم جعل للفارس سهمين وللراجل سهما". [1]

(٣) عـن عبـدالـلـه بـن عـمـر عن نافع عن بن عمر أن رسول الله صلى الله عديه وسلم جعل للفارس سهمين وللراجل سهما. [2]

١ـ سنن الدارقطني (٤/١٠٦)

ثـم قـال الـدارقطني: قال الرمادي (هو أحمدبن منصور): كذا يقول بن نمير قال لنا النيسابوري: هذا عندي وهم من بن أبـي شيبة أو مـن الـرمـادي لأن أحـمـد بن حنبل وعبدالرحمن بن بشر وغيرهما رووه عن بن نمير خلاف هذا وقد تقدم ذكره عنهما ورواه بن كرامة وغيره عن أبي أسامة خلاف هذا أيضا وقد تقدم.

يقول العبد الضعيف عفا اللّٰه عنه:

قـال شيـخـنا العثماني في "الإعلاء" (١٢/١٧٣): قلت: سند صحيح على شرط الشيخين، ثم قام للجواب عما ذكر في الإسناد من الوهم وأشبع البحث فيه مع حسن التحقيق بما لا مزيد عليه حتى اندحض الجرح، فطالعه لزامًا ليكفيك فيه تمام الكفاية. وقد قام المنبجي للإجابة عنه في "اللباب في الجمع بين السنة والكتاب" (٢/٧٨٧) أيضا ، حيث قال:

فإن قيل: قال أبو بكر النيسابوري: "هذا عندي وهم من أبي بكر ابن أبي شيبة، أو من الرمادي، لأن غيره روى عن ابن نمير خـلاف هذا عن الأوزاعي: أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- كان يسهم للخيل، وكان لا يسهم لرجل فوق فرسين وإن كان معه عشرة أفراس".

قيـل لـه: هـذا وهـم مـمـن اعتـقده وهما، فإن كل واحد من هذين الحديثين مختلف اللفظ والمعنى، ولا ريب في أنهما حديثان. فرواية أحدهما لا تمنع من رواية الآخر.

٢ـ أخرجه عبدالرزاق بإسناده في "المصنف" (٥/١٨٥) رقم (٩٣٢٠). قلت: هذا الإسناد لا يسئل عنه.

<u>نبذة من دفع التعارض بين الروايات الواردة في هذا الباب:</u>

(أ) - قال الكاساني في "البدائع" (٦/١٠٥):

وروايـات الأخبـار تـعارضت في الباب، روي في بعضها أنه -عليه الصلاة والسلام- "قسم للفارس سهمين" وفـي بـعـضـهـا "أنه -عليه الصلاة والسلام- قسم له ثلاثة أسهم" إلا أن رواية السهمين عاضدها القياس، وهو أن الرجل أصل في الجهاد، والفرس تابع له؛ لأنه آلة.

ألا تـرى أن فعل الجهاد يقوم بالرجل وحده، ولا يقوم بالفرس وحده، فكان الفرس تابعا في باب الجهاد ولا يجوز تنفيل التبع على الأصل في السهم، وأخبار الآحاد إذا تعارضت، فالعمل بما عاضده القياس أولى واللّٰه -سبحانه وتعالى- اعلم

(ب) قال السرخسي في المبسوط (١٠/٤١،٤٢):

فـقـال فـي بيـان دليـلهـمـا: وهو قول أهل الشام وأهل الحجاز لحديث عبدالله بن العمري -رضي الله تعالى عنهما- عن نافع عن ابن عمر -رضى الله عنهم- "أنه أسهم للفارس ثلاثة أسهم سهما له وسهمين لفرسه" ==

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (للفارس سهمان، وللراجل سهمٌ، وقال أبويوسف ومحمد: للفارس ثلاثة أسهمٍ).

قال الإمام بهاؤ الدين في شرحه: الصحيح قول أبي حنيفة. [1]

❷ قال قاضي خان:

== ثم ذكر دليل الإمام فقال: وأبوحنيفة -رحمه الله تعالى- استدل بحديث عبيدالله العمري عن نافع عن ابن عمر -رضي الله عنهما- أن النبي -صلى الله عليه وسلم- "قسم للفارس سهمين سهما له وسهما لفرسه"

ثم رجح الرواية التي استدل بها الإمام فقال: وعبيدالله أوثق من أخيه عبدالله -رضي الله تعالى عنهما- إلى أن قال -ثم المصير إلى ما روينا أولى لأنه هو المتيقن وما رجح به من إثبات الزيادة متعارض ففيما روينا إثبات الزيادة في نصيب الراجل ثم في هذا تفضيل البهيمة على الآدمي وذلك غير جائز لأن الاستحقاق بالقتال والرجل يقاتل وحده والفرس لا تقاتل ولهذا كان القياس أن لا يسوي بين الفرس والرجل وأن لا يستحق بالفرس شيئا لأنه آلة من آلات الحرب كسائر الآلات، ولكن الآثار اتفقت على سهم واحد فأخذنا بما اتفق عليه الأثر وأبقينا ما اختلف فيه الأثر على أصل القياس.

(ج) قال المحقق بعد بسط الكلام فيه، في "الفتح" (٥/٤٨٣،٤٨٤):

ومن روى حديث عبيدالله متعارضا الكرخي، لكن رواية السهمين عنه أثبت. وروى الدارقطني أيضا في كتابه "المؤتلف والمختلف": حدثنا عبدالله بن محمد بن إسحاق المروزي ومحمد بن علي بن أبي روية قالا: حدثنا أحمد بن عبدالجبار، حدثنا يونس بن بكير عن عبدالرحمن بن أمين عن ابن عمر "أن النبي -صلى الله عليه وسلم- كان يقسم للفارس سهمين وللراجل سهما". وإذا ثبت التعارض في حديث ابن عمر بل في فعله -عليه الصلوة والسلام- مطلقا نظرا إلى تعارض رواية غير ابن عمر أيضا ترجح النفي بالأصل وهو عدم الوجوب.

الإعلام لمن أراد المزيد من الكلام (في أدلة مذهب الإمام):

(أ) - أيد العلامة النحرير رائد معشر الحنفية الإمام الجصاص - في "أحكام القرآن" (٤:٢٣٩-٢٤١)- قول الإمام أبي حنيفة بذكر روايات غزيرة مع صناعتها الحديثية، فكلامه جدير بأن يسرد بأسره ههنا ولكنني أتركه خشية الإطالة -وإن كان مع إطالته لا يخلو عن فائدة بل فوائد في هذا المقام الجليل والمجال الخطير- فليراجعها من رامها ليكون طُمانينةً لقلبه.

(ب)- وكذا نفس الإمام الجصاص أورد دلائل قوية مثلها ووفّرها في شرحه الممتع الجليل على "مختصر الطحاوى" (٧/١٢٠-١٢٥) أيضا وأثبت فيه مذهب الإمام رحمه الله تعالى من جهات ثلاثة -الكتاب، والسنة، والنظر؛ من أرادها فليعد إليها.

١- الترجيح والتصحيح (٥٨٠)

وإذا أراد الإمام قسمة الغنائم بين الغانمين يضرب للفارس سهمين سهم له وسهم لفرسه. العربيات والبراذين فيه سواء. وهو قول أبي حنيفة وزفر رحمهما الله تعالى. وقال أبويوسف و محمد والشافعي رحمهم الله تعالى: يضرب للفارس ثلاثة أسهم.[1] (القول المقدم فيه راجح -وهو قول الإمام هنا- كما صرح به الشامي في شرح العقود والمصنف في المقدمة وهذا ظاهر).

❸ قال الحلبي:

وتقسم الغنيمة للراجل سهم وللفارس سهمان وعندهما ثلاثة أسهم: له سهم ولفرسه سهمان.[2]

(ولا يخفى أن القول المقدم فيه راجح أيضا كما في الخانية على وفق أسلوبها).

❹ قال التمرتاشي والحصكفي:

(فلو دخل دار الحرب فارسا فنفق) أي مات (فرسه استحق سهمين، ومن دخل راجلا فشرى فرسا استحق سهما)

قال الشامي:

(قوله: استحق سهمين) سهم لنفسه وسهم لفرسه، وهذا عنده وعندهما ثلاثة أسهم: له سهم ولفرسه سهمان؛ لأنه -عليه الصلوة والسلام- فعل ذلك على ما رواه البخاري وغيره، وحمله أبوحنيفة على التنفيل توفيقا بين الروايات؛ ملتقى وشرحه. وإذا كان حديث في البخاري وحديث آخر في غيره رجاله رجال الصحيح أو رجال روى عنهم البخاري كان الحديثان متساويين والقول بأن الأول أصح تحكم لا نقول به ا هـ.[3] (تأييد الشامي بهذا الكلام قولَ الإمام ظاهرٌ غاية الظهور).

❺ قال الأوشي:

يعطى الراجل من الغنيمة سهم والفارس سهمان.[4] (اقتصر المصنف العلام على هذا القول ولم يذكر فيه ايّ اختلاف -وإن كانت المسألة مختلف فيها- فهو يدل على أن هذا هو المختار والراجح عنده في الباب).

١ـ الفتاوى الخانية (٥٦٧/٣)

٢ـ ملتقى الأبحر (٤٣١/٢)

٣ـ الدر المختار مع رد المحتار (٢٣٣،٢٣٢/٦)

٤ـ الفتاوى السراجية (٦٥)

⑥ إذا لم يرد تصريح بتصحيح أحد القولين أصلا -كما وقع في هذه المسألة- [1] فالعمل إذن بما في المتون، على ما قال الشامي، [2] وهنا المتون على قول الإمام. [3] فلذا هو يليق بالعمل والإفتاء فيها.

⑦ أخر الشارحون وغيرهم دليل الإمام فيه وبعضهم ضمنوه جواب دليلهما. [4] وهذا لكون قوله مختارا و راجحا عندهم كما عرف من صنيعهم فيه.

---

[۲۵۱] اختلافی مسئلہ

ومن أحيا أرضًا مواتًا فهي عند أبي يوسف معتبرة بحيّزها (أي بقربها [5]): فإن كانت من حيز أرض الخراج فهي خراجيةٌ، وإن كانت من حيز أرض العشر فهي عشرية... وقال محمدٌ: إن أحياها ببئرٍ حفرها أو بعينٍ استخرجها أو بماء دجلة أو الفرات أو الأنهار العظام التي لا يملكها أحدٌ فهي عشريةٌ، وإن أحياها بماء الأنهار التي احتفرها الأعاجم مثل نهر الملك ونهر يزدجرد فهي خراجيةٌ. ☆

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

١ـ حيث ذكر أصحاب الشروح والفتاوى فيها مجرد الخلاف بين الإمام والصاحبين ولم يأتوا بتصحيح قول أحد منهما كما ترى فيها عند المطالعة.

٢ـ مقدمة رد المحتار (١/١٧١)

٣ـ المختار للفتوى (٤/١٣٨)، كنز الدقائق (٢٠٣)، الوقاية -على هامش كشف الحقائق- (١/٣١١)، النقاية (٢/٤٣٤)، غرر الأحكام (١/٢٨٨)، تنوير الأبصار (٦/٢٣٢)

٤ـ الهداية شرح البداية (٢/٥٥٨،٥٥٩)، البحر الرائق (٥/١٤٩)، المبسوط للسرخسي (١٠/٤١)، تبيين الحقائق (٣/٢٥٤)، شرح النقاية (٢/٤٣٥)، الاختيار لتعليل المختار (٤/١٣٨)، الفقه النافع (ص:٨٥٨، الفقرة:٥٨٧)، النهر الفائق (٣/٢١٧)، رمز الحقائق (١/٢٥٠)، كشف الحقائق (١/٣١٢)

٥ـ الجوهرة النيرة (٢/٥٩٩)، اللباب في شرح الكتاب (٣/١٩٨)، الترجيح والتصحيح (٥٨٣)

☆ الرجاء: يقول العبد الضعيف عفا الله عنه: إني لم أعثر على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى في هذه المسألة بعد جَدٍّ وَفق طاقتي، فأرجو من اطلع عليه أن يُرشدني إليه مع بيان مرجعه، حتى أُثبته في الإصدار القادم.

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

اصول ومسائلِ فقہ کے تناظر میں "حیز الشئ" (یعنی کسی شئ کے تابع وقریب) کو اس "شئ" والا حکم حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ "فناء دار" کو "دار" کا حکم دیا جاتا ہے کہ صاحب دار کیلئے اس فناء سے انتفاع جائز ہوتا ہے اگر چہ وہ اس کی مِلک میں بھی نہ ہو چنانچہ وہ اس میں گارہ وغیرہ رکھ سکتا ہے، اپنی سواری وہاں باندھ سکتا ہے حتیٰ کہ اگر وہاں گڑھا کھود لے تو ضمان بھی واجب نہیں ہوگا الغرض اس کا حقِ انتفاع اسے حاصل ہے۔ نیز حریمِ بئر وشجر وغیرہ کا بھی یہی معاملہ ہے۔

اسی اصول کے پیشِ نظر -کہ "مایقرب من الشئ" کو اس "شئ" کا حکم حاصل ہوتا ہے- کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی بستی کے آس پاس والی جگہ کو زندہ کرنا (اِحیاء) شروع کر دے کیونکہ وہ توابعِ قریہ ہونے کے سبب اہلِ قریہ کا حق ہوتی ہے۔

الحاصل مذکورہ بالا صورت میں زمین کا حکم قرب وتبع کی بناء پر مقرر کیا جائے گا۔ سو اگر وہ خراجی زمین کے قرب میں واقع ہوگی تو خراجی کہلائے گی اور عشری زمین کے قرب میں وقوع کی صورت میں -اس کے تابع ہو کر- ارضِ عشری کا مصداق ہوگی۔ [1]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال الحصكفي:

(وإن أحيي موات يعتبر قربه عند أبي يوسف) لأن ما قارب الشيء يعطى له حكمه (و) يعتبر (ماؤه عند محمد) وبالأول يفتى. [2]

❷ قال التمرتاشي:

ولو أحياه مسلم اعتبر قربه.

قال الشامي:

(قوله اعتبر قربه) أي قرب ما أحياه إن كان إلى أرض الخراج أقرب كانت خراجية، وإن كان إلى العشر أقرب فعشرية. نهر. وإن كانت بينهما فعشرية مراعاة لجانب المسلم، عند أبي يوسف، واعتبر محمد الماء فإن أحياها بماء الخراج فخراجية وإلا فعشرية. وبالأول يفتى. [3]

١ـ مستفاد من مجموعة ما يلي: البحر الرائق (١٨٠/٥)، فتح القدير (٣٢/٦)، الاختيار لتعليل المختار (١٥١/٤)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (١٧٧/٢)، المبسوط للسرخسي (٧/٣)، حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٤٦٥/٢)، مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر (٤٦١/٢)

٢ـ الدر المنتقى (٤٦٧/٢)

٣ـ تنوير الأبصار مع رد المحتار (٢٩٠/٦)

❸ في الهندية:

من أحيا أرضا مواتا فإن كانت من حيّز أرض الخراج فهي خراجية وإن كانت من حيز أرض العشر، فهي عشرية.[1] (الاقتصار عليه أمارة ترجيحه؛ وهذا ظاهر جدا).

❹ قال الحلبي:

وإن أحيي موات يعتبر قربه عند أبي يوسف وماؤه عند محمد.[2] (ولا يخفى أن القول المقدم فيه راجح حسبما عرف في الأصول وتقدم بيانه).

❺ مشى أصحاب المتون على قول أبي يوسف.[3] وهذا ترجيح له أيضا.

❻ ذكر الشيخ الأفغاني مذهبهما ولكن علل لقول أبي يوسف فقط فأهمل دليل محمد.[4] (فذاك يدل على ترجيح قول أبي يوسف، كما تقرر في أصول الإفتاء).

❼ أخر الإمام الكاساني دليل الإمام الثاني عن الإمام الرباني.[5] (فهذا ترجيح لقول الثاني كما ذُكر في أصول الفقه النعماني).

١ـ الفتاوى الهندية (٢/٢٣٧)

٢ـ ملتقى الأبحر (٢/٤٥٩)

٣ـ المختار للفتوى (٤/١٥١)، كنز الدقائق (٢٠٩)، الوقاية (٢/٣٦٨)، غرر الأحكام (١/٢٩٦)، تنوير الأبصار (٦/٢٩٠)

٤ـ كشف الحقائق (١/٣٢٠)

٥ـ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٢/١٧٧)

كتاب الحظر والإباحة

[۲۵۲] اختلافی مسئلہ

ولا بأس بتوسده (أي بتوسد الحرير) عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقالا رحمهما الله تعالى: يكره توسده.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔ (۱)

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) حدثنا أبونعيم الفضل بن دكين ثنا مسعر عن راشد، مولى لبني عامر، قال: رأيت على فراش ابن عباس مرفقة حرير. (۲)

١ـ يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

ومن المشايخ المتقدمين من أخذ قولهما وصححه -كشارحي النقاية مثلا، نحو ملا على القاري في شرحه عليه (٢/٢٢٢) والقهستاني في جامع الرموز (٢/٣٠٣) وغير ذلك- ولكن المتأخرين على ترجيح قول الإمام الأعظم كما ترى في تخريج هذه المسألة، حتى مال بعض منهم إلى قوله فأخذه بعد أن نقل تصحيح قولهما ممن صححه، إلى أن قال: "هذا التصحيح خلاف ما عليه المتون المعتبرة المشهورة والشروح". والأمر المهم أن خاتمة المحققين في المتأخرين العلامة الشامي نقل هذا القول عن الشرنبلالي فأقرّه.

ومع ذلك أن جميع المتون المعتبرة -التي لم تصنف إلا لبيان القول المعتمد في المذهب- على قول الإمام ولم يختلف فيه أحد من أصحابها، وعليه الشراح كذلك نظرًا إلى دأبهم فيه، فضلًا عن أن هذا القول قول الإمام والآخر لتلميذيه، وإن رُوعِي ما ذكر بعضهم أن أبا يوسف مع أبي حنيفة فيه فإذن يكون الأمر أقوى مما سبق، ففيه ما لا يخفي على من له إلمام بالفن ومسكة بالأصول.

فالذي ظهر لهذا العبد الضعيف ان الفتوى فيه على قول الإمام الاعظم أبي حنيفة رحمه الله تعالى، والله تعالى أعلم بالصواب.

٢ـ نصب الراية (٤/٢٢٧)، فقال الزيلعي: رواه ابن سعد في "الثقات -في ترجمة ابن عباس".

قال شيخنا العثماني في "الإعلاء" (١٧/٣٤٦): لم أقف على ترجمة راشد مولى بنى عامر أو بني تميم إلا أنه من خير القرون الغالب على أهله العدالة، فيقبل روايته.

(۲) قال حذيفة: إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "لا تلبسوا الحرير ولا الديباج".[1]

اس حدیث سے وجہِ استدلال یہ ہے کہ اس میں ممانعت وحرمت ''لبس'' کے بارے میں وارد ہوئی ہے جبکہ ریشم کے تکیہ پر سونا استعمال میں ''لبس'' کے بمنزلہ نہیں ہے لہٰذا یہ اس حکمِ ممانعت میں داخل بھی نہیں ہوگا۔[2]

(۳) (أ) عن سويد بن غفلة أن عمر بن الخطاب خطب بالجابية فقال نهى نبي الله –صلى الله عليه وسلم– عن لبس لحرير إلا موضع إصبعين أو ثلاث أو أربع.[3]

(ب) عن ابن عباس قال إنما نهى رسول الله –صلى الله عليه وسلم– عن الثوب المصمت[4] من الحرير فأما العَلَم من الحرير وسدى الثوب فلا بأس به.[5]

مندرجہ بالا دونوں احادیث سے وجہِ استدلال بایں طور ہے کہ:

ان احادیث کی رو سے ''ملبوس'' میں ریشم کی قلیل مقدار جائز ہے جیسے نقش ونگار وغیرہ لہٰذا ''لبس'' (و استعمال) جو کہ ''ملبوس'' کو لازم ہے اس میں بھی قلیل درجہ جائز ہوگا (یعنی ریشم کا قلیل سا لبس واستعمال جائز ہوگا)۔ چنانچہ ''توسدِ حریر'' جائز ہوگا کیونکہ یہ استعمالِ قلیل کہلاتا ہے جبکہ ریشم کا لحاف استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ لحاف کو اوپر لے کر سونا استعمالِ کثیر ہے۔[6]

١ـ صحيح مسلم (١٣٧/٦) رقم (٥٥٢١)، وكذا انظر له: صحيح البخاري (٥٠٦/١٣) رقم (٥٤٢٦)، صحيح ابن حبان (١٥٦/١٢) رقم (٥٣٣٩)، سنن النسائي الكبرى (١٩٥/٤) رقم (٦٨٧٠)، مسند أحمد بن حنبل (٣٩٠/٥) رقم (٢٣٣٦٢)، السنن الكبري للبيهقي (٢٧/١) رقم (١٠٢)

٢ـ المحيط البرهاني في الفقه النعماني (٣٤٥/٥)، الاختيار لتعليل المختار (١٦٨/٤)

٣ـ صحيح مسلم (١٤١/٦) رقم (٥٥٣٨)، وكذا انظر له: صحيح ابن حبان (٢٥٨/١٢)رقم (٥٤٤١)، مسند أحمد بن حنبل (٥١/١) رقم (٣٦٥)، سنن الترمذي (٢١٧/٤) رقم (١٧٢١)، شرح معاني الآثار (٢٤٤/٤) رقم (٦١٦٣)

٤ـ من غريب الحديث: المُصْمَت (بضم الميم وسكون الصاد وفتح الميم؛ على وزن مُكرَم):

هو الذي جميعه إبريسم (أي حرير) لا يخالطه فيه قُطن ولا غيرُه. انظر: النهاية في غريب الحديث والأثر للجزرى (٩٧/٣)

٥ـ سنن أبي داود (٨٧/٤) رقم (٤٠٥٧) وسكت عنه أبو داود

السنن الكبرى للبيهقي (٢٧٠/٣) رقم (٦٣٠٣)

معرفة السنن والآثار للبيهقي (٢٤٩/٥) رقم(١٨٦٩) ثم قال البيهقي: "ولهذا شواهد في الأعلام قد ذكرناها في كتاب السنن"۔

٦ـ انظر له: تبيين الحقائق (١٤/٦)، الاختيار لتعليل المختار (١٦٨/٤)، المحيط البرهاني (٣٤٥/٥)، مجمع الأنهر (١٩٤/٤)، البحر الرائق (٣٤٨/٨)، الهداية (٤٥٦/٤، ٤٥٧)

(۴) شرع میں ریشم کے پہننے کو ناجائز (کما تقدم) اور زینت اختیار کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ﴾ اور تکیہ کے استعمال کو چونکہ علی الاطلاق ''لبس'' نہیں کہا جاتا لہٰذا اس (خوبصورتی اور زینت) کا استعمال بھی شرعاً جائز ہوگا۔[1]

(۵) ''توسد'' میں چونکہ اہانت کا معنی پایا جاتا ہے، اس لئے اس کا استعمال - بوجوہِ ذیل - جائز ہے:

(أ) اس کو بطریقِ اہانت استعمال کرنے کی صورت میں ریشم کا ''معنیٰ استعمال'' اس میں قاصر درجہ میں پایا گیا، بطریقِ کمال اس کا مفہوم و مطلب اس میں متحقق نہ ہوسکا، اس لئے استعمالِ کامل کی صورت میں جاری ہونے والا حرمتِ لبس کا حکم، استعمالِ قاصر کی طرف متعدی نہیں ہوگا۔[2]

(ب) اس کے استعمال میں استخفاف پایا جاتا ہے چنانچہ یہ ''بچھونے پر بنی تصاویر'' کے مثل ہوگیا کہ جس طرح تصاویر والا کپڑا پہننا جائز نہیں ہوتا البتہ تصاویر والے بستر پر بیٹھنا - استخفافاً - جائز ہوتا ہے اسی طرح ریشمی کپڑا پہننا ناجائز اور اس کو (سر کے) نیچے رکھ کر اوپر سونا جائز ہوگا۔[3]

قولِ مفتیٰ بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (ولا بأس بتوسده).

الهداية: والنوم عليه عند أبي حنيفة. وقالا: يكره... واختار قول الإمامِ، الإمامُ البرهاني والنسفي وصدر الشريعة وغيرهم.[4]

❷ قال قاضي خان:

وقال أبو حنيفة رحمه الله تعالى لا بأس بافتراش الحرير والديباج والنوم عليهما. وكذا الوسائد والمرافق والبسط والستور من الديباج والحرير إذا لم يكن فيها تماثيل. وقال أبويوسف و محمد رحمهما الله تعالى يكره جميع ذلك.[5] (القول المقدم فيه يكون راجحا -وهو قول الإمام هنا- كما صرح به الشامي في شرح العقود والمصنف في المقدمة وهو معروف لدى أرباب الإفتاء).

١ـ الفقه النافع (ص: ٨٨٧، الفقرة: ٦١٧)

٢ـ المحيط البرهاني (٥/٣٤٥)، مجمع الأنهر (٤/١٩٤)

٣ـ الاختيار لتعليل المختار (٤/١٦٨)

٤ـ الترجيح والتصحيح (٥٩١)

٥ـ الفتاوى الخانية (٣/٤١٢)

❸ قال الحلبي:

ولا بأس بتوسده وافتراشه خلافا لهما.[1] (الأمر فيه كالأمر في "الخانية" في باب الترجيح؛ فالقول المقدم فيه راجح أيضا).

❹ قال السمرقندي:

ولا بأس بتوسده (أي بتوسد الحرير) والنوم عليه عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى.[2]

(فالإقتصار فيه علي قول الإمام وعدم التعرض لقولهما -في معرض البيان- يدل على ترجيح قوله رحمه الله تعالي علي ما عرف في أصول الإفتاء).

❺ قال الجزيرى:

الحنفية قالوا: يحرم على الرجال لبس الحرير المأخوذ من الدودة إلا لضرورة، أما فرشه والنوم عليه واتخاذه وسادة أى مخدة فالمشهور أنه جائز كما يجوز أن يستعمل من الحرير قدر أربع أصابع عرضًا.[3]

❻ قال ملا خسرو:

(لا يلبس رجل حريرا... ويتوسده ويفترشه)

قال الشرنبلالي:

(قوله: ويتوسد به ويفترشه) هذا عند أبي حنيفة. قال في مواهب الرحمن وتوسد الحرير وافتراشه وجعله سترا حلال عندنا وحرماه وهو الصحيح. اهـ.

(قلت) هذا التصحيح خلاف ما عليه المتون المعتبرة المشهورة والشروح.[4]

❼ قال الحصكفي:

(ولا بأس) للرجال (بتوسده) تحت رأسه وجنبه (وافتراشه) والنوم عليه ... عنده (خلافا لهما). وبقولهما أخذ أكثر المشايخ كما في القهستاني عن الكرماني، وهو الصحيح كما في البرهان، قلنا: النهي ورد في اللبس وهذا دونه فلا يلتحق به، وعليه المتون والشروح فليحفظ.[5]

١ـ ملتقى الأبحر (١٩٢/٤، ١٩٤)

٢ـ فتاوى النوازل (٢٧٩)

٣ـ الفقه على المذاهب الأربعة (١٥/٢)

٤ـ درر الحكام شرح غرر الأحكام مع حاشية الشرنبلالي (٣١٢/١)

٥ـ الدر المنتقى (١٩٤/٤)

❽ قال التمرتاشي والحصكفي:

(ويحل توسده وافتراشه) والنوم عليه وقالا والشافعي ومالك حرام وهو الصحيح كما في المواهب قلت فليحفظ هذا لكنه خلاف المشهور

قال الشامي:

قوله: (لكنه خلاف المشهور) قال في الشرنبلالية: قلت: هذا التصحيح خلاف ما عليه المتون المعتبرة المشهورة والشروح. [1]

❾ وقال الطحطاوى مثل ما قال الشامى. [2]

❿ اختار أصحاب المتون قاطبةً قول الإمام. [3] وهذا ترجيح له أيضا.

⓫ والشراح رجحوا قول الإمام بصنيعهم المعروف في باب الترجيح؛ حيث أخروا قاطبة دليله عن دليلهما، ومع ذلك ضمّن بعضهم جواب دليلهما أيضا. [4] فهذا كله يدل على ترجيح قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى كما صرّح به الشامي.

---

١ ـ الدر المختار مع رد المحتار (٩/٥٨٧)

٢ ـ حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٤/١٧٩)

٣ ـ المختار للفتوى (٤/١٦٨)، كنز الدقائق (٤٢٣)، الوقاية (٤/٤٨)، النقاية (٢/٢٢٢)، مجمع البحرين (٨٢٢)، غررالأحكام (١/٣١٢)، تنوير الأبصار (٩/٥٨٧)

٤ ـ الهداية في شرح بداية المبتدي (٤/٤٥٦،٤٥٧)، البحرالرائق شرح كنز الدقائق (٨/٣٤٨)، تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق (٦/١٤)، بدائع الصنائع في شرح تحفة الفقهاء (٤/٣١٤)، الاختيار لتعليل المختار (٤/١٦٨)، مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر (٤/١٩٤)، رمز الحقائق شرح كنز الدقائق (٢/٢٠٨)، والنافع الكبير شرح الجامع الصغير (١/٤٧٦)

[۲۵۳] اختلافی مسئلہ

ولا بأس بلبس الحرير والديباج في الحرب عندهما ويكره عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) حدثنا وكيع قال ثنا أبو مكين بن أبان عن عكرمة: أنه كره لبس الحرير والديباج في الحرب وقال ارتجي ما يكون للشهادة بلبسه.[1]

(۲) عن عبدالله بن زرير يعني الغافقي أنه سمع علي بن أبي طالب رضي الله عنه يقول: إن نبي الله صلى الله عليه وسلم أخذ حريرا فجعله في يمينه وأخذ ذهبا فجعله في شماله ثم قال: "إن هذين حرام على ذكور أمّتي".[2]

نصِ مذکور سے لبس حریر کی مطلق ممانعت معلوم ہوتی ہے اس میں حرب وغیر حرب کے مابین کوئی تفصیل بیان نہیں کی

۱۔ مصنف ابن أبي شيبة (٦/٤٢٥) رقم (٣٢٦٠٦)

قلت: رجاله ثقات: (وكيع هو ابن الجراح الكوفي وأبومكين هو نوح بن ربيعة الأنصاري، وثّقه الذهبي في "الكاشف")

۲۔ سنن أبي داود (٢/٤٤٨) رقم (٤٠٥٧)

قال ابن الملقن في "البدر المنير" (١/٦٤٣):

رواه أبوداود، والنسائي، وابن ماجة في "سننهم"، وأبوحاتم بن حبان في "صحيحه"، ولابن ماجه زيادة فيه، وهي: "حل لإناثهم". ورواه أحمد بلفظ: "أخذ حريرا فجعله في يمينه، وأخذ ذهبا فجعله في شماله، ثم قال: إن هذين حرام على ذكور أمتي". قال عبدالحق في "الأحكام": قال ابن المديني: حديث حسن، ورجاله معروفون.

وكذا قال الحافظ في "التلخيص الحبير" (١/٢١٢) وفيه أيضا:

وبين النسائي الاختلافات فيه على يزيد بن أبي حبيب وهو اختلاف لا يضر.

وانظر لبسط الكلام في تصحيح الحديث "نصب الراية" (٤/٢٩٦)

گئی الہدایہ اوراس جیسی دیگر نصوص کا اطلاق وعموم، حرب میں بھی مردوں کیلئے لبس حریر کی حرمت کوشامل ہے۔

البتہ بعض اوقات جنگ میں ریشم پہننا ضرورت بن جاتا ہے تاکہ ہتھیار کی ضرب سے بچاؤ اور دشمن کو مرعوب وہیبت زدہ کرنے کا کام دے تو اس صورت میں بھی یہ ضرورت خالص ریشم کی بجائے مخلوط ریشم کے استعمال سے پوری ہوسکتی ہے بایں طور کہ جس کپڑے کا بانا ریشم کا ہو اور تانا غیر ریشم کا وہ بھی مقصودِ مذکور کا کام دیتا ہے نیز اس صورت میں اس کا حکم و درجہ بھی خالص ریشم والا نہیں رہے گا۔

الغرض ارتکابِ محظور کے وقت جب ''ادنیٰ'' سے ضرورت پوری ہورہی ہو تو ''اعلیٰ'' کی طرف رجوع کرنا درست نہیں ہوتا کما لا یخفی علی أحد۔[1]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (ولا بأس بلبس الديباج في الحرب عندهما، ويكره عند أبي حنيفة.)

واعتمد قوله المحبوبي والنسفي وغيرهما.[2]

❷ قال قاضي خان:

لبس الحرير المُصْمَت (أي الخالص) حرام على الذكور في الحرب وغيره... وقال أبو يوسف و محمد رحمهما الله تعالى لا بأس بلبس الحرير في الحرب.[3] (القول المقدم فيه راجح حسب تصريح الشامي والمصنف به كما عرفت غير مرة).

❸ قال الحلبي:

ويكره لبسِ خالصه فيها –أي في الحرب– خلافا لهما.[4] (منهج الترجيح فيه نفس منهج الخانية، فالقول الراجح فيه هو القول المقدم).

١ـ بدائع الصنائع (٤/٣١٣)، الهداية (٤/٤٥٧)، رد المحتار (٩/٥٨٩)، مجمع الأنهر (٤/١٩٥)، البناية (١٤/٤٤٨)، البحر الرائق (٨/٣٤٨، ٣٤٩)، تبيين الحقائق (٦/١٥)، المحيط البرهاني (٥/٣٤٢)، الجوهرة النيرة (٢/٦١٥)، رمز الحقائق (٢/٢٠٨)، النافع الكبير شرح الجامع الصغير (١/٤٧٧)، شرح النقاية (٢/٢٢٣)، اللباب في شرح الكتاب (٣/٢١٣)

٢ـ الترجيح والتصحيح (٥٩١)

٣ـ الفتاوى الخانية (٣/٤١٢)

٤ـ ملتقى الأبحر (٤/١٩٥)

❹ قال الطائي:

(حرم للرجل) أي عليه (لا للمرأة لبس الحرير) والديباج ولو بحائل أو في الحرب.[1] (الاقتصار عليه -من غير ذكرِ قولٍ يُخالفه- أمارة ترجيحه عنده؛ كما لا يخفى وسبق بيانه).

❺ إنما صنيع الحدادي يدل على ترجيح قول الإمام إذ ذكر دليل كل مذهب عند بيان ذلک المذهب ثم قام لإجابة عن دليل الصاحبين في تأييد قول أبي حنيفة.[2]

❻ وهذا ابن الساعاتي ، الذي تعرّض لهذه المسألة صراحة من بين أصحاب المتون الآخرين، فقط. واختار قول أبي حنيفة واعتمد عليه.[3]

❼ قد أخر أصحاب الشروح دليل الإمام فيه. وجميعهم ضمنوه جواب دليلهما.[4] وهذا ترجيح لقوله عندهم كما عرف في موضعه.

١ـ شرح الطائي علي الكنز (٢/٢٠٨)

٢ـ انظر الجوهرة النيرة (٢/٦١٥)

٣ـ مجمع البحرين (٨٢٢)

٤ـ البحر الرائق (٨/٣٤٨،٣٤٩)، بدائع الصنائع (٤/٣١٣)، مجمع الأنهر (٤/١٩٥)، تبيين الحقائق (٦/١٥)، شرح النقاية (٢/٢٢٣)، رمز الحقائق (٢/٢٠٨)، النافع الكبير شرح الجامع الصغير (١/٤٧٧)

[٢٥٤] اختلافی مسئله

ويجوز الشرب في الإناء المفضّض عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، والركوب على السرج المفضّض، والجلوس على السرير المفضّض (بشرط اتقاء موضع الفضة[١]). (وقال أبويوسف رحمه الله تعالى: يكره ذلك[٢]). (وقول محمد مضطرب؛ أي مع أبي حنيفة في رواية ومع أبي يوسف في الأخرى[٣]). ☆

١ـ ملتقى الأبحر (١٩٨/٤)، تنوير الأبصار (٥٦٧/٩)، الجوهرة النيرة (٦١٧/٢)، بداية المبتدي (٢٢١/١)، كنز الدقائق (٤٢٢)، شرح الوقاية (٤٥/٤)، النقاية (٢١٨/٢)، مجمع البحرين (٨٢٣)، المختار للفتوى (١٧٠/٤)، غررالأحكام (٣١٠/١)، الفتاوى الولوالجية (٣٢٦/٢)، الفقه النافع (ص: ٨٩١، الفقرة: ٦٢٠)، الفتاوى الخانية (٤١٣/٣)، لسان الحكام (٣٧٨/١)، النافع الكبير شرح الجامع الصغير (٤٧٦/١)

٢ـ ملتقى الأبحر (١٩٨/٤)، الفتاوى الخانية (٤١٣/٣)، الجوهرة النيرة (٦١٧/٢)، البحر الرائق (٣٤١/٨)، تبيين الحقائق (١١/٦)، بدائع الصنائع (٣١٥/٤)، بداية المبتدى (٢٢١/١)، شرح الوقاية (٤٥/٤)، الدر المختار (٥٦٨/٩)، شرح النقاية (٢١٨/٢)، مجمع البحرين (٨٢٣)، الاختيار لتعليل المختار (١٧٠/٤)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٣١١/١)، الفتاوى الولوالجية (٣٢٦/٢)، رمز الحقائق (٢٠٧/٢)، المحيط البرهاني (٣٤٦/٥)، النافع الكبير شرح الجامع الصغير (٤٧٦/١)

٣ـ انظر البحر الرائق (٣٤١/٨)، مجمع الأنهر (١٩٨/٤)، رمز الحقائق (٢٠٧/٢)، الجوهرة النيرة (٦١٧/٢)، تبيين الحقائق (١١/٦)، الهداية (٤٥٣/٤)، الاختيار لتعليل المختار (١٧٠/٤)، شرح الوقاية (٤٥/٤)، شرح النقاية لفخر الدين (٢١٨/٢)، مجمع البحرين (٨٢٣)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٣١١/١)، كشف الحقائق (٢٢٩/٢)

☆**استطراد:**

نقل ملا خسرو في "شرحه على الغرر"(٣١١/١) وابن نجيم في "البحر" (٣٤١/٨، ٣٤٢) والزيلعي في "التبيين" (١١/٦) واقعة -في هذه المسألة- تدل على بداهة الإمام الأعظم ونباهته؛ فإليك نصه من لفظ الزيلعي:

روي أن هذه المسألة وقعت في مجلس أبي جعفر الداونيقي، وأبو حنيفة وأئمة عصره حاضرون . فقالت الأئمة: يكره، وأبو حنيفة ساكت، فقيل له: ما تقول؟ فقال: إن وضع فاه في موضع الفضة يكره، وإلا فلا. فقيل له: من أين لك؟ فقال: أرأيت لو كان في أصبعه خاتم فضة فشرب من كفه أيكره ذلك؟ فوقف الكل، وتعجب أبو جعفر من جوابه.

يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

قول الإمام "أيكره ذلك؟" على سبيل الإنكار أي لا يكره، كما في شرح مختصر الطحاوي للجصاص (٥٤٨/٨)

توضیح المقام:

اختلافِ مذکور اس صورت میں ہے جب چاندی کو اشیاءِ مذکورہ سے جدا کیا جا سکتا ہو اور اگر سونا چاندی سے اس طرح ملمع سازی کر دی گئی ہو کہ ان کو برتن وغیرہ سے جدا نہ کیا جا سکتا ہو تو بالاِ جماع ان اشیاء کا استعمال (بدرجۂ گنجائش) درست ہوگا۔[1]

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن أبي حمزة عن عاصم عن ابن سيرين عن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه أن قدح النبي صلى اللّٰه عليه وسلم انكسر، فاتخذ مكان الشعب سلسلة من فضة. قال عاصم: رأيت القدح وشربت فيه.[2]

(۲) عن عاصم الأحول قال:

رأيت قدح النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عند أنس بن مالك وكان قد انصدع فسلسله بفضة. قال: وهو قدح جيد عريض من نضار. قال: قال أنس: لقد سقيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في هذا القدح أكثر من كذا وكذا، قال: وقال ابن سيرين: إنه كان فيه حلقة من حديد فأراد أنس أن يجعل مكانها حلقة من ذهب أو فضة، فقال له أبوطلحة: لا تغيرن شيئا صنعه رسول الله صلى الله عليه وسلم فتركه.[3]

(۳) فقہ کا ضابطہ ہے:

"العبرة للمتبوع دون التابع".[4]

یہاں چاندی کی جو قلیل مدار جوڑی گئی ہے وہ شئی مذکور کے تابع ہے۔لہٰذا- ضابطۂ مذکورہ کے تناظر میں- اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور اصل شئی معتبر ہوگی، وہ مثلاً لکڑی کی ہے تو اس کا استعمال بھی جائز ہوگا۔

چنانچہ یہ ریشم کی جھالر والے جبہ، ریشمی نقش و نگار والے کپڑے اور سونے کی میخ والے نگینہ کے مثل ہو گیا کہ جس

۱۔ الفتاوى الولوالجية (۲/۳۲٦)، البحر الرائق (۸/۳٤۱)، المحيط البرهاني في الفقه النعماني (٥/۳٤۷)، تبيين الحقائق (٦/۱۱)، الهداية (٤/٤٥٤)، الجوهرة النيرة (۲/٦۱۸)، الدر المنتقى (٤/۱۹۸)، حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٤/۱۷۳)، كشف الحقائق (۲/۲۲۹)

۲۔ صحيح البخاري (۸/۱۱٥) رقم (۳۱۰۹)

۳۔ صحيح البخاري (۱٤/۲۳۱) رقم (٥٦۳۸)

٤۔ ذكرها الكاساني في "البدائع" (٤/۳۱٥)؛ وهذا لا يحتاج بنفس هذه الألفاظ إلى إحالة كتب الأصول لأنه قد جري استخدامه في عدة من المسائل نحو نية الزوجة والجندي في السفر وغير ذلك.

طرح وہ جائز ہیں اسی طرح ان کا استعمال بھی شرعاً جائز ہوگا۔[1]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ في الهندية:

ولا بأس بالأكل والشرب من إناء مذهب ومفضض إذا لم يضع فاه على الذهب والفضة، وكذا المضبب من الأواني والكراسي والسرير إذا لم يقعد على الذهب والفضة، وكذا في حلقة المرآة من الذهب والفضة، وكذا المجمر واللجام والسرج والثفر والركاب إذا لم يقعد عليه، وعن أبي يوسف -رحمه الله تعالى- أنه كره جميع ذلك وقيل: محمد -رحمه الله تعالى- معه وقيل: مع أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- كذا في التمرتاشي . في الزاد والصحيح قول أبي حنيفة -رحمه الله تعالى-، كذا في المضمرات.[2]

❷ قال الحصكفي:

(ويجوز) بلا كراهة على الرجل والمرأة (الأكل والشرب) والإدهان والتوضيء (من إناء مفضض) أي مزين بالفضة (والجلوس على سرير) أو كرسي (مفضض)، (بشرط اتقاء موضع الفضة) والذهب بالفم واليد وغيره من الأعضاء (ويكره عند أبي يوسف) (وعن محمد روايتان). والصحيح الأول.[3]

❸ قال القهستاني:

(وحل استعمال المفضض متقيا موضع الفضة)... وكره استعماله عندهما لأن استعمال الجزء كالكل وله أن الفضة تابعة ولا اعتبار للتابع وهو الصحيح.[4]

❹ قال قاضي خان:

وقال أبو حنيفة رحمه الله تعالى: لا بأس بالشرب في الآنية المفضضة والمذهبة إذا وضع فاه على العود، وفي الكرسي والسرير يقعد على العود والخشب دون الذهب والفضة... وعن أبي يوسف

١ـ بدائع الصنائع (٤/٣١٥)، الهداية (٤/٤٥٤)، مجمع الأنهر (٤/١٩٨)، الدر المنتقى (٤/١٩٨)، البحر الرائق (٨/٣٤١)، شرح النقاية (٢/٢١٨)، الاختيار لتعليل المختار (٤/١٧٠)، جامع الرموز (٢/٣٠٠)، كشف الحقائق (٢/٢٢٩)

٢ـ الفتاوى الهندية (٥/٣٣٤)

٣ـ الدر المنتقى (٤/١٩٨)

٤ـ جامع الرموز (٢/٢٩٩، ٣٠٠)

رحمه الله تعالى أنه كره جميع ذلك. واختلفوا في قول محمد رحمه الله تعالى.[1] (ومن المعلوم البديهي أن القول المقدم فيه راجح كما عرفته سابقا في مواضع شتى).

❺ قال الحلبي:

ويجوز الأكل والشرب من إناء مفضض والجلوس على سرير مفضض بشرط اتقاء موضع الفضة، ويكره عند أبي يوسف وعن محمد روايتان.[2] (إنما دأب الحلبي فيه كدأب قاضيخان في "فتاواه" في باب الترجيح، فالقول السابق فيه راجح أيضا)

❻ كذا في الكتب الأخر.[3]

❼ مشى أصحاب المتون على قول الإمام،[4] ترجيحًا له كما هو ظاهر.

❽ أتى الشارحون بتاخير دليل الإمام فيه.[5] وهذا ترجيح لقوله عندهم كما تقدم لك بيانه.

١ـ الفتاوى الخانية (٣/٤١٢،٤١٣)

٢ـ ملتقى الأبحر (٤/١٩٧،١٩٨)

٣ـ لسان الحكام (١/٣٧٨)، الفقه النافع (ص: ٨٩١، الفقرة: ٦٢٠)، الفقه على المذاهب الأربعة (٢/١٨)

٤ـ المختار للفتوى (٤/١٧٠)، كنز الدقائق (٤٢٢)، الوقاية (٤/٤٤)، النقاية (٢/٢١٨)، غرر الأحكام (١/٣١٠)، تنويرالأبصار (٩/٥٦٧)

٥ـ الهداية (٤/٤٥٤)، بدائع الصنائع (٤/٣١٥)، البحرالرائق (٨/٣٤١)، الاختيار لتعليل المختار (٤/١٧٠)، مجمع الأنهر (٤/١٩٨)، رد المحتار (٩/٥٦٨)

كتاب الوصايا

[۲۵۵] اختلافی مسئلہ

ومن أوصى إلى اثنين لم يجز لأحدهما أن يتصرف عند أبي حنيفة ومحمدٍ رحمهما الله تعالى دون صاحبه، إلا في شراء كفن الميت وتجهيزه، وطعام أولاده الصغار وكسوتهم، ورد وديعةٍ بعينها، وتنفيذ وصيةٍ بعينها، وعتق عبدٍ بعينه، وقضاء الدين، والخصومة في حقوق الميت. (وقال أبويوسف: لكل واحد منهما أن ينفرد بالتصرف في جميع الأشياء.[1])

توضیح المقام:

اصح قول کے موافق عام ہے کہ مُوصِی نے ان دو شخصوں کو ایک ساتھ وصیت کی ہو یا متعاقباً (یکے بعد دیگرے)، دونوں صورتوں میں اختلاف مذکور برقرار رہے گا۔[2]

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

وصی کیلئے جو ولایت ثابت ہوئی ہے وہ مُوصِی کی تفویض (سپرد کردینے) سے حاصل ہوئی ہے لہٰذا موصی نے جس

۱۔ الاختيار لتعليل المختار (٥/٧٤)، المبسوط للسرخسي (٢٨/٢٠)، الهداية (٤/٦٧٠)، البحر الرائق (٨/٣١٢)، الجوهرة النيرة (٢/٦٣٤)، تبيين الحقائق (٦/٢٠٨)، خلاصة الفتاوى (٤/٢٤٠)، شرح الطائي على الكنز (٢/٢٧٤)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٤٤٨)، شرح الوقاية (٤/١٦٩)، ملتقى الأبحر (٤/٤٥٧)، شرح النقاية (٢/٥٦٠)، الفتاوى البزازية (٦/٤٤٦)، النافع الكبير شرح الجامع الصغير (١/٥٢٩)، جامع الرموز (٢/٦٩٨)، الفقه النافع (ص: ١٤١٠، الفقرة: ١١٧٦)، مجمع البحرين (٨٢٩)

۲۔ الفتاوي البزازية (٦/٤٤٦)، خلاصة الفتاوى (٤/٢٤٠)، حاشية الشلبي على التبيين (٦/٢٠٨)

وصف وقید کے ساتھ یہ ولایت سپرد کی ہے اس وصف کی رعایت ضروری ہوگی (اور وہ وصف یہاں ''اجتماعِ وصیین'' ہے کہ یہ دونوں شخص مل کر موصی کی وصیت کو پورا کریں گے) کیونکہ یہ قید ایک مفید شرط ہے اس لیے کہ ایک شخص کی رائے دو آدمیوں کی رائے کے ہم پلہ نہیں ہوسکتی۔

نیز موصی بھی دو اوصیاء سے ہی راضی ہے چنانچہ ان میں سے ہر ایک اس سبب میں ''شطرِ علت'' کے بمنزلہ ہوگیا اور ظاہر ہے کہ شطرِ علت سے حکم کبھی ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ علت مکمل موجود نہ ہو اس لیے یہاں بھی مجموعۂ اوصیاء (اور وہ دو ہیں) کی رضامندی کے بدون صرف ایک وصی کی جانب سے تصرف غیر معتبر اور باطل شمار ہوگا۔

اس کی نظیر ''توکیلِ وکیلین'' کا مسئلہ ہے کہ جب کوئی شخص دو آدمیوں کو کسی چیز کی بیع کا وکیل بنادے تو ان میں سے کوئی ایک، دوسرے کے بغیر عقد کا مُجاز نہیں ہوتا فکذا ههنا۔

تاہم اشیاءِ معدودہ مذکورہ میں یہ حکم جاری نہیں ہوگا کیونکہ ان اشیاء وامور کا تعلق ''باب الولاية'' کی بجائے ''باب الضرورة'' سے ہے اور مواضعِ ضرورت ہمیشہ مستثنیٰ ہوتے ہیں۔[1]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (ومن أوصى إلى اثنين لم يجز لأحدهما أن يتصرف عند أبي حنيفة ومحمدٍ دون صاحبه، إلا في شراء كفن الميت وتجهيزه، وطعام الصغار وكسوتهم، ورد وديعةٍ بعينها، وقضاء الدَّين، وتنفيذ وصيةٍ بعينها، وعتق عبدٍ بعينه، والخصومة في حقوق الميت).

قال الإسبيجابي: وقال أبو يوسف: يجوز لكل واحد منهما ما صنع، والصحيح قولهما. [2]

❷ قال التمرتاشي والحصكفي:

(وبطل فعل أحد الوصيين كالمتوليين) فإنهما في الحكم كالوصيين... (ولو) وصلية (كان إيصاؤه لكل منهما على الانفراد) وقيل: ينفرد.

قال الشامي:

---

١ ـ انظر له ما يلي:

الهداية (٤/٦٧١)، البحر الرائق (٨/٣١٢)، شرح مختصر الطحاوي للجصاص (٤/١٨٧)، المبسوط للسرخسي (٢٨/٢١)، الفقه النافع (ص:١٤١١، الفقرة: ١١٧٦)، الاختيار لتعليل المختار (٥/٧٤)، تبيين الحقائق (٦/٢٠٨،٢٠٩)، مجمع الأنهر (٤/٤٥٨)، الجوهرة النيرة (٢/٦٣٤)، كشف الحقائق (٢/٣٢٥)

٢ ـ الترجيح والتصحيح (٥٩٩)

(قوله وقيل ينفرد) قائله أبويوسف كما سيصرح به الشارح والأول قولهما -إلى أن قال- والعمل في الغالب على قول الإمام، وهو ظاهر إطلاق المتون وصريح عبارة المصنف.[1]

❸ قال قاضي خان:

رجل أوصى إلى رجلين قال أبوحنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى لا ينفرد أحد الوصيين بالتصرف ولا ينفذ تصرف أحدهما إلا بإذن صاحبه إلا في أشياء فإن أحدهما ينفرد بها... وعند أبي يوسف رحمه الله تعالى ينفرد.[2]

(ولا يخفى أن القول المقدم فيه راجح حسبما عرف في الأصول).

❹ قال الحلبي:

وإن أوصى إلى اثنين لا ينفرد أحدهما، إلا بشراء كفن وتجهيز وخصومة وقضاء دَين وطلبه وشراء حاجة الطفل وقبول الهبة له ورد وديعة معينة، وتنفيذ وصية معينة وإعتاق عبد معين، ورد مغصوب، أو مشرى شراء فاسدا، وجمع أموال ضائعة وحفظ المال، وبيع ما يخاف تلفه. وعند أبي يوسف يجوز الإنفراد مطلقا.[3] (القول المقدم فيه راجح أيضا، كما عرفته قبلُ).

❺ أفتى الشامي بقول الطرفين لمّا سُئل عنه:

(سئل)... فهل إذا ثبت دعواه بالوجه الشرعي يكونان وصيين لا ينفرد أحدهما بالتصرّف بدون رأي الآخر؟

(الجواب): نعم! قال في التنوير من باب الوصي، وبطل فعل أحد الوصيين كالمتوليين ولو كان إيصاؤه لكل منهما على الانفراد. اهـ وفي الدرر: أوصى إلى اثنين لا ينفرد أحدهما بالتصرف بدون الآخر ولو إلى كل منهما بالانفراد. اهـ وتمام تحقيقه فيها.[4]

❻ أتى الأوشي بمذهب الطرفين مطلقا، بغير أن يسرد خلافا فيه.[5] فهذه أمارة جليّة لترجيح قولهما كما هو ظاهر.

١ـ الدر المختار مع رد المحتار (١٠/٤٤٠،٤٤١)

٢ـ الفتاوى الخانية (٣/٥٢٦، ٥٢٧)

٣ـ ملتقى الأبحر (٤/٤٥٦،٤٥٧)

٤ـ تنقيح الفتاوى الحامدية (٢/٣٠٦)

٥ـ الفتاوى السراجية (١٤٨)

٧ قول الطرفين قول المتون.[1] فهذا من ترجيح له أيضا.

٨ وإذا كان مع أبي حنيفة أحد صاحبيه فيؤخذ بقولهما (أي بقول الإمام ومن وافقه) بلا خلاف على ما قال الشامي في شرح العقود.[2] فمن هذه الجهة قول الطرفين راجح أيضا.

٩ أخر الشارحون دليل الطرفين فيه وجميعهم ضمنوه جواب دليل الثاني رحمه الله تعالى.[3] وهذا ترجيح لقولهما عندهم كما عرف في موضعه.

---

[٢٥٦] اختلافی مسئلہ

وإن أوصى لأحدهما بجميع ماله وللآخر بثلث ماله ولم تجز الورثة فالثلث بينهما على أربعة أسهمٍ عند أبي يوسف و محمد رحمهما الله تعالى. وقال أبو حنيفة رحمه الله تعالى: الثلث بينهما نصفان.[4] ولا يضرب أبو حنيفة رحمه الله تعالى للموصى له بما زاد على الثلث إلا في المحاباة، والسعاية والدراهم المرسلة، (ويُضرَب عندهما،[5]).

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

١ـ المختار للفتوى (٥/٧٤)، كنز الدقائق (٤٨٧)، الوقاية (٤/١٦٨، ١٦٩)، النقاية (٢/٥٥٩، ٥٦٠)، غرر الأحكام (٢/٤٤٨)، تنوير الأبصار (١٠/٤٤٠)، بداية المبتدى (١/٢٦٤)

٢ـ تقدم تخريجه غير مرة

٣ـ الهداية (٤/٦٧١)، المبسوط للسرخسي (٢٨/٢١)، البحر الرائق (٨/٣١٢)، تبيين الحقائق (٦/٢٠٨، ٢٠٩)، دررالحكام شرح غرر الأحكام (٢/٤٤٨)، مجمع الأنهر (٤/٤٥٨)، الجوهرة النيرة (٢/٦٣٤)

٤ـ هذا الخلاف مبني على أصلٍ مختلفٍ فيه بين الإمام وصاحبَيه وإلى هذا أشار بقوله الآتي "ولا يضرب ١هـ" [انظر: "مجمع الأنهر" (٤/٤٢٥)]. فلذا هذا القول (أي "ولا يضرب أبو حنيفة رحمه الله تعالى -إلى- ويُضرَب عندهما") ليس بمسألة خلافية بل هو بيان أصل اصيل بُنيتْ عليه المسألةُ السالفُ ذُكرُها.

٥ـ جامع الرموز (٢/٦٨٤)، الدر المنتقى (٤/٤٢٦)، الاختيار لتعليل المختار (٥/٨٠)

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

تہائی سے زائد مقدار میں وصیت جب جائز ہی نہیں ہوتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قدرِ زائد میں وہ وصیت باطل ہو جاتی ہے چنانچہ صورتِ حال یوں ہو جائے گی کہ گویا مُوصی نے ہر ایک کیلئے ثلث کی وصیت کی ہے (جو کہ قدرِ مشروع ہے)، لہٰذا اس ثلث کو ہی ان دونوں کے مابین نصف نصف کر دیا جائے گا۔[1]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

(وإن أوصى لأحدهما بجميع ماله ولآخر بثلث ماله ولم تجز) الورثة ذلك (فثلثه بينهما نصفان)...
وقالا: أرباعا؛ لأن الباطل ما زاد على الثلث فاضرب الكل في الثلثين يحصل أربعة تجعل ثلث المال.

قال الشامي:

تحت قوله: "فاضرب الكل في الثلثين": ثم الصحيح قول الإمام كما في تصحيح العلامة قاسم والدر المنتقى عن المضمرات وغيره.[2]

❷ قال الحصكفي:

(ولو لأحدهما بثلثه وللآخر بثلثيه أو بنصفه أو بكله ينصف الثلث بينهما) عنده (وعندهما يثلث في الأول، ويخمس خمسين وثلاثة أخماس في الثاني، ويربع في الثالث) وذلك لأصل أصيل، ذكره بقوله (ولا يضرب الموصى له بالزائد على الثلث)... (عند الإمام) ويضرب عندهما. -إلى أن قال- والحاصل أنه إن أوصى بأكثر من الثلث ولم يجيزوا فهي باطلة في الأكثر عنده... وجائزة عندهما... والأول الصحيح كما في المضمرات وغير[3]

❸ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وإن أوصى لأحدهما بجم ماله وللآخر بثلث ماله فلم تجز الورثة فالثلث بينهما على أربعة أسهم عند أبي يوسف و محمد، و أبوحنيفة: الثلث بينهما نصفان لا يضرب عند أبي حنيفة للموصى له بما زاد على الثلث إلا في المـ ة، والسعاية والدراهم المرسلة).

قال الإمام جمال الإسلام: والصحيح قول أبي حنيفة.[4]

١ـ الدر المختار (٣٨٤/١٠)، الفقه الإسلامي وأدلته (٧٥٦٠)، شرح الوقاية (١٥١/٤)، شرح النقاية لفخر الدين (٥٥١/٢)

٢ـ الدر المختار مع رد المحتار (٣٨٣/١٠، ٣٨٤)

٣ـ الدر المنتقى (٤٢٥/٤، ٤٢٦)

٤ـ الترجيح والتصحيح (٦٠٠)

٤ قال القهستاني:

(و) في وصيته (بثلثه) أي بثلث ماله لزيد (وكله) لآخر ولم يجيزوا (ينصف) أي يجعل الثلث على سهمين (وقالا: يربع) أي يجعل على أربعة أسهم لأصلٍ أشار إليه فقال (ولا يضرب الموصى له بأكثر من الثلث عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى) ويضرب عندهما. والحاصل أنه إن أوصى بأكثر من الثلث ولم يجيزوا فهي باطلة في الأكثر عنده... وجائزة عندهما... والأول الصحيح كما في المضمرات.[1]

٥ قال الزحيلي:

إذا أوصى شخص بعدة وصايا لأشخاص معينين، وزادت الوصايا في مجموعها عن الثلث، ولم تجز الورثة الزائد، أو أجازوا ولم تتسع التركة لتنفيذ الوصايا، فيكون لها حالتان:

الثانية: أن تكون إحدى الوصايا زائدة على الثلث: كثلث لواحد ونصف لآخر (أو جميع لآخر، كما ههنا، فإنه زائد على الثلث أيضا):

قال أبوحنيفة: يقسم الثلث بينهما مناصفة؛ لأن الوصية إذا زادت عن الثلث ولم تجز الورثة، تكون باطلة في القدر الزائد، فيكون هناك وصيتان كلتاهما بالثلث تتزاحمان فيه، فيكون ثلث التركة بين الموصى لهما نصفين. وهذا هو المفتي به عند الحنفية.

–ثم قال بعد بيان قولهما– واستثنى أبوحنيفة ثلاث حالات: هي المحاباة، والدراهم المرسلة، والسعاية، وافق فيها الصاحبين في القسمة بحسب السهام، وليس مناصفة.[2]

١ـ جامع الرموز (٢/٦٨٤)

٢ـ الفقه الإسلامي وأدلته (٧٥٦٠، ٧٥٦١)

[٢٥٧] اختلافی مسئلہ

فإن حابى ثم أعتق فالمحاباة أولى عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى ☆
وإن أعتق ثم حابى فهما سواءٌ، وقالا: العتق أولى في المسألتين.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) فقہ کا قاعدہ ہے:

"القوي لا يعارضه الضعيف". (۱)

محابات اور عتق میں سے اول، ثانی سے اقویٰ اور ثانی اس کے مقابلہ میں ضعیف ہے کیونکہ محابات کا ثبوت عقدِ

☆ قال الحدادي في "الجوهرة" (٦٣٩/٢):

قوله (فإن حابى ثم أعتق فالمحاباة أولى عند أبي حنيفة) : هذا (أي تقديم أحدهما على الآخر) إذا ضاق الثلث عنهما أما إذا اتسع لهما أمضى كل واحد منهما على جهته.

١ ـ ذكر هذه القاعدة الأصوليون بألفاظ مختلفة:

(أ) علاء الدين البخاري في "كشف الأسرار" (٧٧/٣): لا مقابلة بين الضعيف والقوي بل يترجح القوي

(ب) والآمدي في "الإحكام" (١٤٧/٣): لا يقع الأضعف في مقابلة الأقوى

وكذا استخدمه الفقهاء بألفاظ شتى:

(أ) السرخسي في "المبسوط": في باب زكوة الإبل (١٧٠/٢): والضعيف لا يعارض القوي، وفي كتاب الاستحسان: باب الرجل يرى الرجل يقتل أباه أو يره (١٨٤/١٠): الضعيف لا يظهر مع القوي.

(ب) والزيلعي في "تبيين الحقائق": في باب كفالة الرجلين والعبدين (١٦٧/٤): لا يعارضه (أي الأقوى والآكد) الضعيف.

(ج) والمرغيناني في "الهداية": في كتاب الولاء (٣٤٣/٣): القوي لا يعارضه الضعيف؛ وبعد قليل في (٣٤٤/٣): الضعيف لا يظهر في مقابلة القوي.

(د) وملا خسرو في "الدرر شرح الغرر": في كتاب الولاء (٣٤/٢): الضعيف لا يعارض القوي.

(ر) والغنيمي في "اللباب في شرح الكتاب": في كتاب الولاء (٢٤/٣): القوي لا يعارضه الضعيف.

معاوضہ کے ضمن میں ہوتا ہے لہٰذا یہ صرف از روئے معنی تبرع ہے لفظاً تبرع نہیں ہے بلکہ لفظ کے اعتبار سے عقدِ معاوضہ ہے جبکہ عتق لفظ و معنی ہر دو اعتبار سے تبرع ہے اور "معاوضات، تبرعات سے اقوی ہوتے ہیں" کما لا یخفی۔

لہٰذا جب محابات یہاں پہلے پائی گئی تو وہ اپنے سے ضعیف (یعنی عتق) کو دور کر دے گی اور وہ ضعیف (عتق) اس کے مقابلہ میں غیر معارض ہونے کی بدولت ظاہر نہیں ہوگا - جیسا کہ بعض مشائخ نے قاعدۂ مذکورہ کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے: "الضعيف لا يظهر مع القوى" كما في المبسوط للسرخسي (١٠/١٨٤) - جس سے بلاشبہ محابات کو اولویت و ترجیح حاصل ہوگی۔

اور اعتاق کے محابات سے مقدم ہونے کی صورت میں بھی محابات کی قوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ جب اس کو تقدیم حاصل ہو چکی، اور حالت یہ ہے کہ باوجود تقدیم کے اس میں محابات کو دفع کرنے کی صلاحیت نہیں (کیونکہ ضعیف، قوی کے معارض نہیں ہو سکتا)، تو لامحالہ تقدیم فی الذکر کی بدولت یہ محابات کے مزاحم ہو جائے گا چنانچہ تحقق مزاحمت کے پیشِ نظر مساوات کا حکم لگایا جائے گا تاکہ اضعف کی اقوی پر ترجیح بھی لازم نہ آئے اور (حقِ تقدیم سے حاصل شدہ) مزاحمت بھی بے اثر نہ رہے۔[1]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (فإن حابى ثم أعتق فالمحاباة أولى عند أبي حنيفة. وإن أعتق ثم حابى فهما سواءٌ، وقال أبويوسف و محمدٌ: العتق أولى في المسألتين).

واختار قول الإمامِ، البرهانيُّ والنسفي وصدر الشريعة وغيرهم.[2]

❷ قال الحلبي:

فإن أعتق وحابا وضاق الثلث عنهما، فالمحاباة أولى إن قدمت؛ وهما سواء إن أخرت... وعندهما العتق أولى في الجميع.[3] (القول المقدم فيه راجح –وهو قول الإمام هنا– كما صرح به الشامي في شرح العقود والمصنف في المقدمة وهو معروف لدى أرباب الإفتاء)

١ـ الهداية (٤/٦٥٤)، الاختيار لتعليل المختار (٥/٧٩)، البحر الرائق (٩/٢٦٣)، تبيين الحقائق (٦/١٩٦، ١٩٧)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٤٣٩)، مجمع الأنهر (٤/٤٣٧)، حاشية الطحطاوى على الدر المختار (٤/٣٢٩)، رد المحتار (١٠/٤٠٥)، رمز الحقائق (٢/٢٦٩)

٢ـ الترجيح والتصحيح (٦٠١)

٣ـ ملتقى الأبحر (٤/٤٣٧، ٤٣٨)

❸ إذا لم يرد تصريح بتصحيح أحد القولين أصلا -كما وقع في هذه المسألة[1]- فالعمل إذن بما في المتون، على ما قال الشامي.[2] وهنا المتون على قول الإمام فلذا هو يليق بالعمل والإفتاء فيها.

❹ اعتمد قول الإمام أبي حنيفة، الموصلي والنسفي والتمرتاشي،[3] وهذا لكونه راجحا عندهم على ما تقرر في الأصول.

❺ أخر الشارحون دليل الإمام فيه.[4] وهذا ترجيح لقوله عندهم كما عرف في موضعه.

١ـ حيث ذكر أصحاب الشروح والفتاوى فيها مجرد الخلاف بين الإمام والصاحبين ولم يأتوا بتصحيح قول أحد منهما كابن نجيم في البحر الرائق (٩/٢٦٢،٢٦٣)، والحصكفي في الدر المختار (١٠/٤٠٤،٤٠٥) وأقره الشامي في رد المحتار (١٠/٤٠٥)، والطحطاوي في حاشيته على الدر المختار (٤/٣٢٩)، والسرخسي في المبسوط (٢٨/١٣٣)، والزيلعي في تبيين الحقائق (٦/١٩٦،١٩٧)، وداماد أفندي في مجمع الأنهر (٤/٤٣٧،٤٣٨)، والحصكفي في الدر المنتقى (٤/٤٣٧،٤٣٨)، والعيني في رمز الحقائق (٢/٢٦٩)، والمرغيناني في الهداية (٤/٦٥٤،٦٥٥) وتبعه المشايخ في الفتاوى الهندية (٦/١٠٩،١١٠) وأقروه، وغيرهم.

٢ـ مقدمه رد المحتار (١/١٧١)

٣ـ بنشر على ترتيب اللف: المختار للفتوى (٥/٧٩)، كنز الدقائق (٤٨٢)، تنوير الأبصار (١٠/٤٠٤،٤٠٥)

٤ـ الهداية شرح البداية (٤/٤٥٦)، البحر الرائق (٩/٢٦٣)، تبيين الحقائق (٦/١٩٦، ١٩٧)، شرح الوقاية (٤/١٦١)، الاختيار لتعليل المختار (٥/٧٩)، بدائع الصنائع (٦/٤٨٦)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٤٣٩)، رد المحتار (١٠/٤٠٥)، حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٤/٣٢٩)، رمز الحقائق (٢/٢٦٩)

[۲۵۸] اختلافی مسئلہ

ومن خرج من بلده حاجًّا فمات في الطريق وأوصى أن يحج عنه حجّ عنه من بلده عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى. وقال أبويوسف و محمد رحمهما الله تعالى: يحجّ عنه من حيث مات. ☆

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن أبى هريرة أن رسول الله –صلى الله عليه وسلم– قال: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة إلا من صدقة جارية أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له. [۱]

کعبۃ اللہ حج کیلئے پہنچنے سے پہلے اس نے جو "خروج" کا عمل کیا ہے وہ اس کی موت پر باطل اور ختم ہوگیا ہے موت کے بعد اس عملِ خروج کا کوئی اثر اور جزو باقی نہیں رہا یعنی گویا کہ وہ حج کیلئے گھر سے نکلا ہی نہیں کیونکہ موت کے بعد جو تین عمل

☆ **بيان منشاء الاختلاف:**

قال الولوالجي في فتاواه (۵: ٤٠٠):

"وهذا الاختلاف راجع إلى حرف وهو أن ما أدي من السفر بنية الحج عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى يبطل بالموت فلم يجز البناء عليه ووجب الإحجاج من وطنه، وعندهما رحمهما الله تعالى: لا يبطل فيجوز البناء عليه." وكذا في المحيط البرهاني في الفقه النعماني (۲/٤٨٣)

۱۔ صحيح مسلم (٥/٧٣) رقم (٤٣١٠)، وكذا في: صحيح ابن خزيمة (٤/١٢٢) رقم (٢٤٩٤)، صحيح ابن حبان (٧/٢٨٦) رقم (٣٠١٦)، المنتقى لابن الجارود (١/١٠١) رقم (٣٧٠)، سنن أبى داود (٣/٧٧) رقم (٢٨٨٢)، سنن الترمذي (٣/٦٠) رقم (١٣٧٦)، الأدب المفرد (١/٢٨) رقم (٣٨) مسند أحمد بن حنبل (٢/٣٧٢) رقم (٨٨٣١)

باقی رہ جاتے ہیں یہ ان میں سے نہیں ہے لہٰذا اس کی طرف سے حج کرنے والا شخص از سرِ نو اس کے مقام سے ہی نکلے گا۔[1]

(۲) عن أبي عزة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا قضى الله لعبد أن يموت بأرض جعل له إليها حاجة أو قال بها حاجة.[2]

حدیثِ بالا کی روشنی میں ظاہر ہوا کہ اس کا یہ سفر "سفرِ موت" تھا نہ کہ "سفرِ حج" یعنی حج کیلئے اس کا سفر شروع ہی

۱۔ المبسوط للسرخسي (۲۷/۱۷۳)، خلاصة الدلائل لحسام الدين الرازي (۲/۴۱۲)، مجمع الأنهر (۴/۴۴۱)

الإيقاظ الهام:

وردَّ البعضُ الاستدلالَ المذكور منه على هذا النمط فقام البابرتي للإجابة عنه جوابا شافيا في العناية – شرح الهداية– المذيلة بالفتح (۱۰/۵۰۵،۵۰۶)؛ فإليك نصه:

وقوله (لهما أن السفر بنية الحج وقع قربة إلخ) مدفوع بقوله صلى الله عليه وسلم [كل عمل ابن آدم ينقطع بموته إلا ثلاثة] فإن الخروج للحج ليس منه.

وردّ بأن المكفر إذا أطعم بعض المساكين ومات فأوصى وجب الإكمال بما بقي بالاتفاق ولم ينقطع ما أطعمه بالموت، ذكره في الأسرار، فما هو جواب أبي حنيفة عن ذلك فهو جوابنا عن الحج.

وأجيب بالفرق بأن سفر الحج لا يتجزأ في حق الآمر، بدليل أن الأول إذا بدا له في الطريق أن لا يحج بنفسه بعد ما مشى بعض الطريق وفوض الأمر إلى غيره برضا الوصي لم يجز ولزمه رد ما أنفقه، وأما الإطعام فإنه يقبل التجزيء، حتى أن المأمور بالإطعام إذا أطعم البعض ثم ترك البعض وأمر به غيره فإنه يجزئه، كذا في الأسرار وهذا ليس بدافع؛ لأن الحديث لم يفصل بين المتجزئ وغيره في انقطاع، إلا أن يقال: التجزيء في الإطعام مستند إلى الكتاب فإنه لم يشترط فيه التتابع أصلا، حتى لو جامع في خلال الإطعام مثلا لم يجب عليه إعادة ما سبق، والكتاب أقوى وإن كان دلالة فعمل به والحج لم يكن فيه دليل أقوى من الحديث فعمل به.

وهنا يجب أن يلاحظ كلام المحقق في "فتح القدير" (۱۰/۵۰۵،۵۰۶) أيضا.

۲۔ سنن الترمذي (۴/۴۵۳) رقم (۲۱۴۷)؛ قال أبوعيسى: هذا حديث صحيح.

المستدرك للحاكم (۱/۱۰۲) رقم (۱۲۷) وقال الحاكم: هذا حديث صحيح.

وقال السخاوي في المقاصد الحسنة (۱/۹۰):

وقال (الترمذي) إنه صحيح وكذا صححه ابن حبان والحاكم.... ورواه أحمد والطيالسي في مسنديهما ولفظه (إن الله عزوجل إذا أراد قبض عبد بأرض جعل له بها حاجة) ولفظ أحمد (إذا أراد الله قبض روح عبد بأرض جعل له فيها أو قال بها حاجة) وفي الباب عن عروة بن مضرس مرفوعا (إذا أراد الله قبض عبد بأرض جعل له إليها حاجة) أخرجه البيهقي في الشعب.

نہیں ہوا تھا چنانچہ اس کی طرف سے حج کو جانے والا ازسرِنو اس کے مقام سے ہی سفرِ حج کا آغاز کرے گا۔[1]

(۳) ''مطلق'' سے ''متعارف'' شئی مراد ہوتی ہے یہاں حج کی وصیت مطلق ہے اور عامۃ الناس میں متعارف حج گھر سے ہی کیا جاتا ہے لہٰذا یہاں بھی وصی اس کے مقام و منزل سے حج کرنے جائے گا۔[2]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

(وإن مات حاج في طريقه وأوصى بالحج عنه يحج من بلده) راكبا وقالا: من حيث مات، استحسانا.

قلت: ومفاده أن قوله قياس وعليه المتون، فكان القياس هنا هو المعتمد. فافهم!

قال الشامي:

(قوله عليه المتون): وهو الصحيح واختاره المحبوبي والنسفي وصدر الشريعة وغيرهم اهـ. قاسم (قوله فافهم): يشير إلى أنه مما خرج من قاعدة تقديم الاستحسان على القياس.[3]

❷ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (ومن خرج من بلده حاجًا فمات في الطريق وأوصى أن يحج عنه حج عنه من بلده عند أبي حنيفة). قال الإمام جمال الإسلام: وقالا: يحج من حيث بلغ، والصحيح قوله.[4]

❸ قال الحصكفي:

(وإن خرج حاجّا فمات في الطريق وأوصى أن يحجّ عنه حجّ عنه) راكبا (من بلده) إن بلغ نفقته ذلك عنده (وعندهما من حيث مات استحسانا) -إلى أن قال- وقدّم أيضا أن قولهما استحسان وقوله قياس وإن الماتن ثمة أكد رد مذهبهما بقوله: لا من حيث مات، وقد قدمه المصنف هنا وثمة وجزم به في التنوير وعامة المتون فكان القياس هنا هو المعتمد فافهمه وتنبه له أيضا.[5]

❹ قال الزحيلي:

قال الحنفية: ... وإن مات حاجٌّ في طريقه، وأوصى بالحج عنه، يُحَجّ من بلده راكبًا، وهو المعتمد.[6]

١ـ المبسوط للسرخسي (١٧٣/٢٧)، مجمع الأنهر (٤٤١/٤)

٢ـ الفقه النافع (ص: ١٤١٧، الفقرة: ١١٨٤)، مع تسهيل

٣ـ الدر المختار مع رد المحتار (٣٧٧/١٠)

٤ـ الترجيح والتصحيح (٦٠٢)

٥ـ الدر المنتقى (٤٤٢،٤٤١/٤)

٦ـ الفقه الإسلامي وأدلته (٧٤٩٩)

❺ قال الجزيرى:

الحنفية – قالوا: ... وإذا مات حاج في طريقه وأوصى بأن يحج عنه فهل يبدأ عنه من المكان الذي مات فيه أو من بلده؟ خلاف فقيل عنه من بلده شخص راكبًا لاماشيًا وهو المعتمد. (١)

❻ رجّح قاضيخان (٢) والحلبي (٣) قول الإمام، بتقديمه على قولهما، لما عرف من دأبهما فيهما في باب الترجيح.

❼ مشى أصحاب المتون على قول الإمام، (٤) ترجيحا له كما هو ظاهر.

❽ قد أخر أصحاب الشروح دليل الإمام فيه. (٥) وذاك من ترجيح لقول الإمام عندهم حسب ما عرف من صنيعهم في المختار لديهم فيها.

---

[٢٥٩] اختلافی مسئلہ

ومن أوصى لجيرانه فهم الملاصقون عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى. (وقالا: هم الملاصقون وغيرهم ممن يسكن محلة الموصي ويجمعهم مسجد المحلة، (٦)).

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

١ـ الفقه على المذاهب الأربعة (٣/٢٩٠)

٢ـ فتاوى قاضيخان (١:٣٠٧–في كتاب الحج: فصل في الحج عن الميت)

٣ـ ملتقى الأبحر(٤/٤٤١)

٤ـ كنز الدقائق (٤٨٣)، الوقاية (٤/١٥١)، النقاية (٢/٥٥١)، تنوير الأبصار (١٠/٣٧٧)، بداية المبتدى (١/٢٦٢)

٥ـ الهداية (٤/٦٥٨)، المبسوط للسرخسي (٢٧/١٧٣)، بدائع الصنائع (٢/٤٧١–في كتاب الحج)، البحر الرائق (٩/٢٨١)، تبيين الحقائق (٦/١٩٩)، شرح النقاية (٢/٥٥١)

٦ـ بداية المبتدي (١/٢٦٢،٢٦٣)، الدرالمختار (١٠/٤٠٧)، البحر الرائق (٩/٢٨٢)، الجوهرة النيرة (٢/٦٤٣)، رمز الحقائق (٢/٢٧١)، الفتاوى الهندية (٦/١١٩)، ملتقى الأبحر(٤/٤٤٢)، تبيين الحقائق (٦/٢٠٠)، مجمع البحرين (٨٤٥)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٤٤١)، شرح النقاية (٢/٥٥٣)، الفتاوى الولوالجية (٥/٣٩٢)، شرح النقاية لفخر الدين (٢/٥٥٣).

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) عن جابر بن عبدالله قال: قال رسول الله: "الجار أحق بشفعة جاره" اھ [1]

''جار'' سے بالا جماع یہاں ملاصق جار مراد ہے، غیر ملاصق پڑوسی شفعہ کا مستحق نہیں ہوتا لہٰذا وصیت میں بھی اس لفظ کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔ [۲]

(۲) ویسے تو جار کا دائرہ بہت وسیع ہے: جار المحلۃ، جار الأرض، جار القریۃ، یہ سب الفاظ استعمال ہوتے ہیں چونکہ یہاں ''جار'' سے یہ تمام مراد لینا متعذر وغیر مطلوب ہے اس لیے اس سے اخص الخصوص جار مراد ہوگا اور وہ ملاصق ہے کما ھو ظاھر۔ [۳]

(۳) جوار سے قرب مراد ہوتا ہے۔ اس معنیٔ قرب کی حقیقت ''ملاصق'' میں متحقق ہوتی ہے چنانچہ جو اس (ملاصق) کے بعد والے پڑوسی ہیں وہ اس کی بنسبت بعید شمار ہوتے ہیں جن کی رعایت کرنے میں معنیٔ ''قرب'' فوت ہو جاتا ہے لہٰذا یہی ملاصق پڑوسی مراد ہوں گے جیسا کہ شفعہ میں بھی وہ پڑوسی مستحق ہوتا ہے جو ملاصق ہو۔ [۴]

(۴) عن أبي رافع أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "الجار أحق بسقبه". [5] أي: بقربه. [۶]

اس روایت میں ہے کہ پڑوسی ''قرب'' کی بدولت حق دار ہے اور یہ روایت ''شفعہ'' کے بارے میں ہے، شفعہ میں بالاتفاق صرف جارِ ملاصق اس معنیٔ قرب کا مصداق ہوتا ہے لہٰذا یہاں بھی معنیٔ قرب کا لحاظ کرتے ہوئے صرف ملاصق جار کے حق میں وصیت نافذ ہوگی دیگر دُور کے پڑوسی اس میں شامل نہیں ہوں گے۔

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال التمرتاشي والحصكفي:

١ـ سنن أبي داود (٢/٣٠٨) رقم (٣٥١٨)

قال شيخنا العثماني في "الإعلاء" (١٧/١٣، ١٤) عن "النيل": رواه الخمسة إلا النسائي، ثم قال: رجاله ثقات وأنكره شعبة وغيره على عبد الملك من غير حجة، وقالوا: تفرد به عبدالملك مع أنه لم يتفرد به، كما عرفت فيما مر. انتهى

أقول -القائل العبد الضعيف-: وكذا في غير "الخمسة" من شرح معاني الآثار (٤/١٢٠) رقم (٥٥٣٥)، مسند أحمد بن حنبل (٣/٣٠٣) رقم (١٤٢٩٢)، المعجم الأوسط للطبراني (٨/٢٠١) رقم (٨٣٩٩)، مصنف ابن أبي شيبة (٤/٥١٨) رقم (٢٢٧٢١)، وغيرها

٢ـ التجريد (٨/٤٠١٤)

٣ـ البحر الرائق (٩/٢٨٢)، تبيين الحقائق (٦/٢٠٠)، الهداية (٤/٦٥٨)

٤ـ اللباب في شرح الكتاب (٣/٢٢٩)، خلاصة الدلائل لحسام الدين الرازى (٢/٤١٤)، الفقه الإسلامي وأدلته (٧٥١٣)

٥ـ صحيح البخاري (٥/٥٢٢) رقم (٢٢٥٨)، صحيح ابن حبان (١١/٥٨٤) رقم (٥١٨١)؛ وكذا أخرجه أصحاب السنن الأربعة وغيرهم.

٦ـ النهاية في غريب الأثر (٢/٩٥٣) مادة (س ق ب)

(جاره من لصق به) وقالا: من يسكن في محلته ويجمعهم مسجد المحلة وهو استحسان.

قال الشامي:

(قوله: وهو استحسان) والصحيح قول الإمام كما أفاده في الدر المنتقى وصرح به العلامة قاسم وهو القياس كما في الهداية فهو مما رجح فيه القياس على الاستحسان. (١)

❷ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (ومن أوصى لجيرانه فهم الملاصقون عند أبي حنيفة). وقال محمد بن الحسن: أستحسن أن يكون كل من صلى بجماعته وهو قول أبي يوسف. وقال الشافعي: الجوار إلى أربعين دارا. والصحيح قول أبي حنيفة. (٢)

❸ قال القهستاني:

(جاره) أي جار الموصي إذا أوصي له بشيء (من لصق) داره (به) أي بداره قياسا كما قال أبوحنيفة وزفر رحمهما الله تعالى لأنه بمعنى المجاور وهو الملاصق؛ ومن شارك غيره في مسجد محلة استحسانا كما قالا رحمهما الله تعالى... والصحيح الأول كما في المضمرات. (٣)

❹ قال الحصكفي:

(جار الإنسان) إذا أوصى له بشيء (ملاصقه) قياسا كما قال أبوحنيفة وزفر (وعندهما من يسكن محلته ويجمعهم مسجدها) استحسانًا. (قلت): وقد قدم المصنف قوله واعتمده في التنوير وغيره فكان قول صاحب المذهب هو المذهب. (٣)

❺ قال الزحيلي:

من أوصى لجيرانه: فهم الملاصقون له عند أبي حنيفة؛ لأن الجوار عبارة عن القرب، وحقيقة ذلك في الملاصق، وما بعده بعيد بالنسبة إليه. وقال الصاحبان استحسانًا: هم الملاصقون وغيرهم ممن يسكن محلة الموصي،ويجمعهم مسجد المحلة. وقول الإمام هو الصحيح عند الحنفية. (٥)

❻ المتون على قول الإمام. (٦) وهذا ترجيح له أيضا.

---

١ ـ الدر المختار مع رد المحتار (١٠/٤٠٧)
٢ ـ الترجيح والتصحيح (٣٠٦)
٣ـ جامع الرموز (٢/٦٨٩)
٤ ـ الدر المنتقى (٤/٤٤٢)
٥ ـ الفقه الإسلامي وأدلته (٧٥١٣)
٦ ـ المختار للفتوى (٥/٨٤)، كنز الدقائق (٤٨٣)، الوقاية (٤/١٦٣)، النقاية (٢/٥٥٣)، غرر الأحكام (٢/٤٤١)، تنوير الأبصار(١٠/٤٠٧)

[٢٦٠] اختلافی مسئلہ

ومن أوصى لأقاربه فالوصية للأقرب فالأقرب من كل ذي رحمٍ محرمٍ منه ، ولا يدخل فيهم الوالدان والولد، وتكون للاثنين فصاعدًا [1] – وإذا أوصى بذلک وله عمّان وخالان، فالوصية لعمَّيه عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وإن كان له عمٌّ وخالان، فللعم النصف، وللخالين النصف –[2] وقالا رحمهما الله تعالى: الوصية لكل من ينسب إلى أقصى أبٍ له في الإسلام. [3]☆

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

١ـ قال الحدادي في الجوهرة النيرة (٢/٦٤٤):

(وتكون للاثنين فصاعدا)؛ لأنه ذكر ذلك بلفظ الجمع وأقل الجمع في المواريث اثنان بدليل قوله تعالى [فإن كان له إخوة فلأمه السدس] والمراد به اثنان فما فوقهما.

٢ـ ملحوظة: اعلم أن ما بين علامة الشَرطة (–) تفريع على ما تقدم من أصل أبى حنيفة رحمه الله تعالى

٣ـ وفي الجوهرة (٢/٦٤٥،٦٤٦) أيضا:

قوله (وقال أبويوسف ومحمد الوصية لكل من ينسب إلى أقصى أب له في الإسلام) ويستوي فيه الأقرب والأبعد والواحد والجمع والمسلم والذمي ويدخل في الوصية كل قريب ينسب إليه من قبل الأب أو الأم –إلى أن قال– ثم على أصلهما: إذا أوصى لأقاربه وله عمان وخالان اشترك فيه العمان والخالان فتكون بينهم أرباعا؛ لأنهما لا يعتبران الأقرب وإن ترك عما وخالين فللعم نصف الوصية وللخالين نصف الوصية عند أبي حنيفة وعندهما هي بينهم أثلاثا.

☆**حاصل الاختلاف:**

حاصله أن أبا حنيفة اشترط لهذه المسألة القرابةَ وعدمَ الوراثة وأن لا يكون فيهم أولاد والجمعيةِ والمحرميةَ والأقربَ فالأقرب ووافقه صاحباه في الثلاثة الأولى وخالفاه في الثلاثة الأخيرة فلم يشترطاها وهي الجمعية والمحرميه والأقرب فالأقرب. [انظر: الجوهرة النيرة (٢/٦٤٥)]

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

اعتبار الأقرب فالأقرب:

وصیت میراث کی بہن ہے (کیونکہ دونوں میں ملک بعد الموت ثابت ہوتی ہے) اور میراث میں الأقرب فالأقرب کا اعتبار کیا جاتا ہے لہٰذا اس کی بہن میں بھی اسی طرح ہوگا کیونکہ احکام میں ایک بہن دوسری بہن سے مختلف نہیں ہوتی۔

محرمیت:

اقارب کو وصیت کرنے سے مقصودِ حق صلہ رحمی کی ادائیگی ہے چنانچہ اس کو نفقہ پر قیاس کرتے ہوئے محرم رشتہ داروں کے ساتھ خاص سمجھا جائے گا۔

البتہ محرمیّت کے باوجود والدین و اولاد اس میں داخل نہیں کیونکہ ''قریب'' اہلِ لغت کے ہاں اس کو کہتے ہیں جو کسی واسطہ سے کسی کے قریب ہو جبکہ والدین اور اولاد میں تقرب، تقرب بنفسہ ہوتا ہے کسی کے واسطے سے نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''قریب'' کا ''والدین'' پر عطف ڈالا ہے جیسا کہ ارشاد باری عزّ اسمہ ہے:

﴿الوصية للوالدين و الأقربين﴾ [البقرة: ١٨٠]

وجہِ استدلال ظاہر ہے کہ عطف، مغایرت کیلئے آتا ہے، اگر یہ ایک ہی ہوتے تو اقربین کا والدین پر عطف نہ ڈالا جاتا، الغرض اس سے معلوم ہوا کہ والدین، اقربین میں شمار نہیں ہوتے۔

نیز عرف و عادت میں بھی ان کو اُقارب نہیں کہا جاتا؛ کوئی شخص اپنے والد کے بارے میں یہ نہیں کہتا کہ یہ آدمی میرا قریبی رشتہ دار ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے والد کو قریبی شخص کہنے کو عقوق و نافرمانی میں شمار کیا ہے۔

جمعیت:

وصیتِ مذکورہ میں ''اقارب'' صیغۂ جمع مستعمل ہے؛ وصیت چونکہ میراث کی بہن ہے اور میراث میں اقلِ جمع ''دو'' کا عدد ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿فإن كان لهٗ إخوة فلأمّه السدس﴾ [النساء: ١١]

یہاں ''اخوۃ'' سے دو اور دو سے زائد بھائی مراد ہیں۔ اس لیے وصیت میں بھی صیغۂ جمع کا کم از کم ''دو'' افراد پر اطلاق ہوگا۔[1]

تطبیقِ تفریعات:

اب واضح ہو کہ تفریعِ اول (عمان وخالان کی صورت) میں الأقرب فالأقرب کے ضابطہ کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے

١۔ البحر الرائق (٩/٢٨٥،٢٨٦)، الاختيار لتعليل المختار (٥/٨٥)، الهداية شرح البداية (٤/٦٥٩،٦٦٠)، تبيين الحقائق (٦/٢٠١)، رمز الحقائق (٢/٢٧٢)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٤٤٠)، الجوهرة النيرة (٢/٦٤٤،٦٤٥)

وصیت عمین کے حق میں نافذ ہوگی کیونکہ یہ خالین سے اقرب ہیں۔

اور تفریعِ ثانی (عم واحد وخالان کی صورت) میں موصیٰ بہ کا ایک نصف عم کو اور دوسرا نصف خالین کو ملے گا کیونکہ وصیت میں استعمال شدہ لفظ ''اَقارب'' صیغۂ جمع ہے لہٰذا تنفیذِ وصیت میں جمعیت (معنیٔ جمع) کا اعتبار کرنا ضروری ہوگا اور وصیت کے باب میں اس کا اقلِ عدد ''دو'' ہے کما عُرِف۔

عم چونکہ ایک ہے (یعنی عددِ جمع ''دو'' کا نصف ہے) لہٰذا نصف مقدار اس کو دے دی جائے گی اور اب صرف دوسرا نصف حصہ باقی رہ گیا ہے، چنانچہ عددِ جمع تام کرنے کے واسطے خالین کو عم کے ساتھ ضم کردیا جائے گا اور باقی نصف کے یہ مستحق قرار پائیں گے کیونکہ ان (یعنی خالین) سے اُقرب کوئی رشتہ دار موجود نہیں ہے۔[1]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (ومن أوصى لأقربائه فالوصية للأقرب فالأقرب من كل ذي رحمٍ محرمٍ منه، ولا يدخل فيهم الوالدان والولد، وتكون للاثنين فصاعداً، وإذا أوصى بذلک وله عمان وخالان، فالوصية لعميه عند أبي حنيفة، وإن كان له عمّ وخالان، فللعم النصف، وللخالين النصف.

وقال أبويوسف و محمدٌ: الوصية لكل من ينسب إلى أقصى أبٍ له في الإسلام).

قال في زاد الفقهاء، والزاهدي: الصحيح قول أبي حنيفة.[2]

❷ قال الحصكفي - بعد ذكر المسألة بتمامها وتفاصيلها-:

(وعندهما الوصية للكل على السوية في جميع ذلک)، والصحيح قوله كما في المضمرات.[3]

❸ قال التمرتاشي والحصكفي:

(وإن أوصى لأقاربه أو لذي قرابته) قلت: صوابه لذوي (أو لأرحامه أو لأنسابه فهي للأقرب فالأقرب من كل ذي رحم محرم منه، ولا يدخل الوالدان) (والولد) (والوارث) (ويكون للاثنين فصاعدا) (فإن كان له) للموصي (عمان وخالان فهي لعميه) كالإرث، وقالا أرباعا. (ولو له عم وخالان كان له النصف ولهما النصف) وقالا أثلاثا.

---

١ ـ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (٦/٤٥٣)، مجمع الأنهر (٤/٤٤٤)، الاختيار لتعليل المختار (٥/٨٦)، الهداية (٤/٦٦٠)، درر الحكام شرح غرر الأحكام (٢/٤٤١)، خلاصة الدلائل (٢/٤١٥)، رمز الحقائق (٢/٢٧٢)

٢ ـ الترجيح والتصحيح (٦٠٣،٦٠٤)

٣ ـ الدر المنتقى (٤/٤٤٥)

قال الشامي:

تحت قوله: (فهي للأقرب فالأقرب إلخ): وقول الإمام هو الصحيح كما في تصحيح القدوري والدر المنتقى.[١]

❹ قال القهستاني:

وأقاربه وذووا أنسابه محرماه فصاعدا من ذوي رحمه الأقرب فالأقرب غير الوالدين والولد؛ فلو أوصى لعمين أو خالين فللعمين عنده وأما عندهما فيربع... فلو ترك عما وخالين كان النصف للعم والباقي للخالين عنده لأنه لا مستحق أقرب منهما ويثلث عندهما -إلى أن قال- والصحيح قوله كما في المضمرات.[٢]

❺ قال الحلبي:

وأقاربه وأقرباؤه وذووا قرابته وأرحامه وذوو أرحامه وأنسابه الأقرب، فالأقرب من كل ذي رحم محرم منه، ولا يدخل فيه الوالدان والولد وفي الجد روايتان، وإن لم يكن له ذو رحم محرم منه بطلت وتكون للإثنين فصاعدا، وعندهما من ينسب إلى أقصى أب له في الإسلام بأن أسلم أو أدرك الإسلام وإن لم يسلم، فمن له عمان وخالان الوصية لعميه، وعندهما للكل على السواء، ومن له عم وخالان نصف الوصية لعمه ونصفها بين خاليه، وإن له عم فقط فنصفها له، وإن عم وعمة وخال وخالة، فالوصية للعم والعمة على السواء، وعندهما الوصية للكل على السوية في جميع ذلك.[٣] (القول المقدم فيه راجح حسب تصريح الشامي والمصنف به كما عرفت غير مرة).

❻ وكذا في فتاوى السمرقندي[٤] والأوشي[٥]، حيث أطلقا القول الراجح فيها بغير ذكر أيّ خلاف.

❼ مشى أصحاب المتون على قول الإمام.[٦] وهذا ترجيح له أيضا.

١ـ الدر المختار مع رد المحتار (١٠/٤١٢-٤١٤)

٢ـ جامع الرموز (٢/٦٩١)

٣ـ ملتقى الأبحر (٤/٤٤٣-٤٤٥)

٤ـ فتاوى النوازل (٤٥١)

٥ـ الفتاوى السراجية (١٤٨)

٦ـ المختار للفتوى (٥/٨٥،٥٦)، كنز الدقائق (٤٨٤)، الوقاية (٤/١٦٤)، غرر الأحكام (١/٤٤٠،٤٤١)، تنوير الأبصار (١٠/٤١٢-٤١٤)

[٢٦١] اختلافی مسئلہ

ومن أوصى لرجلٍ بجاريةٍ فولدت بعد موت الموصي قبل أن يقبل الموصى له ولدا ثم قبل الموصى له وهما يخرجان من الثلث فهما للموصى له، وإن لم يخرجا من الثلث ضرب بالثلث وبالحصة منهما جميعًا في قول أبي يوسف و محمدٍ، وقال أبوحنيفة رحمه الله تعالى: يأخذ ذلک من الأم، فإن فضل شيءٌ أخذ من الولد.

توضیح المقام:

واضح رہے کہ حکمِ مذکور اس وقت ہے جب باندی نے موصی کے ترکہ کی تقسیم اور موصیٰ لہ کے قبول کرنے سے پہلے بچہ جنا ہو کیونکہ اگر تقسیم وقبول کے بعد جنا ہوتو پھر بچہ موصیٰ لہ کا ہی ہوگا اس لیے کہ تقسیم کے بعد یہ اس کی اپنی ہی مِلک کی نماء و بڑھوتری ہے۔ (۱)

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

۱۔ الدر المختار (۱۰/۲ ٠ ٤)، الهداية (٤/٦٥٢)، الجامع الصغير (۱/٥٢٤)

فائدة:

وفصّله الزيلعي أحسن تفصيل في "التبيين" (٦:١٩٥) والعيني في "الرمز" (٢:٢٦٨) والمشايخ في "الفتاوى الهندية" (٦:١٠٨) عن الكافي؛ فآتي إليك -لإتمام الفائدة- بنص الزيلعي منهم:

"هذا إذا ولدته قبل القبول وقبل القسمة وإن ولدته بعدهما فهو للموصى له؛ لأنه نماء ملكه خالصا لتقرر ملكه فيه بعدهما وإن ولدته بعد القبول قبل القسمة ذكر القدوري أنه لا يصير موصى به ولا يعتبر خروجه من الثلث وكان للموصى له من جميع المال كما لو ولدته بعد القسمة ومشايخنا - رحمهم الله - قالوا يصير موصى به حتى يعتبر خروجه من الثلث كما إذا ولدته قبل القبول وإن ولدته قبل موت الموصي لم يدخل تحت الوصية فيكون لورثته كيفما كان."

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) ماں اصل ہے اور بچہ تابع ہے۔ اور یہ مسلّم ہے کہ تابع، اصل کا مزاحم و مقابل نہیں ہوتا چنانچہ اگر وصیت ام اور ولد دونوں میں نافذ کر دی جائے تو ''اصل'' کے بعض حصہ میں وصیت باطل ہو جائے گی کیونکہ بچہ، ماں کے مقابل آ کر بعض وصیت کا رخ اپنی جانب پھیر لے گا جس سے خود ''اصل'' کے کچھ حصہ میں وصیت کا منتقض اور باطل ہونا لازم آئے گا اور یہ ناجائز وغیر مشروع ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے وصیت ماں کی طرف منصرف ہوگی جو موصیٰ بہ میں اصل ہے پھر اس سے موصیٰ لہ کے حق کی عدمِ تکمیل کی صورت میں بچے کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ [۱]

(۲) وصایا کے باب میں ضابطہ یہ ہے کہ الأقوی فالأقوی کو مقدم کیا جاتا ہے اور یہاں ''ام'' کے وصیت میں اصل اور ''ولد'' کے تابع ہونے کی بدولت ماں، بچے سے اقویٰ ہوئی لہٰذا صورتِ بالا میں اسے مقدم کیا جائے گا اگر اس کے باوجود موصیٰ لہ کا کچھ حق باقی رہ گیا تو اسے بچے سے پورا کیا جائے گا۔ [۲]

(۳) ''باندی'' کی وصیت کرنے سے ایک دفعہ یہ وصیت باندی (اُم) میں درست ہو چکی ہے لہٰذا ثلث کے اندر تنفیذِ وصیت کیلئے اول اسی کو کام میں لایا جائے گا کیونکہ کسی چیز میں صحتِ وصیت کے متحقق ہو جانے کے بعد اس کو فسخ کرنا جائز نہیں ہے۔ [۳]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ **قال ابن قطلوبغا:**

قوله: (ومن أوصى لرجلٍ بجاريةٍ فولدت بعد موت الموصي قبل أن يقبل الموصى له ولدا ثم قبل وهما يخرجان من الثلث فهما للموصى له، وإن لم يخرجا من الثلث ضرب بالثلث وأخذ ما يخصه منهما جميعًا في قول أبي يوسف و محمدٍ، وقال أبوحنيفة: يأخذ ذلک من الأم، فإن فضل شيءٌ أخذه من الولد). واختاره –أي قول الإمام، كما وضّحه الغنيمي في "اللباب"– البرهاني والنسفي وغيرهما. [۴]

❷ **قال الحلبي:**

۱۔ تبيين الحقائق (۱۹۵/۶)، حاشية الطحطاوي علي الدر المختار (۳۲۸/۴)، الهداية (۶۵۲/۴)، مجمع الأنهر (۴۳۶/۴)، الجوهرة النيرة (۶۴۹/۲)، شرح ابن ملك على مجمع البحرين –علی هامشه– (۸۳۷)، رمز الحقائق (۲۶۸/۲)، كشف الحقائق (۳۱۸/۲)

۲۔ التجريد (۴۰۶۹/۸)

۳۔ الجوهرة النيرة (۶۴۹/۲)

۴۔ الترجيح والتصحيح (۶۰۵)

وإن أوصى بأمة فولدت بعد موته فهما للموصى له إن خرجا من الثلث، وإلا أخذ الثلث منها ثم منه وعندهما يأخذ منهما على السواء.[١] (ولا يخفى أن القول المقدم فيه راجح، كما صرح به الشامي والمصنف نفسُه، على ما عرفته سابقا).

❸ قال الحصكفي:

(وإن أوصى بأمة فولدت) ولدا (بعد موته فهما للموصى له إن خرجا من الثلث، وإلا) يخرجا منه (أخذ الثلث منها ثم منه) (وعندهما يأخذ منهما على السواء) لدخوله تبعا، قلنا: التبع لا يزاحم الأصل.[٢] (لا يخفى أن صنيعه هذا إنما يدل على ترجيح قول الإمام، في ضوء الأصول)

❹ قال التمرتاشي والحصكفي:

(وبأمة فولدت بعد موت الموصي ولدا وكلاهما يخرجان من الثلث فهما للموصى له وإلا) يخرجا (أخذ الثلث منها ثم منه) لأن التبع لا يزاحم الأصل وقالا: يأخذ منهما على السواء.[٣] (فاكتفى بدليل الإمام الشارحُ العلّام ولم يعلّل قولهما. فبهذا عُلم أن قوله قد ترجح عنده على ما تقرر في أصول الإفتاء).

❺ وكذا الأفغاني أتى بتعليل قول الإمام فقط بعد أن ذكر الخلاف المذكور وأهمل دليلهما.[٤] فهذا كله يدل على ترجيح قوله عنده، كما تقدم.

❻ اعتمد قول الإمام، النسفي والمحبوبي والتمرتاشي وملا خسرو،[٥] وهذا لكونه راجحا عندهم على ما تقرر في الأصول.

❼ قد أخر أصحاب الشروح دليل الإمام فيه وبعضهم ضمنوه جواب دليلهما.[٦] وذاك ترجيح لقوله عندهم وقد سبق بيانه.

١ـ ملتقى الأبحر (٤٣٥/٤)

٢ـ الدر المنتقى (٤٣٦،٤٣٥/٤)

٣ـ الدر المختار (٤٠٢/١٠)

٤ـ كشف الحقائق (٣١٨/٢)

٥ـ بنشر على ترتيب اللف: كنز الدقائق (٤٨١)، الوقاية (١٦٠/٤)، تنوير الأبصار (٤٠٢/١٠)، غرر الأحكام (٤٣٨/٢)

٦ـ الهداية (٦٥٢/٤)، تبيين الحقائق (١٩٥/٦)، مجمع الأنهر (٤٣٦/٤)، بدائع الصنائع (٥٠٤/٦)، حاشية الطحطاوي على الدر المختار (٣٢٨/٤)، رمز الحقائق (٢٦٨/٢)، النافع الكبير شرح الجامع الصغير (٥٢٤/١)

كتاب الفرائض

باب الرد

[٢٦٢] مسئلہ

ومن مات وترک حملاً وُقِف مالُه حتى تضع امرأته حملَها في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى.

توضیح المقام:

نفسِ مسئلہ مذکورہ میں تو حکم یہی ہے کہ میت کے مال کو وضعِ حمل تک موقوف رکھا جائے جب وہ میت بوقتِ وفات پیچھے "حمل" چھوڑ جائے اور اس حمل کے سوا میت کا کوئی "ولد" نہ ہو، تاکہ وضعِ حمل سے معلوم ہو سکے کہ کتنے اور کون سے (مذکر یا مؤنث) بچے پیدا ہوئے ہیں نیز بعد میں فسخِ تقسیم کی ضرورت نہ پڑے۔

البتہ اختلاف اس میں ہے کہ جب اس حمل کے سوا میت کی اور اولاد ہو اور وہ اپنے حق کا مطالبہ کریں تو حمل کیلئے مالِ میت کی کتنی مقدار موقوف رکھی جائے گی؟ یہ الگ سے ایک اختلافی مسئلہ ہے جس کا ماحصل إفادۃً للطلاب نیچے حاشیہ میں درج کر دیا ہے۔[1]

---

١ ـ إنما الخلاف في مقدار ما يوقف للحمل إذا كان للميت ولد سواه: هل يوقف حظ ابن واحد أو ابنَينِ أو أربعة بنِينَ؟ أما الأول فهو قول أبي يوسف (في أشهر الروايتين عنه) وهو المفتى به، والثاني قول محمد (في أشهر الروايتين عنه)، والثالث قول الإمام (في أشهر الروايتين عنه)

[انظر له: رد المحتار (١٠/٥٨٧)، الجوهرة النيرة (٢/٦٦٣)، الفقه النافع (ص:١٤٤٣، الفقرة: ١٢١٦)، خلاصة الدلائل (٢/٤٣٣)، البحر الرائق (٩/٣٩١)، الفتاوى الخانية (٣/١٦٠)، قلائد المنظوم مع شرحه الرحيق المختوم -في مجموعة رسائل ابن عابدين- (٢٤٣)، الشريفية شرح السراجية (١٣١)، الترجيح والتصحيح (٦١٢)]

ملحوظة:

قال الحداد الزبيدي في "الجوهرة" (٢/٦٦٣):

[۲۶۳] اختلافی مسئلہ

والجد أولى بالميراث من الإخوة.عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقال أبويوسف ومحمدٌ رحمهما الله تعالى: يقاسمهم، إلا أن تنقصه المقاسمة من الثلث.

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتیٰ بہ کا مستدل:

(۱) قوله تعالى:

﴿وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ﴾ (۱)

اسمِ ''اب''، ''جد'' کو بھی شامل ہے یعنی عربی زبان میں ''جد'' پر ''اب'' کا اطلاق ہوجاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے

== (قوله ومن مات وترك حملا وقف ماله حتى تضع امرأته في قول أبي حنيفة) وهذا إذا لم يكن للميت ولد سوى الحمل أما إذا كان له ولد سواه فإن كان ذكرا أعطي خمس المال وأوقف أربعة أخماسه وإن كان أنثى أعطيت تسع المال وأوقف ثمانية أتساعه وهذا قول أبي حنيفة.

وقال أبويوسف يعطى الابن نصف المال.

وقال محمد ثلث المال لأن المرأة لا تلد في العادة في بطن واحد أكثر من اثنين فيستحق هذا الموجود الثلث ولأبي يوسف أنها تلد في العادة ولدا واحدا فيجوز أن يكون ابنا.

ولأبي حنيفة أن أكثر ما تلد المرأة في بطن واحد أربعة فيجوز أن يكون الحمل أربعة بنين فيستحق الابن الخمس والبنت تستحق التسع، والفتوى على قول أبي يوسف. اهـ

يقول العبد الضعيف عفا الله عنه:

لـمّا كان موضوع كتابي هذا -القول الصواب في مسائل الكتاب- التعرض (من قِبَل الترجيح) للمسائل المذكورة في هذا الكتاب فلذا لم أتعرض لهذه المسألة مستقلا لكونها غير موجودة في مختصر القدوري هذا. فاكتفيت بهذا القدر، مما قدّمتُ من بيان مسألة إيقاف قدر حظ الحمل، مع تعيين القول الراجح فيها؛ حتى لا أكون فارطًا موضوعي.ولا قاصرًا في حق الطلبة الكرام، عما لهم حاجة به نحول هذا المقام، من كلام يوصلهم إلى المرام، على سبيل القَوام.

۱- [النساء: ۱۱]

یوسف علیہ السلام کی طرف سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآئِیْ اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْحٰقَ﴾ (۱)

حالانکہ اسحٰق علیہ السلام ان کے دادا اور ابراہیم علیہ السلام ان کے والد کے دادا تھے، اسی طرح ﴿مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ﴾ (۲) میں بھی ''جد'' پر ''اب'' کا اطلاق ہوا ہے۔

الحاصل جب ''اَب''، ''جد'' کو بھی شامل ہوا تو ابتدائی آیت بالا سے معلوم ہوا کہ ''اِخوۃ'' کی غیر موجودگی میں ماں کے ہوتے ہوئے ''ثلثین'' ملیں گے اور جب ماں کے ساتھ ''اخوۃ'' بھی موجود ہوں تو پھر وہ ''خمسۃ اسداس (۶/۵)'' کا مستحق ہوگا اور ''اخوۃ'' ساقط ہو جائیں گے۔ (۳)

(۲) عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:

"ألحقوا الفرائض بأهلها فما بقي فهو لأولى رجل ذكر." (۴)

''جد'' اِخوۃ سے اَولیٰ ہے کیونکہ عصبات میں قاعدہ یہ ہے کہ جہتِ ابوت کو جہتِ اخوت پر مقدم کیا جاتا ہے۔ (۵)

(۳) أخبرنا مسلم بن إبراهيم ثنا وهيب ثنا خالد عن أبي نضرة عن أبي سعيد الخدري وحدثنا عكرمة: ان أبابكر الصديق جعل الجد أبا. (۶)

۱۔ [يوسف: ۳۸]

۲۔ [الحج: ۷۸]

۳۔ مستفاد مما يلي:

شرح مختصر الطحاوى للحصاص (۴/۹۴،۹۵)، تبيين الحقائق (۶/۲۳۱)، المبسوط للسرخسى (۲۹/۱۸۲)، الفقه الإسلامى وأدلته (۷۷۵۹)

۴۔ صحيح البخارى (۱۷/۴۱) رقم (۶۷۳۲)، وكذا انظر له: صحيح مسلم (۵/۵۹) رقم (۴۲۲۶)، المنتقى لابن الحارود (۱/۲۴۰) رقم (۹۵۵)، سنن الترمذي (۴/۴۱۸) رقم (۲۰۹۸)، سنن النسائي الكبرى (۴/۷۱) رقم (۶۳۳۱)، سنن الدارمي (۲/۴۶۴) رقم (۲۹۸۷)، السنن الكبرى للبيهقى (۶/۲۳۴) رقم (۱۲۷۰۹)، المعجم الكبير للطبراني (۹/۲۳۳) رقم (۱۰۷۴۵)، مسند أحمد بن حنبل (۱/۲۹۲) رقم (۲۶۵۷)

۵۔ الفقه الإسلامى وأدلته (۷۷۵۹)

۶۔ سنن الدارمي (۲/۴۵۰) رقم (۲۹۰۳)

قال ابن حجر في "فتح الباري" (۱۲/۱۹):

فأما قول أبي بكر وهو الصديق فوصله الدارمي بسند على شرط مسلم عن أبي سعيد الخدري أن أبابكر الصديق جعل الجد أبا، وبسند صحيح إلى أبي موسى أن أبا بكر مثله، وبسند صحيح أيضا إلى عثمان بن عفان أن أبابكر كان يجعل الجد أبا، وفي لفظ له أنه جعل الجد أبا إذا لم يكن دونه أب وبسند صحيح عن ابن عباس أن ابابكر ==

(۴) صحابۂ کرامؓ میں سے حضرت ابوبکر صدیق، ابوموسیٰ اشعری، ابوہریرہ، ابوالدرداء، ابوالطفیل عامر بن واثلہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، عبادۃ بن الصامت، عمران بن الحصین، معاذ بن جبل، جابر بن عبداللہ، ابی بن کعب اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی مذہب تھا۔

اور تابعین میں سے حضرت عطاء، ابن المسیّب، مجاہد، طاؤس، عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، حسن بصری، سعید بن جبیر، جابر بن زید اور مروان بن الحکم رحمہم اللہ تعالیٰ بھی اسی مذہب کے قائل تھے۔[1]

(۵) ''جد''، ''فروض'' کے علاوہ دیگر کئی احکامِ شرعیہ میں ''اَب'' کے بمنزلہ ہے برخلاف ''اخوۃ'' کے، کہ وہ ان مسائل میں ''اب'' کی طرح نہیں ہیں، جیسا کہ ذیل میں آرہا ہے، لہٰذا یہاں (فروض میں) بھی ''جد''، ''اب'' کے حکم میں ہوگا۔

(ا) باپ کی عدم موجودگی میں دادا کو وہی ولایت حاصل ہوتی ہے جو باپ کو ہے حتیٰ کہ ''جد'' کی ولایت باپ کی طرح مال ونفس دونوں کو محتوی ہوتی ہے۔

(ب) اختلافِ دین کے وقت دادا بھی باپ کی طرح نفقہ کا مستحق ہوتا ہے۔

(ج) حرمتِ وضعِ زکوٰۃ اور حرمتِ قبولِ شہادۃ جیسی بعض دیگر حرمتوں میں بھی دادا، باپ کے قائم مقام ہے۔

(د) باپ کی طرح دادا سے بھی قصاص نہیں لیا جاتا۔[2]

== كان يجعل الحد أبا، وقد أسند المصنف في آخر الباب عن ابن عباس أن أبابكر أنزله أبا، وكذا مضى في المناقب موصولا عن ابن الزبير أن أبابكر أنزله أبا، وأما قول ابن عباس فأخرجه محمد بن نصر المروزي في كتاب الفرائض من طريق عمرو بن دينار عن عطاء عن ابن عباس قال: الجد أب، وأخرج الدارمي بسند صحيح عن طاوس عنه أنه جعل الجد أبا، وأخرج يزيد بن هارون من طريق ليث عن طاوس أن عثمان وابن عباس كانا يجعلان الجد أبا. وأما قول ابن الزبير فتقدم في المناقب موصولا من طريق ابن أبي مليكة قال: كتب أهل الكوفة إلى ابن الزبير في الجد فقال: إن أبابكر أنزله أبا، وفيه دلالة على أنه أفتاهم بمثل قول أبي بكر وأخرج يزيد بن هارون من طريق سعيد بن جبير قال: كنت كاتبا لعبد الله بن عتبة فأتاه كتب ابن الزبير أن أبابكر جعل الجد أبا.

١ـ نُقِل أسماء هؤلاء في الكتب التالية:

اللباب في الجمع بين السنة والكتاب (٧٩٨/٢)، النتف في الفتاوى للسغدي (٨٣٦/٢)، المواريث (٩٧).

ف: إن ترد أن تطلع على آثارهم فراجع: السنن الكبرى للبيهقي بأرقام: (١٢١٩٧-١٢٢٠٦)، مصنف عبدالرزاق بأرقام: (١٩٠٤٩-١٩٠٥٧) مصنف ابن أبي شيبة بأرقام: (٣١٢٠٣-٣١٢٠٩)

١ـ انظر له: المبسوط للسرخسي (١٨٢/٢٩)، بداية المجتهد لابن رشد (١٣١/٤)

الانتباهات الماتعة:

أـ لقد ذكر ابن قيم الجوزية في "إعلام الموقعين" (٢٨٢/١-٢٨٨) لتقوية هذا المذهب عشرين وجها. لو لا خشية الإطالة لنقلتُها، فمن أرادها فليراجعها في فصل "ميراث الجد مع الإخوة". ==

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (والجد أولى بالميراث من الإخوة عند أبي حنيفة، وقال أبويوسف ومحمدٌ: يقاسمهم، إلا أن تنقصه المقاسمة من الثلث).

قال الإسبيجابي: الصحيح قول أبي حنيفة.

وقال في الحقائق عن فرائض السراجي: وبه يفتي.

وقال في المحيط: قال أبوبكر رضي الله عنه وأكثر الصحابة: الجد بمنزلة الأب وبه أخذ أبوحنيفة، والفتوى على قول أبي بكر الصديق رضى الله عنه. [1]

❷ قال التمرتاشي والحصكفي:

(ويسقط بنو الأعيان) وهم الإخوة والأخوات لأب وأم بثلاثة (بالابن) وابنه وإن سفل (وبالأب) اتفاقا (وبالجد) عند أبي حنيفة –رحمه الله تعالى– (وقالا يقاسمهم على أصول زيد ويفتي بالأول) وهو السقوط كما هو مذهب أبي حنيفة.

قال الشامي:

(قوله: كما هو مذهب أبي حنيفة) وهو مذهب الخليفة الأعظم أبي بكر الصديق –رضى الله عنه–، وهو أعلم الصحابة وأفضلهم، ولم تتعارض عنه الروايات فيه فلذلك اختاره الإمام الأعظم بخلاف غيره فإنه روي عن عمر –رضي الله عنه– أنه قضى في الجد بمائة قضية يخالف بعضها بعضا والأخذ بالمتفق عليه أولى: وهو أيضا قول أربعة عشر من أصحاب رسول الله –صلى الله عليه وسلم–، وروي عن ابن عباس –رضي الله عنهما– أنه قال: ألا يتقي الله زيد يجعل ابن الابن ابنا ولا يجعل أبا

==

ب۔ وقد قام الإمام القدوري في كتابه الجليل الضخيم النافع الماتع "التجريد" (٣٩٤٤/٨-٣٩٥٧)- لتأييد مذهب الإمام أبي حنيفة، بسرد الدلائل الرصيفة، مع الدفاع عن إيرادات الخصم الركيكة- خير قيام وأطال الكلام في هذا الباب محيطا ١٤ صفحةً فأجاد وأفاد.

ج۔ وكذلك أيد الجصاص ما ذهب إليه إمامنا الأعظم رحمه الله تعالى بالبسط مع الإجابة عما يرد عليه . راجع شرح مختصر الطحاوي له (٩٤/٤-٩٧)

١۔ الترجيح والتصحيح (٦١٣)

الأب أبا وتمامه في سكب الأنهر. [1]

❸ في الهندية:

ثم الجد الصحيح كالأب عند عدمه إلا في رد الأم إلى ثلث ما بقي وحجب أم الأب وهو يحجب جميع الإخوة والأخوات عند أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- وعليه الفتوى، كذا في الكافي. [2]

❹ قال الموصلي:

قال أكثر الصحابة رضي الله عنهم منهم أبوبكر وابن عباس وأبي بن كعب وعائشة:

الجد بمنزلة الأب عند عدمه يرث معه من يرث مع الأب ويسقط به من يسقط الأب، وهو قول أبي حنيفة،... وقال علي وابن مسعود و زيد بن ثابت رضي الله عنهم: الجد لا يسقط بني الأعيان والعلات ويرثون معه -إلى أن قال- والمختار قول أبي بكر رضي الله عنه لأنه أبعد عن التردد والتوقف ولم تتعارض عنه الروايات وتعارضت عن غيره. [3]

❺ قال الحلبي:

وتحجب الأخوة بالابن وابنه وإن سفل وبالأب والجد ويحجب أولاد العلات بالأخ لأبوين أيضا وعندهما لا يحجب الإخوة لأبوين أو لأب بالجد بل يقاسمونه، وهو كأخ إن لم تنقصه المقاسمة عن الثلث عند عدم ذي الفرض أو عن السدس عن وجوده والفتوى على قول الإمام. [4]

❻ كذا في الكتب الأخر. [5]

١ـ الدر المختار مع رد المحتار (١٠/٥٦١)

٢ـ الفتاوى الهندية (٦/٤٤٨)

٣ـ الاختيار لتعليل المختار (٥/١٠٨،١٠٩)

٤ـ ملتقى الأبحر (٤/٥١٠-٥١٢)

٥ـ السراجية في الميراث (٢٩)، قلائد المنظوم -في مجموعة رسائل ابن عابدين- (٢٢١)، البحر الرائق (٩/٣٦٩)، شرح الطائي علي الكنز (٢/٢٨٦)

باب ذوي الأرحام

[...] مسئله

وأولاهم ولد الميت، ثم ولد الأبوين، أو أحدهما،
وهم بنات الإخوة وولد الأخوات، ثم ولد أبوي أبويه
أو أحدهما، وهم الأخوال والخالات والعمات.

كشف المرام عن هذا المقام:

قال ابن قطلوبغا:

قال الزاهدي قلت: وقد ذكر في كثير من نسخ المختصر (كما في نسختنا هذه) وفي الشروح: إن أولاهم ولد البنت ثم ولد الأبوين أو أحدهما. وذكر في زاد الفقهاء: أولاهم ولد البنت ثم الجد الفاسد ثم ولد الأبوين أو أحدهما، وهو الصحيح؛ لأن الجد الفاسد مقدم على ولد الأبوين بإجماع بين أصحابنا وقد نصّ عليه بعده (أي ونصّ عليه المصنف كما يأتي قريبًا).[1]

١ـ الترجيح والتصحيح (٦١٤)

[۲۶۴] اختلافی مسئلہ

وإذا ترک المعتَق أبا ☆ مولاه وابن مولاه فماله للابن عندهما، وقال أبويوسف رحمه الله تعالى: للأب السدس والباقي للابن.

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس میں طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔

قولِ مفتی بہ کا مستدل:

(۱) قال زيد بن ثابت -في رجل مات وترک ابنه وأباه ومولاه ثم مات المولى وترک مالا-: المال للابن وليس للأب شيء.[1]

(۲) عن الحسن -لمّا سُئل عن رجل أعتق مملوكا له فمات ومات المولى وترک الذي أعتقه أباه وابنه- قال: هو للابن.[2]

(۳) ولایتِ عتاقہ، تعصیب ہے اور تعصیب میں ابن، اب پر مقدم ہوتا ہے چنانچہ یہاں بھی ابن کو اَب پر (عصبہ بننے میں) ترجیح حاصل ہوگی۔[3]

قولِ مفتی بہ کی تخریج:

❶ قال ابن قطلوبغا:

قوله: (وإذا ترک المعتق أبا مولاه وابن مولاه فماله للابن، وقال أبويوسف: للأب السدس

☆۔ في الكتاب "أب" وهو خطأ والصواب ما أثبتُّه لأنه اسم من الاسماء الستة المعروفة مضافٌ إلى غير ياء المتكلم۔

۱۔ مصنف ابن أبي شيبة (٦/٢٩١) رقم (٣١٥٢٠)

قلت: رجاله ثقات (سعيد هو ابن أبي عروبة وهو سعيد بن مهران ؛ وقتادة هو ابن دعامة السدوسي، كلاهما من رجال الجماعة)

۲۔ مصنف ابن أبي شيبة (٦/٢٩١) رقم (٣١٥٢٢)

قلت: رجاله رجال الجماعة (هشيم هو ابن بشير السلمي، ومنصور هو ابن زاذان الواسطي والحسن هو ابن يسار البصري المعروف)

۳۔ اللباب في شرح الكتاب (٣/٢٤٥)، خلاصة الدلائل لحسام الدين الرازي (٢/٤٣٧)

والباقي للابن).

قال الإسبيجابي: الصحيح قولهما.[1]

❷ قال الحلبي:

وآخر العصبات مولى العتاقة ثم عصبته على الترتيب المذكور فمن ترك أب مولاه وابن مولاه فماله كله لابن مولاه. وعند أبي يوسف للأب السدس والباقي للابن.[2] (القول المقدم فيه راجح حسب تصريح الشامي والمصنف به كما عرفت غير مرة).

❸ قال التمرتاشي والحصكفي:

(وإذا ترك) المعتق (أب مولاه وابن مولاه فالكل للابن) وقال أبويوسف: للأب السدس.

قال الشامي:

(قوله: وقال أبويوسف للأب السدس) هو قوله الأخير، وقوله الأول كقولهما وجه قوله الأخير أن الولاء كله أثر الملك فيلحق بحقيقة الملك، ولو ترك المعتق بالكسر مالا وترك أبا وابنا كان لأبيه سدس ماله والباقي لابنه فكذا إذا ترك ولاء والجواب أنه وإن كان أثرا للملك لكنه ليس بمال ولا له حكم المال كالقصاص الذي يجوز الاعتياض عنه بالمال، بخلاف الولاء فلا تجري فيه سهام الورثة بالفرضية كما في المال، بل هو سبب يورث به بطريق العصوبة، فيعتبر الأقرب فالأقرب والابن أقرب العصبات.[3] (ولا يخفى أن صنيعه هذا إنما يدل على تأييد قول الطرفين وترجيحه، في ضوء الأصول).

❹ قال ابن نجيم:

قال رحمه الله (ثم عصبته على الترتيب) أي عصبة المولى ومعناه إذا لم يكن للمعتَق -عصبة- من النسب على الترتيب الذي ذكرنا فعصبته مولاه الذي أعتقه فإن لم يكن مولاه فعصبته عصبة المعتِق وهو المولى على الترتيب الذى ذكرناه بأن يكون جزء المولى أولى وإن سفل ثم أصوله اهـ.[4]

❺ قال النسفي:

فإن مات المولى ثم المعتق فميراثه لأقرب عصبة المولى.

١ـ الترجيح والتصحيح (٦١٥) قد وقع فيه التصحيف؛ حيث ذُكر فيه "الصحيح قولنا"ـ والتصويب من "اللباب" للغنيمي (٣/٢٤٥)

٢ـ ملتقى الأبحر (٤/٥٠٧،٥٠٨)

٣ـ الدر المختار مع رد المحتار (١٠/٥٥٦،٥٥٧) وكذا في الشريفية (٤٤)

٤ـ البحر الرائق (٩/٣٨٥)، وكذا في تبيين الحقائق (٦/٢٣٩) ورمز الحقائق (٢/٢٨٩)

قال الطائي:

قوله: (فميراثه لأقرب عصبة المولى) الذكور فإن ترك ابنا وأبا فالميراث للابن دون الأب. [1]

❻ قال الولو الجي:

إذا مات المعتق وترك عصبة المعتق يرث منه، فاعلم أن الوارث من المعتق من هو أقرب الناس عصبة بالمعتق فينظر عند موت المعتق أنه لو كان المعتق حيّا في هذه الحالة ومات من كان عصبته فيرث من المعتق هو حتى لو مات المعتق وترك ابن المعتق وأباه فالميراث للابن لأنه لو مات المعتق وترك ابنا وأبا كان العصبة هو الابن لا الأب؛ لأن الأب صاحب فرض مع الابن. [2]

❼ وإذا كان مع أبي حنيفة أحد صاحبيه فيؤخذ بقولهما (أي بقول الإمام ومن وافقه) على ما قال الشامي في شرح العقود. [3]

---

[٢٦٥] اختلافی مسئلہ

فإن ترك (المعتَق) جد مولاه وأخا مولاه فالمال للجد في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقال أبويوسف ومحمدٌ رحمهما الله تعالى: هو بينهما.

توضیح المقام مع بیان المرام:

یہ مسئلہ دراصل امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے مابین ''میراث الجد مع الاخوۃ'' والے اختلافی مسئلہ پر مبنی ہے جس کا بیان ابھی قریب ہی گذشتہ مسئلہ سے قبل گزر چکا ہے۔

الغرض اس میں بھی فتوی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے جیسا کہ وہاں ہے نیز اس کا مستدل وغیرہ بھی وہی ہوگا۔

ملاحظہ:۔

اصحاب الشروح اور دیگر فقہاء مشایخ رحمہم اللہ نے بھی اس مسئلہ میں اختلاف بیان کرنے کا بعد عموماً مزید (توضیح و تعلیل اور ترجیح وتصحیح سے متعلقہ) کلام کرنے کی بجائے فقط یہی تحریر فرمایا ہے:

١ـ شرح الطائی علی کنز الدقائق (٢/١٦٩ - في كتاب الولاء)

٢ـ الفتاوى الولوالجية (٥/٤١٣)

٣ـ شرح عقود رسم المفتی (٢٠)

''یہ مسئلہ میراث الجد مع الاخوۃ والے اختلافی مسئلہ پر مبنی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے'' اور مزید کلام نہیں فرمایا ہے۔[1]

كلمة الاختتام

وفي الختام يقول العبد الجاني المدعو ب محمد عبدالقادر جيلاني –غفر الله تعالى له ولوالديه ولأساتذته وجعل موته في بلد حبيبه ومرقده بجوار نبيّه صلى الله عليه وسلم في بقيع الغرقد وهذا غاية أمنيته وأقصى طلبه مع الختام بالإيمان والعمل المقبول عند ربه المنان. آمين يا رحيم يا رحمٰن–:

هذا آخر ما تيسّر لي من بيان القول الصواب في مسائل الكتاب. وقد وقع الفراغ من المراجعة النهائية لهذا الكتاب في يوم الجمعة المباركة، غرّة شعبان سنة ألف وأربعمائة وثلاث وثلاثين من الهجرة النبوية على صاحبها ألف ألف سلام؛ ولقد شرعتُ في تأليفه في يوم السبت، السادس والعشرين من رجب سنة ألف وأربعمائة وثلاثين من الهجرة النبوية على صاحبها ألوف سلام، فاستغرقتُ فيه ثلاث سنين وخمسة أيام.

فالحمد للّٰه العلي الوهاب وأزكى الصلاة وأبهى السلام على سيدنا محمد خير من أوتي الحكمة وفصل الخطاب وعلى آله خير آل وأصحابه خير أصحاب إلى يوم الحساب وهذا نهاية "القول الصواب في مسائل الكتاب".

وأسأل أخيرا ربي الغفار أن ينفع به الصغار والكبار ويجعله لي وقاية من النار ويُدخلني به في عباده الأبرار يوم يجمع فيه الأخيار والأشرار ويغفر لي ما فرط مني في أثناء هذا التاليف مما يوجب الخطأ في الأفعال أو الأفكار آمين يا رب ما أظلم عليه الليل وما أشرق عليه النهار.

١ـ كما ترى قول بعضهم فيما يلي:

(أ) –قال ابن قطلوبغا في "الترجيح والتصحيح" (٦١٥)– بعد ذكر الاختلاف في هذه المسألة–:

قال الإسبيجابي والزاهدي: هذا بناء على اختلافهم في الميراث، وقد مر، قلت –القائل ابن قطلوبغا–: إن الفتوى على قول الإمام.

(ب) –قال الحصكفي في "الدر المنتقى" (٤/٥٠٨):

ولو ترك جد مولاه وأخاه فالجد أولى على الترتيب المتقدم وهذا عنده، وعندهما يستويان. وهذا فرع اختلافهم في ميراث الجد مع الأخ فعنده الجد يُسقط الأخ خلافا لهما

(ج)– قال الموصلي في "الاختيار لتعليل المختار" (٥/١١٩):

ولو مات عن جد مولاه وأخيه فالكل للجد؛ وقالا: بينهما نصفان، وقد عرف.

(د)– قال حسام الدين الرازي في "خلاصة الدلائل" (٢/٤٣٧) بعد ذكر الاختلاف المذكور:

"بناء على اختلافهم في الإرث وقد مرت." ولم يأت بشيء من كلامٍ حولَه؛ لا قبله ولا بعده.

الفهارس العامّة

(١) الفهرس المجمل للكتب والأبواب

(٢) الفهرس المفصل للموضوعات

(٣) فهرس المصادر والمراجع

الفهرس المجمل

للمبادی والکتب والأبواب

الفهرس المفصل

(للموضوعات)



فہرس المصادر والمراجع

ملحوظہ:۔

کتاب ہذا کی تالیف چونکہ ایک دراز مدت (عرصہ ۳ سال) میں پایہ تکمیل کو پہنچی ہے اس لئے اس دوران مختلف اوقات میں مختلف کتب ومکتبات [1] سے استفادہ کیا ہے اور بسا اوقات ایک ہی کتاب سے اس کے ایک سے زائد نسخوں اور اسی طرح متعدد مطابع سے استفادہ ہوا چنانچہ اس کتاب کے صفحات وجلد نمبر کو بھی انہی مطابع کے مطابق نقل کیا ہے، نیز کچھ مقامات پر میرے پاس اس وقت کتاب دستیاب نہ ہونے کے سبب مکتبہ شاملہ کی کتاب سے بھی حوالہ درج کیا ہے۔

ادھر کتاب ختم ہوئی اور ادھر میں ایک طویل سفر کے لئے پابرکاب تھا۔ الغرض قلت وقت کی بدولت اس وقت میں ان کتب کے صفحات کو کسی ایک مطبع کے موافق نہیں کر سکا، تاہم کتب حدیثیہ کے حوالہ میں رقم الحدیث درج کرنے کی وجہ سے مطبع کا عدم ذکر چنداں گرانی وکلفت کا باعث نہیں ہوگا ان شاء اللہ تعالی۔ چنانچہ ذیل میں ان کتب کے مطابع ذکر کیے جائیں گے جو شروع سے لے کر آخر تک ایک ہی مطبع کی میرے پاس رہیں اور باقی کتب (جو کہ نسبتا تعداد میں بہت کم ہیں) کے مطابع کو ان شاء اللہ تعالی اصدار ثانی (آئندہ ایڈیشن) میں کسی ایک متداول مطبع کے موافق کرنے کے بعد ذکر کر دیا جائیگا، منه التوفيق وبه السداد۔

......أ......

۱۔ **الآثار**: برواية أبي يوسف وهو يعقوب بن إبراهيم الأنصاري، ت۱۸۳ھ، تحقيق: أبو الوفاء الأفغاني۔

ط: دار الكتب العلمية۔ بيروت۔

۲۔ **الآثار**: برواية الشيباني وهو محمد بن الحسن الشيباني الحنفي، ت۱۸۹ھ۔

ط: دار الحديث بملتان۔ باكستان.

۳۔ **آثار السنن**: لمحمد بن علي النيموي، ت ۱۳۲۲ھ تحقيق: فيض أحمد الملتاني

ط: المكتبة الإمدادية بملتان۔ باكستان

٤۔ **الآحاد والمثاني**: لأبي بكر بن أبي عاصم وهو أحمد بن عمرو بن الضحاك بن مخلد الشيباني، ت۲۸۷ھ

---

(۱)۔ منها مكتبات المسجد النبوي۔ على صاحبه أفضل تسليمات وأزكى تحيات۔ بالمدينة المنورة زادها الله تعالى شرفا وعزا يوما فيوما، وجامعة دار العلوم بكراتشي و"بير جهنڈير" بميلسي، وجامعة العلوم الإسلامية بنوري تاؤن بكراتشي، وجامعة خير المدارس بملتان، وجامعة دار العلوم بكبير والا (خانيوال)، وجامعة ابن عباس بكراتشي، ومعهد عثمان بن عفان بكراتشي وغيرها۔

تحقيق : د ـ باسم فيصل أحمد الجوابرة

ط: دار الراية ـ الرياض ـ الأولى ١٤١١هـ

٥ـ **الآداب :** لأبي بكر أحمد بن الحسين بن علي بن موسى البيهقي ،ت٤٥٨هـ

٦ـ **أبحاث هيئة كبار العلماء :** لهيئة كبار العلماء بالمملكة العربية السعودية ـ

٧ـ **اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة :** للحافظ أحمد بن أبي بكر بن إسماعيل البوصيري ت ٨٤٠ هـ

ط: دار الوطن ـ الرياض ـ

٨ ـ **اتقان ما يحسن من الأخبار الدائرة على الألسن:** لنجم الدين محمد بن محمد الغزي ،ت ١٠٦١هـ تعليق

:د ـ يحيى مراد

ط: دار الكتب العلمية بيروت ـ لبنان ـ الأولى، ١٤٢٥هـ

٩ـ **الأحاديث المختارة :** للحافظ أبي عبد الله محمد بن عبد الواحد الحنبلي المقدسي المشهور بالضياء

المقدسي ،ت٦٤٣هـ تحقيق : عبد الملك بن عبد الله بن دهيش

ط: مكتبة النهضة الحديثة ،مكة المكرمة

١٠ـ **أحكام الشرعية الكبرى :** لعبد الحق بن عبد الرحمن الأندلسي ،الأشبيلي ،المعروف بابن الخراط ،ت

٥٨١هـ تحقيق : أبو عبد الله حسين بن عكاشة

ط: مكتبة الرشد ـ الرياض ـ الأولى ،١٤٢٢هـ

١١ـ **الإحكام في أصول الأحكام :** للآمدي وهو أبو الحسن سيف الدين علي بن محمد بن سالم التغلبي ، ت

٦٣١هـ

١٢ ـ **أحكام القرآن :** للجصاص وهوأبو بكر أحمد بن علي الرازي الحنفي ،ت ٣٧٠هـ

١٣ـ **أحكام القرآن :** للطحاوي وهو أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الأزدي الحجري المصري ،ت ٣٢١هـ

تحقيق : د ـ سعد الدين أونال

ط: مركز البحوث الإسلاميه التابع لوقف الديانة التركي ،إستانبول ،الأولى

١٤ ـ **اختلاف الأئمة العلماء :** للوزير أبي المظفر يحيى بن محمد بن هبيرة الشيباني ،ت ٥٦٠هـ تحقيق : السيد

يوسف أحمد

ط: دار الكتب العلمية ـ بيروت ـ الأولى ١٤٢٣هـ

١٥ ـ اختلاف الفقهاء : للطبرى وهو أبو جعفر محمد بن جرير بن يزيد الآملي الطبرى ،ت ٣١٠هـ

ط: دارالكتب العلمية ـ بيروت

١٦ ـ الاختيار لتعليل المختار : لأبى الفضل عبد الله بن محمود بن مودود الموصلى الحنفى ،ت٦٨٣هـ تحقيق : عبد اللطيف محمد عبد الرحمن .

ط: دارالكتب العلمية ـ بيروت ،الثالثة ١٤٢٦هـ

١٧ ـ الأربعون النووية : لأبى زكريا محيى الدين يحيى بن شرف النووى ،ت٦٧٦هـ .

١٨ ـ ارشاد الخلق الى دين الحق : لمحمود محمد خطاب السبكى ،ت١٣٥٢هـ الطبعة الثالثة سنة ١٤٠١هـ

١٩ ـ ارشاد الفحول الى تحقيق الحق من علم الأصول : لمحمد بن على بن محمد بن عبد الله الشوكانى اليمنى ،ت١٢٥٠هـ تحقيق : الشيخ أحمد عزو عناية .

ط: دارالكتاب العربى ،الأولى ١٤١٩هـ

٢٠ ـ ارشاد الفقيه الى معرفة أدلة التنبيه : لابن كثير وهو أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشى البصرى ثم الدمشقى ،ت٧٧٤هـ

ط: مؤسسة الرسالة ـ بيروت ،١٤١٦هـ .

٢١ ـ الاستذكار .مختصر "التمهيد"شرح مؤطا مالك .: لابن عبد البر وهو أبو عمر يوسف بن عبد الله النمرى القرطبى ،ت٤٦٣هـ تحقيق : سالم محمد عطاء ،محمد على معوض .

ط: دارالكتب العلمية ـ بيروت ـ الأولى ،١٤٢١هـ

٢٢ ـ أسنى المطالب فى أحاديث مختلفة المراتب : لأبى عبد الرحمن محمد بن محمد درويش ،الحوت الشافعى ،ت ١٢٧٧هـ تحقيق : مصطفى عبد القادر عطاء

ط: دار الكتب العلمية بيروت ـ الأولى، ١٤١٨هـ

٢٣ ـ الأشباه والنظائر : لزين الدين بن إبراهيم بن محمد ،المعروف بابن نجيم المصرى ،ت ٩٧٠هـ.

٠٠ ـ الأصل : انظر : المبسوط للشيبانى .

٢٤ ـ أصول الإفتاء : لمحمد تقى العثمانى ـ حفظه الله تعالى .

ط: مدرسة عربية عثمان بن عفان شور كوت (ملتان ،باكستان)

٢٥ ـ أصول البزدوى(كنز الوصول الى معرفة الأصول): لعلى بن محمد البزدوى الحنفى ،ـ٤٨٢هـ.

ط: مطبعة جاويد بريس ـ كراتشي .

٢٦ـ**أصول السرخسي :** لأبي بكر محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي ،ت٤٨٣هـ

ط: دارالكتاب العلمية بيروت لبنان ـ الأولى ١٤١٤هـ.

٢٧ـ**أصول الشاشي:** لإسحاق بن إبراهيم الشاشي ،ت٣٢٥هـ(حسب ما في "الفوائد البهية "للكنوي)

٢٨ـ**أضواء البيان في ايضاح القرآن بالقرآن :** لمحمد الأمين بن محمد المختار بن عبد القادر الحكني الشنقيطي ،ت١٣٩٣هـ.

ط: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع بيروت ،١٤١٥هـ .

٢٩ـ**اعلاء السنن :** لظفر أحمد بن لطيف العثماني التهانوي ،ت١٣٩٤هـ.

ط: ادارة القرآن والعلوم الإسلامية ـ كراتشي ـ الثالثة ١٤١٥هـ.

٠٠ـ **الإعلام بسنته عليه السلام :** انظر : شرح سنن ابن ماجه لمغلطاي .

٣٠ـ**اعلام الموقعين عن رب العالمين :** لمحمد بن أبي بكر الشهير بابن قيم الجوزية ،ت٧٥١هـ تحقيق: محمد عبد السلام إبراهيم .

ط: دارالكتب العلمية ـ بيروت ـ الأولى ١٤١١هـ

٣١ـ**ألفية السيوطي في علم الحديث:** لجلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر ،السيوطي ، ت ٩١١هـ.

ط: المكتبة العلمية .

٣٢ـ**الإلمام بأحاديث الأحكام:** لتقي الدين أبي الفتح محمد بن علي القشيري ،المعروف بابن دقيق العيد،ت٧٠٢هـ تحقيق: حسين إسماعيل الجمل .

ط: دارالمعراج الدولية ـ الرياض ـ الثانية ١٤٢٣هـ.

٣٣ـ**الأم:** للامام الشافعي وهو أبو عبد الله محمد بن ادريس القرشي المكي ،ت٢٠٤هـ.

٣٤ـ**أمالي الباغندي :** للباغندي الكبير محمد بن سليمان بن الحارث الواسطي ،أبي بكر الباغندي ،ت٢٨٣هـ تحقيق: أشرف صلاح علي .

٣٥ـ**أماني الأحبار في شرح معاني الآثار:** لمحمد يوسف بن محمد الياس بن محمد إسماعيل الكاندهلوي ـ ت١٣٨٤هـ .

ط: ادارة تاليفات اشرفيه ملتان باكستان ،دون الطبعة والتاريخ

٣٦ـ**الأموال** : لأبي عبيد القاسم بن سلام بن عبد الله الهروي البغدادي ،ت٢٢٤هـ.

٣٧ـ**أنوار البروق في أنواء الفروق** : لأبي العباس شهاب الدين أحمد بن إدريس بن عبد الرحمن المالكي الشهير بالقرافي ،ت٦٨٤هـ.

٠٠ـ**أنوار السنة لرواد الجنة** : انظر : فتح الرحمن في اثبات مذهب النعمان.

٣٨ـ**أوجز المسالك الى مؤطا مالك** : لمحمد زكريا بن محمد يحيى الكاندلوي ثم المهاجر المدني ،ت١٤٠٢هـ.

٣٩ـ**الأوسط في السنن والإجماع والإختلاف** : لأبي بكر محمد بن إبراهيم بن المنذر النيسأبوري ،ت٣١٩هـ

٤٠ـ**أيسر التفاسير لكلام العلي الكبير** : لجابر بن موسى بن عبد القادر بن جابر المعروف بأبي بكر الجزائري

ط: مكتبة العلوم والحكم ،المدينة المنورة ،المملكة العربية السعودية ،الخامسة ١٤٢٤هـ

٤١ـ**الإيضاح في شرح الإصلاح** : لشمس الدين أحمد بن سليمان بن كمال باشا الحنفي ،ت٩٤٠هـ تحقيق : د.عبد الله داؤد خلف المحمدي ود. محمود شمس الدين أمير الخزاعي .

ط: دارالكتب العلمية ـبيروت ـالأولى ١٤٢٨هـ

٤٢ـ**ايضاح المكنون في الذيل على كشف الظنون** : لإسماعيل بن محمد أمين بن مير سليم الباباني البغدادي ،ت١٣٩٩هـ .

ط: دار احياء التراث العربي بيروت ـلبنان

......ب......

٤٣ـ**البحر الرائق شرح كنز الدقائق** .: لزين الدين بن إبراهيم بن محمد ، المعروف بابن نجيم المصري ، ت ٩٧٠هـ.

ط: المكتبة الرشيدية ،كوئته باكستان ،(٩مجلدات)دون طبعة وتاريخ

٤٤ـ**بحر العلوم (تفسير السمرقندي)**: لأبي الليث نصر بن محمد بن أحمد بن إبراهيم السمرقندي ،ت٣٧٣هـ

تحقيق : د.محمود مطرجي .

ط: دارالفكر ،بيروت.

٤٥ـ**البحر المحيط في أصول الفقه** : لأبي عبد الله بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر الزركشي ،ت٧٩٤هـ

٤٦ـ**البحر المديد في تفسير القرآن المجيد** : لأبي العباس أحمد بن محمد بن المهدي الفاسي الصوفي ، ت

١٢٢٤هـ

ط: دار الكتب العلمية ـ بيروت ـ الثانية ١٤٢٣هـ

٤٧ ـ **بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع**: لملك العلماء علاء الدين أبي بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني ،ت٥٨٧هـ. تحقيق: محمد عدنان بن ياسين درويش.

ط: المكتبة الرشيدية ،كوئته ،باكستان (٦ مجلدات) دون طبعة وتاريخ

٤٨ ـ **بداية المبتدي (في فقه الإمام أبي حنيفة)**: لبرهان الدين أبي الحسن علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني ،ت٥٩٣هـ.

ط: مكتبة ومطبعة محمد علي صبح ـ القاهرة ـ دون طبعة وتاريخ

٤٩ ـ **بداية المجتهد ونهاية المقتصد**: لأبي الوليد محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد بن رشد القرطبي الشهير بابن رشد ،٥٩٥هـ.

٥٠ ـ **البداية والنهاية**: لابن كثير وهو أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي ،ت٧٧٤هـ

٥١ ـ **البدر الطالع بمحاسن مَن بعد القرن السابع**: لمحمد بن علي بن محمد بن عبد الله الشوكاني اليمني ،ت١٢٥٠هـ.

ط: دار المعرفة بيروت ـ لبنان ـ دون تاريخ.

٥٢ ـ **البدر المنير في تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في الشرح الكبير**: لسراج الدين أبي حفص عمر بن علي بن أحمد الشافعي المصري المعروف بابن الملقن ،ت٨٠٤هـ تحقيق: مصطفى أبو الغيط وعبد الله بن سليمان وياسر بن كمال.

ط: دار الهجرة للنشر والتوزيع ـ الرياض ـ الأولى ١٤٢٥هـ.

٥٣ ـ **بذل المجهود في حل أبي داؤد**: لخليل أحمد السهارنفوري الهندي ،ت١٣٤٦هـ تعليق: محمد زكريا الكاندلوي ،ت١٤٠٢هـ.

ط: المكتبة الخليلية ،سهارنفور ـ الهند (٥ مجلدات) دون طبعة وتاريخ.

٥٤ ـ **البرهان في أصول الفقه**: لركن الدين أبي المعالي عبد الملك بن عبد الله بن يوسف بن محمد الجويني الملقب بإمام الحرمين ،ت٤٧٨هـ

٥٥ـ **بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث** : للهيثمي وهو نور الدين أبو الحسن علي بن أبي بكر الهيثمي ـ ت ٨٠٧هـ(أما "مسند الحارث" فهو لأبي محمد الحارث بن محمد التميمي الشهير بابن أبي اسامة،ت٢٨٢هـ)

تحقيق: دـ حسين أحمد صالح الباكري

ط: مركز خدمة السنة والسيرة النبوية ،المدينة المنورة زادها الله شرفا ،الأولى ،١٤١٣هـ

٥٦ـ **بغية الوعاة في طبقات اللغويين والنحاة** : للسيوطي وهو جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر ،ت٩١١هـ

تحقيق : محمد أبو الفضل إبراهيم.

ط: المكتبة العصرية ،صيدا ـلبنان .

٥٧ـ **بلغة الأريب في مصطلح آثار الحبيب** : لأبي الفيض محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسيني ،الملقب بمرتضى الزَّبيدي (اللغوي الشهير) ت١٢٠٥هـ تحقيق : عبد الفتاح أبوغدة

ط: مكتب المطبوعات الإسلامية ـحلب ـ الثانية ١٤٠٨هـ

٥٨ـ **بلوغ المرام من أدلة الأحكام** : لابن حجر وهو أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد أحمد العسقلاني ،ت٨٥٢هـ

تحقيق وتعليق : سمير بن أمين الزهيري

ط: دار اطلس للنشر والتوزيع ،الرياض ـ المملكة العربية السعودية ـالثالثة ١٤٢١هـ

٥٩ـ **البناية شرح الهداية** : لبدر الدين أبي محمد محمود بن أحمد الحنفي ،الشهير بالعيني ،ت ٨٥٥هـ تحقيق : فيض أحمد الملتاني

ط: المكتبة الحقانية ملتان ـ باكستان ،(١٦ مجلدا)دون طبعة وتاريخ

٦٠ـ **البهجة في شرح التحفة (شرح تحفة الحكام)**: لأبي الحسن علي بن عبد السلام بن علي التُسولي ،ت١٢٥٨هـ تحقيق : محمد عبد القادر شاهين

ط: دارالكتب العلمية ـبيروت الأولى ١٤١٨هـ

٦١ـ **بيان الوهم والإيهام في كتاب الأحكام** : لابن القطان وهو أبو الحسن علي بن محمد بن عبدالملك الكتامي الحميري الفاسي ،ت ٦٢٨هـ تحقيق : دـ حسين آيت سعيد

ط: دار طيبة ـالرياض ـالأولى ١٤١٨هـ

......ت......

٦٢ـ **تاج العروس من جواهر القاموس** : لأبي الفيض محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسيني ،الملقب بمرتضى الزبيدى ،ت١٢٠٥هـ تحقيق : مجموعة من المحققين

ط: دار الهداية

٦٣ـ **التاج والإكليل لمختصر خليل** : لمحمد بن يوسف بن أبي القاسم ،أبي عبد الله المواق المالكي ،ت٨٩٧هـ

ط: دارالكتب العلمية بيروت ـلبنان ـ الأولى ١٤١٦هـ

٦٤ـ **تاريخ بغداد** : للخطيب البغدادى وهو أبو بكر أحمد بن على البغدادى ،ت٤٦٣هـ ،تحقيق : د ـبشار عواد معروف

ط: دارا لغرب الإسلامي ،بيروت ـ الأولى ١٤٢٢هـ

٦٥ـ **التاريخ الكبير** : للبخارى وهو أبو عبد الله محمد بن اسمعيل بن إبراهيم البخارى الجعفي ،ت٢٥٦هـ ،تحقيق : السيد هاشم الندوى

ط: دارالفكر بيروت لبنان

٦٦ـ **تبصرة الصبيان وتذكرة الاخوان فى فقه أبى حنيفة النعمان** : لصالح بن صديق كمال اليمنى ،

ط: الهيئة العلمية برباط أبى بكر الصديق رضى الله تعالى عنه للعلوم الشرعية بجامع دحمان كبير حديدة ـيمن

٦٧ـ **التبصرة فى أصول الفقة**: لأبي إسحاق إبراهيم بن على بن يوسف الشيرازى ،،ت٤٨٦هـ تحقيق د ـ محمد حسن هيتو

ط: دارالفكر ـدمشق ـ الأولى ١٤٠٣هـ

٦٨ـ **تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق**: لفخر الدين أبى محمد ،عثمان بن على محجن البارعى الزيلعى ،ت٧٤٣

ط: المكتبة الإمدادية ملتان ـباكستان (٣مجلدات،٦ أجزاء)دون طبعة وتاريخ

٦٩ـ **التجريد (الموسوعة الفقهية المقارنة)**: لأبي الحسين أحمد بن محمد بن جعفر البغدادى القدورى ،ت٤٢٨هـ تحقيق : أ ـد ـمحمد أحمد سراج وأ ـد ـعلى جمعة محمد

ط: مكتبة محموديه ـارك بازار قندهار ـافغانستان دون طبعة وتاريخ

٧٠ـ **التجنيس والمزيد**: لأبي الحسن برهان الدين على بن أبى بكر بن عبد الجليل الفرغانى المرغينانى ـصاحب

"الهداية" ـ،ت ٥٩٣هـ تحقيق : د ـمحمد أمين مكى

ط: ادارة القرآن والعلوم الإسلامية بكراتشي ـباكستان ـ الأولى ١٤٢٤هـ

٧١ـ **التحرير المختار /تقريرات الرافعي على الدر المختار .على هامش رد المحتار.** : لعبد القادر بن مصطفى البارى الرافعي ت١٣٠٥هـ تحقيق : عبد المجيد طعمه حلبى

ط: المكتبة الرشيدية كوئته ـباكستان (طبعة جديدة، ١٢مجلدا) دون طبعة وتاريخ

٧٢ـ **تحفة الأحوذى بشرح جامع الترمذى** : لأبى العلاء محمد عبد الرحمن بن عبد الرحيم المباركفورى ،ت١٣٥٣هـ

ط: دار الكتب العلمية ـبيروت ـ

٧٣ـ **تحفة الفقهاء** : لعلاء الدين أبى بكر محمد بن أحمد بن أبى أحمد ،السمرقندى ،ت ٥٤٠هـ

ط: دارالكتب العلمية ،بيروت ـلبنان ـ الثانية ١٤١٤هـ

٧٤ـ **تحفة المحتاج الى أدلة المنهاج .على ترتيب المنهاج للنووى.** : لابن الملقن سراج الدين أبى حفص عمر بن على بن أحمد الشافعي المصرى ،ت٨٠٤هـ تحقيق : عبد الله بن سعاف اللحيانى

ط: دار حراء ـمكة المكرمة ـالأولى ١٤٠٦هـ

٧٥ـ **تحفة الملوك (فى فقه مذهب الإمام أبى حنيفة النعمان)** : لزين الدين أبى عبد الله محمد بن أبى بكر بن عبد القادر الحنفى الرازى ت٦٦٦هـ تحقيق : د ـعبد الله نذير أحمد

ط: دار البشائر الإسلامية ـبيروت ـ الأولى ١٤١٧هـ

٧٦ـ **التحقيق فى أحاديث الخلاف** : لابن الجوزى وهو جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمن بن على بن محمد الجوزى ،ت٥٩٧هـ تحقيق : مسعد عبد الحميد محمد السعدنى

ط: دار الكتب العلمية ـبيروت ـ الأولى ١٤١٥هـ

٧٧ـ **تخريج الأحاديث المرفوعة المسندة فى كتاب التاريخ الكبير:** للامام البخارى ، ت٢٥٦، اعداد : د ـ محمد بن عبد الكريم

٧٨ـ **تدريب الراوى فى شرح تقريب النواوى** : لجلال الدين عبد الرحمن بن أبى بكر السيوطى ،ت ٩١١هـ

٧٩ـ **تذكرة الموضوعات** : لمحمد طاهر بن على الصديقى الهندى الفتنى ، ت ٩٨٦هـ

ط: ادارة الطباعة المنيرية ـ الأولى ١٣٤٣هـ

٨٠ ـ الترجيح والتصحيح على القدوري .المذيل بمختصر القدوري .: لقاسم بن قطلوبغا المصري .ت ٨٧٩هـ تحقيق : د ـ عبد الله نذير أحمد مزي

ط: مؤسسة الريان بيروت ـ لبنان ـ الأولى ١٤٢٦هـ

٨١ ـ الترغيب والترهيب من الحديث الشريف : للمنذري وهو زكي الدين أبومحمد عبد العظيم بن عبد القوي بن عبد الله ، ت ٦٥٦هـ تحقيق: إبراهيم شمس الدين

ط: دار الكتب العلمية ـ بيروت ـ الأولى ١٤١٧هـ

٨٢ـ التعريفات : لعلي بن محمد بن علي الزين الشريف الجرجاني ،ت ٨١٦هـ

ط: دار المنار ـ دون طبعة وتاريخ.

٨٣ـ تصحيفات المحدثين: لأبي أحمد الحسن بن عبد الله العسكري ،ت ٣٨٢هـ ـ تحقيق: محمود أحمد ميرة

ط: المطبعة العربية الحديثية ـ القاهرة ـ الأولى ،١٤٠٢هـ

٨٤ـ التعليق الحسن على آثار السنن : لمحمد بن علي النيموي ،ت ١٣٢٢هـ تحقيق: فيض أحمد الملتاني

ط: مكتبه امداديه ملتان باكستان ـ دون طبعة وتاريخ

٨٥ـ التعليقات السنية على الفوائد البهية : لأبي الحسنات محمد عبد الحي بن محمد عبد الحليم اللكنوي ،ت ١٣٠٤هـ

ط: قديمي كتب خانه كراتشي ـ باكستان

٨٦ـ التعليق على البناية : لفيض أحمد الملتاني ،ت ١٤٢٩هـ

ط: المكتبة الحقانية ملتان ـ باكستان (١٦ مجلدا) دون طبعة وتاريخ

٨٧ـ التعليق على الفقه النافع : للدكتور إبراهيم بن محمد بن إبراهيم العبود

ط: مكتبة العبيكان ـ الرياض ـ الأولى ١٤٢١هـ

٨٨ـ التعليق على لامع الدراري : لمحمد زكريا بن محمد يحيى الكاندلوي ،ت ١٤٠٢هـ

ط: ايج ايم سعيد كمبني كراتشي ـ دون طبعة وتاريخ

٨٩ـ التعليق الممجد على مؤطا الإمام محمد : لأبي الحسنات محمد عبد الحي بن محمد عبد الحليم الانصاري اللكنوي الهندي، ت ١٤٠٣هـ

٩٠ـ تفسير أبي السعود (ارشاد العقل السليم الى مزايا الكتاب الكريم): لأبي السعود العمادي محمد بن

محمد بن مصطفى ،ت ٩٨٢هـ

ط: احياء التراث العربى ـبيروت

٩١ـ تفسير الألوسى (روح المعانى فى تفسير القرآن العظيم والسبع المثانى): لأبى الثناء شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسينى الألوسى ،ت ١٢٧٠هـ

ط: دار احياء التراث العربى بيروت

٩٢ـ تفسير البغوى (معالم التنزيل فى تفسير القرآن): لمحيى السنة ،أبى محمد الحسين بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوى ، ت ٥١٠هـ ـ تحقيق : محمد عبد الله النمر ،عثمان جمعة ضميرية ،سليمان مسلم الحرش

ط: دار طيبة للنشر والتوزيع ، الرابعة ١٤١٧هـ

٩٣ـ تفسير البيضاوى (أنوار التنزيل وأسرار التأويل): لناصر الدين أبى سعيد عبد الله بن عمر بن محمد الشيرازى البيضاوى ،ت ٦٨٥هـ

ط: دار الفكر ـبيروت

٩٤ـ تفسير الثعالبى (الجواهر الحسان فى تفسير القرآن): لأبى زيد عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف الثعالبى ،ت ٨٧٥هـ

ط: مؤسسة الأعلمى للمطبوعات ـبيروت

٩٥ـ تفسير الجلالين : لجلال الدين عبد الرحمن بن أبى بكر السيوطى ،ت ٩١١هـ وجلال الدين محمد بن أحمد بن محمد المحلى ،ت ٨٦٤هـ

ط: دارالحديث ـالقاهره

٩٦ـ تفسير حقى (روح البيان فى تفسير القرآن): لإسماعيل حقى بن مصطفى الإستانبولى الحنفى الخلوتى ،ت١١٢٧هـ

ط: دار الإحياء التراث العربى بيروت

٩٧ـ تفسير الخازن (لباب التاويل فى معانى التنزيل): لعلاء الدين على بن محمدبن إبراهيم البغدادى الشهير بالخازن ،ت ٧٤١هـ

ط: دار الفكر بيروت

٩٨ـ تفسير الرازى (التفسير الكبير = مفاتيح الغيب من القرآن الكريم): لأبى عبد الله محمد بن عمر بن

الحسن بن الحسين التيمي الرازي ،الملقب بفخر الدين الرازي ،ت٦٠٦هـ

٠٠ـ **تفسير السراج المنير** : انظر : السراج المنير

٩٩ـ **تفسير الطَبَرى (جامع البيان فى تاويل القرآن):** لأبي جعفر الطَبَرى وهو محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي،ت ٣١٠هـ ـتحقيق: أحمد محمد شاكر ـ

ط: مؤسسة الرسالة ـبيروت الأولى ١٤٢٠هـ

١٠٠ـ **تفسير غريب مافى الصحيحين البخارى ومسلم** : للحَميدى وهو أبو عبد الله محمد بن فتوح الأزدى ،ت٤٨٨هـ ـتحقيق : الدكتورة زبيدة محمد سعيد عبد العزيز

ط: مكتبة السنة القاهرة ـمصر ـالأولى ١٤١٥هـ

١٠١ـ **تفسير الفاتحة** : للحافظ أبي الفرج عبد الرحمن بن أحمد بن رجب الدمشقي الحنبلي ،ت٧٩٥هـ

١٠٢ـ **تفسير القرآن العظيم** : لابن كثير وهو أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي ،ت٧٧٤هـ

١٠٣ـ **تفسير القرطبى (الجامع لأحكام القرآن):** لأبي عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرج الأنصارى الخزرجي شمس الدين القرطبي ،ت٦٧١هـ

ط: دارلكتب المصرية ـالقاهرة (٢٠جزءا)

١٠٤ـ **تفسير القُشَيرى (لطائف الإشارات):** لعبد الكريم بن هوازن بن عبد الملك القشيرى ،ت ٤٦٥هـ

٠٠٠ـ **تفسير الكشاف** : انظر : الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل

١٠٥ـ **تفسير اللباب لابن عادل:** لأبي حفص عمر بن علي ابن عادل الدمشقي الحنبلي ،ت بعد سنة ٨٠٠هـ

ط: دارالكتب العلمية ـبيروت

١٠٦ـ **تفسير النسفى (مدارك التنزيل وحقائق التاويل):** لحافظ الدين أبي البركات عبد الله بن أحمد بن محمود النسفي ،ت ٧١٠هـ

١٠٧ـ **تفسير النيسابورى (غرائب القرآن ورغائب الفرقان):** لنظام الدين الحسن بن محمد بن حسين القمي النيسابورى ،ت ٨٥٠هـ

١٠٨ـ **التفسير الوسيط للقرآن الكريم** : لمحمد سيد طنطاوى ،ت ١٤٣١هـ

ط:دار نهضة مصر، الفجالة ـ القاهرة ـالأولى

١٠٩ـ **التفيسرات الأحمدية فى بيان الأيات الشرعية** : لأحمد بن أبي سعيد ،المدعو بـ"ملاجيون"الجونفورى

الهندى ،ت ١١٣٠هـ

ط: قديمى كتب خانه كراتشى ـ باكستان دون طبعة وتاريخ

١١٠ ـ **تقريب التهذيب** : لأبى الفضل أحمد بن على بن حجر العسقلانى ،ت ٨٥٢هـ تحقيق : محمد عوامة

ط: دارالرشيد ـ سوريا،١٤٠٦هـ .

٠٠٠ ـ **تقريرات الرافعى** : انظر : التحرير المختار

١١١ ـ **التقرير والتحبير**: لأبى عبد الله شمس الدين محمد بن محمد بن محمد المعروف بابن امير حاج الحنفى ،ت ٨٧٩هـ

ط: دارالكتب العلمية ـ بيروت

٠٠٠ **تكملة رد المحتار** : انظر : قرة عيون الأخيار

١١٢ ـ **تكملة فتح الملهم .بشرح صحيح مسلم .**: لمحمد تقى العثمانى ـ حفظه اللّٰه تعالى

ط: مكتبة دارالعلوم كراتشى ١٤٢٤هـ دون طبعة

١١٣ ـ **التلخيص الحبير فى تخريج أحاديث الرافعى الكبير** : لـلحافظ ابن حجر العسقلانى وهو أبو الفضل أحمد بن على بن محمد بن أحمد ،ت ٨٥٢هـ

ط: دارالكتب العلمية بيروت ـ لبنان ـ الأولى ١٤١٩هـ

٠٠٠ ـ **تمهيد الفصول فى الأصول : انظر له : أصول السرخسى**

١١٤ ـ **التمهيد لما فى المؤطا من المعانى والأسانيد** : لابن عبد البر وهو أبو عمر يوسف بن عبد اللّٰه بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمرى القرطبى ،ت ٤٦٣هـ تحقيق: مصطفى بن أحمد العلوى ،محمد عبد الكبير البكرى

ط: وزارة عموم الأوقاف والشؤون الإسلامية ـ المغرب ـ ١٣٨٧هـ

١١٥ ـ **تنقيح التحقيق فى أحاديث التعليق** : لابن عبد الهادى ،وهو شمس الدين محمد بن أحمد بن عبد الهادى الحنبلى ،ت ٧٤٤هـ **تحقيق** : سامى بن محمد بن جار اللّٰه وعبد العزيز بن ناصر الخبانى

ط: اضواء السلف ـ الرياض ـ الأولى ١٤٢٨هـ

١١٦ ـ **تنقيح التحقيق فى أحاديث التعليق** : للذهبى ،وهو شمس الدين أبو عبد اللّٰه محمد بن أحمد بن عثمان بن قايماز الذهبى ،ت ٧٤٨هـ تحقيق : مصطفى أبو الغيط عبد الحى عجيب

ط: دار الوطن ،الرياض ـ الأولى ١٤٢١هـ

. . . ـ تنقيح الفتاوى الحامدية: انظر: العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية

١١٧ـ تنوير الأبصار وجامع البحار . مع الدرالمختار ورد المحتار. : لمحمد بن عبد الله التُمُرتاشي ،ت ١٠٠٤هـ تحقيق : عبد المجيد طعمه حلبي

ط: المكتبة الرشيدية كوئته ـ باكستان (طبعة جديدة ،١٢ مجلدا)دون طبعة وناريخ

١١٨ـ التوضيح على التنقيح (التوضيح فى حل غوامض التنقيح): لعبيد الله بن مسعود بن تاج الشريعة ،ت ٧٤٧هـ

١١٩ـ توضيح الأفكار لمعاني تنقيح الأنظار: لعز الدين أبى إبراهيم ،محمد بن إسماعيل بن صلاح بن محمد الحسنى الكحلانى ثم الصنعانى المعروف كاسلافه بالأمير ،ت ١١٨٢هـ تحقيق : أبو عبد الرحمن صلاح بن محمد بن عويضة

ط: دارالكتب العلمية ،بيروت لبنان ،الأولى ١٤١٧هـ

١٢٠ـ تهذيب التهذيب : لابن حجر وهو شهاب الدين أبو الفضل أحمد بن على العسقلانى ،ت ٨٥٢هـ

ط: دارالفكر للطباعة والنشر والتوزيع ـ الأولى ،١٤٠٤هـ

١٢١ـ تهذيب الكمال فى أسماء الرجال : للمزى وهو أبو الحجاج يوسف بن عبد الرحمن بن يوسف ،ت ٧٤٢هـ

تحقيق : د ـ بشار عواد معروف

ط: مؤسسة الرسالة ـ بيروت ،الأولى ١٤٠٠هـ

١٢٢ـ تهذيب اللغة : لأبى منصور محمد بن أحمد بن الأزهرى الهروى ،ت ٣٧٠هـ ـ تحقيق : محمد عوض مرعب

ط: دار احياء التراث العربى ـ بيروت ،الأولى ٢٠٠١م

١٢٣ـ تيسير التحرير : لمحمد أمين بن محمود البخارى المعروف بامير بادشاه الحنفى ،ت ٩٧٢هـ

ط: دارالفكر ـ بيروت

١٢٤ـ تيسير مصطلح الحديث : للدكتور محمود الطحان ـ حفظه الله تعالى

ط: قديمى كتب خانه كراتشي باكستان دون طبعة وتاريخ

......ث......

١٢٥ ـ الثقات: لابن حبان وهو أبو حاتم محمد بن حبان بن أحمد البستي ،ت٣٥٤هـ تحقيق: السيد شرف الدين أحمد

ط: دارالفكر الأولى ،١٣٩٥هـ ودائرة المعارف العثمانية بحيدر آباد الدكن الهند ـ الأولى ١٣٩٣هـ

......ج......

١٢٦ ـ جامع الأحاديث (ويشتمل على جمع الجوامع للسيوطي والجامع الأزهر وكنوز الحقائق للمناوي ،والفتح الكبير للنبهاني): لجلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر ،السيوطي ،ت٩١١هـ

١٢٧ ـ جامع الأصول في احاديث الرسول : لابن الأثير الجزري وهو مجد الدين أبو السعادات المبارك بن محمد بن محمد بن محمد ابن عبد الكريم الشيباني ،ت٦٠٦هـ تحقيق : عبد القادر الأرنؤوط ـ التتمة بتحقيق بشير عيون

ط: مكتبة الحلواني ـ مطبعة الملاح ـ مكتبة دار البيان

١٢٨ ـ جامع الأمهات: لابن الحاجب وهو أبو عمرو جمال الدين عثمان بن عمر بن أبي بكر الكردي المالكي ،ت٦٤٦هـ

. . . جامع البيان في تاويل القران : انظر : تفسير الطَبَرى

. . . جامع الترمذى : انظر : سنن الترمذى

١٢٩ ـ جامع الرموز : لشمس الدين محمد بن حسام الدين الخراساني القهستاني ،ت ٩٦٢هـ ط: ايج ـ ايم سعيد كمپنى كراتشي ـ دون طبعة وتاريخ

١٣٠ ـ الجامع الصغير : للامام محمد وهو أبو عبد الله محمد بن الحسن الشيباني ،ت١٨٩هـ

ط: عالم الكتب ـ بيروت ـ الأولى ،١٤٠٦هـ

١٣١ ـ الجامع الصغير : للكنوى وهو أبو الحسنات محمد عبد الحي بن محمد عبد الحليم اللكنوى الهندى ، ت ١٣٠٤هـ

١٣٢ ـ الجامع الصغير من حديث البشير النذير : للسيوطي وهو جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر بن محمد السيوطي ،ت ٩١١هـ

١٣٣ ـ جامع الفصولين : لبدر الدين محمود بن اسرائيل الشهير بابن قاضي سماونه الحنفي ،ـ٨٢٣هـ

ط: اسلامي كتب خانه ،كراتشي دون طبعة وتاريخ

٠٠٠ ـ الجامع لأحكام القرآن : انظر: تفسير القرطبي

١٣٤ ـ الجد الحثيث في بيان ما ليس بحديث : للعامري وهو أحمد بن عبد الكريم الغزي العامري ،ت ١١٤٣هـ

تحقيق :أبو زيد بكر عبد الله ـ

ط: دار الراية ـ الرياض ـ الأولى ١٤١٢هـ

١٣٥ ـ الجرح والتعديل : لابن أبي حاتم الرازي وهو أبو محمد عبد الرحمن بن محمد بن ادريس ،ت ٣٢٧هـ

ط: دائرة المعارف العثمانية بحيدر آباد الدكن الهند ـ الأولى ١٣٧١هـ

١٣٦ ـ الجمع بين الصحيح البخاري ومسلم : للحميدي وهو أبو عبد الله محمد بن فتوح بن عبد الله الحميدي ،ت ٤٨٨هـ

١٣٧ ـ جمع الجوامع أو الجامع الكبير : لجلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر ،السيوطي ،ت ٩١١هـ

١٣٨ ـ جمهرة الأجزاء الحديثية : (١٩ جزء احديثيا) لمجموعة مؤلفين ـ تحقيق: محمد زياد عمر تكلة

ط: مكتبة العبيكان ،الأولى ١٤٢١هـ

١٣٩ ـ جمهرة اللغة : لابن دريد وهو أبو بكر محمد بن الحسن بن دريد الأزدي ،ت ٣٢١هـ

١٤٠ ـ الجوهر النقي على سنن البيهقي : لأبي الحسن علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني ،ت ٧٥٠هـ

١٤١ ـ الجوهرة النيرة : لأبي بكر بن علي بن محمد الحداد الزبيدي ،ت ٨٠٠هـ تحقيق : الياس قبلان

ط: المكتبة الرحمانية لاهور ـ باكستان

......ح......

٠٠٠ ـ حاشية ابن عابدين على الدر المختار : انظر : رد المحتار

١٤٢ ـ حاشيه السعدى جلبى على العناية على هامش فتح القدير : لسعد الله بن عيسى المعروف بـ"سعدى جلبى" بالجيم والباء الفارسيتين ،ت ٩٤٥هـ

ط: المكتبة الرشيدية كوئته ـ باكستان (طبعة جديدة ،١٠ مجلدات) دون طبعة وتاريخ

١٤٣ ـ حاشية السندى على سنن النسائي : لنور الدين أبي الحسن محمد بن عبد الهادى السندى ،ت ١١٣٨هـ

ط: مكتب المطبوعات الإسلامية ـ حلب ـ الثانية ،١٤٠٦هـ

١٤٤ ـ حاشية السهارنفورى على سنن الترمذى : لأحمد على بن لطف الله السهارنبورى الهندى ،ت ١٢٩٧هـ

ط: مكتبة رحمانية ،اردو بازار لاهور باكستان۔ دون طبعة وتاريخ

٠٠٠ ـ حاشية الشامي على الدر المختار : انظر : رد المحتار

١٤٥ ـ حاشية الشرنبلالي على درر الحكام (ومتنه غرر الأحكام): لحسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري ،ت١٠٦٩هـ

١٤٦ ـ حاشيه الصاوي على الشرح الصغير ("بلغة السالك لأقرب المسالك"): لأبي العباس أحمد بن محمد الخلوتي الشهير بالصاوي المالكي ت١٢٤١هـ

١٤٧ ـ حاشية الطحطاوي على الدر المختار : لأحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي المصري ،ت١٢٣١هـ

ط: المكتبة العربية ،كانسي رود ،كوئته باكستان ـ دون طبعة وتاريخ

١٤٨ ـ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح : لأحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي المصري ١٢٣١هـ

ط: قديمي كتب خانه كراتشي باكستان۔ دون طبعة وتاريخ

١٤٩ ـ حاشية العطار على شرح الجلال المحلي على جمع الجوامع : لحسن بن محمد بن محمود العطار الشافعي ،ت١٢٥٠هـ

ط: دار الكتب العلمية بيروت ١٤٢٠هـ

١٥٠ ـ حاشيه النانوتوي على كنز الدقائق: لمحمد أحسن بن لطف علي الصديقي النانوتوي ،ت١٣١٢هـ

ط: مكتبة امداديه ملتان باكستان ،دون طبعة وتاريخ ـ

١٥١ ـ حديث أبي الفضل الزهري : لأبي الفضل عبيد الله بن عبد الرحمن الزهري البغدادي ،ت٣٨١هـ

١٥٢ ـ الحجة على أهل المدينة : لأبي عبد الله محمد بن الحسن بن فرقد الشيباني ،ت١٨٩هـ تحقيق : مهدي حسن الكيلاني

ط: عالم الكتب ،بيروت الثالثة ١٤٠٣هـ

١٥٣ ـ حجة الوداع : لابن حزم وهو أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي الظاهري ،ت٤٥٦هـ

٠٠٠ الحلبي الكبيري : انظر: غنيه المستملي

١٥٤ ـ حلية الأولياء وطبقات الأصفياء : لأبي نعيم أحمد بن عبد الله الأصبهاني ،ت٤٣٠هـ

ط: دار الكتاب العربي ـ بيروت، الرابعة ،١٤٠٥هـ

......خ......

۰۰۰ **الخانية على هامش الهندية:** انظر: الفتاوى الخانية

۱۵۵ـ **الخراج :** للقاضي أبي يوسف يعقوب بن إبراهيم الأنصاري ،ت۱۸۲هـ

۱۵٦ـ **خزانة الفقه :** لأبـي الـليـث نصر بن محمد بن أحمد السمرقندي ،ت۳۷۳هـ ـ تعليق : محمد عبد السلام شاهين

ط: دار الكتب العلمية ـ بيروت ـ الأولى ۱٤۲٦هـ

۱۵۷ـ **خـلاصة الأحكام في مهمات السنن وقواعد الإسلام :** لأبـي زكـريا محي الدين يحيى بن شرف النووي ،ت٦۷٦هـ تحقيق : حسين إسماعيل الجمل

ط: مؤسسة الرسالة ،بيروت ـ الأولى ۱٤۱۸هـ

۱۵۸ـ **خلاصة البدر المنير :** لابن الملقن سراج الدين أبي حفص عمر بن علي بن أحمد ،ت۸۰٤هـ

ط: مكتبة الرشد ـ الرياض ـ الأولى ۱٤۱۰هـ

۱۵۹ـ **خلاصة الدلائل في تنقيح المسائل :** لحسام الدين علي بن مكي الرازي ،ت۵۹۸هـ

تحقيق : **أبو** الفضل أحمد بن علي الدمياطي

ط: مكتبة الرشد ـ الرياض ـ الأولى ۱٤۲۸هـ

۱٦۰ـ **خلاصة الفتاوى :** لطاهر بن أحمد بن عبد الرشيد البخاري ـ ت۵٤۲هـ

......د......

۱٦۱ـ **الدراري المضية شرح الدرر البهية :** لمحمد بن علي الشوكاني اليمني ،ت۱۲۵۰هـ

ط: دار الجيل ـ بيروت ،۱٤۰۷هـ

۱٦۲ـ **الدر المختار (المطبوع مع رد المحتار):** لعلاء الدين محمد بن علي الحصكفي ،ت۱۰۸۸هـ تحقيق : عبد المجيد طعمه حلبي

ط: المكتبة الرشيدية كوئته ـ باكستان (طبعة جديدة، ۱۲مجلدا)دون طبعة وتاريخ

۱٦۳ـ **الدراية في تخريج أحاديث الهداية :** لأبـي الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني ،ت۸۵۲هـ **تحقيق :** السيد عبد الله هاشم اليماني المدني

ط: دار المعرفة بيروت

١٦٤ ـ الدر المنتقى في شرح الملتقى (مطبوع على هامش مجمع الأنهر): لعلاء الدين محمد بن علي الحصكفي، ١٠٨٨هـ

ط: مكتبة المنار كوئته ـ باكستان ـ دون طبعة وتاريخ

١٦٥ ـ الدر المنثور في التفسير بالمأثور: لجلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطي ـ ت ٩١١هـ

ط: دار الفكر ـ بيروت

١٦٦ ـ درر الحكام شرح غرر الأحكام: لمحمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا خسرو، ت ٨٨٥هـ

١٦٧ ـ درر الحكام شرح مجلة الأحكام: علي حيدر خواجه أمين أفندي، ت ١٣٥٣هـ تحقيق تعريب: المحامي فهمي الحسيني

ط: دار الكتب العلمية ـ بيروت

١٦٨ ـ الدرر المنتثرة في الأحاديث المشتهرة: للسيوطي وهو جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطي، ت ٩١١هـ تحقيق: الدكتور محمد بن لطفي الصباغ

ط: عمادة شؤون المكتبات، جامعة الملك سعود، الرياض

١٦٩ ـ دلائل النبوة: للبيهقي وهو أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي بن موسى، ت ٤٥٨هـ تحقيق: عبد المعطي قلعجي

ط: دار الكتب العلمية بيروت ـ الأولى، ١٤٠٨هـ

١٧٠ ـ دليل أرباب الفلاح لتحقيق فن الإصطلاح: لحافظ بن أحمد الحكمي ـ ت ١٣٧٧هـ

٠٠٠ ـ الدين الخالص: انظر: ارشاد الخلق الى دين الحق

١٧١ ـ الديات: لابن أبي عاصم وهو أبو بكر أحمد بن عمرو بن الضحاك بن مخلد الشيباني، ت ٢٨٧هـ

ط: ادارة القرآن والعلوم السلامية كراتشي باكستان

.......ر.......

١٧٢ ـ الرحيق المختوم بشرح قلائد المنظوم، مطبوع في ضمن مجموعة الرسائل لابن عابدين: لمحمد أمين بن عمر بن عبد العزيز الشهير بابن عابدين صاحب رد المحتار ت ١٢٥٢هـ

ط: المكتبة العثمانية كوئته باكستان

١٧٣ ـ **رد المحتار على الدر المختار:** لمحمد أمين بن عمر بن عبد العزيز المعروف بابن عابدين الشامي ت

١٢٥٢هـ تحقيق : عبد المجيد طعمه حلبي

ط: المكتبة الرشيدية كوئته ـ باكستان (طبعة حديدة، ١٢ مجلدا) دون طبعة و تاريخ

١٧٤ ـ **رسائل ابن عابدين** : لمحمد أمين بن عمر الشهير بابن عابدين صاحب رد المحتار ١٢٥٢هـ

ط: المكتبة العثمانية كوئته باكستان

١٧٥ ـ **رسالة ابن أبي زيد القيرواني .مطبوعة مع شرحها للنفراوي.** : لأبي محمد عبد الله بن أبي زيد القيرواني المالكي ،ت ٣٨٩هـ

ط: دار الفكر ـ بدون طبعة ١٤١٥هـ

١٧٦ ـ **رفع اليدين** : لأبي عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري ،ت ٢٥٦هـ

١٧٧ ـ **رمز الحقائق شرح كنز الدقائق** : للعيني وهو بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى ،ت ٨٥٥هـ

ط: ادارة القرآن و العلوم الإسلامية كراتشي ـ دون طبعة و تاريخ

٠٠٠ **روح البيان في تفسير القرآن** : انظر: تفسير حقي

٠٠٠ **روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني** : انظر: تفسير الألوسي

١٧٨ ـ **روضة الناظر وجنة المناظر** : لابن قدامه المقدسي وهو موفق الدين أبو محمد عبد الله بن أحمد الحنبلي ،ت ٦٢٠هـ

ط: مؤسسة الريان بيروت ـ الثانية ،١٤٢٣هـ

١٧٩ ـ **رؤوس المسائل .المسائل الخلافية بين الحنفية والشافعية.** : لجار الله أبي القاسم محمود بن عمر الزمخشري الحنفي ،ت ٥٣٨هـ

ط: دار البشائر الإسلامية ،بيروت ـ لبنان

ز

١٨٠ ـ **زاد المسير في علم التفسير** : لجمال الدين أبي الفرج عبد الرحمن بن علي الشهير بابن الجوزي ،ت ٥٩٧هـ

ط : المكتب الإسلامي ، بيروت ـ الثالثة ١٤٠٤هـ

١٨١ ـ **زهرة التفاسير** : لمحمد بن أحمد بن مصطفى المعروف بأبي زهرة ،ت ١٣٩٤هـ

ط: دار الفكر العربي

.......س......

١٨٢ـ سبل السلام شرح بلوغ المرام : لعز الدين أبي إبراهيم ،محمد بن إسماعيل الصنعاني المعروف كاسلافه بالأمير ،ت١١٨٢هـ

ط: دار الحديث ـبدون طبعة وبدون تاريخ

١٨٣ـ سحر البلاغة وسر البراعة: لأبي منصور عبد الملك بن محمد بن إسماعيل الثعالبي ،ت٤٢٩هـ تحقيق : عبد السلام الحوفي

ط: دار الكتب العلمية بيروت لبنان

١٨٤ـ السراج المنير في الإعانة على معرفة بعض معاني كلام ربنا الحكيم الخبير: لشمس الدين محمد بن أحمد الخطيب الشربيني ،ت٩٧٧هـ

ط: دار الكتب العلمية ـبيروت

٠٠السراجية : انظر: الفتاوى السراجية

١٨٥ـ السراجي في الميراث(السراجية): لسراج الدين أبي طاهر محمد بن محمد بن عبد الرشيد السجاوندى ،ت نحو ٦٠٠هـ

ط : قديمي كتب خانه كراتشي باكستان

١٨٦ـ السنة : لمَرْوَزي وهو أبو عبد الله محمد بن نصر المروزى ،ت٢٩٤هـ

ط: مؤسسة الكتب الثقافية ، بيروت ـالأولى ١٤٠٨هـ

١٨٧ـ سنن ابن ماجه : لأبي عبد الله محمد بن يزيد القزويني ،ت٢٧٣هـ تحقيق : محمد فواد عبد الباقي

ط: دار الفكر ـبيروت ـ

١٨٨ـ سنن أبي داؤد: لأبي داؤد سليمان بن الأشعث السّجستاني ،ت٢٧٥هـ

١٨٩ـ سنن الترمذي : لأبي عيسى محمد بن عيسى بن سَوْرة الترمذي ،ت٢٧٩هـ

١٩٠ـ سنن الدار قطني : لأبي الحسن علي بن عمر بن أحمد البغدادي الدار قطني ،ت٣٨٥هـ

١٩١ـ سنن الدارمي (مسند الدارمي): لأبي محمد عبد الله بن عبد الرحمن الدارمي ،ت٢٥٥هـ

١٩٢ـ سنن سعيد بن منصور : لأبي عثمان سعيد بن منصور بن شعبة الخراساني الجوز جاني ،ت٢٢٧هـ

١٩٣ـ **السنن الصغرى** : للبيهقي وهو أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي ،ت٤٥٨هـ

١٩٤ـ **السنن الكبرى** : للبيهقي ـ المذكور ـ أي أبي بكر أحمد بن الحسين بن علي ،ت٤٥٨هـ

١٩٥ـ **السنن الكبرى** : للنسائي وهو أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني ،ت٣٠٣هـ

١٩٦ـ **السنن المأثورة للشافعي** : لأبي إبراهيم إسماعيل بن يحيى بن إسماعيل المزني ،ت٢٦٤هـ

١٩٧ـ **سنن النسائي (المجتبى)**: لأبي عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني ،ت٣٠٣هـ

١٩٨ـ **السيَر** : لأبي اسحق الفزاري وهو أبو إسحاق إبراهيم بن محمد بن الحارث الفزاري ،ت١٨٨هـ تحقيق : فاروق حمادة

ط: مؤسسة الرسالة بيروت ـ الأولى ١٩٨٧م

١٩٩ـ **سير أعلام النبلاء** : للذهبي وهو شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد الذهبي ،ت٧٤٨هـ تجقيق : مجموعة من المحققين باشراف الشيخ شعيب الأرنووط

ط: مؤسسة الرسالة بيروت ـ الثالثة ١٤٠٥هـ

٢٠٠ـ **السيل الجرار المتدفق على حدائق الأزهار** : لمحمد بن علي بن محمد الشوكاني اليمني ،ت١٢٥٠هـ

......ش......

٢٠١ـ **شرح ابن ماجه .الإعلام بسنته عليه السلام .** : لمغلطاى وهو أبو عبد الله علاء الدين مغلطاى بن قليج بن عبد الله الحنفي ،ت٧٦٢هـ تحقيق : كامل عويضة

ط: مكتبة نزار مصطفى الباز ـ المملكة العربية السعودية ـ الأولى ١٤١٩هـ

٢٠٢ـ **شرح ابن ملك .تعليقا على مجمع البحرين .** : لعبد اللطيف بن عبد العزيز الكرماني ،المعروف بابن ملك ،ت٨٠١هـ

ط: المكتبة الإسلامية كوئته باكستان ـ دون طبعة وتاريخ

٢٠٣ـ **شرح أبي داؤد** : للعيني وهو بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد الحنفي العيني ،ت٨٥٥هـ تحقيق : أبو المنذر خالد بن إبراهيم المصري

ط: مكتبة الرشد الرياض ـ الأولى ١٤٢٠هـ

٢٠٤ـ **شرح "التبصرة والتذكرة / ألفية العراقي"**: للعراقي نفسه وهو أبو الفضل زين الدين عبد الرحيم بن الحسين العراقي ،ت٨٠٦هـ تحقيق :عبد اللطيف الهميم ـ ماهر ياسين فحل

ط: دار الكتب العلمية بيروت ـ لبنان ـ الأولى، ١٤٢٣هـ

٢٠٥ـ شرح التلويح على التوضيح : لسعد الدين مسعود بن عمر التفتازاني ،ت٧٩٣هـ

٢٠٦ـ شرح السنة : للبغوي وهو محي السنة ،أبو محمد الحسين بن مسعود ،ت٥١٦هـ تحقيق : شعيب الأرناؤوط ، محمد زهير الشاويش

ط: المكتب الإسلامي ـ دمشق بيروت ـ الثانية ١٤٠٣هـ

٢٠٧ـ شرح شرح نخبة الفِكَر في مصطلح أهل الأثر : للملا علي القاري وهو الملا نور الدين أبو الحسن علي بن سلطان محمد القاري الهروي الحنفي ،ت١٠١٤هـ تحقيق و تعليق: محمد نزار تميم وهيثم نزار تميم

ط: دار الأرقم ،بيروت ـ

٢٠٨ـ شرح صحيح البخاري : لابن بطال أبي الحسن علي بن خلف بن عبد الملك ،ت٤٤٩هـ تحقيق : أبو تميم ياسر بن إبراهيم ـ

ط: مكتبة الرشد ـ الرياض ،السعودية ـ الثانية ١٤٢٣هـ

٢٠٩ـ شرح الطائي على كنز الدقائق (المسمى بـ"توفيق الرحمن بشرح كنز دقائق البيان") مطبوع على هامش رمز الحقائق: لمصطفى بن محمد بن يونس الطائي المصري ،ت١١٩٢هـ

ط: ادارة القرآن و العلوم الإسلامية كراتشي باكستان

٢١٠ـ شرح عقود رسم المفتي : لمحمد أمين بن عمر ،المعروف بابن عابدين الشامي ،ت١٢٥٢هـ

ط: المكتبة الحقانية ملتان باكستان

٠٠٠ـ شرح العيني على الكنز : انظر: رمز الحقائق شرح كنز الدقائق

٠٠٠ـ شرح الغرر : انظر : درر الحكام شرح غرر الأحكام

٢١١ـ شرح القواعد الفقهية : لأحمد بن الشيخ محمد الزرقا ،ت١٣٥٧هـ

ط: دار القلم دمشق ،سوريا

٢١٢ـ الشرح الكبير ـ لشيخ أحمد الدَّردِير ـ على مختصر خليل : الدَّردِير هو أبو البركات أحمد بن محمد بن أحمد العَدَوي المالكي ،ت١٢٠١هـ

ط: دار الفكر ،بيروت ـ دون طبعة و تاريخ

٢١٣ـ شرح الكوكب المنير : لتقي الدين أبي البقاء محمد بن أحمد الفتوحي المعروف بابن النجار ،ت٩٧٢هـ

تحقيق : محمد الزحيلي ونزيه حماد

ط: مكتبة العبيكان ـ الرياض ـ الثانية ١٤١٨هـ

٠٠٠ـ **شرح المجلة** : انظر: درر الحكام شرح مجلة الأحكام

٢١٤ـ **شرح مختصر خليل** : للخرشي وهو أبو عبد الله محمد بن عبد الله الخرشي المالكي ،ت١١٠١هـ

ط: دار الفكر ،بيروت ـ دون طبعة وتاريخ

٢١٥ـ **شرح مختصر الطحاوي** : للجصاص وهو أبو بكر أحمد بن علي الرازي الجصاص ،ت٣٧٠هـ

تحقيق : د ـ عصمت الله عنايت الله محمد

ط: المكتبة الكريمية كوئته باكستان دون طبعة وتاريخ

٢١٦ـ **شرح مشكل الآثار**: للطحاوي وهو أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الأزدي المصري ،ت٣٢١هـ

٢١٧ـ **شرح معاني الآثار**: للطحاوي المذكور أي أبي جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الأزدي المصري ،ت٣٢١هـ تحقيق : محمد زهري النجار

ط: دار الكتب العلمية ـ بيروت

٢١٨ـ **شرح ملا مسكين على كنز الدقائق** : لمعين الدين محمد بن عبد الله الهروي ،المعروف بملا مسكين ، ت بعد ٨١١هـ

٠٠٠ـ شرح الملتقى للعلائي : انظر: الدر المنتقى

٢١٩ـ **شرح النقاية ـ على هامش فتح باب العناية** ـ: لفخر الدين وهو محمود بن الياس الرومي المعروف في ما وراء النهر بفخر الدين ،ت بعد ٨٥١هـ

ط: ايج ـ ايم سعيد كمبني كراتشي ـ دون طبعة وتاريخ

٢٢٠ـ **شرح النقاية (فتح باب العناية بشرح النقاية)**: للملا علي القاري وهو الملا نور الدين أبو الحسن علي بن سلطان محمد القاري الهروي الحنفي ،ت ١٠١٤هـ

ط: ايج ـ ايم سعيد كمبني كراتشي ـ (مجلدان) دون طبعة وتاريخ

٢٢١ـ **شرح " النكت للسَّرَخْسِي"** : لأبي نصر العتابي وهو زين الدين أبو نصر أحمد بن محمد العتابي البخاري الحنفي ،ت٥٨٦هـ تحقيق : أبو الوفاء الأفغاني

ط: عالم الكتب ، بيروت ـ الأولى ١٤٠٦هـ

٢٢٢ـ شرح النووي على مسلم (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج): لأبي زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي، ت٦٧٦هـ

ط: دار إحياء التراث العربي ـ بيروت ـ الثانية ١٣٩٢هـ

٢٢٣ـ شرح الوقاية: لصاحب "النقاية" صدر الشريعة الأصغر عبيد الله بن مسعود، ت٧٤٧هـ

ط: المكتبة الامدادية ملتان باكستان (مجلدان، أربعه أجزاء)دون طبعة وتاريخ

٢٢٤ـ الشريفية شرح السراجية: لشريف الدين علي بن محمد الجرجاني، ت٨١٦هـ

ط: المكتبة الحبيبية كوئته باكستان

٢٢٥ـ شعب الإيمان: للبيهقي وهو أبو بكر أحمد بن الحسين الخراساني، ت٤٥٨هـ

٢٢٦ـ الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية: للجوهري وهو أبو نصر إسماعيل بن حماد الجوهري الفارابي ت٣٩٣هـ.

ط: دار العلم للملايين، بيروت ـ

٢٢٧ـ صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان: لأبي حاتم محمد بن حبان البُستي، ت ٣٥٤هـ تحقيق: شعيب الأرنؤوط

ط: مؤسسة الرسالة ـ بيروت

٢٢٨ـ صحيح ابن خزيمة: لأبي بكر محمد بن إسحاق بن خزيمة النسيابوري، ت٣١١هـ تحقيق: د ـ محمد مصطفى الأعظمي

ط: المكتب الإسلامي، بيروت ـ ١٣٩٠هـ

٢٢٩ـ صحيح البخاري (الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله ﷺ وسننه وأيامه): لأبي عبد الله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم الجعفي البخاري ت٢٥٦هـ

٢٣٠ـ صحيح مسلم (المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل الى رسول الله ﷺ): لأبي الحسن مسلم بن الحجاج القشيري النيسابوري، ت٢٦١هـ

٢٣١ـ صفوة التفاسير: لمحمد علي الصابوني ـ حفظه الله تعالى

ط: دار الصابوني للطبعة والنشر والتوزيع ـ القاهرة ـ الأولى ١٤١٧هـ

......ض......

٢٣٢ـ **الضعفاء الصغير** : للبخاري وهو أبو عبد الله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم الجعفي البخاري ت٢٥٦هـ

تحقيق : محمود إبراهيم زايد

ط: دار الوعى ، حلب ـ الأولى ،١٣٩٦هـ

٢٣٣ـ **الضعفاء الكبير** : للعقيلي وهو أبو جعفر محمد بن عمرو العقيلي المكي ،ت٣٢٢هـ تحقيق : عبد المعطي أمين قلعجي

ط: دار المكتبة العلمية بيروت ـ الأولى ،١٤٠٤هـ

٢٣٤ـ **الضعفاء والمتروكون** : لابن الجوزي وهو جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد الجوزي ،ت٥٩٧هـ تحقيق : عبد الله القاضي

ط: دار الكتب العلمية بيروت ـ الأولى ١٤٠٦هـ

٢٣٥ـ **الضعفاء والمتروكون** : للنسائي وهو أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب الخراساني النسائي ،ت٣٠٣هـ

تحقيق: محمد إبراهيم زايد

ط: دار الوعى ، حلب ـ الأولى ١٣٦٩هـ

٢٣٦ـ **الضوء اللامع لأهل القرن التاسع** : للسخاوي وهو شمس الدين أبو الخير محمد بن عبد الرحمن السخاوي ،ت٩٠٢هـ

ط: منشورات دار مكتبة الحياة ـ بيروت

......ط......

٢٣٧ـ **الطبقات السَّنِيَّة في تراجم الحنفية** : للغزي وهو تقي الدين بن عبد القادر التميمي الغزي ،ت١٠١٠هـ

٢٣٨ـ **الطبقات الكبرى** : لابن سعد وهو أبو عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي بالولاء البصري ،ت٢٣٠هـ

٢٣٩ـ **طرح التثريب في شرح التقريب (والتقريب هوتقريب الأسانيد وترتيب المسانيد)**: لزين الدين ، وولي الدين ـ العراقيين ـ ؛ بأن بداء في تاليفه أبو الفضل زين الدين عبد الرحيم العراقي و توفي سنة ٨٠٦هـ قبل إكماله . فأكمله ابنه أبو زرعة ولي الدين أحمد بن عبد الرحيم العراقي ت٨٣٢هـ

ط: الطبعة المصرية القديمة ثم صوَّرَتْها در احياء التراث العربي

٢٤٠ـ **طِلبة الطَّلَبة في الاصطلاحات الفقهية** : لنجم الدين أبي حفص عمر بن محمد النسفي ،ت٥٣٧هـ

ضبط وتعليق : خالد عبد الرحمن العك

ط: قديمي كتب خانه كراتشي ـ دون طبعة وتاريخ

......ظ......

٢٤١ ـ ظفر الأماني بشرح مختصر السيد الشريف الجرجاني : لأبي الحسنات محمد عبد الحي بن محمد عبد الحليم الأنصاري اللكنوي الهندي ، ت ١٣٠٤هـ اعتنى به : عبد الفتاح أبو غدة

ط: مكتب المطبوعات الإسلامية حلب ـ الثالثة ١٤١٦هـ

......ع......

٢٤٢ ـ العرف الشذي شرح سنن الترمذي : للكشميري وهو محمد انور شاه بن معظم شاه الكشميري الهندي ، ت ١٣٥٣هـ

٢٤٣ ـ عقود الجواهر المنيفة في أدلة مذهب الإمام أبي حنيفة : لأبي الفيض ، محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسيني ،الملقب بمرتضى الزَّبيدي ،ت ١٢٠٥هـ

٢٤٤ ـ العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية : لإبن عابدين ، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز الشامي ،ت ١٢٥٢هـ

٢٤٥ ـ علم أصول الفقة : لعبد الوهاب خلّاف ،ت ١٣٧٥هـ

ط: مكتبة الدعوة شباب الأزهر

٢٤٦ ـ عمدة الرعاية ـ حاشية شرح الوقاية ـ : لأبي الحسنات محمد عبد الحي بن محمد عبد الحليم اللكنوي ،ت ١٣٠٤هـ

ط: المكتبة المدادية ملتان باكستان

٢٤٧ ـ عمدة القاري شرح صحيح البخاري : للعيني وهو بدرالدين أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى ،ت ٨٥٥هـ

٢٤٨ ـ عمدة الناظر على الأشباه والنظائر : لأبي السعود السيد محمد الحسيني ،ت ١١٧٢هـ

٢٤٩ ـ العناية شرح الهداية ـ المذيلة بفتح القدير ـ : للبابرتي وهو اكمل الدين أبو عبد الله محمد بن محمد بن محمود الرومي ،ت ٧٨٦هـ

ط: المكتبة الرشيدية كوئته باكستان (طبعة جديدة، ١٠ مجلدات)

٢٥٠ـ عون المعبود شرح سنن أبى داؤد : لأبى الطيب شمس الحق محمد بن على العظيم آبادى، ت ١٣٢٩هـ

ط: دارالكتب العلمية ، بيروت ـ الثانية ١٤١٥هـ

...... غ ......

٢٥١ـ غاية المقصد فى زوائد المسند : لأبى الحسن نور الدين على بن أبى بكر بن سليمان الهيثمى ،ت٨٠٧هـ

٢٥٢ـ غاية الوصول فى شرح لب الأصول : لزين الدين أبى يحيىٰ زكريا بن محمد الأنصارى ، السنيكى ،ت٩٢٦هـ

٠٠٠ـ غرائب القرآن ورغائب الفرقان : انظر: تفسير النيسابورى

٢٥٣ـ الغرة المنيفة فى تحقيق بعض مسائل الإمام أبى حنيفة : لسراج الدين أبى حفص عمر بن إسحاق بن أحمد الهندى الغزنوى الحنفى ،ت٧٧٣هـ

ط: مؤسسة الكتب الثقافية ـالأولى ١٤٠٦هـ

٢٥٤ـ غرر الأحكام : لمحمد بن فرامرز بن على الشهير بملاخسرو ـت ٨٨٥هـ

٢٥٥ـ غريب الحديث : لابن الجوزى وهو جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمن بن على بن محمد الجوزى ،ت٥٩٧هـ تحقيق : الدكتور عبد المعطى أمين القلعجى

ط: دار الكتب العلمية بيروت لبنان ـالأولى ١٤٠٥هـ

٢٥٦ـ غريب الحديث : لابن سلّام وهو أبو عُبيد القاسم بن سلام بن عبد الله الهروى البغدادى ،ت٢٢٤هـ

تحقيق : د ـ محمد عبد المعيد خان

ط: دائرة المعارف العثمانية ،حيدر آباد ،الدكن (الهند) الأولى ١٣٨٤هـ

٢٥٧ـ غريب الحديث : لابن قتيبة وهو أبو محمد عبد الله بن مسلم بن قتيبة الدينورى ،ت ٢٧٦هـ

تحقيق : ـدـ عبد الله الجبورى

ط: مطبعة العانى بغداد ـالأولى ١٣٩٧هـ

٢٥٨ـ غريب الحديث : للحربى وهو أبو إسحاق إبراهيم بن إسحاق الحربى ،ت ٢٨٥هـ تحقيق : دـ سليمان إبراهيم محمد العايد

ط: جامعة أم القرى ،مكة المكرمة ـالأولى ١٤٠٥هـ

٢٥٩ـ غمز عيون البصائر فى شرح الأشباه والنظائر : للحموى وهو شهاب الدين أبو العباس أحمد بن محمد مكى

الحسيني الحموى الحنفي ،ت ١٠٩٨هـ

٢٦٠ـ **غنية المستملي في شرح منية المصلي .المعروف بـ"الحلبي الكبيري"** . : لإبراهيم بن محمد الحلبي ،ت ٩٥٦هـ

ط: المكتبه النعمانية كوئته باكستان

٢٦١ـ **غواص البحرين في ميزان الشرحين .مطبوع على هامش جامع الرموز** .: لفخر الدين بن إبراهيم أفندى الغزاني

ط: ايج ـايم سعيد كمبني كراتشي باكستان ـ دون طبعة وتاريخ

......ف......

٢٦٢ـ **فتاوى ابن عليش** (فتح العلي المالك في الفتوى على مذهب الإمام مالك): لأبي عبد الله محمد بن أحمد بن محمد عليش المالكي ،ت ١٢٩٩هـ

ط: دار المعرفة بيروت ـ لبنان ـبدون بطعة وبدون تاريخ

٢٦٣ـ **الفتاوى البزازية ـعلى هامش الفتاوى الهندية ، من جزئها الرابع الى الجزء السادس** ـ: لحافظ الدين محمد بن محمد بن شهاب ، المعروف بابن البزاز الكردري ،الحنفي ،ت ٨٢٧هـ

ط: المكتبة الرشيدية كوئته ، مكتبه ماجديه ،ـ طوغى رود كوئته باكستان ـ الثانية ١٤٠٣هـ

٢٦٤ـ **الفتاوى التاتار خانيه /التاترخانيه** : لعالم بن العلاء الأنصارى الدهلوى ، الهندى ،الحنفي ،ت ٨٧٦هـ

تحقيق : القاضي سجاد حسين

ط: قديمي كتب خانه كراتشي باكشتان

٢٥٣ـ **الفتاوى الخانية (فتاوى قاضي خان)ـعلى هامش الفتاوى الهندية، من جزء ها الأول الى الجزء الثالث** ـ : لحسن بن منصور الأُوزُجَندى المعروف بـ"قاضي فخر الدين خان " ،ت ٥٩٢هـ

ط: المكتبة الرشيدية كوئته ، مكتبه ماجديه ،ـ طوغى رود كوئته باكستان ـ الثانية ١٤٠٣هـ

٢٥٤ـ **الفتاوى الخيرية لنفع البرية ـ على هامش تنقيح الفتاوى الحامدية** ـ : لخير الدين بن أحمد بن على الأيوبي الحنفي المعروف بـ"خير الدين الرملي" ،ت ١٠٨١هـ

ط: مكتبة يوسفية ـكانسي رود كوئته باكستان ـ دون طبعة وتاريخ

٢٥٥ـ **الفتاوى السراجية** : لأبي محمد سراج الدين على بن عثمان الأوشي ،ت ٥٧٥هـ

ط: ايج ـ ايم سعيد كمبنى كراتشي باكستان ـ دون طبعة وتاريخ

٢٥٦ ـ فتاوى السُغدى (النتف فى الفتاوى): لأبى الحسن على بن الحسين بن محمد السُغدى ، الحنفى ،ت ٤٦١هـ

٠٠٠ ـ الفتاوى الشامية /فتاوى الشامى : انظر : رد المحتار

٢٥٧ ـ الفتاوى الفقهية الكبرى : لابن حجر الهيتمى وهو شيخ الإسلام أبو العباس أحمد بن محمد بن على بن حجر الهيتمى ـ بالتاء المثناة الفوقانية ـ ت ٩٧٤هـ

ط: دار الفكر بيروت لبنان ـ

٢٥٨ ـ فتاوى اللكنوى (نفع المفتى والسائل بجمع متفرقات المسائل): لأبى الحسنات محمد عبد الحى بن محمد عبد الحليم الأنصارى اللكنوى الهندى ،ت ١٣٠٤هـ تحقيق : صلاح محمد أبو الحاج

ط: مكتبة الحرمين الشريفين ـ كانسى رود كوئته ـ باكستان (مصوَّرة من دار ابن حزم بيروت ، الأولى ١٤٢٢هـ)

٢٥٩ ـ فتاوى النوازل : لأبى الليث السمرقندى وهو نصر بن محمد بن إبراهيم ،ت ٣٧٥هـ تحقيق : السيد يوسف أحمد

ط: المكتبة الحقانية بشاور باكستان ـ دون طبعة وتاريخ

٢٦٠ ـ الفتاوى الولوالجية : لأبى الفتح ظهير الدين عبد الرشيد بن أبى حنيفة نعمان بن عبد الرزاق الولوالجى ،ت بعد ٥٤٠هـ تحقيق وتعليق : مقداد بن موسى فريوى

ط: دار الكتب العلمية بيروت لبنان ، الأولى ١٤٢٤هـ

٢٦١ ـ الفتاوى الهندية /العالكيرية ـ بالكاف الفارسية ـ: للَجنة من علماء الهند (١)

ط: المكتبة الرشيدية كوئته ،مكتبة ماجديه ـ طوغى رود ـ كوئته باكستان ـ الثانية ١٤٠٣هـ

---

(١) الفتاوى العالمكيرية نسبة الى السلطان "عالمكير" ـ من سلاطين الهند ـ حيث ولى الشيخ نظام الدين البُرهانفورى بتدوينها ، وجعل تحت امرته اربعة ، هم : القاضى محمد حسين الجونفورى ، والشيخ على اكبر الحسينى اسعد الله خانى ، والشيخ حامد بن أبى الحامد الجونفورى، والمفتى محمد اكرم الحنفى اللاهورى ، وكان يعمل معهم عشرات العلماء، منهم : رضى الدين البهاكلفورى ،والشيخ عبد الرحيم بن وجيه الدين الدهلوى ، والمفتى وجيه الدين الكوفاموى ، والشيخ أحمد بن المنصور الكوفاموى الخطيب ، وأبو البركات بن حسان الدين الدهلوى والشيخ محمد جميل بن عبد الجليل الجونفورى ، ومولانا أبو الخير التتوى السندى ، ومولانا نظام الدين بن نور محمد التتورى السندى ، والشيخ محمد سعيد بن قطب السّهالوى ، والمفتى عبد الصمد الجونفورى ، ومولانا جلال الدين المجهلى شهرى ، والقاضى عصمة الله بن عبد القادر اللكنوى ، والقاضى محمد دولة بن يعقوب الفتحفورى ، والشيخ محمد غوث الكاكوروى ، والسيد عبد الفتاح بن الهاشم الصمدى ،[انظر : حاشية فتاوى اللكنوى (ص: ١٩٩) نقلا عن "معارف العوارف" (ص: ١١٠)]

٠٠٠ـ فتح باب العناية بشرح النقاية : انظر: شرح النقاية للملا على القارى

٢٦٢ـ فتح البارى شرح صحيح البخارى : لابن حجر وهو شهاب الدين أبو الفضل أحمد بن على بن حجر العسقلانى الشافعى ،ت٨٥٢هـ

٢٦٣ـ فتح البارى شرح صحيح البخارى : لابن رجب وهو زين الدين عبد الرحمن بن أحمد بن رجب الدمشقى الحنبلى ،ت ٧٩٥هـ

٢٦٤ـ فتح الباقى بشرح ألفية العراقى : لزين الدين أبى يحيى زكريا بن محمد بن زكريا الأنصارى ،ت ٩٢٦هـ

تحقيق : عبد اللطيف هميم ـماهر الفحل

ط: دار الكتب العلمية ـ الأولى ١٤٢٢هـ

٢٦٥ـ فتح الرحمن فى اثبات مذهب النعمان (أنوار السنة لرواد الجنة): لعبد الحق بن سيف الدين الدهلوى ت١٠٥٢هـ تحقيق : نظام الدين الأعظمى الهندى

ط: عتيق اكيدمى (اكاديمى)ملتان باكستان ـدون طبعة و تاريخ

٢٦٦ـ فتح القدير الجامع بين فنّي الرواية والدراية من علم التفسير : لمحمد بن على بن محمد بن عبد الله الشوكانى اليمنى ،ت ١٢٥٠هـ

الناشر : دار ابن كثير ، دار الكلم الطيب دمشق ـبيروت ـ الأولى ١٤١٤هـ

٢٦٧ـ فتح القدير للعاجز الفقير ـ شرح الهداية ـ: لكمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسى المعروف بابن الهمام ،ت ٦٨١هـ تعليق و تخريج : عبد الرزاق غالب المهدى

ط: المكتبة الرشيدية كوئته باكستان (طبعة جديدة ، ١٠مجلدات) دون طبعة و تاريخ

٢٦٨ـ فتح الله المعين ـ على شرح ملا مسكين لكنز الدقائق ـ : لأبى السعد أحمد بن عمر الأسقاطى ، المصرى الحنفى ،ت ١١٥٩هـ

ط: أيج ـ ايم سعيد كمبنى كراتشى باكستان

٢٦٩ـ فتح المغيث شرح ألفية الحديث : للسخاوى وهو شمس الدين أبو الخير محمد بن عبد الرحمن بن محمد ،ت ٩٠٢هـ

ط: دار الكتب العلمية ـ لبنان ،الأولى ١٤٠٣هـ

٢٧٠ـ فتح الملهم . بشرح صحيح مسلم . : لـ"فضل الله " المدعو بـ"شبير أحمد "بن فضل الرحمن العثمانى

الهندی ،ت ١٣٦٩هـ

ط: المكتبة الرشيدية ـ امام المسجد المقدس ـ كراتشي باكستان (طبعة قديمة ،٣مجلدات) ـ دون طبعة وتاريخ

٢٧١ ـ الفصول في الأصول : للجصاص وهو أبو بكر أحمد بن علی الرازی ،ت ٣٧٠هـ تحقيق : د ـ عجيل جاسم النشمی

ط: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية دولة الكويت ـ الأولى

٢٧٢ ـ الفقه الإسلامی وأدلته : للدكتور وهبة الزحيلی ـ حفظه الله تعالى

ط: المكتبة الرشيدية كوئته باكستان ـ طبعة مصوّرة من دار الفكر بدمشق (١٠مجلدات+ مجلد للفهارس)

٢٧٣ ـ الفقه الحنفی في ثوبه الجديد : لعبد الحميد محمود طهماز ـحفظه الله تعالى

ط: المكتبة الحقانية ـ كانسی رود كوئته باكستان ، دون طبعة وتاريخ

٢٧٤ ـ الفقه الحنفی وأدلته : لأسعد محمد سعيد الصاغرجی.

ط: ادارة القرآن والعلوم الإسلاميه كراتشي باكستان ـ الأولى ١٤٢١هـ

٢٧٥ ـ فقه السنة : لسيد سابق ،ت ١٤٢٠هـ

ط: دار الكتاب العربی بيروت ـ لبنان ـ الثالثة ١٣٩٧هـ

٢٧٦ ـ الفقه على المذاهب الأربعة : لعبد الرحمن بن محمد عوض الجزيری ، ت ١٣٦٠هـ

٢٧٧ ـ الفقه النافع : لناصر الدين أبی القاسم محمد بن يوسف الحسنی السمرقندی ، ت ٥٥٦هـ تحقيق : الدكتور إبراهيم بن محمد بن إبراهيم العبّود

ط: مكتبة العبيكان ـ الرياض ـ الأولى ١٤٢١هـ

٢٧٨ ـ الفوائد البهية في تراجم الحنفية : للكنوی وهو أبو الحسنات محمد عبد الحی بن محمد عبد الحليم الأنصاری الهندی ،ت ١٣٠٤هـ تعليق : السيد محمد بدر الدين أبو فراس

ط: قديمی كتب خانه كراتشي باكستان

٢٧٩ ـ الفواكه الدوانی على رسالة ابن أبی زيد القيروانی : للنفراوی وهو شهاب الدين أحمد بن غانم ـ أو غنيم ـ النفراوی المالكی ،ت ١١٢٦هـ

ط: دار الفكر ، بدون طبعة ١٤١٥هـ

٢٨٠ ـ فيض الباری ـ شرح صحيح البخاری ـ : للكشميری وهو محمد انور شاه بن معظم شاه الهندی ،ت

١٣٥٣هـ

٢٨١ ـ **فيض القدير شرح الجامع الصغير :** للمُناوي وهو زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين المناوي القاهري ،ت ١٠٣١هـ

ط: المكتبة التجارية الكبرى ـ مصر ـ الأولى ١٣٥٦هـ

......ق......

٢٨٢ ـ **القاموس المحيط :** لمجد الدين أبي طاهر محمد بن يعقوب الفيروز آبادي،ت ٨١٧هـ

تحقيق : مكتب تحقيق التراث في مؤسسة الرسالة ـ اشراف : محمد نعيم العرقسوسي

ط: مؤسسة الرسالة بيروت ـ لبنان ـ الثامنة ١٤٢٦هـ

٢٨٣ ـ **القرآن الكريم :** كلام الله تعالى

٢٨٤ ـ **قرة عيون الأخيار لتكملة رد المحتار . مطبوعة بآخر رد المحتار ـ:** لعلاء الدين محمد بن "محمد أمين المعروف بابن عابدين "بن عمر الشامي ،ت١٣٠٦هـ تحقيق : عبد المجيد طعمه حلبي

ط: المكتبة الرشيدية كوئته باكستان (طبعة جديدة ـ ١٠ مجلدات لرد المحتار ومجلدان لتكملته)دون طبعة وتاريخ

٢٨٥ ـ **قفو الأثر في صفوة علوم الأثر :** لرضي الدين محمد بن إبراهيم بن يوسف الحنفي المعروف بابن الحنبلي ،ت ٩٧١هـ تحقيق : عبد الفتاح أبو غده

ط: مكتبة المطبوعات الاسلامية ـ حلب ـ الثانية ١٤٠٨هـ

٢٨٦ ـ **قلائد المنظوم . مطبوع مع شرحه الرحيق المختوم ، في ضمن مجموعة الرسائل لابن عابدين ، ـ:** لعبد الرحمن بن إبراهيم بن أحمد الحنفي الدمشقي المعروف بابن عبد الرزاق ،ت ١١٣٨هـ

ط: المكتبة العثمانية كوئته باكستان

٢٨٧ ـ **قواطع الأدلة في الأصول :** لأبي المظفر منصور بن محمد المروزي السمعاني ،ت ٤٨٩هـ تحقيق : محمد حسن محمد حسن إسماعيل

ط: دار الكتب العلمية بيروت ـلبنان ـ الأولى، ١٤١٨هـ

٢٨٨ ـ **قواعد التحديث من فنون مصطلح الحديث :** لمحمد جمال الدين بن محمد سعيد بن قاسم الحلاق القاسمي ،ت١٣٣٢هـ

٢٨٩ ـ **قواعد الفقه :** لمحمد عميم الإحسان المجددي البركتي

۲۹۰ـقواعد فى علوم الحديث .مقدمة اعلاء السنن .: لظفر أحمد العثمانى التهانوى ،ت١٣٩٤هـ
تحقيق : عبد الفتاح أبو غده
ط: ادارة القرآن والعلوم الإسلاميه ـ كراتشي ـ الثالثة ١٤١٥هـ

۲۹۱ـالقواعد والضوابط الفقهيه المتضمنة للتيسير ـ من كتب المذاهب الأربعة ـ : لعبد الرحمن بن صالح عبد اللطيف

۲۹۲ـالقول الراجح (ترجيح الراجح بالرواية فى مسائل "الهداية"): لغلام قادر النعماني ـ حفظه الله تعالى
ط: اهتم بطباعته ونشره رياض الله الحقاني وغازى خان (هنكو) ـ الطبعة السادسة ـ بدون سنة

......ك......

۲۹۳ـ الكاشف فى معرفة من له رواية فى الكتب الستة : للذهبي وهو شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان ،ت ٧٤٨هـ تحقيق: محمد عوامه أحمد محمد نمر الخطيب
ط: دار القبله للثقافة الإسلامية ـ جدة ـالأولى ١٤١٣هـ

٢٩٤ـ الكافى . شرح البزدوى . : لحسام الدين حسين بن على بن حجاج السغناقى ، ت ٧١٤هـ تحقيق : فخر الدين سيد محمد قانت
ط: مكتبة الرشد ـ الرياض ـ الأولى ١٤٢٢هـ

٢٩٥ـالكافى فى فقه الإمام أحمد : لأبي محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد الشهير بابن قدامة المقدسى ،ت ٦٢٠هـ

٢٩٦ـالكافى فى فقه أهل المدينة : لابن عبد البر وهو أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر النمرى القرطبى ،ت ٤٦٣هـ تحقيق : محمد محمد أحيد ولد ماديك الموريتانى
ط: مكتبة الرياض الحديثة الرياض ـ المملكة العربية السعودية ـ الثانية ،١٤٠٠هـ

۲۹۷ـالكافى فى الفقه الحنفى : لوهبى سليمان غاوجى ـ حفظه الله تعالى
ط: مؤسسة الرسالة بيروت لبنان

۲۹۸ـالكامل فى ضعفاء الرجال : لابن عدى وهو أبو أحمد عبد الله بن عدى الجرجانى ،ت ٣٦٥هـ
تحقيق : يحيى مختار غزاوى
ط: دار الفكر ـ بيروت ـ الثالثة ١٤٠٩هـ

٠٠٠ـ **كتاب الآثار برواية أبي يوسف** : انظر : الآثار

٠٠٠ـ **كتاب الآثار برواية الشيباني** : انظر : الآثار

٠٠٠ـ **كتاب الأم** : انظر : الأم

٠٠٠ـ **كتاب الأموال** : انظر : الأموال

٠٠٠ـ **كتاب الثقات** : انظر : الثقات

٠٠٠ـ **كتاب الحجة على أهل مدينة** : انظر : الحجة على أهل المدينة

٠٠٠ـ **كتاب الضعفاء** : للنسائي : انظر : الضعفاء والمتروكون

٠٠٠ـ **كتاب الضعفاء الصغير**: للبخاري ، انظر : الضعفاء الصغير

٢٩٩ـ **كتاب الفقه على المذاهب الأربعة** :انظر : الفقه على المذاهب الأربعة

٣٠٠ـ **كشاف اصطلاحات الفنون** : لمحمد على بن على بن محمد التهانوى، ت بعد ١١٥٨هـ

ط : المكتبة النعمانية كونته باكستان ـ دون طبعة وتاريخ

٣٠١ـ **الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل (تفسير الكشاف)** : للزمخشري وهو أبو القاسم جار الله محمود بن عمرو بن أحمد الزمخشري ،ت٥٣٨هـ تحقيق : عبد الرزاق المهدى

ط : دار الكتاب العربي بيروت

٣٠٢ـ **كشف الأسرار شرح أصول البزدوي** : لعلاء الدين عبد العزيز بن أحمد بن محمد البخاري الحنفي ،ت ٧٣٠هـ

٣٠٣ـ **كشف الحقائق شرح كنز الدقائق**: لعبد الحكيم الأفغاني القندهاري ،ت ١٣٢٦هـ

ط: ادارة القرآن والعلوم الإسلاميه كراتشي باكستان ـ دون طبعة وتاريخ

٣٠٤ـ **كشف الخفاء ومُزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسِنَة الناس** : لإسماعيل بن محمد العجلوني الجراحي ،ت ١١٦٢هـ

٣٠٥ـ **كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون** : لـ"حاجي خليفه "وهو مصطفى بن عبد الله كاتب جلبي القسطنطيني ،ت ١٠٦٧هـ

ط: مكتبة المثنى ـ بغداد ـ ١٩٤١م

٣٠٦ـ **الكشف والبيان عن تفسير القرآن (تفسير الثعلبي)**: لأبي إسحاق أحمد بن محمد بن إبراهيم الثعلبي

،ت ٤٢٧هـ تحقيق : الإمام أبو محمد بن عاشور ـ مراجعة وتدقيق : الأستاذ نظير الساعدى

ط: دار احياء التراث العربى ، بيروت ـ لبنان ـ الأولى ١٤٢٢هـ

٣٠٧ـالكفاية ـ مطبوع مع فتح القدير ، فى آخر كل مجلده ـ: لجلال الدين بن شمس الدين الخُوارَزْمى الكرمانى ،ت ٤٩٠هـ

ط: المكتبة الرشيدية كوئته باكستان (طبعة جديدة ـ ١٠مجلدات) دون طبعة وتاريخ

٣٠٨ـكنز الدقائق : لأبى البركات عبد الله بن أحمد ، المعروف بحافظ الدين النسفى ،ت ٧١٠هـ

ط: المكتبة الامدادية ملتان باكستان ـ دون طبعة وتاريخ

٣٠٩ـكنز العُمّال فى سنن الأقوال والأفعال : لعلاء الدين على بن حسام الدين الهندى الشهير بالمتقى الهندى ،ت ٩٧٥هـ

٠٠٠ـكنز الوصول الى معرفة الأصول : انظر : أصول البزدوى

......ل......

٣١٠ـاللآلى المنثورة فى الأحاديث المشهورة: للزركشى وهو محمد بن عبد الله بن بهادر ،ت ٧٩٤هـ

ط: دار الكتب العلمية بيروت

٣١١ـاللباب فى الجمع بين السنة والكتاب : للمنبجى وهو جمال الدين أبو محمد على بن أبى يحيى زكريا بن مسعود الأنصارى الخزرجى ـت ٦٨٦هـ

٣١٢ـاللباب فى شرح الكتاب : للغنيمى الميدانى وهو عبد الغنى بن طالب الغنيمى الدمشقى الميدانى الحنفى ، ت ١٢٩٨هـ تعليق : عبد الرزاق المهدى

ط: قديمى كتب خانه كراتشى باكستان (مجلد واحد ،٣ أجزاء) دون طبعة وتاريخ

٣١٣ـ اللباب فى علوم الكتاب : لأبى حفص سراج الدين عمر بن على الحنبلى الدمشقى ،ت ٧٧٥هـ تحقيق : عادل أحمد عبد الموجود وعلى محمد معوض

ط: دار الكتب العلمية بيروت ـلبنان ـ الأولى، ١٤١٩هـ

٣١٤ـلسان الحكام فى معرفة الأحكام : لابن الشِّحْنة وهو لسان الدين أبو الوليد أحمد بن محمد الثقفى الحلبى ،ت ٨٨٢هـ

ط: البابى الحلبى ـ القاهرة ـ الثانية ، ١٣٩٣هـ

٣١٥ـ **لسان العرب** : لابن منظور الأفريقي وهو جمال الدين أبو الفضل محمد بن مكرم بن على الأنصارى الرويفعي الأفريقي ،ت ٧١١هـ

ط: دار صادر ـ بيروت

٣١٦ـ **اللؤلؤ والمرجان فيما اتفق عليه الشيخان:** لمحمد فؤاد بن عبد الباقي ،ت ١٣٨٨هـ

ط: دار الحديث القاهرة ـ ١٤٠٧هـ

.......م.......

٣١٧ـ **المؤطا** : لمالك بن انس بن مالك بن عامر الأصبحي المدنى ،ت ١٧٩هـ تحقيق: محمد مصطفى الأعظمى

ط: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان الأعمال الخيرية والإنسانية ـ أبو ظهبى ـ الأمارات ـ الأولى ١٤٢٥هـ

٣١٨ـ **المؤطا لمالک** : برواية محمد بن الحسن الشيبانى ،ت ١٨٩هـ تحقيق : تقى الدين الندوى

ط: دار القلم ـ دمشق ـ الأولى ١٤١٣هـ

٣١٩ـ **المؤطا لمالک** : برواية يحيى بن يحيى الليثى ،ت ٢٣٤هـ تحقيق : محمد فؤاد عبد الباقي

ط: دار احياء التراث العربى ـ مصر

٣٢٠ـ **المبسوط** : للسَرَخسي وهو شمس الائمة محمد بن أحمد بن أبى سهل السرخسى ،ت ٤٨٣هـ

٣٢١ـ **المبسوط (الأصل):** للشيبانى وهو أبو عبد الله محمد بن الحسن بن فرقد الشيبانى ،ت ١٨٩هـ

تحقيق : أبو الوفاء الأفغانى

ط: ادارة القرآن والعلوم الإسلاميه كراتشي باكستان

٣٢٢ـ **المجروحون من المحدثين والضعفاء والمتروكين** : لابن حبان وهو أبو حاتم محمد بن البُستى ، ت ٣٥٤هـ

تحقيق : محمود إبراهيم زايد

ط: دار الوعى ـ حلب ـ الأولى ١٣٩٦هـ

٣٢٣ـ **مجلة الأحكام العدلية** : للَجنة مكوّنة من عدة علماء وفقهاء فى الخلافة العثمانية ـ تحقيق: نجيب هواوينى

ط: نور محمد ، كارخانه تجارت كتب ،آرام باغ كراتشي باكستان

٣٢٤ـ **مجلة البحوث الإسلامية** : للرئاسة العامة لادارات البحوث العلمية والافتاء والدعوة والإرشاد بالمملكة العربية السعودية

٣٢٥ـمجلة مجمع الفقه الإسلامي : وهي مجلة معروفة تصدر عن مجمع الفقه الإسلامي التابع لمنظمة الموتمر الإسلامي

٣٢٦ـمجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر : لعبد الرحمن بن محمد بن سليمان الكليبولي المدعو بشيخي زاده والمعروف بداماد أفندى ،ت ١٠٧٨هـ

ط: مكتبة المنار كوئته باكستان ـ دون طبعة وتاريخ (وهي طبعة مصورة من دار الكتب العلمية بيروت ١٤١٩هـ)

٣٢٧ـمجمع البحرين وملتقى النيرين : لابن الساعاتي وهو مظفر الدين أحمد بن على ،ت ٦٩٤هـ تحقيق : الياس قبلان

ط: المكتبة الإسلامية ـ ميزان ماركيت ـ كوئته باكستان

٣٢٨ـمجمع الزوائد ومنبع الفوائد : للهيثمي وهو أبو الحسن نور الدين على بن أبي بكر بن سليمان ،ت ٨٠٧هـ

٣٢٩ـمجمع الضمانات : لأبي محمد غانم بن محمد البغدادى الحنفي ،ت ١٠٣٠هـ

٣٣٠ـالمجموع شرح المهذب (مع تكملة السبكى والمطيعى) : للنووى وهو أبو زكريا محيي الدين يحيي بن شرف النووى ،ت ٦٧٦هـ

ط: دار الفكر ـ بيروت ـ١٩٩٧م

٣٣١ـمجموع الفتاوى : لتقي الدين أبي العباس أحمد بن عبد الحليم المعروف بابن تيمية الحرانى ،ت ٧٢٨هـ

تحقيق : عبد الرحمن بن محمد بن قاسم

ط: مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف ـ المدينة النبوية زادها الله شرفا ١٤١٦هـ

٣٣٢ـمجموعة الفتاوى ـ مطبوعة على هامش خلاصة الفتاوى ـ: لأبي الحسنات محمد عبد الحيي بن محمد عبد الحليم الأنصارى اللكنوى الهندى ،ت ١٣٠٤هـ

ط: المكتبة الرشيدية ـ سركى رود ـ كوئته باكستان

٣٣٣ـالمحدّث الفاصل بين الراوى والواعي : للرامَهُرْمُزِي وهو أبو محمد الحسن بن عبد الرحمن بن خلاد الرامهرمزى الفارسي ،ت ٣٦٠هـ تحقيق : د ـ محمد عجاج الخطيب

ط: دار الفكر ـ بيروت ـ الثالثة ١٤٠٤هـ

٣٣٤ـالمحرر في الحديث : لشمس الدين محمد بن أحمد بن عبد الهادى الحنبلي ، ت ٧٤٤هـ تحقيق : يوسف عبد الرحمن المرعشلي ، محمد سليم إبراهيم سمارة ،جمال حمدى الذهبي

ط: دار المعرفة ـ بيروت لبنان ـ الثالثة ١٤٢١هـ

٣٣٥ـالمحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز (تفسير ابن عطية): لأبي محمد عبد الحق بن غالب بن عبد الرحمن بن تمام بن عطية الأندلسي المحاربي ،ت ٥٤٢هـ تحقيق : عبد السلام عبد الشافي محمد

ط: دار الكتب العلمية بيروت

٣٣٦ـالمحصول في علم الأصول : للرازي وهو أبو عبد الله محمد بن عمر الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري ،ت٦٠٦هـ دراسة وتحقيق : الدكتور طه جابر فياض العلواني

٣٣٧ـالمحلي بالآثار : لابن حزم وهو أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري ،ت ٤٥٦هـ

٣٣٨ـالمحيط البرهاني في الفقه النعماني : لأبي المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي ،ت٦١٦هـ

ط: دار احياء التراث العربي ـبيروت

٣٣٩ـالمحيط في اللغة : لأبي القاسم إسماعيل بن عباد بن العباس الطالقاني ،المشهور بالصاحب بن عباد ،ت ٣٨٥هـ تحقيق : الشيخ محمد حسن آل ياسين

ط: عالم الكتب بيروت ـ لبنان ـالأولى ١٤١٤هـ

٣٤٠ـالمختار للفتوى ـمطبوع مع شرحه الاختيار لتعليل المختار: لأبي الفضل الموصلي وهو مجد الدين عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي الحنفي ،ت٦٨٣هـ تحقيق:عبد اللطيف محمد عبد الرحمن ـ

ط: دار الكتب العلمية بيروت ـلبنان ـ الثالثة ١٤٢٦هـ

٣٤١ـمختار الصحاح: لزين الدين أبي عبد الله محمد بن أبي بكر بن عبد القادر الحنفي الرازي ،ت ٦٦٦هـ تحقيق : محمود خاطر

ط: مكتبة لبنان ناشرون ـبيروت

٣٤٢ـمختصر الأحكام ـ مستخرج الطوسي على جامع الترمذي : لأبي علي الحسن بن علي بن نصر الطوسي ،الملقب بكُرْدُوش ،ت ٣١٢هـ تحقيق : أنيس بن أحمد بن طاهر الأندونوسي

ط: مكتبة الغرباء الأثرية ـ المدينة المنورة زادها الله شرفا ـ الأولى ١٤١٥هـ

٣٤٣ـمختصر اختلاف العلماء : للطحاوي وهو أبو جعفر أحمد بن محمد الأزدي المصري ،ت ٣٢١هـ تحقيق

:عبد الله نذير أحمد

ط:دار البشائر الإسلامية ـ بيروت ـ الثانية،١٤١٧هـ

٣٤٤ـمختصر تفسير البغوى : لعبد الله ين أحمد بن على الزيد

ط: دار السلام للنشر والتوزيع ـ الرياض ـالأولى ١٤١٦هـ

٣٤٥ـمختصر خلافيات البيهقي : لشهاب الدين أبي العباس أحمد بن فرح الأشبيلي الشافعي ،ت ٦٩٩هـ

تحقيق : د ـ ذياب عبد الكريم ذياب عقال

ط: مكتبة الرشد الرياض ـالسعودية ـ الأولى ،١٤١٧هـ

. . . ـ مختصر الطحاوى مع شرحه للجصاص: انظر: شرح مختصر الطحاوى للجصاص

٣٤٦ـمختصر المقاصد الحسنة : للزرقاني وهو محمد بن عبد الباقي ١١٢٢هـ

٣٤٧ـ المخصّص: لابن سِيدَه وهو أبو الحسن على بن إسماعيل بن سيده المرسي ،ت ٤٥٨هـ تحقيق : خليل إبراهيم جفال

ط: دار احياء التراث العربي ـ بيروت ـالأولى ،١٤١٧هـ

٣٤٨ـالمدونة : لمالك بن انس ـ صاحب المذهب ـ الأصبحي المدنى ،ت١٧٩هـ

. . . ـ مدارك التنزيل وحقائق التاويل : انظر: تفسير النسَفى

٣٤٩ـالمراسيل : لأبي داود وهو سليمان بن الأشعث بن اسحق الأزدى السّجستاني ـ صاحب السنن ـ ،ت ٢٧٥هـ

٣٥٠ـمراقى الفلاح شرح نور الإيضاح ـ مطبوع مع حاشية الطحطاوى عليه ـ: لحسن بن عمار بن على الشرنبلالي المصرى الحنفى ،ت١٠٦٩هـ

ط: قديمى كتب خانه كراتشي باكستان

٣٥١ـمرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح : لأبي الحسن عبيدالله بن محمد عبد السلام المباركفورى ،ت ١٤١٤هـ

٣٥٢ـمرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح : لنور الدين أبي الحسن الملا على بن سلطان محمد ، الهروى القاري ،ت ١٠١٤هـ

٣٥٣ـالمسائل النفيسة الحسان فى مذهب أبي حنيفة النعمان : للعلامة محمد زعيتر

ط: الهيئة العلمية برباط أبي بكر الصديق رضي الله تعالى عنه للعلوم الشرعية بجامع دحمان كبير حديدة ـ يمن

٣٥٤ـمستخرج أبي عوانة : لأبي عوانة يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم النيسابوري الأسفراييني ،ت ٣١٦هـ

٣٥٥ـمستخلص الحقائق شرح كنز الدقائق: لإبراهيم بن محمد الشهير بإبراهيم القاري ، ت بعد ٩٠٧هـ

٣٥٦ـالمستدرك على الصحيحين : للحاكم وهو أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله النيسابوري المعروف بابن البيع ،ت ٤٠٥هـ تحقيق : مصطفى عبد القادر عطا

ط: دار الكتب العلمية ـ بيروت ـ الأولى ١٤١١هـ

٣٥٧ـمسند ابن الجعد: لعلي بن الجَعْد بن عبيد الجَوْهَري البغدادي ،ت ٢٣٠هـ تحقيق : عامر أحمد حيدر

ط: مؤسسة نادر ـ بيروت ـ الأولى ١٤١٠هـ

٣٥٨ـمسند أبي بكر الصديق : للمروزي وهو أبو بكر أحمد بن علي الأموي ،ت ٢٩٢هـ تحقيق : شعيب الأرناؤوط

ط: المكتب الإسلامي ـ بيروت

٣٥٩ـمسند أبي عوانة: لأبي عوانة يعقوب بن إسحاق الأسفرائني ،ت٣١٦هـ

ط : دار المعرفة ـ بيروت

٣٦٠ـمسند أحمد بن حنبل : لأبي عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني ،ت ٢٤١هـ

٣٦١ـمسند أسامة بن زيد (مسند الحب بن الحب): لأبي القاسم عبد الله بن محمد البغوي ،ت ٣١٧هـ تحقيق : حسن أمين بن المندوه

ط: دار الضياء ـ الرياض ـ الأولى ١٤٠٩هـ

٣٦٢ـمسند إسحاق بن راهويه: لأبي يعقوب إسحاق بن إبراهيم المروزي المعروف بـ " ابن راهويه " ت ٢٣٨هـ

تحقيق : د ـعبد الغفور بن عبد الحق البلوشي

ط: مكتبة الإيمان ـ المدينة المنورة زادها الله شرفا ـ الأولى ١٤١٢هـ

٣٦٣ـمسند الإمام الأعظم أبي حنيفة : برواية الحصكفي هو صدر الدين موسى بن زكريا الحصكفي ،ت ٦٥٠هـ

ط: قديمي كتب خانه كراتشي باكستان

٣٦٤ـمسند البزار: لأبي بكر أحمد بن عمرو العتكي المعروف بالبزار ،ت٢٩٢هـ

٣٦٥ـالمسند الجامع : لأبي الفضل السيد أبي المعاطي النوري ،ت ١٤٠١هـ

٣٦٦ـمسند الحميدي : لأبي بكر عبد الله بن الزبير الحميدي ،ت ٢١٩هـ تحقيق : حبيب الرحمن الأعظمي

ط: دار الكتب العلمية ، بيروت ـ مكتبة المتنبي القاهرة

٠٠٠ـ مسند الدارمي : انظر: سنن الدارمي

٣٦٧ـمسند الروياني : لأبي بكر محمد بن هارون الرُّوياني ،ت ٣٠٧هـ

تحقيق : أيمن علي أبو يماني

ط: مؤسسة قرطبة ـ القاهرة ـ الأولى ١٤١٦هـ

٣٦٨ـمسند السَّرَّاج : لأبي العباس محمد بن إسحاق النيسابوري المعروف بالسَّرَّاج،ت ٣١٣هـ تحقيق وتعليق: ارشاد الحق الأثرى

ط: ادارة العلوم الأثرية ،فيصل آباد باكستان ١٤٢٣هـ

٣٦٩ـمسند الشاشي (المسند للشاشي): لأبي سعيد الهيثم بن كليب الشاشي البِنْكَثي ،ت ٣٣٥هـ تحقيق : د ـمحفوظ الرحمن زين الله

ط: مكتبة العلوم والحكم ـ المدينة المنورة زادها الله شرفا ـ الأولى ١٤١٠هـ

٣٧٠ـمسند الشافعي : لأبي عبد الله محمد بن ادريس الشافعي ـ صاحب المذهب ـ القرشي ،ت ٢٠٤هـ

ط: دار الكتب العلمية بيروت ـ لبنان

٣٧١ـمسند الشاميين : للطبراني وهو أبو القاسم سليمان بن أحمد الشامي الطبراني ،ت ٣٦٠هـ تحقيق : حمدى بن عبد المجيد السلفي

ط: مؤسسة الرسالة ـ بيروت ـ الأولى ١٤٠٥هـ

٣٧٢ـمسند الشهاب : لأبي عبد الله محمد بن سلامة القضاعي ـت ٤٥٤هـ تحقيق : حمدى بن عبد المجيد السلفي

ط: مؤسسة الرسالة ـ بيروت ـ الثانية ١٤٠٧هـ

٣٧٣ـمسند الطيالسي (مسند أبي داؤد الطيالسي): لأبي داؤد سليمان بن داؤد بن الجارود الطيالسي البصري ،ت ٢٠٤هـ

٣٧٤ـمسند عبد بن حميد (المنتخب من مسند عبد بن حميد): لأبي محمد عبد الحميد بن حميد بن نصر الكَسّي ويقال له : الكَشّي بالفتح والإعجام ،ت ٢٤٩هـ تحقيق : صبحي البدرى السامرائي ، محمود محمد خليل

الصعيدي

ط: مكتبة السنة ، القاهرة ، الأولى ١٤٠٨هـ

٣٧٥ـ **المسند المستخرج على صحيح الإمام مسلم** : لأبي نعيم الأصبهاني وهو أحمد بن عبد الله بن أحمد المهراني الأصبهاني ، ت ٤٣٠هـ تحقيق : محمد حسن محمد حسن إسماعيل الشافعي

ط: دار الكتب العلمية ـ بيروت ، لبنان ـ الأولى ١٤١٧هـ

٣٧٦ـ **مشارق الأنوار على صحاح الآثار** : لأبي الفضل عياض بن موسى السبتي ،ت ٥٤٤هـ

ط: المكتبة العتيقة ودار التراث

٣٧٧ـ **مشيخة ابن البخاري** : لجمال الدين أبي العباس أحمد بن محمد بن عبد الله الحنفي ،ت٦٩٦هـ تحقيق : د ـ عوض عتقي سعد الحازمي

ط: دار عالم الفوائد ـ مكة المكرمة زادها الله شرفا ـ الأولى ١٤١٩هـ

٣٧٨ـ **مصباح الزجاجة في زوائد ابن ماجه** : للبوصيري وهو أبو العباس شهاب الدين أحمد بن أبي بكر البوصيري الكناني الشافعي ،ت ٨٤٠هـ

٣٧٩ـ **المصباح المنير في غريب الشرح الكبير** : لأبي العباس أحمد بن محمد بن علي الفيومي ثم الحموي ،ت نحو ٧٧٠هـ

٣٨٠ـ **المصنف في الأحاديث والآثار** : لابن أبي شيبة وهو أبو بكر عبد الله بن محمد ابن أبي شيبة الكوفي ،ت ٢٣٥هـ

٣٨١ـ **المصنف في الأحاديث والآثار** : لعبد الرزاق وهو أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني ،ت ٢١١هـ تحقيق : حبيب الرحمن الأعظمي

ط: المكتب الإسلامي بيروت ـ الثانية ١٤٠٣هـ

٣٨٢ـ **المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية** : لابن حجر وهو أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد العسقلاني ،ت ٨٥٢هـ تنسيق : د ـ سعد بن ناصر الشثري

ط: دار الغيث السعودية ـ الأولى ١٤١٩هـ

٣٨٣ـ **المطلع على أبواب المقنع** : لشمس الدين أبي عبد الله محمد بن أبي الفتح البعلي ،ت ٧٠٩هـ

ط: المكتب الإسلامي ـ بيروت

٣٨٤_معارف السنن شرح جامع الترمذى: للسيد محمد يوسف بن محمد زكريا الحسينى البَنُورِىّ(١) ت ١٣٩٧هـ

ط: ايج ـ ايم سعيد كمپنى كراتشى باكستان

٣٨٥_معالم أصول الفقه عند أهل السنة والجماعة : لمحمد بن حسين بن حسن الجيزانى

٣٨٦_معانى القرآن : للنحاس وهو أبو جعفر النحاس أحمد بن محمد ،ت ٣٣٨هـ تحقيق : محمد على الصابونى

ط: جامعة أم القرى ـ مكة المكرمة زادها الله شرفا ـ الأولى ١٤٠٩هـ

٣٨٧_المعتصر الضرورى شرح المختصر للقدورى: لمحمد سليمان الهندى

ط: ادارة القرآن والعلوم الإسلاميه كراتشى باكستان ـ الثانية ١٤٢٦هـ

٣٨٨_معجم ابن الأعرابى : لأبى سعيد بن الأعرابى أحمد بن محمد البصرى الصوفى الشهير ،ت ٣٤٠هـ

٣٨٩_معجم ابن عساكر (معجم الشيوخ): لثقة الدين أبى القاسم على بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساكر ،ت ٥٧١هـ

٣٩٠_معجم أسامى شيوخ أبى بكر الإسماعيلى (معجم شيوخ أبى بكر الإسماعيلى): لأبى بكر أحمد بن إبراهيم الإسماعيلى الجرجانى ،ت ٣٧١هـ

٣٩١_المعجم الأوسط : للطَّبَرانى وهو أبو القاسم سليمان بن أحمد الشامى الطَّبَرانى ،ت ٣٦٠هـ تحقيق : طارق بن عوض الله بن محمد عبد المحسن بن إبراهيم الحسينى

ط: دار الحرمين القاهرة ـ ١٤١٥هـ

. . . _معجم شيوخ أبى بكر الإسماعيلى : انظر : معجم أسامى شيوخ أبى بكر الإسماعيلى

٣٩٢_المعجم الصغير : للطَّبَرانى وهو أبو القاسم سليمان بن أحمد الشامى الطَّبَرانى ،ت ٣٦٠هـ تحقيق : محمد شكور محمود الحاج أمرير

ط: المكتب الإسلامى ـ بيروت ـ الأولى ١٤٠٥هـ

٣٩٣_المعجم الكبير : للطَّبَرانى وهو أبو القاسم سليمان بن أحمد الشامى الطَّبَرانى ،ت ٣٦٠هـ

٣٩٤_معجم لغة الفقهاء: لمحمد رواس قلعجى ـ حامد صادق قنيى

ط: دار النفائس للطباعة والنشر التوزيع ـ الثانية ،١٤٠٨هـ

---

(١)البَنُورِىّ : هو بفتح الباء والنون المشددة والمخففة ، والتخفيف هو المعروف كما يقوله البَنُورِىُّ نفسُه فى "نفحة العنبر" ص:٢٦٨ (استفدته من "الدراسات" للتركمانى ص:٣)

٣٩٥ـمعجم مقاليد العلوم فى الحدود والرسوم : لجمال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر ، السيوطى ،ت ٩١١هـ

تحقيق : أ ـد ـ محمد ابراهم عبادة

ط: مكتبة الآداب القاهرة ـ مصر ـ الأولى ١٤٢٤هـ

٣٩٦ـمعجم مقاييس اللغة : لابن فارس وهو أبو الحسين أحمد بن فارس بن زكريا القزوينى الرازيّ ،ت ٣٩٥هـ

تحقيق : عبد السلام محمد هارون

ط: دار الفكر بيروت ـ ١٣٩٩هـ دون طبعة

٣٩٧ـمعرفة السنن والآثار : للبيهقي وهو أبو بكر أحمد بن الحسين الخراسانى البيهقى ،ت ٤٥٨هـ

٣٩٨ـمعرفه الصحابة : لأبى نعيم وهو أحمد بن عبد الله بن أحمد الأصبهانى ،ت ٤٣٠هـ تحقيق : عادل بن يوسف العزازى

ط: دار الوطن للنشر ، الرياض ـ الأولى ١٤١٩هـ

٣٩٩ـمعين الحكام فيما يتردد بين الخصمين من الأحكام : للطَّرَابُلُسى وهو أبو الحسن علاء الدين ، على بن خليل الطَّرَابُلُسى قاضى القدس ـ ،ت ٨٤٤هـ

ط: أمير حمزه كتب خانه كانسى رود كوئته باكستان

٤٠٠ـمغانى الأخيار فى شرح أسامى رجال معانى الآثار : للعينى وهو بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد الغيتابى الحنفى ،ت ٨٥٥هـ تحقيق: محمد حسن محمد حسن إسماعيل

ط: دار الكتب العلمية بيروت ـ لبنان ـ الأولى ١٤٢٧هـ

٤٠١ـالمغنى : لابن قدامة وهو أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد المقدسى الحنبلى ،ت ٦٢٠هـ

ط: دار الفكر ـ بيروت ـ الأولى ١٤٠٥هـ

٤٠٢ـ المغنى عن حمل الأسفار فى الأسفار ، فى تخريج ما فى الإحياء من الأخبار : للعراقى وهو أبو الفضل زين الدين عبد الرحيم بن الحسين العراقى ،ت ٨٠٦هـ تحقيق :أشرف عبد المقصود

ط:مكتبة طبرية ـ الرياض ـ ١٤١٥هـ

٤٠٣ـالمغنى فى الضعفاء : للذهبى وهو شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قَايْماز الذهبى ، ت ٧٤٨هـ تحقيق : الدكتور نور الدين عتر

. . . ـمفاتيح الغيب من القرآن الكريم : انظر: تفسير الرازى

٤٠٤ـ**مفردات ألفاظ القرآن**: للأصفهاني وهو أبو القاسم الحسين بن محمد بن المفضل المعروف بالراغب الأصفهاني ،ت ٥٠٢هـ

ط: دار القلم ـ دمشق

٤٠٥ـ**المُفهِم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم** : لأبي العباس أحمد بن عمر بن إبراهيم الأنصاري القرطبي المالكي ،ت ٦٥٦هـ

٤٠٦ـ**المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسِنة** : للسخاوي وهو شمس الدين أبو الخير محمد بن عبد الرحمن بن محمد السخاوي ،ت ٩٠٢هـ تحقيق : محمد عثمان الخشت

ط: دار الكتاب العربي ـ بيروت ـ الأولى ١٤٠٥هـ

٤٠٧ـ**المقاصد عند الإمام الشاطبي**: لمحمود عبد الهادي فاعور

ط: بسيوني للطباعة صيدا ـ لبنان ـ الأولى ١٤٢٧هـ

٤٠٨ـ**المقترب في بيان المضطرب** : لأبي عمر أحمد بن عمر بن سالم الرحابي

ط: دار ابن حزم للطباعة والنشر ـ الأولى ١٤٢٢هـ

٤٠٩ـ**مقدمة في أصول الحديث** : للدِّهْلَوي وهو عبد الحق بن سيف الدين بن سعد الله البخاري الدهلوي ـ ت ١٠٥٢هـ تحقيق : سلمان الحسيني الندوي

ط: دار البشائر الإسلامية ـ بيروت لبنان ـ الثانية ١٤٠٦هـ

٤١٠ـ**المقصد العلي في زوائد أبي يعلى الموصلي**: لأبي الحسن نور الدين علي بن أبي بكر بن سليمان الهيثمي ،ت ٨٠٧هـ تحقيق : سيد كسروي حسن

ط: دار الكتب العلمية ، بيروت ـ لبنان

٤١١ـ**مكارم الأخلاق ومعاليها ومحمود طرائقها** : للخرائطي وهو أبو بكر محمد بن جعفر الخرائطي السامري ،ت ٣٢٧هـ تحقيق : أيمن عبد الجابر البحيري

ط: دار الآفاق العربية القاهرة ـ الأولى ١٤١٩هـ

٤١٢ـ**ملتقى الأبحر . مطبوع مع شرحه مجمع الأنهر**.: للحَلَبي وهو إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحَلَبي ،ت ٩٥٦هـ

ط: مكتبة المنار كوئته باكستان ـ دون طبعة وتاريخ (وهي طبعة مصورة من دار الكتب العلمية بيروت ١٤١٩هـ)

٤١٣ ـ من تُكلّم فيه وهو موثّق أو صالح الحديث : للذهبي وهو شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان قَايْماز الذهبي ، ت٧٤٨هـ

٤١٤ ـ منار الأنوار ـ مطبوع مع شرحه نور الأنوار ـ: للنسفي وهو حافظ الدين أبو البركات عبد الله بن أحمد ،ت ٧١٠هـ

ط: المكتبة الرحمانية بلاهور ـ باكستان

٤١٥ ـ مناهل العرفان في علوم القرآن : للزرقاني وهو محمد عبد العظيم الزُّرْقاني ،ت ١٣٦٧هـ

ط: دار الفكر ـ بيروت ـ الأولى ١٩٩٦م

٤١٦ ـ المنتقى من السنن المسندة : لابن الجارود وهو أبو محمد عبد الله بن علي بن الجارود النيسابوري المجاور بمكة ،ت ٣٠٧هـ تحقيق : عبد الله عمر البارودي

ط: مؤسسة الكتاب الثقافية ـ بيروت ـ الأولى ١٤٠٨هـ

٤١٧ ـ المنثور في القواعد الفقهية : للزركشي وهو بدر الدين أبو عبد الله محمد بن عبد الله بن بهادر الزركشي ،ت ٧٩٤هـ تحقيق : د ـ تيسير فائق أحمد محمود

ط: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية ـ الكويت ـ الثانية ١٤٠٥هـ

٤١٨ ـ منح الجليل شرح مختصر خليل: لأبي عبد الله محمد بن أحمد بن محمد عليش المالكي ،ت ١٢٩٩هـ

ط: دار الفكر ـ بيروت ـ دون طبعة ، ١٤٠٩هـ

٤١٩ ـ منحة الخالق على البحر الرائق: لمحمد أمين بن عمر ،المعروف بابن عابدين الشامي ،ت١٢٥٢هـ

ط: المكتبة الرشيدية كوئته ـ باكستان ـ دون طبعة وتاريخ

٤٢٠ ـ منظومة مصباح الراوي في علم الحديث : لعبد الله بن فودي ،ت ١٢٤٥هـ تحقيق : محمد المنصور إبراهيم

ط: دار العلم للطباعة والنشر ،سكتو ـ نيجيريا ـ الثانية ١٤٢٦هـ

... ـ المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج : انظر: شرح النووي على مسلم

٤٢١ ـ منهج التشريع الإسلامي وحكمته : لمحمد الأمين بن محمد المختار بن عبد القادر الجكني الشنقيطي ت ١٣٩٣هـ

٤٢٢ ـ منية المصلي وغنية المبتدي : لسديد الدين محمد بن محمد بن علي الكاشغري ،ت ٧٠٥هـ

ط: كتب خانه مجيديه ملتان باكستان

٤٢٣ـ موارد الظمآن الى زوائد ابن حبان : للهيثمي وهو أبو الحسن نور الدين علي بن أبي بكر بن سليمان الهيثمي ،ت ٨٠٧هـ تحقيق : محمد عبد الرزاق حمزة

ط: دار الكتب العلمية بيروت

٤٢٤ـ المواريث في الشريعة الإسلامية : لمحمد علي الصابوني ـ حفظه الله تعالى

ط: دار القلم ـ دمشق ـ الثانية ١٤١٣هـ

٤٢٥ـ الموافقات : للشاطبي وهو إبراهيم بن موسى بن محمد اللخمي الغرناطي الشهير بالشاطبي ،ت ٧٩٠هـ

٤٢٦ـ مواهب الجليل في شرح مختصر خليل : لشمس الدين أبي عبد الله محمد بن محمد بن عبد الرحمن الطرابلسي المغربي ، المعروف بالحطاب الرُّعيني المالكي ،ت ٩٥٤هـ

ط: دار الفكر ـ بيروت ـ الثالثة، ١٤١٢هـ

٤٢٧ـ الموجز المبين في بيان المهم من علم الدين : لمحمد أحمد محمد عاموه ـ حفظه الله تعالى

ط: الهيئة العلمية برباط أبي بكر الصديق رضي الله عنه للعلوم الشرعية بجامع دحمان كبير حديدة ـ يمن

٤٢٨ـ موسوعة أصول الفقة: اعداد : موقع روح الإسلام (الإصدار الأول ـ الموافق للمطبوع ـ)

٤٢٩ـ الموسوعة الفقهية الكويتية : لهيئة كبار علماء الإسلام

صدرت عن : وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية بالكويت ـ وصوّرتْها في الباكستان المكتبة الحقانية بكوئته

٤٣٠ـ ميزان الاعتدال في نقد الرجال : للذهبي وهو شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قايماز الذهبي ،ت ٧٤٨هـ تحقيق : علي محمد البجاوي

ط: دار المعرفة للطباعة والنشر ، بيروت لبنان ـ الأولى ١٣٨٢هـ

......ن......

٤٣١ـ "النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير" شرح الجامع الصغير ـ مطبوع على هامشه ـ : للكنوي وهو أبو الحسنات محمد عبد الحي بن محمد عبد الحليم الأنصاري الهندي ،ت ١٣٠٤هـ

ط: عالم الكتب ـ بيروت ـ الأولى ١٤٠٦هـ

٤٣٢ـ نتائج الأفكار في كشف الرموز والأسرار . تكملة فتح القدير لابن الهمام . : لشمس الدين أحمد بن قودر الشهير بـ"قاضي زاده" ت ٩٨٨هـ تعليق وتخريج : عبد الرزاق غالب المهدي

ط: المكتبة الرشيدية كوئته باكستان (طبعة جديدة) دون طبعة وتاريخ

. . . النُّتَف في الفتاوى : انظر فتاوى السُّغدي

٤٣٣ـ النخبة البهية في الأحاديث المكذوبة على خير البرية : لمحمد الأمير الكبير المالكي ،ت ١٢٢٨هـ

تحقيق : زهير الشاويش

ط: المكتب الإسلامي ـ بيروت ـ الأولى ، ١٤٠٩هـ

٤٣٤ـنزهه النظر في توضيح نخبة الفكر في مصطلح أهل الأثر: للعسقلاني وهو أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني ،ت ٨٥٢هـ تحقيق : عبد الله بن ضيف الله الرحيلي

ط: مطبعة سفير بالرياض ـ الأولى ١٤٢٢هـ

٤٣٥ـنصب الراية لأحاديث الهداية : للزَّيْلَعي وهو جمال الدين أبو محمد عبد الله بن يوسف بن محمد الزيلعي ،ت ٧٦٢هـ

٤٣٦ـنظم الدُّرَر في تناسب الآيات والسُّوَر : لإبراهيم بن عمر بن حسن البقاعي ،ت ٨٨٥ هـ

٤٣٧ـنظم المتناثر من الحديث المتواتر : للكتَّاني وهو أبو عبد الله محمد بن أبي الفيض جعفر بن ادريس الحسني الإدريسي الشهير بـ" الكتّاني"،ت ١٣٤٥هـ تحقيق : شرف حجازي

ط: دار الكتب السلفية ـ مصر ـ الثانية

٤٣٨ـالنُّقاية . مطبوع مع شرحه للملاعلي القاري . : لصدر الشريعة الأصغر عبيد الله بن مسعود ،ت ٧٤٧هـ

ط: ايج ـ ايم سعيد كمبني كراتشي باكستان

٤٣٩ـالنُّكَت على مقدمة ابن الصلاح : للزَّرْكشي وهو أبو عبد الله بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر الزركشي الشافعي ،ت ٧٩٤هـ تحقيق : د ـ زين العابدين بن محمد بلا فريج

ط: أضواء السلف ـ الرياض ـ الأولى ١٤١٩هـ

٤٤٠ـنور الأنوار على منار الأنوار: لأحمد بن أبي سعيد بن عبد الله الصديقي الهندي المعروف بملا جيون ،ت ١١٣٠هـ

ط: المكتبة الرحمانية بلاهور ـ باكستان

٤٤١ـنور الإيضاح ونجاة الأرواح : لحسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي ،ت ١٠٦٩هـ

٤٤٢ـالنهاية في غريب الحديث والأثر : لابن الأثير الجزري وهو مجد الدين أبو السعادات المبارك بن محمد الشيباني ،ت ٦٠٦هـ تحقيق : طاهر أحمد الزاوي ـ محمود محمد الطناحي

ط: المكتبة العلمية ـ بيروت ـ ١٣٩٩هـ

٤٤٣ـالنهر الفائق شرح كنز الدقائق: لسراج الدين ابن نجيم وهو عمر بن إبراهيم بن محمد ، ت ١٠٠٥هـ

تحقيق وتعليق: أحمد عزّو عناية

ط: قديمي كتب خانه كراتشي باكستان ـ دون طبعة وتاريخ

٤٤٤ـنيل الأوطار من أسرار منتقى الأخبار . شرح المنتقى من الأخبار في الأحكام . : للشوكاني وهو محمد بن علي بن محمد الشوكاني اليمني ،ت ١٢٥٠هـ

......ه......

٤٤٥ـالهداية في الفروع .شرح بداية المبتدى .: للمَرْغيناني وهو برهان الدين أبو الحسن علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني ،ت ٥٩٣هـ

ط: المكتبة الرحمانية بلاهور ـ باكستان

٤٤٦ـهدية العارفين في أسماء المؤلفين وآثار المصنفين : لإسماعيل بن محمد أمين بن مير سليم البابانى البغدادى ،ت ١٣٩٩هـ

ط: المكتبة الرحمانية بلاهور ـ باكستان

٠٠٠ـ الهندية : انظر : الفتاوى الهندية

......و......

٤٤٧ـالوجيز في تفسير الكتاب العزيز: للواحدى وهو أبو الحسن علي بن أحمد الواحدى النيسابورى ،ت ٤٦٨هـ تحقيق : صفوان عدنان داوودى

ط: دار القلم ـ دمشق ـ الأولى ١٤١٥هـ

٤٤٨ـوقاية الرواية في مسائل الهداية ، المعروف بـ "الوقاية" ـ مطبوع مع شرحه لصدر الشريعة الأصغر صاحب "النُقاية" ـ: للمحبوبي وهو برهان الشريعة محمود بن عبيدالله بن إبراهيم المحبوبي ،ت نحو ٦٧٣هـ

ط: المكتبة الامدادية ملتان باكستان ـ دون طبعة وتاريخ

......ى......

٤٤٩ـيتيمة الدهر في محاسن أهل العصر : لأبي منصور عبد الملك بن محمد بن إسماعيل الثعالبي ،ت٤٢٩هـ

تحقيق : د.مفيد محمد قمحية

ط: دار الكتب العلمية بيروت ـ لبنان ـ الأولى ١٤٠٣هـ

450 - Clinical Anatomy for Medical Students : by Richard S.Snell

451 - Clinical Oriented Anatomy : by Keith L.Moore, Arthur F.Dalley, Anne M.R.Agur (6th Edition)

452 - Gray's Anatomy for students (37th Ed.) by Richard L. Drake, Wayne Vogl, Adam W.M Mitchell.

مؤلف کی دیگر کتب

عام فہم میراث

نہایت آسان طریقوں سے مسائل میراث کا حل سکھانے والی ایک منفرد کتاب،
جس کے اندر ہر باب کے آخر میں مشقی سوالات مع حل کا مفید ذخیرہ بھی موجود ہے۔

(مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور ۳۷۲۲۴۲۲۸ ۰۴۲)

نبوی اخلاق وآدابِ زندگی (اردو ترجمہ وشرح الأدب المفرد)

امام بخاریؒ کی کتاب حدیث "الأدب المفرد" کا آسان اردو ترجمہ وشرح:
جس میں انفرادی اور عائلی (خاندانی) زندگی کو کامیاب بنانے کے نبوی مبارک طریقے بیان کیے گئے ہیں۔
جو طلباء ومدرسین کے علاوہ ہر گھر وفرد کی ضرورت ہے۔

(مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور ۳۷۲۲۴۲۲۸ ۰۴۲)

مزید الایمان (یعنی ایمان افروز مضامین)

علماء، خطباء اور دعوت دینے والے حضرات کیلیے انتہائی مفید اور مستند کتاب:
جس میں توحید، سیرت، آخرت (قبر، حشر، جنت، جہنم) اور دعوت وتبلیغ کی اہمیت سے متعلقہ آیات، احادیث، اشعار وتاریخی واقعات کا ایمان افروز مستند ذخیرہ موجود ہے اور اس پاک رب کے فضل واحسان سے خاص وعام کے ہاں اسے شرفِ قبول حاصل ہوا ہے۔

(مطبوعہ مکتبہ صدیقیہ بیرون تبلیغی مرکز رائیونڈ ۴۵۸۵۱۴۴ ۰۳۰۰)

آپ نورانی قاعدہ کیسے پڑھیں اور پڑھائیں

اس کتابچہ میں نورانی قاعدہ کی تختیوں کو پڑھانے کا ایسا آسان اور مشقی انداز بیان کیا گیا ہے جس سے طلباء میں پختہ استعداد جلد پیدا ہو جاتی ہے۔ (مطبوعہ مکتبہ عمر بن خطاب نی چوک ملتان ۷۵۷۴۹۷۷ ۰۳۰۱)

کتب حدیث وعلومِ حدیث سے استفادہ وتحقیق کا طریقہ

متخصصین فی الحدیث الشریف اور محققانہ طرز پر کام کرنے والوں کیلیے مفید ومعاون کتاب:
جس میں متونِ حدیث، اسماء الرجال اور اصولِ حدیث کی تقریبا ۵۰۰ کتب کا تعارف، منہج اور ان سے استفادہ کا طریقہ درج کیا گیا ہے۔ (مخطوط۔۔۔زیر مراجعت)

